تشریح الہدایۃ
شرح اردو
ہدایۃ
جلد ۸
مؤلف
مولانا نصیب اللہ
(ابن الحاج عبد الصمد مالیزی نور اللہ مرقدہ)
مکتبۃ الارشد
0301-3725288.0313-8895104

# تشریح الہدایہ

شرح اردو

# ہدایہ

مؤلف

مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبد الصمد مالیزئی نور اللہ مرقدہ)

جلد 8

ناشر

حافظ محمد ایوب بریچ کوئٹہ

03138895104

03013725288

مکتبۃ الارشد کوئٹہ

نام کتاب..................الفتح الرّبانی شرح اردو تفسیر البیضاوی

مرتب....................مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبد الصمد مالیزئی نور اللہ مرقدہ)

ناشر..........................مکتبۃ الارشد کوئٹہ 03138895104

03013725288

﴿......ملنے کے پتے......﴾

| | |
|---|---|
| مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ | مکتبہ رشیدیہ شیش محل روڈ لاہور |
| مکتبۃ العرفان کانسی روڈ کوئٹہ | اسلامی کتب خانہ لاہور |
| مکتبہ دار السلام کانسی روڈ کوئٹہ | دار الاخلاص پشاور |
| مکتبہ شمسیہ کانسی روڈ کوئٹہ | مکتبہ بیت العلم پشاور |
| مکتبہ دار العلم چمن | مکتبہ عثمانیہ پشاور |
| مکتبہ ندوہ اردو بازار کراچی | مکتبہ عمر فاروق پشاور |
| اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاون کراچی | مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک |
| کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی | مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک |
| زم زم پبلشرز کراچی | مکتبہ صدیقیہ مینگورہ سوات |
| مکتبہ امدادیہ ملتان | مکتبہ عباسیہ تیمر گرہ |
| مکتبۃ العارفی فیصل آباد | مکتبۃ الاحرار مردان |
| مکتبہ دیوبند کوہاٹ | مکتبہ ابن عباس تخت بھائی |
| برکی اسلامی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان | مکتبۃ الاحسان بنوں |

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

# كِتَابُ الصُّلْح

## یہ کتاب صلح کے بیان میں ہے

"صلح" اسم ہے مصالحت مصدر کا جو مخاصمت کی ضد ہے۔"صلاح" بمعنی استقامتِ حال سے مشتق ہے۔ اور شریعت میں اس عقد سے عبارت ہے جو نزاع اور خصومت کے لئے رافع ہو یعنی کوئی ایسا درمیانی راستہ تلاش کرنا جو دونوں فریق کے لئے قابل قبول ہو جس سے آپس کی منازعت ختم ہو جائے۔

عقدِ صلح کرنے والے کو "مصالح" کہتے ہیں اور بدل صلح (یعنی جس چیز پر صلح واقع ہو) کو "مصالح علیہ" اور مدعیٰ بہ (یعنی جس کا مدعی دعویٰ کرے) کو "مصالح عنہ" کہتے ہیں مثلاً زید نے بکر پر کسی شیٔ کا دعوی کیا بکر نے زید سے کہا کہ "مجھ سے سو روپیہ لے لو اور دعوی چھوڑ دو" زید نے سو روپیہ لے کر دعوی چھوڑ دیا تو بکر مصالح ہے سو روپیہ مصالح علیہ ہے اور مدعا بہ مصالح عنہ ہے۔

صلح کا رکن وہ ایجاب وقبول ہیں جو صلح کے لئے وضع شدہ ہیں، اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مصالح عنہ مال ہو یا ایسا حق ہو جس کا عوض لینا جائز ہو جیسے قصاص۔ اور ایسا حق نہ ہو جس کا عوض لینا جائز نہ ہو جیسے حق شفعہ اور کفالہ بالنفس۔

"كِتَابُ الْاِقْرَارِ" کے ساتھ "كِتَابُ الصُّلْحِ" کی مناسبت یہ ہے کہ مقر کا انکار کرنا خصومت کا سبب ہے اور خصومت صلح کا تقاضا کرتی ہے اس لیے مصنفؒ نے اقرار کے بعد صلح کے احکام کو ذکر فرمایا ہے۔

{1} قَالَ: اَلصُّلْحُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَضْرُبٍ: صُلْحٌ مَعَ إِقْرَارٍ، وَصُلْحٌ مَعَ سُكُوتٍ، وَهُوَ أَنْ لَا يُقِرَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَلَا يُنْكِرَ وَصُلْحٌ مَعَ إِنْكَارٍ

فرمایا: صلح تین قسم پر ہے، صلح اقرار کے ساتھ، صلح خاموشی کے ساتھ، اور وہ یہ ہے کہ نہ اقرار کرے مدعی علیہ اور نہ انکار کرے، اور صلح انکار کے ساتھ،

وَكُلُّ ذَلِكَ جَائِزٌ ؛ لِإِطْلَاقِ قَوْلِه تَعَالَى { وَالصُّلْحُ خَيْرٌ } وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : { كُلُّ صُلْحٍ جَائِزٌ

اور یہ تینوں جائز ہیں؛ بوجہ مطلق ہونے باری تعالیٰ کے ارشاد "وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" کے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ہر صلح جائز ہے

فِيمَابَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّاصُلْحًاأَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا } {2}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَجُوزُ مَعَ إِنْكَارٍ أَوْ سُكُوتٍ

مسلمانوں کے درمیان مگر وہ صلح جو حلال کردے حرام کو یا حرام کردے حلال کو" اور فرمایا امام شافعیؒ نے: جائز نہیں انکار یا سکوت کے ساتھ؛

لِمَا رَوَيْنَا ، وَهَذَا بِهَذِهِ الصِّفَةِ لِأَنَّ الْبَدَلَ كَانَ حَلَالًا عَلَى الدَّافِعِ حَرَامًا عَلَى الْآخِذِ

اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، اور یہ صلح اسی صفت کی ہے؛ کیونکہ بدلِ صلح حلال ہے دینے والے کے لیے اور حرام ہے لینے والے پر،

فَيَنْقَلِبُ الْأَمْرُ ، وَلِأَنَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَدْفَعُ الْمَالَ لِقَطْعِ الْخُصُومَةِ وَهَذَا رِشْوَةٌ .{3}وَلَنَا مَا

پس الٹا ہو جائے گا معاملہ، اور اس لیے کہ مدعیٰ علیہ مال دیتا ہے قطع خصومت کے لیے اپنی ذات سے، اور یہ رشوت ہے۔ اور ہماری دلیل وہ آیت ہے

تَلَوْنَا وَأَوَّلُ مَا رَوَيْنَا وَتَأْوِيلُ آخِرِهِ أَحَلَّ حَرَامًا لِعَيْنِهِ كَالْخَمْرِ

جو ہم نے تلاوت کی، اور آغاز اس حدیث کا جو ہم نے روایت کی، اور اس کے آخر کی تاویل یہ ہے کہ حلال کردے حرام لعینہ کو جیسے شراب،

أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا لِعَيْنِهِ كَالصُّلْحِ عَلَى أَنْ لَا يَطَأَ الضَّرَّةَ {4}وَلِأَنَّ هَذَا صُلْحٌ بَعْدَ دَعْوَى صَحِيحَةٍ فَيُقْضَى

یا حرام کردے حلال لعینہ کو جیسے صلح اس پر کہ وطی نہیں کرے گا سوتن سے، اور اس لیے کہ یہ صلح صحیح دعوی کے بعد ہے، پس حکم کیا جائے گا

بِجَوَازِهِ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ يَأْخُذُهُ عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِي زَعْمِهِ وَهَذَا مَشْرُوعٌ ، وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَدْفَعُهُ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ

اس کے جواز کا؛ کیونکہ مدعی لیتا ہے اس کو اپنے حق کے عوض میں اس کے گمان میں، اور یہ مشروع ہے، اور مدعیٰ علیہ دیدیتا ہے دفع خصومت کے لیے

عَنْ نَفْسِهِ وَهَذَامَشْرُوعٌ أَيْضًاإِذِالْمَالُ وِقَايَةُ الْأَنْفُسِ وَدَفْعُ الرِّشْوَةِ لِدَفْعِ الظُّلْمِ أَمْرٌ جَائِزٌ {5}قَالَ : فَإِنْ وَقَعَ

اپنی ذات سے، اور یہ بھی مشروع ہے؛ اس لیے کہ مال محافظ ہے نفس کا، اور رشوت دینا دفع ظلم کے لیے جائز امر ہے۔ فرمایا: پس اگر واقع ہوا

الصُّلْحُ عَنْ إِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ فِيهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ إنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ ؛ لِوُجُودِ مَعْنَى الْبَيْعِ

صلح اقرار سے تو اعتبار ہوگا اس میں ان امور کا جن کا اعتبار ہوتا ہے بیوع میں اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلے میں؛ بیع کا معنی موجود ہونے کی وجہ سے،

وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بِتَرَاضِيهِمَا فَتَجْرِي فِيهِ الشُّفْعَةُ إذَا كَانَ عَقَارًا ، وَيُرَدُّ

اور وہ مبادلۃ المال بالمال ہے متعاقدین کے حق میں ان کی باہمی رضامندی سے، پس جاری ہوگا اس میں شفعہ جبکہ وہ عقار ہو، اور واپس کی جائے گی

بِالْعَيْبِ ، وَيَثْبُتُ فِيهِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ ، وَيُفْسِدُهُ جَهَالَةُ الْبَدَلِ ؛ لِأَنَّهَا هِيَ الْمُفْضِيَةُ إلَى الْمُنَازَعَةِ{6}دُونَ

عیب کی وجہ سے، اور ثابت ہوگا اس میں خیارِ شرط اور خیارِ رؤیت، اور فاسد کردے گا جہالت بدل؛ کیونکہ یہ مفضی ہے جھگڑے کو، نہ کہ

جَهَالَةِ الْمُصَالَحِ عَنْهُ لِأَنَّهُ يَسْقُطُ وَيُشْتَرَطُ الْقُدْرَةُ عَلَى تَسْلِيمِ الْبَدَلِ{7} وَإِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعَ

مصالح عنہ کی جہالت؛ کیونکہ وہ ساقط ہوتا ہے، اور شرط ہوگی قدرت بدل سپرد کرنے پر۔ اور اگر واقع ہو مال سے منافع کے بدلے

يُعْتَبَرُ بِالْإِجَارَاتِ ؛ لِوُجُودِ مَعْنَى الْإِجَارَةِ وَهُوَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِمَالٍ وَالِاعْتِبَارُ فِي الْعُقُودِ

تو اعتبار کیا جائے گا اجارات کے ساتھ؛ بوجہ موجود ہونے اجارہ کے معنی کے، اور وہ مالک کرنا ہے منافع کا مال کے بدلے، اور اعتبار عقود میں

لِمَعَانِيهَا فَيُشْتَرَطُ التَّوْقِيتُ فِيهَا وَيَبْطُلُ ، الصُّلْحُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا فِي الْمُدَّةِ لِأَنَّهُ إجَارَةٌ

ان کے معانی کا ہے، پس شرط ہوگا وقت بیان کرنا اس میں، اور باطل ہوگی صلح دونوں میں سے ایک کی موت سے مدت کے اندر؛ کیونکہ یہ اجارہ ہے۔

{8} وَالصُّلْحُ عَنِ السُّكُوتِ وَالْإِنْكَارِ فِي حَقِّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لِافْتِدَاءِ الْيَمِينِ وَقَطْعِ الْخُصُومَةِ وَفِي حَقِّ الْمُدَّعَى

فرمایا: اور صلح سکوت اور انکار کے ساتھ مدعی علیہ کے حق میں قسم کے فدیہ اور قطع خصومت کے لیے ہے، اور مدعی کے حق میں

بِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ ) لِمَا بَيَّنَّا ، وَيَجُوزُ أَنْ يَخْتَلِفَ حُكْمُ الْعَقْدِ فِي حَقِّهِمَا كَمَا يَخْتَلِفُ

بدرجۂ معاوضہ ہوتی ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور جائز ہے کہ مختلف ہو جائے حکم عقد ان دونوں کے حق میں جیسا کہ مختلف ہوتا ہے

حُكْمُ الْإِقَالَةِ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَغَيْرِهِمَا {9} وَهَذَا فِي الْإِنْكَارِ ظَاهِرٌ ، وَكَذَا فِي السُّكُوتِ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ

اقالہ کا حکم متعاقدین اور ان کے غیر کے حق میں، اور یہ انکار کی صورت میں ظاہر ہے، اور اسی طرح سکوت کی صورت میں؛ کیونکہ احتمال رکھتا ہے

الْإِقْرَارَ وَالْجُحُودَ فَلَا يَثْبُتُ كَوْنُهُ عِوَضًا فِي حَقِّهِ بِالشَّكِّ .

اقرار اور انکار کا، پس ثابت نہ ہوگا اس کا عوض ہونا مدعی علیہ کے حق میں شک سے۔

تشریح:۔ {1} صلح کی تین قسمیں ہیں، ایک صلح مع اقرار، اور وہ یہ ہے کہ مدعا علیہ مدعی کے دعوی کا اقرار کرے کہ تو نے میرے اوپر جو مال کا دعوی کیا ہے وہ صحیح ہے مگر تو اپنا دعوی چھوڑ دو اور اس سے میرے ساتھ اتنے مال پر صلح کر لو، تو گویا مدعا علیہ نے کل مدعی بہ کو کچھ کم مال کے عوض خریدنا چاہتا ہے۔ دوم صلح مع سکوت، اور وہ یہ ہے کہ مدعا علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے، اور سوم صلح مع انکار ہے، اور وہ یہ ہے کہ مدعا علیہ مدعی کے دعوی کا انکار کرے کہ جس چیز کا تو نے میرے اوپر دعوی کیا ہے وہ درست نہیں، البتہ اب اس دعوی میں چونکہ مجھ پر قسم آرہی ہے قسم اگرچہ میرے لیے جائز ہے مگر میں قسم نہیں لینا چاہتا، لہٰذا اتنا مال لے کر مجھ سے صلح کر لو۔

صلح کی ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک جائز ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ[1]﴾ (کہ صلح بہتر ہے) جس میں مطلق صلح کو بہتر کہا ہے جو ان تینوں قسموں کو شامل ہے۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "كُلُّ صُلْحٍ جَائِزٌ فِيمَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إلَّا صُلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا[2]" (ہر صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال کرے

---

([1]) النساء :128.

([2]) أخرجه الترمذي، وابن ماجة في الأحكام عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "الصلح جائز" إلى آخره سواء، زاد الترمذي: والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا أحل حراما، أو حرم حلالا، انتهى. وقال: حديث صحيح، انتهى. ورواه بتمامه الحاكم أيضا في المستدرك، وسكت عنه، وقال الذهبي: هو حديث واه. (نصب الراية:4261)

یا حلال کو حرام کرے) جس میں صلح کی دو قسموں کے علاوہ ہر قسم کی صلح کو جائز قرار دیا ہے ایک یہ کہ صلح کے ذریعہ شرعاً حرام چیز کو حلال کر دے، دوم یہ کہ شرعاً حلال کو حرام کر دے۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صلح مع انکار اور صلح مع سکوت جائز نہیں ہے؛ دلیل اوپر کی روایت کا آخر حصہ ہے کہ حرام کو حلال کرنے والی اور حلال کو حرام کرنے والی صلح جائز نہیں، اور مذکورہ صلح اسی صفت پر ہے؛ کیونکہ بدل صلح دینے والے (مدعی علیہ) کے لیے حلال تھا اور لینے والے (مدعی) کے لیے حرام تھا؛ کیونکہ مدعی علیہ منکر ہے اور مدعی کا حق بینہ سے ثابت نہیں ہوا ہے لہٰذا مدعی کے لیے کچھ لینا حرام ہے پس صلح کر کے یہ معاملہ الٹا ہو جائے گا کہ دینے والے کے لیے (رشوت ہونے کی بناء پر) حرام اور لینے والے کے لیے (صلح کے ذریعہ) حلال ہو گا اس لیے یہ صلح جائز نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ مدعا علیہ یہ مال اس غرض سے دیتا ہے کہ اپنی ذات سے مدعی کا جھگڑا دور ہو حالانکہ یہ رشوت ہے اور رشوت حرام ہے اس لیے یہ صلح جائز نہیں ہے۔

{3} ہماری دلیل ایک تو اس آیت کا اطلاق ہے جو اوپر ہم نے تلاوت کی، دوم حدیث کا اول جملہ بھی ہماری دلیل ہے جس میں ہر طرح کی صلح کو جائز قرار دیا ہے۔ اور حدیث کے آخری جملہ کی تاویل یہ ہے کہ حرام کو حلال کرنے سے مراد یہ ہے کہ حرام ذاتی ہو جیسے شراب یا خنزیر کو صلح کے ذریعہ حلال کرنا، اور حلال کو حرام کرنے سے مراد یہ ہے کہ حلال ذاتی ہو جیسے ایک زوجہ نے اس بات پر صلح ٹھہرائی کہ شوہر اس کی سوتن کے ساتھ وطی نہ کرے حالانکہ شوہر کے لیے اس کی سوتن کے ساتھ وطی حلال ذاتی ہے جو اس صلح کے ذریعہ حرام قرار دی جا رہی ہے اس لیے یہ صلح جائز نہیں ہے۔

{4} ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ دعویٰ صحیحہ کے بعد صلح ہے یعنی جو صلح کہ انکار کے ساتھ یا سکوت کے ساتھ واقع ہوئی وہ دعویٰ صحیحہ کے بعد ہے حتی کہ مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے تو اس کے جائز ہونے کا حکم دیا جائے گا؛ کیونکہ مدعی تو اس مال کو اپنے اعتقاد کے موافق اپنے حق کا عوض لیتا ہے اور اپنے حق کا عوض لینا شرعاً مشروع ہے۔ اور مدعی علیہ بدل صلح اپنی ذات سے خصومت کو دفع کرنے کے لیے دے رہا ہے اور یہ بھی شرعاً مشروع ہے؛ کیونکہ مال تو جان کی حفاظت ہی کے لیے ہے اس لیے مال دے کر اپنی ذات سے خصومت دور کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ نے جو اس کو رشوت کہہ کر حرام قرار دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدعی علیہ کا خیال یہ ہے کہ مدعی اس سے بدل صلح کا مطالبہ کر کے اس پر ظلم کر رہا ہے اور ظلم کو دفع کرنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے؛ کیونکہ حرام تو وہ رشوت ہے جو غیر پر ظلم کرنے کے لیے دی جائے۔

{5} اگر صلح اقرار کے ساتھ واقع ہوئی تو اس میں وہ باتیں معتبر ہوں گی جو بیوع میں ہوا کرتی ہیں بشرطیکہ صلح مال کے دعویٰ سے بعوض مال کے واقع ہوئی ہو یعنی اگر دعویٰ مال کا ہو اور اس کے عوض صلح بھی مال پر واقع ہوئی تو اس میں بیع کی شرائط معتبر ہوں گی

؛کیونکہ اس میں بیع کا معنی پایا جاتا ہے ؛اس لیے کہ بیع متعاقدین کے حق میں باہمی رضامندی کے ساتھ مال کا مال سے مبادلہ کرنا ہے اور بیع کا یہ معنی اس صلح میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ دونوں صلح کرنے والے باہمی رضامندی کے ساتھ مال کو مال سے مبادلہ کرتے ہیں یہی بیع کا معنی ہے، لہٰذا جو چیز مدعی علیہ نے دیدی اگر وہ غیر منقولہ جائیداد ہے تو اس میں شفعہ جاری ہوگا، اور مدعی نے اگر اس میں عیب پایا تو اس کو واپس کر سکتا ہے اور اس میں خیارِ شرط اور خیار رؤیت بھی ثابت ہوگا، اور جس مال پر صلح واقع ہوئی ہے اس کا معلوم ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ عوض اگر مجہول ہو تو اس طرح کی صلح چونکہ جھگڑا تک نوبت پہنچاتی ہے اس لیے ایسی صلح فاسد ہے۔

{6} مگر جس چیز سے صلح واقع ہوئی ہے اگر وہ مجہول ہو تو صلح میں فساد نہ ہوگا؛ کیونکہ مصالح عنہ چیز تو ساقط ہو رہی ہے اور ساقط ہونے والی چیز کی جہالت مفضی للنزاع نہیں ہوتی ہے اس لیے یہ صلح فاسد نہ ہوگی۔ اور شرط ہے کہ جس چیز پر صلح واقع ہوئی اس کو سپرد کرنے پر مدعی علیہ قادر ہو چنانچہ اگر ایک غلام معین پر صلح کی حالانکہ وہ غلام کسی غیر کی ملکیت ہے جو اس کو دینے پر راضی نہیں ہے تو یہ ایسی چیز پر صلح ہے کہ مدعی علیہ اس کو مدعی کے سپرد نہیں کر سکتا ہے اس لیے یہ صلح فاسد ہے۔

{7} اور اگر صلح دعویٰ مال سے بعوضِ منافع واقع ہوئی تو اس میں اجارات کے شرائط معتبر ہوں گے؛ کیونکہ اس طرح کی صلح میں اجارہ کا معنی پایا جاتا ہے یعنی منافع کی ملکیت بعوضِ مال حاصل کرنے کا نام اجارہ ہے تو چونکہ عقود میں صرف معانی کا اعتبار ہوتا ہے اور اس صلح میں اجارہ کا معنی پایا جارہا ہے اس لیے یہ صلح اجارہ کے حکم میں ہے پس جو شرائط اجارہ کے ہیں وہی اس صلح کے بھی ہوں گے، پس اس صلح میں مدت کا بیان کرنا شرط ہے اور مدت کے اندر دونوں میں سے کسی کے مرنے سے صلح باطل ہو جائے گی مثلاً اگر مدعی نے کسی مکان میں سکونت کا دعوی کیا اور قابض نے اس سے صلح کی تو اس شرط پر جائز ہے کہ مدت معلوم ہو ورنہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ معنیً یہ اجارہ ہے۔

{8} اور جو صلح سکوت یا انکار کے ساتھ واقع ہو وہ مدعا علیہ کے حق میں قسم اور قطع خصومت کا عوض ہے اور مدعی کے حق میں بمعنی معاوضہ ہے یعنی مدعی اپنے اعتقاد میں اپنے حق کا عوض سمجھ کر لیتا ہے، اور مدعا علیہ اپنی ذات سے قسم اور ظلم کو دور کرنے کے عوض میں بدلِ صلح دیتا ہے، اور یہ بات ممکن ہے کہ اس صلح کا حکم مدعی اور مدعی علیہ میں سے ہر ایک کے حق میں مختلف ہو مثلاً مدعی کے حق میں صلح بمعنی بیع یا اجارہ ہو اور مدعی علیہ کے حق میں فقط قسم سے بچنے کا فدیہ ہو جیسے اقالہ کی صورت عقد متعاقدین اور دوسروں کے حق میں مختلف ہوتا ہے یوں کہ اقالہ دونوں متعاقدین کے حق میں تو فسخ ہے اور دوسروں کے حق میں بیع جدید ہے۔

{9} پھر جبکہ صلح انکار کے ساتھ ہو یعنی مدعی علیہ مدعی بہ کا منکر ہو تو مدعا علیہ کی طرف سے اس صلح کا قسم اور دفع خصومت کا عوض ہونا ظاہر ہے، اسی طرح اگر مدعی علیہ نے سکوت اختیار کیا تو بھی یہ صلح قسم اور دفع خصومت کا عوض ہے اس لیے کہ سکوت میں

جیسے مدعی علیہ کی طرف سے اقرار کا احتمال ہے اسی طرح اس کی طرف سے انکار کا بھی احتمال ہے اور بدل صلح مدعی بہ کا عوض اس وقت ہوتا کہ مدعی علیہ مدعی بہ کا اقرار کرتا جبکہ یہاں اقرار اور انکار دونوں کا احتمال ہے اور شک سے بدل صلح کا مدعی بہ کا عوض ہونا ثابت نہ ہوگا۔

{1}قَالَ : وَإِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيهَا الشُّفْعَةُ ، مَعْنَاهُ إذَا كَانَ عَنْ إنْكَارٍ أَوْ سُكُوتٍ لِأَنَّهُ
فرمایا: اور اگر صلح کی دار سے تو واجب نہ ہوگا اس میں شفعہ۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ صلح انکار یا سکوت کے ساتھ ہو؛ کیونکہ مدعی علیہ

يَأْخُذُهَا عَلَى أَصْلِ حَقِّهِ وَيَدْفَعُ الْمَالَ دَفْعًا لِخُصُومَةِ الْمُدَّعِي وَزَعْمُ الْمُدَّعِي لَا يَلْزَمُهُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا
لیتا ہے اس دار کو اپنے اصلی حق پر، اور دیتا ہے مال دفع کرتے ہوئے مدعی کی خصومت کو، اور مدعی کا گمان لازم نہ ہوگا مدعی علیہ پر، برخلاف اس کے جب

صَالَحَ عَلَى دَارٍ حَيْثُ يَجِبُ فِيهَا الشُّفْعَةُ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ يَأْخُذُهَا عِوَضًا عَنِ الْمَالِ فَكَانَ مُعَاوَضَةً فِي حَقِّهِ
صلح کرلے دار پر، کہ واجب ہوتا ہے اس میں شفعہ؛ کیونکہ مدعی لیتا ہے اس کو عوض سمجھ کر مال کا، تو یہ معاوضہ ہے مدعی کے حق میں،

فَتَلْزَمُهُ الشُّفْعَةُ بِإِقْرَارِهِ وَإِنْ كَانَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يُكَذِّبُهُ .{2}قَالَ : وَإِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ إقْرَارٍ وَاسْتُحِقَّ
پس لازم ہوگا اس پر شفعہ اس کے اقرار سے اگرچہ مدعی علیہ تکذیب کرتا ہے اس کی۔ فرمایا: اور اگر ہو صلح اقرار کے ساتھ، اور مستحق نکل آیا

بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ رَجَعَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذَلِكَ مِنَ الْعِوَضِ ؛لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ مُطْلَقَةٌ كَالْبَيْعِ وَحُكْمُ الِاسْتِحْقَاقِ فِي الْبَيْعِ هَذَا
بعض مصالح عنہ کا، تو واپس لے گا مدعی علیہ اس حصہ کے بقدر عوض سے؛ کیونکہ یہ مطلق معاوضہ ہے جیسے بیع، اور استحقاق کا حکم بیع میں یہی ہے۔

{3} وَإِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُكُوتٍ أَوْ إنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ رَجَعَ الْمُدَّعِي بِالْخُصُومَةِ وَرَدَّ الْعِوَضَ ؛
اور اگر واقع ہو صلح سکوت یا انکار کے ساتھ، پھر مستحق نکل آیا متنازع فیہ کا، تو رجوع کرے مدعی خصومت کی طرف اور ردّ کردے عوض؛

لِأَنَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ مَا بَذَلَ الْعِوَضَ إلَّا لِيَدْفَعَ خُصُومَتَهُ عَنْ نَفْسِهِ ، فَإِذَا ظَهَرَ الِاسْتِحْقَاقُ تَبَيَّنَ أَنْ
کیونکہ مدعی علیہ نے نہیں خرچ کیا ہے عوض مگر اس لیے کہ دفع کردے خصومت اپنی ذات سے، پس جب ظاہر ہوا استحقاق، تو معلوم ہوا کہ

لَا خُصُومَةَ لَهُ فَيَبْقَى الْعِوَضُ فِي يَدِهِ غَيْرَ مُشْتَمِلٍ عَلَى غَرَضِهِ فَيَسْتَرِدُّهُ،
خصومت کا حق نہیں مدعی کو، پس عوض اس طرح باقی رہا اس کے قبضہ میں کہ مشتمل نہیں ہے مدعی علیہ کی غرض پر، لہٰذا واپس لے لے اس کو،

{4}وَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ ذَلِكَ رَدَّ حِصَّتَهُ وَرَجَعَ بِالْخُصُومَةِ فِيهِ لِأَنَّهُ خَلَا الْعِوَضُ فِي هَذَا الْقَدْرِ عَنِ الْغَرَضِ
اور اگر مستحق نکل آیا اس میں سے بعض کا تو واپس کردے اس کے بقدر اور کرلے خصومت اس میں؛ کیونکہ خالی ہے عوض اتنی ہی مقدار میں غرض سے۔

{5}وَلَوِ اسْتُحِقَّ الْمُصَالَحُ عَلَيْهِ عَنْ إقْرَارٍ رَجَعَ بِكُلِّ الْمُصَالَحِ عَنْهُ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ ،وَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُهُ
اور اگر مستحق نکل آیا مصالح علیہ کا صلح عن اقرار میں، تو واپس کردے کل مصالح عنہ؛ کیونکہ یہ تو مبادلہ تھا، اور اگر مستحق نکل آیا بعض کا

رَجَعَ بِحِصَّتِهِ{6}وَإِنْ كَانَ الصُّلْحُ عَنْ إِنْكَارٍ أَوْ سُكُوتٍ رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى فِي كُلِّهِ أَوْ بِقَدْرِ الْمُسْتَحَقِّ إِذَا اسْتَحَقَّ
تو واپس لے اسی کے بقدر۔ اور اگر صلح انکار یا سکوت کے ساتھ ہو تو مدعی رجوع کرے کل کے دعوی کی طرف یا بقدرِ مستحق کے جب مستحق نکل آئے

بَعْضَهُ لِأَنَّ الْمُبْدَلَ فِيهِ هُوَ الدَّعْوَى ،{7}وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ مِنْهُ عَلَى الْإِنْكَارِ شَيْئًا
اس میں سے بعض کا؛ کیونکہ مبدل اس میں دعوی ہے، اور یہ برخلاف اس کے ہے جب فروخت کر دے اس کے ہاتھ انکار کے باوجود کوئی چیز،

حَيْثُ يَرْجِعُ بِالْمُدَّعَى لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى الْبَيْعِ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِالْحَقِّ لَهُ ، وَلَا كَذَلِكَ الصُّلْحُ
کہ اس میں واپس لے گا مدعی؛ کیونکہ اقدام بیع اقرار ہے اس کی طرف سے مدعی کے لیے حق ہونے کا، اور اس طرح نہیں ہے صلح؛

لِأَنَّهُ قَدْ يَقَعُ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ،{8}وَلَوْ هَلَكَ بَدَلُ الصُّلْحِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَالْجَوَابُ فِيهِ كَالْجَوَابِ فِي الِاسْتِحْقَاقِ
کیونکہ وہ کبھی واقع ہوتی ہے دفع خصومت کے لیے، اور اگر ہلاک ہوا بدل صلح سپرد کرنے سے پہلے، تو حکم اس میں وہی ہے جیسا کہ حکم استحقاق کا

فِي الْفَصْلَيْنِ .{9}قَالَ : وَإِنِ ادَّعَى حَقًّا فِي دَارٍ وَلَمْ يُبَيِّنْهُ فَصُولِحَ مِنْ ذَلِكَ ثُمَّ اسْتَحَقَّ
دونوں صورتوں میں۔ فرمایا: اور اگر کسی نے دعوی کیا اپنے حق کا مکان میں، اور بیان نہیں کیا حق کو، پھر صلح کی گئی اس سے، پھر مستحق نکل آیا

بَعْضَ الدَّارِ لَمْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنَ الْعِوَضِ ؛لِأَنَّ دَعْوَاهُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ فِيمَا بَقِيَ بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتَحَقَّ كُلَّهُ
بعض مکان کا، تو واپس نہیں کرے گا عوض میں سے کچھ؛ کیونکہ اس کا دعوی ہو سکتا ہے کہ مابقی میں ہو۔ برخلاف اس کے جب مستحق نکل آئے کل کا؛

لِأَنَّهُ يَعْرَى الْعِوَضُ عِنْدَ ذَلِكَ عَنْ شَيْءٍ يُقَابِلُهُ فَيَرْجِعُ بِكُلِّهِ. عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ فِي الْبُيُوعِ.
کیونکہ خالی ہوگا عوض اس وقت ایسی شی سے جو اس کا مقابل ہو، پس واپس لے گا پورا عوض؛ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے بیوع میں،

{10}وَلَوِ ادَّعَى دَارًا فَصَالَحَهُ عَلَى قِطْعَةٍ مِنْهَا لَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ لِأَنَّ مَا قَبَضَهُ مِنْ عَيْنِ حَقِّهِ
اور اگر دعوی کیا مکان کا، پھر صلح کر لی اس کے ایک حصہ پر، تو صحیح نہ ہوگی صلح؛ کیونکہ جو اس نے قبض کیا ہے وہ اس کے عین حق میں سے ہے،

وَهُوَ عَلَى دَعْوَاهُ فِي الْبَاقِي .وَالْوَجْهُ فِيهِ أَحَدُ أَمْرَيْنِ : إِمَّا أَنْ يَزِيدَ دِرْهَمًا فِي بَدَلِ الصُّلْحِ فَيَصِيرَ ذَلِكَ
اور وہ اپنے دعوی پر ہے باقی میں، اور وجہ جواز اس میں دو باتوں میں سے ایک ہے، یا تو بڑھائے ایک درہم بدل صلح میں، پس یہ ہو جائے گا

عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِيمَا بَقِيَ ، أَوْ يَلْحَقَ بِهِ ذِكْرُ الْبَرَاءَةِ عَنْ دَعْوَى الْبَاقِي .
عوض اس کے حق کا مابقی میں، یا لاحق کر دے اس کے ساتھ براءت کا ذکر باقی کے دعوی سے۔

تشریح:۔{1} اگر کسی مکان سے صلح کی تو اس میں شفعہ واجب نہ ہوگا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی سے انکار یا سکوت اختیار کرنے کے بعد مدعی کو کچھ دے کر صلح کر لی تو اس دار میں شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ مدعا علیہ اس

کو اپنا اصلی حق سمجھ کر لے رہا ہے نہ یہ کہ وہ اس کو خرید رہا ہے، باقی بدلِ صلح جو مدعی کو دے رہا ہے تو وہ مدعی کی خصومت دفع کرنے کے لیے دیتا ہے، البتہ مدعی اپنے اعتقاد میں اس کو معاوضہ سمجھ رہا ہے، مگر مدعی علیہ پر مدعی کا یہ اعتقاد لازم نہیں ہے اس لیے یہ اس دار کی خرید نہیں اور جب یہ اس دار کی خرید نہیں ہے تو اس میں شفیع کو حق شفعہ بھی نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی کا انکار کیا مگر پھر اس کی خصومت کو دور کرنے کے لیے مدعی کو کوئی مکان دے کر اس سے اس مکان پر صلح کی تو اس مکان میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا؛ کیونکہ مدعی اپنے اعتقاد میں اس کو اپنے مدعی بہ مال کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے لہٰذا مدعی کے حق میں یہ معاوضہ ہوگا پس اس کے اقرار سے اس پر شفعہ لازم ہوگا اگرچہ مدعاعلیہ اس کی تکذیب کر رہا ہے۔

{2} اور اگر مدعاعلیہ نے مدعی کے دعوی کا اقرار کر کے مدعی بہ کے عوض مال دے کر مدعی کے ساتھ صلح کرلی پھر جس متنازع فیہ چیز سے صلح کی تھی اس میں سے کچھ حصہ پر کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر کے مدعاعلیہ سے لے لی تو مدعاعلیہ اس حصہ کے بقدر عوض میں سے مدعی سے واپس لے گا؛ کیونکہ جو صلح اقرار کے ساتھ ہو وہ بیع کی طرح مطلق معاوضہ ہوتی ہے اور بیع میں مبیع پر اگر کسی کا استحقاق ثابت ہو تو اس کا یہی حکم ہے کہ مشتری استحقاق کے بقدر مستحق مبیع کے ثمن میں سے واپس لے گا اسی طرح یہاں بھی مدعاعلیہ مستحق حصہ کے بقدر عوض مدعی سے واپس لے گا۔

{3} اور اگر صلح سکوت یا انکار کے ساتھ واقع ہوئی یعنی مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی کا انکار کیا یا سکوت اختیار کیا پھر مدعی کے ساتھ صلح کرلی، پھر جس چیز میں تنازع تھا اس پر کسی شخص نے دعوی کیا اور اپنا استحقاق ثابت کر کے اس کو لے لیا، تو جس مدعی نے صلح کی تھی وہ مستحق شخص کے ساتھ خصومت کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرے اور عوضِ صلح جس مدعی علیہ سے لیا گیا تھا اس کو واپس کر دے؛ کیونکہ مدعی علیہ نے تو عوضِ مذکور اسی لیے دیا تھا کہ اپنی ذات سے خصومت دور کر دے پھر جب مصالح عنہ پر کسی دوسرے شخص کا استحقاق ثابت ہوا تو یہ بات کھل گئی کہ مذکورہ مدعی کو مدعی علیہ کے ساتھ خصومت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا پس مدعی کے قبضہ میں صلح کا عوض ایسے طور پر باقی رہا کہ مدعاعلیہ کی غرض کو شامل نہیں ہے؛ کیونکہ مدعی علیہ کی غرض یہ تھی کہ دار اس کی مِلک میں بلا خصومت باقی رہے اب جبکہ دار اس کی مِلک میں بلا خصومت باقی نہیں رہا تو وہ مدعی سے عوضِ صلح واپس لے لے۔

{4} اور اگر صلح انکار یا سکوت کے ساتھ واقع ہوئی، پھر جس چیز میں تنازع تھا اس کے بعض حصہ پر کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو اس حصہ کے بقدر عوض صلح میں سے واپس کر دے اور اسی قدر حصہ میں مستحق شخص کے ساتھ عدالت میں خصومت

کرے اس لیے کہ عوض میں سے اسی قدر حصہ اس کے مطلب سے خالی رہا یعنی اس قدر حصہ میں مدعاعلیہ کی غرض حاصل نہیں ہوئی اس لیے وہ اتنی ہی مقدار مدعی سے واپس لے لے گا۔

{5} اور اگر اقرار کے ساتھ صلح کی صورت میں جس چیز پر صلح واقع ہوئی اس پر کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر کے مدعی سے لے لی گئی تو مدعی وہ کل چیز مدعی علیہ سے واپس لے جس کی طرف سے صلح ہوئی تھی اس لیے کہ یہ تو معاوضہ تھا اور مدعی نے اپنا دعوی اس لیے چھوڑا تھا کہ اس کو بدل صلح ملا تھا مگر جب بدل صلح کا کوئی اور شخص مستحق نکل آیا تو مدعی کو بدل صلح نہیں ملا اس لیے وہ اپنی وہ چیز مدعی علیہ سے واپس لے گا جس کی طرف سے صلح ہوئی تھی۔

اور اگر مصالح علیہ میں سے بعض حصہ پر کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو مدعی اسی قدر حصہ مصالح عنہ میں سے مدعی علیہ سے واپس لے گا۔

{6} اور اگر صلح انکار یا سکوت کے ساتھ ہوئی اور کل یا بعض مصالح علیہ چیز پر کسی نے استحقاق ثابت کر کے لے لی تو مدعی کل کی صورت میں اپنے پورے دعوے کی طرف رجوع کرے اور بعض کے استحقاق کی صورت میں بقدرِ استحقاق رجوع کرے؛ کیونکہ مبدل ان دو صورتوں میں دعوی ہے اس لیے کہ مدعی نے دعوی جب ہی چھوڑا تھا کہ اس کو کل بدل ملے اور جب اس کو کل بدل نہیں ملا تو مدعی دعوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

{7} اور یہ ایسی صورت کے برخلاف ہے کہ جب مدعی نے مدعاعلیہ پر مثلاً مکان کا دعوی کیا، اور مدعی علیہ نے اس کے دعوی کا انکار کیا پھر اس کے دعوی سے بلفظِ بیع صلح کی مثلاً مدعی کے ہاتھ مدعی بہ مکان کے عوض کوئی غلام فروخت کیا تو یہ صلح صحیح ہے اور یہ صلح مدعی علیہ کی طرف سے اقرار ہے کہ مکان مدعی کا ہے، پھر ہوا یہ کہ اس غلام کا کوئی اور شخص مستحق نکل آیا تو ایسی صورت میں مدعی وہ مکان واپس لے جس پر دعوی تھا، دعوی کی جانب رجوع نہیں کر سکتا ہے اس لیے کہ مدعاعلیہ نے جب بیع کرنے پر اقدام کیا تو یہ انکار نہیں بلکہ اس امر کا اقرار ہے کہ مدعی کا مصالح عنہ میں حق ہے اس لیے مدعی مصالح عنہ واپس لے گا، باقی صلح کرنے میں یہ بات صادق نہیں آتی ہے یعنی بغیر بیع صلح کرنے کی صورت میں مدعی علیہ کی طرف مصالح عنہ میں مدعی کے حق کا اقرار نہیں پایا جاتا ہے ؛کیونکہ صلح کبھی خصومت دور کرنے کی غرض سے ہوتی ہے اس لیے نہیں ہوتی ہے کہ مصالح عنہ میں مدعی کا حق ہے لہذا صلح کی صورت میں مدعی مصالح عنہ واپس نہیں لے سکتا ہے بلکہ دوبارہ مصالح عنہ کا دعوی کرنے کی طرف رجوع کرے گا۔

{8} اگر بدل صلح مدعی کو سپرد کرنے سے پہلے تلف ہو گیا تو اس کا حکم دونوں صورتوں میں استحقاق کی طرح ہے یعنی خواہ اقرار کے ساتھ صلح ہو یا انکار کے ساتھ ہو پھر وہ چیز استحقاق میں لی گئی تو جو حکم مذکور ہوا یہی بدل صلح تلف ہونے کی صورت میں ہو گا کہ

اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو تو جس چیز کا دعوی ہے مدعی اسی چیز کو واپس لینے کی طرف رجوع کرے گا اور اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو وہ اپنے دعوے کی طرف رجوع کرے گا۔

{9} اگر مدعی نے کسی دار میں اپنے حق کا دعوی کیا اور اس کو بیان نہ کیا پھر اس دعوی سے صلح کر لی پھر اس دار میں سے کسی حصہ پر ایک اور شخص نے اپنا استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو مدعی عوضِ صلح میں سے کچھ واپس نہیں کرے گا؛ کیونکہ اس نے اپنا حق یا اس دار میں سے کوئی جگہ معین نہیں کی تو ابھی اس کا دعوی باقی رہ سکتا ہے؛ کیونکہ شاید اس کا دعوی مکان کے باقی حصہ میں ہو اس حصہ میں نہ ہو جس پر دوسرے شخص نے اپنا استحقاق ثابت کر کے لے لیا۔ اس کے برخلاف اگر مستحق نے استحقاق میں اس پورے مکان کو لے لیا تو مدعی پورا بدلِ صلح واپس کرے گا؛ کیونکہ اس وقت میں بدلِ صلح کسی چیز کے مقابل نہیں ہوگا تو مدعاعلیہ اپنا پورا عوض واپس لے گا جیسا کہ ہم نے "کتاب البیوع" کے "باب الاستحقاق" کے آخر میں بیان کیا۔

{10} اگر مدعی نے ایک دار کا دعوی کیا اور مدعاعلیہ نے اسی دار کے ایک حصہ پر مدعی کے ساتھ صلح کر لی، تو یہ صلح صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مدعی نے جو کچھ قبضہ کیا وہ اس کے عینِ حق میں سے ہے اور وہ باقی دار میں اپنے دعوی پر باقی ہے اس لیے اگر اس نے بقیہ دار پر بیّنہ پیش کیا تو اس کا بیّنہ قبول ہوگا۔ اور اس صلح کے جائز ہونے کے لیے حیلہ یہ ہے کہ مدعی علیہ دو کاموں میں سے ایک کام کرے، یا تو عوضِ صلح کے اوپر ایک درہم زیادہ کر دے تاکہ یہ درہم باقی دار میں اس کے حق کا عوض ہو جائے یوں کل دار سے صلح ہو جائے گی۔ اور یا مدعی اس عوضِ صلح کے ساتھ باقی دار کے دعوے سے براءت کا ذکر لاحق کر دے کہ میں نے تجھے باقی دار سے بری کر دیا ہے تو مدعی علیہ باقی دار کے دعوی سے بری ہو جائے گا۔

## فَصلٌ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے صلح جائز ہے اور جن سے جائز نہیں ہے۔

مصنفؒ صلح کے مقدمات، شرائط اور انواع کے بیان سے فارغ ہو گئے تو ان چیزوں کے بیان کو شروع فرمایا جن سے صلح جائز ہے اور جن سے جائز نہیں ہے۔

{1} وَالصُّلْحُ جَائِزٌ عَنْ دَعْوَى الْأَمْوَالِ ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ عَلَى مَا مَرَّ .قَالَ : وَالْمَنَافِعِ ؛ لِأَنَّهَا

اور صلح جائز ہے اموال کے دعوی سے؛ کیونکہ یہ بیع کے معنی میں ہے جیسا کہ گذر چکا۔ فرمایا: اور منافع کے دعوی سے؛ کیونکہ منافع

تُمْلَكُ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَكَذَا بِالصُّلْحِ ؛ وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الصُّلْحَ يَجِبُ حَمْلُهُ عَلَى أَقْرَبِ الْعُقُودِ إِلَيْهِ

مملوک ہو جاتے ہیں عقدِ اجارہ سے، پس اسی طرح صلح سے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ واجب ہے صلح کو حمل کرنا اس کے قریب تر عقود پر

وَأَشْبَهِهَا بِهِ احْتِيَالًا لِتَصْحِيحِ تَصَرُّفِ الْعَاقِدِ مَا أَمْكَنَ {2} قَالَ: وَيَصِحُّ عَنْ جِنَايَةِ الْعَمْدِ وَالْخَطَإِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى

اور جو زیادہ مشابہ ہو اس کا حیلہ اختیار کرتے ہوئے تصرفِ عاقد کی تصحیح کا بقدرِ امکان۔ فرمایا: اور صحیح ہے جنایتِ عمد اور خطاء سے۔ بہر حال اول تو باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

{ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ } الْآيَةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إنَّهَا نَزَلَتْ

"پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہئے" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوگئی ہے

فِي الصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ {3} وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ النِّكَاحِ، حَتَّى أَنَّ مَا صَلَحَ مُسَمًّى فِيهِ صَلَحَ هَاهُنَا

صلح کے بارے میں، اور صلح بمنزلۂ نکاح کے ہے حتی کہ جو قابل ہو مہر مسمّٰی کا نکاح میں وہ قابل ہوگا بدل ہونے کا یہاں؛

إذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ إلَّا أَنَّ عِنْدَ فَسَادِ التَّسْمِيَةِ هُنَا يُصَارُ إلَى الدِّيَةِ لِأَنَّهَا

اس لیے کہ ہر ایک ان دونوں میں مبادلۃ المال بغیر المال ہے، مگر فسادِ تسمیہ کے وقت یہاں رجوع کیا جائے گا دیت کی طرف؛ کیونکہ دیت

مُوجَبُ الدَّمِ. وَلَوْ صَالَحَ عَلَى خَمْرٍ لَا يَجِبُ شَيْءٌ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ بِمُطْلَقِ الْعَفْوِ. وَفِي النِّكَاحِ يَجِبُ

موجبِ دم ہے۔ اور اگر صلح کر لی شراب پر تو واجب نہ ہوگا کچھ؛ کیونکہ مال واجب نہیں ہوتا مطلق عفو میں، اور نکاح میں واجب ہوگا

مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّهُ الْمُوجَبُ الْأَصْلِيُّ، وَيَجِبُ مَعَ السُّكُوتِ عَنْهُ حُكْمًا. {4} وَيَدْخُلُ

مہر مثل دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ مہر مثل موجبِ اصلی ہے، اور مہر مثل واجب ہوگا اس سے سکوت کی صورت میں حکماً۔ اور داخل ہوگا

فِي إطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ الْجِنَايَةُ فِي النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا، وَهَذَا بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَنْ حَقِّ الشُّفْعَةِ عَلَى مَالٍ حَيْثُ لَا يَصِحُّ

جوابِ کتاب کے اطلاق میں جنایتِ نفس اور اس سے کم۔ اور یہ برخلافِ حق شفعہ سے مال پر صلح کرنے کے کہ یہ صحیح نہیں؛

لِأَنَّهُ حَقُّ التَّمَلُّكِ، وَلَا حَقَّ فِي الْمَحَلِّ قَبْلَ التَّمَلُّكِ. {5} وَأَمَّا الْقِصَاصُ فَمِلْكُ الْمَحَلِّ فِي حَقِّ الْفِعْلِ

اس لیے کہ یہ تو مالک ہونے کا حق ہے، اور محل میں کوئی حق نہیں مالک ہونے سے پہلے، رہا قصاص تو وہ محل کی ملک ہے فعل کے حق میں،

فَيَصِحُّ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ وَإِذَا لَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِالْإِعْرَاضِ وَالسُّكُوتِ،

پس صحیح ہے عوض لینا اس سے، اور جب صحیح نہ ہوئی صلح تو باطل ہو جائے گا شفعہ؛ کیونکہ وہ باطل ہو جاتا ہے اعراض اور سکوت سے۔

{6} وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ بِمَنْزِلَةِ حَقِّ الشُّفْعَةِ حَتَّى لَا يَجِبَ الْمَالُ بِالصُّلْحِ عَنْهُ، غَيْرَ أَنَّ فِي بُطْلَانِ الْكَفَالَةِ رِوَايَتَيْنِ

اور کفالہ بالنفس بمنزلۂ حق شفعہ کے ہے حتی کہ مال واجب نہیں ہوتا ہے اس سے صلح کرنے میں، البتہ بطلان کفالہ میں دو روایتیں ہیں

عَلَى مَا عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ. {7} وَأَمَّا الثَّانِي وَهُوَ جِنَايَةُ الْخَطَإِ فَلِأَنَّ مُوجَبَهَا الْمَالُ فَيَصِيرُ

جیسا کہ معلوم ہوا ہے اپنے موقع پر۔ بہر حال ثانی اور وہ جنایت خطاء ہے، تو وہ اس لیے کہ اس کا موجب مال ہے، پس ہو جائے گی

بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ ،إِلَّا أَنَّهُ لَا تَصِحُّ الزِّيَادَةُ عَلَى قَدْرِ الدِّيَةِ لِأَنَّهُ مُقَدَّرٌ شَرْعًا فَلَا يَجُوزُ إِبْطَالُهُ فَتُرَدُّ الزِّيَادَةُ،

بمنزلہ بیع کے، مگر یہ کہ صحیح نہیں زیادتی مقدار دیت پر؛ کیونکہ یہ مقدر ہے شریعت کی جانب سے، پس جائز نہیں اس کا ابطال، اس لیے واپس کی جائے گی زیادتی۔

بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَنِ الْقِصَاصِ حَيْثُ تَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَى قَدْرِ الدِّيَةِ لِأَنَّ الْقِصَاصَ لَيْسَ بِمَالٍ وَإِنَّمَا يَتَقَوَّمُ بِالْعَقْدِ،

بر خلاف قصاص سے صلح کرنے کے کہ جائز ہے زیادتی دیت کی مقدار پر؛ کیونکہ قصاص مال نہیں ہے، بلکہ ذی قیمت ہو جاتا ہے عقد سے،

{8} وَهَذَا إِذَا صَالَحَ عَلَى أَحَدِ مَقَادِيرِ الدِّيَةِ ، أَمَّا إِذَا صَالَحَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ جَازَ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ بِهَا،

اور یہ اس وقت ہے کہ صلح کرلے دیت کے مقادیر میں سے ایک پر، اور اگر صلح کرلی اس کے علاوہ پر تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ مبادلہ ہے دیت سے،

إِلَّا أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الْقَبْضُ فِي الْمَجْلِسِ كَيْ لَا يَكُونَ افْتِرَاقًا عَنْ دَيْنٍ بِدَيْنٍ. {9} وَلَوْ قَضَى الْقَاضِي بِأَحَدِ مَقَادِيرِهَا

مگر یہ کہ شرط ہے قبضہ کرنا مجلس میں؛ تاکہ نہ ہو جدائی دَین سے دَین کے عوض۔ اور اگر حکم دیا قاضی نے مقادیر دیت میں سے کسی ایک کا،

فَصَالَحَ عَلَى جِنْسٍ آخَرَ مِنْهَا بِالزِّيَادَةِ جَازَ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ الْحَقُّ بِالْقَضَاءِ فَكَانَ مُبَادَلَةً بِخِلَافِ

پھر صلح کرلی دوسری جنس پر ان مقادیر میں سے زیادتی کے ساتھ، تو جائز ہے؛ کیونکہ متعین ہو گیا حق فیصلہ سے، پس یہ مبادلہ ہوا۔ بر خلاف

الصُّلْحِ ابْتِدَاءً لِأَنَّ تَرَاضِيَهُمَا عَلَى بَعْضِ الْمَقَادِيرِ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ فِي حَقِّ التَّعْيِينِ فَلَا تَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَى مَا تَعَيَّنَ.

ابتداءً صلح کرنے کے؛ کیونکہ دونوں کی رضامندی بعض مقادیر پر بمنزلہ فیصلہ کے ہے تعیین کے حق میں، پس جائز نہ ہوگی زیادتی اس پر جو متعین کر دیا ہے۔

تشریح:۔ {1} اموال کے دعوی سے بعوض مال صلح جائز ہے؛ اس لیے کہ یہ بیع کی طرح ہے جیسا کہ "كِتَابُ الصُّلْحِ" کے شروع میں گذر چکا کہ مال سے صلح بعوض مال کی وہی شرائط ہیں جو بیع کی ہیں۔ اور منافع کے دعوے سے بھی صلح جائز ہے مثلاً مدعی نے کہا کہ مجھے اس مکان میں ایک سال سکونت کا حق حاصل ہے؛ کیونکہ مالک مکان نے میرے لیے وصیت کی تھی، اور مالک مکان کے وارث نے انکار کیا مگر اس دعوی سے صلح کرلی تو اجارہ کی طرح یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ منافع پر عقدِ اجارہ سے ملکیت حاصل کی جاتی ہے، تو اسی طرح منافع کی ملکیت بذریعہ صلح بھی حاصل ہو جائے گی۔ اور اصل یہ قرار پائی ہے کہ صلح کو ایسے عقد پر محمول کرنا چاہیے جو صلح سے زیادہ قریب ہو اور اس سے زیادہ مشابہ ہو تاکہ جہاں تک ممکن ہو کسی حیلہ سے عاقد کا فعل درست کیا جائے یعنی اگر ممکن ہو تو صلح کو بمعنی بیع لیا جائے ورنہ صلح کو بمعنی اجارہ لیا جائے یا بمعنی عقدِ براءت لیا جائے۔

{2} عمداً جنایت اور خطاءً جنایت کے جرم سے بھی صلح کرنا جائز ہے جنایت خواہ نفس پر ہو یا نفس سے کم پر ہو، پس اگر قتل عمد ہو تو اس میں قصاص واجب ہوتا ہے لیکن اگر قاتل نے مقتول کے اولیاء کے ساتھ مال کے عوض صلح ٹھہرائی تو اولیاء کا قصاص چھوڑنا اور صلح کرنا جائز ہے، اور اگر قتل خطاء ہو تو اس میں مقتول کے اولیاء کے ساتھ مال کے عوض دیت سے صلح کرنا جائز ہے۔

پس جنایتِ عمد سے صلح اس دلیل سے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ[1]﴾ (پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے دستور کے مطابق) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت صلح میں نازل ہوئی ہے، اور سلف کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ آیت میں مقتول کے بعض اولیاء کا عفو کرنا مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ جس قاتل کو اپنے دینی بھائی (مقتول کا ولی) قصاص اور دیت میں سے بعوض کچھ معاف کردے تو اس کو حکم ہے کہ بطورِ معروف قاتل سے مطالبہ کرے اور قاتل کو حکم ہے کہ اچھی طرح ان کو ادا کردے یعنی تاخیر اور کمی نہ کرے۔

{3} اور جنایتِ عمد سے صلح کرنا بمنزلۂ نکاح کے ہے حتی کہ جو چیز نکاح میں مہر ہو سکتی ہے وہی یہاں بدلِ صلح ہو سکتی ہے اس لیے کہ نکاح اور اس صلح میں سے ہر ایک میں مال کا غیر مال کے عوض مبادلہ ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ جو مال یہاں صلح میں ٹھہرایا ہے اگر اس میں کچھ فساد ہو مثلاً بہت زیادہ مجہول ہو جیسے کسی کپڑے پر صلح کرلی تو دیت کی طرف رجوع کیا جائے گا؛ کیونکہ اصل میں قتل کا عوض دیت ہی تھی، جبکہ نکاح میں مہر مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اور اگر جنایتِ عمد میں شراب پر صلح کی تو کچھ بھی واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ مطلق عفو میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے یعنی جبکہ شراب مال متقوّم نہیں ہے تو اس کا ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہو گیا تو خالی عفو رہ گیا اور خالی عفو میں کوئی مال واجب نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ نکاح کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ نکاح میں اگر مہر مسمّٰی فاسد ہو یا شراب بطورِ مہر مقرر کی ہو تو ان دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوتا ہے؛ کیونکہ نکاح میں اصل موجب مہر مثل ہے، اور اگر نکاح میں مہر بیان کرنے سے سکوت اختیار کیا ہو تو بھی حکماً مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

{4} اور کتاب میں جو حکم مطلق لکھا ہے وہ قتل نفس اور اس سے کم دونوں طرح کی جنایت کو شامل ہے، لہٰذا قتل عمد وغیرہ سب سے صلح کرنا جائز ہے۔ باقی حق شفعہ سے مال پر صلح کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہ جائز نہیں ہے یعنی اگر شفیع سے کچھ مال پر صلح ٹھہرائی کہ اتنا مال لے لو اور شفعہ کا دعوی چھوڑ دو، تو یہ جائز نہیں ہے اور مال واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ شفعہ تو مبیع میں ملکیت حاصل

(1) البقرۃ: 178۔

کرنے کا حق ہے اور محل (خریدی ہوئی زمین) میں شفیع کو کوئی حق نہیں ہے جب تک کہ اس کو بحق شفعہ لے کر مالک نہ ہو جائے پس بدلِ صلح ایسی چیز کے بدلے میں لیا جارہا ہے جو چیز ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ رشوت ہوگا جو کہ حرام ہے۔

{5} اور قصاص میں اس لیے جائز ہے کہ مقتول کے ولی کو قاتل کے نفس میں اپنا فعلِ قصاص قائم کرنے کی ملکیت حاصل ہے پس اس ملکیت سے عوض لے کر صلح کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ یہ محل میں ثابت چیز کا عوض ہے اس لیے جائز ہے، پھر جب حقِ شفعہ میں صلح صحیح نہ ہوئی تو شفعہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ شفعہ سے اعراض کرنے اور سکوت اختیار کرنے سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے اس لیے حقِ شفعہ نہیں رہے گا۔

{6} کفالہ بالنفس (نفس کو حاضر کرنے کا کفالہ) بمنزلۂ حقِ شفعہ کے ہے حتیٰ کہ کفالہ بالنفس سے صلح کرنے سے مال واجب نہیں ہوتا ہے یعنی یہ جائز نہیں کہ مکفول لہ کچھ مال لے کر کفیل کو کفالہ سے بری کردے جیسا کہ شفیع کو حقِ شفعہ کا بدل لینا جائز نہیں، البتہ شفعہ اور کفالہ بالنفس میں اتنا فرق ہے کہ حقِ شفعہ تو صلح کرنے سے باطل ہو جاتا ہے، جبکہ کفالہ بالنفس کے باطل ہونے میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ اپنے موقع (مبسوط) میں معلوم ہو چکا ہے، چنانچہ ابو سلیمان کی روایت میں صلح سے کفالہ باطل نہیں ہوتا ہے، جبکہ ابو حفص کی روایت میں صلح کرنے سے کفالہ باطل ہو جاتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہوگا؛ اس لیے کہ کفالہ کا ساقط ہونا عوض پر موقوف نہیں ہے پس جب ایک مرتبہ اس نے کفالہ کو ساقط کر دیا تو پھر وہ عود نہیں کرے گا۔

{7} رہی جنایتِ خطاء تو اس سے صلح جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جنایتِ خطاء کے حکم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ مال ہے یعنی دیت ہے تو اس سے صلح بمنزلۂ بیع کے ہوگی جس سے صلح جائز ہے، البتہ اس صلح میں مقدارِ دیت سے زیادتی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مقدارِ دیت تو شریعت کی جانب سے مقدر ہے تو اس مقدر مقدار کو باطل کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا دیت سے زائد مقدار واپس کی جائے گی۔ باقی قتلِ عمد کی صورت میں قصاص سے صلح کرنے کی صورت میں مقدارِ دیت سے زائد پر صلح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ قصاص مال نہیں ہے اور اس کا متقوّم ہونا فقط باہمی عقد کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا جس بھی مقدار پر عاقدین راضی ہو جائیں اسی مقدار پر جائز ہے۔ جبکہ قتلِ خطاء کی صورت میں شرعاً دیت کی ایک مقدار مقدر ہے باہمی قرارداد سے مقرر نہیں کی جاتی ہے لہٰذا شرعاً مقدر مقدار پر زیادتی کر کے اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہے۔

{8} اور دیت سے زائد مقدار جائز نہ ہونے کا حکم اس وقت ہے کہ شریعت کی جانب سے مقرر کردہ مقادیرِ دیت میں سے کسی مقدار پر صلح واقع ہوئی ہو یعنی ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا سو اونٹ میں سے کسی مقدار پر زیادتی کی تو یہ زیادتی جائز نہ ہوگی۔ اور اگر مذکورہ مقادیر کے علاوہ کسی کیلی یا وزنی چیز پر صلح کی تو اس صورت میں زیادتی جائز ہے؛ کیونکہ صلح کا یہ مال دیت سے

مبادلہ ہے جو زیادہ بھی ہو سکتا ہے، البتہ اس صورت میں اسی مجلس میں اس بدل پر قبضہ شرط ہے تاکہ جدائی مال دین (دیت) سے مال دین (بدل صلح) پر نہ ہو یعنی دیت بھی دین تھا جب اس کا بدل بھی مقبوض نہ ہو تو بدل بھی دین رہا حالانکہ دَین بعوض دَین کا مبادلہ اس بارے میں وارد حدیث کی رُو سے جائز نہیں ہے۔

{9} اور اگر قاضی نے شرعی مقادیر دیت میں سے کسی مقدار کا حکم دیدیا پھر اس نے اس مقدار سے دوسری مقدار شرعی پر زیادتی کے ساتھ صلح کی تو یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ قاضی نے جس مقدار شرعی کا حکم دیدیا وہی بطور حق متعین ہو گیا تو اس کے بدلے میں دوسری مقدار پر صلح کرنا مبادلہ ہے تو اگر دست بدست ہو تو جائز ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر ابتداء سے اسی مقدار پر زیادتی کے ساتھ صلح واقع ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ معین کر دینے کے حق میں دونوں کا کسی مقدار پر باہم رضامند ہونا بمنزلہ حکم قاضی کے معتبر ہے یعنی اگر قاضی شریعت کی طرف سے متعین کسی مقدار سے زائد کا حکم کرتا تو جائز نہ ہوتا اسی طرح دونوں کا شریعت کی طرف سے متعین کسی مقدار سے زائد پر باہم رضامند ہونا بھی جائز نہ ہو گا۔

{1} قَالَ: وَلَا يَجُوزُ الصُّلْحُ مِنْ دَعْوَى حَدٍّ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ اللهِ تَعَالَى لَا حَقُّهُ، وَلَا يَجُوزُ الِاعْتِيَاضُ عَنْ حَقِّ غَيْرِهِ،

فرمایا: اور جائز نہیں صلح کرنا حد کے دعوی سے؛ کیونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ اس کا، اور جائز نہیں ہے عوض لینا غیر کے حق کا،

وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الِاعْتِيَاضُ إِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ نَسَبَ وَلَدِهَا لِأَنَّهُ حَقُّ الْوَلَدِ لَا حَقُّهَا، {2} وَكَذَا لَا يَجُوزُ

اسی لیے جائز نہیں ہے عوض لینا جب دعوی کرے عورت اپنے بیٹے کے نسب کا؛ کیونکہ نسب بچے کا حق ہے نہ کہ عورت کا، اور اسی طرح جائز نہیں ہے

الصُّلْحُ عَمَّا أَشْرَعَهُ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَامَّةِ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُصَالِحَ وَاحِدٌ عَلَى الِانْفِرَادِ عَنْهُ؛

صلح اس سے جو اس نے بنایا ہے عام راستے پر؛ کیونکہ یہ عام لوگوں کا حق ہے، پس جائز نہیں کہ صلح کرلے کوئی ایک تنہا اس سے،

وَيَدْخُلُ فِي إِطْلَاقِ الْجَوَابِ حَدُّ الْقَذْفِ لِأَنَّ الْمُغَلَّبَ فِيهِ حَقُّ الشَّرْعِ {3} قَالَ: وَإِذَا ادَّعَى رَجُلٌ عَلَى امْرَأَةٍ نِكَاحًا

اور داخل ہو گا اطلاق جواب میں حد قذف؛ کیونکہ غالب اس میں حق شرع ہے۔ فرمایا: اور اگر دعوی کیا کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح،

وَهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلَى مَالٍ بَذَلَتْهُ حَتَّى يَتْرُكَ الدَّعْوَى جَازَ

حالانکہ وہ انکار کر رہی ہے، پھر عورت نے صلح کرلی اس کے ساتھ ایسی مال پر جو اس نے دیدیا اس کو تاکہ وہ چھوڑ دے دعوی، تو جائز ہے،

وَكَانَ فِي مَعْنَى الْخُلْعِ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ خُلْعًا فِي جَانِبِهِ بِنَاءً عَلَى زَعْمِهِ وَفِي جَانِبِهَا

اور یہ خلع کے معنی میں ہو گا؛ کیونکہ ممکن ہے اس کو صحیح کرنا خلع بنا کر مرد کی جانب میں اس کے گمان کے مطابق، اور عورت کی جانب میں

بَدَلًا لِلْمَالِ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ. قَالُوا: وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى إِذَا كَانَ مُبْطِلًا فِي دَعْوَاهُ.

مال خرچ کرنا دفعِ خصومت کے لیے۔ مشائخ نے کہا ہے: اور حلال نہیں ہے مرد کے لیے کہ لے لے دیانۃً جبکہ وہ جھوٹا ہو اپنے دعوی میں۔

{4}قَالَ : وَإِذَا ادَّعَتِ امْرَأَةٌ عَلَى رَجُلٍ نِكَاحًا فَصَالَحَهَا عَلَى مَالٍ بَذَلَهُ لَهَا
فرمایا: اور اگر دعوی کیا عورت نے نکاح کا کسی مرد پر، پس اس نے صلح کرلی اس عورت کے ساتھ ایسے مال پر جو اس نے دیدیا اس کو،

جَازَ،قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: هَكَذَا ذُكِرَ فِي بَعْضِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ ، وَفِي بَعْضِهَا قَالَ : لَمْ يَجُزْ .وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنْ
تو جائز ہے۔ مصنف ؒ فرماتے ہیں: اسی طرح ذکر کیا ہے اس کو مختصر کے بعض نسخوں میں، اور بعض نسخوں میں کہا ہے: جائز نہیں؛ اول کی وجہ یہ ہے کہ

يُجْعَلَ زِيَادَةً فِي مَهْرِهَا .{5}وَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ بَذَلَ لَهَا الْمَالَ لِتَتْرُكَ الدَّعْوَى فَإِنْ
قرار دیا جائے زیادتی عورت کے مہر میں، اور ثانی کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دیدیا عورت کو مال تا کہ وہ چھوڑ دے دعوی۔ پس اگر

جُعِلَ تَرْكُ الدَّعْوَى مِنْهَا فُرْقَةً فَالزَّوْجُ لَا يُعْطِي الْعِوَضَ فِي الْفُرْقَةِ ، وَإِنْ لَمْ يُجْعَلْ فَالْحَالُ
قرار دیا جائے ترکِ دعوی کو عورت کی جانب سے فرقت، تو زوج نہیں دیتا ہے عوض فرقت میں، اور اگر فرقت نہ قرار دیا جائے تو حال

عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ قَبْلَ الدَّعْوَى فَلَا شَيْءَ يُقَابِلُهُ الْعِوَضُ فَلَمْ يَصِحَّ .{6}قَالَ : وَإِنِ ادَّعَى عَلَى رَجُلٍ
وہی رہے گا جو تھا دعوی سے پہلے، پس کچھ نہ رہا جس کے مقابلے میں عوض ہو، پس صلح صحیح نہ ہوگی۔ فرمایا: اور اگر دعوی کیا کسی شخص پر

أَنَّهُ عَبْدُهُ فَصَالَحَهُ عَلَى مَالٍ أَعْطَاهُ جَازَ وَكَانَ فِي حَقِّ الْمُدَّعِي بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ؛
کہ یہ میرا غلام ہے، پس اس نے صلح کرلی اس کے ساتھ ایسے مال جو اس کو دیدیا، تو جائز ہے، اور ہوگا مدعی کے حق میں بمنزلہ مال کے عوض اعتاق کے؛

لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ فِي حَقِّهِ لِزَعْمِهِ وَلِهَذَا يَصِحُّ عَلَى حَيَوَانٍ فِي الذِّمَّةِ إِلَى أَجَلٍ
کیونکہ ممکن ہے اس کی تصحیح اس طریقے پر مدعی کے حق میں اس کے گمان کے مطابق، اور اسی لیے صحیح ہے اپنے ذمہ لیے ہوئے حیوان پر ایک مدت تک،

{7}وَفِي حَقِّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَكُونُ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ ؛ لِأَنَّهُ يَزْعُمُ أَنَّهُ حُرٌّ فَجَازَ إِلَّا أَنَّهُ
اور مدعی علیہ کے حق میں خصومت دفع کرنے کے لیے ہے؛ کیونکہ اس کا خیال یہ ہے کہ میں اصلی آزاد ہوں، پس جائز ہے، لیکن ولاء

لَا وَلَاءَ لَهُ لِإِنْكَارِ الْعَبْدِ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ فَتُقْبَلَ وَيَثْبُتَ الْوَلَاءُ .
مدعی کے لیے نہ ہوگی، غلام کے انکار کی وجہ سے، مگر یہ کہ وہ بینہ قائم کرے، تو وہ قبول ہوگا، اور ثابت ہو جائے گی ولاء۔

تشریح:۔{1} اگر مدعی نے دوسرے پر حد شرعی کا دعوی کیا تو اس سے صلح جائز نہیں ہے مثلاً لوگوں نے زانی یا چور یا شراب خور کو پکڑا اور اس نے کچھ دراہم دے کر حاکم کے پاس نہ لے جانے پر صلح کی، تو یہ صلح باطل ہے؛ کیونکہ حدِ شرعی تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس شخص کا حق نہیں ہے اور حق غیر کے بدلے عوض لینا جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے طلاق دینے والے

شوہر پر اپنے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا اور شوہر نے مال دے کر صلح کر لی تو عورت کا عوض لینا باطل ہے؛ کیونکہ نسبِ مذکور اس عورت کا حق نہیں بلکہ اس کے بچے کا حق ہے، لہٰذا عورت اس حق کو ساقط کرنے کا عوض نہیں لے سکتی ہے۔

{2} اور جو چیز کسی نے عام راستہ کی طرف نکالی مثلاً عام راستہ پر سائبان بنایا اور کسی شخص نے اس پر دعویٰ کیا اور سائبان بنانے والے نے اس سے صلح کرنا چاہا تو یہ صلح جائز نہیں ہے اس لیے کہ عام راستہ تو عام لوگوں کا حق ہے پس اکیلا کوئی شخص اس سے صلح نہیں کر سکتا۔ اور اوپر جو دعویٰ حد سے صلح کرنے کے عدم جواز کا مطلق حکم کیا تو اس اطلاق میں حدِ قذف بھی داخل ہے یعنی حدِ قذف سے قاذف نے صلح کرنا چاہا تو یہ صلح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حدِ قذف میں شریعت کا حق غالب ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا ہے، اور اس میں میراث جاری نہیں ہوتی ہے، اور اوپر گذر چکا کہ حقِ غیر سے صلح جائز نہیں ہے۔

{3} اگر مرد نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ انکار کرتی ہے پھر اس نے مال دے کر مرد سے صلح کی تاکہ وہ دعویٰ چھوڑ دے تو یہ صلح جائز ہے اور یہ خلع کے معنیٰ میں ہو گا؛ کیونکہ مرد کی طرف سے اس کو خلع بنانا صحیح ہے؛ اس لیے کہ مرد کے گمان میں نکاح واقع ہوا تھا پس عوض لے کر نکاح ختم کرنا خلع ہو گا، مگر عورت کی جانب سے یہ اس غرض سے مال خرچ کرنا ہے تاکہ اس سے مدعی کی خصومت دور ہو۔ اور مشائخ نے فرمایا کہ اگر مرد اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو اس کو فیما بینہ وبین اللہ (دیانۃً) عورت سے یہ مال لینا حلال نہیں ہے، بلکہ یہ حکم تمام انواعِ صلح میں ہے کہ اگر مدعی جھوٹا ہو تو اس کو مال لینا حلال نہیں ہے۔

{4} اور اگر عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے عورت کو کچھ مال دے کر اس کے ساتھ صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مختصر القدوری کے بعض نسخوں میں اسی طرح ذکر ہے، جبکہ دوسرے نسخوں میں ہے کہ یہ صلح جائز نہیں ہے؛ اول (جوازِ صلح) کی وجہ یہ ہے کہ گویا مرد نے عورت کے مہر کو بڑھا دیا مثلاً اصل مہر ایک لاکھ روپیہ تھا شوہر نے بڑھا کر ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کر دیا پھر اصل مہر (ایک لاکھ روپیہ) پر عورت کو خلع دیا تو اصل مہر ساقط ہو گیا اور زائد مقدار (دس ہزار) بدستور باقی رہی۔

{5} اور ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرد نے جو مال عورت کو دیا وہ اس لیے دیا تاکہ وہ اپنا دعویٰ چھوڑ دے پس اگر ہم عورت کی طرف سے ترکِ دعویٰ کو فرقت ٹھہرا دیں تو فرقت میں شوہر عوض نہیں دیا کرتا ہے اس لیے یہ صلح جائز نہیں ہے۔ اور اگر ہم عورت کی طرف سے ترکِ دعویٰ کو فرقت نہ ٹھہرائیں تو دعویٰ سے پہلے جو حال تھا وہ باقی رہے گا؛ کیونکہ فرقت جب نہیں پائی گئی تو عورت کے خیال میں نکاح برقرار ہے اور جب نکاح برقرار ہے تو یہاں کوئی ایسی چیز نہ پائی گئی جو مرد کی طرف سے دئے گئے بدلِ صلح کا مقابل ہو اس لیے صلح صحیح نہ ہو گی، لہٰذا عورت پر لازم ہے کہ مال واپس کر دے اور اپنے دعویٰ پر باقی رہے۔

فتوی:۔راجح یہ ہے کہ یہ صلح جائز ہے لما فی مجمع الانہر:(و لایجوز ان ادعته ) ای النکاح( المرأة ) ھکذا فی بعض نسخ القدوری ، وھو الصحیح صرح بہ الزاھدی، ولذالک اختار المصنف(مجمع الانہر:430/3)

{6} اگر ایک شخص نے ایک مجہول شخص پر دعوی کیا کہ "یہ میرا غلام ہے" اور مدعی علیہ نے انکار کیا اور انکار کے بعد مدعی کے ساتھ مال پر صلح کر لی یعنی اس کو صلح میں مال دیا تو یہ صلح جائز ہے اور یہ صلح مدعی کے حق میں مال پر غلام کو آزاد کرنے کی طرح ہوگی؛ کیونکہ مدعی کے خیال کے موافق مدعی کے حق میں اسی طریقہ پر صلح کو صحیح بنانا ممکن ہے اس لیے کہ بعوضِ مال آزاد کرنا اس کے قریب ترین مشابہ عقد ہے لہٰذا اس صلح کو صحیح بنانے کے لیے اسے بعوضِ مال آزاد کرنا قرار دیا جائے گا مبادلۂ مالی نہیں قرار دیا جائے گا۔ پس اسی لیے (کہ یہ صلح مبادلۂ مالی نہیں ہے بلکہ اعتاق بعوضِ مال ہے) یہ صلح ایک ایسے حیوان پر صحیح ہے جو ایک مدت تک اُدھار فی الذمہ ہو، حالانکہ اگر مالی مبادلہ ہوتا تو اُدھار فی الذمہ حیوان کے عوض صحیح نہ ہوتی یہی وجہ ہے کہ ایسے حیوان میں سلم جائز نہیں ہے مگر اعتاق بعوضِ مال صحیح ہے؛ کیونکہ اعتاق مبادلۂ مالی نہیں ہے اس لیے کہ آزاد ہونا مال نہیں ہے جبکہ ایسے حیوان کے عوض اعتاق صحیح ہے لہٰذا یہ بعوضِ مال اعتاق ہے۔

{7} اور مدعاعلیہ کے حق میں یہ صلح دفعِ خصومت کے معنی میں ہے؛ کیونکہ مدعاعلیہ کا تو یہ خیال ہے کہ میں اصلی آزاد ہوں اس لیے یہ صلح جائز ہوگی، البتہ مدعی کو ولاء نہیں ملے گی؛ کیونکہ مدعاعلیہ اس کا غلام ہونے سے انکار کر رہا ہے اس لیے مدعی کو اس کی ولاء نہیں ملے گی۔ لیکن اگر صلح کے بعد مدعی نے گواہ قائم کیے کہ یہ میرا غلام ہے تو گواہ قبول ہوں گے اور مدعی کے لیے اس کی ولاء ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ بعوضِ مال آزاد کرنے کے درجہ میں ہے جو کہ صحیح ہے لہٰذا ولاء مدعی کے لیے ثابت ہوگی۔

{1} قَالَ : وَإِذَا قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ رَجُلًا عَمْدًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يُصَالِحَ عَنْ نَفْسِهِ ، وَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ لَهُ
فرمایا: اور جب قتل کر دے ماذون لہ غلام کسی شخص کو عمداً، تو جائز نہیں اس لیے کہ صلح کر لے اپنی ذات سے، اور اگر قتل کر دے ماذون لہ کا غلام

رَجُلًا عَمْدًا فَصَالَحَ عَنْهُ جَازَ ؛ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ رَقَبَتَهُ لَيْسَتْ مِنْ تِجَارَتِهِ وَلِهَذَا
کسی شخص کو عمداً، پھر ماذون لہ نے صلح کر لی اس سے، تو جائز ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ اس کی گردن نہیں ہے اس کی تجارت سے، اسی لیے

لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِيهِ بَيْعًا فَكَذَا اسْتِخْلَاصًا بِمَالِ الْمَوْلَى وَصَارَ كَالْأَجْنَبِيِّ ، {2} أَمَّا عَبْدُهُ
وہ مالک نہیں اس میں بیع کا تصرف کرنے کا، پس اسی طرح چھڑانے کا مولیٰ کے مال سے، اور ہو گیا اجنبی کی طرح، رہا اس کا غلام تو وہ

فَمِنْ تِجَارَتِهِ وَتَصَرُّفُهُ فِيهِ نَافِذٌ بَيْعًا فَكَذَا اسْتِخْلَاصًا ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ
اس کی تجارت سے ہے، اور اس کا تصرف کرنا اس میں نافذ ہے بیع کے طور پر، پس اسی طرح اس کا چھڑانا ہے، اور یہ اس لیے کہ مستحق ایسا ہے

كَالزَّائِلِ عَنْ مِلْكِهِ وَهَذَا شِرَاؤُهُ فَيَمْلِكُهُ {3} قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا يَهُودِيًّا
جیسے اس کی ملک سے زائل ہونے والا، اور چھڑانا خریدنا ہے اس کا، پس وہ مالک ہو گا اس کا۔ فرمایا: اور جو شخص غصب کر دے یہودی کپڑا
قِيمَتُهُ دُونَ الْمِائَةِ فَاسْتَهْلَكَهُ فَصَالَحَهُ مِنْهَا عَلَى مِائَةِ دِرْهَمٍ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.
جس کی قیمت سو سے کم ہو، پھر اس کو تلف کر دے، پھر صلح کر لے اس کے ساتھ اس کی قیمت سے سو درہم پر، تو جائز ہے امام صاحبؒ کے نزدیک
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : يَبْطُلُ الْفَضْلُ عَلَى قِيمَتِهِ بِمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ هِيَ الْقِيمَةُ وَهِيَ
اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ باطل ہے اتنی زیادتی اس کی قیمت پر جتنے میں دھوکہ نہ کھاتے ہوں لوگ؛ کیونکہ واجب قیمت ہی ہے، اور وہ
مُقَدَّرَةٌ فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهَا تَكُونُ رِبًا {4} بِخِلَافِ مَا إذَا صَالَحَ عَلَى عَرَضٍ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ لَا تَظْهَرُ عِنْدَ اخْتِلَافِ الْجِنْسِ،
متعین ہے، پس زیادتی اس پر ربا ہو گا، برخلافِ اس کے جب صلح کر لے سامان پر؛ کیونکہ زیادتی ظاہر نہیں ہوتی ہے جنس کے اختلاف کے وقت،
وَبِخِلَافِ مَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ فَلَا تَظْهَرُ الزِّيَادَةُ.
اور برخلافِ اتنا جس میں دھوکہ کھاتے ہوں لوگ؛ کیونکہ وہ داخل ہے اندازہ کنندگان کے اندازہ کے تحت، پس ظاہر نہ ہو گی زیادتی۔
{5} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ حَقَّهُ فِي الْهَالِكِ بَاقٍ حَتَّى لَوْ كَانَ عَبْدًا وَتَرَكَ أَخْذَ الْقِيمَةِ يَكُونُ الْكَفَنُ
اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا حق ہلاک شدہ میں باقی ہے، حتیٰ کہ اگر وہ غلام ہوتا اور چھوڑ دیتا مولیٰ قیمت لینا، تو کفن واجب ہوتا
عَلَيْهِ أَوْ حَقُّهُ فِي مِثْلِهِ صُورَةً وَمَعْنًى ، لِأَنَّ ضَمَانَ الْعُدْوَانِ بِالْمِثْلِ ، وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُ إلَى الْقِيمَةِ بِالْقَضَاءِ
مولیٰ پر، یا اس کا حق ہلاک شدہ کے صورۃً و معنیً مثل میں ہے؛ کیونکہ ظلم کا تاوان مثل سے ہوتا ہے، اور منتقل ہوتا ہے قیمت کی طرف قضاء قاضی سے،
فَقَبْلَهُ إذَا تَرَاضَيَا عَلَى الْأَكْثَرِ كَانَ اعْتِيَاضًا فَلَا يَكُونُ رِبًا ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ بَعْدَ الْقَضَاءِ لِأَنَّ الْحَقَّ
پس اس سے پہلے جب وہ دونوں راضی ہو جائیں زیادہ پر تو وہ عوض لینا ہوا، پس سود نہ ہو گا، برخلافِ صلح کے قضاء کے بعد؛ کیونکہ حق
قَدْ انْتَقَلَ إلَى الْقِيمَةِ . {6} قَالَ : وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَعْتَقَهُ أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ
منتقل ہو چکا قیمت کی طرف۔ فرمایا: اور اگر غلام مشترک ہو دو آدمیوں میں، آزاد کر دے اس کو دونوں میں سے ایک، اور وہ غنی ہو،
فَصَالَحَهُ الْآخَرُ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ قِيمَتِهِ فَالْفَضْلُ بَاطِلٌ وَهَذَا بِالِاتِّفَاقِ ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا
پھر صلح کر لے اس کے ساتھ دوسرے غلام کی نصف قیمت سے زیادہ پر، تو زائد باطل ہے، اور یہ بالاتفاق ہے، بہرحال صاحبینؒ کے نزدیک
فَلِمَا بَيَّنَّا . {7} وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْقِيمَةَ فِي الْعِتْقِ مَنْصُوصٌ عَلَيْهَا وَتَقْدِيرُ الشَّرْعِ
تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور فرق کی وجہ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ ہے کہ قیمت آزادی میں منصوص ہے اور شریعت کا مقرر کرنا

| لَا يَكُونُ دُونَ تَقْدِيرِ الْقَاضِي فَلَا يَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ ، وَبِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّهَا غَيْرُ مَنْصُوصٍ عَلَيْهَا |
| --- |
| کم نہیں ہو سکتا ہے قاضی کے مقرر کرنے سے، پس جائز نہیں زیادتی اس پر، بر خلافِ گذشتہ مسئلہ کے؛ کیونکہ قیمت منصوص نہیں ہے اس میں۔ |
| وَإِنْ صَالَحَهُ عَلَى عُرُوضٍ جَازَ ؛ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يَظْهَرُ الْفَضْلُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ . |
| اور اگر صلح کر لی اس سے عروض پر، تو جائز ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ ظاہر نہیں ہو سکتی زیادتی، واللہ تعالیٰ اعلم |

**تشریح:۔** {1} اگر ماذون فی التجارۃ غلام نے کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ مقتول کے اولیاء کو مال دے کر اپنی ذات سے صلح کر لے، اور اگر ماذون غلام کے غلاموں میں سے کسی غلام نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اور ماذون نے مقتول کے اولیاء کو مال دے کر اس قاتل غلام سے مال پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے۔ اور دونوں صورت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ ماذون غلام کی اپنی گردن اس کی تجارت میں داخل نہیں ہے اس لیے یہ صلح اس کے مولیٰ پر لازم نہ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی گردن میں بیع کا تصرف نہیں کر سکتا ہے پس اسی طرح مولیٰ کا مال دے کر اس کے عوض اپنی گردن کو چھڑانے کا تصرف بھی نہیں کر سکتا، پس وہ اپنی ذات کے حق میں اجنبی کی طرح ہے؛ کیونکہ اس کی ذات اس کے مولیٰ کی ملک ہے اور اجنبی کا مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر صلح کرنا جائز نہیں ہے اس لیے غلام کی یہ صلح اس کے مولیٰ پر لازم نہیں ہے۔

{2} رہا وہ غلام جو ماذون غلام کے قبضہ میں ہے تو وہ چونکہ اس کی تجارت میں داخل ہے اس لیے اس میں ماذون کا تصرف بطورِ بیع کے نافذ ہے تو جب وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے تو اس کو قتل میں گرفتار ہونے کی صورت میں اس گرفتاری سے چھڑا بھی سکتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل غلام کا جب مقتول کا ولی مستحق ہو جاتا ہے تو گویا وہ ماذون غلام کی ملکیت سے زائل ہو گیا، پھر مالِ صلح دے کر اس کو ولی قصاص سے چھڑانا گویا اس کو خریدنا ہے پس ماذون غلام کو اس کے خریدنے کا اختیار ہو گا اور یہی خرید صلح ہے اس لیے جائز ہے۔

{3} اگر کسی نے یہودی کپڑا (یہود ایک جگہ کا نام ہے جس کی طرف معلوم القیمت کپڑا منسوب ہوتا ہے) غصب کیا جس کی قیمت سو روپیہ سے کم ہے پھر اس کو تلف کر دیا پھر اس کی قیمت سے سو روپیہ پر صلح کر لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ صلح جائز ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت پر جو زیادتی ہے وہ اگر اس قدر زیادہ ہو کہ جس کے بقدر لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں تو ایسی زیادتی باطل ہو گی؛ کیونکہ واجب تو فقط قیمت ہے اور قیمت مقدر ہے تو اس پر زیادتی سود ہو جائے گی اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

{4} اس کے بر خلاف اگر کسی نے اسبابِ معین پر صلح کی اور اس کی قیمت مغصوب کپڑے کی قیمت سے زائد ہو تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ جنس مختلف ہو جانے کی صورت میں زیادتی ظاہر نہیں ہوتی ہے لہٰذا سود لازم نہیں آتا ہے اس لیے جائز ہے۔ اور بر خلاف اس

کے کہ زیادتی اتنی کم ہو جس میں لوگ دھوکہ کھاتے ہوں تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ اندازہ کرنے والوں میں سے کوئی اتنے ثمن کو بھی اندازہ کر سکتا ہے، تو یہ ان کے اندازہ کے تحت میں داخل ہے پس زیادتی ظاہر نہ ہوگی اس لیے سود لازم نہیں آتا ہے لہٰذا یہ صورت بھی جائز ہے۔

{5} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کا حق اس کپڑے میں جو تلف ہو گیا اس وقت تک باقی ہے جب تک کہ ضمان میں اس کا حق متقرر نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر بجائے کپڑے کے کوئی غلام ہوتا اور مولیٰ قیمت لینے کو چھوڑ دیتا تو اس غلام کا کفن مولیٰ پر واجب ہوتا جس سے معلوم ہوا کہ مغصوب چیز ہلاک ہونے کے بعد بھی مغصوب منہ کی ملک پر باقی رہتی ہے، تو جب مالک کا حق اس کپڑے میں باقی ہے تو صلح کپڑے میں اس کی ملک کے عوض ہوگی اور کپڑے اور دراہم میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے سود لازم نہیں آتا ہے اس لیے یہ صلح جائز ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مالک کا حق تو اس کپڑے کے ایسے مثل سے متعلق ہوتا ہے جو صورۃً و معنیً ہلاک شدہ کپڑے کا مثل ہو ؛کیونکہ تجاوز کرنے کا ضمان تو مثل سے لیا جاتا ہے، باقی قیمت کی جانب منتقل ہونا جب ہی ہے کہ قاضی حکم کرے اس سے پہلے تو مثل ہی واجب ہوتا ہے، پس اگر قاضی کے حکم دینے سے پہلے دونوں اس کی قیمت سے زیادہ پر راضی ہوئے تو یہ اپنے حق کا عوض لینا ٹھہرایا جائے گا اور کپڑے اور قیمت میں اختلافِ جنس کی وجہ سے سود لازم نہیں آتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر قاضی نے قیمت کا حکم دیدیا پھر کپڑے کی قیمت سے زیادہ پر صلح کر لی تو اس صورت میں سود لازم آتا ہے؛ کیونکہ جب اس کا حق قیمت کی جانب منتقل ہو گیا تو قیمت سے زائد مقدار اتحادِ جنس کی وجہ سے سود ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما في الهندية: غَصَبَ ثَوْبًا قِيمَتُهُ مِائَةٌ فَأَتْلَفَهُ فَصَالَحَهُ مِنْهُ عَلَى أَزْيَدَ مِنْ مِائَةٍ جَازَ وَقَالَا يَبْطُلُ الْفَضْلُ عَلَى قِيمَتِهِ بِمَا لَا يَتَغَابَنُ فِيهِ وَالصَّحِيحُ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى كَذَا فِي خِزَانَةِ الْفَتَاوَى . (الهندية:241/4)

{6} اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو پس ایک نے اس کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ مالدار ہے تو دوسرے شریک کو اختیار ہوگا کہ اپنے حصہ کا تاوان اس سے لے لے پس اگر دوسرے شریک نے اس کے ساتھ غلام کی نصف قیمت سے زیادہ پر صلح کی تو زیادتی باطل ہے اور یہ حکم امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان بالاتفاق ہے؛ صاحبینؒ کے نزدیک تو وہی وجہ ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ جب ایک جنس میں غبن فاحش ہوا تو وہ سود ہے اس لیے جائز نہیں۔

{7} اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہاں عتق کی صورت میں قیمت منصوص ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے مشترک غلام کا کوئی حصہ آزاد کر دیا تو اس پر شریک کے حصہ کی قیمت ہوگی، اور شریعت کا مقرر کر دینا قاضی کے مقرر کر دینے سے کم نہیں ہے تو یہاں نصف قیمت سے زیادتی جائز نہ ہوئی، برخلاف سابقہ مسئلہ کے کہ جب یہودی کپڑا غصب کر دیا گیا تو اس میں زیادتی جائز ہے؛ کیونکہ وہاں قیمت منصوص نہیں ہے یعنی کمی بیشی جائز ہے۔ اور اگر یہاں آزاد کرنے والے نے کسی اسباب پر صلح کی تو یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ اس صورت میں اختلافِ جنس کی وجہ سے زیادتی ظاہر نہ ہوگی لہٰذا سود لازم نہیں آئے گا اس لیے یہ صلح جائز ہے۔

## بَابُ التَّبَرُّعِ بِالصُّلْحِ وَالتَّوْكِيلِ بِهِ

یہ باب صلح کے ساتھ تبرع کرنے اور صلح کے لیے وکالت قبول کرنے کے بیان میں ہے۔

صلح کے ساتھ تبرع کرنے سے یہاں مراد یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے بدون اس کے حکم کے صلح کر دینا۔ اور توکیل سے یہ مراد ہے کہ اس کے حکم سے اس کا وکیل بن کر صلح کرنا، یہاں توکیل مصدر مبنی للمفعول ہے بمعنی توکّل ہے۔ مصنفؒ اپنے لیے تصرف کرنے کے بیان سے فارغ ہو گئے تو غیر کے لیے تصرف کے بیان کو شروع فرمایا، چونکہ اپنے لیے تصرف کرنا اصل ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور غیر کے لیے تصرف کو مؤخر کر دیا۔

{1} وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيلَ مَا صَالَحَ عَنْهُ

فرمایا: اور جو شخص وکیل بنائے کسی شخص کو صلح کرنے کا اس کی طرف سے، پس اس نے صلح کر لی، تو لازم نہ ہوگا وکیل کو وہ مال جس پر صلح کر لی ہے

إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ، وَالْمَالُ لَازِمٌ لِلْمُوَكِّلِ ؛ وَتَأْوِيلُ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ إِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمدِ أَوْ كَانَ الصُّلْحُ

مگر یہ کہ وکیل ضامن ہو جائے اس کا، اور مال لازم ہوگا موکل کے ذمہ، اور تاویل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جب صلح دم عمد سے ہو یا ہو صلح

عَنْ بَعْضِ مَا يَدَّعِيهِ مِنَ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مَحْضٌ فَكَانَ الْوَكِيلُ فِيهِ سَفِيرًا وَمُعَبِّرًا فَلَا ضَمَانَ

اس دَین کے بعض حصہ پر جس کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے؛ کیونکہ یہ محض اسقاط ہے، پس ہوگا وکیل اس میں سفیر اور معبّر، پس نہ ہوگا ضمان

عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ بِالنِّكَاحِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ هُوَ مُؤَاخَذٌ بِعَقْدِ الضَّمَانِ لَا بِعَقْدِ الصُّلْحِ،

اس پر، جیسے نکاح کے وکیل میں، مگر یہ کہ وہ ضامن ہو جائے اس کا؛ کیونکہ اس وقت وہ ماخوذ ہوگا عقدِ ضمان کی وجہ سے نہ کہ عقدِ صلح کی وجہ سے،

أَمَّا إِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ فَتَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَى الْوَكِيلِ فَيَكُونُ الْمُطَالَبُ بِالْمَالِ هُوَ الْوَكِيلُ دُونَ

اور اگر صلح مال سے مال پر ہو تو وہ بمنزلۂ بیع کے ہے، پس راجع ہوں گے حقوق وکیل کی طرف، پس مطالبۂ مال وکیل سے ہوگا نہ کہ

الْمُوَكِّلِ{2}قَالَ: وَإِنْ صَالَحَ رَجُلٌ عَنْهُ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَهُوَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: إنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَضَمِنَهُ

موکل سے، فرمایا: اور اگر صلح کر لی کسی نے اس کی طرف سے اس کے کہنے کے بغیر، تو وہ چار طرح پر ہے، اگر صلح کی مال کے عوض اور ضامن ہو گیا اس کا

تَمَّ الصُّلْحُ؛ لِأَنَّ الْحَاصِلَ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَيْسَ إلَّا الْبَرَاءَةَ وَفِي حَقِّهَا هُوَ وَالْأَجْنَبِيُّ سَوَاءٌ

تو پوری ہو گئی صلح؛ کیونکہ مدعی علیہ کے لیے کچھ حاصل نہیں سوائے براءت کے، اور براءت کے حق میں اجنبی اور مدعی علیہ برابر ہیں،

فَصَلُحَ أَصِيلًا فِيهِ إذَا ضَمِنَهُ، كَالْفُضُولِيِّ بِالْخُلْعِ إذَا ضَمِنَ الْبَدَلَ وَيَكُونُ مُتَبَرِّعًا

پس وہ اصیل ہو سکتا ہے اس میں جبکہ وہ ضامن ہو جائے اس کا جیسے خلع کا فضولی جب ضامن ہو جائے بدل کا، اور احسان کرنے والا ہوگا

عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ كَمَا لَوْ تَبَرَّعَ بِقَضَاءِ الدَّيْنِ بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ بِأَمْرِهِ{3}وَلَا يَكُونُ لِهَذَا الْمُصَالِحِ

مدعی علیہ پر جیسا کہ اگر تبرع کرے دَین ادا کرنے کا، بر خلاف اس کے جبکہ ہو صلح مدعی علیہ کے کہنے سے، اور نہ ہوگا اس اجنبی صلح کنندہ کے لیے

شَيْءٌ مِنْ الْمُدَّعَى، وَإِنَّمَا ذَلِكَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ لِأَنَّ تَصْحِيحَهُ بِطَرِيقِ الْإِسْقَاطِ، وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا بَيْنَ مَا إذَا

کچھ مدعی بہ سے، بلکہ وہ اسی کے لیے ہوگا جس کے قبضہ میں ہے؛ کیونکہ اس کی تصحیح بطریق اسقاط ہے، اور کوئی فرق نہیں اس میں کہ

كَانَ مُقِرًّا أَوْ مُنْكِرًا{4}( وَكَذَلِكَ إنْ قَالَ صَالَحْتُك عَلَى أَلْفِي هَذِهِ أَوْ عَلَى عَبْدِي هَذَا صَحَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهُ

مدعی علیہ مقر ہو یا منکر ہو۔ اور اسی طرح اگر کہا: کہ میں نے صلح کر لی تجھ سے اپنے ان ہزار پر یا اپنے اس غلام پر، تو صحیح ہے صلح اور لازم ہوگا اس کو

تَسْلِيمُهَا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إلَى مَالِ نَفْسِهِ فَقَدْ الْتَزَمَ تَسْلِيمَهُ فَصَحَّ الصُّلْحُ

انہیں سپرد کرنا؛ کیونکہ جب اس نے منسوب کر لی صلح اپنے ذاتی مال کی طرف، تو اس نے التزام کیا اسے سپرد کرنے کا، پس صحیح ہوگی صلح۔

وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ عَلَيَّ أَلْفٌ وَسَلَّمَهَا؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ إلَيْهِ يُوجِبُ سَلَامَةَ الْعِوَضِ لَهُ فَيَتِمُّ الْعَقْدُ

اور اسی طرح اگر کہا: ہزار پر، اور اسے سپرد کر دیا؛ کیونکہ سپرد کرنا اس کو واجب کر دیتا ہے سلامتیٔ عوض کو اس کے لیے، پس تام ہوگا عقد؛

لِحُصُولِ مَقْصُودِهِ{5} وَلَوْ قَالَ صَالَحْتُك عَلَى أَلْفٍ فَالْعَقْدُ مَوْقُوفٌ، فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

بوجہ حاصل ہونے اس کے مقصود کے۔ اور اگر کہا کہ میں نے صلح کر لی تجھ سے ہزار پر، تو عقد موقوف ہوگا، پس اگر اجازت دی مدعی علیہ نے

جَازَ وَلَزِمَهُ الْأَلْفُ، وَإِنْ لَمْ يُجِزْهُ بَطَلَ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْعَقْدِ إنَّمَا هُوَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

تو جائز ہے، اور اس کو لازم ہوں گے ہزار، اور اگر مدعی علیہ نے اجازت نہ دی تو باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ اصل عقد میں مدعی علیہ ہے:

لِأَنَّ دَفْعَ الْخُصُومَةِ حَاصِلٌ لَهُ، إلَّا أَنَّ الْفُضُولِيَّ يَصِيرُ أَصِيلًا بِوَاسِطَةِ إضَافَةِ الضَّمَانِ إلَى نَفْسِهِ،

اس لیے کہ دفعِ خصومت حاصل ہے اسی کو، مگر یہ کہ فضولی اصیل ہو جائے گا ضمان کو اپنے آپ کی طرف منسوب کرنے کے واسطے سے،

فَإِذَا لَمْ يُضِفْهُ بَقِيَ عَاقِدًا مِنْ جِهَةِ الْمَطْلُوبِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إجَازَتِهِ . {6}قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ:

پس اگر اس نے منسوب نہیں کیا، تو وہ عاقد رہا مطلوب کی طرف سے، پس موقوف ہوگی مطلوب کی اجازت پر۔ مصنفؒ فرماتے ہیں

وَوَجْهٌ آخَرُ وَهُوَ أَنْ يَقُولَ صَالَحْتُكَ عَلَى هَذِهِ الْأَلْفِ أَوْ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ وَلَمْ يَنْسُبْهُ إلَى نَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَمَّا

دوسری وجہ یہ ہے کہ فضولی کہے: میں نے تجھ سے صلح کرلی ان ہزار پر یا اس غلام پر، اور منسوب نہیں کیا اپنی طرف؛ کیونکہ جب

عَيَّنَهُ لِلتَّسْلِيمِ صَارَ شَارِطًا سَلَامَتَهُ لَهُ فَيَتِمُّ بِقَوْلِهِ.

اس نے متعین کر دیا اس کو سپرد کرنے کے لیے تو وہ شرط کرنے والا ہوا اس کی سپردگی کا مدعی کو، پس صلح پوری ہو جائے گی اس کے قول سے۔

وَلَوْ اسْتَحَقَّ الْعَبْدَ أَوْ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَرَدَّهُ فَلَا سَبِيلَ لَهُ عَلَى الْمُصَالِحِ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ

اور اگر مستحق نکل آیا غلام کا یا پایا اس میں عیب، پس واپس کر دیا اس کو، تو کوئی راہ نہیں مدعی کے لیے مصالح پر؛ کیونکہ اس نے التزام کیا تھا

الْإِيفَاءَ مِنْ مَحَلٍّ بِعَيْنِهِ وَلَمْ يَلْتَزِمْ شَيْئًا سِوَاهُ ، فَإِنْ سَلِمَ الْمَحَلُّ لَهُ تَمَّ الصُّلْحُ ، وَإِنْ لَمْ يَسْلَمْ

ادائیگی کا ایک متعین محل سے اور التزام نہیں کیا تھا کسی شئی کا اس کے علاوہ، پس اگر سالم رہا محل اس کے لیے تو تام ہوگئی صلح، اور اگر سالم نہ رہا

لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ .{7}بِخِلَافِ مَا إذَا صَالَحَ عَلَى دَرَاهِمَ مُسَمَّاةٍ وَضَمِنَهَا وَدَفَعَهَا

اس کے لیے تو واپس نہیں لے سکا اس سے کچھ، بر خلاف اس کے جب صلح کرلے متعین دراہم پر، اور ضامن ہو جائے ان کا، اور دیدے وہ مدعی کو

ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ أَوْ وَجَدَهَا زُيُوفًا حَيْثُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ جَعَلَ نَفْسَهُ أَصِيلًا فِي حَقِّ الضَّمَانِ

پھر وہ مستحق ہو جائیں، یا ان کو کھوٹا پائے کہ مدعی رجوع کرے گا مصالح پر؛ کیونکہ اس نے بنا دیا اپنے آپ کو اصیل ضمان کے حق میں،

وَلِهَذَا يُجْبَرُ عَلَى التَّسْلِيمِ ، فَإِذَا لَمْ يَسْلَمْ لَهُ مَا سَلَّمَهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِبَدَلِهِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

اسی لیے وہ مجبور کیا جائے گا سپرد کرنے پر، پس جب سالم نہ رہا مدعی کے لیے وہ مال جو مصالح نے سپرد کیا ہے، تو واپس لے اس سے اس کا بدل۔

تشریح:۔{1} ماصالح عنہ سے ماصالح علیہ عن الموکل مراد ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی طرف سے صلح کرنے کا وکیل بنایا، پس وکیل نے صلح کرلی، تو موکل کی طرف سے وکیل جس مال پر صلح کرلے وہ مال وکیل کے ذمہ لازم نہ ہوگا مگر یہ کہ وکیل اس کی ضمانت کرے، اور یہ مال موکل کے ذمہ لازم ہوگا۔ اور اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ وکیل پر لازم نہ ہونے کا حکم اس وقت ہے کہ صلح قتل عمد سے ہو یا جس قرضہ کا مدعی نے دعوی کیا ہے اس کے بعض حصہ پر صلح ہو تو مال وکیل پر اس لیے لازم نہیں ہوگا کہ یہ صلح محض اسقاط ہے یعنی حق قصاص یا بعض قرضہ کو ساقط کرنا ہے لہذا وکیل اس میں محض سفیر و معبّر ہے یعنی حقوقِ صلح اس کی جانب

راجع نہیں ہیں تو اس پر ضمان بھی نہیں ہوگا جیسے نکاح کا وکیل کہ وہ محض سفیر اور معبر ہوتا ہے اس لیے وہ مہر وغیرہ کا ضامن نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اگر وکیل خود اس کی ضمانت کر لے تو اس صورت میں وہ عقدِ ضمانت کی وجہ سے ماخوذ ہوگا عقدِ صلح کی وجہ سے ماخوذ نہ ہوگا۔

اور اگر صلح مال سے بعوضِ مال ہو تو یہ بمنزلہ بیع کے ہے پس بیع کی طرح اس صلح میں بھی حقوقِ صلح وکیل کی جانب راجع ہوں گے اس لیے اس صورت میں مال کا مطالبہ وکیل سے ہوگا نہ کہ موکل سے۔

{2} اگر کسی کی طرف سے دوسرے شخص نے اس کے حکم کے بغیر صلح کر لی تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ (1) اگر مال کے عوض صلح کر کے خود اس کا ضامن بھی ہوا، تو صلح پوری ہوئی؛ اس لیے کہ مدعاعلیہ کے لیے براءت کے علاوہ کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوئی ہے اور براءت کے حق میں مدعاعلیہ اور اجنبی دونوں برابر ہیں لہٰذا اجنبی اس صلح میں اصیل ہو سکتا ہے جب وہ اس کا ضامن ہو جائے جیسے عورت کے لیے خلع لینے میں فضولی شخص بدلِ خلع کی ضمانت کر لے تو یہ جائز ہے، اور یہ اجنبی مدعاعلیہ پر تبرع اور احسان کرنے والا ہوگا اس لیے مدعی علیہ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے جیسے کوئی اجنبی شخص کسی مدعاعلیہ پر تبرع اور احسان کرتے ہوئے اس کا قرضہ ادا کر دے تو یہ جائز ہے اور تبرع کرنے والا اس مدعی علیہ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر مذکورہ صلح مدعاعلیہ کے حکم سے ہو تو صلح کرنے والا متبرع نہ ہوگا اس لیے اس مال کو مدعی علیہ سے واپس لے گا۔

{3} پھر مدعی سے جس چیز کے بدلے مال پر صلح کی ہے اس چیز میں سے اس اجنبی صلح کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا بلکہ وہ چیز اسی شخص کے لیے رہے گی جس کے قبضہ میں ہے؛ کیونکہ اس صلح کو صحیح ٹھہرانا بطورِ اسقاط ہے یعنی مدعی نے اپنا حق ساقط کیا اور مدعاعلیہ کو بری کر دیا اور ساقط چیز ساقط ہو کر ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ کوئی مبادلہ نہیں ہے، اور اس حکم میں کچھ فرق نہیں خواہ مدعاعلیہ مقر ہو یا منکر ہو دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے کہ صلح کرنے والا مدعی بہ کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

{4} (2) دوسری صورت یہ ہے کہ فضولی نے مدعی سے کہا کہ "میں نے تجھ سے اپنے ان ہزار درہم یا اپنے اس غلام پر صلح کر لی" تو یہ صلح صحیح ہے اور فضولی پر یہ ہزار درہم یا یہ غلام سپرد کرنا واجب ہے؛ کیونکہ جب اس نے اپنے ذاتی مال کی طرف صلح کی نسبت کی تو اس مال کے سپرد کرنے کا اپنے اوپر التزام کر لیا پس صلح صحیح ہو گئی۔

(3) تیسری صورت یہ ہے کہ فضولی نے مدعی سے کہا کہ "میں نے تجھ سے ہزار درہم پر صلح کی" اور یہ درہم اس کو سپرد کر دیئے تو یہ صلح صحیح ہے؛ کیونکہ مدعی کو سپرد کرنا واجب کر دیتا ہے کہ عوض اس کو سالم پہنچے تو عقدِ صلح پورا ہو جائے گا؛ کیونکہ اس کا مقصود حاصل ہو گیا یعنی مدعی کا مقصود یہ تھا کہ اس کو عوض سالم ملے اور وہ اس کو مل گیا اس لیے عقدِ صلح پورا ہو گیا۔

{5}(4) چوتھی صورت یہ ہے کہ فضولی نے مدعی سے کہا کہ "میں نے تجھ سے ہزار درہم پر صلح کرلی" اس سے آگے نہ ان ہزار کا ضامن ہوا اور نہ اپنے مال کی طرف منسوب کیا اور نہ یہ ہزار مدعی کو سپرد کئے تو یہ عقد ابھی موقوف رہے گا پس اگر مدعا علیہ نے اجازت دیدی تو یہ جائز ہے اور مدعی علیہ پر ہزار درہم لازم ہوں گے، اور اگر اس نے اجازت نہ دی تو صلح باطل ہوگئی؛ کیونکہ عقد میں اصل تو مدعا علیہ ہے یعنی اس صلح میں تو اصلی فائدہ مدعا علیہ کو ہے؛ کیونکہ خصومت دفع ہونا اسی کو حاصل ہے، لیکن فضولی اس وقت اس میں اصیل ہوجاتا ہے کہ وہ ضمان کو اپنی ذات کی طرف منسوب کردے یعنی مال صلح کو اپنی طرف منسوب کردے پس جب اس نے اپنی طرف نسبت نہیں کی تو وہ اصیل نہ ہوا بلکہ مدعا علیہ کی طرف سے صلح کا عقد کرنے والا رہ گیا تو عقد کا تمام ہونا مدعا علیہ کی اجازت پر موقوف رہا لہذا اگر اس نے اجازت دی تو صلح تام ہوگی اور اس پر ہزار درہم لازم ہوں گے ورنہ صلح باطل ہوگی۔

{6} مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مذکورہ چار صورتوں کے علاوہ ایک پانچویں صورت بھی ہے وہ یہ کہ فضولی کہے کہ "میں نے تجھ سے ان ہزار درہم یا اس غلام پر صلح کی" حالانکہ اپنی طرف اس کو منسوب نہیں کیا تو بھی یہ صلح صحیح ہوگی؛ کیونکہ جب اس نے ہزار درہم یا غلام کو سپرد کرنے کے لیے معین کیا تو گویا یہ شرط کی کہ یہ مال مدعی کو سالم سپرد کردے گا اس لیے فضولی کے قول سے یہ صلح تام ہوجائے گی۔

پھر اگر اس غلام پر کسی اور شخص نے اپنا استحقاق ثابت کرکے لے لیا، یا مدعی نے اس میں عیب پاکر واپس کردیا تو اس کو صلح کرنے والے پر کوئی راہ نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے ایک معین محل سے ادا کرنے کا التزام کیا تھا یعنی بدل صلح غلام معین تھا اور اس کے علاوہ اس نے کسی شئی کا التزام نہیں کیا ہے پس اگر یہ معین محل اس کو سالم ملا تو صلح پوری ہوگئی۔ اور اگر سالم نہیں ملا تو وہ صلح کرنے والے سے کچھ نہیں لے سکتا ہے، ولیکن اپنے دعوی پر رجوع کرسکتا ہے۔

{7} اس کے برخلاف اگر فضولی شخص نے کچھ متعین دراہم پر صلح کی اور خود ان کا ضامن ہوکر مدعی کو دیدیئے پھر کسی نے ان دراہم پر استحقاق ثابت کرکے مدعی کے پاس سے لے لیے یا مدعی نے کھوٹے پاکر واپس کردیئے، تو مدعی کو اختیار ہوگا کہ صلح کرنے والے سے دوسرے دراہم لے لے؛ کیونکہ صلح کرنے والے نے ضمان کے حق میں اپنے آپ کو اصیل بنایا ہے پس ضمان اس کے ذمہ دَین ہوگیا یہی وجہ ہے کہ اس پر جبر کیا جائے گا کہ مذکورہ دراہم مدعی کو سپرد کردے پھر جب وہ مال جو صلح کرنے والے نے سپرد کیا تھا مدعی کے لیے سالم نہ رہا تو مدعی صلح کرنے والے سے اس کا بدل صلح واپس لے گا۔

## بَابُ الصُّلْحِ فِي الدَّيْنِ

یہ باب قرضہ میں صلح کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ عام دعاوی کی طرف سے صلح کرنے کے بیان سے فارغ ہوگئے تو خاص دعوی (یعنی قرضہ کے دعوی) میں صلح کے بیان کو شروع فرمایا؛ کیونکہ خاص ہمیشہ عام کے بعد ہوتا ہے۔

قرضہ میں صلح کی اکثری صورت اس طرح ہوا کرتی ہے کہ قرضخواہ مثلاً سو روپیہ قرضہ میں سے دس روپیہ اس شرط پر چھوڑ دیتا ہے کہ مقروض باقی نوّے روپیہ فی الحال ادا کردے تو یہ اداءِ قرض بطورِ مبادلہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اسقاط ہے گویا قرضخواہ نے سو روپیہ میں سے دس روپیہ کو ساقط کر دیا۔

{1} وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ ، وَإِنَّمَا يُحْمَلُ

فرمایا: اور ہر وہ شی جس پر واقع ہو صلح، اور وہ واجب ہو عقدِ مداینت کی وجہ سے، تو محمول نہیں کیا جائے گا معاوضہ پر، بلکہ محمول کیا جائے گا

عَلَى أَنَّهُ اسْتَوْفَى بَعْضَ حَقِّهِ وَأَسْقَطَ بَاقِيَهُ ، كَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَصَالَحَهُ

اس پر کہ مدعی نے لے لیا اپنا بعض حق اور ساقط کر دیا باقی حق کو جیسے کسی کے دوسرے پر ہزار کھرے دراہم ہیں، پس اس نے صلح کرلی اس سے

عَلَى خَمْسِمِائَةٍ ، وَكَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفٌ جِيَادٌ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوفٍ جَازَ

پانچ سو کھوٹے دراہموں پر، اور جیسے اس کے دوسرے پر ہزار کھرے دراہم ہوں پس اس نے صلح کرلی اس سے پانچ سو کھوٹے پر تو جائز ہے،

وَكَأَنَّهُ أَبْرَأَهُ عَنْ بَعْضِ حَقِّهِ {2} وَهَذَا لِأَنَّ تَصَرُّفَ الْعَاقِلِ يُتَحَرَّى تَصْحِيحُهُ مَا أَمْكَنَ ، وَلَا وَجْهَ

پس گویا اس نے بری کر دیا اس کو اپنے بعض حق سے، اور یہ اس لیے کہ تصرفِ عاقل کی تصحیح کی جائے گی جہاں تک ممکن ہو، اور کوئی وجہ نہیں

لِتَصْحِيحِهِ مُعَاوَضَةً لِإِفْضَائِهِ إِلَى الرِّبَا فَجَعَلَ إِسْقَاطًا لِلْبَعْضِ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى وَلِلْبَعْضِ

اس کو صحیح کی معاوضہ کے طور پر؛ بوجہ اس کے مفضی ہونے کے ربا کی طرف، پس قرار دیا اس کو اسقاطِ بعض پہلے مسئلہ میں، اور اسقاطِ بعض

وَالصِّفَةِ فِي الثَّانِيَةِ {3} وَلَوْ صَالَحَ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَأَنَّهُ أَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ

مع الصفۃ قرار دیا دوسرے میں۔ اور اگر صلح کرلی ہزار میعادی پر، تو جائز ہے، گویا اس نے مؤخر کر دیا نفسِ حق کو؛ کیونکہ ممکن نہیں اس کو

جَعْلُهُ مُعَاوَضَةً لِأَنَّ بَيْعَ الدَّرَاهِمِ بِمِثْلِهَا نَسِيئَةً لَا يَجُوزُ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى التَّأْخِيرِ وَلَوْ صَالَحَهُ عَلَى دَنَانِيرَ

معاوضہ قرار دینا؛ کیونکہ دراہم کی بیع ان کے مثل کے عوض ادھار جائز نہیں ہے، پس ہم نے حمل کیا اس کو تاخیر پر۔ اور اگر صلح کرلی دنانیر پر

إِلَى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ ؛ لِأَنَّ الدَّنَانِيرَ غَيْرُ مُسْتَحَقَّةٍ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ فَلَا يُمْكِنُ حَمْلُهُ عَلَى التَّأْخِيرِ ، وَلَا وَجْهَ لَهُ

ایک ماہ تک، تو جائز نہیں؛ کیونکہ دنانیر واجب نہیں عقدِ مداینت کی وجہ سے، پس ممکن نہیں اس کو حمل کرنا تاخیر پر، اور کوئی وجہ نہیں اس کی

سِوَى الْمُعَاوَضَةِ ، وَبَيْعُ الدَّرَاهِمِ بِالدَّنَانِيرِ نَسِيئَةً لَا يَجُوزُ فَلَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ{4} وَلَوْ كَانَتْ لَهُ أَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ

سوائے معاوضہ ہونے کے، اور دراہم کی بیع بعوض دنانیر کے ادھار جائز نہیں، پس صحیح نہ ہوگی صلح۔ فرمایا: اور اگر ہوں اس کے ہزار میعادی،

فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةٍ لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّ الْمُعَجَّلَ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤَجَّلِ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ بِالْعَقْدِ فَيَكُونُ بِإِزَاءِ مَا

پس اس نے صلح کر لی پانچ سو نقد پر، تو جائز نہیں؛ کیونکہ نقد بہتر ہے میعادی سے، اور نقد واجب نہیں ہوا ہے عقد سے، پس میعاد بمقابلہ اس کے ہوگا

حَطَّهُ عَنْهُ ، وَذَلِكَ اعْتِيَاضٌ عَنِ الْأَجَلِ وَهُوَ حَرَامٌ{5} وَإِنْ كَانَ لَهُ أَلْفٌ سُودٌ فَصَالَحَهُ

جو اس نے ساقط کیا اس سے اور یہ عوض لینا ہوا میعاد سے، حالانکہ یہ حرام ہے۔ اور اگر ہوں اس کے ہزار سیاہ درہم، پس اس نے صلح کر لی

عَلَى خَمْسِمِائَةٍ بِيضٍ لَمْ يَجُزْ ؛ لِأَنَّ الْبِيضَ غَيْرُ مُسْتَحَقَّةٍ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ وَهِيَ زَائِدَةٌ وَصْفًا فَيَكُونُ مُعَاوَضَةَ الْأَلْفِ بِخَمْسِمِائَةٍ

پانچ سو سفید پر، تو جائز نہیں؛ کیونکہ سفید واجب نہیں ہے عقدِ مداینت کی وجہ سے، اور وہ وصف زائد ہے، تو یہ ہزار کا معاوضہ پانچ سو سے ہوگا

وَزِيَادَةِ وَصْفٍ وَهُوَ رِبًا{6} بِخِلَافِ مَا إذَا صَالَحَ عَنِ الْأَلْفِ الْبِيضِ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ سُودٍ حَيْثُ يَجُوزُ لِأَنَّهُ إسْقَاطُ بَعْضِ حَقِّهِ

وصفِ زائد کے ساتھ، اور یہ ربا ہے۔ برخلاف اس کے جب صلح کر لی ہزار سفید سے پانچ سو سیاہ پر؛ کیونکہ یہ ساقط کرنا ہے بعض حق کو

قَدْرًا وَوَصْفًا ، وَبِخِلَافِ مَا إذَا صَالَحَ عَلَى قَدْرِ الدَّيْنِ وَهُوَ أَجْوَدُ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمِثْلِ بِالْمِثْلِ،

قدر اور وصف کی راہ سے۔ اور برخلاف اس کے جب صلح کرلے قدرِ دین پر اور بدلِ صلح زیادہ کھرا ہو؛ کیونکہ یہ معاوضہ ہے برابر کا برابر سے،

وَلَا مُعْتَبَرَ بِالصِّفَةِ إلَّا أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الْقَبْضُ فِي الْمَجْلِسِ ،{7} وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَمِائَةُ دِينَارٍ فَصَالَحَهُ

اور اعتبار نہیں صفت کا؛ مگر یہ کہ شرط ہے قبضہ کرنا مجلس میں، اور اگر ہوں اس پر ہزار درہم اور سو دینار، پھر اس نے صلح کر لی

عَلَى مِائَةِ دِرْهَمٍ حَالَّةٍ أَوْ إلَى شَهْرٍ صَحَّ الصُّلْحُ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ أَنْ يُجْعَلَ إسْقَاطًا لِلدَّنَانِيرِ كُلِّهَا وَالدَّرَاهِمِ إلَّا مِائَةً وَتَأْجِيلًا

سو نقد درہم پر یا ایک ماہ تک پر، تو صحیح ہے صلح؛ کیونکہ ممکن ہے قرار دینا کل دنانیر اور سو کے علاوہ دراہم کو ساقط کرنا، اور میعادی قرار دینا

لِلْبَاقِي فَلَا يُجْعَلُ مُعَاوَضَةً تَصْحِيحًا لِلْعَقْدِ أَوْ لِأَنَّ مَعْنَى الْإِسْقَاطِ فِيهِ أَلْزَمُ

باقی کو، پس معاوضہ نہیں قرار دیا جائے صحیح کرتے ہوئے عقد کو، اور اس لیے کہ اسقاط کا معنی اس میں زیادہ چسپاں ہے۔

تشریح:۔ {1} مصنفؒ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے: چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شی (بدلِ صلح) جس پر صلح واقع ہوئی اور حال یہ کہ وہ قرض کے معاملہ میں واجب ہوئی ہو مثلاً کل قرضہ کے کسی جزء پر صلح کرلی تو یہ صلح معاوضہ پر محمول نہ ہوگی؛ کیونکہ معاوضہ پر محمول کرنے سے سود لازم آتا ہے، لہذا اس طرح کی صلح اس بات پر محمول ہوگی کہ اس نے اپنا بعض حق لے لیا اور باقی کو ساقط

کردیا جیسے کسی شخص کے دوسرے پر ہزار درہم ہوں اور وہ پانچ سو درہم پر صلح کرلے، اور جیسے کسی کے دوسرے پر ہزار کھرے درہم ہوں اور اس نے قرضدار سے پانچ سو درہم کھوٹے پر صلح کرلی تو یہ جائز ہے تو گویا اس نے اپنے بعض حق سے قرضدار کو بری کردیا۔

{2} اور اس طرح کی صلح معاوضہ پر محمول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عاقل کے تصرف کو جہاں تک ممکن ہو صحیح کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، پھر اس کو بطورِ معاوضہ کے صحیح کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ معاوضہ قرار دینا سود تک پہنچادیتا ہے، لہٰذا اس کو اسقاط قرار دیا جائے گا یعنی پہلے مسئلہ میں اس نے بعض حق ساقط کیا اور دوسرے مسئلہ میں بعض حق بمع صفت کے ساقط کردیا، یعنی ہزار درہم سے جب پانچ سو درہم پر صلح کی تو نصف حق ساقط کردیا اور جب کھرے ہزار درہم سے پانچ سو کھوٹے پر صلح کی تو نصف حق مع کھرے ہونے کی صفت کے ساقط کردیا۔

{3} اگر کسی نے ہزار درہم بغیر میعادی قرضہ سے ہزار درہم میعادی قرضہ پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے گویا اس نے نفس قرضہ میں میعاد دے دی اس لیے کہ اس کو معاوضہ قرار دینا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ درہم کو اپنے مثل درہم کے عوض ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے تو اس کو دَین کی تاخیر پر محمول کیا جائے گا۔ اور اگر کسی نے ہزار درہم سے سو دیناروں پر ایک ماہ کی میعاد پر صلح کی تو یہ صلح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ قرضہ کے معاملہ کی وجہ سے یہ دینار واجب نہیں تھے تو اس کو اصل قرضہ میں میعاد دینے پر محمول نہیں کیا سکتا ہے اور سوائے معاوضہ ہونے کے اس کی کوئی اور صورت نہیں اور جب یہ معاوضہ ہے اور درہموں کو دیناروں کے عوض ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ سود ہے لہٰذا یہ صلح صحیح نہ ہوگی۔

{4} اگر کسی کے دوسرے پر ہزار درہم میعادی قرضہ ہوں پس اس نے قرضدار کے ساتھ پانچ سو درہم نقد پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نقد بنسبتِ ادھار کے بہتر ہوتا ہے حالانکہ معاملہ قرض میں وہ نقد کا مستحق نہیں تھا پس جس قدر اس نے حق میں سے کم کیا تو وہ بمقابلہ میعاد کے ہے اور یہ میعاد کا عوض لینا ہو گیا حالانکہ میعاد کا عوض لینا حرام ہے؛ کیونکہ میعاد جودت کی طرح صفت ہے اور جودت کا عوض لینا حرام ہے لہٰذا میعاد کا عوض لینا بھی حرام ہوگا۔

ف:۔ سوال یہ ہے کہ مصنفؒ نے سابق میں کہا تھا "فانّ لِلاجل شبه بالمبیع الاتری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل" کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں زیادتی جائز ہے، جبکہ یہاں میعاد کا عوض لینے کو ناجائز کہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ دو چیزیں ہیں، ایک میعاد کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کرنا، دوسری یہ کہ میعاد کا عوض لینا، اول جائز ہے ثانی جائز نہیں ہے۔

{5} اگر کسی کے ہزار درہم سیاہ (سیاہی مائل کمتر درجہ کا درہم البتہ اس میں چاندی کھوٹ سے زیادہ ہوتی ہے) قرضہ ہوں پس اس نے پانچ سو سفید درہم (اعلیٰ درجہ کا درہم) پر صلح کی یعنی جن دراہم پر صلح کی وہ مقدار کے اعتبار سے کم ہیں اور وصف کے

اعتبار سے زائد اور عمدہ ہیں تو یہ صلح جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس کے معاملۂ قرض میں سفید درہم واجب نہیں تھے اور سفید درہم ہونا وصفِ زائد ہے تو ہزار کے معاوضہ میں پانچ سو درہم مع وصفِ زائد کے قرار پائے اور وصف کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں ہوتی لہٰذا ہزار بعوض پانچ سو قرار پائے اور یہ سود ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

{6} اس کے بر خلاف اگر ہزار سفید درہم سے پانچ سو سیاہ درہم پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے اس لیے کہ اس نے اپنے بعض حق کو مقدار اور وصف کے اعتبار سے ساقط کیا جس میں کوئی قباحت نہیں اس لیے یہ صلح جائز ہے۔ اور بر خلاف اس کے کہ اگر بقدرِ قرضہ بدلِ صلح پر صلح کی، البتہ بدلِ صلح بنسبتِ قرضہ کے زیادہ کھرا ہو تو یہ صلح بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہ برابر کا معاوضہ ہے برابر سے یعنی عوضین دونوں برابر ہیں، البتہ ایک عوض زیادہ کھرا ہے اور بیع صرف میں کھرے ہونے کی صفت کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا دونوں عوض برابر ہیں اس لیے سود لازم نہیں آتا ہے، مگر عوضین پر مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے؛ کیونکہ یہ صلح بیع صرف کے معنی میں ہے جس میں عوضین پر مجلس کے اندر قبضہ کرنا شرط ہوتا ہے۔

{7} اگر کسی پر ہزار درہم اور سو دینار ہوں پس اس نے سو درہم نقد یا ایک ماہ کی میعاد پر صلح کر لی تو یہ صلح صحیح ہے اس لیے کہ اس صلح کو ساقط کرنے کے معنی میں کر دینا درست ہے بایں طور کہ گویا اس نے کل دینار ساقط کر دیئے اور درہموں میں سے سوائے سو درہم کے باقی ساقط کر دیئے پھر باقی سو درہم کی ادائیگی کے لیے قرضدار کو میعاد دے دی تو یہ ایک جائز صورت ہے، لہٰذا اس صلح کو معاوضہ نہیں ٹھہرایا جائے گا؛ کیونکہ اس سے سود لازم آتا ہے، بلکہ اسے دنانیر اور بعض دراہم کا اسقاط قرار دیا جائے گا؛ کیونکہ اس صلح میں معاوضہ سے زیادہ اسقاط کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں قرضدار کے ذمہ سے نو سو دراہم اور ایک سو دنانیر کو کم کر دیا گیا ہے۔

{1} قَالَ : وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ أَدِّ إلَيَّ غَدًا مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ عَلَى أَنَّك بَرِيءٌ مِنَ الْفَضْلِ فَفَعَلَ

فرمایا: جس کے دوسرے پر ہزار درہم ہوں، پس اس نے کہا: کہ ادا کر لو ان میں سے پانچ سو اس شرط پر کہ تو بری ہے باقی سے، پس اس نے ایسا کر لیا

فَهُوَ بَرِيءٌ ، فَإِنْ لَمْ يَدْفَعْ إلَيْهِ الْخَمْسَمِائَةِ غَدًا عَادَ عَلَيْهِ الْأَلْفُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ

تو وہ بری ہو جائے گا، اور اگر نہ دے اس کو پانچ سو کل کے دن، تو لوٹ آئیں گے اس پر ہزار درہم، اور یہ قول امام صاحب اور امام محمد کا ہے،

{2} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يَعُودُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ إبْرَاءٌ مُطْلَقٌ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ جَعَلَ أَدَاءَ الْخَمْسِمِائَةِ عِوَضًا

اور فرمایا امام ابو یوسف نے کہ نہیں لوٹیں گے اس پر؛ کیونکہ یہ مطلق بری کرنا ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس نے قرار دیا پانچ سو کی ادائیگی کو عوض،

حَيْثُ ذَكَرَهُ بِكَلِمَةِ عَلَى وَهِيَ لِلْمُعَاوَضَةِ ، وَالْأَدَاءُ لَا يَصْلُحُ عِوَضًا لِكَوْنِهِ مُسْتَحَقًّا عَلَيْهِ

کہ ذکر کیا اس کو کلمۂ "علی" سے اور وہ معاوضہ کے لیے ہے، اور ادائیگی لائق نہیں عوض ہونے کی؛ اس کے واجب ہونے کی وجہ سے اس پر،

فَجَرَى وُجُودُهُ مَجْرَى عَدَمِهِ فَبَقِيَ الْإِبْرَاءُ مُطْلَقًا فَلَا يَعُودُ كَمَا إِذَا بَدَأَ بِالْإِبْرَاءِ .{3}وَلَهُمَا أَنَّ
پس ہو گا اس کا وجود عدم کے درجہ میں، پس باقی رہا بری کرنا مطلقاً، پس نہیں لوٹیں گے، جیسا کہ وہ پہلے ذکر کرے ابراء کو۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے

هَذَا إِبْرَاءٌ مُقَيَّدٌ بِالشَّرْطِ فَيَفُوتُ بِفَوَاتِهِ لِأَنَّهُ بَدَأَ بِأَدَاءِ الْخَمْسِمِائَةِ فِي الْغَدِ وَأَنَّهُ يَصْلُحُ
کہ یہ ابراء مقید ہے شرط کے ساتھ پس فوت ہو گا شرط کے فوت ہونے سے؛ کیونکہ اس نے شروع کیا پانچ سو کو ادا کرنے سے کل کے دن،

غَرَضًا حِذَارَ إِفْلَاسِهِ وَتَوَسُّلًا إِلَى تِجَارَةٍ أَرْبَحَ مِنْهُ ،{4}وَكَلِمَةُ عَلَى إِنْ كَانَتْ
اور یہ لائق ہے غرض ہونے کا بچتے ہوئے مدعی علیہ کے افلاس سے یا وسیلہ بناتے ہوئے زیادہ نافع تجارت کا اس سے، اور کلمہ "علی" اگرچہ

لِلْمُعَاوَضَةِ فَهِيَ مُحْتَمِلَةٌ لِلشَّرْطِ لِوُجُودِ مَعْنَى الْمُقَابَلَةِ فِيهِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ
معاوضہ کے لیے ہے، مگر وہ احتمال رکھتا ہے شرط کا؛ بوجہ موجود ہونے مقابلہ کے معنی کا اس میں، پس حمل کیا جائے گا شرط پر بوقتِ متعذر ہونے

الْحَمْلِ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ تَصْحِيحًا لِتَصَرُّفِهِ أَوْ لِأَنَّهُ مُتَعَارَفٌ ،{5}وَالْإِبْرَاءُ مِمَّا يَتَقَيَّدُ بِالشَّرْطِ
معاوضہ پر حمل کرنے کے، صحیح کرتے ہوئے اس کے تصرف کو، یا اس لیے کہ یہ متعارف ہے۔ اور بری کرنا ایسی چیز ہے کہ مقید ہو سکتی ہے شرط کے ساتھ

وَإِنْ كَانَ لَايَتَعَلَّقُ بِهِ كَمَافِي الْحَوَالَةِ، وَسَنُخَرِّجُ الْبُدَاءَةَ بِالْإِبْرَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .{6}قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ
اگرچہ متعلق نہیں ہو سکتا شرط کے ساتھ، جیسے حوالہ ہے، اور ہم ذکر کریں گے ابراء سے شروع کرنے کو ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مصنف ؒ نے فرمایا:

وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ : أَحَدُهَا مَا ذَكَرْنَاهُ .وَالثَّانِي إِذَا قَالَ صَالَحْتُك مِنَ الْأَلْفِ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ
یہ مسئلہ کئی طرح ہے، ایک ان میں سے وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے، اور دوم یہ کہ جب کہے: میں نے صلح کر لی ہزار سے پانچ سو پر

تَدْفَعُهَا إِلَيَّ غَدًا وَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الْفَضْلِ عَلَى أَنَّك إِنْ لَمْ تَدْفَعْهَا إِلَيَّ غَدًا فَالْأَلْفُ عَلَيْك عَلَى حَالِهِ.
جو پانچ سو تو مجھے ادا کرو گے کل، اور تو بری ہے زائد سے اس شرط پر کہ اگر تو نے وہ ادا نہ کئے مجھے کل، تو ہزار تجھ پر بدستور رہیں گے،

وَجَوَابُهُ أَنَّ الْأَمْرَ عَلَى مَا قَالَ لِأَنَّهُ أَتَى بِصَرِيحِ التَّقْيِيدِ فَيُعْمَلُ بِهِ.
اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر اس کے کہنے کے موافق ہو گا؛ کیونکہ اس نے بیان کیا صریح تقیید کو، پس عمل کیا جائے گا اس پر۔

{7}وَالثَّالِثُ إِذَا قَالَ أَبْرَأْتُك مِنْ خَمْسِمِائَةٍ مِنَ الْأَلْفِ عَلَى أَنْ تُعْطِيَنِي الْخَمْسَمِائَةِ غَدًا وَالْإِبْرَاءُ فِيهِ وَاقِعٌ
اور سوم یہ کہ جب کہے: کہ میں نے تجھے بری کر دیا پانچ سو سے ہزار میں سے اس شرط پر کہ تو مجھے دیدو گے پانچ سو کل، تو ابراء اس صورت میں واقع ہو گیا

أَعْطَى الْخَمْسَمِائَةِأَوْ لَمْ يُعْطِ لِأَنَّهُ أَطْلَقَ الْإِبْرَاءَ أَوَّلًا ، وَأَدَاءُ الْخَمْسِمِائَةِ لَا يَصْلُحُ عِوَضًا مُطْلَقًاوَلَكِنَّهُ يَصْلُحُ
خواہ پانچ سو دیدے یا نہ دے؛ کیونکہ اس نے مطلق رکھا ابراء کو پہلے، اور ادا کرنا پانچ سو کا لائق نہیں ہے مطلق عوض ہونے کا لیکن وہ لائق ہے

شَرْطًا فَوَقَعَ الشَّكُّ فِي تَقْيِيدِهِ بِالشَّرْطِ فَلَا يَتَقَيَّدُ بِهِ ،{8}بِخِلَافِ مَا إِذَا بَدَأَ بِأَدَاءِ خَمْسِمِائَةٍ

شرط ہونے کا، پس واقع ہوا شک اس کی تقیید بالشرط میں، پس مقید نہ ہو گا شرط کے ساتھ، بر خلاف اس کے جب بیان کرے پہلے پانچ سو ادا کرنے کو؛
لِأَنَّ الْإِبْرَاءَ حَصَلَ مَقْرُونًا بِهِ ، فَمِنْ حَيْثُ إِنَّهُ لَا يَصْلُحُ عِوَضًا يَقَعُ مُطْلَقًا ، وَمِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَصْلُحُ
کیونکہ ابراء حاصل ہوا اس کے ساتھ متصل، تو اس حیثیت سے کہ وہ لائق نہیں عوض ہونے کا واقع ہو گا مطلقاً، اور اس حیثیت سے کہ وہ لائق ہے
شَرْطًا لَا يَقَعُ مُطْلَقًا فَلَا يَثْبُتُ الْإِطْلَاقُ بِالشَّكِّ فَافْتَرَقَا . {9} وَالرَّابِعُ إِذَا قَالَ
شرط کا، تو واقع نہ ہو گا مطلقاً، پس ثابت نہ ہو گا اطلاق شک کی وجہ سے، پس دونوں میں فرق ہو گیا۔ اور چوتھی صورت یہ کہ جب کہے:
أَدِّ إِلَيَّ خَمْسَمِائَةٍ عَلَى أَنَّكَ بَرِيءٌ مِنَ الْفَضْلِ وَلَمْ يُوَقِّتْ لِلْأَدَاءِ وَقْتًا . وَجَوَابُهُ أَنَّهُ يَصِحُّ الْإِبْرَاءُ
ادا کر دے مجھے پانچ سو اس شرط پر کہ تو بری ہے زائد سے، اور بیان نہیں کیا ادا کے لیے وقت، اور اس کا حکم یہ ہے کہ صحیح ہے ابراء،
وَلَا يَعُودُ الدَّيْنُ لِأَنَّ هَذَا إِبْرَاءٌ مُطْلَقٌ لِأَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُوَقِّتْ لِلْأَدَاءِ وَقْتًا لَا يَكُونُ الْأَدَاءُ غَرَضًا صَحِيحًا لِأَنَّهُ وَاجِبٌ
اور نہیں لوٹے گا دین؛ کیونکہ یہ مطلق ابراء ہے؛ کیونکہ جب بیان نہیں کیا ادائیگی کا وقت تو نہ ہوئی ادا غرضِ صحیح؛ کیونکہ واجب ہے
عَلَيْهِ فِي مُطْلَقِ الْأَزْمَانِ فَلَمْ يَتَقَيَّدْ بَلْ يُحْمَلُ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَلَا يَصْلُحُ عِوَضًا ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ
اس پر مطلق زمانے میں، پس ابراء مقید نہ ہوا، بلکہ محمول کیا جائے گا معاوضہ پر، اور لائق نہیں عوض کا، بر خلاف سابقہ صورت کے؛
لِأَنَّ الْأَدَاءَ فِي الْغَدِ غَرَضٌ صَحِيحٌ . {10} وَالْخَامِسُ إِذَا قَالَ إِنْ أَدَّيْتَ إِلَيَّ خَمْسَمِائَةٍ أَوْ قَالَ إِذَا أَدَّيْتَ
کیونکہ ادا کرنا کل کے دن غرضِ صحیح ہے۔ اور پانچویں صورت یہ ہے کہ جب کہے: اگر تو نے ادا کر دئے مجھے پانچ سو، یا کہا: جب تو ادا کر دے،
أَوْ مَتَى أَدَّيْتَ . فَالْجَوَابُ فِيهِ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ الْإِبْرَاءُ لِأَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ صَرِيحًا ، وَتَعْلِيقُ الْبَرَاءَاتِ
یا جس وقت تو ادا کر دے، تو حکم اس میں یہ ہے کہ صحیح نہیں ہے ابراء؛ کیونکہ اس نے معلق کر دیا اس کو شرط کے ساتھ صراحۃ، اور معلق کرنا براءت کو
بِالشُّرُوطِ بَاطِلٌ لِمَا فِيهَا مِنْ مَعْنَى التَّمْلِيكِ حَتَّى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّهُ مَا أَتَى
شروط کے ساتھ باطل ہے؛ کیونکہ اس میں تملیک کا معنی ہے، حتی کہ رد ہو جاتی ہے رد کرنے سے، بر خلاف سابقہ صورتوں کے؛ کیونکہ وہ نہیں لایا
بِصَرِيحِ الشَّرْطِ فَحُمِلَ عَلَى التَّقْيِيدِ بِهِ . {11} قَالَ : وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ لَا أُقِرُّ لَكَ بِمَالِكَ
صریح شرط، تو محمول کیا جائے گا اسی کے ساتھ تقیید پر۔ فرمایا: اور جو شخص کہے دوسرے سے: میں اقرار نہیں کروں گا تیرے لیے تیرے مال کا
حَتَّى تُؤَخِّرَهُ عَنِّي أَوْ تَحُطَّ عَنِّي فَفَعَلَ جَازَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُكْرَهٍ
یہاں تک کہ تو اس کو مؤخر کر دے مجھ سے یا کچھ کم کر دے مجھ سے، پس اس نے ایسا کیا، تو جائز ہو جائے گا اس پر؛ کیونکہ وہ مجبور کیا ہوا نہیں ہے
وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا قَالَ ذَلِكَ سِرًّا ، أَمَّا إِذَا قَالَ عَلَانِيَةً يُؤْخَذُ بِهِ .

اور مسئلہ کا معنی یہ ہے کہ جب کہے یہ پوشیدہ طور پر، رہا یہ کہ اگر کہا علانیہ، تو ماخوذ ہو گا اس مال میں۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص کے دوسرے پر ہزار درہم قرضہ ہوں پس اس نے قرضدار سے کہا کہ "مجھے ان میں سے آئندہ کل کے دن پانچ سو درہم دیدو اس شرط پر کہ تو باقی پانچ سو درہم سے بری ہے" پس قرضدار نے ایسا ہی کیا کہ کل کے دن پانچ سو درہم ادا کر دیئے تو وہ باقی پانچ سو درہم سے بری ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کل کے دن پانچ سو درہم ادا نہیں کئے تو اس پر طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہزار درہم عود کریں گے لہٰذا اب اس کے ذمہ ہزار درہم ہی ادا کرنا لازم ہو گا۔

{2} امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہزار درہم عود نہیں کریں گے؛ کیونکہ یہ قرضخواہ کی طرف سے بری کرنا ہے اور یہ ابراء مطلق ہے قرضخواہ نے یہ قید نہیں لگائی ہے کہ "اگر پانچ سو ادا کر دیئے تو پانچ سو سے تُو بری ہے ورنہ بری نہیں ہے" اس لیے ہزار درہم عود نہیں کریں گے، آپ دیکھیں کہ قرضخواہ نے پانچ سو درہم ادا کرنے کو بری کرنے کا عوض ٹھہرایا؛ کیونکہ اس نے کلمۂ "عَلَی" کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ کلمہ معاوضہ کے لیے ہے حالانکہ پانچ سو ادا کرنا عوض ہونے کے لائق نہیں ہے؛ کیونکہ ادا کرنا صلح سے پہلے بحکم مداینت قرضخواہ کے لیے قرضدار پر واجب تھا حالانکہ معاوضہ اس کو کہتے ہیں جو شرط کی وجہ سے واجب ہو جبکہ یہاں کل کے دن پانچ سو کی ادائیگی شرط سے پہلے واجب ہے لہٰذا ادائیگی کی شرط بے فائدہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے پس ادائیگی کو عوض قرار دینا اور نہ قرار دینا دونوں برابر ہیں اس لیے بری کرنا مطلق قرار دیا لہٰذا ہزار درہم کا قرضہ عود نہیں کرے گا جیسے ابراء کو مقدم کرنے کی صورت میں عود نہیں کرتا ہے مثلاً قرضخواہ کا اس طرح کہنا کہ "میں نے تجھے ہزار درہم میں سے پانچ سو درہم سے بری کر دیا اس شرط پر کہ تو مجھے پانچ سو درہم کل کے دن ادا کر دے" تو بالاتفاق وہ کل کے دن پانچ سو سے بری ہو جاتا ہے خواہ پانچ سو ادا کرے یا ادا نہ کرے۔

{3} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بری کرنا مطلق نہیں بلکہ شرط کے ساتھ مقید ہے اور مقید بالشرط شرط کے فوت ہونے سے فوت ہو جاتا ہے لہٰذا کل کے دن ادا نہ کرنے سے ابراء بھی نہیں رہے گا؛ کیونکہ اس نے کل کے دن پانچ سو ادا کرنے سے شروع کیا تو یہ من حیث المعنی شرط ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو گویا یوں کہا کہ "اگر تو نے مجھے کل کے دن نصف قرضہ ادا کر دیا تو تُو بری ہے" اور اس میں اس کی صحیح غرض ہو سکتی ہے کہ شاید مدعا علیہ کے افلاس سے بچنے کے لیے ایسا کیا تا کہ مدعی علیہ کے افلاس کی وجہ سے اس کا کُل مال تلف نہ ہو جائے، یا ان پانچ سو کو اس نقصان سے زیادہ نافع تجارت کا وسیلہ بنانے کے لیے ایسا کیا کہ ان نقد پانچ سو میں تجارت کر کے میں زیادہ نفع کما سکتا ہوں، بہر حال جب پانچ سو کی ادائیگی بری کرنے کے لیے شرط ہے اور مقید بالشرط شرط کے فوت ہونے سے فوت ہو جاتا ہے اس لیے کل کے دن ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں پانچ سو سے ابزاء بھی نہیں رہے گا۔

{4} باقی لفظِ "عَلٰی" جیسے معاوضہ کے لیے موضوع ہے ویسے ہی مجازاً یہ شرط کا بھی احتمال رکھتا ہے؛ کیونکہ شرط وجزاء میں بھی مقابلہ کا معنی پایا جاتا ہے کہ جزاء شرط کے مقابلے میں ہے تو جس وقت کہ معاوضہ پر حمل کرنا اس وجہ سے متعذر ہو کہ عاقل بالغ کا تصرف صحیح نہیں رہتا ہے تو شرط ہی پر محمول کرنا چاہیے لہٰذا یہاں ہم لفظِ "عَلٰی" کو شرط پر محمول کریں گے۔ یا اس لیے لفظِ "عَلٰی" کو شرط پر محمول کریں گے کہ یہاں شرط ہی کا معنی متعارف ہے۔

{5} باقی یہ سوال کہ ابراء کو شرط پر معلق کرنا تو باطل ہے مثلاً قرضدار سے کہا کہ اگر تو نے اتنی مقدار قرضہ ادا کر دیا تو بقیہ قرضہ سے تو بری ہے تو یہ بالاتفاق باطل ہے اور تقیید بالشرط تعلیق بالشرط ہی ہے پس ہونا چاہیے کہ یہ تقیید باطل ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابراء ایسی چیز ہے کہ وہ شرط کے ساتھ مقید ہو سکتی ہے اگرچہ شرط پر معلق نہیں ہو سکتی ہے، اور براءت کا شرط پر معلق ہونے اور شرط کے ساتھ مقید ہونے میں فرق یہ ہے کہ مقید ہونے کی صورت میں براءت فی الحال موجود ہوتی ہے البتہ شرط نہ پائے جانے کی صورت میں معدوم ہو جاتی ہے، اور معلق بالشرط کی صورت میں براءت فی الحال بالکل موجود نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ معلق بالشرط شرط موجود ہونے سے پہلے موجود نہیں ہوتا ہے، پس ابراء کا وہی حال ہے جو حوالہ کا ہے یعنی جس طرح کہ حوالہ ایسی براءت ہے جو فی الحال ثابت ہے اور محتال علیہ کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ مقید ہے ادائیگی کی شرط پر معلق نہیں ہے اسی طرح یہاں ابراء بھی شرط کے ساتھ مقید ہے شرط پر معلق نہیں ہے۔ باقی اگر پہلے ابراء سے شروع کیا تو اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آگے لکھیں گے۔

فتوی:۔ طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: الراجح هو قولهما وعليه الفتوى وبه جزم في التنوير و در المختار والشامي وذكر في البحر الرائق قولهما من غير خلاف وكذا اقتصر على قولهما في الهندية نقلاً عن الكافي فيكون هو الماخوذ (هامش الهداية: 250/3)

{6} صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جو کتاب میں ہم نے ذکر کر دی۔ دوم یہ کہ قرضخواہ قرضدار سے کہے کہ "میں نے تیرے ساتھ ہزار درہم سے پانچ سو درہم پر اس شرط پر صلح کر لی کہ تو کل کے دن مجھے پانچ سو درہم ادا کر دے اور تو باقی سے بری ہے اس شرط پر کہ اگر کل کے دن تو نے مجھے یہ پانچ سو درہم ادا نہ کیے تو بدستور تجھ پر ہزار درہم ہوں گے" تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا حکم اس کے کہنے کے موافق ہوگا؛ کیونکہ اس نے صریح تقیید کو بیان کیا ہے تو اسی کے کہنے پر عمل ہوگا لہٰذا کل کے دن اگر قرضدار نے پانچ سو ادا نہ کیے تو قرضخواہ کے ہزار درہم اس کے ذمہ بدستور رہیں گے۔

{7} تیسری صورت یہ ہے کہ قرضخواہ ابراء کو پہلے ذکر کر دے مثلاً قرضخواہ قرضدار سے اس طرح کہے کہ "میں نے تجھے ہزار میں سے پانچ سو درہم سے بری کیا اس شرط پر کہ تو مجھے پانچ سو درہم کل کے دن دے دے" تو اس صورت میں قرضدار پانچ

سو سے بری ہو جائے گا خواہ وہ کل کے دن پانچ سو دے یا نہ دے؛ کیونکہ اس نے شروع میں ابراء کو مطلق رکھا ہے؛ کیونکہ پانچ سو کی ادائیگی کے ساتھ مقید نہیں ہے، اور پانچ سو درہم ادا کرنا اس لائق نہیں ہے کہ وہ مطلقاً ابراء کا عوض ہو جیسا کہ اس کی وجہ سابق میں گذر چکی کہ عوض وہی ہے جو فی الحال حاصل نہ ہو جبکہ یہاں پانچ سو قرضدار کو فی الحال حاصل ہیں کہ بعض سے ابراء کے بغیر اس پر واجب ہیں۔ البتہ پانچ سو کی ادائیگی ابراء کے اطلاق کو زائل کرنے کے لیے شرط ہو سکتی ہے تو شروع میں ابراء کو مطلق چھوڑنے سے یہ شک پیدا ہو گیا کہ اس نے ابراء کو پانچ سو کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ مقید کیا ہے یا نہیں کیا ہے، پس شک کی وجہ سے یہ ابراء پانچ سو کی ادائیگی کے ساتھ مقید نہ ہو گا لہذا پانچ سو ادا کرے یا نہ کرے بہر دو صورت ابراء ثابت ہو جائے گا۔

{8} اس کے برخلاف اگر پانچ سو درہم ادا کرنے کو پہلے بیان کیا جیسا کہ اول صورت میں ہے تو دیگر پانچ سو سے ابراء ان پانچ سو کی ادائیگی کے ساتھ مقید ہو جائے گا؛ کیونکہ ابراء پانچ سو درہم کی ادائیگی کے ساتھ متصل حاصل ہوا ہے پس اس اعتبار سے کہ ادائیگی کو عوض ہونے کی صلاحیت حاصل نہیں ہے تو ابراء مطلق واقع ہو گا اور اس اعتبار سے کہ پانچ سو کی ادائیگی شرط ہو سکتی ہے تو ابراء مطلق واقع نہ ہو گا، پس ابراء کے اطلاق میں شک واقع ہونے کی وجہ سے پانچ سو سے ابراء کا مطلق ہونا ثابت نہ ہو گا بلکہ دیگر پانچ سو کی ادائیگی کے ساتھ مقید ہو گا، یوں دونوں صورتوں (ابراء سے شروع کرنے اور پانچ سو کی ادائیگی سے شروع کرنے) میں فرق ظاہر ہو گیا۔

{9} چوتھی صورت یہ ہے کہ قرضخواہ قرضدار سے کہے کہ "تو مجھے پانچ سو درہم اس شرط پر ادا کر دو کہ تو باقی سے بری ہے" اور ادا کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں بیان کیا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ابراء صحیح ہے اور قرضہ عود نہیں کرے گا؛ کیونکہ یہ ابراء مطلق ہے اور مطلق ابراء عود نہیں کرتا ہے اور یہ اس لیے کہ جب اس نے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں بیان کیا تو جس طرح کہ پانچ سو کی ادائیگی عوض نہیں ہو سکتی ہے اسی طرح یہ صحیح غرض بھی نہیں ہو سکتی ہے؛ کیونکہ اس نے ادائیگی کو متعین زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے اور مطلق کسی زمانہ میں ادا کرنا تو اس پر خود واجب تھا تو ادائیگی کا ذکر لغو ہو گا لہذا یہ ابراء دیگر پانچ سو کی ادائیگی کے ساتھ مقید نہ ہو گا بلکہ ان پانچ سو کی ادائیگی کو معاوضہ پر محمول کیا جائے گا مگر چونکہ یہ ادائیگی اس قابل بھی نہیں ہے کہ ابراء کا عوض ہو جیسا کہ تیسری صورت میں گذر چکا لہذا یہ ابراء صحیح ہے۔

برخلافِ سابقہ صورت (پہلی صورت) کے کہ جس میں ادا کے لیے کوئی وقت بیان کیا ہو مثلاً کل کے دن پانچ سو ادا کرنے سے تو پانچ سو سے بری ہو گا کہ اس صورت میں ابراء اس خاص وقت میں ادائیگی کے ساتھ مقید ہو گا؛ کیونکہ کل کے دن ادا کرنا صحیح غرض ہے اس لیے اس صورت میں ابراء مطلق نہ ہو گا لہذا اگر کل کے دن پانچ سو کی ادائیگی کر دی تو بری ہو گا ورنہ بری نہ ہو گا۔

{10} پانچویں صورت یہ ہے کہ قرضخواہ نے صریح شرط اس طرح بیان کی کہ "اگر تو مجھے پانچ سو درہم ادا کر دے یا جب تو مجھے ادا کر دے یا جس وقت تو ادا کر دے تو تُو دیگر پانچ سو سے بری ہے" تو اس کا حکم یہ ہے کہ ابراء صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے ابراء کو صریح شرط کے ساتھ معلق کیا ہے حالانکہ ابراء کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے اس لیے کہ بری کرنے کے اندر مالک کرنے کا معنی پایا جاتا ہے حتی کہ رد کر دینے سے براءت رد ہو جاتی ہے اور تملیک کو شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے اس لیے یہ ابراء باطل ہے۔ برخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں قرضخواہ نے صریح شرط نہیں لائی ہے تو اس کو محمول کیا جائے گا کہ یہ ابراء شرط کے ساتھ مقید ہے شرط پر معلق نہیں ہے۔

{11} اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ "میں تیرے لیے تیرے مال کا اقرار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو اس کے ادا کرنے کے لیے مجھے مہلت دے" یا کہا کہ "یہاں تک کہ تو مجھ سے کچھ کم کر دے" یعنی کچھ ساقط کر دے، پس مقرلہ نے ایسا ہی کیا تو یہ فعل (تاخیر یا اسقاط) مقرلہ پر نافذ ہو جائے گا؛ کیونکہ قرضخواہ کچھ زبردستی مجبور نہیں ہے بلکہ اس نے بخوشی تاخیر یا اسقاط کو قبول کیا ہے اس لیے اس پر تاخیر یا اسقاط پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ صاحب ہدایہ "فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا معنی یہ ہے کہ قرضدار نے اس سے یہ بات پوشیدہ کہی تو مذکورہ حکم ہے، اور اگر قرضدار نے اس سے علانیہ کہا تو مقر ماخوذ ہوگا یعنی اس سے پورا مال اور فی الحال لیا جائے گا؛ کیونکہ یہ مقر کی طرف سے اپنے اوپر حق واجب ہونے کا اقرار ہے اس لیے وہ اپنے اقرار کے موافق فی الحال ادا کرنے پر ماخوذ ہوگا۔

## فَصْلٌ فِي الدَّيْنِ الْمُشْتَرَكِ

یہ فصل مشترک قرضہ کے بیان میں ہے۔

دَین مشترک کے بیان کو دَین مفرد کے بیان سے اس لیے مؤخر کر دیا کہ مرکب مفرد کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس فصل کے مسائل دو اصول پر مبنی ہیں ایک یہ کہ دَین پر قبضہ سے پہلے اس کی تقسیم جائز نہیں ہے، دوسری اصل یہ ہے کہ جس پر قرضہ نہ ہو اس کو دَین کا مالک بنانا جائز نہیں ہے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَصَالَحَ أَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيبِهِ عَلَى ثَوْبٍ فَشَرِيكُهُ بِالْخِيَارِ،

اور اگر ہو دَین دو شریکوں میں مشترک، پھر صلح کی دونوں میں سے ایک نے اپنے حصہ سے کپڑے پر، تو اس کے شریک کو اختیار ہے

إِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِي عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهِ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ لَهُ

اگر چاہے تو پیچھا کرے اس کا جس پر دَین ہے نصف قرضہ کے لیے، اور اگر چاہے تو لے لے نصف کپڑا، مگر یہ کہ ضامن ہو جائے اس کے لیے

شَرِيكُهُ رُبْعَ الدَّيْنِ {2}وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الدَّيْنَ الْمُشْتَرَكَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إذَا قَبَضَ أَحَدُهُمَا شَيْئًا مِنْهُ

اس کا شریک چوتھائی دَین کا، اور اصل اس میں یہ ہے کہ دو آدمیوں میں مشترک دَین جب دونوں میں سے ایک قبض کر لے اس میں سے کچھ،

فَلِصَاحِبِهِ أَنْ يُشَارِكَهُ فِي الْمَقْبُوضِ لِأَنَّهُ ازْدَادَ بِالْقَبْضِ ، إذْ مَالِيَّةُ الدَّيْنِ

تو اس کے ساتھی کو اختیار ہے کہ شریک ہو جائے اس کے ساتھ مقبوض میں؛ کیونکہ دَین بڑھ جاتا ہے قبضہ سے؛ اس لیے کہ دَین کی مالیت

بِاعْتِبَارِ عَاقِبَةِ الْقَبْضِ، وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ رَاجِعَةٌ إلَى أَصْلِ الْحَقِّ فَتَصِيرُ كَزِيَادَةِ الْوَلَدِ وَالثَّمَرَةِ وَلَهُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ،

بلحاظ انجام کار قبضہ سے ہے اور یہ زیادتی لوٹتی ہے اصل حق کی طرف، پس ہو گا جیسے ولد اور پھل کی زیادتی، اور اس کو حق ہے شریک ہو جانے کا،

{3}وَلَكِنَّهُ قَبْلَ الْمُشَارَكَةِ بَاقٍ عَلَى مِلْكِ الْقَابِضِ ، لِأَنَّ الْعَيْنَ غَيْرُ الدَّيْنِ حَقِيقَةً وَقَدْ قَبَضَهُ بَدَلًا عَنْ حَقِّهِ

لیکن مقبوض مشارکت سے پہلے باقی ہے قابض کی ملک پر؛ کیونکہ عین غیر ہے دَین کا حقیقۃً؛ لیکن اس نے اس کو لے لیا ہے اپنے حق کے بدلے،

فَيَمْلِكُهُ حَتَّى يَنْفُذَ تَصَرُّفُهُ فِيهِ وَيَضْمَنَ لِشَرِيكِهِ حِصَّتَهُ ،{4}وَالدَّيْنُ الْمُشْتَرَكُ

پس وہ مالک ہو گا اس کا حتی کہ نافذ ہو گا اس کا تصرف اس میں، اور ضامن ہو گا اپنے شریک کے لیے اُس کے حصے کا۔ اور دَین مشترک یہ ہے

يَكُونُ وَاجِبًا بِسَبَبٍ مُتَّحِدٍ كَثَمَنِ الْمَبِيعِ إذَا كَانَ صَفْقَةً وَاحِدَةً وَثَمَنِ الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ وَالْمَوْرُوثِ بَيْنَهُمَا

کہ ہو اس کا وجوب سببِ متحد سے جیسے مبیع کا ثمن جبکہ صفقہ ایک ہو، اور مالِ مشترک کا ثمن، اور دونوں میں مشترک میراث،

وَقِيمَةِ الْمُسْتَهْلَكِ الْمُشْتَرَكِ .{5}إذَا عَرَفْتَ هَذَا فَنَقُولُ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ : لَهُ أَنْ يَتْبَعَ

اور مشترک مستہلک کی قیمت، پس جب تجھے یہ بات معلوم ہو گئی، تو ہم کہتے ہیں کتاب کے مسئلہ میں: کہ شریک کو اختیار ہے کہ وہ پیچھا کرے

الَّذِي عَلَيْهِ الْأَصْلُ لِأَنَّ نَصِيبَهُ بَاقٍ فِي ذِمَّتِهِ لِأَنَّ الْقَابِضَ قَبَضَ نَصِيبَهُ لَكِنَّ لَهُ حَقَّ

اس کا جس پر اصل دَین ہے؛ کیونکہ اس کا حصہ باقی ہے اس کے ذمہ میں؛ اس لیے کہ قابض نے قبض کیا ہے اپنا حصہ، لیکن اس کو حق ہے

الْمُشَارَكَةِ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ لِأَنَّ لَهُ حَقَّ الْمُشَارَكَةِ إلَّا أَنْ يَضْمَنَ لَهُ شَرِيكُهُ رُبْعَ الدَّيْنِ

مشارکت کا، اور اگر چاہے تو لے لے نصف کپڑا؛ کیونکہ اس کو حاصل ہے حقِ مشارکت، مگر یہ کہ ضامن ہو جائے اس کا شریک چوتھائی دَین کا؛

لِأَنَّ حَقَّهُ فِي ذَلِكَ .{6}قَالَ وَلَوِ اسْتَوْفَى نِصْفَ نَصِيبِهِ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيكِهِ

اس لیے کہ اس کو حق ہے دَین میں۔ فرمایا: اور اگر وصول کیا دونوں میں سے ایک نے اپنا نصف حصہ دَین میں سے، تو اس کے شریک کو اختیار ہو گا

أَنْ يُشَارِكَهُ فِيمَا قَبَضَ ؛ لِمَا قُلْنَا ، ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيمِ بِالْبَاقِي)

کہ شریک ہو جائے اس کے ساتھ مقبوض میں؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، پھر دونوں مل کر وصول کریں مقروض سے باقی؛

لِأَنَّهُمَا لَمَّا اشْتَرَكَا فِي الْمَقْبُوضِ لَا بُدَّ أَنْ يَبْقَى الْبَاقِي عَلَى الشَّرِكَةِ. {7} قَالَ: وَلَوِ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا

کیونکہ جب وہ دونوں شریک ہوئے مقبوض میں، تو ضروری ہے کہ باقی رہے باقی ماندہ شرکت پر۔ فرمایا: اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے

بِنَصِيبِهِ مِنَ الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيكِهِ أَنْ يُضَمِّنَهُ رُبْعَ الدَّيْنِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ قَابِضًا حَقَّهُ

اپنے حصہ دَین کے عوض سامان، تو اختیار ہو گا اس کے شریک کو کہ ضامن بنائے اس کو چوتھائی دَین کا؛ کیونکہ وہ ہو گیا قبضہ کرنے والا اپنے حق پر

بِالْمُقَاصَّةِ كَامِلًا، لِأَنَّ مَبْنَى الْبَيْعِ عَلَى الْمُمَاكَسَةِ بِخِلَافِ الصُّلْحِ لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِغْمَاضِ وَالْحَطِيطَةِ،

کامل طور پر مقاصہ واقع ہونے سے؛ اس لیے کہ بیع کی بنیاد کس کر دام لگانے پر ہے برخلاف صلح کے؛ کیونکہ اس کی بنیاد چشم پوشی اور کچھ ساقط کرنے پر ہوتی ہے

فَلَوْ أَلْزَمْنَاهُ دَفْعَ رُبْعِ الدَّيْنِ يَتَضَرَّرُ بِهِ فَيَتَخَيَّرُ الْقَابِضُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ،

تو اگر ہم لازم کر دیں اس کے ذمہ چوتھائی دَین دینا تو وہ ضرر اٹھائے گا اس سے، پس اختیار دیا جائے گا قابض کو جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو

{8} وَلَا سَبِيلَ لِلشَّرِيكِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِعَقْدِهِ وَالِاسْتِيفَاءُ بِالْمُقَاصَّةِ

اور کوئی راہ نہیں شریک کے لیے کپڑے میں شرکت کی بیع کی صورت میں؛ کیونکہ وہ اس کا مالک ہوا ہے اپنے عقدِ بیع سے اور وصولی مقاصہ سے ہوئی

بَيْنَ ثَمَنِهِ وَبَيْنَ الدَّيْنِ. {9} وَلِلشَّرِيكِ أَنْ يَتْبَعَ الْغَرِيمَ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ حَقَّهُ

کپڑے کے ثمن اور دَین کے درمیان، اور شریک کو اختیار ہو گا کہ وہ پیچھا کرے مقروض کا ان سب میں جو ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ اس کا حق

فِي ذِمَّتِهِ بَاقٍ لِأَنَّ الْقَابِضَ اسْتَوْفَى نَصِيبَهُ حَقِيقَةً لَكِنْ لَهُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ فَلَهُ أَنْ لَا يُشَارِكَهُ،

مقروض کے ذمہ باقی ہے؛ اس لیے کہ قابض نے وصول کیا ہے حقیقۃً اپنا حصہ، لیکن اس کو شرکت کا حق ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ شرکت نہ کرے

فَلَوْ سَلَّمَ لَهُ مَا قَبَضَ ثُمَّ تَوَى مَا عَلَى الْغَرِيمِ لَهُ أَنْ يُشَارِكَ الْقَابِضَ

پھر اگر شریک نے سپرد کیا اس کو وہ جو اس نے قبض کیا ہے پھر وہ ہلاک ہوا جو مقروض پر ہے، تو اس کو اختیار ہو گا کہ شریک ہو جائے قابض کے ساتھ

لِأَنَّهُ رَضِيَ بِالتَّسْلِيمِ لِيُسَلَّمَ لَهُ مَا فِي ذِمَّةِ الْغَرِيمِ وَلَمْ يُسَلَّمْ، {10} وَلَوْ وَقَعَتِ الْمُقَاصَّةُ

کیونکہ وہ تو راضی ہوا تھا سپرد کرنے پر تاکہ سالم ملے اس کو وہ جو مقروض کے ذمہ میں ہے اور وہ اس کو نہیں ملا۔ اور اگر واقع ہوا مقاصہ

بِدَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنْ قَبْلُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ الشَّرِيكُ لِأَنَّهُ قَاضٍ بِنَصِيبِهِ

اس دَین کے ساتھ جو مقروض کا احد الشریکین پر تھا اس سے پہلے تو رجوع نہیں کرے گا اس پر شریک؛ کیونکہ وہ مقاصہ کرنے والا ہے اپنے حصہ سے

لَا مُقْتَضٍ، {11} وَلَوْ أَبْرَأَهُ عَنْ نَصِيبِهِ فَكَذَلِكَ لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ وَلَيْسَ بِقَبْضٍ،

نہ کہ قرضہ وصول کرنے والا۔ اور اگر ایک نے بری کر دیا مقروض کو اپنے حصہ سے تو بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ یہ تلف کرنا ہے، اور قبض کرنا نہیں

وَلَوْ أَبْرَأَهُ عَنِ الْبَعْضِ كَانَتْ قِسْمَةُ الْبَاقِي عَلَى مَا بَقِيَ مِنَ السِّهَامِ ، {12} وَلَوْ أَخَّرَ أَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيبِهِ صَحَّ

اور اگر اس کو بری کر دیا بعض سے تو تقسیم ہوگا باقی قرضہ باقی حصوں پر، اور اگر مہلت دی دونوں میں سے ایک نے اپنے حصے میں تو صحیح ہے

عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ اعْتِبَارًا بِالْإِبْرَاءِ الْمُطْلَقِ ، وَلَا يَصِحُّ عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى قِسْمَةِ الدَّيْنِ قَبْلَ الْقَبْضِ ،

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک؛ قیاس کرتے ہوئے مطلق ابراء پر، اور صحیح نہیں ہے طرفینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ یہ مفضی ہوگا تقسیم دین کو قبضہ سے پہلے۔

{13} وَلَوْ غَصَبَ أَحَدُهُمَا عَيْنًا مِنْهُ أَوِ اشْتَرَاهَا شِرَاءً فَاسِدًا وَهَلَكَ فِي يَدِهِ فَهُوَ قَبْضٌ وَالِاسْتِئْجَارُ بِنَصِيبِهِ قَبْضٌ ،

اور اگر غصب کر لی دونوں میں سے ایک نے کوئی چیز مقروض سے، یا خرید لی فاسد خرید سے، اور وہ ہلاک ہوگئی اس کے قبضہ میں، تو یہ قبضہ ہے،

وَكَذَا الْإِحْرَاقُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ {14} وَالتَّزَوُّجُ بِهِ

اور کرایہ پر لینا اپنے حصہ کے عوض قبضہ ہے، اور اسی طرح جلانا امام محمدؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کا، اور نکاح کرنا اس کے عوض

إِتْلَافٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، وَكَذَا الصُّلْحُ عَلَيْهِ مِنْ جِنَايَةِ الْعَمْدِ .

تلف کرنا ہے ظاہر الروایت میں، اور اسی طرح صلح کرنا اس پر جنایتِ عمد سے۔

تشریح:۔ {1} اگر قرضہ دو شریکوں میں مشترک ہو پھر دونوں میں سے ایک نے اپنے حصہ سے ایک کپڑے پر صلح کر لی تو دوسرے شریک کو تین باتوں کا اختیار ہے (1) چاہے تو اپنے نصف قرضہ کے لیے قرضدار کا دامنگیر ہو (2) اور چاہے تو دوسرے شریک سے نصف کپڑا لے لے، مگر اس صورت میں اگر صلح کرنے والا شریک دوسرے شریک کے لیے چوتھائی قرضہ کا ضامن ہو گیا تو غیر مصالح شریک کو اختیار نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کا حق دَین میں ہے کپڑے میں اس کو کوئی حق حاصل نہیں۔

{2} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ جو قرضہ دو شریکوں میں مشترک ہو تو جب ان دونوں میں کوئی شریک کچھ وصول کرے تو دوسرے کو اختیار ہے کہ مقبوض میں اس کا شریک ہو جائے یعنی جو کچھ وصول کیا ہے اس میں سے اپنا حصہ لے لے اس لیے کہ وصول کرنے والے نے وصول کرنے میں زیادتی لے لی؛ کیونکہ نقد کو ادھار پر ایک قسم کی زیادتی حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ قرضہ کی مالیت انجام کار میں قبضہ کے اعتبار سے ہے یعنی جس نے ابھی تک قرضہ وصول نہیں کیا ہے اس کے حصہ میں گویا مالیت نہیں ہے اس لیے جس شریک نے کچھ وصول کیا اس کو بالفعل قرضہ کی مالیت حاصل ہوئی پس اس نے باوجودِ شرکت کے زیادہ حصہ پایا اور یہ زیادتی اصل حق کی جانب راجع ہے تو یہ ایسا ہو جائے گا جیسے مشترکہ باندی سے بچہ پیدا ہوا یا مشترک درخت سے پھل پیدا ہوا تو وہ دونوں شریکوں میں مشترک ہوگا اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی ہر ایک شریک کو اس زیادتی میں مشارکت کا حق حاصل ہوگا۔

{3} البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ جس شریک نے جو کچھ وصول کیا ہے وہ دوسرے شریک کے شرکت اختیار کرنے سے پہلے اسی شریک کی ملکیت پر باقی ہے جس نے اس کو قبض کیا ہے؛کیونکہ قبض کرنے کے بعد یہ عین ہو گیا جبکہ غیر قابض کا حق دَین میں ہے اور عین دَین کا غیر ہوتا ہے اور چونکہ قابض نے اس عین کو اپنے حق کے عوض میں لیا ہے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا حتی کہ جو کچھ اس نے وصول کیا اس میں اگر وہ ہبہ وغیرہ کا تصرف کرے تو وہ اس میں نافذ ہو جائے گا، اور اپنے شریک کے لیے بقدر اس کے حصہ کے ضامن ہو گا؛اس لیے متن میں کہا کہ "مگر اس صورت میں کہ اپنے شریک کے لیے چوتھائی قرضہ کا ضامن ہو تو مقبوض میں شرکت کا اختیار نہ ہو گا"۔

{4} واضح رہے کہ مشترک دَین وہ ہے کہ جس کے واجب ہونے کا سبب ایک ہو جیسے مبیع کے ثمن کا دو شریکوں کے لیے واجب ہونا جبکہ بیع ایک ہی صفقہ سے ہوئی ہو مثلاً دونوں نے اپنا اپنا غلام ملا کر ایک ہی بولی میں دونوں کو دو ہزار کے عوض فروخت کیا تو یہ ثمن دونوں بائع میں مشترک ہو جائے گا جو دونوں غلاموں کے مشتری پر قرضہ ہے، اور جیسے دونوں نے اپنے مشترک مال کو یا مشترک میراث کو فروخت کیا تو اس کا ثمن مشترک ہو گا اور مشتری پر قرضہ ہو گا، اور جیسے دونوں کے مشترک مال کو کسی نے تلف کر دیا تو اس کی قیمت ان دونوں کے درمیان مشترک ہو گی۔

{5} پس جب دَین مشترک کی حقیقت معلوم ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ کتاب کے مسئلہ میں جس شریک نے صلح نہیں کی ہے اس کو اختیار ہے کہ اصل مدیون کا پیچھا کرے؛کیونکہ اس شریک کا حصہ مدیون کے ذمہ میں باقی ہے؛کیونکہ صلح کرنے والے قابض نے تو صرف اپنا حق وصول کیا ہے اس لیے دوسرا شریک مدیون ہی کا پیچھا کرے۔ البتہ جس شریک نے صلح نہیں کی ہے اس کو مقبوض حصہ میں مشارکت کا حق حاصل ہے، اس لیے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے نصف کپڑا لے لے جس پر صلح واقع ہوئی ہے؛کیونکہ اس کو اس کپڑے میں مشارکت کا حق حاصل ہے، البتہ اگر اس کا شریک اس کے لیے چوتھائی قرضہ کا ضامن ہو گیا تو غیر مصالح شریک کپڑے میں سے نصف نہیں لے سکتا؛کیونکہ اس کا حق اصل قرضہ میں ہے کپڑے میں نہیں ہے۔

{6} اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ قرضہ میں سے وصول کر لیا تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ مقبوض حصہ میں شریک ہو جائے؛کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ مشترک قرضہ میں سے جب ایک نے کچھ وصول کیا تو دوسرے کو اس کے مقبوض حصہ میں شرکت کا اختیار ہوتا ہے، پھر دونوں مل کر قرضدار سے مابقی وصول کریں گے؛کیونکہ جب دونوں مقبوض مقدار میں شریک ہو گئے تو جو کچھ باقی رہا وہ بھی لازمی طور پر دونوں میں مشترک رہے گا۔

{7} اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے دَین میں سے اپنے حصہ کے عوض کوئی اسباب خرید لیا تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ اس سے چوتھائی قرضہ کا تاوان لے، بشرطیکہ دونوں مساوی شریک ہوں؛ کیونکہ شریک خریدار تو اپنے حق پر مقاصہ (ادلا بدلا) واقع ہونے کی وجہ سے بھرپور قابض ہو گیا یعنی پورے آدھے قرضہ کے برابر قیمت کی چیز اس نے خریدی پس اس کے ثمن کا آدھا قرضہ سے بدلا واقع ہو گیا، اور بھرپور اس لیے قابض ہو گیا کہ بیع کی بنیاد مماکست (قیمت کم کرانے) پر ہے تو اس نے مبیع کی قیمت خوب کم کر کے حاصل کی ہو گی لہذا اس پر چوتھائی قرضہ کا تاوان واجب کرنے میں اس کا کوئی ضرر نہیں ہے، برخلاف صلح کے کہ وہ چشم پوشی کرنے اور کچھ حق ساقط کرنے پر مبنی ہوتی ہے پس اگر ہم صلح کرنے والے کے ذمہ چوتھائی قرضہ لازم کریں تو وہ اس سے ضرر اٹھائے گا؛ کیونکہ صلح کر کے اس نے اپنے نصف دَین کو کامل طور پر وصول نہیں کیا ہے اس لیے اس سے ایک چوتھائی قرضہ کا تاوان لینے میں اس کا ضرر ہے، لہذا اس کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے بدل صلح کا نصف دے، اور چاہے تو چوتھائی قرضہ کا تاوان دے جیسا کہ ہم نے سابق میں ذکر کیا۔

{8} اور غیر قابض شریک کو کپڑا خریدنے والے شریک کے ساتھ بیع کی صورت میں کپڑے میں شرکت کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے؛ کیونکہ خریدار شریک اپنے عقد بیع سے اس کا مالک ہوا ہے اور اس کے ثمن اور قرضہ کے درمیان مقاصہ (ادلا بدلا) واقع ہو جانے سے یہ لازم آیا کہ اس نے اپنا حصۂ دَین بھرپور وصول کر لیا، یعنی صریح قرضہ وصول نہیں کیا ہے بلکہ خرید کے ضمن میں ادلا بدلا کی وجہ سے وہ قرضہ کو وصول کرنے والا ہوا اور جب یہ صریح قرضہ کا وصول نہیں ہے تو دوسرا شریک اس کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس کی خرید میں دوسرے شریک کو اختیار نہیں ہے۔

{9} اور شریک غیر قابض کو ان سب صورتوں (کپڑے پر صلح کی صورت، دَین دراہم یا دنانیر سے وصول کرنے کی صورت، اور اسباب خریدنے کی صورت) میں یہ اختیار ہے کہ قرضدار کا پیچھا کر کے اپنا حق وصول کر لے؛ کیونکہ اس کا حق ابھی تک قرضدار کے ذمہ باقی ہے؛ کیونکہ وصول کرنے والے نے تو در حقیقت اپنا حصہ وصول کر لیا ہے اس لیے غیر قابض اپنے حق کے لیے قرضدار ہی کا پیچھا کرے، البتہ غیر قابض شریک کو قابض شریک کے ساتھ مشارکت کا حق ہے تو اس کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ مشارکت نہ کرے۔

پھر اگر غیر قابض شریک نے وصول کرنے والے شریک کو جو اس نے وصول کیا ہے سپرد کر دیا یعنی اس سے اپنا حصہ وصول نہیں کیا پھر جو کچھ قرضدار پر باقی تھا وہ تلف ہو گیا مثلاً وہ مفلس ہو کر مر گیا، تو غیر قابض کو اختیار ہو گا کہ قابض نے جو کچھ وصول کیا ہے

اس میں شریک ہو جائے؛ کیونکہ وہ شریک کو سپرد کرنے پر تو اسی صورت میں راضی ہوا تھا کہ جو کچھ قرضدار کے ذمہ پر باقی ہے وہ اس کو ملے اور جب وہ نہ ملا تو اس کو شرکت کا اختیار ہوگا۔

{10} اور اگر یہ صورت ہو کہ قرضدار کا کچھ قرضہ پہلے سے ان دونوں شریکوں میں سے کسی ایک شریک پر ہو پس اس شریک کے حصہ کا قرضدار کے قرضہ سے مقاصہ (ادلا بدلا) ہو گیا تو دوسرا شریک اپنے اس قابض شریک سے کچھ واپس نہیں لے سکتا اس لیے کہ وہ اپنے حصہ سے قرضدار کا قرضہ ادا کرنے والا ہے اور اپنا حصہ قرض وصول کرنے والا نہیں ہے اس لیے غیر قابض کو اس سے کچھ واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

{11} اور اگر ایک شریک نے اپنے حصہ سے قرضدار کو بری کر دیا تو بھی دوسرا شریک اس سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ یہ قبضہ اور قرضہ وصول کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے حصہ کو تلف کرنا ہے اور تلف کرنے کی صورت میں دوسرے شریک کو اس سے کچھ لینے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کے کسی جزء سے قرضدار کو بری کر دیا تو باقی قرضہ کی تقسیم باقی ماندہ حصوں کے موافق ہوگی مثلاً سو روپیہ قرضہ میں سے ایک شریک نے اپنا نصف حصہ معاف کر دیا تو کل قرضہ کی چوتھائی نکل جانے کے بعد باقی پچھتر روپیہ ان دونوں میں اس طرح مشترک رہا کہ معاف کرنے والے کا ایک حصہ اور دوسرے کے دو حصہ ہوں گے پس اگر انہوں نے کچھ وصول کیا تو وہ ان میں ان کے حصوں کے موافق مشترک ہوگا۔

{12} اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے اپنے حصہ میں قرضدار سے مطالبہ کو مؤخر کر دیا، تو امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک یہ تاخیر صحیح ہے ابراءِ مطلق پر قیاس کرتے ہوئے یعنی تاخیر ابراءِ مقید ہے اس کو ابراءِ مطلق پر قیاس کیا جائے گا کہ جیسا کہ ابراءِ مطلق صحیح ہے اسی طرح ابراءِ مقید بھی صحیح ہوگا۔ اور طرفین ؒ کے نزدیک قرضدار سے مطالبہ کو مؤخر کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ قبضہ سے پہلے قرضہ کو تقسیم کرنا لازم آئے گا؛ کیونکہ دونوں کے حصوں میں اس طرح کا فرق پیدا ہوا کہ ایک کا حصہ میعادی ہے اور دوسرا اپنے حصے کا فی الحال مطالبہ کر سکتا ہے حالانکہ قبضہ سے پہلے قرضہ کی تقسیم جائز نہیں ہے۔

فتوی: طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: وبقولهما اخذ كثير من المشائخ و اقتصر عليه كثير من اصحاب المتون و الشروح و اليه مال صاحب الهداية وملتقى الابحر (هامش الهداية: 253/3)

{13} اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے قرضدار سے کوئی چیز غصب کر لی یعنی ایسی چیز غصب کی جس کی قیمت اس کے حصہ کے برابر ہے یا اس نے قرضدار سے کوئی چیز بیع فاسد کے طور پر خریدی اور وہ چیز غاصب یا خریدار کے قبضہ میں تلف ہو گئی تو یہ

اپنے حصۂ قرضہ کا قبضہ ہے لہٰذا دوسرے کو اس سے ایک چوتھائی دَین کے بارے میں رجوع کا اختیار ہو گا۔ اور اگر ایک نے اپنے حصہ کے بدلے قرضدار سے کوئی چیز اجارہ پر لی تو یہ بھی قبضہ ہے لہٰذا دوسرے کو اس سے ایک چوتھائی دَین کے بارے میں رجوع کا اختیار ہو گا۔

اسی طرح جلانا امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبضہ نہیں ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شریک نے اپنے قرضہ کے برابر مدیون کا کپڑا جلا دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ قبضہ ہے حتی کہ ساکت کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ جلانے والے سے اپنے دَین کی چوتھائی کا مطالبہ کرے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس نے اپنا حصہ تلف کر دیا اس لیے اس کو رجوع کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔

{14} اور اگر مدیونہ کوئی عورت ہو جس کے ساتھ دونوں شریکوں میں سے ایک نے اپنے حصہ پر نکاح کیا تو ظاہر الروایۃ میں یہ قبضہ نہیں بلکہ تلف کرنا ہے حتی کہ دوسرے شریک کو متزوّج سے رجوع کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر ایک شریک نے مدیون پر عمداً کوئی جنایت کی اور اپنے حصۂ دَین پر اس جنایت سے صلح کر لی تو یہ قبضہ نہیں بلکہ اتلاف ہے یعنی گویا اس نے اپنے حصۂ دَین کو تلف کر دیا لہٰذا دوسرے شریک کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اس کو وصول کرنا ٹھہرا کر صلح کرنے والے سے بقدرِ اپنے حصہ کے واپس لے۔

{1} قَالَ: وَإِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَصَالَحَ أَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيبِهِ عَلَى رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

فرمایا: اور اگر سلم کا مال مشترک ہو دو شریکوں میں، پس صلح کر لی دونوں میں سے ایک نے اپنے حصہ سے راس المال پر، تو جائز نہیں امام صاحبؒ

وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ {2} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ الصُّلْحُ؛ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الدُّيُونِ ، وَبِمَا إِذَا اشْتَرَيَا عَبْدًا

اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: جائز ہے صلح قیاس کرتے ہوئے دیگر قرضوں پر، اور اس صورت پر جب وہ دونوں خرید لیں غلام،

فَأَقَالَ أَحَدُهُمَا فِي نَصِيبِهِ .وَلَهُمَا أَنَّهُ لَوْ جَازَ فِي نَصِيبِهِ خَاصَّةً يَكُونُ قِسْمَةً

پھر اقالہ کر لے دونوں میں سے ایک اپنے حصہ میں۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر جائز ہو جائے اس کے حصہ میں خاص کر تو یہ تقسیم ہو گی

الدَّيْنِ فِي الذِّمَّةِ ، وَلَوْ جَازَ فِي نَصِيبِهِمَا لَا بُدَّ مِنْ إِجَازَةِ الْآخَرِ بِخِلَافِ شِرَاءِ الْعَيْنِ،

ایسے دَین کی جو ذمہ میں ثابت ہے، اور اگر جائز ہو جائے دونوں کے حصہ میں، تو ضروری ہے دوسرے کی اجازت، برخلاف عینِ شی کی خرید کے؛

وَهَذَا لِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيهِ صَارَ وَاجِبًا بِالْعَقْدِ وَالْعَقْدُ قَامَ بِهِمَا فَلَا يَنْفَرِدُ أَحَدُهُمَا بِرَفْعِهِ،

اور یہ اس لیے کہ مسلم فیہ تو واجب ہوا عقد کی وجہ سے، اور عقد قائم ہے دونوں کے ساتھ، پس تنہا کوئی ایک رفع نہیں کر سکتا اس کو،

{3} وَلِأَنَّهُ لَوْ جَازَ لَشَارَكَهُ فِي الْمَقْبُوضِ ، فَإِذَا شَارَكَهُ فِيهِ رَجَعَ

اوراس لیے کہ اگر جائز ہوتو دوسرا شریک ہو جائے گا اس کے ساتھ مقبوض میں، پس جب وہ شریک ہوا اس کے ساتھ اس میں تو رجوع کرے گا

الْمُصَالِحُ عَلَى مَنْ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَيُؤَدِّي إلَى عَوْدِ السَّلَمِ بَعْدَ سُقُوطِهِ. {4} قَالُوا: هَذَا إذَا

مصالِح مسلم الیہ سے یہ، پس یہ مفضی ہو گا سلم لوٹ آنے کی طرف اس کے ساقط ہونے کے بعد۔ مشائخ نے کہا ہے کہ یہ جب ہے کہ

خَلَطَا رَأْسَ الْمَالِ، فَإِنْ لَمْ يَكُونَا قَدْ خَلَطَاهُ فَعَلَى الْوَجْهِ الْأَوَّلِ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ، وَعَلَى الْوَجْهِ الثَّانِي هُوَ عَلَى الِاتِّفَاقِ.

دونوں ملادے راس المال کو، اور اگر دونوں نے نہ ملایا ہو اس کو تو پہلی صورت میں اختلاف پر ہے، اور دوسری صورت میں اتفاق پر۔

تشریح:۔ {1} اگر سلم کا مال (مسلم فیہ) دو شریکوں میں مشترک ہو پس ایک نے اپنے حصہ سے رأس المال پر صلح کرلی یعنی راس المال میں سے اپنا حصہ لے کر بیع سلم فسخ کر دی، تو طرفینؒ کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں ہے بلکہ اس کے شریک کی اجازت پر موقوف ہو گی اگر اس نے اجازت دیدی تو گویا دونوں نے صلح کرلی اس لیے دونوں پر نافذ ہو گی اور مقبوض دونوں میں مشترک ہو گا اور باقی سلم بھی دونوں میں مشترک ہو گی، اور اگر اس کے شریک نے اس کو رد کر دیا تو یہ صلح اصل سے باطل ہو گی اور کل مسلم فیہ دونوں میں مشترک ہو گی۔

{2} اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ یہ اپنے خالص حق میں تصرف ہے پس دوسرے قرضوں پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی جائز ہے یعنی جیسے دوسرے قرضوں میں صلح جائز ہے ویسے ہی یہاں بھی جائز ہے۔ اور جیسے دونوں ایک غلام خرید لے، پھر دونوں میں سے ایک اپنے حصہ میں اقالہ کر کے بیع کو فسخ کر دے تو دوسرے شریک کی رضامندی کے بغیر یہ جائز ہے اسی طرح مذکورہ صورت بھی جائز ہے۔

طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ صلح خاص کر اس کے حصہ میں جائز ہو تو ایسے قرضہ کو تقسیم کرنا ہو گا جو مسلَم الیہ کے ذمہ میں ثابت ہے یعنی غیر مقبوض قرضہ کی تقسیم لازم آتی ہے جو کہ جائز نہیں۔ اور اگر یہ صلح دونوں کے حصہ میں جائز ہو تو دوسرے کی اجازت ضروری ہے حالانکہ دوسرے کی اجازت نہیں پائی گئی اس لیے یہ صلح جائز نہیں ہے۔

برخلاف مال عین خریدنے کے یعنی اگر دونوں نے ایک غلام خریدا اور پھر ایک شریک نے اپنے حصہ کا اقالہ کر دیا تو اقالہ جائز ہے؛ کیونکہ مالِ عین میں اقالہ حالتِ بقاء میں حکم میں تصرف ہے اور یہ عقد سے مستغنی ہے جبکہ عقدِ سلم میں مسلَم فیہ تو عقد کی وجہ سے واجب ہو گئی اور عقد ان دونوں شریکوں کی وجہ سے قائم ہوا ہے تو کسی ایک کو تنہا یہ اختیار نہ ہو گا کہ اس عقد کو فسخ کر دے۔

{3} دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ صلح جائز ہو جائے تو صلح کرنے والے نے جو کچھ رأس المال میں سے وصول کیا ہے اس میں اس کا دوسرا ساتھی شریک ہو جائے گا؛ کیونکہ صفقہ ایک ہے اور دونوں میں مشترک ہے، پھر جب اس نے شریک ہو کر اپنا حصہ

لے لیا تو صلح کرنے والا مسلم فیہ کی اس مقدار کو مسلم الیہ سے واپس لے گا تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ صلح کرنے والے کا عقدِ سلم ساقط ہونے کے بعد اس مقدار میں پھر عود کرے گا حالانکہ عقدِ سلم سقوط کے بعد عود نہیں کرتا ہے۔

{4} متاخرین مشائخ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب دونوں نے راس المال کو خلط کر دیا ہو اور پھر عقدِ سلم کیا ہو، اور اگر دونوں نے رأس المال کو خلط نہ کیا ہو تو وجہ اول پر تو اس میں مذکورہ اختلاف جاری ہو گا اور دوسری صورت پر اتفاق ہو گا۔ یعنی اگر دونوں نے رأس المال خلط نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنا راس المال علیحدہ دیا تو بھی طرفین ؒ کے نزدیک ایک شریک کی صلح جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک جائز ہے، مگر طرفین ؒ کے نزدیک صلح کا جائز نہ ہونا فقط پہلی وجہ کی بناء پر ہے، باقی دوسری وجہ کی بناء پر اتفاق ہے یعنی صلح کا جائز نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ صلح کرنے والا جو کچھ وصول کرے گا اس میں دوسرے کو شرکت کا حق حاصل ہو گا؛ کیونکہ اس صورت میں تو صلح کرنے والے نے جو کچھ مال حاصل کیا ہے یہ مال فقط اسی کا حق ہے تو دوسرا اس میں شریک نہیں ہو گا اس لیے طرفین ؒ کے نزدیک اس صورت میں صلح جائز نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے بلکہ فقط پہلی وجہ سے جائز نہیں ہے، فافہم، واللہ تعالیٰ أعلم۔ مولانا عبد الحکیم شادلی کوٹیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دوسری وجہ کی بناء پر بھی اتفاق نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں: والصحیح انه لیس فیه اتفاق بل الخلاف ثابت فی الوجه الاول والثانی جمیعاً کذا صرح به فی الزیلعی والکافی والهندیة (هامش الهدایة: 254/3)

## فَصلٌ فِي التَّخَارُجِ

یہ فصل تخارج کے بیان میں ہے۔

واضح رہے کہ شریعت میں تخارج یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں کسی وارث کا جو حصہ ہے ورثہ کی باہمی رضامندی سے اس کو کوئی متعین مال دے کر میراث سے خارج کر دیا جائے، اور یہ بطورِ صلح کے ہوتا ہے اور اس کی ایک شرط یہ ہے کہ کل ترکہ یا بعض ترکہ قرضہ میں گھرا ہوا نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ جو کچھ اس کو دیا گیا وہ اسی جنس ترکہ میں سے اس کے حصہ سے زائد ہو اور بعضوں کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ صلح کے وقت یہ بات معلوم ہو کہ ترکہ میں جو اموال عین ہیں وہ کس جنس کے ہیں۔

تخارج کے بیان کو مؤخر کرنے کی وجہ اس کا کم واقع ہونا ہے یعنی بہت کم کوئی وارث اس پر راضی ہوتا ہے کہ اسے کوئی متعین چیز دے کر میراث سے خارج کر دیا جائے، اور اس لیے کہ یہ عام نہیں ہے بلکہ فقط میت کے ترکہ میں پایا جاتا ہے۔

{1} وَإِذَا كَانَتِ الشَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَأَخْرَجُوا أَحَدَهُمْ مِنْهَا بِمَالٍ أَعْطَوْهُ إِيَّاهُ وَالتَّرِكَةُ عَقَارٌ

فرمایا: اور اگر ترکہ مشترک ہو ورثہ میں، پھر وہ خارج کر دیں ان میں سے ایک کو اس مال کے عوض جو انہوں نے دیدیا اس کو، اور ترکہ عقار

أَوْ عُرُوضٌ جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَعْطَوْهُ إِيَّاهُ أَوْ كَثِيرًا ؛ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ بَيْعًا . وَفِيهِ أَثَرُ عُثْمَانَ،

یا عروض ہو، تو جائز ہے خواہ کم ہو جو انہوں نے اس کو دیدیا یا زیادہ ہو؛ کیونکہ ممکن ہے اس کو صحیح کرنا بیع بنا کر، اور اس میں اثر وارد ہے حضرت عثمان کا،

فَإِنَّهُ صَالَحَ تَمَاضُرَ الْأَشْجَعِيَّةَ امْرَأَةَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رُبُعِ ثُمُنِهَا عَلَى ثَمَانِينَ أَلْفِ دِينَارٍ {2} قَالَ : وَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ

کہ آپ ؓ نے صلح کرائی تماضر الاشجعیہ زوجۂ عبد الرحمن بن عوف ؓ کے آٹھویں حصہ کی چوتھائی سے اسی ہزار دینار پر۔ فرمایا: اور اگر ترکہ

فِضَّةً فَأَعْطَوْهُ ذَهَبًا أَوْ كَانَ ذَهَبًا فَأَعْطَوْهُ فِضَّةً فَهُوَ كَذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْجِنْسِ بِخِلَافِ الْجِنْسِ فَلَا يُعْتَبَرُ التَّسَاوِي

چاندی ہو، پس وہ دیدیں اس کو سونا یا سونا ہو اور وہ دیدیں اس کو چاندی، تو بھی ایسا ہی ہے؛ کیونکہ یہ جنس کی بیع خلافِ جنس سے ہے پس معتبر نہ ہوگی برابری،

وَيُعْتَبَرُ التَّقَابُضُ فِي الْمَجْلِسِ لِأَنَّهُ صَرْفٌ غَيْرَ أَنَّ الَّذِي فِي يَدِهِ بَقِيَّةُ التَّرِكَةِ إِنْ كَانَ جَاحِدًا يُكْتَفَى

اور معتبر ہوگا باہمی قبضہ مجلس میں؛ کیونکہ یہ بیع صرف ہے، البتہ وہ شخص جس کے قبضہ میں بقیہ ترکہ ہو اگر وہ منکر ہو تو اکتفا کیا جائے گا

بِذَلِكَ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ قَبْضُ ضَمَانٍ فَيَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الصُّلْحِ {3} وَإِنْ كَانَ مُقِرًّا لَا بُدَّ مِنْ تَجْدِيدِ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ قَبْضُ أَمَانَةٍ

اسی قبضہ پر؛ کیونکہ وہ ضمانی قبضہ ہے تو نائب ہو جائے گا قبضۂ صلح کا، اور اگر وہ مقر ہو تو ضروری ہے تجدیدِ قبضہ؛ کیونکہ یہ قبضۂ امانت ہے،

فَلَا يَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الصُّلْحِ {4} وَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَبًا وَفِضَّةً وَغَيْرَ ذَلِكَ فَصَالَحُوهُ عَلَى ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ

پس نائب نہ ہوگا قبضۂ صلح کا۔ اور اگر ہو ترکہ سونا، چاندی اور ان کے علاوہ چیزیں، پس انہوں نے صلح کر لی اس کے ساتھ سونے یا چاندی پر،

فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مَا أَعْطَوْهُ أَكْثَرَ مِنْ نَصِيبِهِ مِنْ ذَلِكَ الْجِنْسِ حَتَّى يَكُونَ نَصِيبُهُ بِمِثْلِهِ

تو ضروری ہے کہ ہو وہ جو انہوں نے اس کو دیا ہے زیادہ اس کے حصہ سے اس جنس میں سے حتی کہ ہو جائے اس کا حصہ اس کے برابر،

وَالزِّيَادَةُ بِحَقِّهِ مِنْ بَقِيَّةِ التَّرِكَةِ ؛ احْتِرَازًا عَنِ الرِّبَا ، {5} وَلَا بُدَّ مِنَ التَّقَابُضِ فِيمَا يُقَابِلُ

اور زائد اس حق کے مقابل ہو جائے جو باقی میراث میں ہے؛ ربا سے بچنے کے لیے، اور ضروری ہے باہمی قبضہ کرنا اس میں جو مقابل ہے

نَصِيبَهُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِأَنَّهُ صَرْفٌ فِي هَذَا الْقَدْرِ ، وَلَوْ كَانَ بَدَلُ الصُّلْحِ عَرَضًا جَازَ مُطْلَقًا لِعَدَمِ الرِّبَا،

اس کے حصہ کے سونے اور چاندی میں سے؛ کیونکہ یہ بیع صرف ہے اس مقدار میں، اور اگر بدلِ صلح سامان ہو، تو جائز ہوگا مطلقاً؛ ربا نہ ہونے کی وجہ سے۔

{6} وَلَوْ كَانَ فِي التَّرِكَةِ دَرَاهِمُ وَدَنَانِيرُ وَبَدَلُ الصُّلْحِ دَرَاهِمُ وَدَنَانِيرُ أَيْضًا جَازَ الصُّلْحُ كَيْفَمَا كَانَ صَرْفًا لِلْجِنْسِ إِلَى خِلَافِ الْجِنْسِ

اور اگر ترکہ دراہم اور دنانیر ہو اور بدلِ صلح بھی دراہم اور دنانیر ہو، تو جائز ہے صلح جیسے بھی ہو؛ پھیرتے ہوئے جنس کو خلافِ جنس کی طرف

كَمَا فِي الْبَيْعِ لَكِنْ يُشْتَرَطُ التَّقَابُضُ لِلصَّرْفِ . {7} قَالَ : وَإِذَا كَانَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ

جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، لیکن شرط ہے باہمی قبضہ مجلس میں؛ بیع صرف ہونے کی وجہ سے۔ فرمایا: اور اگر ترکہ میں دَین ہو لوگوں پر،

فَأَدْخَلُوهُ فِي الصُّلْحِ عَلَى أَنْ يُخْرِجُوا الْمُصَالِحَ عَنْهُ وَيَكُونَ الدَّيْنُ لَهُمْ فَالصُّلْحُ بَاطِلٌ ؛ لِأَنَّ فِيهِ

اور انہوں نے داخل کیا دَین صلح میں اس پر کہ خارج کر دیں گے مصالح کو اس دَین سے اور ہو گا دَین ان کے لیے تو صلح باطل ہے؛ کیونکہ اس میں

تَمْلِيكَ الدَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ وَهُوَ حِصَّةُ الْمُصَالِحِ{8} وَإِنْ شَرَطُوا أَنْ يَبْرَأَ

مالک کرنا ہے دَین کا ایسے شخص کو جس پر دَین نہیں ہے، اور وہ صلح کنندہ کا حصہ ہے۔ اور اگر ورثہ نے یہ شرط کر لی کہ صلح کنندہ بری کر دے گا

الْغُرَمَاءَ مِنْهُ وَلَا يَرْجِعُ عَلَيْهِمْ بِنَصِيبِ الْمُصَالِحِ فَالصُّلْحُ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّهُ إسْقَاطٌ أَوْ هُوَ تَمْلِيكُ

قرض داروں کو دَین سے، اور کوئی واپس نہیں لے گا قرضداروں سے صلح کنندہ کا حصہ، تو یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ یہ اسقاط ہے، یا وہ مالک کرنا ہے

الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ وَهُوَ جَائِزٌ ، {9}وَهَذِهِ حِيلَةُ الْجَوَازِ ، وَأُخْرَى أَنْ يُعَجِّلُوا قَضَاءَ نَصِيبِهِ مُتَبَرِّعِينَ،

دَین کا اس کو جس پر دَین ہے، اور یہ جائز ہے، اور یہ حیلۂ جواز ہے، اور دوسرا حیلہ یہ ہے کہ ورثہ فی الحال ادا کر دیں اس کا حصہ تبرع کرتے ہوئے،

وَفِي الْوَجْهَيْنِ ضَرَرٌ بِبَقِيَّةِ الْوَرَثَةِ .وَالْأَوْجَهُ أَنْ يُقْرِضُوا الْمُصَالِحَ مِقْدَارَ نَصِيبِهِ وَيُصَالِحُوا عَمَّا

اور دونوں صورتوں میں ضرر ہے بقیہ ورثہ کا، اور عمدہ حیلہ یہ کہ ورثہ قرض دیں صلح کنندہ کو اس کے حصے کے بقدر، اور صلح کرلے ان سے

وَرَاءَ الدَّيْنِ .وَيُحِيلُهُمْ عَلَى اسْتِيفَاءِ نَصِيبِهِ مِنَ الْغُرَمَاءِ{10} وَلَوْلَمْ يَكُنْ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ وَأَعْيَانُهَا غَيْرُ مَعْلُومَةٍ

دَین کے علاوہ پر، اور حوالہ دے ان کو قرضداروں سے اس کا حصہ وصول کرنے پر۔ اور اگر نہ ہو ترکہ میں دَین، اور ترکہ کے اعیان معلوم نہ ہوں

وَالصُّلْحُ عَلَى الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ ، قِيلَ لَا يَجُوزُ لِاحْتِمَالِ الرِّبَا ، وَقِيلَ يَجُوزُ لِأَنَّهُ شُبْهَةُ الشُّبْهَةِ،

اور صلح کیلی اور موزونی چیز پر ہو، تو کہا گیا ہے کہ جائز نہیں؛ احتمال ربا کی وجہ سے، اور کہا گیا ہے: جائز ہے؛ کیونکہ یہ شبہۃ الشبہہ ہے۔

{11}وَلَوْ كَانَتِ التَّرِكَةُ غَيْرَ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ لَكِنَّهَا أَعْيَانٌ غَيْرُ مَعْلُومَةٍ قِيلَ لَا يَجُوزُ لِكَوْنِهِ بَيْعًا إذِ

اور اگر ہو ترکہ کیلی اور موزونی کے علاوہ، لیکن وہ اعیان غیر معلوم ہوں، تو کہا گیا ہے کہ جائز نہیں؛ اس کے بیع ہونے کی وجہ سے؛ اس لیے کہ

الْمُصَالَحُ عَنْهُ عَيْنٌ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَجُوزُ لِأَنَّهَا لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ لِقِيَامِ الْمُصَالَحِ عَنْهُ فِي يَدِ الْبَقِيَّةِ مِنَ الْوَرَثَةِ

مصالح عنہ عین ہے، اور اصح یہ ہے کہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ مفضی نہیں جھگڑے کو؛ کیونکہ مصالح عنہ موجود ہے بقیہ ورثہ کے قبضہ میں۔

{12}وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ مُسْتَغْرِقٌ لَا يَجُوزُ الصُّلْحُ وَلَا الْقِسْمَةُ لِأَنَّ التَّرِكَةَ لَمْ يَتَمَلَّكْهَا الْوَارِثُ{13}وَإِنْ

اور اگر میت پر قرضہ ہو ترکہ کو گھیرنے والا؛ تو جائز نہیں صلح، اور نہ بٹوارہ؛ کیونکہ ترکہ کا مالک وارث نہیں ہے، اور اگر

لَمْ يَكُنْ مُسْتَغْرِقًا لَا يَنْبَغِي أَنْ يُصَالِحُوا مَا لَمْ يَقْضُوا دَيْنَهُ لِتَقَدُّمِ حَاجَةِ الْمَيِّتِ،

دَین ترکہ کو گھیرنے والا نہ ہو، تو مناسب نہیں کہ وہ صلح کریں جب تک کہ ادا نہ کریں میت کا دَین؛ جہتِ میت مقدم ہونے کی وجہ سے،

وَلَوْ فَعَلُوا قَالُوا يَجُوزُ .وَذَكَرَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْقِسْمَةِ أَنَّهَا لَا تَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَتَجُوزُ قِيَاسًا .

اور اگر انہوں نے صلح کر لی، تو مشائخ نے کہا ہے کہ جائز ہے، اور ذکر کیا ہے امام کرخیؒ نے تقسیم ترکہ میں کہ یہ جائز نہیں استحساناً، اور جائز ہے قیاساً۔

تشریح:۔{1} اگر مالِ ترکہ چند وارثوں میں مشترک ہو پس ان لوگوں نے ایک وارث کو باہمی رضامندی سے اس کے حصۂ ترکہ سے فی الحال کچھ مال دے کر خارج کیا حالانکہ ترکہ مال غیر منقول یا اسباب ہے یعنی نقود نہیں ہے تو یہ امر جائز ہے خواہ یہ مال جو اس کو دیا ہے قلیل ہو یا کثیر ہو؛ اس لیے کہ اس صلح کو بطورِ بیع کے صحیح بنانا ممکن ہے گویا اس نے اپنا حصۂ میراث دیگر ورثہ کے ہاتھ اس متعین چیز کے عوض فروخت کر دیا اور بیع قلیل وکثیر ہر دو کے عوض جائز ہے اس لیے تخارج کی یہ صورت بھی قلیل وکثیر ہر دو کے عوض جائز ہے۔

اور اس کے جائز ہونے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہے چنانچہ مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تماضر اشجعیہ کی مصالحت اس کے آٹھویں حصہ کی چوتھائی سے اسی ہزار دینار پر جائز فرمائی[1]۔

ف:۔ تماضر ایک شاعرہ عورت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ نکاح کی اجازت فرمائی، مگر وہ بہت نازک مزاج اور کچھ بد خلق تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف نے اس کو دو طلاقیں دیں پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ورثہ میں بچے اور چار بیویاں چھوڑ دی، تو اس صورت میں چاروں بیویوں کو ترکہ کا ایک ثُمن

---

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَرَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ فِي الْبُيُوعِ أَخْبَرَنَا ابن عيينة عن عمرو بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ امْرَأَةَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَخْرَجَهَا أَهْلُهُ مِنْ ثُلُثِ الثُّمُنِ بِثَلَاثَةٍ وَثَمَانِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، انْتَهَى. وَفِي الطَّبَقَاتِ لِابْنِ سَعْدٍ فِي تَرْجَمَةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَخْبَرَنَا الْوَاقِدِيُّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ قَمَاذِينَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ فِي سَبْعِمِائَةٍ إلَى دَوْمَةِ الْجَنْدَلِ فِي شَعْبَانَ سَنَةَ سِتٍّ مِنْ الْهِجْرَةِ، فَدَعَاهُمْ إلَى الْإِسْلَامِ، فَأَبَوْا ثَلَاثًا، ثُمَّ أَسْلَمَ رَأْسُهُمْ الْأَصْبَغُ بْنُ عَمْرٍو الْكَلْبِيُّ، فَبَعَثَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ إلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ، فَكَتَبَ إلَيْهِ أَنْ تَزَوَّجْ تُمَاضِرَ بِنْتَ الْأَصْبَغِ، فَتَزَوَّجَهَا، وَرَجَعَ بِهَا، وَهِيَ أُمُّ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ لَمْ تَلِدْ لَهُ غَيْرَهُ، انْتَهَى. أَخْبَرَنَا عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ ثنا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ تُوُفِّيَ، وَكَانَ فِيمَا تَرَكَ، ذَهَبٌ، قُطِعَ بِالْفُؤُوسِ، حَتَّى مَجِلَتْ مِنْهُ أَيْدِي الرِّجَالِ، وَتَرَكَ أَرْبَعَ نِسْوَةٍ، فَأُخْرِجَتْ مِنْهُنَّ امْرَأَةٌ مِنْ ثُمُنِهَا بِثَمَانِينَ أَلْفًا، انْتَهَى. أَخْبَرَنَا الْوَاقِدِيُّ ثنا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ اللَّيْثِيُّ عَنْ صَالِحِ بْنِ إبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: أَصَابَ تُمَاضِرَ بِنْتَ الْأَصْبَغِ رُبُعُ الثُّمُنِ، فَأُخْرِجَتْ بِمِائَةِ أَلْفٍ، وَهِيَ إحْدَى الْأَرْبَعِ، انْتَهَى. أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ثنا كَامِلٌ أَبُو الْعَلَاءِ سَمِعْت أَبَا صَالِحٍ قَالَ: مَاتَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَتَرَكَ ثَلَاثَ نِسْوَةٍ، فَأَصَابَ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِمَّا تَرَكَ ثَمَانُونَ أَلْفًا، ثَمَانُونَ أَلْفًا، انْتَهَى. أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ثنا إبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كَانَ فِي تُمَاضِرَ سُوءُ خُلُقٍ، وَكَانَتْ عَلَى تَطْلِيقَتَيْنِ، فَلَمَّا مَرِضَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ طَلَّقَهَا الثَّالِثَةَ، فَوَرَّثَهَا عُثْمَانُ رضي الله عنه مِنْهُ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، انْتَهَى.(نصب الرایۃ:270/4)

ملتا ہے اور ایک بیوی کو ثمن کی چوتھائی ملے گی، تماضر نے اپنے اس حصہ سے اسی ہزار دینار پر صلح کر لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جائز قرار دیا۔

{2} اگر ترکہ چاندی ہو پس اس کے عوض میں دیگر ورثہ نے ایک وارث کو سونا دیدیا، یا ترکہ سونا ہو اور اس کے عوض میں دیگر ورثہ نے ایک وارث کو چاندی دیدی تو بھی یہی حکم ہے کہ قلیل وکثیر سب جائز ہے؛ اس لیے کہ یہ ایک جنس کو اس کے خلاف جنس کے عوض فروخت کرنا ہے تو اس میں دونوں عوضوں کا برابر ہونا شرط نہیں ہے۔ البتہ اسی مجلس میں قبضہ ہو جانا شرط ہے؛ کیونکہ یہ بیع صرف ہے جس میں مجلس کے اندر عوضین پر قبضہ شرط ہے، لیکن اتنی بات ہے کہ جس وارث کے قبضہ میں باقی ترکہ ہو اگر وہ اس امر سے منکر ہو کہ ترکہ اس کے قبضہ میں ہے تو اسی قبضہ پر اکتفا کیا جائے گا یعنی جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اس کے انکار کی وجہ سے اس کا قبضہ ضمانتی قبضہ ہے یعنی وہ انکار کی وجہ سے مال کا ضامن ہو گیا پس اس کا یہ قبضہ صلح کے قبضہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ دونوں قبضے ضمانتی ہیں اور ایک ضمانتی قبضہ دوسرے ضمانتی قبضے کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔

{3} اور اگر وہ وارث جس کے قبضہ میں بقیہ ترکہ ہے اس امر کا اقرار کرتا ہو کہ میرے قبضہ میں موجود ہے تو صلح کی صورت میں جدید قبضہ ضروری ہے؛ کیونکہ جو قبضہ موجود ہے وہ قبضۂ امانت ہے پس یہ قبضہ نائب نہیں ہو سکتا ہے صلح کے قبضہ کا؛ کیونکہ امانتی قبضہ مضمون نہیں ہوتا ہے جبکہ صلح کا قبضہ ضمانتی ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ غیر مضمون قبضہ مضمون قبضہ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ہے۔

{4} اور اگر ترکہ سونا، چاندی اور ان کے علاوہ چیزیں ہوں، پھر وارثوں نے ایک وارث سے سونے یا چاندی پر صلح کی تو ضروری ہے کہ جو کچھ انہوں نے اس وارث کو صلح کا عوض دیا ہے وہ اس وارث کو ترکہ میں سے ملنے والے اس جنس کے حصہ سے زیادہ ہو حتی کہ اس کے حصہ کے مقابلہ میں برابر نقدی واقع ہو اور زائد مقدار ترکہ میں سے اس کے بقیہ حق کے مقابلے میں ہو؛ تاکہ سود سے احتراز ہو؛ کیونکہ اس کو ملنے والی نقدی اگر اس کے حصۂ میراث کی نقدی سے کم یا اس کے برابر ہو تو یہ نقدی حصۂ میراث کی نقدی کے مقابلے میں ہو جائے گی اور زائد سامان دیگر ورثہ کو بلا عوض ملے گا جو کہ سود ہے اس لیے یہ جائز نہیں، لہٰذا اس کو ملنے والی نقدی کا اس کے حصۂ میراث میں سے ملنے والی نقدی سے زائد ہونا ضروری ہے تاکہ نقدی بعوض نقدی برابر برابر ہو اور زائد مقدار بعوض دیگر سامان ہو۔

{5} اور ترکہ میں سے اس کے حصۂ سونے اور چاندی کے مقابل جس قدر عوض نقد ہے اس پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ اس مقدار میں یہ صلح بمعنی بیع صرف ہے اور قاعدہ ہے کہ بیع صرف کے عوضین پر مجلس میں قبضہ ضروری

ہے۔ اور اگر عوضِ صلح یہاں کوئی اسباب ہو تو خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو، اور قبضہ ہو یا نہ ہو مطلقاً جائز ہے؛ کیونکہ جنس مختلف ہونے کی وجہ سے سود لازم نہیں آتا ہے اور چونکہ یہ بیع صرف نہیں ہے اس لیے مجلس میں عوضین پر قبضہ بھی ضروری نہیں۔

{6} اور اگر ترکہ میں دراہم اور دنانیر دونوں ہوں اور عوض صلح میں بھی دراہم اور دنانیر ہوں تو ہر طرح صلح جائز ہے برابری شرط نہیں ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ ہو؛ کیونکہ عقد کو صحیح کرنے کے لیے ایک جنس کو اس کے غیر جنس کی طرف پھرایا جائے گا یعنی درہم بمقابلۂ دینار کے اور دینار بمقابلۂ درہم کے رکھے جائیں گے جیسے بیع میں جنس کو اپنے غیر کی طرف پھرایا جاتا ہے تاکہ سود لازم نہ آئے ، البتہ اسی مجلس میں عوضین پر قبضہ شرط ہے؛ کیونکہ یہ بیع صرف ہے جس میں عوضین پر مجلس میں قبضہ شرط ہے۔

{7} اور اگر ترکہ میں لوگوں پر قرضہ ہو اور وارثوں نے قرضہ کو بھی صلح میں اس شرط پر داخل کیا کہ جس وارث نے صلح کی ہے اس کو اس قرضہ میں شرکت سے نکالیں اور یہ سب قرضہ انہیں وارثوں کے لیے ہو جائے تو یہ صلح باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ ایسا کرنے میں ان لوگوں (ورثہ) کو قرضہ کا مالک کرنا لازم آتا ہے جن پر قرضہ نہیں ہے اور جس قرضہ کا لوگوں (وارثوں) کو مالک بنایا ہے اس سے مراد صلح کرنے والے کا حصہ ہے، حالانکہ جس پر قرضہ ہے اس کو اگر قرضہ کا مالک بنایا جائے تو یہ جائز ہوتا ہے مگر دوسرے کو مالک کرنا باطل ہے اور یہاں جس وارث کو صلح کر کے نکالا ہے اس نے اپنے حصہ قرضہ کا مالک قرضداروں کو نہیں بلکہ میت کے دیگر وارثوں کو بنادیا ہے اور یہ باطل ہے اس لیے صلح بھی باطل ہو جائے گی۔

{8} اگر وارثوں نے یہ شرط کر لی کہ صلح کرنے والا وارث قرضداروں کو اس دَین سے بری کرے اور صلح کرنے والے کے حصہ کے لیے کوئی وارث ان قرضداروں پر رجوع نہیں کرے گا تو یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ یہ قرضدار کے ذمہ سے دَین کو ساقط کر دینا ہے، یا جس پر قرضہ ہے اسی کو قرضہ کا مالک بنا دینا ہے حالانکہ یہ بات جائز ہے اس لیے یہ صلح جائز ہے۔

{9} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت صلح جائز بنانے کے لیے ایک حیلہ ہے۔ اور دوسرا حیلہ یہ ہے کہ صلح کرنے والے وارث کو اس کے قرضہ کا حصہ ورثہ اپنے پاس سے فی الحال بطورِ تبرع ادا کر دیں تو بھی صلح جائز ہو جائے گی، اور تبرع کا معنی یہ ہے کہ ورثہ مصالح کو ادا کیا گیا حصہ قرضداروں سے فی الحال واپس نہیں لے سکتے ہیں بعد میں لے سکتے ہیں۔ بہر حال یہ دونوں صورتیں صلح کے جائز ہونے کے حیلے تو ہیں مگر ان دونوں صورتوں میں دیگر وارثوں کے لیے ضرر ہے؛ کیونکہ اگر صلح کرنے والے سے قرضداروں کا قرضہ معاف کرا دیا تو باقی وارث ان قرضداروں سے یہ قرضہ وصول نہیں کر سکتے جبکہ انہوں نے صلح کرنے والے کو اس کے مقابلے میں کچھ دے کر ترکہ سے خارج کر دیا ہے، اور دوسری صورت میں جب باقی وارثوں نے اپنے پاس سے نقد دیدیا اور اس کے مقابلہ میں قرضداروں پر جو قرضہ ہے وہ اپنے نام کر لیا تو اس کا ضرر ظاہر ہے؛ کیونکہ نقد ادھار سے بہتر ہوتا ہے۔

اور عمدہ حیلہ یہ ہے کہ ورثہ صلح کرنے والے کو اس کے حصۂ دَین کے بقدر قرض دیں اور وہ حصۂ دَین کے علاوہ باقی حصۂ ترکہ پر اس کے ساتھ صلح کر دیں پھر صلح کرنے والا باقی وارثوں کو اپنا حصۂ قرضہ قرضداروں سے وصول کرنے کے لیے قرضداروں پر حوالہ دے یوں ورثہ قرض دینے کے ضرر سے بچ جائیں گے اور دَین کے علاوہ مصالحت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

{10} اور اگر ترکہ میں قرضہ نہ ہو بلکہ کل مال عین ہو مگر ترکہ کے اعیان معلوم نہیں ہیں کہ کیا کیا چیزیں ہیں اور عوض صلح کوئی کیلی یا وزنی چیز قرار پائی تو بعض نے فرمایا کہ یہ صلح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے؛ اس لیے کہ ممکن ہے ترکہ کیلی یا وزنی چیز ہو جس میں صلح کرنے والے کا حصہ بدل صلح کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو جو مقدار بدل صلح سے زائد ہو گی وہ سود ہو گی اس لیے یہ صلح جائز نہیں ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ یہ احتمال نہیں بلکہ سود کے شبہ کا شبہ ہے حالانکہ سود میں شبہ کا تو اعتبار ہے مگر شبہ کے شبہ کا اعتبار نہیں ہے اس لیے یہ صلح جائز ہے، باقی یہاں سود کے شبہ کا شبہ اس لیے ہے کہ اگر اعیان ترکہ معلوم ہوں مگر ان میں سے صلح کرنے والے وارث کا حصہ معلوم نہ ہو تو اس صورت شبہ سود ہے کہ ممکن ہے بدل صلح مصالح (صلح کرنے والے) کے حصہ کے برابر یا اس سے زیادہ ہو پس شبہ سود کی وجہ سے یہ صورت جائز نہیں، اور اگر اعیان ترکہ بھی معلوم نہ ہوں اور ان میں مصالح کا حصہ بھی معلوم نہ ہو تو اس صورت میں سود کے شبہ کا شبہ ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔

{11} اور اگر ترکہ میں کیلی یا موزونی چیزیں نہ ہوں لیکن جو اعیان موجود ہیں ان کی تفصیل معلوم نہیں اور ورثہ نے کسی ایک وارث سے کیلی یا موزونی یا کسی اور چیز پر صلح کر لی تو بھی کہا گیا ہے کہ یہ صلح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جس چیز سے صلح واقع ہوئی وہ مجہول ہے، اور چونکہ یہ صلح بیع ہے ابراء نہیں ہے؛ کیونکہ مصالح عنہ عین ہے اور عین سے ابراء جائز نہیں ہے لہٰذا یہ بیع ہے اور مجہول کی بیع جائز نہیں تو یہ صلح بھی جائز نہیں۔ لیکن اصح یہ ہے کہ یہ صلح جائز ہے؛ کیونکہ مجہول ہونا وہ مضر ہے جس سے جھگڑے تک نوبت پہنچے اور یہاں ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ جن چیزوں سے صلح واقع ہوئی ہے وہ باقی وارثوں کے قبضہ میں موجود ہیں اور ان چیزوں کے علاوہ وہ مصالح سے بدل صلح کے عوض کسی اور شئ کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں اس لیے یہ صلح جائز ہے۔

{12} اور اگر میت پر ایسا قرضہ ہو جو اس کے تمام ترکہ کو گھیرے ہوئے ہے تو کسی وارث کے ساتھ اس کے حصہ سے صلح جائز نہیں ہے اور نہ وارثوں میں ترکہ کو تقسیم کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ترکہ تو وارث کی ملک میں نہیں آیا اس لیے کہ دَین مستغرق ورثہ کی ملک کے لیے مانع ہوتا ہے اور جب وارث اس کا مالک نہیں تو صلح اور تقسیم دونوں جائز نہیں۔ اور اگر ایسا قرضہ نہ ہو جو اس کے ترکہ کو گھیرے ہوئے ہے یعنی ترکہ سے کم ہو تو وارثوں کو کسی وارث کے ساتھ صلح کرنا نہیں چاہیے جب تک کہ میت کا قرضہ ادا نہ کریں؛ کیونکہ قرضہ کی ادائیگی میت کی حاجت ہے اور میت کی حاجت مقدم ہے۔

{13} اور اگر قرضہ ترکہ کو گھیرے ہوئے نہ ہو، اور ورثہ نے ایک وارث کے ساتھ صلح کرلی تو متاخرین مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ صلح جائز ہے۔ اور رہا ترکہ کو تقسیم کرنا تو امام کرخیؒ نے ذکر کیا ہے کہ تقسیم کرنا استحسانا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ دَین وارث کے مالک ہونے کے لیے مانع ہے، اور قیاسا جائز ہے؛ کیونکہ ترکہ تھوڑے سے قرضہ سے خالی نہیں ہوتا ہے لہذا ترکہ تقسیم کیا جائے گا تاکہ ورثہ سے ضرر دور ہو البتہ قرضخواہوں کے قرضہ کے بقدر ترکہ میں سے روک دیا جائے گا ورثہ پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

## كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ

یہ کتاب مضاربت کے بیان میں ہے۔

مضاربت "ضرب" سے ماخوذ ہے، ضرب کا اصل معنی مارنا ہے، لیکن عربی زبان میں بعض حروف کے اتصال کی وجہ سے معنی میں تغیر بھی واقع ہوتا رہتا ہے، اس لحاظ سے ضرب کا معنی بعض دفعہ حصہ لگانا اور حصہ دینا اور بعض اوقات چلنا اور سفر کرنا بھی آتا ہے، مضاربت کا معاملہ دو فریق کے درمیان وجود میں آتا ہے، اور دونوں منافع کے حصہ دار ہوتے ہیں، مضاربت تجارت کا ذریعہ ہوتی ہے، اور تجارت کے لیے عام طور پر سفر کی ضرورت پیش آتی ہے، انہی مناسبتوں سے اس معاملہ کو مضاربت کہا جاتا ہے۔

اصطلاح میں مضاربت یہ ہے کہ سرمایہ دار کسی شخص کو اپنا مال تجارت کی غرض سے دے، تاکہ نفع میں مقررہ تناسب کے مطابق دونوں شریک ہوں، اس طرح مضاربت میں ایک فریق کی طرف سے مال اور دوسرے فریق کی طرف سے عمل اور محنت پائی جاتی ہے (قاموس الفقہ: 5/117) اس مال کو رأس المال اور صاحبِ مال کو ربّ المال اور کام کرنے والے کو مضارب کہتے ہیں۔

مضاربت کے لئے کئی شروط ہیں۔ (1) رأس المال أثمان میں سے ہو کما فی الشرکۃ۔ (2) رأس المال عین ہو دین نہ ہو۔ (3) رأس المال مضارب کو حوالہ ہو تاکہ مضارب کے لیے اس میں تصرف ممکن ہو۔ (4) منافع دونوں میں مشاع ہو کسی ایک کے لئے کوئی مقدار متعین نہ ہو ورنہ تو یہ عقد فاسد ہو گا۔ (5) بوقتِ عقد ہر ایک کا حصہ معلوم ہو۔ (6) مضارب کا حصہ صرف منافع میں ہو رأس المال میں نہ ہو ورنہ تو مضاربت فاسد ہو گی۔

"کتاب المضاربۃ" کی "کتاب الصلح" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ صلح اور مضاربت دونوں سے مقصود نفع حاصل کرنا ہے، مگر چونکہ صلح مضاربت کے مقابلے میں کثیر الوقوع ہے اس لیے صلح کو مضاربت سے پہلے بیان کیا۔

{1} الْمُضَارَبَةُ مُشْتَقَّةٌ مِنَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ، سُمِّيَ بِهَا لِأَنَّ الْمُضَارِبَ يَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ بِسَعْيِهِ وَعَمَلِهِ، وَهِيَ مَشْرُوعَةٌ

مضاربت مشتق ہے ضرب فی الارض سے، یہ نام رکھا؛ اس لیے کہ مضارب مستحق ہوتا ہے نفع کا اپنی سعی اور عمل سے، اور مضاربت مشروع ہے؛

لِلْحَاجَةِ إِلَيْهَا، فَإِنَّ النَّاسَ بَيْنَ غَنِيٍّ بِالْمَالِ غَبِيٍّ عَنِ التَّصَرُّفِ فِيهِ، وَبَيْنَ

اس کی طرف حاجت کی وجہ سے، کیونکہ بعض لوگ مال سے غنی ہوتے ہیں اور غبی ہوتے ہیں اس میں تصرف کرنے سے، اور بعض لوگ

مُهْتَدٍ فِي التَّصَرُّفِ صِفْرِ الْيَدِ عَنْهُ، فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى شَرْعِ هَذَا النَّوْعِ مِنَ التَّصَرُّفِ لِيَنْتَظِمَ

راہ یاب ہوتے ہیں تصرف میں، اور مال سے خالی ہاتھ ہوتے ہیں، پس ضرورت واقع ہوئی اس قسم تصرف کے مشروع ہونے، تاکہ منظم ہوسکے

مَصْلَحَةُ الْغَبِيِّ وَالذَّكِيِّ وَالْفَقِيرِ وَالْغَنِيِّ. وَبُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُبَاشِرُونَهُ فَقَرَّرَهُمْ

غبی اور ذکی، فقیر اور غنی کی مصلحت، اور مبعوث ہوئے حضور ﷺ اس حال میں کہ لوگ یہ معاملہ کرتے تھے، پس آپ نے ان کو برقرار رکھا

عَلَيْهِ وَتَعَامَلَتْ بِهِ الصَّحَابَةُ، {2} ثُمَّ الْمَدْفُوعُ إِلَى الْمُضَارِبِ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَهُ

اس پر، اور باہمی معاملہ کیا مضاربت کا صحابہ کرامؓ نے۔ پھر جو مال دیا گیا مضارب کو امانت ہے اس کے قبضہ میں؛ کیونکہ مضارب نے اس کو قبض کیا ہے

بِأَمْرِ مَالِكِهِ لَا عَلَى وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ، وَهُوَ وَكِيلٌ فِيهِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِيهِ بِأَمْرِ مَالِكِهِ،

اس کے مالک کے امر سے نہ کہ بدل اور وثیقہ کے طور پر، اور مضارب وکیل ہے اس مال میں؛ کیونکہ وہ تصرف کرتا ہے اس میں اس کے مالک کے حکم سے،

وَإِذَا رَبِحَ فَهُوَ شَرِيكٌ فِيهِ لِتَمَلُّكِهِ جُزْءًا مِنَ الْمَالِ بِعَمَلِهِ، {3} فَإِذَا فَسَدَتْ

اور جب وہ نفع حاصل کرے تو وہ شریک ہوگا اس میں؛ بوجہ اس کے مالک ہونے کے مال کے ایک جزء کا اپنے کام کی وجہ سے، اور جب مضاربت فاسد ہو جائے

ظَهَرَتِ الْإِجَارَةُ حَتَّى اسْتَوْجَبَ الْعَامِلُ أَجْرَ مِثْلِهِ، وَإِذَا خَالَفَ كَانَ غَاصِبًا لِوُجُودِ التَّعَدِّي

تو ظاہر ہو جائے گا اجارہ، حتی کہ مستحق ہوگا عامل اپنے کام کی اجرتِ مثل کا، اور اگر مضارب نے خلاف کیا تو غاصب ہوگا؛ تعدی موجود ہونے کی وجہ سے

مِنْهُ عَلَى مَالِ غَيْرِهِ. {4} قَالَ: الْمُضَارَبَةُ عَقْدٌ عَلَى الشَّرِكَةِ بِمَالٍ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَمُرَادُهُ

اس کی طرف سے غیر کے مال پر۔ فرمایا: مضاربت ایسا عقد ہے جو واقع ہوتا ہے شرکت پر ایک جانب سے مال کے ساتھ، اور ماتنؒ کی مراد

الشَّرِكَةُ فِي الرِّبْحِ وَهُوَ يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَالْعَمَلِ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ. وَلَا مُضَارَبَةَ بِدُونِهَا؛

نفع میں شرکت ہے، اور نفع مستحق ہوتا ہے ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل کی وجہ سے، اور مضاربت نہیں ہوتی شرکت کے بغیر،

أَلَا تَرَى أَنَّ الرِّبْحَ لَوْ شُرِطَ كُلُّهُ لِرَبِّ الْمَالِ كَانَ بِضَاعَةً، وَلَوْ شُرِطَ جَمِيعُهُ لِلْمُضَارِبِ كَانَ قَرْضًا.

کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کل نفع اگر شرط ہو رب المال کے لیے، تو یہ بضاعت ہو جائے گی، اور اگر شرط ہو کل نفع مضارب کے لیے تو یہ قرض ہو جائے گا۔

{5} قَالَ: وَلَا تَصِحُّ إِلَّا بِالْمَالِ الَّذِي تَصِحُّ بِهِ الشَّرِكَةُ؛ وَقَدْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ مِنْ قَبْلُ، وَلَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ عَرَضًا

فرمایا: اور صحیح نہیں ہوتی مگر اسی مال سے جس سے صحیح ہوتی ہے شرکت، اور اس کا بیان گذر چکا اس سے پہلے، اور اگر دیدیا مضارب کو سامان،
وَقَالَ بِعْهُ وَاعْمَلْ مُضَارَبَةً فِي ثَمَنِهِ جَازَ ؛ لِأَنَّهُ يَقْبَلُ الْإِضَافَةَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ
اور کہا: فروخت کر دو اس کو، اور عمل مضاربت کرو اس کے ثمن سے، تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ قبول کرتا ہے اضافت کو اس حیثیت سے کہ یہ
تَوْكِيلٌ وَإِجَارَةٌ فَلَا مَانِعَ مِنَ الصِّحَّةِ ، وَكَذَا إِذَا قَالَ لَهُ اقْبِضْ مَا لِي عَلَى فُلَانٍ وَاعْمَلْ بِهِ مُضَارَبَةً
توکیل اور اجارہ ہے، پس کوئی مانع نہیں صحت سے، اور اسی طرح اگر کہا اس سے: قبض کر لو میرا مال جو فلاں پر ہے، اور کر لو اس سے مضاربت،
جَازَ لِمَا قُلْنَا ، {6} بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لَهُ اعْمَلْ بِالدَّيْنِ الَّذِي فِي ذِمَّتِكَ حَيْثُ لَا تَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ؛
تو جائز ہے: اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔ برخلاف اس کے اگر کہا: کام کر لو اس دَین سے جو تیرے ذمہ پر ہے، کہ صحیح نہ ہوگی یہ مضاربت؛
لِأَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَصِحُّ هَذَا التَّوْكِيلُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْبُيُوعِ . وَعِنْدَهُمَا يَصِحُّ لَكِنْ يَقَعُ الْمِلْكُ
کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے یہ توکیل، جیسا کہ گذر چکا بیوع میں، اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے، لیکن واقع ہوگی ملک
فِي الْمُشْتَرَى لِلْآمِرِ فَيَصِيرُ مُضَارَبَةً بِالْعَرَضِ . {7} قَالَ : وَمِنْ شَرْطِهَا أَنْ يَكُونَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا
خریدی ہوئی چیز میں آمر کی، پس ہو جائے گی مضاربت بالعرض۔ فرمایا: اور مضاربت کی ایک شرط یہ ہے کہ منافع ان دونوں میں مشاعاً مشترک ہو،
لَا يَسْتَحِقُّ أَحَدُهُمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً مِنَ الرِّبْحِ لِأَنَّ شَرْطَ ذَلِكَ يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ بَيْنَهُمَا
مستحق نہ ہو دونوں میں سے ایک متعین دراہم کا نفع میں سے؛ کیونکہ اس کی شرط کرنا قطع کر دیتا ہے شرکت کو ان دونوں کے درمیان،
وَلَا بُدَّ مِنْهَا كَمَا فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ . {8} قَالَ : فَإِنْ شَرَطَ زِيَادَةَ عَشَرَةٍ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ؛
حالانکہ ضروری ہے شرکت، جیسا کہ عقدِ شرکت میں ہوتا ہے۔ فرمایا: اور اگر شرط کر لی دس دراہم زائد کی، تو مضارب کے لیے اجرتِ مثل ہوگی؛
لِفَسَادِهِ فَلَعَلَّهُ لَا يَرْبَحُ إِلَّا هَذَا الْقَدْرَ فَتَنْقَطِعُ الشَّرِكَةُ فِي الرِّبْحِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ ابْتَغَى
فسادِ عقد کی وجہ سے، پس ممکن ہے کہ اس میں نفع نہ ہو مگر اسی قدر، پس منقطع ہو جائے گی شرکت منافع میں، اور یہ اس لیے کہ مضارب نے چاہا
عَنْ مَنَافِعِهِ عِوَضًا وَلَمْ يَنَلْ لِفَسَادِهِ ، وَالرِّبْحُ لِرَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ ، وَهَذَا هُوَ الْحُكْمُ
اپنے منافع کا عوض، اور وہ نہیں پایا فسادِ عقد کی وجہ سے، اور نفع رب المال کے لیے ہوگا؛ کیونکہ یہ پھل ہے اس کی مِلک کا، اور یہی حکم ہے
فِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُضَارَبَةُ {9} وَلَا تُجَاوِزُ بِالْأَجْرِ الْقَدْرَ الْمَشْرُوطَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ
ہر اس جگہ جہاں صحیح نہ ہو مضاربت، اور نہیں بڑھے گی اجرتِ مثل مقدارِ مشروط سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام محمدؒ کا
كَمَا بَيَّنَّا فِي الشَّرِكَةِ ، {10} وَيَجِبُ الْأَجْرُ وَإِنْ لَمْ يَرْبَحْ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ لِأَنَّ أَجْرَ الْأَجِيرِ يَجِبُ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے شرکت میں۔ اور واجب ہو گی اجرت اگر چہ نفع نہ کمائے مبسوط کی روایت میں؛ کیونکہ مزدور کی مزدوری واجب ہوتی ہے

بِتَسْلِيمِ الْمَنَافِعِ أَوِ الْعَمَلِ وَقَدْ وُجِدَ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَجِبُ اعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ الصَّحِيحَةِ

منافع یا عمل سپرد کرنے سے، اور یہ بات پائی گئی۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ واجب نہ ہو گی؛ قیاس کرتے ہوئے مضاربت صحیحہ پر

مَعَ أَنَّهَا فَوْقَهَا ،{11}وَالْمَالُ فِي الْمُضَارَبَةِ الْفَاسِدَةِ غَيْرُ مَضْمُونٍ بِالْهَلَاكِ اعْتِبَارًا بِالصَّحِيحَةِ ، وَلِأَنَّهُ

باوجود یکہ وہ اس سے بڑھ کر ہے، اور مال مضاربت فاسدہ میں مضمون نہیں ہوتا ہے ہلاک ہونے سے؛ قیاس کرتے ہوئے صحیحہ پر، اور اس لیے کہ

عَيْنٌ مُسْتَأْجَرَةٌ فِي يَدِهِ ،{12}وَكُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ جَهَالَةً فِي الرِّبْحِ يُفْسِدُهُ

مال تو کرایہ پر لیا ہوا عین ہے مضارب کے قبضہ میں، اور ہر وہ شرط جو جہالت پیدا کرے نفع میں وہ فاسد کر دیتی ہے مضاربت کو؛

لِاخْتِلَالِ مَقْصُودِهِ، وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنَ الشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ لَا يُفْسِدُهَا، وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ كَاشْتِرَاطِ الْوَضِيعَةِ عَلَى الْمُضَارِبِ.

مقصود میں خلل پڑنے کی وجہ سے، اور اس کے علاوہ شروط فاسدہ فاسد نہیں کرتی ہیں مضاربت کو، اور باطل ہو گی شرط، جیسے شرط کرنا نقصان کو مضارب پر۔

تشریح:۔{1} مضاربت مشتق ہے "ضرب فی الارض" سے جو زمین پر چلنے کے معنی میں ہے، اور عقدِ مضاربت کا نام مضاربت اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ مضارب زمین میں تجارت کی غرض سے سفر کر کے اپنی سعی اور کوشش سے نفع کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور مضاربت ایک عقدِ مشروع ہے؛ کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے؛ کیونکہ لوگوں میں سے بعض تو مال سے غنی ہوتے ہیں مگر مال میں تصرف کرنے میں غبی ہوتے ہیں، اور بعض مال میں تصرف اچھی طرح جانتے ہیں، مگر مال سے ان کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں پس ضرورت پیدا ہوئی اس طرح کے تصرف کے مشروع ہونے کی، تاکہ عقلمند اور بے وقوف کی مصلحتیں اور غنی و فقیر کی مصلحتیں انتظام کے ساتھ قائم ہوں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ اس حال میں مبعوث ہوئے کہ لوگ باہم مضاربت کیا کرتے تھے پس آپ نے ان کو اس عمل پر برقرار رکھا جو اس کے مشروع ہونے کی دلیل ہے[1]۔ اور تیسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی باہم مضاربت کا معاملہ کرتے تھے اور کسی نے ان کے اس عمل پر انکار نہیں کیا لہٰذا یہ اس کے جائز ہونے پر اجماع ہو گیا۔

[1] [illegible] 369/3 [illegible]

{2} پھر مضارب کو جو کچھ مال دیا گیا وہ اس کے قبضہ میں امانت ہے؛ کیونکہ اس نے مالک کے حکم سے قبضہ کیا اور یہ قبضہ بطریق عوض یا بطریق رہن نہیں ہے یعنی مقبوض علی سوم الشراء بھی نہیں ہے اور بطورِ رہن بھی مقبوض نہیں ہے۔ اور مضارب اس مال میں وکیل ہے؛ کیونکہ وہ اس مال میں مالک کے حکم سے تصرف کرتا ہے اس لیے مضارب وکیل ہوگا۔ اور جب مضارب اس میں نفع حاصل کرلے تو وہ اس میں شریک ہوجاتا ہے؛ کیونکہ وہ اپنے کام اور عمل کی وجہ سے مال کے ایک جزء کا مالک ہوگیا۔

{3} اور اگر مضاربت فاسد ہوگئی تو اس کا اجارہ ہونا ظاہر ہوجائے گا؛ کیونکہ مضارب رب المال کے لیے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے پس کام کرنے والا مزدور ہوگا حتی کہ وہ اپنے کام کی اجرتِ مثل کا مستحق ہوگا یعنی اس کام پر جتنی اجرت دی جاتی ہے کام کرنے والا اتنی اجرت کا مستحق ہوگا۔ اور اگر مضارب نے مال کے مالک کے حکم سے مخالفت کی تو مضارب مالک کے مال کو غصب کرنے والا ہوگا؛ کیونکہ اس کی طرف سے غیر کے مال پر تعدی پائی گئی لہٰذا مضارب اس مال کا ضامن ہوگا۔

{4} مصنفؒ نے مضاربت کی اصطلاحی تعریف کی ہے کہ مضاربت ایسا عقد ہے جو دونوں جانبوں میں سے ایک جانب سے مال ہونے کے ساتھ شرکت پر واقع ہوتا ہے، اور ماتنؒ کی مراد یہ ہے کہ نفع میں شرکت پر عقدِ مضاربت واقع ہوتا ہے رأس المال میں شرکت پر واقع نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ رأس المال تو ربّ المال کی مِلک ہے، اور یہ نفع ربّ المال کی جانب سے مال ہونے اور مضارب کی جانب سے کام ہونے سے مستحق اور واجب ہوجاتا ہے۔

اور نفع میں شرکت کے بغیر مضاربت نہیں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر پورا نفع مال کے مالک کے لیے شرط ہو تو یہ عقدِ بضاعت ہوجائے گا اور اگر تمام نفع مضارب کے لیے شرط ہو تو یہ عقدِ قرض ہوجائے گا۔

{5} اور مضاربت صرف ایسے ہی مال میں صحیح ہے جس میں شرکت صحیح ہوتی ہے اور ایسے مال کا بیان پہلے "باب الشرکۃ" میں گذر چکا ہے کہ شیخینؒ کے نزدیک فقط دراہم اور دنانیر میں صحیح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک رائج فلوس میں بھی صحیح ہے ان کے علاوہ

---

([1]) رَوَى مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّإِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ، وَعُبَيْدَ اللَّهِ ابْنَيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، خَرَجَا إِلَى الْعِرَاقِ، فَأَعْطَاهُمَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ مِنْ مَالِ اللَّهِ عَلَى أَنْ يَبْتَاعَا بِهِ مَتَاعًا، وَيَبِيعَاهُ بِالْمَدِينَةِ، وَيُؤَدِّيَا رَأْسَ الْمَالِ لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالرِّبْحُ لَهُمَا، فَلَمَّا قَدِمَا الْمَدِينَةَ رَبِحَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَكُلُّ الْجَيْشِ أَسْلَفَهُ كَمَا أَسْلَفَكُمَا؟ قَالَا: لَا، فَقَالَ ابْنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَأَسْلَفَكُمَا، أَدِّيَا الْمَالَ وَرِبْحَهُ، فَرَاجَعَهُ عُبَيْدُ اللَّهِ، وَقَالَ: مَا يَنْبَغِي هَذَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، لَوْ هَلَكَ الْمَالُ، أَوْ نَقَصَ لَضَمِنَّاهُ، فَقَالَ لَهُ بَعْضُ جُلَسَائِهِ: لَوْ جَعَلْتَهُ قِرَاضًا، فَأَخَذَ عُمَرُ الْمَالَ وَنِصْفَ رِبْحِهِ، وَأَعْطَاهُمَا النِّصْفَ. انْتَهَى. (نصب الرایۃ: 271/4)

دیگر اشیاء میں صحیح نہیں ہے۔اور اگر مضارب کو کسی نے اسباب دے کر کہا کہ "اس کو فروخت کر اور اس کے ثمن سے مضاربت کر" تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ مضاربت مستقبل کی طرف نسبت کو قبول کرتی ہے پس یہ مضاربت مستقبل میں اسباب کے ثمن کی طرف منسوب ہوگی اور ثمن سے مضاربت صحیح ہے؛ کیونکہ اگر مضاربت صحیح ہو تو یہ مضارب کو وکیل کرنا ہے کہ ان اسباب کو فروخت کر اور ان کے ثمن سے تجارت کر، اور ثمن سے مضاربت جائز ہے، اور اگر مضاربت فاسد ہو تو یہ اجارہ ہے یعنی مضارب کو مزدور رکھنا ہے کہ ان اسباب کو فروخت کر پھر ان کے ثمن سے تجارت کر، بہر دو صورت اس قسم کی مضاربت کی صحت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اس لیے یہ مضاربت صحیح ہے۔

اسی طرح اگر مال کے مالک نے مضارب سے کہا کہ "فلاں شخص پر جو میرا مال ہے وہ اس سے وصول کر کے اس سے تجارت کر" تو مضاربت کی یہ صورت بھی جائز ہے، دلیل وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی یعنی اس نے مضاربت کو دَین پر قبضہ کی طرف منسوب کیا ہے اور قبضہ کے بعد دَین عین ہو جاتا ہے جس میں مضاربت صحیح ہے۔

{6} اس کے برخلاف اگر رب المال نے مضارب سے کہا کہ "میرا جو قرضہ تیرے ذمہ ہے اس سے مضاربت کر" تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ توکیل صحیح نہیں جیسا کہ "کتاب الوکالۃ" کے "باب البیع والشراء" میں گذر چکا کہ ذمہ میں واجب دَین کے عوض شراء کے لیے وکیل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ بائع یا مبیع متعین نہ ہو اور یہاں بائع اور مبیع متعین نہیں ہے اس لیے یہ توکیل صحیح نہیں ہے پس خریدی ہوئی چیز مضارب کی ہوگی اور قرضخواہ کا دَین بحالہ رہے گا حالانکہ صحتِ مضاربت کے لیے رأس المال کا عین ہونا ضروری ہے اس لیے یہ مضاربت صحیح نہیں ہے۔اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ توکیل صحیح ہے البتہ مشتری (جو چیز خریدی گئی) میں موکل کی ملکیت واقع ہوگی تو یہ اسباب میں مضاربت ہو جائے گی حالانکہ اسباب میں مضاربت جائز نہیں اس لیے یہ مضاربت فاسد ہے۔

{7} مضاربت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نفع ان دونوں میں مشترک ہو یعنی کسی ایک کے لیے نفع میں سے متعین دراہم کا استحقاق نہ ہو؛ کیونکہ کسی ایک کے لیے نفع کے متعین دراہم شرط کرنا ان دونوں کے درمیان نفع میں شرکت کو قطع کر دیتا ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ تجارت سے فقط یہی متعین دراہم حاصل ہوں جو کسی ایک کے لیے متعین ہیں جن میں دوسرا شریک نہیں ہے اس طرح دونوں کے درمیان نفع میں شرکت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ مضاربت کے نفع میں شرکت ضروری ہے جیسا کہ عقدِ شرکت میں دونوں شریکوں کا اشتراک ضروری ہوتا ہے۔

{8} پھر اگر عقدِ مضاربت میں کسی ایک کے لیے اس کے حصہ سے دس درہم زیادہ شرط کئے تو مضارب کو اس کے عمل کی اُجرتِ مثل ملے گی؛ کیونکہ اس شرط کی وجہ سے مضاربت فاسد ہو گئی اس لیے کہ شاید نفع اسی قدر ہو یعنی دس ہی درہم ہوں جو کسی ایک کے لیے شرط ہیں تو اس طرح نفع میں شرکت منقطع ہو جائے گی جس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے۔

پھر اُجرتِ مثل واجب ہونے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ مضارب نے اپنے منافع (کام) کا عوض چاہا لیکن عقدِ مضاربت فاسد ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے منافع کا عوض نہیں پایا، اور پورا نفع مال کے مالک کا ہو گا؛ کیونکہ وہ اس کی ملکیت کا پھل ہے، پس مضارب کو اس کے منافع (کام) کی اجرتِ مثل دی جائے گی۔ اور یہ اُجرتِ مثل واجب ہونے کا حکم ہر ایسے موقع میں ہے جہاں مضاربت صحیح نہ ہوئی ہو۔

{9} امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مضارب کے لیے جو مقدار شرط کی گئی ہے مضارب کو اس سے زیادہ اُجرتِ مثل نہیں دی جائے گی مثلاً اُجرتِ مثل ہزار دراہم ہوں اور طے شدہ مقدار آٹھ سو دراہم ہوں تو مضارب کو آٹھ سو دراہم دئے جائیں گے، اور اس میں امام محمدؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اجرتِ مثل جتنی بھی ہو دیدی جائے گی جیسا کہ ہم نے "شرکۃ الاحتطاب والاحتشاش" میں بیان کیا۔ امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لما فی مجمع الانہر: (ولایزاد) اجر مثل عملہ (علی) قدر (ما شرط لہ) من الربح (عند ابی یوسف) لانہ رضی بہ، وھو المختار (خلافاً لمحمد) فانّ لہ اجر المثل عندہ بالغاً مابلغ وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ (مجمع الانہر: 445/3)

{10} پھر مبسوط کی روایت کے مطابق مضاربتِ فاسدہ میں مضارب کی اُجرت واجب ہو گی اگرچہ مضارب نے نفع نہ کمایا ہو؛ کیونکہ اجیر خاص جب اپنے منافع حاضر کر دے اور اجیر مشترک جب اپنا کام سپرد کر دے تو اس کی اجرت واجب ہو جاتی ہے اور یہاں مضارب کی طرف سے کام (تجارت) پایا گیا اس لیے وہ اُجرت کا مستحق ہو گا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مضاربتِ صحیحہ پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی اجرت واجب نہ ہو گی حالانکہ مضاربتِ صحیحہ مضاربتِ فاسدہ سے بڑھ کر ہوتی ہے یعنی جیسے مضاربتِ صحیحہ میں نفع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کو کچھ نہیں ملے گا اسی طرح مضاربتِ فاسدہ میں بھی مضارب کو اجرت نہیں ملے گی۔ مبسوط کی روایت راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشھید: قولہ و ان لم یربح الخ ھو الراجح وھو المذھب صرح بہ فی الفتح وقال فی مجمع الانہر انہ قول الشافعی أیضاً وھو ظاھر المذھب انتھی (ھامش الھدایۃ: 256/3)

{11} مضاربتِ فاسدہ میں جو مال مضارب کے قبضہ میں ہے اگر وہ تلف ہو جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ مضاربتِ صحیحہ میں مال ہلاک ہونے کی صورت میں مضارب ضامن نہیں ہوتا ہے، پس مضاربتِ فاسدہ میں بھی مضارب ضامن نہ

ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مضاربتِ فاسدہ میں مال تواجارہ پر لی ہوئی چیز ہے جو اس کے قبضہ میں ہے اور مستاجر اجارہ پر لی ہوئی چیز کا ضامن نہیں ہوتا ہے اس لیے مضارب اس مال کا ضامن نہ ہو گا۔

{12} ہر ایسی شرط جس سے نفع میں جہالت پیدا ہو یعنی نفع غیر معلوم ہوا جاتا ہو تو ایسی شرط عقدِ مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے؛ کیونکہ اس سے مقصود (نفع) میں خلل واقع ہوتا ہے اس لیے کہ مضاربت میں نفع معقود علیہ ہے اور معقود علیہ کی جہالت عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر شروطِ فاسدہ عقدِ مضاربت کو فاسد نہیں کرتی ہیں بلکہ خود شرط باطل ہو جاتی ہے جیسے مضارب پر نقصان کی شرط لگانا مثلاً رب المال نے مضارب سے کہا کہ میں یہ دو ہزار روپیہ تجھ کو مضاربت کے لیے اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر نفع ہو تو میرے اور تیرے درمیان نصف نصف ہو گا اور اگر خسارہ ہو تو وہ بھی نصف مجھ پر اور نصف تجھ پر ہو گا تو یہ شرط خود فاسد ہے اور مضاربت صحیح ہے۔

{1} قَالَ: وَلَابُدَّأَن يَكُونَ الْمَالُ مُسَلَّمًاإلى الْمُضَارِبِ وَلَا يَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِيهِ ؛ لِأَنَّ الْمَالَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ فَلَابُدَّ

فرمایا: اور ضروری ہے کہ ہو مال سپرد مضارب کو، اور قبضہ نہ ہو رب المال کا اس میں؛ کیونکہ مال امانت ہے اس کے قبضہ میں، پس ضروری ہے

مِنَ التَّسْلِيمِ إلَيْهِ، وَهَذَابِخِلَافِ الشَّرِكَةِلِأَنَّ الْمَالَ فِي الْمُضَارَبَةِ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَالْعَمَلَ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ،

سپرد کرنا اس کو، اور یہ شرکت کے بر خلاف ہے؛ کیونکہ مال مضاربت میں ایک جانب سے ہے، اور عمل دوسری جانب سے ہے،

فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَخْلُصَ الْمَالُ لِلْعَامِلِ لِيَتَمَكَّنَ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيهِ .أَمَّا الْعَمَلُ فِي الشَّرِكَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ

پس ضروری ہے کہ خالص ہو مال عامل کے لیے تا کہ اس کو قدرت حاصل ہو تصرف کرنے کی اس میں، رہا عمل شرکت میں تو وہ جانبین سے ہوتا ہے

فَلَوْشَرَطَ خُلُوصَ الْيَدِلِأَحَدِهِمَا لَمْ تَنْعَقِدْ الشَّرِكَةُ ،{2} وَشَرْطُ الْعَمَلِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مُفْسِدٌ لِلْعَقْدِلِأَنَّهُ يَمْنَعُ

تو اگر شرط کیا جائے قبضہ دونوں میں سے خالص ایک کا تو منعقد نہ ہو گی شرکت۔ اور شرط کرنا عمل رب المال پر مفسدِ عقد ہے؛ کیونکہ یہ روکتا ہے

خُلُوصَ يَدِالْمُضَارِبِ فَلَايَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَلَايَتَحَقَّقُ الْمَقْصُودُسَوَاءٌ كَانَ الْمَالِكُ عَاقِدًاأَوْغَيْرَعَاقِدٍ كَالصَّغِيرِ

مضارب کے خالص قبضہ کو، پس مضارب کو قدرت حاصل نہ ہو گی تصرف کی، پس حاصل نہ ہو گا مقصود، خواہ مالک عاقد ہو یا غیر عاقد جیسے بچہ؛

لِأَنَّ يَدَ الْمَالِكِ ثَابِتَةٌ لَهُ ، وَبَقَاءُ يَدِهِ يَمْنَعُ التَّسْلِيمَ إلَى الْمُضَارِبِ ،{3} وَكَذَا أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ

کیونکہ مالک کا قبضہ ثابت ہے مال پر، اور اس کے قبضہ کی بقاء مانع ہے سپرد کرنے سے مضارب کو۔ اور اسی طرح ہے متفاوضین میں سے ایک

وَأَحَدُ شَرِيكَيْ الْعِنَانِ إذَا دَفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً وَشَرَطَ عَمَلَ صَاحِبِهِ لِقِيَامِ الْمِلْكِ لَهُ

یا شرکتِ عنان کے دو شریکوں میں سے ایک جب مال دیدے مضاربت پر اور شرط کر دے عمل اپنے ساتھی پر؛ ساتھی کی ملک قائم ہونے کی وجہ سے

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَاقِدًا، {4} وَاشْتِرَاطُ الْعَمَلِ عَلَى الْعَاقِدِ مَعَ الْمُضَارِبِ وَهُوَ غَيْرُ مَالِكٍ يُفْسِدُهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْمُضَارَبَةِ

اگر چہ وہ عاقد نہ ہو، اور شرط کرنا عمل کو عاقد پر مضارب کے ساتھ حالانکہ عاقد مالک نہیں فاسد کر دیتا ہے عقد کو بشرطیکہ وہ اہل مضاربت سے نہ ہو

فِيهِ كَالْمَأْذُونِ ، {5} بِخِلَافِ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ أَنْ يَأْخُذَا مَالَ الصَّغِيرِ مُضَارَبَةً بِأَنْفُسِهِمَا فَكَذَا

اس مال میں جیسے ماذون غلام، برخلاف باپ اور وصی کے؛ کیونکہ یہ دونوں اہل ہیں کہ لے لے بچے کا مال مضاربۃً بذاتِ خود، پس اسی طرح

اشْتِرَاطُهُ عَلَيْهِمَا بِجُزْءٍ مِنَ الْمَالِ . {6} قَالَ : وَإِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَبِيعَ

کام شرط کرنا ان دونوں پر مال کے ایک جزء کے عوض۔ فرمایا: اور جب صحیح ہو جائے مضاربت مطلقہ، تو جائز ہے مضارب کے لیے کہ فروخت کر دے

وَيَشْتَرِيَ وَيُوَكِّلَ وَيُسَافِرَ وَيُبْضِعَ وَيُودِعَ ؛ لِإِطْلَاقِ الْعَقْدِ وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ

اور خرید لے، اور وکیل بنائے، اور مال لے کر سفر کرے، اور بضاعت دے، اور ودیعت رکھے؛ اطلاقِ عقد کی وجہ سے، اور مقصود اس سے

الِاسْتِرْبَاحُ وَلَا يَتَحَصَّلُ إِلَّا بِالتِّجَارَةِ ، فَيَنْتَظِمُ الْعَقْدُ صُنُوفَ التِّجَارَةِ وَمَا هُوَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ،

نفع حاصل کرنا ہے، اور نفع حاصل نہیں ہوتا مگر تجارت سے، پس شامل ہو گا عقد تمام اقسامِ تجارت کو، اور اس کو جو صنیعِ تجار میں سے ہے،

وَالتَّوْكِيلُ مِنْ صَنِيعِهِمْ ، وَكَذَا الْإِبْضَاعُ وَالْإِيدَاعُ وَالْمُسَافَرَةُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الْمُودِعَ لَهُ أَنْ

اور وکیل کرنا رواجِ تجار سے ہے، اور اسی طرح ودیعت رکھنا، بضاعت پر دینا اور سفر کرنا، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مودِع کو اختیار ہے کہ

يُسَافِرَ فَالْمُضَارِبُ أَوْلَى ، كَيْفَ وَأَنَّ اللَّفْظَ دَلِيلٌ عَلَيْهِ لِأَنَّهَا مُشْتَقَّةٌ مِنَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ

سفر پر لے جائے، تو مضارب کو بطریقہ اولیٰ ہو گا اور کیسے نہ ہو حالانکہ لفظِ مضاربت دلیل ہے اس پر؛ کیونکہ وہ مشتق ہے ضرب فی الارض،

وَهُوَ السَّيْرُ . {7} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ . وَعَنْهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ

اور وہ سفر کرنا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس کو اختیار نہیں کہ مال لے کر سفر کرے، اور امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے

أَنَّهُ إِنْ دَفَعَ فِي بَلَدِهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ لِأَنَّهُ تَعْرِيضٌ عَلَى الْهَلَاكِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ

کہ اگر مالک نے مال دیا ہو مضارب کے شہر میں، تو اس کو اختیار نہیں کہ وہ سفر میں لے جائے اس کو؛ کیونکہ یہ پیش کرنا ہے ہلاکت پر بلا ضرورت،

وَإِنْ دَفَعَ فِي غَيْرِ بَلَدِهِ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ إِلَى بَلَدِهِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُرَادُ فِي الْغَالِبِ ، وَالظَّاهِرُ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ

اور اگر دیدیا ہو اس کے شہر کے علاوہ میں، تو اس کو اختیار ہو گا کہ وہ مال لے کر سفر کرے اپنے شہر کی طرف؛ کیونکہ یہی غالب مراد ہوتی ہے، اور ظاہر الروایت وہی ہے جو مذکورہ ہے کتاب میں۔

**تشریح:۔** {1} اور یہ ضروری ہے کہ مضارب کو رأس المال پورے طور پر سپرد کیا گیا ہو اور مال کے مالک کا اس میں کسی قسم کا قبضہ اور تصرف نہ ہو؛ کیونکہ یہ مال مضارب کے قبضہ میں امانت ہوتا ہے تو اس کے قبضہ میں سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حکم شرکت کے

برخلاف ہے؛اس کی وجہ یہ ہے کہ مضاربت میں تو مال فقط مال کے مالک کی جانب سے ہوتا ہے اور مضارب کی جانب سے کام ہوتا ہے ضروری ہے کہ یہ مال خالص مضارب کے ہاتھ میں ہو کسی اور شخص کا اس میں تصرف نہ ہو تاکہ مضارب اس مال میں تصرف کر سکے۔ رہی شرکت تو اس میں دونوں جانب سے کام ہوتا ہے، پس اگر شرکت میں خالص ایک کا قبضہ شرط ہو تو شرکت ہی منعقد نہ ہوگی؛ کیونکہ غیر قابض کی طرف سے شرکت کا کام ممکن نہ ہوگا اس لیے شرکت میں مال دونوں شریکوں کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے۔

{2} اور اگر مضاربت میں مال کے مالک پر کام کرنے کو شرط قرار دیا تو اس سے عقدِ مضاربت فاسد ہو جائے گا؛ کیونکہ اس شرط سے مضارب کا قبضہ خالص نہیں رہے گا تو اس کو تصرف کرنے پر قدرت حاصل نہ ہوگا پس جو مقصود ہے وہ حاصل نہ ہوگا اس لیے عقدِ مضاربت فاسد ہو جائے گا، خواہ عقدِ مضاربت مال کے مالک نے کیا ہو یا مال کا مالک عاقد نہ ہو جیسے اگر نابالغ بچے کا مال اس کے باپ یا وصی نے کسی کو مضاربت پر دیا اور خود بچے کے کام کرنے کو شرط کر دیا تو اس سے عقدِ مضاربت باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ عاقد نہ ہونے کے باوجود بچے کا مال پر قبضہ باقی ہے جو مضارب کے قبضہ میں سپرد ہونے کے لیے مانع ہے اس لیے یہ مضاربت فاسد ہوگی۔

{3} اسی طرح اگر شرکتِ مفاوضہ یا شرکت عنان کے ایک شریک نے کسی شخص کو مضاربت پر مال دیا اور مضارب کے ساتھ اپنے ساتھی کا کام کرنا بھی شرط کیا تو بھی مضاربت فاسد ہو جائے گی؛ کیونکہ اس مال میں اس ساتھی کی بھی ملکیت موجود ہے پس یہ رب المال کے لیے کام کرنے کو شرط کرنا ہے جس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے، اگرچہ شرکت کے اس ساتھی نے عقدِ مضاربت نہیں کیا ہے۔

ف: شرکتِ مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح شریک ہوں کہ دونوں کا سرمایہ بھی مساوی ہو، دونوں کو مساوی درجہ تصرف کا حق حاصل ہو اور تجارتی واجبات جو ان میں سے ایک سے متعلق ہوں، دوسرا بھی ان کا ذمہ دار ہو، گویا شرکت کی اس صورت میں ایک شریک کو جو حقوق حاصل ہیں، دوسرا اس میں وکیل ہوتا ہے اور ایک پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، دوسرا ان میں کفیل ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ شرکتِ عنان کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو اشخاص کا مشترک سرمایہ ہو جو کم و بیش بھی ہو سکتا ہے، اس سے تجارت کی جائے، اور ان دونوں کے درمیان مقررہ تناسب کے مطابق نفع کی تقسیم عمل میں آئے (فقہ البیوع: 5/186)

{4} اگر مالک کے علاوہ کسی دوسرے کے عمل کرنے کی شرط مضارب کے ساتھ کی گئی حالانکہ وہ دوسرا عاقد ہے تو بھی مضاربت فاسد ہوگی بشرطیکہ یہ عقد کرنے والا اس مال میں مضارب کی طرح مضارب نہ ہو تو ایسا عاقد مالک کی طرح ہے اس کے لیے کام کی شرط مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے جیسے ماذون غلام یعنی جس غلام کو مولیٰ نے تجارت کی اجازت دی ہو اس نے اپنا مال مضاربت

پردے کر مضارب کے ساتھ اپنے کام کرنے کی بھی شرط کی تو یہ مضاربت فاسد ہوگی؛ کیونکہ اس مال میں اس کا قبضہ تصرف موجود ہے پس یہ مالک کی طرح ہے اور مالک کے لیے کام کی شرط سے عقدِ مضاربت فاسد ہو جاتا ہے تو اس ماذون غلام کے لیے کام کی شرط کرنے سے بھی فاسد ہو جائے گا۔

{5} اس کے برخلاف اگر نابالغ بچے کا مال اس کے باپ یا وصی نے کسی کو مضاربت پر دے دیا اور مضارب کے ساتھ اپنے کام کی بھی شرط کرلی تو یہ مضاربت جائز ہے؛ کیونکہ باپ یا وصی خود اس بچے کے مال کو اپنے لیے مضاربت پر لے سکتے ہیں پس باپ اور وصی اجنبی کی طرح ہیں لہٰذا ان پر کام کرنے کو پورے حصے کے عوض شرط کرنا مفسدِ مضاربت نہیں، تو اسی طرح نفع کے ایک جزء (مثلاً ربع) کے عوض ان پر کام کرنے کو شرط کرنا بھی مفسدِ مضاربت نہ ہوگا؛ کیونکہ جس مال میں بندہ تنہا کام کرنے والا مضارب ہو سکتا ہے وہ غیر کے ساتھ مل کر بھی اس میں مضارب ہو سکتا ہے۔

{6} اور جب مضاربت مطلقہ صحیح ہوگئی یعنی اس مضاربت میں کسی شہر یا وقت یا اسباب کی کوئی قید نہ ہو بلکہ ہر جگہ وہر وقت اور ہر قسم کے اسباب میں مضاربت کی اجازت ہو تو جب یہ عقد صحیح ہو گیا تو مضارب کو اختیار ہوگا کہ نقد فروخت کر دے یا اُدھار فروخت کر دے، یا نقد یا ادھار خرید لے، اور اس کام کے لیے دوسرے کو وکیل کر دے اور مال ساتھ لے کر سفر کرے اور مال میں سے کسی کو بضاعت پر دیدے، اور مال کسی کے پاس ودیعت رکھے ان سب باتوں کا اس کو اختیار ہوگا؛ کیونکہ عقدِ مضاربت مطلق ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ نفع حاصل کیا جائے اور نفع تجارت ہی سے حاصل ہوتا ہے، پس یہ عقد تجارت کی تمام اقسام کو شامل ہوگا اور تجار جو کام اور برتاؤ کرتے ہیں ان کو شامل ہوگا، اور حال یہ ہے کہ خرید و فروخت کے لیے وکیل کرنا بھی تاجروں کے کاموں میں سے ہے اس لیے اس کی اجازت ہوگی، اسی طرح ودیعت رکھنا اور بضاعت دینا اور سفر میں مال لے جانا بھی تاجروں کے کاموں سے ہے لہٰذا ان سب کاموں کی اجازت ہوگی، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جس کے پاس مال ودیعۃ رکھا ہو تو اس کو اختیار ہے کہ اس مال کو سفر میں لے جائے تو مضارب کو بدرجہ اولیٰ یہ اختیار حاصل ہوگا، اور کیونکر مضارب کو یہ اختیار نہ دیا جائے حالانکہ لفظ مضاربت خود اس کی دلیل ہے؛ کیونکہ لفظِ مضاربت "ضرب فی الارض" سے مشتق ہے اور ضرب فی الارض زمین میں سیر و سفر کرنے کو کہتے ہیں۔

ف:۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے "بضاعت" کی تعریف یہ کی ہے کہ ایک شخص اپنا مال دوسرے کو اس طرح دے کہ نہ صرف اصل سرمایہ، بلکہ اس کا نفع بھی کل کا کل مالک کو ملے اور کام کرنے والے کو کچھ بھی نہ ملے.......... چنانچہ دوسروں کو استعمال اور تصرف کے لیے مال حوالے کرنے کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نفع اصل مالک کے لیے ہو، کام کرنے والے کے لیے کچھ نہ ہو بلکہ اس کی

منت اس کی طرف سے بدرجہ احسان وحسن سلوک ہو، یہ صورت "بضاعت" ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کل نفع کام کرنے والے کے لیے ہو یہ قرض ہے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ نفع دونوں میں تقسیم ہو جائے اسے مضاربت کہتے ہیں (قاموس الفقہ: 2/317)

[7] امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مضارب کو مال لے کر سفر کرنا جائز نہیں ہے یعنی جس مال کو منتقل کرنے پر خرچہ پڑتا ہو اس کو لے کر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اگر مال کے مالک نے مضارب کے شہر میں مال دیا ہو تو اس کو مال لے کر سفر کرنے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ بلا ضرورت مال کو ہلاکت پر پیش کرنا ہے جو جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے دوسرے شہر میں مال دیا ہو تو مضارب کو مال لے کر اپنے شہر کی طرف سفر کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ربّ المال کی مراد غالباً یہی ہوتی ہے کہ مضارب اپنے شہر میں مضاربت کرے، اور ظاہر روایت وہی ہے جو مختصر القدوری کے متن میں بیان ہوا یعنی مطلقاً سفر کی اجازت ہے۔

[1] قَالَ : وَلَا يُضَارِبُ إلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ أَوْ يَقُولَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِك ؛ لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَتَضَمَّنُ
فرمایا: اور مضاربت پر نہ دے مگر یہ کہ اجازت اس کو رب المال یا کہے اس سے کہ کام کر اپنی رائے کے مطابق؛ کیونکہ شی متضمن نہیں ہوتی ہے

مِثْلَهُ لِتَسَاوِيهِمَا فِي الْقُوَّةِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّنْصِيصِ عَلَيْهِ أَوِ التَّفْوِيضِ الْمُطْلَقِ إلَيْهِ [2] وَكَانَ كَالتَّوْكِيلِ،
اپنے مثل کو دونوں کے قوت میں برابر ہونے کی وجہ سے، پس ضروری ہے اس کی تصریح یا مطلق تفویض اس کی طرف، اور ہو گا توکیل کی طرح؛

فَإِنَّ الْوَكِيلَ لَا يَمْلِكُ أَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ إلَّا إذَا قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِك،
کیونکہ وکیل مالک نہیں ہوتا کہ وکیل کردے غیر کو اس کام میں جس کے لیے وکیل بنایا ہے اس کو، مگر یہ کہ کہہ دے اس کو: کہ کام کر اپنی رائے پر

بِخِلَافِ الْإِيدَاعِ وَالْإِبْضَاعِ لِأَنَّهُ دُونَهُ فَيَتَضَمَّنُهُ ، [3] وَبِخِلَافِ الْإِقْرَاضِ
برخلاف ودیعت دینے اور بضاعت دینے کے؛ کیونکہ وہ عقدِ مضاربت سے کم ہے، تو وہ اس کو متضمن ہوگی، اور برخلاف قرض دینے کے

حَيْثُ لَا يَمْلِكُهُ .وَإِنْ قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِك لِأَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ التَّعْمِيمُ فِيمَا هُوَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ
کہ وہ مالک نہیں ہوتا ہے اس کا اگرچہ کہہ دے اس سے: کہ کام کر اپنی رائے پر؛ کیونکہ مراد اس سے تعمیم ہے ان امور میں جو تجار میں رائج ہوں

وَلَيْسَ الْإِقْرَاضُ مِنْهُ وَهُوَ تَبَرُّعٌ كَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ فَلَا يَحْصُلُ بِهِ الْغَرَضُ وَهُوَ الرِّبْحُ لِأَنَّهُ لَا تَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ
اور قرض دینا صنیع تجار سے نہیں، اور وہ تبرع ہے ہبہ اور صدقہ کی طرح، پس حاصل نہ ہوگی اس سے غرض، اور وہ نفع ہے؛ کیونکہ زیادتی جائز نہیں ہے قرض پر،

[4] أَمَّا الدَّفْعُ مُضَارَبَةً فَمِنْ صَنِيعِهِمْ ، وَكَذَا الشَّرِكَةُ وَالْخَلْطُ بِمَالِ نَفْسِهِ فَيَدْخُلُ تَحْتَ هَذَا الْقَوْلِ.
رہا مضاربت پر دینا تو یہ تجار میں رواج ہے، اور اسی طرح شرکت، اور اپنے مال میں خلط کرنا ہے، پس وہ داخل ہو گا اس قول کے تحت۔

{5}قَالَ : وَإِنْ خَصَّ لَهُ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِي بَلَدٍ بِعَيْنِهِ أَوْ فِي سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ
فرمایا: اور اگر خاص کر دیا اس کے لیے رب المال نے متعین شہر میں تصرف کو یا متعین سامان میں تصرف کو، تو جائز نہیں اس کے لیے کہ

يَتَجَاوَزَهَا ، لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ .وَفِي التَّخْصِيصِ فَائِدَةٌ فَيَتَخَصَّصُ ،{6}وَكَذَا لَيْسَ لَهُ
تجاوز کرے اس سے؛ کیونکہ یہ وکیل کرنا ہے، اور تخصیص میں فائدہ ہے، پس تخصیص ہو جائے گی، اور اسی طرح اختیار نہیں مضارب کو

أَنْ يَدْفَعَهُ بِضَاعَةً إِلَى مَنْ يُخْرِجُهَا مِنْ تِلْكَ الْبَلْدَةِ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْإِخْرَاجَ بِنَفْسِهِ فَلَا يَمْلِكُ
کہ وہ دیدے مال بطور بضاعت ایسے شخص کو جو خارج کر دیتا ہو اس کو اس شہر سے؛ کیونکہ وہ مالک نہیں بذاتِ خود نکالنے کا پس وہ مالک نہ ہو گا

تَفْوِيضَهُ إِلَى غَيْرِهِ .{7}قَالَ : فَإِنْ خَرَجَ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ الْبَلَدِ فَاشْتَرَى ضَمِنَ وَكَانَ ذَلِكَ لَهُ،
غیر کو اخراج کی تفویض کرنے کا۔ فرمایا: پس اگر نکالا مال کو اس شہر کے علاوہ کی طرف، اور کچھ خرید ا تو ضامن ہو گا، اور ہو گی یہ خرید اسی کے لیے،

وَلَهُ رِبْحُهُ لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِ حَتَّى رَدَّهُ إِلَى الْكُوفَةِ
اور ہو گا اسی کے لیے اس کا نفع؛ کیونکہ اس نے تصرف کیا ہے اس کے امر کے بغیر، اور اگر نہیں خرید ا کچھ حتی کہ واپس لے آیا مال کوفہ میں،

وَهِيَ الَّتِي عَيَّنَهَا بَرِئَ مِنَ الضَّمَانِ كَالْمُودَعِ إِذَا خَالَفَ فِي الْوَدِيعَةِ ثُمَّ تَرَكَ
اور کوفہ وہی شہر ہے جس کو اس نے متعین کیا تھا، تو بری ہو جائے ضمان سے، جیسے مودَع جب مخالفت کرے ودیعت میں، پھر چھوڑ دے،

{8}وَرَجَعَ الْمَالُ مُضَارَبَةً عَلَى حَالِهِ لِبَقَائِهِ فِي يَدِهِ بِالْعَقْدِ السَّابِقِ ، وَكَذَا إِذَا رَدَّ بَعْضَهُ
اور لوٹ آئے گا مال اپنے حالِ مضاربت پر؛ بوجہ باقی ہونے کے اس کے قبضہ میں عقدِ سابق کی وجہ سے، اور اسی طرح اگر واپس لائے بعض مال،

وَاشْتَرَى بِبَعْضِهِ فِي الْمِصْرِ كَانَ الْمَرْدُودُ وَالْمُشْتَرَى فِي الْمِصْرِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ لِمَا قُلْنَا.
اور خرید کر چکا ہو بعض سے شہر میں، تو واپس لایا ہوا اور خرید اہوا شہر میں مضاربت پر ہوں گے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔

{9}ثُمَّ شَرَطَ الشِّرَاءَ بِهَا هَهُنَا وَهُوَ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ،وَفِي كِتَابِ الْمُضَارَبَةِ ضَمِنَهُ بِنَفْسِ الْإِخْرَاجِ .وَالصَّحِيحُ أَنَّ
پھر شرط کیا ہے یہاں خرید کو اور یہ روایت ہے جامع صغیر کی، اور کتاب المضاربت میں ضامن بنایا ہے نفسِ اخراج سے، اور صحیح یہ ہے کہ

بِالشِّرَاءِ يَتَقَرَّرُ الضَّمَانُ لِزَوَالِ احْتِمَالِ الرَّدِّ إِلَى الْمِصْرِ الَّذِي عَيَّنَهُ ، أَمَّا الضَّمَانُ فَوُجُوبُهُ
خرید سے مستحکم ہوتا ہے ضمان؛ بوجہ زائل ہونے واپسی کے احتمال کے اس شہر کی طرف جس کو اس نے متعین کیا تھا۔ رہا ضمان تو اس کا وجوب

بِنَفْسِ الْإِخْرَاجِ ، وَإِنَّمَا شَرَطَ الشِّرَاءَ لِلتَّقَرُّرِ لَا لِأَصْلِ الْوُجُوبِ ،{10}وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ عَلَى أَنْ
نفس اخراج سے ہے، اور شرط کی ہے خرید استحکام کے لیے نہ کہ اصل وجوب کے لیے۔ اور یہ برخلاف اس کے ہے جب کہے: اس شرط پر کہ

يَشْتَرِيَ فِي سُوقِ الْكُوفَةِ حَيْثُ لَايَصِحُّ التَّقْيِيدُ لِأَنَّ الْمِصْرَ مَعَ تَبَايُنِ أَطْرَافِهِ كَبُقْعَةٍ وَاحِدَةٍ فَلَا يُفِيدُ التَّقْيِيدُ ،

خریدلے کوفہ کے بازار میں، کہ صحیح نہیں یہ تقیید؛ کیونکہ شہر تباینِ اطراف کے باوجود ایک ہی بقعہ کی طرح ہے پس مفید نہ ہو گا قید لگانا

{11}إِلَّا إِذَا صَرَّحَ بِالنَّهْيِ بِأَنْ قَالَ اعْمَلْ فِي السُّوقِ وَلَا تَعْمَلْ فِي غَيْرِ السُّوقِ لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِالْحَجْرِ

مگر جب تصریح کرے ممانعت کی بایں طور کہ کہے: کام کر شہر میں، اور کام نہ کر شہر کے علاوہ میں؛ کیونکہ اس نے تصریح کی ممانعت کی،

وَالْوِلَايَةُ إِلَيْهِ{12} وَمَعْنَى التَّخْصِيصِ أَنْ يَقُولَ لَهُ عَلَى أَنْ تَعْمَلَ كَذَا أَوْ فِي مَكَانِ كَذَا ،{13} وَكَذَا إِذَا قَالَ

اور ولایت اسی کو ہے، اور تخصیص کا معنی یہ ہے کہ کہے: اس شرط پر کہ فلاں کام کروگے یا فلاں جگہ میں کروگے، اور اسی طرح جب کہے:

خُذْ هَذَا الْمَالَ تَعْمَلُ بِهِ فِي الْكُوفَةِ لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لَهُ ، أَوْ قَالَ فَاعْمَلْ بِهِ فِي الْكُوفَةِ لِأَنَّ الْفَاءَ لِلْوَصْلِ

لو یہ مال اور کام کرو اس سے کوفہ میں؛ کیونکہ یہ تفسیر ہے اس کی، یا کہے: پس کام کر اس سے کوفہ میں؛ اس لیے کہ فاء وصل کے لیے ہے،

أَوْ قَالَ خُذْهُ بِالنِّصْفِ بِالْكُوفَةِ لِأَنَّ الْبَاءَ لِلْإِلْصَاقِ ، أَمَّا إِذَا قَالَ خُذْ هَذَا الْمَالَ وَاعْمَلْ بِهِ بِالْكُوفَةِ فَلَهُ

یا کہے: لو یہ مال نصف نفع پر کوفہ میں؛ کیونکہ باء الصاق کے لیے ہے، اور اگر کہا: کہ لو یہ مال اور کام کر اس سے کوفہ میں، تو مضارب کو اختیار ہے

أَنْ يَعْمَلَ فِيهَا وَفِي غَيْرِهَا لِأَنَّ الْوَاوَ لِلْعَطْفِ فَيَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْمَشُورَةِ ، {14} وَلَوْ قَالَ عَلَى أَنْ تَشْتَرِيَ مِنْ فُلَانٍ وَتَبِيعَ مِنْهُ

کہ کام کرے کوفہ میں اور غیر کوفہ میں؛ کیونکہ واؤ عطف کے لیے، پس یہ ہو گا مشورہ کے مرتبہ میں۔ اور اگر کہا: اس شرط پر کہ فلاں سے خرید و فروخت کرے،

صَحَّ التَّقْيِيدُ لِأَنَّهُ مُفِيدٌ لِزِيَادَةِ الثِّقَةِ بِهِ فِي الْمُعَامَلَةِ ، {15} بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ عَلَى أَنْ تَشْتَرِيَ بِهَا

تو صحیح ہو گی تقیید؛ کیونکہ یہ مفید ہے؛ زیادہ اعتماد کی وجہ سے فلاں پر معاملہ میں، برخلاف اس کے اگر کہا: اس شرط پر کہ خریدلے اس سے

مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ ، أَوْ دَفَعَ فِي الصَّرْفِ عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَ بِهِ مِنَ الصَّيَارِفَةِ وَيَبِيعَ مِنْهُمْ فَبَاعَ بِالْكُوفَةِ

کوفہ والوں سے، یا دیدیا مال صرفی تجارت میں اس شرط پر کہ خرید و فروخت کروگے صرافوں سے، پھر فروخت کیا مضارب نے کوفہ میں

مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا أَوْ مِنْ غَيْرِ الصَّيَارِفَةِ جَازَ ؛ لِأَنَّ فَائِدَةَ الْأَوَّلِ التَّقْيِيدُ بِالْمَكَانِ ، وَفَائِدَةَ الثَّانِي

اہل کوفہ کے علاوہ کے ہاتھ یا صرافوں کے علاوہ کے ہاتھ، تو جائز ہے؛ کیونکہ اول کا فائدہ مقید کرنا ہے مکان کے ساتھ اور ثانی کا فائدہ

التَّقْيِيدُ بِالنَّوْعِ ، وَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ عُرْفًا لَا فِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ .

مقید کرنا ہے نوع کے ساتھ، یہی مراد ہوتا ہے عرفاً، نہ کہ اس کے علاوہ میں۔

تشریح:۔{1} مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ مضاربت کا مال دوسرے شخص کو مضاربت پر دیدے مگر اس صورت میں جائز ہے کہ رب المال نے اس کو اس کی اجازت دی ہو یعنی صریح اجازت دی ہو یا کہا ہو کہ تو اپنی رائے کے مطابق کام کر؛ کیونکہ کوئی چیز اپنے مثل

کو متضمن نہیں ہوتی ہے لہذا ایک مضاربت دوسری مضاربت کو متضمن نہ ہوگی یعنی مضاربت اس امر کو متضمن نہ ہو گی کہ دوسرے شخص کو مضاربت پر مال دے؛ کیونکہ قوت میں یہ دونوں برابر ہیں یعنی ایک مضاربت کو ایسا غلبہ حاصل نہیں کہ دوسری مضاربت اس کے ضمن میں آجائے، پس ضروری ہے کہ مال کا مالک مضارب کو صریح اجازت دیدے کہ مضاربت کا مال دوسرے شخص کو مضاربت پر دے سکتا ہے اور یا مطلقاً اس کی رائے کے سپرد کر دے کہ جیسا تو چاہے اسی طرح کام کر، ان دو صورتوں کے علاوہ مضارب کو اختیار نہ ہوگا کہ وہ مضاربت کا مال کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر دیدے۔

{2} اور مضاربت کا یہ معاملہ توکیل کی طرح ہو جائے گا؛ کیونکہ وکیل کو جس کام کے لیے وکیل کیا گیا ہو اس کو اس کام میں کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے وکیل کرنے کا اختیار نہیں ہے مگر جب ہی کہ موکل نے اس سے یہ کہا ہو کہ تو اپنی رائے سے کام کر تو اس صورت میں اس کو اجازت ہے کہ وہ دوسرے شخص کو وکیل کر دے پس اسی طرح مضاربت بھی ہے۔ اس کے برخلاف مضاربت کا مال کسی کو بطورِ ودیعت دینا یا کسی کو بطورِ بضاعت دینا جائز ہے؛ کیونکہ ودیعت اور بضاعت میں سے ہر ایک مضاربت سے کم درجہ کا ہے لہذا بغیر کسی تصریح اور تفویض کے مضاربت ان کو شامل ہوگی۔

{3} برخلاف قرض دینے کے کہ مضارب کو قرض دینے کا اختیار حاصل نہ ہوگا اگرچہ مالک نے کہا ہو کہ "تو اپنی رائے سے کام کر"؛ کیونکہ مالک کے اس طرح کہنے سے عام اختیار دینا صرف ان کاموں میں مراد ہے جو تاجروں کے کاموں میں سے ہوں جبکہ قرض دینا تجار کے کاموں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ ہبہ کرنے اور صدقہ دینے کی طرح ایک احسان ہے تو قرض دینے سے اس کی غرض یعنی نفع حاصل کرنا اس کو حاصل نہ ہوگی؛ کیونکہ قرض دے کر پھر اس پر کچھ بڑھا کر وصول کرنا نفع کی صورت ہے مگر یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ سود ہے اس لیے قرض دینے سے نفع حاصل نہ ہوگا لہذا کسی کو قرض دینے کا اختیار بھی اس کو حاصل نہ ہوگا۔

{4} باقی مضاربت پر مال دینے کا اختیار اس کو حاصل ہوگا؛ کیونکہ مضاربت پر مال دینا تاجروں کے کاموں میں سے ہے۔ اسی طرح شرکت کا اختیار اور اس مال کو اپنے مال میں ملالینے کا اختیار بھی اس کو حاصل ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ اس اجازتِ عام کے تحت میں داخل ہوگا جو مالک کے قول "تو اپنی رائے سے کام کر" سے اس کو حاصل ہے۔ یہاں تک تو مضاربتِ مطلقہ کا بیان تھا آگے مضاربتِ مقیدہ کا بیان ہوگا۔

{5} اگر مال کے مالک نے مضارب کے لیے کسی خاص شہر میں یا کسی خاص قسم کے اسبابِ تجارت میں تصرف کرنے کو مخصوص کیا تو مضارب کو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے حتی کہ اگر اس نے تجاوز کیا تو ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ عقدِ مضاربت ایک توکیل ہے اور کسی شئ معین کی توکیل اسی شئ کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے لہذا متعین شہر کے ساتھ مخصوص مضاربت اسی شہر کے ساتھ

خاص ہوگی، اور مضاربت کو مخصوص کرنے میں فائدہ بھی ہے جس کی رعایت ضروری ہے اس لیے اس کی تخصیص کی جائے گی۔ باقی شہر کی تخصیص میں فائدہ یہ ہے کہ مضارب جب تک اپنے شہر میں موجود ہے تب تک اس کو اپنا نفقہ وصول کرنے کا استحقاق نہیں ہوتا اس طرح مال کے مالک کا خرچہ بچ جائے گا اور مالک کا مال راستہ کے خطرہ سے بھی محفوظ ہوگا۔

{6} اسی طرح شہر کی تخصیص کی صورت میں مضارب کو یہ بھی اختیار نہ ہوگا کہ مال میں سے کچھ کسی ایسے شخص کو بطورِ بضاعت دیدے جو شخص مالِ بضاعت کو لے کر اس شہر سے باہر جائے گا اس لیے کہ جب مضارب خود اس مال کو باہر لے جانے کا مالک نہیں ہے تو دوسرے کو بھی یہ امر تفویض نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ محال ہے کہ خود آدمی کو کسی چیز کی ملکیت حاصل نہ ہو اور دوسرا اس کی طرف سے اس چیز کی ملکیت حاصل کرے۔

{7} پھر اگر مضارب مال لے کر دوسرے شہر کو گیا سوائے اس شہر کے جو عقدِ مضاربت میں مالک نے معین کیا ہے مثلاً مالک نے کوفہ کو تجارت کے لیے معین کیا تھا اور مضارب نکل کر بصرہ کو چلا گیا اور وہاں کچھ خرید و فروخت کی تو مضارب رأس المال کا ضامن ہوگا، اور یہ خریدی ہوئی چیز خود مضارب کے لیے ہوگی، اور اس کا نفع بھی مضارب ہی کے لیے ہوگا؛ کیونکہ اس نے مالک کے حکم کے بغیر تصرف کیا لہٰذا مضارب غاصب شمار ہوگا اس لیے ضامن ہوگا۔

{8} اگر مضارب نے بصرہ جا کر کوئی چیز نہیں خریدی حتی کہ واپس کوفہ لوٹ آیا اور کوفہ ہی وہ شہر ہے جس کو رب المال نے مضاربت کے لیے متعین کیا تھا تو مضارب مال کے ضمان سے بری ہو جائے گا جیسے مودَع اگر مالِ ودیعت میں مخالفت کرے تو ضامن ہوگا، پھر اگر مخالفت کو چھوڑ دیا تو مال پھر ودیعت ہو جائے گا اور مضاربت کا جو مال تھا وہ بدستورِ سابق پھر مضاربت پر لوٹ آئے گا؛ کیونکہ عقدِ سابق کی وجہ سے وہ مضارب کے قبضہ میں باقی ہے۔ اسی طرح اگر مضارب نے دوسرے شہر سے تھوڑا مال واپس اسی شہر میں لایا جس کو مالک نے متعین کیا تھا اور اس مال کے کچھ حصہ سے اسی معین شہر میں کوئی چیز خرید لی تو جو مال واپس لایا ہے اور جس قدر سے اس نے معین شہر میں چیز خریدی ہے یہ دونوں مال مضاربت پر رہوں گے؛ دلیل وہی ہے جو ہم کہہ چکے کہ عقدِ سابق کی وجہ سے وہ مال مضارب کے قبضہ میں باقی ہے اور مالک کے حکم کی مخالفت بھی نہیں پائی گئی ہے اس لیے یہ دونوں مال مضاربت پر باقی ہوں گے۔

{9} پھر مصنفؒ نے یہ شرط لگائی کہ مالک کے متعین کئے ہوئے شہر کے علاوہ میں مالِ مضاربت کے عوض کوئی چیز خریدلے تو ضامن ہوگا یہی جامع صغیر کی روایت ہے، اور مبسوط کی "کتاب المضاربۃ" میں لکھا ہے کہ مال باہر لے جانے ہی سے ضامن ہو جائے گا یعنی وہاں خرید کی شرط نہیں لگائی ہے بلکہ وہاں لے جانے ہی سے ضامن ہوگا، اور صحیح تحقیق یہ ہے کہ وہاں خرید کرنے سے اس پر ضمان متقرر و مستحکم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ جو شہر مال کے مالک نے تجارت کے لیے مقرر کیا تھا اس کی جانب مال واپس

لانے کا احتمال اب زائل ہو گیا۔ رہانفس ضمان تو وہ محض باہر لے جانے ہی سے واجب ہو جاتا ہے۔ باقی جامع صغیر میں جو وہاں خرید کی شرط لگائی ہے تو وہ فقط ضمان متقرر ہونے کے لیے ہے اصل ضمان واجب ہونے کے لیے نہیں ہے حاصل یہ کہ مال کے مالک نے جو شہر معین کیا تھا جب مضارب اس سے باہر مال لے گیا تو باہر لے جاتے ہی وہ ضامن ہو جاتا ہے جیسا کہ مبسوط کی روایت میں ہے لیکن ضمانت ابھی متقرر نہیں ہے جب تک دوسرے شہر میں خرید نہ کرے حتیٰ کہ اگر وہاں کوئی چیز خریدے بغیر مال واپس لایا تو مضارب ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر وہاں سے کوئی چیز خرید لی تو ضمان متقرر ہو گئی۔

{10} اور بازار کو متعین کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اگر مال کے مالک نے مضارب سے کہا کہ "میں نے تجھے یہ مال مضاربت پر اس شرط سے دیا کہ تو کوفہ کے بازار میں خرید کرے" تو یہ قید لگانا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ شہر اپنے اطراف مختلفہ کے باوجود ایک ہی قطعہ کی طرح ہے؛ کیونکہ عموماً ایک شہر کے اطراف میں تفاوت کم ہوتا ہے لہٰذا ایک شہر کے بازاروں میں سے کسی ایک کی قید لگانا مفید نہ ہوگا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ مالک نے بطورِ مشورہ کے شہر کے کسی ایک بازار کا نام لیا اس شہر کے دیگر بازاروں سے منع نہیں کیا ہے۔

{11} لیکن اگر مال کے مالک نے ممانعت کی تصریح کر دی مثلاً کہا کہ "تو بازار ہی میں تجارت کرنا اور بازار کے علاوہ میں تجارت مت کرنا" تو یہ صریح قید اور ممانعت ہے اس لیے یہ معتبر ہوگی؛ کیونکہ اس نے اختیار سے ممانعت کی تصریح کر دی کہ بازار کے علاوہ میں تجھے مضاربت کی ولایت واختیار نہیں ہے، اور مضارب کو کام کی ولایت تو مالک ہی کی طرف سے ہوتی ہے پس جب اس نے بازار کے علاوہ کی ولایت نہیں دی؛ کیونکہ صریح منع کیا تو مضارب کو بازار کے علاوہ کا اختیار حاصل نہ ہوگا، اسی طرح اگر متعدد بازاروں میں سے کسی ایک بازار کو معین کر دیا اور باقیوں سے ممانعت کر دی تو بھی یہی حکم ہے۔

{12} اور تخصیص کا معنی یہ ہے کہ مال کا مالک مضارب سے کہے کہ "اس شرط پر کہ تو فلاں اسباب کی تجارت کرے" یا "فلاں مقام میں تجارت کرے"، اسی طرح اگر کہا کہ "تو یہ مال لے کر اس کے ساتھ کوفہ میں تجارت کر" تو بھی یہ تخصیص ہے اس لیے کہ آخری جملہ (تَعْمَلُ بِهِ فِي الْكُوفَةِ) اس کی تفسیر ہے اور قاعدہ ہے کہ مبہم جملہ کے بعد جب تفسیر آئے تو حکم اسی تفسیر کے لیے ہوتا ہے لہٰذا یہاں کوفہ میں مضاربت معین ہوگی۔

یا مالک نے مضارب سے کہا کہ "یہ مال لو اور کوفہ میں اس سے تجارت کر"؛ کیونکہ حرفِ فاء وصل اور تعقیب کے لیے ہے اور جو جملہ کلام مبہم کے متصل اور اس کے بعد آئے وہ اس کے لیے تفسیر ہوتا ہے۔ یا مالک مضارب سے کہے کہ "یہ مال لے لو نصف

نفع کے ساتھ کوفہ میں " یعنی تجارت کوفہ کے ساتھ ملصق ہو، الصاق کا معنیٰ اس لیے کیا کہ حرفِ باء الصاق کے لیے ہے، ان سب صورتوں میں کوفہ کی قید معتبر ہوگی۔

{13} اور اگر مالک نے مضارب سے کہا کہ " یہ مال لے لو اور اس کے ذریعہ سے کوفہ میں تجارت کر"، تو مضارب کو اختیار ہوگا کہ چاہے کوفہ میں تجارت کرے یا دوسرے شہر میں تجارت کرے؛ کیونکہ حرفِ واؤ عطف کے لیے ہوتا ہے اور شئی اپنی ذات پر عطف نہیں ہوتی ہے بلکہ غیر پر عطف ہوتی ہے لہٰذا "وَاعْمَلْ بِهِ فِي الْكُوفَةِ" نیا جملہ ہے اور یہ جملہ بمنزلۂ مشورہ کے ہے، گویا اس نے مضاربت کا عقد کر کے مال دیدیا اور اس پر یہ کلام عطف کیا کہ "کوفہ میں تجارت کر" تو عقدِ مضاربت کے بعد یہ مشورہ دیا اور مضاربت میں کوفہ کی قید نہیں لگائی ہے اس لیے مضارب کو کوفہ وغیر کوفہ دونوں میں تجارت کا اختیار ہوگا۔

{14} اگر مال کے مالک نے کہا کہ "مضاربت کا یہ مال اس شرط پر لے لو کہ تو فلاں شخص کے ساتھ خرید و فروخت کروگے" تو یہ قید لگانا صحیح ہے اس لیے کہ یہ مفید ہے؛ کیونکہ لوگ معاملات میں مختلف ہوتے ہیں بعض ثقہ ہوتے ہیں بعض بد معاملہ ہوتے ہیں پس مالک نے فلاں شخص کے اوپر معاملات میں زیادہ بھروسہ کیا اس لیے یہ شرط لگائی کہ فلاں شخص کے ساتھ معاملہ کروگے لہٰذا مضارب کو اس متعین شخص کے علاوہ کے ساتھ تجارت کا اختیار نہ ہوگا۔

{15} اس کے بر خلاف اگر کہا کہ "یہ مال اس شرط پر لے لو کہ تو اس مال کے ذریعہ سے اہل کوفہ کے ساتھ خرید و فروخت کروگے" یا مضارب کو صرافی تجارت (نقود کی بیع) کے لیے مال اس شرط پر دیا کہ "تو اس مال کے ذریعہ سے صرافوں کے ساتھ خرید و فروخت کروگے" پھر مضارب نے کوفہ میں اہل کوفہ کے علاوہ دیگر لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کی، یا صرافوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کی" تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ اہل کوفہ کی قید لگانے سے فائدہ مکان (کوفہ) کے ساتھ خرید و فروخت کو مقید کرنا تھا، اور صرافوں کی قید لگانے کا فائدہ ایک خاص نوع تجارت (بیع صرف) کے ساتھ خرید و فروخت کو مقید کرنا تھا اور عرف میں اس طرح کے کلام سے مکان اور نوعِ تجارت ہی مراد ہوتے ہیں مکان اور نوع کے علاوہ کوئی چیز مراد نہیں ہوتی ہے اگرچہ لفظاً ان دو جملوں سے عامل کے ساتھ تقیید مفہوم ہوتی ہے مگر عرف کی وجہ سے مکان اور نوع تجارت مراد ہے۔

{1} قَالَ : وَكَذَلِكَ إنْ وَقَّتَ لِلْمُضَارَبَةِ وَقْتًا بِعَيْنِهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهِ ؛ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ فَيَتَوَقَّتُ

فرمایا: اور اسی طرح اگر مقرر کیا مضاربت کے لیے متعین وقت، تو باطل ہو جائے گا عقد وقت گذرنے سے؛ کیونکہ یہ توکیل ہے، پس موقت ہوگا

بِمَا وَقَّتَهُ وَالتَّوْقِيتُ مُفِيدٌ وَأَنَّهُ تَقْيِيدٌ بِالزَّمَانِ فَصَارَ كَالتَّقْيِيدِ بِالنَّوْعِ وَالْمَكَانِ.

اس وقت کے ساتھ جس کو متعین کیا ہے، اور توقیت مفید ہے؛ کیونکہ یہ مقید کرنا ہے زمانے کے ساتھ، پس ہو گیا جیسے مقید کرنا نوع اور مکان کے ساتھ۔

{2}قَالَ : وَلَيْسَ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَشْتَرِيَ مَنْ يَعْتِقُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ لِقَرَابَةٍ أَوْ غَيْرِهَا ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ

فرمایا: اور اختیار نہیں مضارب کو کہ خرید لے اس کو جو آزاد ہو جائے رب المال پر قرابت وغیرہ کی وجہ سے؛ کیونکہ عقد موضوع ہے

لِتَحْصِيلِ الرِّبْحِ .وَذَلِكَ بِالتَّصَرُّفِ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى ، وَلَا يَتَحَقَّقُ فِيهِ لِعِتْقِهِ

نفع حاصل کرنے کے لیے، اور یہ بار بار تصرف سے ہوتا ہے، اور یہ بات متحقق نہیں ہوتی ہے اس میں؛ اس کے آزاد ہونے کی وجہ سے،

{3}وَلِهَذَا لَا يَدْخُلُ فِي الْمُضَارَبَةِ شِرَاءُ مَا لَا يَمْلِكُ بِالْقَبْضِ كَشِرَاءِ الْخَمْرِ وَالشِّرَاءِ بِالْمَيْتَةِ

اسی لیے داخل نہ ہوگی مضاربت میں ایسی چیز کی خرید جس کا وہ مالک نہیں ہوتا ہے قبضہ سے جیسے شراب کی خرید اور مردار کے عوض خرید،

بِخِلَافِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ بَيْعُهُ بَعْدَ قَبْضِهِ فَيَتَحَقَّقُ الْمَقْصُودُ .{4}قَالَ : وَلَوْ فَعَلَ صَارَ

برخلاف بیع فاسد کے؛ کیونکہ ممکن ہے اس کو فروخت کرنا اس کو قبضہ کرنے کے بعد، پس متحقق ہو جائے گا مقصود۔ فرمایا: اور اگر ایسا کیا تو ہوگا

مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ دُونَ الْمُضَارَبَةِ ؛ لِأَنَّ الشِّرَاءَ مَتَى وَجَدَ نَفَاذًا عَلَى الْمُشْتَرِي نَفَذَ عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ

اپنے لیے خریدنے والا نہ کہ مضاربت کے لیے؛ کیونکہ خرید جب ثابت ہو جائے اس کا نفاذ مشتری پر تو نافذ ہو جائے گی اس پر جیسے خرید کا وکیل

إذَا خَالَفَ .{5}قَالَ : فَإِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ يَعْتِقُ

جب مخالفت کرے۔ فرمایا: پس اگر ہو مال میں نفع، تو جائز نہیں مضارب کے لیے کہ خرید لے وہ جو آزاد ہوتا ہے اس پر؛ کیونکہ آزاد ہو جائے گا

عَلَيْهِ نَصِيبُهُ وَيَفْسُدُ نَصِيبُ رَبِّ الْمَالِ أَوْ يَعْتِقُ عَلَى الِاخْتِلَافِ الْمَعْرُوفِ فَيَمْتَنِعُ التَّصَرُّفُ

اس پر اس کا حصہ، اور خراب ہو جائے گا رب المال کا حصہ، یا آزاد ہو جائے گا، اس اختلاف کی بناء پر جو معروف ہے، پس ممتنع ہوگا تصرف،

فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُودُ{6} وَإِنْ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُشْتَرِيًا الْعَبْدَ لِنَفْسِهِ

پس حاصل نہ ہوگا مقصود، اور اگر ایسے لوگوں کو خرید اتو ضامن ہوگا مالِ مضاربت کا؛ کیونکہ وہ ہو جائے گا اپنے لیے خریدنے والا غلام کو،

فَيَضْمَنُ بِالنَّقْدِ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ أَنْ يَشْتَرِيَهُمْ لِأَنَّهُ لَا مَانِعَ مِنَ التَّصَرُّفِ،

پس ضامن ہوگا مالِ مضاربت سے ثمن ادا کرنے سے۔ اور اگر نہ ہو مال میں نفع، تو جائز ہے کہ خرید لے ان کو؛ کیونکہ کوئی مانع نہیں تصرف سے؛

إذْ لَا شَرِكَةَ لَهُ فِيهِ لِيَعْتِقَ عَلَيْهِ فَإِنْ زَادَتْ قِيمَتُهُمْ بَعْدَ الشِّرَاءِ عَتَقَ

اس لیے کہ شرکت نہیں مضارب کی اس میں؛ حتی کہ آزاد ہو جائے اس پر۔ اور اگر بڑھ گئی ان کی قیمت خرید کے بعد، تو آزاد ہو جائے گا

نَصِيبُهُ مِنْهُمْ ؛ لِمِلْكِهِ بَعْضَ قَرِيبِهِ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا؛

مضارب کا حصہ ان میں سے؛ بوجہ اس کے مالک ہونے کے اپنے قریب کے بعض کا۔ اور ضامن نہ ہوگا رب المال کے لیے کسی شی کا؛

لِأَنَّهُ لَا صُنْعَ مِنْ جِهَتِهِ فِي زِيَادَةِ الْقِيمَةِ وَلَا فِي مِلْكِهِ الزِّيَادَةَ ، لِأَنَّ هَذَا شَيْءٌ

کیونکہ کوئی عمل نہیں اس کی طرف سے قیمت کی زیادتی میں، اور نہ مضارب کے اس زیادتی کے مالک ہونے میں؛ کیونکہ یہ ایسی چیز ہے

يَثْبُتُ مِنْ طَرِيقِ الْحُكْمِ فَصَارَ كَمَا إذَا وَرِثَهُ مَعَ غَيْرِهِ{7} وَيَسْعَى الْعَبْدُ فِي قِيمَةِ

جو ثابت ہوتی ہے حکم عقد کے طریق سے، پس ہو گیا جیسے وہ وارث ہو جائے اس کا غیر کے ساتھ۔ اور سعایت کرے گا غلام اپنی قیمت میں

نَصِيبِهِ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ احْتُسِبَتْ مَالِيَّتُهُ عِنْدَهُ فَيَسْعَى فِيهِ كَمَا فِي الْوَرَثَةِ.

اس میں سے رب المال کے حصہ کے بقدر؛ کیونکہ رُک گئی غلام کی مالیت غلام کے پاس، پس وہ سعایت کرے گا اس میں جیسا کہ وراثت میں ہوتا ہے۔

تشریح:۔{1} اسی طرح اگر ربّ المال نے مضاربت کے لیے کوئی وقت معین کیا ہو تو اس وقت کے گذر جانے پر عقد باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ مضاربت تو مضارب کو وکیل بنانا ہے پس مال کے مالک نے اس وکالت کو جس وقت تک محدود کیا ہو اسی وقت تک رہے گا، اور وقت مقرر کرنا مفید بھی ہوتا ہے اور مفید امر کی قید لگانا صحیح ہے؛ کیونکہ وقت کی قید ایک زمانہ تک کی قید ہے تو اسی طرح صحیح ہے جیسے تجارت کی نوع اور تجات کے مکان کی قید لگانا صحیح ہے۔

{2} اور مضارب کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسے غلام کو خرید لے جو مالک پر قرابت کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے آزاد ہو جائے گا مثلاً رب المال کا باپ کسی شخص کا مملوک ہے اور مضارب نے اس کے مولیٰ سے اس کو خرید لیا تو وہ رب المال پر آزاد ہو جائے گا، یا مضارب نے ایسا غلام خریدا کہ جس کے بارے میں رب المال نے قسم کھائی تھی کہ "اگر میں تیرا مالک ہوا تو تُو آزاد ہے" پس اگر مضارب نے اس کو خرید لیا تو وہ رب المال پر آزاد ہو جائے گا، لہٰذا مضارب کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسے غلاموں کو خرید لے جو مالک پر آزاد ہوں؛ کیونکہ عقدِ مضاربت تو نفع حاصل کرنے کے لیے موضوع ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ پے در پے اس میں تصرف اور خرید و فروخت ہو حالانکہ ایسے غلام میں آزاد ہو جانے کی وجہ سے پے در پے تصرف ممکن نہیں ہے، تو یہ مضاربت میں داخل نہ ہو گا۔

{3} اسی وجہ سے کہ تصرف ناممکن ہے مضاربت میں ایسی چیز کی خرید داخل نہیں ہوتی جو قبضہ کرنے سے ملک میں نہ آئے؛ کیونکہ ملک میں نہ آنے کی وجہ سے اس میں تصرف نہیں کیا جا سکتا ہے جیسے شراب کی خرید؛ کیونکہ شراب مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتی ہے، اور مردار کے عوض کسی چیز کو خریدنا؛ کیونکہ یہ بیع باطل ہے تو مردار کے عوض جو چیز خریدی اس پر قبضہ کرنے سے وہ ملکیت میں داخل نہیں ہوتی ہے لہٰذا ان چیزوں کی خرید مضاربت میں داخل نہ ہو گی۔

برخلاف بیع فاسد کے کہ وہ مضاربت کے تحت میں داخل ہے مثلاً شراب کے عوض کوئی کپڑا خرید تا بیع فاسد ہے تو مضارب کی اس طرح کی خرید مضاربت میں داخل ہوگی؛ کیونکہ بیع فاسد سے جو چیز خریدی جائے اس کو قبضہ کرنے کے بعد فروخت کیا جاسکتا ہے لہٰذا اس میں تصرف ممکن ہے جس سے نفع حاصل کرنا جو اصل مقصود ہے حاصل ہو جائے گا اس لیے یہ مضاربت میں داخل ہے۔

{4} اور اگر مضارب نے ایسا شخص خرید اجو رب المال پر آزاد ہو جائے گا تو یہ خرید مضاربت پر نہ ہوگی بلکہ مضارب کی اپنی ذات کے لیے ہوگی؛ کیونکہ جو خرید ایسی ہو جو مشتری پر اس کا نافذ ہونا ممکن ہو تو وہ مشتری پر نافذ ہو جاتی ہے جیسے خرید کا وکیل اگر موکل کے حکم کی مخالفت کرے تو اس کی خرید اسی پر نافذ ہو جاتی ہے۔

{5} اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لیے جائز نہیں ہے کہ ایسے شخص کو خرید لے جو مضارب کی طرف سے آزاد ہو جاتا ہو؛ کیونکہ جب مضارب کا حصہ مضارب کی طرف سے آزاد ہو گیا تو اس سے رب المال کا حصہ خود بخود فاسد ہو جائے گا یا اس کا حصہ بھی آزاد ہو جائے گا ائمہ کے اس اختلاف کی بنا پر جو معروف ہے۔ حاصل یہ کہ جب مال مضاربت میں نفع مشترک ہے تو نفع میں مضارب کا بھی حصہ ہے پس جب مضارب نے اپنے باپ یا بیٹے وغیرہ ذو رحم محرم کو خرید لیا تو وہ مضارب کی طرف سے آزاد ہو جائے گا مگر اسی قدر کہ جتنا اس میں سے مضارب کا حصہ ہے تو صاحبینؒ کے نزدیک باقی بھی آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ ان کے نزدیک عتق کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ عتق کے ٹکڑے ہوتے ہیں لہٰذا مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا حصہ آزاد کر دے یا غلام سے کمائی کرائے یا مضارب سے تاوان لے اگر وہ مالدار ہو، بہر حال یہ غلام اب اس قابل نہیں رہا کہ اسے فروخت کیا جاسکے اس لیے اس مضاربت سے مقصود (نفع) حاصل نہیں ہوتا ہے یوں مالک کا حصہ خراب ہوا اور اس کا سبب یہی ہے کہ مضارب نے اس کو خرید الہٰذا اس کا خریدنا جائز نہیں ہے۔

{6} اور اگر مضارب نے مال مضاربت سے ایسے لوگوں کو خرید اتو وہ مال مضاربت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے غلام خریدنے والا ہو گیا تو مضاربت کا مال ادا کرنے سے وہ ضامن ہو جائے گا۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ مضاربت کے مال میں نفع مشترک ہو۔ اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو مضارب کو اختیار ہے کہ اپنے ذو رحم محرم کو خرید لے؛ کیونکہ اس میں تصرف کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے؛ کیونکہ مال میں مضارب کی کوئی شرکت نہیں ہے تاکہ اس کا ذو رحم محرم اس پر آزاد ہو جائے اور رب المال کا حصہ خراب ہو جائے۔

اور یہ حکم تو خرید کے وقت ہے اور اگر خریدنے کے بعد ان کی قیمت زیادہ ہو گئی تو چونکہ اس زائد مقدار میں مضارب کی شرکت متحقق ہو جاتی ہے اس لیے وہ اپنے قریب کا مالک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس پر آزاد ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں صاحبین کے قول کے مطابق باقی غلام بھی آزاد ہو جائے گا، اور امام صاحب کے نزدیک وہ قابل فروخت نہیں رہتا، مگر مضارب رب المال کے لیے کسی شئی کا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ قیمت بڑھ جانے میں مضارب کی جانب سے کوئی فعل نہیں پایا گیا ہے اور نہ اس زائد مقدار میں مضارب کی ملکیت ثابت ہونے میں مضارب کے کسی فعل کا دخل ہے؛ کیونکہ یہ ملکیت اس کے لیے عقدِ مضاربت کے حکم کی راہ سے ثابت ہوتی ہے تو یہ معاملہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص کسی غیر کے ساتھ اپنے ذو رحم محرم کا وارث ہو جائے، تو چونکہ وراثت اختیاری چیز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دے دیا ہے اس لیے وہ اس کا ضامن نہ ہو گا، اسی طرح یہاں مضارب کا حال ہے کہ اس نے اپنے قریبوں کو اپنی شرکت کے بغیر خریدا تھا تاکہ مالک کے لیے ان کو فروخت کرے مگر اچانک ان کی قیمت بڑھ گئی تو اس میں مضارب کا کوئی اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ قیمت بڑھ جانا اختیاری فعل نہیں ہوتا ہے، اور جب قیمت بڑھنے سے نفع میں اس کی شرکت ہو گئی تو بقدرِ شرکت اس کو ملکیت بھی حاصل ہو گی تو اسی قدر حصہ آزاد ہو گیا، اور یہ بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے اور جب اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے رب المال کا نقصان ہو تو وہ ضامن بھی نہ ہو گا۔

{7} پس مذکورہ صورت میں امام صاحب کے نزدیک مالک کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ مضارب سے اپنے حصہ کا تاوان لے البتہ یہ اختیار ہے گا کہ چاہے اپنا حصہ بھی آزاد کرے اور چاہے تو اس غلام سے کمائی کرادے۔ چنانچہ فرمایا: کہ مذکورہ غلام (مضارب کا قریب) رب المال کے حصہ کی قیمت کے لیے کمائی کرے؛ کیونکہ غلام کی مالیت جو رب المال کا حق ہے غلام کے پاس رُک گئی ہے تو اس کے لیے وہ کمائی کرے جیسا وراثت کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً کئی لوگوں نے ایک غلام میراث میں پایا پھر ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو غلام باقیوں کے حصہ کے لیے کمائی کرے گا؛ کیونکہ غلام کی مالیت اس کے پاس رُک گئی ہے۔

{1} قَالَ : فَإِنْ كَانَ مَعَ الْمُضَارِبِ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى بِهَا جَارِيَةً قِيمَتُهَا أَلْفٌ فَوَطِئَهَا

فرمایا: اگر مضارب کے پاس ہوں ہزار درہم مضاربت بالنصف کے، پس اس نے خرید لی ایسی باندی جس کی قیمت ہزار درہم ہو، پس وطی کی اس سے

فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ يُسَاوِي أَلْفًا فَادَّعَاهُ ثُمَّ بَلَغَتْ قِيمَةُ الْغُلَامِ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي مُوسِرٌ،

پس اس نے جن لیا بچہ جو برابر ہے ہزار درہم کے، پس اس نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا، پھر پہنچ گئی غلام کی قیمت پندرہ سو کو، اور مدعی غنی ہے،

فَإِنْ شَاءَ رَبُّ الْمَالِ اسْتَسْعَى الْغُلَامَ فِي أَلْفٍ وَمِائَتَيْنِ وَخَمْسِينَ، وَإِنْ شَاءَ أَعْتَقَ ؛ وَوَجْهُ ذَلِكَ أَنَّ الدَّعْوَةَ صَحِيحَةٌ فِي الظَّاهِرِ

تو اگر چاہے تو کمائی کرائے غلام سے ساڑھے بارہ سو، اور اگر چاہے تو آزاد کر دے؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ نسب صحیح ہے ظاہر میں،

حَمْلًا عَلَى فِرَاشِ النِّكَاحِ ، لَكِنَّهُ لَمْ يَنْفُذْ لِفَقْدِ شَرْطِهِ وَهُوَ الْمِلْكُ لِعَدَمِ ظُهُورِ الرِّبْحِ
محمول کرتے ہوئے فراشِ نکاح پر، لیکن یہ دعوی نافذ نہ ہوگا شرطِ عتق مفقود ہونے کی وجہ سے، اور وہ ملک ہے؛ نفع ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے؛

لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَعْنِي الْأُمَّ وَالْوَلَدَ مُسْتَحَقٌّ بِرَأْسِ الْمَالِ، كَمَالِ الْمُضَارَبَةِ إِذَا صَارَ أَعْيَانًا كُلُّ عَيْنٍ مِنْهَا يُسَاوِي
کیونکہ ہر ایک ان دونوں یعنی ماں اور ولد میں سے مستحق ہے راس المال کی وجہ سے جیسے مالِ مضاربت جب ہو جائے اعیان، جن میں ہر ایک برابر ہو

رَأْسَ الْمَالِ لَا يَظْهَرُ الرِّبْحُ كَذَا هَذَا ، فَإِذَا زَادَتْ قِيمَةُ الْغُلَامِ الْآنَ ظَهَرَ الرِّبْحُ فَنَفَذَتِ الدَّعْوَةُ السَّابِقَةُ،
راس المال کے، تو ظاہر نہ ہوگا نفع، اسی طرح یہ ہے، پھر جب بڑھ گئی غلام کی قیمت تو اب ظاہر ہوگا نفع، پس نافذ ہو جائے گا سابقہ دعوی۔

{2} بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْتَقَ الْوَلَدَ ثُمَّ ازْدَادَتِ الْقِيمَةُ . لِأَنَّ ذَلِكَ إِنْشَاءُ الْعِتْقِ ، فَإِذَا بَطَلَ لِعَدَمِ الْمِلْكِ
برخلاف اس کے جب مضارب آزاد کردے بچے کو، پھر بڑھ جائے اس کی قیمت؛ کیونکہ یہ انشاء عتق ہے پس جب باطل ہو گیا ملک نہ ہونے کی وجہ سے

لَا يَنْفُذُ بَعْدَ ذَلِكَ بِحُدُوثِ الْمِلْكِ ، أَمَّا هَذَا فَإِخْبَارٌ فَجَازَ أَنْ يَنْفُذَ عِنْدَ حُدُوثِ الْمِلْكِ كَمَا إِذَا أَقَرَّ
تو نافذ نہ ہوگا اس کے بعد حدوثِ ملک سے، رہا دعویٰ نسب تو یہ اخبار ہے، پس جائز ہے کہ نافذ ہو جائے حدوثِ ملک کے وقت، جیسے کوئی اقرار کرے

بِحُرِّيَّةِ عَبْدِ غَيْرِهِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ ، {3} وَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوَةُ وَثَبَتَ النَّسَبُ عَتَقَ الْوَلَدُ لِقِيَامِ مِلْكِهِ
غیر کے غلام کی آزادی کا، پھر خرید لے اس کو۔ پس جب صحیح ہوا دعوی اور ثابت ہوا نسب، تو آزاد ہوگا بچہ؛ مضارب کی ملک قائم ہونے کی وجہ سے

فِي بَعْضِهِ ، {4} وَلَا يَضْمَنُ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا مِنْ قِيمَةِ الْوَلَدِ لِأَنَّ عِتْقَهُ ثَبَتَ بِالنَّسَبِ وَالْمِلْكِ
بعض بچے میں۔ اور ضامن نہ ہوگا رب المال کے لیے کسی شی کا بچے کی قیمت میں سے؛ کیونکہ اس کی آزادی ثابت ہوگئی ہے نسب اور ملک سے،

وَالْمِلْكُ آخِرُهُمَا فَيُضَافُ إِلَيْهِ وَلَا صُنْعَ لَهُ فِيهِ ، {5} وَهَذَا ضَمَانُ إِعْتَاقٍ
اور ان دونوں میں سے ملک مؤخر ہے، پس منسوب ہوگا حکم اسی کی طرف، اور کوئی عمل نہیں مضارب کا اس میں، اور یہ ضمان اعتاق ہے،

فَلَا بُدَّ مِنَ التَّعَدِّي وَلَمْ يُوجَدْ {6} وَلَهُ أَنْ يَسْتَسْعِيَ الْغُلَامَ ؛ لِأَنَّهُ احْتُبِسَتْ مَالِيَّتُهُ عِنْدَهُ،
پس ضروری ہے تعدی، جو نہیں پائی گئی، اور رب المال اگر چاہے تو کمائی کرائے غلام سے؛ کیونکہ رُک گئی اس کی مالیت غلام کے پاس،

وَلَهُ أَنْ يُعْتِقَ لِأَنَّ الْمُسْتَسْعَى كَالْمُكَاتَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَيَسْتَسْعِيهِ
اور اس کو اختیار ہے کہ آزاد کردے؛ کیونکہ مستسعیٰ غلام مکاتب کی طرح ہے امام صاحبؒ کے نزدیک۔ اور کمائی کرائے اس سے

فِي أَلْفٍ وَمِائَتَيْنِ وَخَمْسِينَ ، لِأَنَّ الْأَلْفَ مُسْتَحَقٌّ بِرَأْسِ الْمَالِ وَالْخَمْسَمِائَةَ رِبْحٌ وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا فَلِهَذَا يَسْعَى
ساڑھے بارہ سو میں؛ کیونکہ ہزار تو واجب ہیں راس المال کی وجہ سے، اور پانچ سو نفع ہے، اور نفع دونوں میں مشترک ہے، اس لیے کمائی کرے گا

لَهُ فِي هَذَا الْمِقْدَارِ . {7} ثُمَّ إِذَا قَبَضَ رَبُّ الْمَالِ الْأَلْفَ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُدَّعِيَ نِصْفَ قِيمَةِ الْأُمِّ

رب المال کے لیے اس مقدار میں۔ پھر جب قبض کر دے رب المال ہزار، تو اس کو اختیار ہے کہ ضامن بنائے مدعی کو ماں کی نصف قیمت کا؛

لِأَنَّ الْأَلْفَ الْمَأْخُوذَ لَمَّا اُسْتُحِقَّ بِرَأْسِ الْمَالِ لِكَوْنِهِ مُقَدَّمًا فِي الِاسْتِيفَاءِ ظَهَرَ أَنَّ الْجَارِيَةَ كُلَّهَا رِبْحٌ

کیونکہ ماخوذ ہزار جب مستحق ہو گئے راس المال ہونے کی وجہ سے؛ بوجہ اس کے مقدم ہونے کے وصولی میں تو ظاہر ہو گیا کہ پوری باندی نفع ہے،

فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا، {8} وَقَدْ تَقَدَّمَتْ دَعْوَةٌ صَحِيحَةٌ لِاحْتِمَالِ الْفِرَاشِ الثَّابِتِ بِالنِّكَاحِ وَتَوَقَّفَ نَفَاذُهَا لِفَقْدِ الْمِلْكِ،

پس ہو گی باندی دونوں میں مشترک، اور پہلے صحیح دعوی ہو چکا؛ فراش ثابت بالنکاح کے احتمال کی وجہ سے اور موقوف رہا اس کا نفاذ ملک نہ ہونے کی وجہ سے،

فَإِذَا ظَهَرَ الْمِلْكُ نَفَذَتْ تِلْكَ الدَّعْوَةُ وَصَارَتِ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَيَضْمَنُ نَصِيبَ رَبِّ الْمَالِ لِأَنَّ هَذَا ضَمَانُ

پس جب ظاہر ہو گئی ملک تو نافذ ہو گا وہ دعوی، اور ہو جائے گی باندی مضارب کی ام ولد، اور ضامن ہو گا رب المال کے حصے کا؛ کیونکہ یہ ضمان ہے

تَمَلُّكٍ وَضَمَانُ التَّمَلُّكِ لَا يَسْتَدْعِي صُنْعًا كَمَا إِذَا اسْتَوْلَدَ جَارِيَةً بِالنِّكَاحِ ثُمَّ مَلَكَهَا هُوَ

مالک ہونے کا، اور مالک ہونے کا ضمان تقاضا نہیں کرتا ہے عمل کا جیسا کہ جب ام ولد بنائے باندی کو نکاح سے، پھر مالک ہو جائے اس کا وہ

وَغَيْرُهُ وِرَاثَةً يَضْمَنُ نَصِيبَ شَرِيكِهِ كَذَا هَذَا؛ بِخِلَافِ ضَمَانِ الْوَلَدِ عَلَى مَا مَرَّ.

اور دوسرا شخص بطورِ وراثت، تو ضامن ہو گا اپنے شریک کے حصے کا، اسی طرح یہ ہے، بر خلافِ بچے کے ضمان کے جیسا کہ گذر چکا۔

تشریح:۔ {1} اگر مضارب کے پاس ہزار درہم مضاربت کے نصف نفع پر ہوں پس اس نے ان ہزار درہم کے عوض ہزار درہم قیمت کی ایک باندی خریدی پھر اس سے وطی کی پھر وہ ایک ایسا بچہ جن گئی جو ہزار درہم قیمت کے برابر ہے پھر مضارب نے اس بچہ کے نسب کا دعوی کیا، پھر اس بچے کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ ہزار درہم ہو گئی، اور حال یہ ہے کہ مدعی (مضارب) مالدار ہے تو رب المال کو اختیار ہے کہ چاہے اس بچے سے ایک ہزار دو سو پچاس دراہم کی کمائی کرا کے وصول کر لے اور چاہے تو اسے مفت آزاد کر دے، مگر مضارب سے تاوان نہیں لے سکتا باوجود کہ وہ آزاد کرنے والا ہے؛ کیونکہ ظاہر میں اس کا نسب کا دعوی کرنا صحیح ہے؛ اس لیے کہ مدعی اس دعوی کا اہل ہے پس اس کو فراشِ نکاح پر حمل کیا جائے گا یعنی کہا جائے گا کہ پہلے بائع نے باندی کا نکاح مضارب کے ساتھ کر لیا ہے پھر مضارب کے ہاتھ فروخت کر دی مضارب نے اس کے ساتھ وطی کر لی جس سے یہ بچہ پیدا ہوا، لیکن آزادی کے حق میں یہ دعوی نافذ نہ ہو گا یعنی فقط اس کے دعوی سے بچہ آزاد نہ ہو گا؛ کیونکہ آزادی کی شرط یعنی ملکیت مفقود ہے؛ کیونکہ نفع ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے مضارب کی کوئی ملکیت نہیں ہے اس لیے کہ یہ بچہ اور اس کی ماں میں سے ہر ایک رأس المال کی وجہ سے ربّ المال کے لیے مستحق اور واجب ہے جیسے اس صورت میں کہ مال مضاربت (نقد) بوجہ خرید وغیرہ کے اعیان ہو جائے اور ان اعیان میں سے ہر ایک قیمت کے اعتبار سے رأس المال کے برابر ہو مثلاً ہزار درہم رأس المال کے عوض دو غلام خریدے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ہزار درہم ہے

تو نفع ظاہر نہیں ہوا کرتا ہے، اسی طرح باندی اور اس کے بچے کی وجہ سے بھی نفع ظاہر نہ ہوگا۔ پھر جب اس غلام کی قیمت بڑھ گئی یعنی ہزار درہم رأس المال سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار درہم ہو گئی تو اب نفع ظاہر ہو گیا، پس مضارب کا دعوی نسب جو اس نے پہلے کیا تھا اب نافذ ہو جائے گا اور بچہ آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ مانع (عدم الملک) نہ رہا۔

{2} اور یہ بات صرف دعوی نسب میں ہے آزاد کرنے میں نہیں ہے چنانچہ اگر مضارب نے پہلے بجائے نسب کے دعوی کرنے کے اس کو آزاد کیا تو قیمت بڑھ جانے کے بعد اس کا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا؛ کیونکہ آزاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ جدید آزادی پیدا کر دے مگر جدید آزادی ملک نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور جب آزاد کرنا باطل ہو گیا تو اس کے بعد ملک پیدا ہو جانے سے پہلا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا، اور رہا دعوی نسب تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ نسب بالفعل ایجاد کیا بلکہ یہ خبر دینا ہے کہ اس کا نسب مجھ سے ثابت ہے تو ملک پیدا ہو جانے کے وقت یہ دعوی نافذ ہو سکتا ہے جیسے اگر کسی غیر کے غلام کے بارے میں اقرار کیا کہ یہ آزاد ہے تو بوجہ ملک نہ ہونے کے یہ اقرار باطل ہے پھر اس نے اس غلام کو اس کے مولیٰ سے خرید لیا تو اس کی ملک پیدا ہو جانے سے اس کا اقرار سابق نافذ ہو جائے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ اقرار کا معنی خبر دینا ہے یعنی زمانہ سابق میں جو بات ثابت ہوئی ہے اس کی خبر دینا ہے، پس گویا اس نے کہا کہ اس غلام میں عتق ثابت ہو چکا ہے لیکن غیر کی ملکیت پر یہ اقرار نافذ نہ ہوا اور جب خود اس کی ملکیت موجود ہوئی تو اس کا اقرار اس پر حجت ہو جائے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا۔

{3} اسی طرح جب مضارب نے کہا کہ اس غلام کا نسب مجھ سے ثابت ہو چکا ہے یعنی حلال طور پر یہ میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے تو جب تک یہاں مضارب کی کچھ ملکیت نہ تھی تب تک اس کا اقرار لغو تھا اور جب نفع کی وجہ سے اس کی شرکت ہو گئی تو اس کا دعوی نسب صحیح ہو گیا۔ پھر جب مضارب کا دعوی صحیح ہوا اور نسب ثابت ہو گیا تو یہ غلام جس کو وہ اپنا بیٹا کہتا ہے آزاد ہو گیا؛ کیونکہ مضارب اس کے بعض جزء کا مالک ہو گیا ہے۔

{4} اور مضارب رب المال کے لیے اس بیٹے کی قیمت میں سے کچھ کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا آزاد ہونا نسب اور ملک کی وجہ سے ثابت ہوا یعنی آزادی کا سبب دو باتیں ہیں نسب اور ملک، اور ان دونوں میں سے آخری بات ملک ہے؛ کیونکہ ملک نسب ثابت ہونے کے بعد ثابت ہوتی ہے پس آزادی کا حکم اسی کی طرف مضاف ہوگا یعنی گویا ملک کی وجہ سے آزاد ہوا اور ملک حاصل ہونے میں مضارب کا کوئی فعل اختیاری نہیں ہے یعنی خود بخود قیمت بڑھ کر نفع ثابت ہو کر اس کی ملکیت پیدا ہو گئی اس لیے مضارب کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

{5} اور چونکہ یہ آزاد کرنے کا تاوان ہے تو اس تاوان کے لیے تعدی اور حد سے تجاوز کرنا ضروری ہے یعنی ناحق کوئی ایسی اختیاری حرکت کرے جس سے یہ نقصان پیدا ہو، حالانکہ مضارب کی طرف سے ایسی کوئی حرکت پائی نہیں گئی ہے اس لیے مضارب ضامن بھی نہ ہوگا، بلکہ مال کے مالک کا استحقاق صرف غلام سے متعلق رہا جس کے بارے میں مضارب نے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

{6} اور رب المال کو یہ اختیار ہوگا کہ غلام سے کمائی کرائے؛ کیونکہ غلام کی مالیت غلام کے پاس اس کے آزاد ہو جانے کی وجہ سے رُک گئی ہے۔ اور رب المال کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنا حصہ بھی آزاد کر دے؛ کیونکہ جس غلام پر کمائی کرنا واجب ہو وہ امام صاحبؒ کے نزدیک مکاتب کی طرح ہے یعنی مکاتب کی طرح آزادی کو قبول کرتا ہے اس لیے اسے آزاد کرنا صحیح ہے۔ پھر اگر رب المال نے اس سے کمائی کرانا اختیار کیا تو ایک ہزار دو سو پچاس درہم کی کمائی کرائے گا؛ کیونکہ ہزار درہم تو بوجہ رأس المال کے واجب ہیں اور چونکہ پانچ سو درہم نفع ہوا اور وہ رب المال اور مضارب کے درمیان نصف نصف تھا تو رب المال کے لیے نصف نفع یعنی دو سو پچاس درہم کی بھی کمائی کرے گا، لہٰذا کمائی کی کل مقدار ایک ہزار دو سو پچاس درہم ہے۔

{7} پھر جب رب المال نے ایک ہزار درہم اس غلام سے وصول کیے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مضارب جو اس غلام کے نسب کا مدعی ہے سے اس غلام کی ماں (باندی) کی نصف قیمت واپس لے؛ کیونکہ جب ہزار درہم واجب رأس المال بچے سے وصول ہو چکے بلکہ دو سو پچاس درہم نفع بھی لیا گیا، البتہ رأس المال پہلے لیا گیا؛ کیونکہ اس کا حاصل ہونا مقدم ہے تو اس کے وصول کرنے کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ پوری باندی نفع ہے اس لیے وہ بھی شرط کے موافق دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی۔

{8} مگر شرکت چھوڑ کر نصف قیمت اس لیے لے گا کہ مضارب نے اس سے پہلے نسب کا دعویٰ صحیح کیا تھا؛ کیونکہ احتمال ہے کہ نکاح کی وجہ سے یہ باندی اس کی فراش ہو یعنی جس باندی کو اس نے رب المال کے مال سے خریدا ہے شاید وہ اس سے پہلے اس کی منکوحہ ہو جس کے بچہ کے نسب کا وہ دعویٰ کرتا ہے تو دعویٰ صحیح ہے، البتہ اس کا نافذ ہونا ابھی تک موقوف رہا؛ کیونکہ ملکیت مفقود ہے۔ پھر جب مضارب کی ملکیت ظاہر ہوگئی یعنی بچہ کی قیمت بڑھنے سے اس کا نفع اس کے لیے ثابت ہوگیا تو دعویٰ نسب نافذ ہو جائے گا اور یہ باندی مضارب کی ام ولد ہو جائے گی اور وہ رب المال کے لیے اپنی ام ولد کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ یہ ملکیت حاصل ہونے کا ضمان ہے اور مِلک حاصل ہونے کا ضمان اس کے کسی فعل کو نہیں چاہتا ہے بلکہ مِلک پر اس کا مدار ہے اور ملک اس کو حاصل ہے اس لیے وہ اصل مالک کے لیے ضامن ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے کوئی فعل نہ کیا ہو جیسے کوئی اپنے باپ وغیرہ میں سے کسی کی باندی سے نکاح کرکے اس کو ام ولد بنائے یعنی اس کا بچہ پیدا ہو پھر یہ شخص کسی دوسرے وارث کے ساتھ بطورِ وراثت کے اس باندی کا مالک ہو جائے تو اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ یہ ضمانِ مِلک ہے جو ملک پر موقوف ہے اس کے کسی فعل کو نہیں

چاہتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہے۔ اور بیٹے کا ضمان اس کے بر خلاف ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا ہے یعنی بیٹے کی قیمت میں سے کچھ کا ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ ضمان اعتاق میں تعدی کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں پائی گئی اس لیے اس پر ضمان بھی نہ ہوگا۔

## بَابُ الْمُضَارِبِ يُضَارِبُ

یہ باب ایسے مضارب کے بیان میں ہے جو دوسرے کو مضارب بنائے۔

مصنف ؒ رب المال کے مضارب بنانے کے بیان سے فارغ ہوگئے تو مضارب کے مضارب بنانے کے بیان کو شروع فرمایا ہے جس کو اصل مضارب مال مضاربت پر دیدے، اور رب المال کا مضارب بنانا اول ہے اور مضارب کا مضارب بنانا ثانی ہے اور اول ہمیشہ ثانی سے مقدم ہوتا ہے اس لیے بیان احکام میں بھی اول کو مقدم رکھا۔

{1}قَالَ : وَإِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ إلَى غَيْرِهِ مُضَارَبَةً وَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ رَبُّ الْمَالِ لَمْ يَضْمَنْ بِالدَّفْعِ
فرمایا: اور جب دیدے مضارب مال دوسرے کو مضاربت پر، حالانکہ اجازت نہیں دی ہے اس کو رب المال نے، تو ضامن نہ ہوگا دینے سے،

وَلَا يَتَصَرَّفُ الْمُضَارِبُ الثَّانِي حَتَّى يَرْبَحَ ، فَإِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْأَوَّلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَهَذَا رِوَايَةُ الْحَسَنِ
اور نہ مضارب ثانی کے تصرف کرنے سے یہاں تک کہ وہ نفع کمائے، پس جب نفع کمائے تو ضامن ہوگا اول رب المال کے لیے، اور یہ حسن ؒ کی روایت ہے

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ .{2}وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : إذَا عَمِلَ بِهِ ضَمِنَ رَبِحَ أَوْ لَمْ يَرْبَحْ ، وَهَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ
امام صاحب ؒ سے، اور صاحبین ؒ فرماتے ہیں: کہ جب کام کرے اس سے تو ضامن ہوگا نفع کمائے یا نہ کمائے، اور یہ ظاہر الروایت ہے،

وَقَالَ زُفَرُ:يَضْمَنُ بِالدَّفْعِ عَمِلَ أَوْلَمْ يَعْمَلْ،وَهُوَرِوَايَةٌعَنْ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ لَهُ الدَّفْعُ عَلَى وَجْهِ الْإِيدَاعِ،
اور فرمایا امام زفر ؒ نے: ضمان ہوگا دینے سے، عمل کرے یا نہ کرے، اور یہ مروی ہے امام ابو یوسف ؒ سے؛ کیونکہ اس کا اختیار بطورِ ودیعت دینا ہے

وَهَذَا الدَّفْعُ عَلَى وَجْهِ الْمُضَارَبَةِ .{3}وَلَهُمَا أَنَّ الدَّفْعَ إيدَاعٌ حَقِيقَةً ، وَإِنَّمَا يَتَقَرَّرُ
جبکہ یہ دینا بطورِ مضاربت ہے۔ اور صاحبین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے مضارب کو دینا درحقیقت ودیعت دینا ہے، اور متقرر ہو جاتا ہے

كَوْنُهُ لِلْمُضَارَبَةِ بِالْعَمَلِ فَكَانَ الْحَالُ مُرَاعًى قَبْلَهُ .{4}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الدَّفْعَ قَبْلَ الْعَمَلِ إيدَاعٌ
مضاربت کے لیے ہونا کام کرنے سے، پس کام سے پہلے حال ملحوظ ہوگا۔ اور امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ دینا کام سے پہلے ودیعت دینا ہے،

وَبَعْدَهُ إبْضَاعٌ ، وَالْفِعْلَانِ يَمْلِكُهُمَا الْمُضَارِبُ فَلَا يَضْمَنُ بِهِمَا ، إلَّا أَنَّهُ إذَا رَبِحَ فَقَدْ أَثْبَتَ
اور کام کے بعد بضاعت دینا ہے اور ان دونوں کاموں کا مالک ہے مضارب، پس ضامن نہ ہوگا ان دونوں سے، مگر یہ کہ نفع کمائے، تو ثابت کر دی

لَهُ شَرِكَةٌ فِي الْمَالِ فَيَضْمَنُ كَمَا لَوْ خَلَطَهُ بِغَيْرِهِ ،{5}وَهَذَا إِذَا كَانَتِ الْمُضَارَبَةُ صَحِيحَةً،
اس کی شرکت مال میں، پس ضامن ہوگا جیسا کہ اگر وہ خلط کردے اس کو دوسرے کے مال سے، اور یہ اس وقت ہے کہ مضاربت صحیح ہو،

فَإِنْ كَانَتْ فَاسِدَةً لَا يَضْمَنُهُ الْأَوَّلُ ، وَإِنْ عَمِلَ الثَّانِي لِأَنَّهُ أَجِيرٌ فِيهِ وَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ فَلَا تَثْبُتُ
اور اگر وہ فاسد ہو تو ضامن نہ ہوگا اس کا اول اگرچہ کام کرے ثانی؛ کیونکہ وہ اجیر ہے اس میں، اور اس کے لیے اجرتِ مثل ہوگی، پس ثابت نہ ہوگی

الشَّرِكَةُ بِهِ .{6}ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ يَضْمَنُ الْأَوَّلُ وَلَمْ يَذْكُرِ الثَّانِيَ .وَقِيلَ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَضْمَنَ الثَّانِي
شرکت اس سے۔ پھر ذکر کیا ہے کتاب میں کہ ضامن ہوگا اول، اور ذکر نہیں کیا دوسرے کا، اور کہا گیا ہے کہ چاہیے کہ ضامن نہ ہو ثانی

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا يَضْمَنُ بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِهِمْ فِي مُودَعِ الْمُودَعِ{7}وَقِيلَ رَبُّ الْمَالِ بِالْخِيَارِ
امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے نزدیک ضامن ہو؛ ان کے اختلاف کی بناء پر مودع کے مودع میں، اور کہا گیا ہے کہ رب المال کو اختیار ہے

إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الثَّانِيَ بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ الْمَشْهُورُ ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا ظَاهِرٌ
اگر چاہے تو ضامن بنائے اول کو اور اگر چاہے تو ضامن بنائے ثانی کو بالاجماع، اور یہی مشہور ہے، اور یہ صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے،

وَكَذَا عِنْدَهُ ، وَوَجْهُ الْفَرْقِ لَهُ بَيْنَ هَذِهِ وَبَيْنَ مُودَعِ الْمُودَعِ أَنَّ الْمُودَعَ الثَّانِيَ يَقْبِضُهُ
اور اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک، اور وجہ فرق امام صاحبؒ کے لیے اس میں اور مودع المودع میں یہ ہے کہ دوسرا مودع اس کو قبض کرتا ہے

لِمَنْفَعَةِ الْأَوَّلِ فَلَا يَكُونُ ضَامِنًا ، أَمَّا الْمُضَارِبُ الثَّانِي يَعْمَلُ فِيهِ لِنَفْعِ نَفْسِهِ فَجَازَ أَنْ يَكُونَ ضَامِنًا.
اول کی منفعت کے لیے، پس وہ ضامن نہ ہوگا، رہا مضاربِ ثانی تو وہ عمل کرتا ہے اس میں اپنے نفع کے لیے، پس جائز ہے کہ وہ ضامن ہو۔

{8}ثُمَّ إِنْ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ بَيْنَ الْأَوَّلِ وَبَيْنَ الثَّانِي وَكَانَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا
پھر اگر رب المال نے ضمان لے لیا اول سے تو صحیح ہو جائے گی مضاربت اول اور ثانی کے درمیان، اور نفع ان دونوں کے درمیان اس کے مطابق ہوگا

شَرَطَا لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ حِينِ خَالَفَ
جو انہوں نے شرط کیا ہے؛ کیونکہ ظاہر ہوا کہ مضاربِ اول مالک ہوا اس مال کا ضمان دینے سے اس وقت سے جس وقت مخالفت کی

بِالدَّفْعِ إِلَى غَيْرِهِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي رَضِيَ بِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا دَفَعَ مَالَ نَفْسِهِ ،{9}وَإِنْ ضَمَّنَ الثَّانِي
دوسرے کو دینے سے، نہ اس طور پر کہ راضی تھا اس پر رب المال، پس ہو گیا جیسا کہ جب دیدے اپنا مال، اور اگر ضمان لیا ثانی سے

رَجَعَ عَلَى الْأَوَّلِ بِالْعَقْدِ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ كَمَا فِي الْمُودَعِ وَلِأَنَّهُ مَغْرُورٌ
تو رجوع کرے گا اول پر عقد کی وجہ سے؛ کیونکہ وہ کام کرنے والا ہے اس کے لیے جیسا کہ مودع میں، اور اس لیے کہ وہ دھوکہ شدہ ہے

مِنْ جِهَتِهِ فِي ضِمْنِ الْعَقْدِ .{10}وَتَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا لِأَنَّ قَرَارَ الضَّمَانِ

اول کی طرف سے عقد کے ضمن میں، اور صحیح ہوگی مضاربت، اور نفع ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگا؛ کیونکہ تاوان کا قرار

عَلَى الْأَوَّلِ فَكَأَنَّهُ ضَمِنَهُ ابْتِدَاءً ، وَيَطِيبُ الرِّبْحُ لِلثَّانِي وَلَا يَطِيبُ لِلْأَعْلَى لِأَنَّ الْأَسْفَلَ

اول پر ہے، پس گویا رب المال نے تاوان لیا اول سے ابتداء، اور پاکیزہ ہوگا نفع ثانی کے لیے، اور پاکیزہ نہ ہوگا اوپر والے کے لیے؛ کیونکہ نیچے والا

يَسْتَحِقُّهُ بِعَمَلِهِ وَلَا خُبْثَ فِي الْعَمَلِ، وَالْأَعْلَى يَسْتَحِقُّهُ بِمِلْكِهِ الْمُسْتَنَدِ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ خُبْثٍ

مستحق ہوا ہے نفع کا اپنے عمل کی وجہ سے، اور کوئی خبث نہیں عمل میں، اور اوپر والا مستحق ہوا ہے اس کا اپنی اس ملک کی وجہ سے

جو منسوب ہے اداء ضمان کی طرف، پس خالی نہ ہوگا ایک طرح کے خبث سے۔

تشریح:۔ {1} اگر مضارب نے اپنا مال مضاربت دوسرے شخص کو مضاربت پر دیدیا حالانکہ ربّ المال نے اس کو یہ اجازت نہیں دی تھی تو مضارب دوسرے کو فقط مال دینے سے ضامن نہ ہوگا، اور نہ دوسرے مضارب کے فقط تصرف کرنے سے ضامن ہوگا جب تک کہ دوسرا مضارب نفع نہ کمائے، پس جب دوسرا مضارب نفع کمائے تو پہلا مضارب ربّ المال کے لیے رأس المال کا ضامن ہو جائے گا، یہ حضرت حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے۔

{2} اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب دوسرا مضارب مال سے کام شروع کرے تو مضارب اول ربّ المال کے لیے ضامن ہو جائے گا خواہ دوسرے مضارب نے نفع کمایا ہو یا نہ کمایا ہو، اور یہی ظاہر الروایت ہے۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ فقط دوسرے مضارب کو مال دینے سے پہلا مضارب ضامن ہو جائے گا خواہ دوم نے کام کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور یہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے جس کی طرف امام ابو یوسفؒ نے رجوع فرمایا ہے؛ اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ پہلے مضارب کا مملوک امر اور اس کا اختیار فقط اتنا ہے کہ وہ بطورِ ودیعت مال کسی کو دے سکتا ہے جبکہ یہاں دوسرے مضارب کو جو دیا جارہا ہے یہ بطورِ مضاربت ہے اور ربّ المال کی اجازت کے بغیر دوسرے کو بطورِ مضاربت دینا ربّ المال کے حکم کی مخالفت ہے اور ربّ المال کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے مضارب ضامن ہو جاتا ہے۔

{3} صاحبینؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے مضارب کو مال دینا در حقیقت اس کے قبضہ میں ودیعت دینا ہے اور مضاربت کے لیے ہو جانا تب متقرر اور ثابت ہو جاتا ہے جب دوسرا مضارب اس مال سے کارِ مضاربت شروع کرے تو کام شروع کرنے سے پہلے حالت موقوف ہوگی پس اگر بغیر کام واپس دیا تو ضمان واجب نہ ہوگا اور اگر کام کیا تو مضاربِ اول ضامن ہوگا۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال دینا کام سے پہلے ودیعت رکھنے کے معنی میں ہے اور کام کرنے کے بعد بضاعت دینا ہے گا اور مضارب اول کو ان دونوں کا اختیار ہے یعنی مالِ مضاربت دوسرے کے پاس بطورِ ودیعت بھی رکھ سکتا ہے اور بطورِ بضاعت بھی

دے سکتا ہے لہٰذا مضارب ان دونوں کاموں سے ضامن نہ ہوگا، مگر جب دوسرے مضارب نے نفع کمایا تو مال میں اس کی شرکت ثابت ہوگئی تو مضارب اول ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے رب المال کے نفع میں غیر کو شریک کردیا اس لیے ضامن ہوگا جیسے اگر پہلے مضارب نے مال مضاربت کسی دوسرے کے مال کے ساتھ خلط کردیا تو مضارب ضامن ہوجاتا ہے اسی طرح نفع میں غیر کو شریک کرنے سے بھی ضامن ہوجائے گا۔

فتوی:۔صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:(فان ضارب المضارب بلا اذن فلا ضمان) بالدفع (مالم یعمل الثانی)ربح اولا(فی ظاهر الروایة) وبه یفتی ،لوالثانیة صحیحة کما یاتی (وهو قولهما و فی روایة الحسن عن الامام لایضمن بالعمل ایضاً ما لم یربح)(الدّر المنتقی تحت مجمع الانهر:3/453)

{5} یہ سب اس صورت میں ہے کہ دوسری مضاربت صحیح ہو اور اگر دوسری مضاربت فاسد ہو تو اول مضارب رب المال کے مال کا ضامن نہ ہوگا اگرچہ دوسرا مضارب اس سے کام شروع کردے؛ کیونکہ دوسرا مضارب اس کام میں مزدور ہے اور اس کو اپنے کام کی اجرتِ مثل ملے گی تو اس کے کام شروع کرنے اور نفع کمانے سے اصل مال میں اس کی کوئی شرکت ثابت نہ ہوگی لہٰذا پہلا مضارب ضامن بھی نہ ہوگا۔

{6} پھر کتاب (مختصر القدوری) میں یہ ذکر فرمایا کہ اول مضارب ضامن ہوگا اور دوسرے مضارب کا ذکر نہیں کیا ہے۔اور اس میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چاہیے کہ دوسرا مضارب ضامن نہ ہو، اور صاحبینؒ کے نزدیک ضامن ہوگا یہ اس لیے کہ ائمہ کا مودَع المودَع میں اختلاف ہے یعنی اگر ایک شخص نے زید کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اور زید نے بکر کے پاس وہ چیز ودیعت رکھی اور بکر نے اس ودیعت کو تلف کردیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک زید پر ضمان ہوگا بکر ضامن نہ ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک ودیعت رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو زید سے ضمان لے اور چاہے تو بکر سے ضمان لے اسی پر قیاس کرتے ہوئے مضاربت میں رب المال کو اختیار ہوگا کہ چاہے اول مضارب سے ضمان لے اور چاہے تو دوسرے سے ضمان لے، یہ تو بعض مشائخ نے قیاس کیا ہے۔

{7} اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ رب المال کو اختیار ہے کہ چاہے اول مضارب سے تاوان لے اور چاہے دوم مضارب سے ضمان لے اور یہی قول مشہور ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک تو یہ حکم ظاہر ہے؛ کیونکہ صاحبینؒ ودیعت رکھنے والے کو دونوں سے ضمان لینے کا اختیار دیتے ہیں تو اسی طرح مضاربت کی صورت میں بھی رب المال کو دونوں سے ضمان لینے کا اختیار ہوگا۔اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک بھی یہی ظاہر ہے یعنی امام صاحبؒ ودیعت کی صورت میں مالکِ ودیعت

کو دوسرے مودَع سے ضمان لینے کا اختیار نہیں دیتے ہیں، مگر مضاربت کی صورت میں دوسرے مضارب سے ضمان لینے کا اختیار دیتے ہیں؛ اور امام صاحبؒ کے نزدیک مودع المودَع اور مضارب المضارب میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا مودَع تو مال کو اول مودع کی منفعت کے لیے لیتا ہے اپنی ذات کا نفع مقصود نہیں ہے اس لیے دوم مودَع ضامن نہ ہوگا، رہا دوسرا مضارب تو وہ مال میں اپنے ذاتی نفع کے لیے کام کرتا ہے اس لیے وہ ضامن ہوگا۔

فتویٰ:۔ بعض مشائخ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:( وحیث ضمّن ) بتشدید المیم و لو باستهلاک الثانی (للرب المال تضمین أیهما شاء) باجماع أصحابنا (فی المشهور) من المذهب و اختاره فی الاختیار و غیره، و لیس له اختیار اخذ الربح (الدّر المنتقی تحت مجمع الانہر:454/3)

{8} پھر اگر مال کے مالک نے اول مضارب سے ضمان لے لیا تو اول مضارب اور دوم مضارب میں جو عقد مضاربت قرار پایا ہے وہ صحیح ہوگا اور نفع ان دونوں کے درمیان شرط کے موافق مشترک ہوگا؛ کیونکہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اول مضارب اس مال کا تاوان دے کر اس کا مالک ہو گیا اور یہ ملکیت اسی وقت سے حاصل ہوئی جس وقت سے کہ اول مضارب نے دوسرے مضارب کو یہ مال مضاربت پر دیا تھا؛ کیونکہ دوسرے مضارب کو ایسے طور پر یہ مال دیا تھا کہ جس سے رب المال راضی نہیں ہوا تھا جس کی وجہ سے اول مضارب ربّ المال کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہوا اس لیے وہ مالِ مضاربت کا ضامن ہو گیا، پس جب مضاربِ اول کی ملکیت اسی وقت سے حاصل ہوئی تو گویا ایسا ہو گیا کہ اول مضارب نے اپنا ذاتی مال دوسرے مضارب کو دیا ہے اس لیے دوسری مضاربت صحیح ہے اور نفع ان دونوں کے درمیان شرط کے موافق مشترک ہوگا۔

{9} اور اگر مال کے مالک نے دوسرے مضارب سے تاوان لیا تو دوسرا مضارب اس مال کو اول مضارب سے بسببِ عقد کے واپس لے گا؛ کیونکہ دوسرا مضارب تو اول کے لیے کام کرتا ہے جیسے غصب کرنے والے نے مغصوب چیز کسی کے پاس بطورِ ودیعت رکھی اور اصل مالک نے اس مودَع سے مغصوب کا ضمان لیا تو مودَع اس کو غاصب سے واپس لے گا اسی طرح دوسرا مضارب اول سے اس مال کو واپس لے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دوسرا مضارب تو عقدِ مضاربت کے ضمن میں اول مضارب کی طرف سے دھوکہ کھایا ہے اور عقد کے ضمن میں دھوکہ شدہ شخص دھوکہ دینے والے سے واپس لے گا اس لیے وہ یہ مال مضاربِ اول سے واپس لے گا۔

{10} اور دوسری مضاربت صحیح رہے گی، اور کمایا گیا نفع مضاربِ اول وثانی کے درمیان شرط کے موافق مشترک ہوگا؛ کیونکہ تاوان کا ثبوت تو درحقیقت مضاربِ اول پر ہے تو گویا رب المال نے ابتداء سے تاوان اسی سے لے لیا ہے اس لیے مضاربِ اول وثانی کے درمیان مضاربت صحیح ہے۔ اور دوسرے مضارب کے لیے نفع حلال ہوگا اور اعلیٰ (مضاربِ اول) کے لیے نفع پاکیزہ نہیں

ہے؛ کیونکہ اسفل (مضارب دوم) تو اپنے کام کی وجہ سے نفع کا مستحق ہے اور اس کے کام میں کوئی خبث نہیں ہے اس لیے نفع اس کے لیے حلال ہوگا، اور مضارب اول کو نفع کا استحقاق اس کی ملکیت کی وجہ سے ہے اور اس کی ملکیت اداءِ تاوان کی طرف منسوب ہے پس یہ ملک من وجہ ثابت ہے اور من وجہ ثابت نہیں ہے؛ کیونکہ در حقیقت تو اس نے تاوان ایک زمانہ کے بعد ادا کیا ہے تو اداءِ ضمان اس کا تقاضا کرتا ہے کہ ابتداء سے اس کی ملکیت ثابت کی جائے پس ایک اعتبار سے اس کی ملکیت در حقیقت ثابت نہ تھی، اور تاوان ادا کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے پس یہ ایک طرح کا خبث ہے اس لیے مضاربِ اول کے لیے نفع پاکیزہ نہیں ہے لہٰذا اسے صدقہ کرے۔

{1} قَالَ : فَإِذَا دَفَعَ رَبُّ الْمَالِ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ وَأَذِنَ لَهُ بِأَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى غَيْرِهِ فَدَفَعَهُ

فرمایا: اور اگر دیدیا مضارب کو رب المال نے نصف نفع کی مضاربت پر، اور اجازت دی اس کو کہ بطورِ مضاربت دے غیر کو، پس اس نے دیدیا دوسرے کو

بِالثُّلُثِ وَقَدْ تَصَرَّفَ الثَّانِي وَرَبِحَ ، فَإِنْ كَانَ رَبُّ الْمَالِ قَالَ لَهُ عَلَى أَنَّ مَا رَزَقَ اللَّهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ

ثلث نفع پر، اور تصرف کیا ثانی نے اور نفع کمایا، تو اگر رب المال نے اس سے کہا تھا: کہ جو نفع دے اللہ تعالیٰ وہ ہم میں نصفا نصف ہوگا،

فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَلِلْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ السُّدُسُ ؛ لِأَنَّ الدَّفْعَ إِلَى الثَّانِي مُضَارَبَةً

تو رب المال کے لیے نصف ہوگا، اور مضاربِ ثانی کے لیے ثلث، اور مضاربِ اول کے لیے سدس ہوگا؛ کیونکہ دوسرے کو دینا بطورِ مضاربت

قَدْ صَحَّ لِوُجُودِ الْأَمْرِ بِهِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ وَرَبُّ الْمَالِ شَرَطَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ جَمِيعِ مَارَزَقَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَمْ يَبْقَ

صحیح ہوا؛ دینے کا امر موجود ہونے کی وجہ سے مالک کی طرف سے، اور رب المال نے شرط کی ہے اپنے لیے نصف نفع تمام مرزوق سے، تو باقی نہ رہا

لِلْأَوَّلِ إِلَّا النِّصْفُ فَيَنْصَرِفُ تَصَرُّفُهُ إِلَى نَصِيبِهِ وَقَدْ جَعَلَ مِنْ ذَلِكَ بِقَدْرِ ثُلُثِ الْجَمِيعِ

اول کے لیے مگر نصف، پس پھرے گا اس کا تصرف اپنے حصے کی طرف، اور اس نے مقرر کر لیا اس میں سے کل نفع کے ثلث کے بقدر

لِلثَّانِي فَيَكُونُ لَهُ فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا السُّدُسُ ، {2} وَيَطِيبُ لَهُمَا ذَلِكَ لِأَنَّ فِعْلَ الثَّانِي

دوسرے کے لیے، تو ثلث دوسرے کے لیے ہوگا، پس نہیں باقی رہا مگر سدس، اور پاکیزہ ہوگا ان دونوں کے لیے یہ؛ کیونکہ دوسرے کا عمل

وَاقِعٌ لِلْأَوَّلِ كَمَنِ اسْتُؤْجِرَ عَلَى خِيَاطَةِ ثَوْبٍ بِدِرْهَمٍ وَاسْتَأْجَرَ غَيْرَهُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ

واقع ہوا ہے اول کے لیے جیسے مزدور رکھا کپڑا سینے کے لیے ایک درہم کے عوض، پس اس نے مزدور رکھا غیر کو اس کے لیے نصف درہم پر۔

{3} وَإِنْ كَانَ قَالَ لَهُ عَلَى أَنَّ مَا رَزَقَكَ اللَّهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَالْبَاقِي

اور اگر کہا مضارب اول سے: کہ جو کچھ نفع تجھے دیدے اللہ تعالیٰ، وہ ہم میں نصفا نصف ہوگا، تو مضاربِ ثانی کے لیے ثلث ہوگا، اور باقی

بَيْنَ الْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ وَرَبِّ الْمَالِ نِصْفَانِ ؛ لِأَنَّهُ فَوَّضَ إِلَيْهِ التَّصَرُّفَ وَجَعَلَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ مَا رُزِقَ الْأَوَّلُ

مضاربِ اول اور رب المال میں نصفا نصف ہوگا؛ کیونکہ رب المال نے سپرد کیا اس کو تصرف، اور شرط کیا اپنے لیے نصف اس کا جو اول کو نصیب ہو،

وَقَدْ رُزِقَ الثُّلُثَيْنِ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا ، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ جَعَلَ

حالانکہ نصیب ہوئے اول کو دو ثلث، پس وہ ان دونوں میں مشترک ہوں گے۔ برخلافِ اول صورت کے؛ کیونکہ رب المال نے شرط کیا

لِنَفْسِهِ نِصْفَ جَمِيعِ الرِّبْحِ فَافْتَرَقَا{4} وَلَوْ كَانَ قَالَ لَهُ فَمَا رَبِحْتَ مِنْ شَيْءٍ فَبَيْنِي

اپنے لیے کل نفع کا نصف، پس دونوں میں فرق ہو گیا۔ اور اگر رب المال نے کہا مضارب اول سے: کہ جو کچھ تو نفع کمائے تو وہ میرے

وَبَيْنَكَ نِصْفَانِ وَقَدْ دَفَعَ إلَى غَيْرِهِ بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي النِّصْفُ وَالْبَاقِي بَيْنَ الْأَوَّلِ وَرَبِّ الْمَالِ؛

اور تمہارے درمیان نصفا نصف ہوگا حالانکہ اول نے دیدیا دوسرے کو نصف پر، تو ثانی کے لیے نصف ہوگا، اور باقی اول اور رب المال میں برابر ہوگا؛

لِأَنَّ الْأَوَّلَ شَرَطَ لِلثَّانِي نِصْفَ الرِّبْحِ وَذَلِكَ مُفَوَّضٌ إلَيْهِ مِنْ جِهَةِ رَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّهُ .وَقَدْ جَعَلَ

کیونکہ اول نے شرط کیا تھا ثانی کے لیے نصف نفع، اور یہ مفوض تھا اس کو رب المال کی طرف سے، پس ثانی نصف کا مستحق ہوگا، اور شرط کر لیا

رَبُّ الْمَالِ لِنَفْسِهِ نِصْفَ مَا رَبِحَ الْأَوَّلُ وَلَمْ يَرْبَحْ إلَّا النِّصْفَ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا{5} وَلَوْ كَانَ قَالَ لَهُ

رب المال نے نصف اس کا جو کمائے اول، اور نہیں کمایا ہے اول نے مگر نصف، تو وہ دونوں کے درمیان ہوگا۔ اور اگر اس نے اول سے کہا:

عَلَى أَنَّ مَا رَزَقَ اللَّهُ تَعَالَى فَلِي نِصْفُهُ أَوْ قَالَ فَمَا كَانَ مِنْ فَضْلٍ فَبَيْنِي وَبَيْنَكَ نِصْفَانِ

کہ جو دیدے اللہ تعالیٰ اس کا آدھا میرے لیے ہوگا، یا کہا تھا اس سے: کہ جو کچھ فضل ہو وہ میرے اور تیرے درمیان نصفا نصف ہوگا،

وَقَدْ دَفَعَ إلَى آخَرَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي النِّصْفُ

حالانکہ اول نے دیدیا دوسرے کو مضاربت بالنصف پر، تو رب المال کے لیے نصف ہوگا اور مضاربِ ثانی کے لیے نصف ہوگا،

وَلَا شَيْءَ لِلْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ مُطْلَقِ الْفَضْلِ فَيَنْصَرِفُ شَرْطُ الْأَوَّلِ النِّصْفَ لِلثَّانِي

اور کچھ نہ ہوگا اول کے لیے؛ کیونکہ شرط کر لیا رب المال نے اپنے لیے مطلق فضل کا نصف، پس پھرے گا اول کا شرط کرنا ثانی کے لیے نصف کو

إلَى جَمِيعِ نَصِيبِهِ فَيَكُونُ لِلثَّانِي بِالشَّرْطِ وَيَخْرُجُ الْأَوَّلُ بِغَيْرِ شَيْءٍ ، كَمَنْ اُسْتُؤْجِرَ

اس کے پورے حصے کی طرف، پس نصف ہوگا دوسرے کے لیے شرط کرنے سے، اور خارج ہو جائے گا اول بغیر کسی شی کے، جیسے کوئی مزدوری پر لیا جائے

لِيَخِيطَ ثَوْبًا بِدِرْهَمٍ فَاسْتَأْجَرَ غَيْرَهُ لِيَخِيطَهُ بِمِثْلِهِ{6} وَإِنْ شَرَطَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِي

تاکہ سی لے کپڑا ایک درہم کے عوض، پس اس نے مزدوری پر لیا غیر کو تاکہ وہ سی لے کپڑا اسی کے مثل پر۔ اور اگر شرط کر لیا مضاربِ ثانی کے لیے

ثُلُثَيْ الرِّبْحِ فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي النِّصْفُ وَيَضْمَنُ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي سُدُسَ الرِّبْحِ فِي مَالِهِ

دو ثلث نفع، تو رب المال کے لیے نصف ہوگا اور مضاربِ ثانی کے لیے نصف، اور دیدے گا مضاربِ اول ثانی کو سدسِ نفع اپنے مال سے؛

لِأَنَّهُ شَرَطَ لِلثَّانِي شَيْئًا هُوَ مُسْتَحَقٌّ لِرَبِّ الْمَالِ فَلَمْ يَنْفُذْ فِي حَقِّهِ

کیونکہ اس نے شرط کرلی دوسرے مضارب کے لیے ایسی چیز جو مستحق ہے رب المال کے لیے، پس نافذ نہ ہوگی اس کی شرط رب المال کے حق میں

لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِبْطَالِ ،{7}لَكِنَّ التَّسْمِيَةَ فِي نَفْسِهَا صَحِيحَةٌ لِكَوْنِ الْمُسَمَّى مَعْلُومًا فِي عَقْدٍ يَمْلِكُهُ

اس لیے کہ اس میں اس کے حق کا ابطال ہے، لیکن فی نفسہ یہ مقرر کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ مسمّٰی معلوم ہے ایسے حق میں جس کا وہ مالک ہے،

وَقَدْ ضَمِنَ لَهُ السَّلَامَةَ فَيَلْزَمُهُ الْوَفَاءُ بِهِ ، وَلِأَنَّهُ غَرَّهُ

حالانکہ اول نے ضمانت کی دوسرے کے لیے سلامتی کی، پس لازم ہوگا اس پر پورا کرنا اس کا، اور اس لیے کہ اول نے دوسرے کو دھوکہ دیا

فِي ضِمْنِ الْعَقْدِ وَهُوَ سَبَبُ الرُّجُوعِ فَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ ، وَهُوَ نَظِيرُ مَنِ اسْتُؤْجِرَ لِخِيَاطَةِ ثَوْبٍ

عقد کے ضمن میں، اور وہ رجوع کا سبب ہے، لہٰذا ثانی رجوع کرے گا اول پر، اور یہ نظیر ہے اس کی جو مزدوری پر رکھے کپڑا سینے کے لیے

بِدِرْهَمٍ فَدَفَعَهُ إِلَى مَنْ يَخِيطُهُ بِدِرْهَمٍ وَنِصْفٍ .

ایک درہم کے عوض، پس دیدیا اس کو جو سی لے گا اس کو ڈیڑھ درہم میں۔

تشریح:۔{1} اگر رب المال نے مضارب کو نصف نفع کی مضاربت پر مال دیا اور اس کو اجازت دی کہ جب چاہے دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے، پس اس نے دوسرے مضارب کو ایک تہائی نفع کی مضاربت پر دیا یعنی دوسرے مضارب کے لیے تہائی نفع قرار دیا، اور دوسرے مضارب نے تجارت کر کے نفع کمایا، پس اگر مال کے مالک نے مضارب اول سے اس طرح کہا ہو کہ "اللہ تعالیٰ جو کچھ نفع نصیب کرے وہ ہم دونوں میں نصف نصف ہے" تو اس نفع میں سے رب المال کو نصف اور مضارب دوم کو تہائی اور مضاربِ اول کو چھٹا حصہ ملے گا؛ کیونکہ دوسرے مضارب کو مضاربت پر یہ مال دینا صحیح ہوا؛ کیونکہ مال کے مالک کی طرف سے اس کی اجازت پائی گئی ہے اور مال کے مالک نے کل نفع کا نصف اپنی ذات کے لیے شرط کیا تھا تو مضاربِ اول کے لیے صرف آدھا رہ گیا تو مضاربِ اول کا تصرف صرف اپنے حصہ میں ہوگا اور اس نے اپنے اس حصہ میں سے کل نفع کی تہائی کے بقدر دوسرے مضارب کے لیے شرط کیا تو دوسرے مضارب کے لیے کل نفع کی تہائی ہوئی پس ایک چھٹے حصے کے علاوہ مضاربِ اول کے لیے اور کچھ باقی نہیں رہا اس لیے مضاربِ اول کو کل نفع کا ایک چھٹا حصہ ملے گا۔

{2} اور اول مضارب اور دوم مضارب کو جو کچھ ملا وہ ان دونوں کے لیے حلال ہے؛ کیونکہ اول مضارب نے اگرچہ کام نہیں کیا ہے مگر دوسرے مضارب کا کام پہلے مضارب کے لیے واقع ہوا ہے پس یہ ایسا ہوگیا جیسے کسی درزی کو ایک کپڑا سینے کے لیے ایک

درہم کے عوض مزدور رکھا پس اس درزی نے دوسرے درزی سے یہ کپڑا آدھے درہم کے عوض سلایا تو دونوں کے لیے مزدوری حلال ہے اسی طرح یہاں نفع مضاربِ اول ودوم دونوں کے لیے حلال ہو گا۔

{3} اور اگر مال کے مالک نے مضاربِ اول سے اس طرح کہا ہو کہ "جو کچھ نفع تجھ کو اللہ تعالیٰ نصیب کرے وہ ہم دونوں میں نصف نصف ہے" اور مضاربِ اول نے یہ مال دوسرے مضارب کو ایک تہائی نفع کی مضاربت پر دیا تو اس صورت میں دوسرے مضارب کو کل نفع کا ایک ثُلث ملے گا اور باقی دو ثُلث مضاربِ اول اور ربّ المال کے درمیان نصف نصف ہو گا؛ کیونکہ ربّ المال نے مضاربِ اول کو تصرف کا اختیار سونپ دیا اور جو کچھ مضارب اول کو نصیب ہو اس کا نصف اپنے لیے شرط کیا اور حال یہ کہ مضاربِ اول کو دو ثُلث نفع نصیب ہوا؛ کیونکہ ایک ثُلث تو مضاربِ ثانی کے لیے ہے، لہٰذا یہ دو ثُلث مضاربِ اول اور ربّ المال میں نصف نصف ہوں گے۔ برخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں ربّ المال نے اپنی ذات کے لیے کل نفع کا آدھا شرط کیا تھا تو دونوں صورتوں میں فرق ہو گیا، یعنی پہلی صورت میں ربّ المال نے اپنے لیے کل نفع کا آدھا شرط کیا ہے اور دوسری صورت میں جو کچھ مضاربِ اول کو نصیب ہو اس کا آدھا شرط کیا ہے اس لیے دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کیا گیا۔

{4} اور اگر ربّ المال نے مضاربِ اول سے یوں کہا ہو کہ "جو کچھ تو نے نفع کمایا وہ میرے اور تیرے درمیان نصف نصف ہو گا" اور حال یہ کہ مضارب اول نے دوسرے مضارب کو آدھے نفع کی شرط پر مال دیا تھا تو دوسرے مضارب کو نصف نفع ملے گا اور باقی نصف نفع مضاربِ اول اور ربّ المال کے درمیان برابر تقسیم ہو گا؛ کیونکہ مضاربِ اول نے دوسرے مضارب کے لیے نصف نفع شرط کیا تھا اور ربّ المال کی طرف سے مضارب اول کو ایسا کرنے کا اختیار بھی تھا پس دوسرا مضارب اس نصف کا مستحق ہو گا، اور ربّ المال نے اپنی ذات کے لیے اس نفع کا نصف مقرر کیا جو نفع مضاربِ اول کمادے اور حال یہ کہ مضاربِ اول نے فقط نصف کمایا ہے تو یہی نصف مضاربِ اول اور ربّ المال کے درمیان برابر تقسیم ہو گا۔

{5} اور اگر مال کے مالک نے مضاربِ اول سے یوں کہا کہ "جو کچھ اللہ تعالیٰ روزی دے اس کا نصف میرے لیے ہے"، یا یوں کہا کہ "جو کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رزق ہو وہ میرے اور تیرے درمیان نصف نصف ہے" حالانکہ مضاربِ اول نے دوسرے مضارب کو آدھے نفع پر مال دیا تھا، تو مال کے مالک کو نفع کا ایک نصف اور مضاربِ دوم کو دوسرا نصف ملے گا، اور مضاربِ اول کو کچھ نہیں ملے گا؛ کیونکہ مال کے مالک نے مطلقاً جو کچھ رزق ملے اس کا نصف اپنے لیے شرط کیا تھا تو مضاربِ اول کا دوسرے مضارب کے لیے نصف شرط کرنا مضاربِ اول کے پورے حصہ کی جانب راجع ہو گا پس مضاربِ دوم کے لیے نصف نفع بوجہ شرط کے ہو گا اور مضاربِ اول بغیر کسی شئ کے درمیان سے نکل جائے گا؛ کیونکہ اس نے اپنے حصے کو دوسرے مضارب کے لیے شرط کیا، جیسے

کسی نے درزی کو ایک درہم کے عوض کپڑا سینے کے لیے مقرر کیا اور اس نے دوسرے درزی کو پورے ایک درہم پر سینے کے لیے مقرر کیا تو اس کی مزدوری دوسرے درزی کو ملے گی اور پہلا درزی بغیر کسی شئی کے درمیان سے نکل جائے گا۔

{6} اور اگر رب المال نے اپنے لیے نصف نفع شرط کیا اور مضاربِ اوّل نے مضاربِ دوم کے لیے نفع کے دو ثلث کو شرط کیا تو رب المال کے لیے نصف نفع ہوگا اور دوسرے مضارب کے لیے باقی نصف ہوگا اور پہلا مضارب دوسرے مضارب کو اپنے مال سے نفع کا ایک چھٹا حصہ دے گا؛ کیونکہ اس نے دوسرے مضارب کے لیے ایسی چیز (ایک نصف سے زائد نفع) شرط کی جس کا رب المال مستحق ہے تو رب المال کے حق میں اس کی یہ شرط نافذ نہ ہوئی؛ کیونکہ اس میں رب المال کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے جس کا مضاربِ اول کو اختیار نہیں ہے۔

{7} لیکن دوسرے مضارب کے لیے دو ثلث نفع کو مقرر کرلینا بذاتِ خود صحیح ہے؛ کیونکہ مقدارِ مسمّٰی ایسے عقد میں معلوم ہے جس کا وہ مالک ہے اور حال یہ ہے کہ مضاربِ اوّل مضاربِ دوم کے لیے اس بات کا ضامن ہوا ہے کہ شرط کے موافق دو ثلث اس کو سالم ملیں گے، لہٰذا اس ضمانت کو پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربِ اول نے دوسرے مضارب کو عقدِ مضاربت کے ضمن میں دھوکا دیا یوں کہ دو ثلث نفع اس کے لیے مقرر کیا حالانکہ نصف سے زائد مقدار تو رب المال کے لیے ہے اور عقد کے ضمن میں دھوکہ دینا رجوع کا سبب ہوتا ہے لہٰذا دوسرا مضارب اس سے ایک چھٹا حصہ لے لے گا اور یہ مسئلہ نظیر ہے اس مسئلہ کی کہ ایک شخص نے کسی درزی کو ایک درہم کے عوض ایک کپڑا سینے کے لیے مزدور کیا پھر اس نے دوسرے درزی کو ڈیڑھ درہم پر وہ کپڑا دیا تو کپڑے کے مالک کی جانب سے اس کو ایک درہم ملے گا اور دوسرے درزی کو اپنے پاس سے نصف درہم ملا کر ڈیڑھ درہم دے گا۔

## فَصلٌ

یہ فصل مضارب کے ساتھ دوسرے شخص کو شامل کرنے کے بیان میں ہے۔

چونکہ مضارب کے ساتھ دوسرے شخص کو شامل کرنے کا حکم ماقبل سے مختلف ہے اس لیے اس کو مستقل فصل میں ذکر کیا۔ اور اس فصل میں مصنفؒ نے دو مسائل ذکر کئے ہیں۔

{1} وَإِذَا شَرَطَ الْمُضَارِبُ لِرَبِّ الْمَالِ ثُلُثَ الرِّبْحِ وَلِعَبْدِ رَبِّ الْمَالِ ثُلُثَ الرِّبْحِ عَلَى أَنْ يَعْمَلَ

فرمایا: اور اگر شرط کرلی مضارب نے رب المال کے لیے ثلث نفع کی، اور رب المال کے غلام کے لیے ثلث نفع کی، اس شرط پر کہ کام کرے گا

مَعَهُ وَلِنَفْسِهِ ثُلُثَ الرِّبْحِ فَهُوَ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ لِلْعَبْدِ يَدًا مُعْتَبَرَةً خُصُوصًا إذَا كَانَ مَأْذُونًا لَهُ وَاشْتِرَاطُ الْعَمَلِ
اس کے ساتھ، اور اپنے لیے ثلث نفع کی، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ غلام کا قبضہ معتبر ہے خصوصاً جبکہ وہ ماذون لہ ہو، اور کام کو شرط کرنا
إذْنٌ لَهُ ، وَلِهَذَا لَا يَكُونُ لِلْمَوْلَى وِلَايَةُ أَخْذِ مَا أَوْدَعَهُ الْعَبْدُ وَإِنْ كَانَ مَحْجُورًا عَلَيْهِ ، وَلِهَذَا يَجُوزُ
اجازت ہے اس کو، اسی لیے ولایت نہ ہوگی مولیٰ کو اس چیز کے لینے کی جس کو ودیعت رکھا ہے غلام نے، اگرچہ غلام مجور علیہ ہو، اسی لیے جائز ہے
بَيْعُ الْمَوْلَى مِنْ عَبْدِهِ الْمَأْذُونِ لَهُ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَانِعًا مِنَ التَّسْلِيمِ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْمَالِ
فروخت کرنا مولیٰ کا اپنے ماذون لہ غلام کے ہاتھ، اور جب یہ بات ہے تو یہ اشتراط مانع نہ ہوگا مال سپرد کرنے اور تخلیہ کرنے سے مال
وَالْمُضَارِبِ ،{2}بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ مَانِعٌ مِنَ التَّسْلِيمِ عَلَى مَا مَرَّ ، وَإِذَا صَحَّتِ
اور مضارب کے درمیان، اور برخلاف شرط کرنا عمل کو رب المال پر؛ کیونکہ یہ مانع ہے سپرد کرنے سے جیسا کہ گذر چکا۔ اور جب صحیح ہوگئی
الْمُضَارَبَةُ يَكُونُ الثُّلُثُ لِلْمُضَارِبِ بِالشَّرْطِ وَالثُّلُثَانِ لِلْمَوْلَى ، لِأَنَّ كَسْبَ الْعَبْدِ لِلْمَوْلَى
مضاربت، تو ثلث ہوگا مضارب کے لیے شرط کی وجہ سے اور دو ثلث مولیٰ کے لیے ہوں گے؛ کیونکہ غلام کی کمائی مولیٰ کے لیے ہوتی ہے
إذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ ، وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَهُوَ لِلْغُرَمَاءِ .هَذَا إذَا كَانَ الْعَاقِدُ هُوَ الْمَوْلَى ،{3}وَلَوْ عَقَدَ
جبکہ نہ ہو اس پر قرضہ، اور اگر اس پر قرضہ ہو تو وہ قرضخواہوں کے لیے ہوگا، اور یہ حکم اس وقت ہے کہ عاقد مولیٰ ہو۔ اور اگر عقد کیا
الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ عَقْدَ الْمُضَارَبَةِ مَعَ أَجْنَبِيٍّ وَشَرَطَ الْعَمَلَ عَلَى الْمَوْلَى لَا يَصِحُّ إنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ ؛ لِأَنَّ هَذَا اشْتِرَاطُ
ماذون غلام نے عقدِ مضاربت اجنبی کے ساتھ اور شرط کر لیا عمل کو مولیٰ پر، تو صحیح نہیں اگر نہ ہو اس پر دَین؛ کیونکہ یہ شرط کرنا ہے
الْعَمَلِ عَلَى الْمَالِكِ ، وَإِنْ كَانَ عَلَى الْعَبْدِ دَيْنٌ صَحَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ الْمَوْلَى بِمَنْزِلَةِ الْأَجْنَبِيِّ عِنْدَهُ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.
عمل کو مالک پر، اور اگر ہو غلام پر قرضہ، تو صحیح ہے امام صاحب کے نزدیک؛ کیونکہ مولیٰ بمنزلہ اجنبی کے ہے امام صاحب کے نزدیک جیسا کہ معلوم ہے۔

تشریح:۔{1} اگر مضارب نے شرط لگائی کہ رب المال کے لیے نفع میں سے ایک ثلث ہے اور رب المال کے غلام کے لیے اس شرط پر نفع کا ایک ثلث ہے کہ وہ میرے ساتھ کام کرے، اور میرے لیے ایک ثلث نفع ہے، تو یہ جائز ہے یعنی غلام کو کام کرنے کی شرط پر عقد اور نفع میں شریک کرنا درست ہے خواہ غلام ماذون ہو یا نہ ہو، اور ماذون خواہ مقروض ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ غلام کا قبضہ اس کے مولیٰ کا قبضہ نہیں بلکہ غلام کا اپنا قبضہ معتبر ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وہ ماذون ہو، اور جب غلام کے کام کرنے کی شرط لگائی تو یہ اس کے لیے تجارت کی اجازت ہے یعنی وہ ماذون ہو جاتا ہے، اور چونکہ اس کا قبضہ معتبر ہوتا ہے اسی لیے مولیٰ کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ اگر کوئی چیز غلام نے کسی کے پاس بطورِ ودیعت رکھی ہو مولیٰ اس کو لے لے اگرچہ یہ غلام ودیعت رکھتے وقت مجور ہو پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ غلام کا قبضہ معتبر ہے۔ اور خاص کر جبکہ غلام ماذون ہو تو اس کا قبضہ معتبر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے ماذون غلام کے ہاتھ کوئی چیز

فروخت کردی تو یہ بیع جائز ہے، اور جب یہ بات ثابت ہوئی کہ غلام کا قبضہ معتبر ہے تو غلام کے کام کرنے کی شرط لگانا مضارب کو مال سپرد ہونے اور مال اور مضارب کے درمیان تخلیہ (روک ٹوک دور ہونے) سے مانع نہ ہوگا؛ کیونکہ غلام کا قبضہ مولیٰ کا قبضہ نہیں کہ جس کی وجہ سے مضارب کا قبضہ تام نہ ہو بلکہ غلام کا قبضہ علیحدہ معتبر ہے اس لیے مضارب کا قبضہ تام ہے اور مضاربت صحیح ہے۔

{2} اس کے برخلاف اگر مضاربت میں ربّ المال کے ذمہ تجارت کا کرنا شرط ہو تو یہ مضاربت فاسد ہے؛ کیونکہ سابق میں گذر چکا کہ اس سے مضارب کا قبضہ پورا نہیں ہوتا ہے اس لیے مولیٰ کے کام کرنے کو شرط کرنا مضاربت کو فاسد کر دیتا ہے۔ حاصل یہ کہ غلام کے کام کی شرط لگانا درست ہے اس لیے یہ مضاربت صحیح ہے اور جب یہ مضاربت صحیح ہوگئی تو شرط کے موافق نفع کا ایک ثُلث مضارب کا ہوگا اور مولیٰ کے لیے دوثُلث ہوں گے؛ کیونکہ غلام کی کمائی اس کے مولیٰ کی ہوتی ہے بشرطیکہ غلام پر کچھ قرضہ نہ ہو، اور اگر غلام پر قرضہ ہو تو اس کی کمائی اس کے قرضخواہوں کے لیے ہوگی؛ کیونکہ مولیٰ مدیون غلام کی کمائی کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے کہ مضاربت کا عقد کرنے والا خود مولیٰ ہو۔

{3} اور اگر عقدِ مضاربت غلام نے کیا یعنی ماذون غلام نے اجنبی شخص کے ساتھ عقدِ مضاربت کیا اور مولیٰ کے ذمہ کام کرنا شرط کیا یعنی یہ شرط لگائی کہ مضارب کے ساتھ مولیٰ بھی کام کرے گا تو دیکھا جائے گا کہ اگر ماذون غلام پر قرضہ نہ ہو تو یہ عقد صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ خود مال کے مالک پر کام کرنے کو شرط کرنا ہے جو مضارب کے قبضہ کرنے کے لیے مانع ہے اس لیے یہ شرط مفسدِ عقد ہے۔ اور اگر اس غلام پر قرضہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مضاربت صحیح ہے؛ کیونکہ " کتاب الماذون" میں معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مولیٰ اپنے مقروض غلام سے بمنزلۂ اجنبی کے ہے لہٰذا اس صورت میں مولیٰ کے کام کو شرط کرنا اجنبی کے کام کو شرط کرنا ہے اس لیے یہ شرط عقدِ مضاربت کے لیے مفسد نہیں ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: قوله صح عند ابی حنیفة الخ و الراجح قوله وعليه اقتصر أصحاب المتون و الشروح وعليه جزم في التنوير و درّ المختار ، و قال في مجمع الانهر وهو الأصح عند الامام (هامش الهداية: 263/3)

## فَصْلٌ فِي الْعَزْلِ وَالْقِسْمَةِ

یہ فصل مضارب کو معزول کرنے اور نفع کو تقسیم کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنف" مضاربت اور نفع کا حکم بیان کرنے کے بعد اس فصل میں اس چیز کا حکم بیان فرماتے ہیں جو چیز مضاربت اور نفع کے بعد ہوتی ہے یعنی مضارب کو معزول کرنا جو عقدِ مضاربت کے بعد ہوتا ہے اور نفع کو تقسیم کرنا جو نفع حاصل کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

{1} قَالَ: وَإِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ أَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ؛ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ عَلَى مَا تَقَدَّمَ، وَمَوْتُ الْمُوَكِّلِ يُبْطِلُ

فرمایا: اور جب مرجائے رب المال یا مضارب تو باطل ہو جائے گی مضاربت؛ کیونکہ یہ توکیل ہے جیسا کہ گذر چکا، اور موکل کا مرجانا باطل کردیتا ہے

الْوَكَالَةَ، وَكَذَا مَوْتُ الْوَكِيلِ وَلَا تُورَثُ الْوَكَالَةُ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ {2} وَإِنِ ارْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ

وکالت کو، اور اسی طرح وکیل کا مرجانا، اور میراث نہیں ہوتی وکالت، اور یہ گذر چکا ہے پہلے۔ اور اگر مرتد ہوا رب المال اسلام سے العیاذ باللہ،

وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ؛ لِأَنَّ اللُّحُوقَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُقْسَمُ

اور مل گیا دار الحرب میں، تو باطل ہو گئی مضاربت؛ کیونکہ دار الحرب میں مل جانا بمنزلہ موت کے ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ تقسیم کیا جاتا ہے

مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ وَقَبْلَ لُحُوقِهِ يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُ مُضَارِبِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

اس کا مال اس کے ورثہ میں، اور دار الحرب میں مل جانے سے پہلے موقوف ہوگا اس کے مضارب کا تصرف امام صاحب" کے نزدیک؛

لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ لَهُ فَصَارَ كَتَصَرُّفِهِ بِنَفْسِهِ {3} وَلَوْ كَانَ الْمُضَارِبُ هُوَ الْمُرْتَدُّ فَالْمُضَارَبَةُ عَلَى حَالِهَا؛

کیونکہ وہ تصرف کرتا ہے اسی کے لیے، پس ہو گیا جیسا کہ اس کا تصرف کرنا بذاتِ خود۔ اور اگر مضارب ہی مرتد ہو، تو مضاربت اپنے حال پر رہے گی؛

لِأَنَّ لَهُ عِبَارَةً صَحِيحَةً، وَلَا تَوَقُّفَ فِي مِلْكِ رَبِّ الْمَالِ فَبَقِيَتِ الْمُضَارَبَةُ. {4} قَالَ: فَإِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ

کیونکہ مرتد کے لیے صحیح عبارت ہے، اور کوئی توقف نہیں رب المال کی ملکیت میں، پس باقی رہی مضاربت۔ فرمایا: اگر معزول کیا رب المال نے

الْمُضَارِبَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهِ حَتَّى اشْتَرَى وَبَاعَ فَتَصَرُّفُهُ جَائِزٌ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ

مضارب کو، اور اس کو خبر نہ ہوئی اپنے معزول ہونے کی حتی کہ اس نے خرید و فروخت کرلی، تو اس کا تصرف جائز ہے؛ کیونکہ وہ وکیل ہے

مِنْ جِهَتِهِ وَعَزْلُ الْوَكِيلِ قَصْدًا يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِهِ {5} وَإِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهِ وَالْمَالُ

صاحب مال کی طرف سے، اور معزول کرنا وکیل کو قصداً موقوف ہوتا ہے اس کے علم پر، اور اگر اس کو معلوم ہوا اپنا معزول ہونا حالانکہ مال

عُرُوضٌ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهَا وَلَا يَمْنَعُهُ الْعَزْلُ مِنْ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ حَقَّهُ قَدْ ثَبَتَ فِي الرِّبْحِ

اسباب ہے، تو اس کو اختیار ہے کہ سامان کو فروخت کردے، اور نہیں روکتا ہے اس کو معزول ہونا اس سے؛ کیونکہ اس کا حق ثابت ہوا نفع میں،

وَإِنَّمَا يَظْهَرُ بِالْقِسْمَةِ وَهِيَ تُبْتَنَى عَلَى رَأْسِ الْمَالِ ، وَإِنَّمَا يَنِضُّ بِالْبَيْعِ .{6}قَالَ : ثُمَّ لَا يَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ

جو ظاہر ہوگا تقسیم سے، اور تقسیم مبنی ہے راس المال پر، اور راس المال نقد ہوتا ہے فروخت کرنے سے۔ فرمایا: پھر جائز نہیں کہ خریدے

بِثَمَنِهَا شَيْئًا آخَرَ ؛ لِأَنَّ الْعَزْلَ إِنَّمَا لَمْ يَعْمَلْ ضَرُورَةَ مَعْرِفَةِ رَأْسِ الْمَالِ وَقَدِ انْدَفَعَتْ حَيْثُ صَارَ نَقْدًا

اس کے ثمن سے دوسری کوئی چیز؛ کیونکہ معزولی نے اثر نہیں کیا راس المال کی معرفت کی ضرورت سے، اور یہ ضرورت دفع ہوگئی جب راس المال نقد ہوا،

فَيَعْمَلُ الْعَزْلُ {7} فَإِنْ عَزَلَهُ وَرَأْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ وَقَدْ نَضَّتْ لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ

پس اثر کرے گی معزولی۔ اور اگر اس کو معزول کیا حالانکہ راس المال دراہم یا دنانیر ہیں جو نقد ہو چکے ہیں، تو جائز نہیں اس کے لیے کہ

يَتَصَرَّفَ فِيهَا ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي إِعْمَالِ عَزْلِهِ إِبْطَالُ حَقِّهِ فِي الرِّبْحِ فَلَا ضَرُورَةَ .{8}قَالَ:

تصرف کرے اس میں؛ کیونکہ اس کی معزولی کو مؤثر کرنے میں نفع میں اس کے حق کا ابطال نہیں ہے، پس ضرورت نہیں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں:

وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِ رَأْسِ الْمَالِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَنْ كَانَ دَرَاهِمَ وَرَأْسُ الْمَالِ دَنَانِيرُ أَوْ عَلَى الْقَلْبِ

اور یہ جو ماتنؒ نے ذکر کیا جبکہ ہو وہ راس المال کی جنس سے، اور اگر ایسا نہ ہو بایں طور کہ وہ دراہم ہوں اور راس المال دنانیر ہوں یا اس کا عکس ہو،

لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا بِجِنْسِ رَأْسِ الْمَالِ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّ الرِّبْحَ لَا يَظْهَرُ إِلَّا بِهِ وَصَارَ

تو اس کو اختیار ہے کہ فروخت کردے اس کو راس المال کی جنس کے عوض استحساناً؛ کیونکہ نفع ظاہر نہیں ہوتا ہے مگر اس سے، اور ہو گیا

كَالْعُرُوضِ ، وَعَلَى هَذَا مَوْتُ رَبِّ الْمَالِ وَلُحُوقُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ فِي بَيْعِ الْعُرُوضِ وَنَحْوِهَا .

اسباب کی طرح، اور اسی حکم پر ہے رب المال کا مر جانا اسباب وغیرہ کی فروختگی میں۔

تشریح:۔{1} اگر ربّ المال یا مضارب مر گیا تو مضاربت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ مضاربت توکیل ہے جیسا کہ "کتاب المضاربۃ" کے شروع میں گذر چکا کہ مضارب وکیل ہے، اور موکل کی موت سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لیے ربّ المال کی موت سے مضاربت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح وکیل کی موت سے بھی وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لیے مضارب کی موت سے مضاربت باطل ہو جائے گی۔ اور وکالت ایسی چیز نہیں ہے جو وارث کے لیے میراث ہو جائے جیسا کہ "کتاب الوکالۃ" کے "باب عزل الوکیل" میں گذر چکا کہ وکالت وکیل اور موکل دونوں یا کسی ایک کی موت سے باطل ہو جاتی ہے۔

{2} اگر ربّ المال اسلام سے مرتد ہوا، نعوذ باللہ من ذالک، اور بھاگ کر دارالحرب میں مل گیا، تو بھی مضاربت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ دارالحرب میں مل جانا بمنزلہ موت کے ہے یہی وجہ ہے کہ دارالحرب چلے جانے کے بعد مرتد کا مال یہاں اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور جب تک دارالحرب میں اس کے ملنے کا حکم نہ ہوا ہو تب تک امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرتد کے

مضارب کا تصرف موقوف رہتا ہے؛ کیونکہ مضارب تو رب المال کے لیے کام کرتا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے بذاتِ خود مرتد تجارت کا کام کرے تو امام صاحب ؒ کے نزدیک اس کا تصرف موقوف رہے گا تو مضارب جو اس کا نائب ہے کا تصرف بھی موقوف رہے گا۔

{3} اور اگر مضارب مرتد ہو گیا تو مضاربت اپنے حال پر باقی رہے گی؛ کیونکہ مرتد جو عبارت اور کلام بیان کرے وہ ٹھیک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ آدمی ہے اور عاقل بالغ ہے اور ارتداد کی وجہ سے آدمیت میں کوئی نقصان نہیں آتا ہے، اور رب المال چونکہ مرتد نہیں ہوا ہے اس لیے اس کی ملک موقوف نہیں ہے لہٰذا مضاربت برقرار رہے گی چنانچہ اگر ایسے مضارب نے کچھ کمایا تو نفع شرط کے موافق دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا۔

{4} اگر رب المال نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ اس نے خرید و فروخت کی تو اس کا تصرف جائز ہے؛ کیونکہ وہ رب المال کی طرف سے وکیل ہے اور قصداً وکیل کو معزول کرنا اس کی آگاہی اور علم پر موقوف ہوتا ہے یعنی بغیر آگاہی کے معزول نہیں ہوتا ہے۔ اور قصداً معزول کرنے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر کسی شخص کو غلام فروخت کرنے کے لیے وکیل بنایا پھر موکل نے خود وہ غلام فروخت کر دیا تو چونکہ یہ بلا قصد معزول کرنا ہے اس لیے وکیل معزول ہو جاتا ہے خواہ آگاہ ہو یا نہ ہو۔

{5} اور اگر مضارب اپنے معزول ہونے سے آگاہ ہوا اور مال اس کے پاس اسباب ہوں تو اس کو اختیار ہے کہ اسباب کو فروخت کر دے اور اس کا مضاربت سے معزول ہونا اس مال کو فروخت کرنے سے مانع نہ ہو گا؛ کیونکہ نفع میں اس کا حق ثابت ہو چکا اور اس کا حق تقسیم کرنے ہی سے ظاہر ہو گا اور تقسیم راس المال پر مبنی ہے کہ اس کو نقد کیا جائے اور کل مال نقد ہونا جب ہی ہو گا کہ اسباب کو فروخت کیا جائے، لہٰذا مضارب کو راس المال فروخت کر کے مال نقد کر لینے کا اختیار ہے۔

{6} پھر معزول مضارب کے لیے ان اسباب کے ثمن سے کوئی دوسری چیز خریدنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ان اسباب کو فروخت کرنے میں تو اس کی معزولی نے اس لیے اثر نہیں کیا کہ راس المال پہچاننے کی ضرورت تھی جو اسباب کو فروخت کرنے سے یہ معرفت حاصل ہو جاتی ہے اب جبکہ راس المال نقد ہوا تو یہ ضرورت دفع ہو گئی اس لیے اب معزولی اپنا عمل کرے گی، اور آئندہ کوئی چیز خریدنا جائز نہ ہو گا۔

{7} اور اگر ایسی حالت میں مضارب کو معزول کیا کہ راس المال دراہم اور دنانیر ہوں یعنی راس المال نقد ہو تو مضارب کو اس میں تصرف کا اختیار نہ رہے گا؛ کیونکہ معزولی کو اثر دلانے میں نفع میں مضارب کا حق باطل نہیں کرتا ہے تو معزولی کو اثر دلانے کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس کی معزولی مؤثر رہے گی اور اس کو تصرف کا اختیار نہ ہو گا۔

{8} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ امام قدوریؒ نے ذکر کیا یہ اس وقت ہے کہ جو مال نقد موجود ہے وہ رأس المال کی جنس سے ہو مثلاً نقد اور رأس المال دونوں دراہم ہوں یا دونوں دنانیر ہوں، اور اگر ایسا نہ ہو مثلاً درہم موجود ہیں حالانکہ رأس المال دینار تھے یا اس کے برعکس ہو یعنی دینار موجود ہیں اور رأس المال دراہم تھے تو استحساناً مضارب کو اختیار ہے کہ موجودہ نقد کو رأس المال کی جنس کے عوض فروخت کردے؛ کیونکہ نفع اسی طریقہ سے ظاہر ہوگا اور اس حکم میں یہ عقد بھی بمنزلۂ اسباب کے ہو گیا، وعلی ہذا القیاس اگر رب المال مرجائے اور مال مضاربت میں اسباب ہوں یا جو اسباب کی طرح ہوں مثلاً رأس المال دراہم ہوں اور نقد دنانیر ہوں یا اس کا عکس ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ جب مضارب معزول ہوا تو اسباب کو نقد کے عوض فروخت کرنے میں یا موجودہ نقد کو رأس المال کی جنس کے ساتھ بدلنے میں اس کا اختیار باقی رہے گا۔

{1} قَالَ : وَإِذَا افْتَرَقَا وَفِي الْمَالِ دُيُونٌ وَقَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِيهِ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُونِ؛

فرمایا: اور اگر وہ دونوں جدا ہو گئے اور مال میں قرضے ہوں، اور نفع کمایا ہو مضارب نے اس میں، تو مجبور کرے گا اس کو حاکم قرضوں کا تقاضا کرنے پر؛

لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْأَجِيرِ وَالرِّبْحُ كَالْأَجْرِ لَهُ {2} وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رِبْحٌ لَمْ يَلْزَمْهُ الِاقْتِضَاءُ؛

کیونکہ وہ بمنزلۂ اجیر کے ہے، اور نفع اس کی اجرت کی طرح ہے۔ اور اگر نہ ہو مضارب کے لیے نفع، تو اس پر لازم نہ ہو قرضوں کا تقاضا کرنا؛

لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مَحْضٌ وَالْمُتَبَرِّعُ لَا يُجْبَرُ عَلَى إِيفَاءِ مَا تَبَرَّعَ بِهِ ، وَيُقَالُ

کیونکہ وہ محض وکیل ہے، اور احسان کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اس کے پورا کرنے پر جس کا اس نے احسان کیا ہے، اور کہا جائے گا

لَهُ وَكِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِي الِاقْتِضَاءِ ؛ لِأَنَّ حُقُوقَ الْعَقْدِ تَرْجِعُ إِلَى الْعَاقِدِ ، فَلَا بُدَّ مِنْ تَوْكِيلِهِ

اس سے کہ وکیل بنادے رب المال کو تقاضا کرنے میں؛ کیونکہ حقوقِ عقد لوٹتے ہیں عاقد کی طرف، پس ضروری ہے اس کا وکیل کرنا

وَتَوَكُّلِهِ كَيْ لَا يَضِيعَ حَقُّهُ .وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : يُقَالُ لَهُ أَحِلْ مَكَانَ قَوْلِهِ وَكِّلْ،

اور وکالت قبول کرنا؛ تاکہ ضائع نہ ہو اس کا حق۔ کہا امام محمدؒ نے جامع صغیر میں: کہا جائے گا اس سے "أَحِلْ" بجائے اس کے قول "وَكِّلْ" کے،

وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْوَكَالَةُ {3} وَعَلَى هَذَا سَائِرُ الْوَكَالَاتِ وَالْبَيَّاعُ وَالسِّمْسَارُ يُجْبَرَانِ عَلَى التَّقَاضِي لِأَنَّهُمَا يَعْمَلَانِ

اور مراد اس سے وکالت ہی ہے اور اسی حکم پر ہیں دیگر وکالتیں، اور دلال اور سمسار دونوں کو مجبور کیا جائے گا تقاضے پر؛ کیونکہ یہ دونوں کام کرتے ہیں

بِأَجْرٍ عَادَةً .{4} قَالَ : وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُونَ رَأْسِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الرِّبْحَ تَابِعٌ

اجرت پر عادۃً۔ فرمایا: جو ہلاک ہو جائے مالِ مضاربت میں سے تو وہ نفع سے ہلاک ہوگا نہ کہ راس المال سے؛ کیونکہ نفع تابع ہے

وَصَرْفُ الْهَلَاكِ إِلَى مَا هُوَ التَّبَعُ أَوْلَى كَمَا يُصْرَفُ الْهَلَاكُ إِلَى الْعَفْوِ فِي الزَّكَاةِ فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ

اور ہلاکت پھرانا ایسی چیز کی طرف جو تابع ہو اولیٰ ہے جیسا کہ پھرایا جاتا ہے ہلاک عفو کی طرف زکوۃ میں۔ پھر اگر بڑھ گیا تلف شدہ نفع سے،

فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُضَارِبِ، لِأَنَّهُ أَمِينٌ{5} وَإِنْ كَانَا يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ وَالْمُضَارَبَةُ بِحَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ

تو ضمان نہ ہوگا مضارب پر؛ کیونکہ وہ امین ہے، اور اگر وہ دونوں تقسیم کرتے رہے نفع کو اور مضاربت اپنے حال پر ہو، پھر ہلاک ہو مال بعض یا کل،

تَرَادَّا الرِّبْحَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَأْسَ الْمَالِ، لِأَنَّ قِسْمَةَ الرِّبْحِ لَا تَصِحُّ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ رَأْسِ الْمَالِ

تو وہ دونوں لوٹائیں نفع یہاں تک کہ وصول کرلے رب المال راس المال؛ اس لیے کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے راس المال وصول کرنے سے پہلے؛

لِأَنَّهُ هُوَ الْأَصْلُ وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَيْهِ وَتَبَعٌ لَهُ، فَإِذَا هَلَكَ مَا فِي يَدِ الْمُضَارِبِ أَمَانَةً

کیونکہ راس المال اصل ہے اور نفع مبنی ہے اس پر اور تابع ہے اس کا، پس جب تلف ہوگیا وہ مال جو مضارب کے قبضہ میں امانت ہے

تَبَيَّنَ أَنَّ مَا اسْتَوْفَيَاهُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، فَيَضْمَنُ الْمُضَارِبُ مَا اسْتَوْفَاهُ

تو معلوم ہوا کہ جو کچھ ان دونوں نے وصول کیا ہے وہ راس المال میں سے ہے، پس ضامن ہوگا مضارب اس کا جو اس نے وصول کیا ہے؛

لِأَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ وَمَا أَخَذَهُ رَبُّ الْمَالِ مَحْسُوبٌ مِنْ رَأْسِ مَالِهِ{6} وَإِذَا اسْتَوْفَى رَأْسَ الْمَالِ،

کیونکہ اس نے لے لیا ہے اپنے لیے اور جو کچھ لے لیا ہے رب المال نے وہ شمار ہے اس کے راس المال میں۔ اور جب وصول کرلے راس المال

فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُ رِبْحٌ وَإِنْ نَقَصَ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُضَارِبِ، لِمَا

تو اگر بچ گئی کوئی چیز، تو وہ ان دونوں میں مشترک ہوگی؛ کیونکہ یہ نفع ہے۔ اور اگر راس المال کم ہوا تو ضامن نہیں مضارب پر؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا{7} وَلَوِ اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَفَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا

جو ہم بیان کرچکے۔ اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کیا اور مضاربت کو فسخ کیا، پھر دونوں نے عقد مضاربت کیا، پس ہلاک ہوا مال، تو وہ نہیں لوٹائیں گے

الرِّبْحَ الْأَوَّلَ، لِأَنَّ الْمُضَارَبَةَ الْأُولَى قَدِ انْتَهَتْ وَالثَّانِيَةَ عَقْدٌ جَدِيدٌ، وَهَلَاكُ الْمَالِ فِي الثَّانِي لَا يُوجِبُ

پہلا نفع؛ کیونکہ پہلی مضاربت انتہا کو پہنچ چکی، اور دوسری مضاربت عقدِ جدید ہے، تو مال کا ہلاک ہونا دوسری مضاربت میں واجب نہیں کرتا ہے

انْتِقَاضَ الْأَوَّلِ كَمَا إِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ مَالًا آخَرَ.

اول کے لوٹنے کو جیسا کہ اگر دیدیا ہو مضارب کو دوسرا مال۔

تشریح:۔{1} اگر مضارب اور ربّ المال معاملۂ مضاربت کو توڑ کر جدا ہوئے حالانکہ مضاربت میں لوگوں پر قرضے ہیں اور مضارب نے اس میں نفع بھی کمایا ہے تو حاکم اس کو ان قرضوں کو قرضداروں سے طلب کرنے پر مجبور کرے گا؛ کیونکہ مضارب

بمنزلہ اجیر کے ہے اور نفع اس کی اُجرت کی طرح ہے اور اجیر کو اپنا عمل پورا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو مضارب کو بھی اپنا عمل پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اس کے عمل میں سے لوگوں پر واجب قرضوں کو وصول کرنا بھی ہے۔

{2} اور اگر مضارب کے لیے نفع نہ ہو تو لوگوں سے قرضوں کا تقاضا کرنا اس پر لازم نہیں ہے؛ کیونکہ وہ تو محض وکیل بلا اُجرت ہے اور وکیل احسان کرنے والا ہوتا ہے اور جس نے بطورِ احسان کوئی کام کیا اس پر اس کے پورا کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن مضارب کو یہ حکم دیا جائے گا کہ قرضوں کا مطالبہ کرنے کے لیے ربّ المال کو وکیل بنا دو؛ کیونکہ جو شخص جس معاملہ کا عقد کرے تو اس معاملہ کے حقوق اسی طرف راجع ہوتے ہیں تو مضارب کا ربّ المال کو وکیل کرنا اور ربّ المال کا وکالت کو قبول کرنا ضروری ہے تاکہ ربّ المال کا حق ضائع نہ ہو۔ اور جامع صغیر میں بجائے اس لفظ کے کہ "ربّ المال کو وکیل کر دو" لکھا ہے کہ "حوالہ کر دو" اور حوالہ کرنے سے بھی مراد یہی ہے کہ "وکیل کر دو"۔

{3} اور یہی حکم جملہ وکالات میں ہے کہ جب بیع کے وکیل نے مشتری سے ثمن کا تقاضا کرنے سے انکار کیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اس پر مجبور کیا جائے گا کہ موکل کو وکیل بنا دو تاکہ وہ مشتری سے ثمن کا تقاضا کر دے تاکہ وہ اپنا ثمن وصول کر سکے۔ رہا دلال اور سمسار تو ان دونوں کو تقاضے پر مجبور کیا جائے گا؛ کیونکہ عادت یہ ہے کہ یہ دونوں اُجرت پر کام کرتے ہیں اور اجیر کو کام پورا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اس لیے دلال اور سمسار کو ثمن کے تقاضے پر مجبور کیا جائے گا۔

ف: دلال سے یہاں وہ شخص مراد ہے کہ جس کو مالک نے فروخت کے لیے اسباب دے دیا ہو اور وہ اجرت پر مالک کے اسباب کو فروخت کر دے۔ اور سمسار وہ ہے کہ جس کے پاس مال نہ ہو مگر وہ مالک کا اسباب خریدنے کے لیے مشتریوں کو ڈھونڈھ لائے۔

{4} مالِ مضاربت میں سے اگر کچھ تلف ہوا تو وہ نفع میں سے تلف شمار ہوگا نہ کہ رأس المال سے؛ کیونکہ نفع تابع ہے اور رأس المال اصل ہے، اور تلف ہونے کو ایسی چیز کی طرف پھیرنا اولیٰ ہے جو تابع ہو نہ کہ اصل کی طرف جیسے نصابِ زکوۃ میں تلف کو اس حصہ کی جانب پھیرتے ہیں جو نصاب سے زائد ہے نصاب کی طرف نہیں پھیرا جاتا ہے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ جو کچھ تلف ہوا ہے وہ نفع سے زیادہ ہو تو مضارب پر کچھ تاوان نہیں ہے؛ کیونکہ وہ امانت دار تھا اور امین پر ضمان نہیں آتا ہے۔

{5} اگر مضارب اور ربّ المال ایسا کرتے ہوں کہ جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو تقسیم کر لیا کرتے ہوں حالانکہ مضاربت بدستور باقی ہو، پھر اس مال میں سے تھوڑا یا سب تلف ہو گیا تو اس وقت تک جو نفع تقسیم کیا ہے وہ سب واپس کر دیں تاکہ رب المال اپنا رأس المال اس میں سے پورا وصول کر لے؛ کیونکہ رأس المال پورا وصول کرنے سے پہلے نفع کو تقسیم کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ رأس المال اصل ہے اور نفع رأس المال پر مبنی اور اس کا تابع ہوتا ہے پس جب وہ مال جو مضارب کے پاس بطورِ امانت تھا تلف

ہو گیا تو ظاہر ہوا کہ رب المال اور مضارب نے جو کچھ وصول کیا ہے وہ رأس المال میں سے ہے تو مضارب نے جو کچھ وصول کیا ہے اس کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے رأس المال کا یہ حصہ اپنی ذات کے لیے لے لیا حالانکہ اس کو یہ حق نہیں ہے اس لیے اسے ربّ المال کو واپس کر دے۔ اور رب المال نے جو کچھ وصول کیا وہ اس کے رأس المال میں سے شمار ہوگا۔

{6} اور جب رب المال نے اپنا رأس المال پورا وصول کر لیا پھر اگر کچھ بچ رہا تو وہ ربّ المال اور مضارب کے درمیان مشترک ہوگا؛ کیونکہ یہ زائد مقدار نفع ہے اور نفع دونوں میں مشترک ہوتا ہے۔ اور اگر رأس المال پورا ہونے میں کمی پڑی تو مضارب پر تاوان واجب نہیں ہے؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ مضارب امین ہے اور امین پر ضمان نہیں آتا ہے۔

{7} اور اگر دونوں نے نفع آپس میں تقسیم کر لیا اور مضاربت فسخ کر دی پھر اس کے بعد دونوں نے دوبارہ مضاربت کا عقد کیا پھر رأس المال تلف ہو گیا تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے؛ کیونکہ پہلی مضاربت تو نفع تقسیم کرنے اور مضاربت فسخ کرنے سے پوری ہو چکی اور دوسری مضاربت عقدِ جدید ہے تو دوسری مضاربت میں مال کا ہلاک ہونا اس امر کو واجب نہیں کرتا ہے کہ پہلی مضاربت کی تقسیم نفع ٹوٹ جائے جیسے اگر ربّ المال نے مضارب کو مضاربت کے لیے دوسرا مال دیا، یعنی مالِ اول کے علاوہ دوسرا مال دیا تو پہلی مضاربت کی تقسیم نفع نہیں ٹوٹتی ہے۔

## فَصْلٌ فِيمَا يَفْعَلُهُ الْمُضَارِبُ

یہ فصل ایسے کاموں کے بیان میں ہے جن کو مضارب انجام دیتا ہے۔

مصنفؒ نے اس فصل میں مزید فائدے کے لیے مضارب کے ایسے افعال کو ذکر کیا ہے جن کو سابق میں ذکر نہیں کیا ہے۔

{1} قَالَ : وَيَجُوزُ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَبِيعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّا
فرمایا: اور جائز ہے کہ مضارب کے لیے کہ فروخت کر دے اور خرید لے نقد اور ادھار سے؛ کیونکہ یہ سب تاجروں کے عادات میں سے ہے،
فَيَنْتَظِمُهُ إطْلَاقُ الْعَقْدِ{2} إلَّا إذَا بَاعَ إلَى أَجَلٍ لَا يَبِيعُ التُّجَّارُ إلَيْهِ ؛ لِأَنَّ لَهُ الْأَمْرَ الْعَا
پس شامل ہوگا اس کو اطلاق عقد، مگر یہ کہ فروخت کر دے اتنی میعاد تک کہ فروخت نہیں کرتے اس میعاد تک؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے ایسے امر عام
الْمَعْرُوفَ بَيْنَ النَّاسِ ، وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ دَابَّةً لِلرُّكُوبِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ سَفِينَةً لِلرُّكُوبِ
جو معروف ہو لوگوں میں، اسی لیے اس کو اختیار ہے کہ خرید لے جانور سواری کے لیے، اور نہیں ہے اس کو اختیار کہ خرید لے کشتی سواری کے لیے
وَلَهُ أَنْ يَسْتَكْرِيَهَا اعْتِبَارًا لِعَادَةِ التُّجَّارِ ، وَلَهُ أَنْ يَأْذَنَ لِعَبْدِ الْمُضَارَبَةِ فِي التِّجَا

اور اس کو اختیار ہے کہ کرایہ پر لے عادتِ تجار کا اعتبار کرتے ہوئے، اور اس کو اختیار ہے کہ اجازت دے تجارت کے غلام کو تجارت کی

فِي الرِّوَايَةِ الْمَشْهُورَةِ لِأَنَّهُ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ .{3}وَلَوْ بَاعَ بِالنَّقْدِ ثُمَّ أَخَّرَ الثَّمَنَ جَازَ بِالْإِجْمَاعِ،

مشہور روایت کے مطابق؛ کیونکہ یہ عادتِ تجار میں سے ہے، اور اگر فروخت کیا نقد کے عوض پھر مؤخر کر دیا ثمن تو جائز ہے بالاتفاق،

أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ الْوَكِيلَ يَمْلِكُ ذَلِكَ فَالْمُضَارِبُ أَوْلَى ، إلَّا أَنَّ الْمُضَارِبَ لَا يَضْمَنُ

بہر حال طرفین ؒ کے نزدیک تو اس لیے کہ وکیل اس کا مالک ہے، تو مضارب بطریقۂ اولیٰ مالک ہوگا، مگر یہ کہ مضارب ضامن نہیں ہوتا؛

لِأَنَّ لَهُ أَنْ يُقَايِلَ ثُمَّ يَبِيعَ نَسِيئَةً ، وَلَا كَذَلِكَ الْوَكِيلُ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ .{4}وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

کیونکہ اس کو اختیار ہے کہ اقالہ کر لے پھر فروخت کر دے ادھار، اور اس طرح نہیں ہے وکیل؛ کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں، رہا امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک

فَلِأَنَّهُ يَمْلِكُ الْإِقَالَةَ ثُمَّ الْبَيْعَ بِالنَّسَاءِ .بِخِلَافِ الْوَكِيلِ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْإِقَالَةَ.

تو اس لیے کہ مضارب مالک ہے اقالہ کرنے کا پھر ادھار فروخت کرنے کا، برخلافِ وکیل کے؛ کیونکہ وہ مالک نہیں اقالہ کرنے کا۔

{5}وَلَوْ احْتَالَ بِالثَّمَنِ عَلَى الْأَيْسَرِ أَوْ الْأَعْسَرِ جَازَ؛لِأَنَّ الْحَوَالَةَ مِنْ عَادَةِ التُّجَّارِ ،بِخِلَافِ الْوَصِيِّ يَحْتَالُ بِمَالِ الْيَتِيمِ

اور اگر حوالہ قبول کیا ثمن کا غنی یا تنگدست پر، تو جائز ہے؛ کیونکہ حوالہ تجار کی عادت میں سے ہے، برخلافِ وصی کے جو حوالہ قبول کرے مالِ یتیم کا

حَيْثُ يُعْتَبَرُ فِيهِ الْأَنْظَرُ ، لِأَنَّ تَصَرُّفَهُ مُقَيَّدٌ بِشَرْطِ النَّظَرِ ،{6}وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا يَفْعَلُهُ الْمُضَارِبُ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ:

کہ اس میں اعتبار ہوگا نفع کا؛ کیونکہ اس کا تصرف مقید ہے بہتری کی شرط کے ساتھ۔ اور اصل یہ ہے کہ جو کام کرتا ہے مضارب وہ تین طرح ہے،

نَوْعٌ يَمْلِكُهُ بِمُطْلَقِ الْمُضَارَبَةِ وَهُوَ مَا يَكُونُ مِنْ بَابِ الْمُضَارَبَةِ وَتَوَابِعِهَا وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا،

ایک وہ جس کا وہ مالک ہوتا ہے مطلق مضاربت سے، اور وہ یہ کہ ہو بابِ مضاربت اور اس کے توابع میں سے، اور وہ وہی ہیں جو ہم ذکر کر چکے،

وَمِنْ جُمْلَتِهِ التَّوْكِيلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لِلْحَاجَةِ إلَيْهِ وَالرَّهْنُ وَالِارْتِهَانُ لِأَنَّهُ إيفَاءٌ

اور من جملہ ان کے وکیل کرنا ہے خرید اور فروخت کے لیے؛ بوجہ حاجت کے اس کی طرف، اور رہن لینا اور دینا؛ کیونکہ یہ ادا کرنا

وَاسْتِيفَاءٌ وَالْإِجَارَةُ وَالِاسْتِئْجَارُ وَالْإِيدَاعُ وَالْإِبْضَاعُ وَالْمُسَافَرَةُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

اور وصول کرنا ہے، اور اجارہ پر دینا اور اجارہ پر لینا، امانت رکھنا، بضاعت دینا، اور سفر کرنا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو اس سے پہلے۔

{7}وَنَوْعٌ لَا يَمْلِكُهُ بِمُطْلَقِ الْعَقْدِ وَيَمْلِكُهُ إذَا قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِك،

اور ایک قسم وہ ہے کہ مضارب مالک نہیں ہوتا اس کا مطلق عقد سے، اور مالک ہوتا ہے اس کا جب کہا جائے اس سے: کہ کام کر اپنی رائے پر،

وَهُوَ مَا يَحْتَمِلُ أَنْ يَلْحَقَ بِهِ فَيَلْحَقَ عِنْدَ وُجُودِ الدَّلَالَةِ ، وَذَلِكَ مِثْلُ دَفْعِ الْمَالِ مُضَارَبَةً أَوْ شَرِكَةً إلَى غَيْرِهِ

اور یہ وہ ہے کہ احتمال رکھتا ہو ملحق ہونے کا قسم اول کے ساتھ دلالت موجود ہونے کے وقت، اور یہ جیسے مال دینا مضاربۃً یا شرکۃً دوسرے کو،

وَخَلْطِ مَالِ الْمُضَارَبَةِ بِمَالِهِ أَوْ بِمَالِ غَيْرِهِ لِأَنَّ رَبَّ الْمَالِ رَضِيَ بِشَرِكَتِهِ لَا بِشَرِكَةِ غَيْرِهِ

اور خلط کرنا مالِ مضاربت کو اپنے مال سے یا غیر کے مال سے؛ کیونکہ رب المال راضی ہے اس کی شرکت پر نہ کہ دوسرے کی شرکت پر،

{8} وَهُوَ أَمْرٌ عَارِضٌ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ التِّجَارَةُ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ مُطْلَقِ الْعَقْدِ وَلَكِنَّهُ جِهَةٌ فِي التَّثْمِيرِ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يُوَافِقُهُ

اور یہ امر زائد ہے موقوف نہیں اس پر تجارت، پس داخل نہ ہوگا مطلق عقد کے تحت، لیکن یہ ایک طریقہ ہے مال بڑھانے کا تو اس جہت سے موافق ہے اس کے

فَيَدْخُلُ فِيهِ عِنْدَ وُجُودِ الدَّلَالَةِ وَقَوْلُهُ اعْمَلْ بِرَأْيِك دَلَالَةٌ عَلَى ذَلِكَ . {9} وَنَوْعٌ لَا يَمْلِكُهُ

پس داخل ہوگا اس میں وجودِ دلالت کے وقت، اور رب المال کا قول "عمل کر اپنی رائے پر" دلالت ہے اس پر۔ اور ایک قسم وہ ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہوتا ہے

بِمُطْلَقِ الْعَقْدِ وَلَا بِقَوْلِهِ اعْمَلْ بِرَأْيِك إلَّا أَنْ يَنُصَّ عَلَيْهِ رَبُّ الْمَالِ وَهُوَ الِاسْتِدَانَةُ ، وَهُوَ

مطلق عقد سے اور نہ اس کے قول "کہ اپنی رائے پر عمل کر" سے مگر یہ کہ تصریح کردے اس کی رب المال، اور وہ ادھار لینا ہے جس کی صورت یہ ہے

أَنْ يَشْتَرِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ بَعْدَمَا اشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ السِّلْعَةَ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يَصِيرُ الْمَالُ زَائِدًا

کہ خرید لے دراہم اور دنانیر کے عوض بعد اس کے کہ خرید لے راس المال سے سامان، یا جو مشابہ ہو اس کے؛ کیونکہ مالِ مضاربت زائد ہوا جاتا ہے

عَلَى مَا انْعَقَدَ عَلَيْهِ الْمُضَارَبَةُ وَلَا يَرْضَى بِهِ وَلَا يَشْغَلُ ذِمَّتَهُ بِالدَّيْنِ ، {10} وَلَوْ أَذِنَ لَهُ

اس سے جس پر منعقد ہوئی ہے مضاربت، پس رب المال راضی نہ ہوگا اس پر اور نہ مشغول کرے گا اپنے ذمہ کو دین کے ساتھ۔ اور اگر اجازت دی اس کو

رَبُّ الْمَالِ بِالِاسْتِدَانَةِ صَارَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ بِمَنْزِلَةِ شَرِكَةِ الْوُجُوهِ {11} وَأَخْذِ السَّفَاتِجِ لِأَنَّهُ نَوْعٌ مِنَ الِاسْتِدَانَةِ،

رب المال نے قرض لینے کی تو ہوگی خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصفا نصف بمنزلہ شرکتِ وجوہ کے، اور ہنڈی لینا ہے؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا قرض لینا ہے،

وَكَذَا إعْطَاؤُهَا لِأَنَّهُ إقْرَاضٌ وَالْعِتْقُ بِمَالٍ وَبِغَيْرِ مَالٍ وَالْكِتَابَةُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتِجَارَةٍ وَالْإِقْرَاضُ

اسی طرح ہنڈی دینا ہے؛ کیونکہ یہ قرض دینا ہے، اور آزاد کرنا مال اور بغیر مال کے، اور مکاتب کرنا؛ کیونکہ یہ تجارت نہیں، اور قرض دینا،

وَالْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مَحْضٌ .

ہبہ کرنا اور صدقہ دینا؛ کیونکہ یہ محض تبرع ہے۔

**تشریح:۔** {1} مضارب کے لیے نقد خریدنا اور فروخت کرنا بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے؛ کیونکہ نقد اور ادھار دونوں طرح کی خرید و فروخت تاجروں کی عادات میں سے ہیں اور مضارب کے لیے ہر وہ کام جائز ہے جو تاجروں میں معتاد ہو، پس جب نقد اور ادھار دونوں تاجروں کے ہاں معتاد ہیں تو مطلق عقدِ مضاربت ان دونوں قسم کی خرید و فروخت کو شامل ہوگا۔

{2} البتہ اگر مضارب نے ادھار میں اتنی میعاد تک مال مضاربت کو فروخت کر دیا جس میعاد تک تاجر لوگ نہیں فروخت کرتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مضارب کو ایسے امور کا اختیار ہے جو تاجروں میں عام معتاد اور معروف ہوں غیر معروف کام کا اختیار نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مضارب کو سواری کے لیے جانور خریدنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ تاجروں کے ہاں معروف ہے، مگر کشتی خریدنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ تاجروں میں معروف نہیں ہے۔ ہاں مضارب کو کشتی کرایہ پر لینے کا اختیار ہے؛ کیونکہ کشتی کرایہ پر لینا تاجروں کی عادت ہے۔ اور مشہور روایت کے مطابق مضارب کو اختیار ہے کہ مضاربت کے غلاموں میں سے کسی غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دیدے؛ کیونکہ یہ بھی تاجروں کے افعال میں سے ہے، اور یہی راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: و اعلم أن الرواية المشهورة هي الرواية المنصورة و عليها اقتصار المتون و الشروح وهي الراجحة (هامش الهداية: 265/3)

{3} اگر مضارب نے مال مضاربت نقد ثمن کے عوض فروخت کیا پھر مشتری سے ثمن کو مؤخر کر کے مہلت دیدی تو یہ بالاجماع جائز ہے؛ طرفین ؒ کے نزدیک تو اس وجہ سے جائز ہے کہ جب وکیل کو اختیار ہے کہ نقد فروخت کر کے مشتری کو ثمن میں مہلت دیدے تو مضارب کو بدرجۂ اولیٰ یہ اختیار ہوگا؛ کیونکہ وکیل کو شرکت حاصل نہیں جبکہ مضارب نفع میں شریک ہوتا ہے۔ البتہ مضارب اور وکیل میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ مضارب رب المال کے لیے مؤخر کردہ ثمن کا ضامن نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ مضارب کو یہ اختیار ہے کہ بیع کا اقالہ کر کے مشتری کے ہاتھ ادھار فروخت کر دے جبکہ بیع کے وکیل کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ بیع کا اقالہ کر کے مشتری کے ہاتھ ادھار فروخت کر دے۔

{4} اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک اس وجہ سے جائز ہے کہ مضارب تو اقالہ کر کے مشتری کے ہاتھ ادھار فروخت کر سکتا ہے تو ابتداء سے ثمن میں مہلت دینا بھی جائز ہے جبکہ وکیل کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ اقالہ کر کے مشتری کے ہاتھ ادھار فروخت نہیں کر سکتا ہے لہٰذا اس کو ابتداءً ثمن میں مہلت دینے کا اختیار بھی نہ ہوگا۔

{5} اور اگر مضارب نے ثمن کا حوالہ کسی مالدار یا تنگدست پر قبول کیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ حوالہ قبول کرنا بھی تاجروں کی عادات میں سے ہے۔ اس کے برخلاف اگر وصی یتیم کے مال کا حوالہ قبول کرے تو اس میں دیکھا جائے گا کہ یتیم کے حق میں کیا بہتر ہے یعنی اگر مقروض سے یہ شخص زیادہ مالدار ہو جس پر حوالہ کیا گیا ہے تو یہ یتیم کے حق میں بہتر ہے اس لیے جائز ہے اور اگر محتال علیہ شخص مقروض سے زیادہ تنگدست ہو تو چونکہ یہ حوالہ یتیم کے حق میں بہتر نہیں ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وصی کی ولایت یتیم کی

رعایت اور اس کے لیے بہتری کی شرط کے ساتھ مقید ہے اور یہ شرط مالدار کا حوالہ قبول کرنے میں پائی جاتی ہے تنگدست کا حوالہ قبول کرنے میں نہیں پائی جاتی ہے اس لیے دونوں صورتوں کا حکم مختلف ہے۔

{6} اور اس موقع پر ضابطہ یہ ہے کہ مضارب جو کام کرتا ہے وہ تین طرح کے ہوتے ہیں، پہلی قسم وہ افعال ہیں جو مطلق مضاربت سے مضارب کو ان کا اختیار ہوتا ہے، اور یہ وہ کام ہیں جو مضاربت اور توابع مضاربت کے باب میں سے ہوں جن کو ہم ذکر کر چکے یعنی نقد اور ادھار فروخت کرنا اور مضاربت کے غلام کو تجارت کی اجازت دینا اور ثمن کے لیے مہلت دینا اور ثمن کا حوالہ قبول کرنا وغیرہ۔ اور ان جملہ میں سے خرید و فروخت کے لیے وکیل کرنا بھی ہے کہ مضارب کے لیے جائز ہے کہ کسی کو وکیل بنائے؛ کیونکہ خرید و فروخت کے لیے وکیل بنانے کی ضرورت ہے، اسی طرح رہن لینا اور رہن رکھنا ہے؛ کیونکہ رہن دینا قرض ادا کرنے کے معنی میں ہے اور رہن لینا قرض وصول کرنے کے معنی میں ہے، اسی طرح اجارہ پر کوئی چیز لینا اور اجارہ پر کوئی چیز دینا ہے اور کسی کے پاس مال ودیعت رکھنا اور کسی کو مال بطورِ بضاعت دینا ہے اور مال کو سفر میں لے جانا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے کہ جب مضاربت کسی زمان، مکان، سامان وغیرہ کے ساتھ مقید نہ ہو تو مضارب کے لیے نقد اور ادھار خرید و فروخت جائز ہے، اور وکیل بنانا اور مال کو سفر میں لے جانا وغیرہ جائز ہے۔

{7} دوسری قسم وہ افعال ہیں کہ مطلق عقد سے مضارب کو ان کا اختیار نہیں ہوتا ہے بلکہ اس وقت اس کو اختیار ہوتا ہے کہ جب اس سے یوں کہا جائے کہ "تو اپنی رائے سے کام کر" اور یہ قسم وہ افعال ہیں جو اول قسم کے ساتھ لاحق ہو سکتے ہیں پس جب کوئی دلیل پائی جائے تو اول قسم کے ساتھ لاحق کئے جائیں گے مثلاً کسی دوسرے شخص کو مضاربت کا مال مضاربت یا شرکت پر دینا، یا مضاربت کے مال کو اپنے مال کے ساتھ یا کسی دوسرے شخص کے مال کے ساتھ خلط کرنا، تو مضارب کو ان افعال کا اختیار نہیں؛ کیونکہ مال کا مالک خود مضارب کے ساتھ شرکت پر تو راضی ہوا تھا مگر دوسرے شخص کے ساتھ شرکت پر راضی نہیں ہوا ہے اس لیے مضارب کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔

{8} اور مذکورہ بالا کام چونکہ ایک عارض اور زائد امر ہے کہ ان پر مضاربت کا کام موقوف نہیں ہے اس لیے یہ مطلق مضاربت کے تحت میں داخل نہ ہوں گے۔ البتہ چونکہ یہ بھی مال بڑھانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے تو اس اعتبار سے یہ عقدِ مضاربت کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں پس اگر کوئی دلیل پائی گئی تو یہ کام عقدِ مضاربت میں داخل ہوں گے، اور مالک کا مضارب سے یہ کہنا کہ "تو اپنی رائے سے کام کر" دلیل یہ ہے کہ یہ کام عقدِ مضاربت میں داخل ہیں۔

{9} تیسری قسم وہ افعال ہیں جو مطلق عقد سے مضارب کو ان کا اختیار نہیں ہوتا ہے اور نہ رب المال کے اس کہنے سے مضارب کو ان کا اختیار ہوتا ہے کہ "تو اپنی رائے سے کام کر" البتہ اس صورت میں اس کو اختیار ہوتا ہے کہ جب رب المال ان افعال کو صریح بیان کرے، اور اس قسم کے افعال میں سے ایک مضارب کا ادھار لینا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مضارب پورے رأس المال کے عوض اسباب خریدلے پھر دراہم اور دنانیر کے عوض کوئی چیز ادھار خریدلے تو یہ اُدھار خریدنا مالک کی صریح اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں جس مال پر مضاربت منعقد ہوئی تھی اس سے رأس المال بڑھ جاتا ہے تو رب المال اس زائد پر راضی نہ ہوگا اور نہ اپنے ذمہ کو قرضہ کے ساتھ مشغول کرے گا اس لیے مضارب کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔

{10} اور اگر رب المال نے اس کو ادھار لینے کی اجازت دی ہو تو جو چیز ادھار خریدی ہے وہ مضاربت نہیں بلکہ بمنزلہ شرکۃ الوجوہ کے رب المال اور مضارب کے درمیان نصف نصف مشترک ہوگی اس لیے اس صورت میں مضارب کے لیے ادھار خریدنا جائز ہے۔

ف: شرکتِ عقد کی چوتھی قسم شرکتِ وجوہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ شریکین کے پاس مال نہیں ہوتا وہ اس بات پر عقدِ شرکت کرتے ہیں کہ اپنے اعتبار و اعتماد کی بناء پر مال ادھار خریدیں گے پھر اسے فروخت کرکے جو نفع حاصل ہوگا وہ آپس میں تقسیم کریں گے، شرکت کی یہ قسم بھی جائز ہے۔ اس قسم کا نام شرکتِ وجوہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگوں سے اعتماد کی بناء پر ادھار کوئی چیز وہی خرید سکتا ہے جس کی لوگوں میں وجاہت اور اعتبار ہو۔

{11} تیسری قسم کے افعال میں سے دوم سفتجہ (ہنڈی) کا لین دین کرنا ہے؛ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ادھار لینا ہوتا ہے لہٰذا مالک کی صریح اجازت کے بغیر مضارب کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔ اسی طرح سفتجہ دینا بھی تیسری قسم کے افعال میں سے ہے؛ کیونکہ یہ قرض دینا ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم کے افعال میں سے سوم بعوضِ مال یا بغیر عوض کے غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اور چہارم غلام کو مکاتب کرنا ہے؛ کیونکہ یہ تجارت کے افعال میں سے نہیں ہیں اس لیے مالک کی صریح اجازت دینے کے بغیر مضارب کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔ اور پنجم مضارب کا کسی کو قرض دینا ہے۔ اور ششم مضارب کا کسی کو کوئی چیز ہبہ کرنا ہے۔ اور ہفتم مضارب کا کسی کو کوئی چیز بطورِ صدقہ دینا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ یہ سب کام محض تبرع اور احسان ہیں لہٰذا ان سب افعال کا رب المال کی صریح اجازت کے بغیر مضارب کو اختیار نہیں ہے۔

ف: اصطلاح میں "سفتجہ" یہ ہے کہ ایک شخص کو ایک شہر میں مال حوالہ کیا جائے اور جس شہر میں مال مطلوب ہے، وہاں لینے والے یا اس کے نمائندہ سے مال وصول کرلیا جائے۔ اس میں دینے والا بطورِ قرض دیتا ہے تاکہ اگر مال ضائع ہو جائے تو دینے والے پر ذمہ

داری نہ رہے اور اس کا مال بہر طور محفوظ رہے، اس طرح مال دینے والا قرض دے کر راستہ کے خطرات سے تحفظ حاصل کرلیتا ہے، گویا قرض پر مقروض سے ایک طرح کا نفع حاصل کیا جاتا ہے (قاموس الفقہ: 5/153)

{1}قَالَ : وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَلَا أَمَةً مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُزَوِّجُ الْأَمَةَ لِأَنَّهُ

فرمایا: اور نکاح نہ کرائے غلام یا باندی کا مال مضاربت کے، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ نکاح میں دے سکتا ہے باندی؛ کیونکہ یہ

مِنْ بَابِ الِاكْتِسَابِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَسْتَفِيدُ بِهِ الْمَهْرَ وَسُقُوطَ النَّفَقَةِ .{2}وَلَهُمَا أَنَّهُ لَيْسَ بِتِجَارَةٍ

کمائی کے باب سے ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وہ حاصل کرے گا اس سے مہر، اور سقوطِ نفقہ۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ تجارت نہیں،

وَالْعَقْدُ لَا يَتَضَمَّنُ إلَّا التَّوْكِيلَ بِالتِّجَارَةِ وَصَارَ كَالْكِتَابَةِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ فَإِنَّهُ اكْتِسَابٌ، وَلَكِنْ لَمَّا لَمْ يَكُنْ تِجَارَةً

اور عقد متضمن نہیں ہوتا ہے توکیل تجارت کے سوا کو، اور ہو گیا کتابت اور بعوض مال آزاد کرنے کی طرح؛ کیونکہ یہ کمائی ہے لیکن جب تجارت نہیں

لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْمُضَارَبَةِ فَكَذَا هَذَا .{3}قَالَ : فَإِنْ دَفَعَ شَيْئًا مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ إلَى رَبِّ الْمَالِ بِضَاعَةً

تو داخل نہ ہو گا مضاربت کے تحت، پس اسی طرح یہ ہے۔ فرمایا: اور اگر دیدی کوئی چیز مالِ مضاربت سے رب المال کو بضاعت پر،

فَاشْتَرَى رَبُّ الْمَالِ وَبَاعَ فَهُوَ عَلَى الْمُضَارَبَةِ وَقَالَ زُفَرُ : تَفْسُدُ الْمُضَارَبَةُ لِأَنَّ رَبَّ الْمَالِ مُتَصَرِّفٌ

پس خرید و فروخت کردی رب المال نے تو وہ مضاربت پر ہو گی، اور فرمایا امام زفرؒ نے فاسد ہو گی مضاربت؛ کیونکہ رب المال تصرف کر رہا ہے

فِي مَالِ نَفْسِهِ فَلَا يَصْلُحُ وَكِيلًا فِيهِ فَيَصِيرُ مُسْتَرِدًّا وَلِهَذَا لَا تَصِحُّ إذَا شَرَطَ الْعَمَلَ عَلَيْهِ ابْتِدَاءً

اپنے ذاتی مال میں، پس وہ قابل نہیں وکیل ہونے کا اس میں، پس وہ ہو گیا واپس لینے والا، اسی لیے مضاربت صحیح نہیں جب شرط کرلے عمل رب المال پر ابتداء۔

{4}وَلَنَا أَنَّ التَّخْلِيَةَ فِيهِ قَدْ تَمَّتْ وَصَارَ التَّصَرُّفُ حَقًّا لِلْمُضَارِبِ فَيَصْلُحُ رَبُّ الْمَالِ وَكِيلًا عَنْهُ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تخلیہ اس میں تام ہو چکا اور ہو گیا تصرف مضارب کا حق، پس قابل ہو گا رب المال وکیل ہونے کا مضارب کی طرف سے

فِي التَّصَرُّفِ وَالْإِبْضَاعُ تَوْكِيلٌ مِنْهُ فَلَا يَكُونُ اسْتِرْدَادًا ،{5}بِخِلَافِ شَرْطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِ فِي الِابْتِدَاءِ

تصرف میں، اور بضاعت دینا توکیل ہے مضارب کی طرف سے، پس نہ ہو گا یہ واپس لینا، برخلاف عمل شرط کرنے کے اس پر ابتداء میں؛

لِأَنَّهُ يَمْنَعُ التَّخْلِيَةَ، وَبِخِلَافِ مَا إذَا دَفَعَ الْمَالَ إلَى رَبِّ الْمَالِ مُضَارَبَةً حَيْثُ لَا يَصِحُّ لِأَنَّ الْمُضَارَبَةَ تَنْعَقِدُ شَرِكَةً

کیونکہ وہ روکتا ہے تخلیہ کو، اور برخلاف اس کے جبکہ دیدے مال رب المال کو مضاربۃ کہ یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مضاربت منعقد ہو گی شرکت ہو کر

عَلَى مَالِ رَبِّ الْمَالِ وَعَمَلِ الْمُضَارِبِ وَلَا مَالَ هَاهُنَا لِلْمُضَارِبِ ، فَلَوْ جَوَّزْنَاهُ يُؤَدِّي

رب المال کے مال پر اور مضارب کے عمل پر، حالانکہ مال نہیں یہاں مضارب کی جانب سے، تو اگر ہم اس کو جائز قرار دیں تو مفضی ہو گا

إِلَى قَلْبِ الْمَوْضُوعِ ، وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ بَقِيَ عَمَلُ رَبِّ الْمَالِ بِأَمْرِ الْمُضَارِبِ فَلَا تَبْطُلُ بِهِ الْمُضَارَبَةُ الْأُولَى.

قلبِ موضوع کی طرف، اور جب صحیح نہ ہوا تو باقی رہا رب المال کا عمل مضارب کے حکم سے، پس باطل نہ ہوگی اس سے پہلی مضاربت۔

{6} قَالَ: وَإِذَا عَمِلَ الْمُضَارِبُ فِي الْمِصْرِ فَلَيْسَتْ نَفَقَتُهُ فِي الْمَالِ، وَإِنْ سَافَرَ فَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَكِسْوَتُهُ وَرُكُوبُهُ وَمَعْنَاهُ شِرَاءٌ

فرمایا: اور اگر کام کیا مضارب نے شہر میں تو نہ ہوگا اس کا نفقہ مال میں، اور اگر سفر کیا تو اس کا کھانا، پینا، کپڑا اور سواری یعنی خرید کر

وَكِرَاءٌ فِي الْمَالِ . {7} وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِإِزَاءِ الِاحْتِبَاسِ كَنَفَقَةِ الْقَاضِي وَنَفَقَةِ الْمَرْأَةِ،

اور کرایہ پر لے کر، سب مال سے ہوگا، اور وجہ فرق یہ ہے کہ نفقہ واجب ہوتا ہے روکے جانے کے مقابلے میں جیسے قاضی کا نفقہ اور عورت کا نفقہ،

وَالْمُضَارِبُ فِي الْمِصْرِ سَاكِنٌ بِالسُّكْنَى الْأَصْلِيِّ ، وَإِذَا سَافَرَ صَارَ مَحْبُوسًا بِالْمُضَارَبَةِ فَيَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِيهِ،

اور مضارب شہر میں اصلی سکونت سے رہتا ہے، اور جب سفر کیا تو ہو گیا محبوس مضاربت میں پس وہ مستحق ہوگا نفقہ کا مالِ مضاربت میں،

{8} وَهَذَا بِخِلَافِ الْأَجِيرِ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّ الْبَدَلَ لَا مَحَالَةَ فَلَا يَتَضَرَّرُ بِالْإِنْفَاقِ مِنْ مَالِهِ،

اور یہ برخلاف مزدور کے ہے؛ کیونکہ وہ مستحق ہوتا ہے بدل کا لا محالہ، پس وہ نقصان نہیں اٹھائے گا اپنے مال سے خرچ کرنے سے،

أَمَّا الْمُضَارِبُ فَلَيْسَ لَهُ إِلَّا الرِّبْحُ وَهُوَ فِي حَيِّزِ التَّرَدُّدِ ، فَلَوْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِ يَتَضَرَّرُ بِهِ،

رہا مضارب تو نہیں ہے اس کے لیے مگر نفع، اور نفع حیز تردد میں ہے، تو اگر وہ خرچ کر دے اپنے مال سے تو وہ ضرر اٹھائے گا اس سے،

وَبِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ الْفَاسِدَةِ لِأَنَّهُ أَجِيرٌ ، وَبِخِلَافِ الْبِضَاعَةِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ .

اور برخلاف مضاربتِ فاسدہ کے؛ کیونکہ وہ اجیر ہے، اور برخلاف بضاعت کے؛ کیونکہ وہ احسان کرنے والا ہے۔

تشریح:۔ {1} مضارب کو اختیار نہیں ہے کہ مالِ مضاربت کے کسی غلام یا باندی کا نکاح کر دے یعنی غلام کو نکاح کرنے کی اجازت دے اور باندی کو دوسرے کے نکاح میں دے۔ اور نوادر میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ باندی کو مہر کے عوض دوسرے کے نکاح میں دے سکتا ہے؛ کیونکہ یہ بھی کمائی کی قسم سے ہے آپ دیکھیں باندی مہر کے عوض دوسرے کے نکاح میں دینے سے مضارب کو مہر حاصل ہوتا ہے، اور اس کے ذمہ سے باندی کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے تو یہ کمائی ہے اس لیے مضارب کو اس کی اجازت ہوگی۔

{2} طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب ٹھیک ہے مگر یہ تجارت نہیں ہے اور عقدِ مضاربت تجارت کے لیے وکیل کرنے کے علاوہ کسی اور قسم کے طریقۂ کمائی کو شامل نہیں ہے، پس باندی کا نکاح کرنا ایسا ہے جیسے مضاربت کے غلام کو مکاتب کرنا یا مضاربت کے غلام کو مال کے عوض آزاد کرنا؛ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کمائی ہے جس سے مال حاصل ہوتا ہے، مگر چونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے لہٰذا مضاربت کے تحت داخل نہ ہوگا، اسی طرح باندی کا نکاح کرنا بھی مضاربت کے تحت داخل نہ ہوگا۔

فتوی: طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح ہو قول الطرفین، قال العلامۃ اکمل الدین البابرتی: وجوز ابو یوسف تزویج الامۃ لانہ جعلہ من الاکتساب بلزوم المہر و سقوط النفقۃ، والجواب انہ لیس بتجارۃ و ان کان فیہ کسب فصار کالاعتقاق علی مال لایدخل تحت المضاربۃ (القول الراجح: 211/2)

{3} اگر مضارب نے مالِ مضاربت میں سے کچھ مال لے کر ربّ المال کو بضاعت پر دیدیا پس ربّ المال نے اس سے خرید و فروخت کی تو یہ مضاربت پر ہو گا یعنی اس سے مضاربت فاسد نہ ہوگی۔ امام زفرؒ نے فرماتے ہیں کہ مضاربت فاسد ہو جائے گی: کیونکہ اس صورت میں رب المال اپنے مال میں تصرف کر رہا ہے پس وہ اس میں وکیل نہیں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ بندہ اپنے مال میں تصرف کرنے میں غیر کا وکیل نہیں ہوتا ہے لہٰذا ایسا کہا جائے گا کہ اس نے مضارب سے اپنا اس قدر مال واپس لیا ہے تو چونکہ وہ اپنے مال میں تصرف کر رہا ہے اس لیے مضاربت فاسد ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ اگر ابتداءِ مضاربت میں ربّ المال کے ذمہ کام کرنا شرط کیا ہو تو مضاربت صحیح نہیں ہوتی ہے۔

{4} ہماری دلیل یہ ہے کہ ربّ المال نے مضارب اور مالِ مضاربت کے درمیان پورے طور پر تخلیہ کر دیا تھا یعنی بلا روک ٹوک اس کے سپرد کر دیا تھا اور اس میں تصرف کرنے کا حق مضارب کو حاصل ہو گیا تھا تو اب ربّ المال اس مال میں تصرف کرنے میں اجنبی کی طرح ہے اس لیے وہ اس مال میں تصرف کرنے میں مضارب کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے۔ اور مضارب کا ربّ المال کو بضاعت دینا بھی اس کی طرف سے توکیل ہے تو بضاعت دینے سے یہ لازم نہ آئے گا کہ ربّ المال نے اپنا مال واپس لیا ہے اس لیے مضاربت فاسد ہو جائے گی بلکہ ربّ المال مضارب کی طرف سے وکیل ہے اور مضاربت برقرار ہے۔

{5} اس کے برخلاف اگر ابتداء میں ربّ المال کے ذمہ کام کو شرط کیا ہو تو اس سے مضاربت فاسد ہو جائے گی؛ کیونکہ ربّ المال کے ذمہ کام کو شرط کرنا مضارب اور مال کے درمیان تخلیہ کے لیے مانع ہو گا حالانکہ مضارب اور مال کے درمیان تخلیہ واجب ہے۔

اور اس کے برخلاف اگر مضارب نے مال ربّ المال کو بضاعت پر نہیں دیا ہو بلکہ مضاربت پر دیا ہو تو یہ دوسری مضاربت صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ مضاربت اس طرح کی شرکت پر منعقد ہوتی ہے کہ مال والے کی طرف سے مال ہو اور مضارب کی طرف سے کام ہو حالانکہ مضارب یہاں وہی ہے جو ربّ المال ہے اور اول مضارب کی طرف سے مال نہیں ہے پس اگر ہم اس مضاربت کو جائز کہیں تو لازم آئے کہ مضاربت جس معنی کے لیے موضوع ہے وہ الٹ ہو جائے؛ کیونکہ یہاں مال اور عمل دونوں ربّ المال پر ہوں گے لہٰذا قلبِ موضوع اور قلبِ حقیقت ہے اور قاعدہ ہے کہ جو بھی کام قلبِ موضوع کو مفضی ہو وہ باطل ہے اس لیے یہ دوسری مضاربت صحیح

نہیں ہے، اور جب یہ مضاربت صحیح نہ ہوئی تو ربّ المال کا کام کرنا بطورِ مضاربت نہ ہوگا بلکہ مضارب کے حکم سے ہوگا پس ربّ المال کو مال دینے سے پہلی مضاربت باطل نہ ہوگی۔

{6} اگر مضارب نے اپنے شہر میں مضاربت کا کام کیا تو اس کا نفقہ مالِ مضاربت میں سے نہ ہوگا، اور اگر اس نے سفر کیا یعنی مالک کی اجازت سے مالِ مضاربت اپنے شہر سے باہر لے گیا تو اس کا کھانا اور پینا اور کپڑے اور سواری مالِ مضاربت میں سے ہوگی، سواری کا مالِ مضاربت سے ہونے کا معنی یہ ہے کہ مضارب سواری خرید لے یا کرایہ پر لے کر اس پر سوار ہو جائے۔

{7} اپنے شہر میں کام کرنے اور سفر میں مال لے جانے میں حکم مختلف ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کا نفقہ احتباس (غیر کے لیے خود کو روک دینے) کے مقابلے میں ہوتا ہے جیسے قاضی عام لوگوں کے کام میں مشغول ہو کر رُکا رہتا ہے تو اس کا نفقہ بیت المال سے ہوتا ہے اور جیسے عورت اپنے شوہر کے گھر اس کے قبضہ میں رُکی رہتی ہے تو اس کا خرچہ اس کے شوہر پر ہوتا ہے۔ اور مضارب جب تک اپنے شہر میں ہے تو وہ اصلی سکونت کے ساتھ رہتا ہے اس لیے اس کا نفقہ مالِ مضاربت میں سے نہ ہوگا، اور جب وہ سفر میں جاتا ہے تو مضاربت میں مشغول ہو کر محبوس ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اس احتباس کی وجہ مالِ مضاربت سے نفقہ کا مستحق ہوگا۔

{8} اور یہ حکم اجیر (مزدور) کے برخلاف ہے کہ وہ نفقہ کا مستحق نہیں ہوتا اگرچہ سفر کرے؛ کیونکہ اجیر تو لازمی طور پر اپنے عوض (یعنی مزدوری) کا مستحق ہوتا ہے اس لیے کہ وہ مزدوری کے عوض کام کرتا ہے تو وہ اپنے مال سے خرچ کرنے میں ضرر نہیں اٹھائے گا۔ اور مضارب کے لیے چونکہ نفع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور نفع کے حصول میں تردّد ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ حاصل ہو اور ہو سکتا ہے کہ حاصل نہ ہو، پس اگر وہ اپنے مال سے خرچہ کرے گا تو ضرر اٹھائے گا۔ اور یہ حکم مضاربتِ صحیحہ میں ہے باقی مضاربتِ فاسدہ کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ مضاربتِ فاسدہ میں مضارب فقط اجیر ہوتا ہے یعنی اپنے کام کی اُجرتِ مثل لیتا ہے خواہ نفع ہو یا نہ ہو اس لیے اس کے لیے نفقہ نہ ہوگا۔ اسی طرح بضاعت پر مال لینے والے کا حکم بھی اس کے برخلاف ہے کہ اس کے لیے بھی نفقہ نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ تو کام کر کے احسان کرنے والا ہے اس لیے اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

{1} قَالَ : فَإِنْ بَقِيَ شَيْءٌ فِي يَدِهِ بَعْدَمَا قَدِمَ مِصْرَهُ رَدَّهُ فِي الْمُضَارَبَةِ ؛ لِانْتِهَاءِ الِاسْتِحْقَاقِ،

فرمایا: اور اگر باقی رہی کوئی چیز اس کے قبضہ میں اپنے شہر میں آنے کے بعد تو واپس کردے وہ مضاربت میں؛ استحقاق کے انتہاء کو پہنچنے کی وجہ سے،

وَلَوْ كَانَ خُرُوجُهُ دُونَ السَّفَرِ فَإِنْ كَانَ بِحَيْثُ يَغْدُو ثُمَّ يَرُوحُ فَيَبِيتُ بِأَهْلِهِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ

اور اگر اس کا خروج مسافتِ سفر سے کم ہو، تو اگر اس طرح ہو کہ صبح کو جاتا پھر شام کو واپس آتا ہو اور رات گزارتا ہو اپنے گھر میں تو وہ بمنزلہ

السُّوقِيِّ فِي الْمِصْرِ ، وَإِنْ كَانَ بِحَيْثُ لَا يَبِيتُ بِأَهْلِهِ فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ ؛ لِأَنَّ خُرُوجَهُ لِلْمُضَارَبَةِ،

شہر میں بازاری کے ہے، اور اگر اس طرح ہو کہ رات نہ گذار سکتا ہو اپنے گھر میں تو اس کا نفقہ مال مضاربت میں ہو گا؛ کیونکہ اس کا خروج مضاربت کے لیے ہے۔

{2} وَالنَّفَقَةُ هِيَ مَا يُصْرَفُ إِلَى الْحَاجَةِ الرَّاتِبَةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا ، وَمِنْ ذَلِكَ غَسْلُ ثِيَابِهِ

اور نفقہ وہ ہے جو صرف کیا جاتا ہے روز مرہ کی ضرورتوں میں، اور یہ وہی ضرورتیں ہیں جو ہم ذکر کر چکے، اور من جملہ ان کے کپڑے دھلائی

وَأُجْرَةُ أَجِيرٍ يَخْدُمُهُ وَعَلَفُ دَابَّةٍ يَرْكَبُهَا وَالدُّهْنُ فِي مَوْضِعٍ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ عَادَةً كَالْحِجَازِ.

اس مزدور کی مزدوری جو اس کی خدمت کرے، اس جانور کا چارہ جس پر وہ سوار ہوتا ہے، اور تیل ایسی جگہ میں جہاں احتیاج ہو اس کی عادۃً جیسے حجاز۔

{3} وَإِنَّمَا يُطْلَقُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ بِالْمَعْرُوفِ حَتَّى يَضْمَنَ الْفَضْلَ إِنْ جَاوَزَهُ اعْتِبَارًا لِلْمُتَعَارَفِ بَيْنَ التُّجَّارِ.

اور اجازت ان سب میں معروف طریقہ پر ہے حتی کہ ضامن ہو گا زائد مقدار کا اگر تجاوز کیا اس سے؛ اعتبار کرتے ہوئے تجار کے درمیان متعارف کا۔

قَالَ : وَأَمَّا الدَّوَاءُ فَفِي مَالِهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَدْخُلُ فِي النَّفَقَةِ لِأَنَّهُ

رہی دواء تو وہ مضارب کے مال سے ہو گی ظاہر الروایت میں، اور امام صاحب ؒ سے مروی ہے کہ دواء داخل ہے نفقہ میں؛ کیونکہ دواء

لِإِصْلَاحِ بَدَنِهِ وَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ التِّجَارَةِ إِلَّا بِهِ فَصَارَ كَالنَّفَقَةِ ،وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى النَّفَقَةِ مَعْلُومَةُ الْوُقُوعِ

اس کے بدن کی اصلاح کے لیے ہے، اور قدرت نہیں مگر اس سے، پس ہو گئی نفقہ کی طرح، ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ کی حاجت کا وقوع معلوم ہے،

وَإِلَى الدَّوَاءِ بِعَارِضِ الْمَرَضِ ، وَلِهَذَا كَانَتْ نَفَقَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَدَوَاؤُهَا فِي مَالِهَا.

اور دواء کی حاجت عارضِ مرض کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی وجہ سے عورت کا نفقہ شوہر پر ہے اور اس کی دواء اپنے مال سے ہوتی ہے۔

{4} قَالَ : وَإِذَا رَبِحَ أَخَذَ رَبُّ الْمَالِ مَا أَنْفَقَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ ، فَإِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً

فرمایا: اور جب مضارب نفع کمائے تو لے لے رب المال وہ جو اس نے خرچ کیا ہے راس المال میں سے، اور اگر فروخت کیا سامان مرابحہ پر

حَسَبَ مَا أَنْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ مِنَ الْحُمْلَانِ وَنَحْوِهِ ، وَلَا يَحْتَسِبُ مَا أَنْفَقَ عَلَى نَفْسِهِ ؛ لِأَنَّ الْعُرْفَ جَارٍ

تو شمار کرے وہ جو اس نے خرچ کیا ہے سامان پر یعنی بار برداری وغیرہ، اور شمار نہ کرے وہ جو اس نے خرچ کیا ہے اپنی ذات پر؛ کیونکہ عرف جاری ہے

بِإِلْحَاقِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي ، وَلِأَنَّ الْأَوَّلَ يُوجِبُ زِيَادَةً فِي الْمَالِيَّةِ بِزِيَادَةِ الْقِيمَةِ وَالثَّانِيَ لَا يُوجِبُهَا.

اول کے الحاق کے ساتھ نہ کہ ثانی کے، اور اس لیے کہ اول واجب کرتا ہے زیادتی کو مالیت میں قیمت کی زیادتی سے، اور ثانی واجب نہیں کرتا ہے زیادتی کو۔

{5} قَالَ : فَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَى بِهَا ثِيَابًا فَقَصَرَهَا أَوْ حَمَلَهَا بِمِائَةٍ مِنْ عِنْدِهِ

فرمایا: اگر ہوں مضارب کے پاس ہزار درہم، پس خریدے ان کے عوض کپڑے، پس دھولیا ان کو یا لادا یا ان کو سو درہم کے عوض اپنی طرف سے

وَقَدْ قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِدَانَةٌ عَلَى رَبِّ الْمَالِ فَلَا يَنْتَظِمُهُ هَذَا الْمَقَالُ

حال یہ کہ کہا گیا تھا اس سے کہ "کام کر اپنی رائے پر" تو وہ احسان کرنے والا ہے؛ کیونکہ یہ ادھار ہے رب المال پر، تو شامل نہ ہو گا اس کو یہ قول،

عَلٰی مَا مَرَّ{6} وَإِنْ صَبَغَهَا أَحْمَرَ فَهُوَ شَرِيكٌ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ وَلَا يَضْمَنُ؛
جیسا کہ گذر چکا، اور اگر کپڑے کو سرخ رنگ دیا، تو مضارب شریک ہو گا اس میں جو اضافہ کیا ہے رنگ نے اس میں، اور ضامن نہ ہو گا؛

لِأَنَّهُ عَيْنُ مَالٍ قَائِمٍ بِهِ حَتَّى إِذَا بِيعَ كَانَ لَهُ حِصَّةُ الصَّبْغِ وَحِصَّةُ الثَّوْبِ الْأَبْيَضِ
کیونکہ یہ مال عین ہے جو قائم ہے کپڑے کے ساتھ، حتی کہ اگر فروخت کیا گیا تو مضارب کے لیے رنگ کا حصہ ہو گا، اور سفید کپڑے کا حصہ ثمن

عَلَى الْمُضَارَبَةِ{7} بِخِلَافِ الْقِصَارَةِ وَالْحَمْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَيْنِ مَالٍ قَائِمٍ بِهِ، وَلِهَذَا إِذَا فَعَلَهُ الْغَاصِبُ
مضاربت پر ہو گا۔ بر خلاف دھونے اور بار برداری کے؛ کیونکہ یہ مال عین نہیں جو قائم ہو اس کے ساتھ، اسی لیے اگر غاصب نے یہ کام کیا

ضَاعَ وَلَا يَضِيعُ إِذَا صَبَغَ الْمَغْصُوبَ، وَإِذَا صَارَ شَرِيكًا بِالصَّبْغِ انْتَظَمَهُ قَوْلُهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ انْتِظَامَهُ الْخَلْطَةَ فَلَا يَضْمَنُهُ
تو ضائع ہو گا اس کا عمل اور ضائع نہ ہو گا اگر اس نے سرخ دیا مغصوب کپڑے کو، اور جب مضارب شریک ہوا رنگ سے تو شامل ہو گا اس
کا قول "عمل کر اپنی رائے پر" جیسے اس کا شمول ملانے کو، پس وہ ضامن نہ ہو گا اس کا۔

تشریح:۔ {1} اگر مضارب اپنے شہر میں واپس آیا اور نفقہ میں سے کوئی چیز اس کے ہاتھ میں باقی ہو مثلاً کچھ طعام باقی ہو تو اس کو مال مضاربت میں واپس کر دے؛ کیونکہ اپنے شہر واپس آنے کی وجہ سے اس کا استحقاقِ نفقہ ختم ہو گیا اس لیے اسے مال مضاربت میں واپس کرے۔ اور اگر مضارب اپنے شہر سے سفر سے کم مقدار مسافت پر گیا ہو یعنی تین رات دن سے کم مسافت پر گیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ صبح کو جاتا ہو اور شام کو واپس ہو کر اپنے گھر رہتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے شہر کے بازار میں کام کرنے والا کہ اس کے لیے مال مضاربت میں نفقہ نہیں ہو گا، اور اگر اتنی مسافت پر ہو کہ رات اپنے گھر نہ گذار سکتا ہو تو اس کا نفقہ مالِ مضاربت سے ہو گا؛ کیونکہ اس کا باہر جانا مضاربت کے لیے ہے اس لیے اس کا نفقہ مالِ مضاربت میں سے ہو گا۔

{2} اور نفقہ ان چیزوں کا نام ہے جو روزمرہ کی حاجتوں میں صرف ہوتی ہیں اور یہ وہی چیزیں ہیں جو ہم اوپر ذکر کر چکے یعنی کھانا پینا، کپڑے اور سواری، اور ان چیزوں میں سے کپڑوں کی دھلائی ہے؛ کیونکہ اس کی ضرورت ہوتی ہے، اور خدمت کرنے والے نوکر کی مزدوری ہے، اور جس سواری پر سوار ہوتا ہے اس کا دانہ چارہ ہے اور تیل جہاں عادۃً اس کی ضرورت ہو جیسے ملکِ حجاز میں کہ وہاں گرمی زیادہ ہے وہاں کے رہنے والے بدن پر تیل لگانے کے محتاج ہوتے ہیں۔

{3} پھر ان سب باتوں میں اس کو اس قدر خرچ کی اجازت ہے جو معروف ہو یعنی بغیر اسراف کے خرچ کر سکتا ہے پس تجار کے ہاں متعارف کا اعتبار کرتے ہوئے اگر اس نے ان کی معروف عادت سے تجاوز کر کے فضول خرچی کی تو زیادتی کے بقدر ضامن ہو گا۔

رہادواء کا خرچہ تو ظاہر الروایت کے مطابق وہ مضارب کے مال میں سے ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہ" سے ایک روایت ہے کہ دواء کا ثمن نفقہ میں شامل ہوگا لہذا مال مضاربت میں سے ہوگا؛ کیونکہ دواء مضارب کے بدن کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے اور بدن کی اصلاح کے بغیر وہ تجارت نہیں کر سکتا تو دواء نفقہ کی طرح ہوگئی اس لیے دواء کا خرچہ مال مضاربت میں سے ہوگا۔ اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ کی ضرورت کا واقع ہونا تو معلوم ہے جبکہ دواء کی ضرورت عارضہ مرض کی وجہ سے ہوتی ہے پس مرض کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے لہذا مرض کی دواء کا وہ حکم نہیں جو نفقہ کا ہے، دواء اور نفقہ میں اسی فرق کی وجہ سے عورت کا نفقہ اس کے شوہر پر ہوتا ہے اور اس کی دوائی اپنے مال میں سے ہوتی ہے شوہر کے ذمہ نہیں ہوتی ہے۔

{4} جب مضارب مال مضاربت میں نفع کمائے تو جو کچھ اس نے رأس المال میں سے اپنے نفقہ میں خرچ کیا ہے رب المال اس کو نفع میں سے لے لے گا یعنی اپنا رأس المال پورا کرلے گا تب بقیہ نفع کو تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر مضارب نے اپنے نفقہ میں مال خرچ کرنے کے بعد اسباب مضاربت کو مرابحہ پر فروخت کرنا چاہا تو جو کچھ اس سامان کی باربرداری اور دیگر اس طرح کے کاموں میں خرچ کیا ہو وہ ثمن میں شامل کرے یعنی اس خرچہ کو مبیع کے ثمن میں شامل کرکے اس طرح کہے کہ "مجھ کو اتنے میں یہ چیز پڑی ہے"۔ اور جو کچھ مضارب نے اپنی ذات پر نفقہ کے لیے خرچ کیا ہو اس کو مبیع کے ثمن میں نہ ملائے؛ کیونکہ رواج یہ ہے کہ جو کچھ اس سامان پر خرچ کیا ہو وہ ملایا جاتا ہے اور جو اپنی ذات پر خرچ کیا ہو وہ نہیں ملایا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسباب پر کیا گیا خرچہ اسباب کی مالیت کو بڑھا دیتا ہے یعنی اسباب کی قیمت بڑھ جاتی ہے اس لیے اس خرچہ کو اسباب کے ثمن میں ملا دیا جائے گا، اور اپنی ذات پر کیا گیا خرچہ اسباب کی مالیت نہیں بڑھاتا ہے اس لیے اس کو اسباب کے ثمن میں نہیں ملایا جائے گا۔

{5} اگر مضارب کے پاس ہزار درہم ہوں اور ان کے عوض اس نے کپڑے خرید لیے پھر اپنے پاس سے سو درہم دے کر ان کو دھوبی سے دُھلا دیا، یا سو درہم دے کر ان کو کسی جانور وغیرہ پر لادلایا، اور رب المال نے اس سے کہا تھا کہ "اپنی رائے پر کام کر" تو وہ ان سو درہم کے خرچ کرنے میں احسان کرنے والا ہے یعنی رب المال سے یہ سو درہم نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ یہ رب المال کے ذمہ پر ادھار لینا ہے تو رب المال کی مذکورہ اجازت (کہ اپنی رائے پر کام کر) اس کو شامل نہ ہوگا ؛ کہ تصریح ضروری ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا کہ تیسری قسم وہ افعال ہیں جن کا مضارب صریح اجازت کے بغیر مالک نہیں ہوتا ہے اور ان میں سے ایک ادھار لینا ہے۔

{6} اور اگر مضارب نے ان کپڑوں کو سرخ رنگ سے رنگ دیا تو رنگ نے ان کپڑوں میں جو کچھ اضافہ کیا اس میں مضارب اپنے رب المال کا شریک ہوگا اور مضارب ضامن نہیں ہوگا؛ کیونکہ رنگ تو ایک مال عین ہے جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے پس اپنے مال کو رب المال کے مال کے ساتھ ملانے کی وجہ سے مضارب شریک ہوگا حتی کہ اگر یہ رنگین کپڑا فروخت کیا گیا تو مضارب کو رنگ کے

حصہ کا ثمن ملے گا اور سفید کپڑے کا حصہ ثمن مضاربت پر ہو گا چنانچہ اگر سفید کپڑا ہزار کا ہو اور رنگین بارہ سو کا ہو تو ایک ہزار مضاربت پر ہوں گے۔

{7} باقی ڈھلائی اور بار برداری کے خرچے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ یہ کپڑے کے ساتھ کوئی عین مال نہیں ہے جو کپڑے کے ساتھ قائم ہو کہ اس کے اختلاط سے مضارب اس میں شریک ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر غاصب نے مغصوب کپڑا ڈھلایا یا کسی جانور پر لادا ہو تو اس کا یہ کام ضائع ہو گا یعنی اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور اگر غاصب نے مغصوب کپڑے کو سرخ رنگ دیا تو اس کا کام ضائع نہیں ہو گا بلکہ اس کو اس کپڑے میں حق حاصل ہو گا۔ اور جب مضارب نے اس کو رنگ دیا تو اس رنگ کی وجہ سے وہ ربّ المال کا شریک ہو گیا تو ربّ المال کا یہ جملہ کہ "اپنی رائے سے کام کر" اس کے رنگنے کو شامل ہو گا کہ تو اس کپڑے کو سرخ رنگ دے سکتا ہے جیسا کہ ربّ المال کا یہ جملہ اختلاط کو شامل ہوتا ہے یعنی مضارب کو اختیار ہو گا کہ وہ مال مضاربت کو اپنے مال کے ساتھ ملادے پس اسی طرح یہ جملہ کپڑا رنگنے کو بھی شامل ہو گا اس لیے رنگنے سے مضارب اس کپڑے کا ضامن نہ ہو گا۔

## فَصْلٌ آخَرُ

یہ ایک اور فصل ہے جس میں مصنفؒ نے متفرق مسائل کو ذکر کیا ہے۔

چونکہ یہ مسائل نفس مضاربت کے ایسے مسائل نہیں کہ جن سے مضاربت کو چارہ نہیں بلکہ مضاربت کے متعلقات میں سے ہیں اس لیے ان کو مؤخر کر کے ذکر کیا ہے۔

{1} قَالَ : فَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى بِهَا بَزًّا فَبَاعَهُ بِأَلْفَيْنِ

فرمایا: اگر مضارب کے پاس ہزار درہم ہوں نصف نفع پر، پس خریدا اس نے ان کے عوض کتانی کپڑا، پھر فروخت کیا اس کو دو ہزار کے عوض،

ثُمَّ اشْتَرَى بِالْأَلْفَيْنِ عَبْدًا فَلَمْ يَنْقُدْهُمَا حَتَّى ضَاعَا يَغْرَمُ رَبُّ الْمَالِ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ وَالْمُضَارِبُ خَمْسَمِائَةٍ

پھر خرید لیا ان دو ہزار کے عوض غلام، اور ابھی ادا نہیں کیے تھے کہ وہ ضائع ہو گئے تو ضامن ہو گا رب المال پندرہ سو کا اور مضارب پانچ سو کا،

وَيَكُونُ رُبُعُ الْعَبْدِ لِلْمُضَارِبِ وَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ {2} قَالَ : هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ حَاصِلُ الْجَوَابِ،

اور ہو گا ایک ربع غلام کا مضارب کے لیے اور تین چوتھائی مضاربت پر ہوں گی۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو ذکر کیا ہے امام محمدؒ نے حاصل حکم ہے؛

لِأَنَّ الثَّمَنَ كُلَّهُ عَلَى الْمُضَارِبِ إِذْ هُوَ الْعَاقِدُ، إِلَّا أَنَّ لَهُ حَقَّ الرُّجُوعِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ عَلَى مَا نُبَيِّنُ

کیونکہ ثمن پورا بذمۂ مضارب ہے؛ اس لیے کہ وہی عاقد ہے مگر یہ کہ اس کو حق حاصل ہے رب المال سے پندرہ سو لینے کا جیسا کہ ہم بیان کریں گے،

فَيَكُونُ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ .وَوَجْهُهُ أَنَّهُ لَمَّا نَضَّ الْمَالُ ظَهَرَ الرِّبْحُ وَهُوَ خَمْسُمِائَةٍ ، فَإِذَا اشْتَرَى
پس ہو گا ثمن رب المال پر آخر میں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مال نقد ہو گیا تھا تو ظاہر ہوا تھا نفع، اور وہ پانچ سو ہے پس جب اس نے خریدا
بِالْأَلْفَيْنِ عَبْدًا صَارَ مُشْتَرِيًا رُبُعَهُ لِنَفْسِهِ وَثَلَاثَةَ أَرْبَاعِهِ لِلْمُضَارَبَةِ عَلَى حَسَبِ انْقِسَامِ الْأَلْفَيْنِ،
دو ہزار کے عوض ایک غلام، تو وہ خریدنے والا ہوا اس کا ایک چوتھائی حصہ اپنے لیے، اور اور تین چوتھائی مضاربت کے لیے دو ہزار کے انقسام کے موافق،
وَإِذَا ضَاعَتِ الْأَلْفَانِ وَجَبَ عَلَيْهِ الثَّمَنُ لِمَا بَيَّنَّاهُ ، وَلَهُ الرُّجُوعُ
اور جب ضائع ہو گئے دو ہزار تو واجب ہو گیا مضارب پر ثمن؛ اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور اس کو حق ہے رجوع کرنے کا
بِثَلَاثَةِ أَرْبَاعِ الثَّمَنِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِيهِ{3}وَيَخْرُجُ نَصِيبُ الْمُضَارِبِ
تین چوتھائی ثمن کے بارے میں رب المال پر؛ کیونکہ وہ وکیل ہے رب المال کی طرف سے اس میں۔ اور خارج ہو جائے گا مضارب کا حصہ
وَهُوَ الرُّبُعُ مِنَ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ وَمَالُ الْمُضَارَبَةِ أَمَانَةٌ وَبَيْنَهُمَا مُنَافَاةٌ
جو ایک ربع ہے مضاربت سے؛ کیونکہ وہ اس پر مضمون ہے، اور مال مضاربت امانت ہے، اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے،
وَيَبْقَى ثَلَاثَةُأَرْبَاعِ الْعَبْدِعَلَى الْمُضَارَبَةِ؛لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مَايُنَافِي الْمُضَارَبَةَ وَيَكُونُ رَأْسُ الْمَالِ أَلْفَيْنِ وَخَمْسَمِائَةٍ
اور باقی رہے تین ربع غلام کے مضاربت پر؛ کیونکہ نہیں ہے ان وہ بات جو منافی ہے مضاربت کی، اور ہو گا راس المال دو ہزار پانچ سو؛
لِأَنَّهُ دَفَعَ مَرَّةً أَلْفًا وَمَرَّةً أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ ، وَلَا يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً إِلَّا عَلَى أَلْفَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ اشْتَرَاهُ
کیونکہ رب المال نے دیدئے اس کو ایک بار ہزار اور ایک بار پندرہ سو، اور فروخت نہ کرے غلام کو مرابحۃً مگر دو ہزار پر؛ کیونکہ اس نے خریدا ہے غلام کو
بِأَلْفَيْنِ ،{4}وَيَظْهَرُ ذَلِكَ فِيمَا إِذَا بِيعَ الْعَبْدُ بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ فَحِصَّةُ الْمُضَارَبَةِ ثَلَاثَةُ آلَافٍ يَرْفَعُ رَأْسَ الْمَالِ
دو ہزار میں، اور ظاہر ہو گا یہ اس صورت میں جب فروخت کیا جائے غلام چار ہزار میں، تو مضاربت کا حصہ تین ہزار ہیں، نکال دے راس المال
وَيَبْقَى خَمْسُمِائَةٍ رِبْحٌ بَيْنَهُمَا .{5}قَالَ : وَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَى رَبُّ الْمَالِ عَبْدًا بِخَمْسِمِائَةٍ
اور باقی رہیں گے پانچ سو نفع کے دونوں کے درمیان۔ فرمایا: اور اگر مضارب کے پاس ہزار ہوں، پس خریدا رب المال نے ایک غلام پانچ سو میں،
وَبَاعَهُ إِيَّاهُ بِأَلْفٍ فَإِنَّهُ يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً عَلَى خَمْسِمِائَةٍ ؛ لِأَنَّ هَذَا الْبَيْعَ مَقْضِيٌّ بِجَوَازِهِ
اور فروخت کیا اس کو مضارب کے ہاتھ ہزار میں، تو مضارب اس کو فروخت کرے گا مرابحۃً پانچ سو میں؛ کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس کے جواز کا حکم ہوا ہے؛
لِتَغَايُرِ الْمَقَاصِدِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ وَإِنْ كَانَ بَيْعَ مِلْكِهِ بِمِلْكِهِ إِلَّاأَنَّ فِيهِ شُبْهَةَ الْعَدَمِ،
تغائر مقاصد کی وجہ سے ضرورت کو دور کرنے کے لیے، اگرچہ یہ فروخت کرنا ہے اپنی ملک کو اپنی ہی ملک کے عوض، مگر اس میں شبہہ ہے عدم جواز کا،
وَمَبْنَى الْمُرَابَحَةِعَلَى الْأَمَانَةِوَالِاحْتِرَازِعَنْ شُبْهَةِ الْخِيَانَةِ فَاعْتُبِرَ أَقَلُّ الثَّمَنَيْنِ ،{6}وَلَوِ اشْتَرَى الْمُضَارِبُ عَبْدًا

اور مرابحہ کی بنیاد امانت اور شبہہ خیانت سے احتراز پر ہے پس اعتبار کیا گیا دو ثمنوں میں سے اقل کا۔ اور اگر خرید امضارب نے غلام

بِأَلْفٍ وَبَاعَهُ مِنْ رَبِّ الْمَالِ بِأَلْفٍ وَمِائَتَيْنِ بَاعَهُ مُرَابَحَةً بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ؛ لِأَنَّهُ اُعْتُبِرَ عَدَمًا

ہزار کے عوض، اور فروخت کیا رب المال کے ہاتھ بارہ سو میں، تو فروخت کرے گا اس کو مرابحۃً گیارہ سو میں؛ کیونکہ یہ بیع معدوم شمار کی گئی ہے

فِي حَقِّ نِصْفِ الرِّبْحِ وَهُوَ نَصِيبُ رَبِّ الْمَالِ وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ.

نصف نفع کے حق میں، اور وہ رب المال کا حصہ ہے، اور گذر چکا اس کا بیان بیوع میں۔

تشریح:۔{1} اگر مضارب کے پاس ہزار درہم نصف نفع کی مضاربت پر ہوں پس اس نے رأس المال سے روئی کے کپڑے خرید لیے پھر دو ہزار درہم کے عوض فروخت کئے یعنی ایک ہزار درہم نفع کمایا جن میں سے پانچ سو درہم مضارب کا حصہ ہے، اور ان دو ہزار درہم کے عوض ایک غلام خرید لیا اور غلام کے ثمن کے یہ دو ہزار ابھی تک بائع کو ادا نہیں کئے تھے کہ وہ ضائع ہو گئے، تو رب المال پندرہ سو درہم تاوان ادا کر دے اور مضارب پانچ سو درہم ادا کر دے، اور غلام میں سے ایک چوتھائی حصہ مضارب کا ہوگا اور غلام کی تین چوتھائیاں مضاربت پر ہوں گی۔

{2} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ تاوان کی یہ تقسیم جو امام محمدؒ نے جامع صغیر میں ذکر کی ہے یہ حاصل حکم ہے اس لیے کہ ثمن تو سارا مضارب کے ذمہ پر ہے؛ کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہے یعنی غلام کو خریدنے والا در حقیقت مضارب ہے اور یہی ثمن کا ذمہ دار ہے البتہ مضارب کو رب المال سے واپس لینے کا استحقاق ایک ہزار پانچ سو درہم تک حاصل ہے جیسا کہ ابھی ہم اس کو بیان کریں گے پس آخر کار ثمن ربّ المال ہی پر ہو گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سامان فروخت ہو کر مال نقد ہو گیا تھا تو اس میں مضارب کے لیے نفع ظاہر ہو گیا تھا جو کہ پانچ سو درہم ہے پھر جب اس نے دونوں ہزار کے عوض ایک غلام خریدا تو اس میں سے ایک چوتھائی غلام اپنی ذات کے لیے خریدنے والا ہوا اور تین چوتھائی مضاربت کے لیے ہو گئیں جیسا کہ دونوں ہزار کی تقسیم سے یہی ظاہر ہے کہ ایک چوتھائی مضارب کے لیے اور تین چوتھائیاں مضاربت کے لیے ہوں گی، پھر جب یہ دو ہزار درہم ضائع ہو گئے تو مضارب پر غلام کا ثمن واجب ہوا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ مضارب ہی عقد کرنے والا ہے اور وہی ثمن کا ذمہ دار ہے اور اس کو رب المال سے تین چوتھائی ثمن واپس لینے کا استحقاق حاصل ہے؛ کیونکہ غلام کی تین چوتھائی خریدنے میں وہ ربّ المال کی طرف سے وکیل ہے۔

{3} اور مضارب کا حصہ یعنی غلام کی ایک چوتھائی عقدِ مضاربت سے خارج ہو جائے گی؛ کیونکہ مضارب کا حصہ مضارب کی ملک اور ضمان میں داخل ہونے کی وجہ سے اس پر مضمون ہے جبکہ مالِ مضاربت اس کے پاس امانت ہے اور مضمون و امانت میں منافات ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز مضمون بھی ہو اور امانت بھی ہو اس لیے مضارب کا حصہ مضاربت سے خارج ہو جائے گا۔

اور تین چوتھائی غلام مضاربت پر رہے گا؛ کیونکہ تین چوتھائی غلام مضاربت پر رکھنے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مضاربت کے منافی ہو۔ اوراب راس المال دوہزار پانچ سو درہم ہوگا؛ کیونکہ رب المال نے ایک دفعہ ہزار درہم دیئے اور دوسری دفعہ ایک ہزار پانچ سو درہم دیئے یوں راس المال دوہزار پانچ سو درہم ہوگا۔ پھر اگر مضارب اس غلام کو مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو فقط دوہزار درہم پر مرابحۃً فروخت کرسکتا ہے؛ کیونکہ اس نے دوہزار پر خریدا ہے۔

{4} پھر یہ جو بیان کیا کہ ایک ربع مضارب کا مضاربت سے خارج ہوجائے گا اور تین چوتھائی مضاربت پر رہیں گی اس بیان کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ یہ غلام چار ہزار درہم کے عوض فروخت کیا جائے تو مضارب کا چوتھا حصہ نکل کر باقی تین ہزار درہم مضاربت کے رہیں گے جس میں سے دوہزار پانچ سو درہم راس المال کے نکال کر باقی پانچ سو درہم نفع کے ان دونوں کے درمیان مشترک ہوں گے۔

{5} اگر مضارب کے پاس ہزار درہم ہوں پس رب المال نے کسی اجنبی سے پانچ سو درہم کے عوض ایک غلام خرید کر مضارب کے ہاتھ ہزار درہم کے عوض فروخت کیا تو مضارب اس کو مرابحۃً فقط پانچ سو درہم پر فروخت کرے گا؛ کیونکہ رب المال کا مضارب کے ہاتھ فروخت کرنا اگرچہ اپنی ملک (غلام) کو اپنے ہی مال (راس المال) کے عوض فروخت کرنا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو مگر چونکہ مقاصد متغائر ہیں کہ رب المال کا مقصود ہزار تک پہنچنا ہے اور مضارب کا مقصود مبیع تک پہنچنا ہے تو بناء بر ضرورت اس کو جائز رکھا گیا ہے، البتہ اس میں اپنی ملک کو اپنی ملک کے عوض فروخت کرنے کی وجہ سے عدم جواز کا شبہہ ہے جبکہ مرابحہ کی بنیاد امانت اور شبہہ خیانت سے بچنے پر ہے لہٰذا پہلا ثمن پانچ سو درہم اور دوسرا ثمن ہزار درہم میں سے جو کمتر ہے اس کا مرابحہ کے لیے اعتبار کیا گیا اس لیے نفع کا حساب صرف پانچ سو درہم پر کیا جائے گا۔

{6} اور اگر مضارب نے ایک غلام کو ہزار درہم کے عوض خرید لیا اور رب المال کے ہاتھ ایک ہزار دوسو درہم کے عوض فروخت کیا تو رب المال اس کو مرابحۃً ایک ہزار ایک سو درہم پر فروخت کرے گا؛ کیونکہ نصف نفع (ایک سو درہم) کے حق میں جو رب المال کا حصہ ہے یہ بیع کالعدم شمار ہوگی؛ کیونکہ نہ غلام اس کی ملک سے نکلا ہے اور نہ اس نے ایسے ہزار درہم کمائے ہیں جو اس کی ملک میں نہیں تھے لہٰذا سودرہم نفع کے حق میں یہ بیع معدوم شمار ہے، اور تفصیل "کتاب البیوع" کے "باب المرابحۃ" میں گذر چکی، حاصل یہ کہ ایک ہزار دوسو میں سے دوسو درہم نفع ہے جن میں نصف مضارب کا اور نصف رب المال کا ہے تو مرابحہ کے حق میں رب المال اپنا حصہ نکال دے اور باقی ایک ہزار اور ایک سو درہم پر مرابحہ سے فروخت کردے۔

{1}قَالَ : فَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى بِهَا عَبْدًا قِيمَتُهُ أَلْفَانِ
فرمایا: اور اگر ہوں مضارب کے پاس ہزار نصف نفع پر، پس اس نے خریدا ان کے عوض ایک ایسا غلام جس کی قیمت دو ہزار ہوں،

فَقَتَلَ الْعَبْدُ رَجُلًا خَطَأً فَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ وَرُبُعُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ ؛ لِأَنَّ الْفِدَاءَ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ
پھر قتل کیا غلام نے کسی شخص کو خطاءً، تو فدیہ کے تین ربع رب المال پر ہوں گے اور ایک ربع مضارب پر؛ اس لیے کہ فدیہ بوجھ ہے ملک کا

فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْمِلْكِ وَقَدْ كَانَ الْمِلْكُ بَيْنَهُمَا أَرْبَاعًا ، لِأَنَّهُ لَمَّا صَارَ الْمَالُ عَيْنًا وَاحِدًا قِيمَتُهُ الفان ظَهَرَ الرِّبْحُ وَهُوَ أَلْفٌ
پس ہو گا بقدر ملک، اور ملکیت ان دونوں میں ارباعاً تھی؛ کیونکہ جب مال عین واحد ہو گیا جس کی قیمت دو ہزار ہے تو ظاہر ہو گیا نفع، اور وہ ایک ہزار

بَيْنَهُمَا وَأَلْفٌ لِرَبِّ الْمَالِ بِرَأْسِ مَالِهِ لِأَنَّ قِيمَتَهُ أَلْفَانِ ، {2}وَإِذَا فَدَيَا
دونوں میں مشترک ہے، اور ہزار رب المال کے لیے اس کے راس المال کے ہیں؛ کیونکہ اس کی قیمت دو ہزار تھی، اور جب دونوں نے فدیہ دیدیا

خَرَجَ الْعَبْدُ عَنِ الْمُضَارَبَةِ ، أَمَّا نَصِيبُ الْمُضَارِبِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ ، وَأَمَّا نَصِيبُ رَبِّ الْمَالِ فَلِقَضَاءِ الْقَاضِي
تو خارج ہوا غلام مضاربت سے، بہر حال مضارب کا حصہ تو اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور رب المال کا حصہ حکم قاضی کی وجہ سے ہے

بِانْقِسَامِ الْفِدَاءِ عَلَيْهِمَا لِمَا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ قِسْمَةَ الْعَبْدِ بَيْنَهُمَا وَالْمُضَارَبَةُ تَنْتَهِي بِالْقِسْمَةِ،
فدیہ کو دونوں پر تقسیم کرنے کے؛ کیونکہ یہ حکم متضمن ہے غلام کو ان دونوں میں تقسیم کرنے کو، اور مضاربت پوری ہو جاتی ہے تقسیم کرنے سے،

{3}بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ جَمِيعَ الثَّمَنِ فِيهِ عَلَى الْمُضَارِبِ وَإِنْ كَانَ لَهُ حَقُّ الرُّجُوعِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْقِسْمَةِ،
بر خلاف سابقہ مسئلہ کے؛ کیونکہ کل ثمن اس میں مضارب پر ہے اگرچہ اس کو مالک سے رجوع کرنے کا حق ہے، پس ضرورت نہیں تقسیم کی؛

وَلِأَنَّ الْعَبْدَ كَالزَّائِلِ عَنْ مِلْكِهِمَا بِالْجِنَايَةِ ، وَدَفْعُ الْفِدَاءِ كَابْتِدَاءِ الشِّرَاءِ فَيَكُونُ الْعَبْدُ بَيْنَهُمَا
اور اس لیے کہ غلام زائل کی طرح ہے ان دونوں کی ملک سے جنایت کی وجہ سے اور فدیہ دینا ابتداء خرید کی طرح ہے، تو غلام ان دونوں میں

أَرْبَاعًا لَا عَلَى الْمُضَارَبَةِ يَخْدُمُ الْمُضَارِبَ يَوْمًا وَرَبَّ الْمَالِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ.
چار حصہ ہو کر مشترک ہے، مضاربت کے طور پر نہیں، خدمت کرے گا مضارب کی ایک دن، اور رب المال کی تین دن، بر خلاف سابقہ مسئلہ کے۔

{4}قَالَ : فَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَى بِهَا عَبْدًا فَلَمْ يَنْقُدْهَا حَتَّى هَلَكَتْ
فرمایا: اور اگر مضارب کے پاس ہزار درہم ہوں پس اس نے خریدا ان کے عوض ایک غلام، اور ثمن ادا نہیں کیا تھا کہ ہلاک ہو گئے ہزار،

يَدْفَعُ رَبُّ الْمَالِ ذَلِكَ الثَّمَنَ ثُمَّ وَثُمَّ وَرَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَا يَدْفَعُ إِلَيْهِ رَبُّ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الْمَالَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ
تو ادا کرے گا رب المال یہ ثمن، پھر اور پھر، اور راس المال وہ سب ہو گا جو دیتا ہے اس کو رب المال؛ اس لیے کہ مال امانت ہے اس کے قبضہ،

وَالِاسْتِيفَاءُ إِلَّا يَكُونُ بِقَبْضٍ مَضْمُونٍ وَحُكْمُ الْأَمَانَةِ يُنَافِيهِ فَيَرْجِعُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى {5} بِخِلَافِ الْوَكِيلِ

اور وصولی ہوتی ہے مضمون قبضہ سے، اور حکم امانت منافی ضمان ہے، پس مضارب واپس لے گا بار بار، بر خلاف وکیل بالشراء کے

إِذَا كَانَ الثَّمَنُ مَدْفُوعًا إِلَيْهِ قَبْلَ الشِّرَاءِ وَهَلَكَ بَعْدَ الشِّرَاءِ حَيْثُ لَا يَرْجِعُ إِلَّا مَرَّةً لِأَنَّهُ أَمْكَنَ جَعْلُهُ

جبکہ ثمن دیدیا گیا ہو اس کو خرید سے پہلے، اور ہلاک ہو گیا ہو خرید کے بعد کہ واپس نہیں لے سکتا مگر ایک بار؛ کیونکہ ممکن ہے اس کو قرار دینا

مُسْتَوْفِيًا ، لِأَنَّ الْوَكَالَةَ تُجَامِعُ الضَّمَانَ كَالْغَاصِبِ إِذَا تَوَكَّلَ بِبَيْعِ الْمَغْصُوبِ

وصول کرنے والا؛ اس لیے کہ وکالت جمع ہو سکتی ہے ضمان کے ساتھ جیسے غاصب کو جب وکیل بنائے مغصوب چیز فروخت کرنے کا،

ثُمَّ فِي الْوَكَالَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ يَرْجِعُ مَرَّةً ، {6} وَفِيمَا إِذَا اشْتَرَى ثُمَّ دَفَعَ الْمُوَكِّلُ إِلَيْهِ الْمَالَ فَهَلَكَ

پھر وکالت کی اس صورت میں وکیل واپس لے گا ایک بار، اور اس صورت میں جب وکیل خرید لے پھر دیدے موکل اس کو مال، پھر وہ ہلاک ہو جائے

لَا يَرْجِعُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ حَقُّ الرُّجُوعِ بِنَفْسِ الشِّرَاءِ فَجُعِلَ مُسْتَوْفِيًا بِالْقَبْضِ بَعْدَهُ،

تو رجوع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ ثابت ہوا تھا اس کے لیے رجوع کا حق نفس خرید سے، پس قرار دیا اس کو وصول کرنے والا قبضہ کرنے سے خرید کے بعد،

أَمَّا الْمَدْفُوعُ إِلَيْهِ قَبْلَ الشِّرَاءِ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الْأَمَانَةِ بَعْدَهُ فَلَمْ يَصِرْ مُسْتَوْفِيًا،

رہا وہ مال جو دیا گیا تھا اس کو خرید سے پہلے وہ امانت ہے اس کے قبضہ میں، اور وہ قائم ہے امانت ہونے پر خرید کے بعد، پس نہ ہوا وہ وصول کرنے والا

فَإِذَا هَلَكَ رَجَعَ عَلَيْهِ مَرَّةً ثُمَّ لَا يَرْجِعُ لِوُقُوعِ الِاسْتِيفَاءِ عَلَى مَا مَرَّ.

پھر جب وہ ہلاک ہوا تو وکیل رجوع کرے گا موکل سے ایک بار، پھر رجوع نہیں کر سکتا؛ وصولی واقع ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ گذر چکا۔

تشریح:۔{1} اگر مضارب کے پاس ہزار درہم نصف نفع کی شرط پر ہوں پس ان کے عوض اس نے ایک ایسا غلام خریدا جس کی قیمت دو ہزار درہم ہو پھر ایک شخص کو اس غلام نے خطاء قتل کر ڈالا تو اس غلام کا تین چوتھائی فدیہ ربّ المال پر ہو گا اور ایک چوتھائی مضارب پر ہو گا؛ کیونکہ فدیہ تو ملکیت کا بوجھ اور خرچہ ہے تو وہ ملک کے بقدر مقدر ہو گا یعنی جتنی ملک ہے اتنا بوجھ ہو گا اور ملکیت ان دونوں میں ارباعا تھی یعنی ایک چوتھائی مضارب کی اور تین چوتھائی ربّ المال کی تھیں؛ کیونکہ جب مال عین واحد ہو گیا جس کی قیمت دو ہزار درہم ہے تو نفع ظاہر ہو گیا اور وہ ایک ہزار درہم ہیں جو دونوں میں مشترک ہیں، اور باقی ایک ہزار ربّ المال کا راس المال ہے؛ کیونکہ اس کی قیمت دو ہزار درہم تھی۔

{2} اور جب دونوں نے غلام کا فدیہ دیدیا تو یہ غلام مضاربت سے نکل گیا پس مضارب کا حصہ تو اس وجہ سے خارج ہو گیا جو ہم بیان کر چکے کہ وہ امانت نہیں رہا بلکہ مضمون ہو گیا حالانکہ مضاربت کا مال مضمون نہیں ہوتا ہے اس لیے مضارب کا حصہ مضاربت سے نکل جائے گا۔ اور ربّ المال کا حصہ اس وجہ سے نکل جائے گا کہ قاضی نے ان دونوں پر فدیہ منقسم ہونے کا حکم

دیا؛ کیونکہ قاضی کا فدیہ کا حکم دینا اس بات کو متضمن ہے کہ غلام دونوں کے درمیان تقسیم ہو اس لیے کہ فدیہ دینے کا حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جس نے غلام کا جتنا فدیہ دیا غلام کا اتنا حصہ اس کے لیے سالم رہے اور سلامتی حصہ تقسیم کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے اس لیے قاضی کا فدیہ کا حکم دینا متضمن ہے کہ غلام دونوں کے درمیان تقسیم ہو اور تقسیم ہوتے ہی مضاربت ختم ہو جاتی ہے اس لیے ربّ المال کا حصہ بھی مضاربت سے نکل جائے گا۔

{3} برخلاف سابقہ مسئلہ کے کہ اس میں ربّ المال کا حصہ مضاربت سے نہیں نکلے گا؛ کیونکہ اس صورت میں پورا ثمن مضارب کے ذمہ پر ہے اگرچہ ربّ المال سے اس کو واپس لینے کا اختیار ہے پس قاضی کی طرف سے فدیہ کا امر نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم کا مقتضی نہیں ہے اس لیے تقسیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جب تقسیم نہیں تو مضاربت ختم نہ ہوگی۔

اور دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ غلام تو اس مسئلہ میں گویا ان دونوں کی مِلک سے جنایت کرکے زائل ہو گیا یعنی جب اس نے خطاءً کسی شخص کو قتل کیا تو اصل حکم یہ ہے کہ غلام ولیِ جنایت کو دیا جائے جس سے غلام ان کی مِلک سے نکل جاتا ہے پھر غلام کا فدیہ دینا گویا ابتداءً ولیِ جنایت سے اس کو خریدنا ہے تو فدیہ دینے کے بعد یہ غلام ان دونوں میں چار حصہ ہو کر مشترک ہوگا مگر مضاربت کے طور پر نہیں ہوگا خرید کی بناء پر ہوگا؛ کیونکہ غلام مضاربت سے نکل چکا ہے، پس وہ ایک دن مضارب کی خدمت کرے گا اور تین دن ربّ المال کی خدمت کرے گا، برخلافِ سابقہ مسئلہ کے کہ وہاں ربّ المال کا تین چوتھائی حصہ مضاربت پر رہے گا؛ کیونکہ مضاربت سے نکلنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور مضارب کا چوتھائی حصہ اس کی ذاتی تجارت پر ہوگا۔

{4} اگر مضارب کے پاس ہزار درہم ہوں پس ان کے عوض اس نے ایک غلام خریدا، اور ابھی تک مضارب نے یہ ہزار درہم ادا نہ کئے تھے کہ وہ ضائع ہو گئے تو ربّ المال یہ ثمن ادا کرے گا یعنی دوبارہ مضارب کو ہزار درہم دے گا کہ وہ ثمن ادا کرے پھر اگر مضارب نے لے کر ادا نہ کئے تھے کہ پھر ضائع ہو گئے تو ربّ المال پھر ادا کرے گا اور اگر پھر تلف ہوں تو پھر ادا کرے گا اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی حد تک چلتا رہے گا، اور جتنی مرتبہ ربّ المال نے اس کو دیا یہ سب ملا کر رأس المال ہوگا یعنی اگر مثلاً چار مرتبہ اس کو دیا تو رأس المال چار ہزار درہم ہوں گے اور اگر پانچ مرتبہ دیا تو رأس المال پانچ ہزار درہم ہوں گے وجہ یہ ہے کہ مضارب کے قبضہ میں مالِ مضاربت امانت ہے وصولیِ حق کے طور پر نہیں ہے؛ کیونکہ حق کی وصولی مضمون قبضہ سے ہوتی ہے جبکہ امانت کا حکم ضمانت کے منافی ہے پس جب بھی مضارب سے مال تلف ہو جائے تو بار بار ربّ المال سے واپس لیا جائے گا۔

{5} اور خرید کے وکیل کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس کو جب خرید سے پہلے ثمن دے دیا گیا اور خرید کے بعد اور بائع کو ادا کرنے سے پہلے اگر یہ ثمن ہلاک ہو گیا تو وہ سوائے ایک بار کے موکل سے دوبارہ نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ مذکورہ وکیل ثمن

کو وصول کرنے والا قرار دیا جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ وکالت اور ضمانت دونوں یک جا ہو سکتی ہیں، بر خلاف مضاربت کے کہ اس کی بنیاد امانت پر ہے پس وکالت ایسی ہے جیسے غاصب کو مالک نے مغصوب چیز فروخت کرنے کے لیے وکیل بنایا تو غاصب مالِ مغصوب کا ضامن ہوگا حالانکہ وہ وکیل بھی ہے تو اگر غاصب کے وکیل ہو جانے کے بعد مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو غاصب ضامن ہوگا؛ کیونکہ فقط وکالت سے وہ ضمانت سے نہیں نکلا ہے۔ پھر وکالت کی اس صورت (یعنی جبکہ وکیل کو خرید سے پہلے ثمن دے دیا ہو اور خرید کے بعد وہ تلف ہو گیا ہو) میں وکیل اپنے موکل سے ایک بار واپس لے گا۔

{6} اور اگر یہ صورت ہو کہ وکیل نے خرید کی پھر موکل نے اس کو مالِ ثمن دیدیا پس وہ وکیل کے پاس ہلاک ہو گیا تو وکیل اپنے موکل سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ فقط خرید سے اس کو موکل سے واپس لینے کا حق حاصل ہوا تھا تو خرید کے بعد وصول کرنے سے اپنا حق وصول کرنے والا قرار دیا گیا اس لیے ہلاک ہونے کی صورت میں اس کو موکل سے لینے کا اختیار نہ ہوگا اور پہلی صورت میں کہ خرید سے پہلے جو مال موکل نے وکیل کو دیا تھا تو وہ اس کے قبضہ میں امانت ہے اور وہ خرید کے بعد بھی امانت پر قائم ہے تو اس سے اپنا حق وصول کرنے والا نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے، پس اگر یہ مال وکیل کے قبضہ میں تلف ہو جائے تو وکیل ایک بار موکل سے واپس لے گا پھر دوبارہ نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ وصولی پائی گئی اور وصولی کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اس کے لیے حقِ رجوع نفسِ خرید سے ثابت ہوگا پس خرید کے بعد قبضہ کرنے سے وہ وصول کرنے والا شمار ہوگا۔

## فَصْلٌ فِي الِاخْتِلَافِ

یہ فصل رب المال اور مضارب کے درمیان اختلاف واقع ہونے کے بیان میں ہے۔

رب المال اور مضارب میں اتفاق کی صورتوں کو بیان کرنے کے بعد مصنف ؒ نے ان دونوں کے درمیان اختلاف کی صورتوں کو شروع فرمایا، چونکہ اتفاق اصل ہے اس لیے اتفاق کی صورتوں کو پہلے بیان فرمایا۔

{1} قَالَ : وَإِنْ كَانَ مَعَ الْمُضَارِبِ أَلْفَانِ فَقَالَ دَفَعْتَ إِلَيَّ أَلْفًا وَرَبِحْتُ أَلْفًا

فرمایا: اور جب مضارب کے پاس دو ہزار ہوں، پس مضارب نے رب المال سے کہا: کہ تو نے دئے تھے ایک ہزار، اور نفع کمایا میں نے ایک ہزار

وَقَالَ رَبُّ الْمَالِ لَا بَلْ دَفَعْتُ إِلَيْكَ أَلْفَيْنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُضَارِبِ ؛ وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ أَوَّلًا الْقَوْلُ

اور رب المال نے کہا: نہیں، بلکہ میں نے تجھے دو ہزار دئے تھے، تو قول مضارب کا معتبر ہوگا، اور امام صاحب ؒ پہلے کہا کرتے تھے کہ قول

قَوْلُ رَبِّ الْمَالِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ، لِأَنَّ الْمُضَارِبَ يَدَّعِي عَلَيْهِ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ وَهُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ؛

رب المال کا معتبر ہوگا، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ مضارب دعوی کر رہا ہے اس پر نفع میں شرکت کا، اور وہ منکر ہے، قول منکر کا معتبر ہوتا ہے،

ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ لِأَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي الْحَقِيقَةِ فِي مِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ وَفِي مِثْلِهِ

پھر امام صاحبؒ نے رجوع فرمایا اس قول کی طرف جو مذکور ہے کتاب میں؛ کیونکہ اختلاف در حقیقت مقدارِ مقبوض میں ہے، اور اس جیسے میں

الْقَوْلُ قَوْلُ الْقَابِضِ ضَمِينًا كَانَ أَوْ أَمِينًا لِأَنَّهُ أَعْرَفُ بِمِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ ، {2} وَلَوِ اخْتَلَفَا

قابض کا قول معتبر ہوتا ہے خواہ ضامن ہو یا امین ہو؛ کیونکہ وہ زیادہ واقف ہے مقبوض کی مقدار سے، اور اگر انہوں نے اختلاف کیا

مَعَ ذَلِكَ فِي مِقْدَارِ الرِّبْحِ فَالْقَوْلُ فِيهِ لِرَبِّ الْمَالِ لِأَنَّ الرِّبْحَ يُسْتَحَقُّ بِالشَّرْطِ وَهُوَ يُسْتَفَادُ

اس کے ساتھ ساتھ مقدارِ نفع میں، تو قول اس میں رب المال کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ نفع کا مستحق ہوتا ہے شرط سے اور وہ حاصل کی جاتی ہے

مِنْ جِهَتِهِ ، وَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى مَا ادَّعَى مِنْ فَضْلٍ قُبِلَتْ لِأَنَّ الْبَيِّنَاتِ

رب المال کی جانب سے، اور دونوں میں سے جو بھی قائم کرے بیّنہ اس زیادتی پر جس کا اس نے دعوی کیا ہے، تو مقبول ہوگا؛ کیونکہ بیّنات

لِلْإِثْبَاتِ {3} وَمَنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ هِيَ مُضَارَبَةٌ لِفُلَانٍ بِالنِّصْفِ وَقَدْ رَبِحَ

اثبات کے لیے ہوتے ہیں۔ فرمایا: جس کے پاس ہزار درہم ہوں، پس اس نے کہا: کہ یہ فلاں کا مال مضاربت بالنصف پر ہے، اور اس نے نفع کمایا

أَلْفًا وَقَالَ فُلَانٌ هِيَ بِضَاعَةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الْمُضَارِبَ يَدَّعِي عَلَيْهِ تَقَوُّمَ عَمَلِهِ

ایک ہزار، اور فلاں نے کہا: کہ یہ بضاعت ہے، تو قول رب المال کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ مضارب دعوی کر رہا ہے اس پر اپنے عمل کے قیمتی ہونے کا

أَوْ شَرْطًا مِنْ جِهَتِهِ أَوْ يَدَّعِي الشَّرِكَةَ وَهُوَ يُنْكِرُ ، {4} وَلَوْ قَالَ الْمُضَارِبُ أَقْرَضْتَنِي

یا شرط کا رب المال کی طرف سے، یا دعوی کر رہا ہے شرکت کا، اور وہ منکر ہے۔ اور اگر کہا مضارب نے کہ تو نے مجھے بطورِ قرض دیے،

وَقَالَ رَبُّ الْمَالِ هُوَ بِضَاعَةٌ أَوْ وَدِيعَةٌ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُضَارِبِ،

اور رب المال کہتا ہے کہ وہ بضاعت ہے یا ودیعت ہے یا مضاربت ہے، تو قول رب المال کا معتبر ہوگا، اور گواہ مضارب کے معتبر ہوں گے؛

لِأَنَّ الْمُضَارِبَ يَدَّعِي عَلَيْهِ التَّمَلُّكَ وَهُوَ يُنْكِرُ . {5} وَلَوِ ادَّعَى رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارَبَةَ فِي نَوْعٍ

کیونکہ مضارب دعوی کر رہا ہے اس پر ملکیتِ نفع کا اور وہ منکر ہے۔ اور اگر دعوی کیا رب المال نے مضاربت کا خاص قسم میں،

وَقَالَ الْآخَرُ مَا سَمَّيْتَ لِي تِجَارَةً بِعَيْنِهَا فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ الْعُمُومُ وَالْإِطْلَاقُ،

اور مضارب نے کہا: تو نے نہیں بتائی ہے مجھے متعین تجارت، تو قول مضارب کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ اصل مضاربت میں عموم اور اطلاق ہے،

وَالتَّخْصِيصُ يُعَارِضُ الشَّرْطَ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ الْخُصُوصُ {6} وَلَوِ ادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَوْعًا

اور تخصیص عارض شرط کی وجہ سے ہوتی ہے، بر خلاف وکالت کے؛ کیونکہ اصل اس میں خصوص ہے۔ اور اگر دعویٰ کیا ہر ایک نے الگ قسم
فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ ، لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى التَّخْصِيصِ ، وَالْإِذْنُ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ ، فَيَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ
تو قول رب المال کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ وہ دونوں متفق ہیں تخصیص پر، اور اجازت حاصل کی جاتی ہے رب المال کی جانب سے، تو قول اسی کا معتبر ہوگا۔

{7} وَلَوْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُضَارِبِ لِحَاجَتِهِ إِلَى نَفْيِ الضَّمَانِ وَعَدَمِ حَاجَةِ الْآخَرِ إِلَى الْبَيِّنَةِ
اور اگر دونوں نے بیّنہ قائم کیا، تو بیّنہ مضارب کا معتبر ہوگا؛ اس کی حاجت کی وجہ سے نفیِ ضمان کی طرف، اور حاجت نہیں دوسرے کو بیّنہ کی۔

وَلَوْ وَقَّتَتِ الْبَيِّنَتَانِ وَقْتًا فَصَاحِبُ الْوَقْتِ الْأَخِيرِ أَوْلَى لِأَنَّ آخِرَ الشَّرْطَيْنِ يَنْقُضُ الْأَوَّلَ
اور اگر تاریخ بیان کی دونوں گواہوں نے تو اخیر تاریخ بیان کرنے والا بیّنہ اولیٰ ہے؛ کیونکہ دونوں شرطوں میں سے آخری شرط توڑ دیتی ہے اول کو۔

تشریح:۔ {1} اگر مضارب کے پاس دو ہزار درہم ہوں پس اس نے ربّ المال سے کہا کہ "تو نے مجھے ایک ہزار درہم مضاربت پر دیئے تھے اور میں نے ایک ہزار درہم نفع کمایا ہے" اور ربّ المال نے کہا کہ "نہیں بلکہ میں نے تجھے دو ہزار درہم مضاربت پر دیئے تھے" تو مضارب کا قول قبول ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ "پہلے کہا کرتے تھے کہ ربّ المال کا قول قبول ہوگا، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ مضارب تو ربّ المال پر نفع میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے اور ربّ المال اس سے منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے۔ پھر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کر کے اس قول کو اختیار کیا جو کتاب میں مذکور ہے؛ کیونکہ یہ اختلاف در حقیقت مقبوض مقدار میں ہے اور مال مقبوض کی مقدار میں اختلاف کی صورت میں قابض کا قول قبول ہوتا ہے خواہ وہ غاصب کی طرح ضامن ہو یا مودَع کی طرح امین ہو؛ کیونکہ قابض ہی مقبوض کی مقدار سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے اس لیے قابض کا قول معتبر ہوگا۔

{2} اور اگر ربّ المال اور مضارب نے رأس المال میں اختلاف کے ساتھ ساتھ نفع کی مقدار میں بھی اختلاف کیا مثلاً ربّ المال نے کہا کہ رأس المال دو ہزار تھا اور میں نے تیرے لیے ایک تہائی نفع کی شرط کی تھی اور مضارب کہتا ہے کہ رأس المال ایک ہزار تھا اور تو نے میرے لیے نصف نفع کو شرط کیا تھا، تو نفع کی مقدار میں ربّ المال کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ نفع کا استحقاق شرط کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور شرط ربّ المال کی جانب سے حاصل ہوتی ہے اس لیے ربّ المال ہی اس سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ ربّ المال اور مضارب میں سے جس نے اپنے دعویٰ زیادتی پر گواہ قائم کیے تو اسی کے گواہ قبول ہوں گے یعنی ربّ المال چونکہ رأس المال کی زیادتی کا مدعی ہے تو اس بارے میں ربّ المال کے گواہ قبول ہوں گے اور مضارب نفع کی زیادتی کا مدعی ہے تو اس بارے میں مضارب کے گواہ قبول ہوں گے؛ کیونکہ گواہیاں ثابت کرنے ہی کے لیے ہوتی ہیں۔

{3} اگر ایک شخص کے پاس ہزار درہم ہوں پس اس نے کہا کہ "یہ آدھے نفع پر فلاں شخص کا مالِ مضاربت ہے اور اس نے ایک ہزار نفع کمایا" اور فلاں شخص کہتا ہے کہ "یہ بضاعت ہے" تو ربّ المال (فلاں شخص) ہی کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ اگر مضاربت فاسد ہو تو مضارب اس پر دعویٰ کرتا ہے کہ میرا کام نفع کے بقدر قیمتی ہے لہٰذا میں اجرتِ مثل کا مستحق ہوں، اور اگر مضاربت صحیح ہو تو ربّ المال کی طرف سے مقدارِ نفع کی شرط کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں مشروط مقدار کا مستحق ہوں، یا مضاربت ختم ہو کر مالِ موجودہ میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے اور ربّ المال اس کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے اس لیے ربّ المال کا قول معتبر ہوگا۔

{4} اور اگر مضاربت کے مدعی نے یوں کہا کہ "تو نے مجھے یہ مال قرض دیا تھا" اور ربّ المال نے کہا کہ "یہ مال بضاعت تھا یا ودیعت تھا یا مضاربت تھا" تو گواہ نہ ہونے کی صورت میں قول ربّ المال کا قبول ہوگا، اور دونوں کے پاس گواہ ہونے کی صورت میں مضارب کے گواہ راجح ہوں گے؛ کیونکہ مضارب ربّ المال پر ملکیتِ نفع کا دعویٰ کرتا ہے کہ نفع کے ایک حصہ کا میں مالک ہوں اور ربّ المال اس سے منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے، البتہ گواہ مضارب کے معتبر ہوں گے۔

{5} اور اگر ربّ المال نے دعویٰ کیا کہ "میں نے مضاربت ایک خاص قسم کی تجارت میں قرار دی تھی" اور مضارب کہتا ہے کہ "تو نے میرے لیے کوئی خاص قسم تجارت کی نہیں بیان کی تھی" تو قسم کے ساتھ مضارب کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ مضاربت میں اصل یہ ہے کہ عام اور مطلق ہو یعنی کوئی خصوصیت اور قید نہ ہو، اور تخصیص ربّ المال کی طرف سے عارضی شرط کی وجہ سے ہوتی ہے پس عموم کا مدعی (مضارب) اصل کے ساتھ استدلال کرنے والا ہے اس لیے اسی کا قول معتبر ہوگا۔ برخلاف وکالت کے؛ کیونکہ وکالت میں اصل یہ ہے کہ خاص ہو لہٰذا موکل کی طرف سے تعمیم کی تصریح کے بغیر عموم ثابت نہ ہوگا۔

{6} اگر مضارب اور ربّ المال میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ نوع کا دعویٰ کیا مثلاً ربّ المال نے کہا کہ کپڑے کی تجارت کی شرط تھی اور مضارب کہتا ہے کہ اناج کی تجارت کی شرط تھی، تو ربّ المال کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ ربّ المال اور مضارب دونوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ مضاربت خاص تھی البتہ جہتِ تخصیص میں اختلاف کیا اور خاص تجارت کی اجازت ربّ المال کی جانب سے حاصل ہوتی ہے تو قول بھی ربّ المال کا قبول ہوگا۔

{7} اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کیے تو مضارب کے گواہ قبول ہوں گے؛ کیونکہ مضارب اگر اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکا تو اس پر ضمان آئے گا پس ضمان سے بچنے کے لیے اس کو بینہ کی ضرورت ہے اور ربّ المال کو اس کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اجازت اسی کی طرف سے مستفاد ہے لہٰذا اس کا مدعی اس کے قول ہی سے ثابت ہوگا اس لیے اس کو بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں تو جس کو بینہ کی ضرورت ہو اسی کا بینہ معتبر ہوتا ہے اس لیے مضارب کا بینہ معتبر ہوگا۔ اور اگر دونوں کے

گواہوں نے اپنی اپنی تاریخ بیان کی مثلاًرب المال نے کہاکہ میں نے رمضان شریف میں کپڑے کی تجارت کی شرط پر رأس المال دیاتھااور مضارب کہتاہے کہ تونے شوال میں اناج کی تجارت کی شرط پر رأس المال دیاتھاتواخیر تاریخ والے کابیّنہ اولیٰ ہوگا؛کیونکہ دوشرطوں میں سے جو شرط اخیر ہو وہ اوّل کو توڑدیتی ہے اس لیے اخیر اولیٰ ہوتی ہے۔

## كِتَابُ الْوَدِيعَةِ

یہ کتاب ودیعت کے بیان میں ہے

ودیعت کالغوی معنی چھوڑناہےاورودیعت میں بھی مودِع اپنامال مودَع کے پاس چھوڑدیتاہے۔اوراصطلاح میں "تسلیطُ الغیرِ علی حِفظِ المَالِ"(اپنےمال کی حفاظت پر غیر کوقدرت دینے)کوودیعت کہتے ہیں۔صاحبِ مال کو"مودِع"کہتے ہیں اور جس کے پاس مال رکھاجائےاس کو"مُودَع وَمُستودَع"کہاجاتاہے،اور مودَع کے پاس رکھے گئے مال کو"ودیعت"کہتے ہیں۔

"كِتَابُ الْوَدِيعَةِ" کی "كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ودیعت اور مضاربت میں سے ہرایک میں مال غیر کے پاس امانت ہوتاہے البتہ مضاربت میں امانت عام ہوتی ہے اورودیعت میں خاص ہوتی ہےاور عام خاص سے مقدم ہوتاہےاس لیے مصنفؒ نے مضاربت کوودیعت سے مقدم کرکے بیان کیا۔

امانت اورودیعت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہےودیعت میں غیر سے حفاظت کراناقصداًمطلوب ہوتاہےجبکہ امانت کبھی بلاقصد بھی ہوتی ہے مثلاًہوانے کسی کاکپڑااُڑاکردوسرے کی گود میں ڈال دیاتویہ کپڑااس کے پاس امانت ہے ودیعت نہیں۔

ودیعت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ قبضہ کے قابل ہوتاکہ اس کی حفاظت کرناممکن ہوپس اگر بھاگاہواغلام یاایسامال جودریامیں گرگیاہوودیعت رکھاتویہ صحیح نہیں۔اورودیعت کاحکم وجوبِ حفاظت ہے۔

{1}قَالَ :الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌفِي يَدِالْمُودَعِ إذَاهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْهَا؛لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُوَالسَّلَامُ{ لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ وَلَا عَلَى الْمُسْتَوْدَعِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ } وَلِأَنَّ بِالنَّاسِ حَاجَةً إلَى الِاسْتِيدَاعِ ، فَلَوْ ضَمَّنَّاهُ

فرمایا:ودیعت امانت ہے مودَع کے ہاتھ،اگر ہلاک ہوگئی تووہ ضامن نہ ہوگااس کا؛کیونکہ حضور ﷺ کاارشاد ہے"نہیں ہے مستعیر غیر خائن پر ضمان اورنہ مستودع غیر خائن پر ضمان ہے"اوراس لیے کہ لوگوں کوحاجت ہے ودیعت رکھنے کی پس اگر ہم ضامن ٹھہرائیں اس کو

يَمْتَنِعُ النَّاسُ عَنْ قَبُولِ الْوَدَائِعِ فَتَتَعَطَّلُ مَصَالِحُهُمْ .{2}قَالَ : وَلِلْمُودَعِ أَنْ يَحْفَظَهَا

تو رک جائیں گے لوگ ودیعت رکھنے سے پس معطل ہو جائیں گی ان کی مصلحتیں۔ فرمایا: اور مودَع کو اختیار ہے کہ حفاظت کرے ودیعت کی

بِنَفْسِهِ وَبِمَنْ فِي عِيَالِهِ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَلْتَزِمُ حِفْظَ مَالِ غَيْرِهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي

بذاتِ خود، اور اس شخص کے ذریعہ جو اس کے عیال میں ہے؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے التزام کیا ہے غیر کے مال کی حفاظت کا اسی طور پر

يَحْفَظُ مَالَ نَفْسِهِ ، وَلِأَنَّهُ لَا يَجِدُ بُدًّا مِنَ الدَّفْعِ إِلَى عِيَالِهِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ

جس طور پر کہ وہ حفاظت کرتا ہے اپنے مال کی، اور اس لیے کہ اس کو چارہ نہیں اپنے عیال کو دیئے بغیر؛ اور اس لیے کہ ممکن نہیں اس کے لیے

مُلَازَمَةُ بَيْتِهِ وَلَا اسْتِصْحَابُ الْوَدِيعَةِ فِي خُرُوجِهِ فَكَانَ الْمَالِكُ رَاضِيًا بِهِ{3} فَإِنْ

ہر وقت ٹھہرا رہنا اپنی کوٹھری میں اور نہ ہر وقت ساتھ رکھنا ودیعت کو باہر جانے کے وقت، پس مالک راضی ہے ایسی حفاظت سے۔ پس اگر

حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ أَوْ أَوْدَعَهَا غَيْرَهُمْ ضَمِنَ ؛ لِأَنَّ الْمَالِكَ رَضِيَ بِيَدِهِ لَا بِيَدِ غَيْرِهِ،

اس نے حفاظت کرائی ان کے غیر سے یا ودیعت رکھی ان کے غیر کے پاس، تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ مالک راضی ہے اس کے قبضہ سے نہ کہ غیر کے قبضہ سے،

{4}وَالْأَيْدِي تَخْتَلِفُ فِي الْأَمَانَةِ ، وَلِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ كَالْوَكِيلِ لَا يُوَكِّلُ غَيْرَهُ؛

اور ہاتھ مختلف ہوتے ہیں امانت میں، اور اس لیے کہ شئ متضمن نہیں ہوتی ہے اپنے مثل کو جیسے وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا ہے

{5}وَالْوَضْعُ فِي حِرْزِ غَيْرِهِ إِيدَاعٌ ، إِلَّا إِذَا اسْتَأْجَرَ الْحِرْزَ فَيَكُونُ حَافِظًا بِحِرْزِ نَفْسِهِ .{6}قَالَ : إِلَّا أَنْ

اور دوسرے کی حرز میں رکھنا ودیعت رکھنا ہے، مگر یہ کہ کرایہ پر لے حرز کو، تو وہ حفاظت کرنے والا ہوگا اپنے ذاتی حرز سے۔ فرمایا: مگر یہ کہ

يَقَعَ فِي دَارِهِ حَرِيقٌ فَيُسَلِّمَهَا إِلَى جَارِهِ أَوْ يَكُونَ فِي سَفِينَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَيُلْقِيَهَا

واقع ہو جائے اس کے گھر میں آگ، پس وہ دیدے ودیعت اپنے پڑوسی کو، یا وہ کشتی میں ہو اور اس کو خوف ہو غرق ہونے کا پس وہ ڈال دے ودیعت

إِلَى سَفِينَةٍ أُخْرَى ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِلْحِفْظِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ فَيَرْتَضِيهِ الْمَالِكُ ،{7}وَلَا يُصَدَّقُ عَلَى ذَلِكَ

دوسری کشتی میں؛ کیونکہ متعین ہو گیا یہ حفاظت کا طریقہ اس حالت میں پس پسند کرے گا اس کو مالک، اور تصدیق نہیں کی جائے گی اس پر

إِلَّا بِبَيِّنَةٍ ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي ضَرُورَةً مُسْقِطَةً لِلضَّمَانِ بَعْدَ تَحَقُّقِ السَّبَبِ فَصَارَ كَمَا إِذَا ادَّعَى

مگر بینہ سے؛ کیونکہ وہ مدعی ہے ایسی ضرورت کا جو ساقط کرنے والی ہے ضمان کو تحقق سبب کے بعد، پس ہو گیا جیسا کہ جب وہ دعوی کرے

الْإِذْنَ فِي الْإِيدَاعِ .{8}قَالَ : فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهَا

اجازت کا ودیعت رکھنے کی۔ فرمایا: پھر اگر طلب کیا ودیعت کو صاحبِ ودیعت نے، اور روک لیا مودَع نے اس کو حالانکہ وہ قادر ہے اسے سپرد کرنے پر

ضَمِنَهَا ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِالْمَنْعِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَمَّا طَالَبَهُ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا

اور یہ اس لیے کہ جب مالک نے اس سے مطالبہ کیا تو وہ راضی نہیں تو وہ ضامن ہوگا اس کا؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے روکنے کی وجہ سے،

بِإِمْسَاكِهِ بَعْدَهُ فَيَضْمَنُهُ بِحَبْسِهِ عَنْهُ. {9} قَالَ: وَإِنْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ بِمَالِهِ
اس کے روکنے پر مطالبہ کے بعد، پس وہ ضامن ہوگا اس کو مالک سے روکنے کی وجہ سے۔ فرمایا: اور اگر ملا دیا ودیعت کو مودَع نے اپنے مال کے ساتھ

حَتَّى لَا تَتَمَيَّزَ ضَمِنَهَا ثُمَّ لَا سَبِيلَ لِلْمُودِعِ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا:
حتیٰ کہ امتیاز نہیں ہو سکتا ہے، تو وہ ضامن ہوگا اس کا، پھر کوئی راہ نہیں مودِع کے ودیعت پر امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ

إِذَا خَلَطَهَا بِجِنْسِهَا شَرِكَهُ إِنْ شَاءَ مِثْلُ أَنْ يَخْلِطَ الدَّرَاهِمَ الْبِيضَ بِالْبِيضِ وَالسُّودَ بِالسُّودِ
جب ملا دے اس کو اس کی جنس کے ساتھ، تو وہ شریک ہوگا اس کے ساتھ اگر چاہے مثلاً ملا دے سفید دراہم سفید دراہم کے ساتھ اور سیاہ سیاہ کے ساتھ

وَالْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ. {10} لَهُمَا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْوُصُولُ إِلَى عَيْنِ حَقِّهِ صُورَةً وَأَمْكَنَهُ
اور گندم گندم کے ساتھ اور جو جو کے ساتھ؛ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ممکن نہیں ہے اس کا پہنچنا اپنے عین حق کو صورۃً، اور ممکن ہے اس کے لیے

مَعْنًى بِالْقِسْمَةِ فَكَانَ اسْتِهْلَاكًا مِنْ وَجْهٍ دُونَ وَجْهٍ فَيَمِيلُ إِلَى أَيِّهِمَا شَاءَ. وَلَهُ
معنیٰ اس کے ساتھ تقسیم کرنے سے، پس یہ استہلاک ہے من وجہ اور من وجہ نہیں، پس وہ مائل ہو جائے جس طرف چاہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّهُ اسْتِهْلَاكٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِأَنَّهُ فِعْلٌ يَتَعَذَّرُ مَعَهُ الْوُصُولُ إِلَى عَيْنِ حَقِّهِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْقِسْمَةِ
کہ یہ استہلاک ہے ہر طرح سے؛ کیونکہ یہ ایسا فعل ہے کہ متعذر ہے اس کے ساتھ پہنچنا اپنے عین حق تک، اور اعتبار نہیں تقسیم کا؛

لِأَنَّهَا مِنْ مُوجِبَاتِ الشَّرِكَةِ فَلَا تَصْلُحُ مُوجِبَةً لَهَا. {11} وَلَوْ أَبْرَأَ الْخَالِطَ لَا سَبِيلَ
کیونکہ تقسیم شرکت کے احکام میں سے ہے پس وہ لائق نہیں شرکت کا موجب ہونے کا، اور اگر بری کر دیا خلط کرنے والے کو تو کوئی راہ نہیں

لَهُ عَلَى الْمَخْلُوطِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ إِلَّا فِي الدَّيْنِ وَقَدْ سَقَطَ، وَعِنْدَهُمَا بِالْإِبْرَاءِ
اس کے لیے مخلوط پر امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ کوئی حق نہیں اس کو مگر دَین میں اور وہ ساقط ہو چکا، اور صاحبینؒ کے نزدیک بری کرنے سے

تَسْقُطُ خِيَرَةُ الضَّمَانِ فَيَتَعَيَّنُ الشَّرِكَةُ فِي الْمَخْلُوطِ. {12} وَخَلْطُ الْخَلِّ بِالزَّيْتِ وَكُلِّ مَائِعٍ بِغَيْرِ جِنْسِهِ
ساقط ہو جاتا ہے ضمان کا اختیار، پس متعین ہو جائے گی شرکت مخلوط میں۔ اور ملانا سرکہ کو روغن زیتون کے ساتھ اور ہر مائع چیز کو اپنی جنس کے علاوہ کے ساتھ

يُوجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْمَالِكِ إِلَى الضَّمَانِ، وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ اسْتِهْلَاكٌ صُورَةً وَكَذَا مَعْنًى
واجب کر دیتا ہے مالک کے حق کے منقطع ہونے کو ضمان کی طرف، اور یہ بالاتفاق ہے؛ کیونکہ یہ استہلاک ہے صورۃً، اور اسی طرح معنیً؛

لِتَعَذُّرِ الْقِسْمَةِ بِاعْتِبَارِ اخْتِلَافِ الْجِنْسِ، وَمِنْ هَذَا الْقَبِيلِ خَلْطُ الْحِنْطَةِ بِالشَّعِيرِ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا
بوجہ متعذر ہونے تقسیم کے اختلافِ جنس کے اعتبار سے، اور اسی قبیل سے ہے ملا دینا گندم کو جو کے ساتھ صحیح قول کے مطابق؛ کیونکہ دونوں میں سے ایک

لَا يَخْلُو عَنْ حَبَّاتِ الْآخَرِ فَتَعَذَّرَ التَّمْيِيزُ وَالْقِسْمَةُ. {13}وَلَوْ خَلَطَ الْمَائِعَ بِجِنْسِهِ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ
خالی نہیں ہوتا ہے دوسرے کے دانوں سے پس متعذر ہو گئی تمیز اور تقسیم۔ اور اگر ملادی مائع چیز اپنی جنس کے ساتھ تو امام صاحب ؒ کے نزدیک

يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمَالِكِ إلَى ضَمَانٍ لِمَا ذَكَرْنَا، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُجْعَلُ الْأَقَلُّ تَابِعًا
منقطع ہو جائے گا مالک کا حق ضمان کی طرف؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک تابع قرار دیا جائے گا اقل کو

لِلْأَكْثَرِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ أَجْزَاءً، {14}وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ شَرِكَهُ بِكُلِّ حَالٍ لِأَنَّ الْجِنْسَ لَا يَغْلِبُ
اکثر کا؛ اعتبار کرتے ہوئے غالب کا اجزاء کے اعتبار سے، اور امام محمد ؒ کے نزدیک شریک ہو جائے گا اس کے ساتھ ہر حال میں؛ کیونکہ جنس غالب نہیں ہوتی ہے

الْجِنْسَ عِنْدَهُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الرَّضَاعِ، وَنَظِيرُهُ خَلْطُ الدَّرَاهِمِ بِمِثْلِهَا إذَابَةً لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَائِعًا
اپنی جنس پر امام محمد ؒ کے نزدیک جیسا کہ گذر چکا کتاب الرضاع میں، اور اس کی نظیر ملا دینا ہے دراہم کو ان کے مثل کے ساتھ پگھلا کر؛ کیونکہ وہ مائع ہو جاتا ہے

بِالْإِذَابَةِ. {15}قَالَ: وَإِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهِ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهِ فَهُوَ شَرِيكٌ لِصَاحِبِهَا كَمَا إذَا انْشَقَّ
پگھلانے سے۔ فرمایا: اور اگر ودیعت مل گئی اس کے مال کے ساتھ اس کے فعل کے بغیر، تو وہ شریک ہو گا صاحبِ ودیعت کا جیسا کہ جب پھٹ جائے

الْكِيسَانِ فَاخْتَلَطَا لِأَنَّهُ لَا يَضْمَنُهَا لِعَدَمِ الصُّنْعِ مِنْهُ فَيَشْتَرِكَانِ
دو تھیلے اور دونوں مل جائیں؛ کیونکہ وہ اس کا ضامن نہیں؛ اس کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہونے کی وجہ سے، پس دونوں شریک ہوں گے،

وَهَذَا بِالِاتِّفَاقِ. {16}قَالَ: فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُودَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهُ فَخَلَطَهَا بِالْبَاقِي
اور یہ بالاتفاق ہے۔ فرمایا: اور اگر خرچ کیا مودَع نے ودیعت میں سے کچھ، پھر واپس کر دیا اس کا مثل اور ملا دیا اس کو باقی کے ساتھ،

ضَمِنَ الْجَمِيعَ لِأَنَّهُ خَلَطَ مَالَ غَيْرِهِ بِمَالِهِ فَيَكُونُ اسْتِهْلَاكًا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي تَقَدَّمَ {17}قَالَ: وَإِذَا تَعَدَّى الْمُودَعُ
تو ضامن ہو گا سب کا؛ کیونکہ اس نے ملا دیا غیر کا مال اپنے مال میں، تو یہ استہلاک ہو گا اس طریقہ پر جو گذر چکا۔ فرمایا: اور اگر تعدی کی مودَع نے

فِي الْوَدِيعَةِ بِأَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا أَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهُ أَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهُ
ودیعت میں بایں طور کہ وہ جانور ہے اور اس پر سوار ہوا یا کپڑا ہے اور اس نے اس کو پہن لیا، اور غلام ہے اس نے اس سے خدمت لی

أَوْ أَوْدَعَهَا غَيْرَهُ ثُمَّ أَزَالَ التَّعَدِّيَ فَرَدَّهَا إلَى يَدِهِ زَالَ الضَّمَانُ {18}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:
یا بطور ودیعت رکھا اس کو غیر کے پاس، پھر دور کیا تعدی کو اور واپس لایا اس کو اپنے قبضہ میں، تو زائل ہو گیا ضمان، اور فرمایا امام شافعی ؒ نے:

لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ لِأَنَّ عَقْدَ الْوَدِيعَةِ ارْتَفَعَ حِينَ صَارَ ضَامِنًا لِلْمُنَافَاةِ فَلَا يَبْرَأُ إلَّا بِالرَّدِّ عَلَى الْمَالِكِ
بری نہ ہو گا ضمان سے؛ کیونکہ عقدِ ودیعت دور ہوا جب ضامن ہو گیا، دونوں میں منافات کی وجہ سے، پس بری نہ ہو گا مگر مالک پر رد کرنے سے۔

وَلَنَا أَنَّ الْأَمْرَ بَاقٍ لِإِطْلَاقِهِ، وَارْتِفَاعُ حُكْمِ الْعَقْدِ ضَرُورَةَ ثُبُوتِ نَقِيضِهِ،

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم ودیعت باقی ہے اس کے اطلاق کی وجہ سے، اور حکم عقد کا ارتفاع اس کی نقیض کے ثبوت کی ضرورت سے تو

فَإِذَا ارْتَفَعَ عَادَ حُكْمُ الْعَقْدِ ، كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَهُ لِلْحِفْظِ شَهْرًا فَتَرَكَ الْحِفْظَ فِي بَعْضِهِ

پس جب نقیض رفع ہوگئی تو لوٹ آیا حکم عقد جیسا کہ جب کسی کو اجرت پر لے حفاظت کے لیے ایک ماہ، پس اس نے چھوڑ دی حفاظت کو اس

ثُمَّ حَفِظَ فِي الْبَاقِي فَحَصَلَ الرَّدُّ إِلَى نَائِبِ الْمَالِكِ .{19} قَالَ : فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهَا

پھر حفاظت کی باقی دنوں میں، پس حاصل ہو گیا واپس کرنا نائب مالک کی طرف۔ فرمایا: اور اگر طلب کیا ودیعت کو اس کے مالک نے پس مودع نے انکار کیا اس کا،

ضَمِنَهَا ، لِأَنَّهُ لَمَّا طَالَبَهُ بِالرَّدِّ فَقَدْ عَزَلَهُ عَنِ الْحِفْظِ فَبَعْدَ ذَلِكَ

تو وہ ضامن ہوگا اس کا: کیونکہ جب اس نے اس سے مطالبہ کیا واپس کرنے کا تو اس کو معزول کر دیا حفاظت کرنے سے، پس اس کے بعد

هُوَ بِالْإِمْسَاكِ غَاصِبٌ مَانِعٌ فَيَضْمَنُهَا ، فَإِنْ عَادَ إِلَى الِاعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ عَنِ الضَّمَانِ

وہ روکنے سے غاصب اور روکنے والا ہوا اس سے، پس وہ ضامن ہوگا اس کا، پھر اگر وہ لوٹ آیا اقرار کی طرف، تو بری نہ ہوگا ضمان سے؛

لِارْتِفَاعِ الْعَقْدِ ، إِذِ الْمُطَالَبَةُ بِالرَّدِّ رَفْعٌ مِنْ جِهَتِهِ وَالْجُحُودُ فَسْخٌ مِنْ جِهَةِ الْمُودَعِ كَجُحُودِ الْوَكِيلِ الْوَكَالَةَ

عقد رفع ہونے کی وجہ سے: اس لیے کہ مطالبہ کرنا واپسی کا رفع ہے اس کی طرف سے، اور انکار کرنا فسخ ہے مودع کی طرف سے جیسے وکیل کا انکار وکالت سے،

وَجُحُودِ أَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْبَيْعَ فَتَمَّ الرَّفْعُ ،{20} أَوْ لِأَنَّ الْمُودَعَ يَنْفَرِدُ بِعَزْلِ نَفْسِهِ بِمَحْضَرٍ مِنَ الْمُسْتَوْدِعِ

اور احد المتعاقدین کا انکار بیع سے، پس تام ہو گیا رفع، یا اس لیے کہ مودع مستقل ہوتا ہے خود کو معزول کرنے کے ساتھ مستودع کی موجودگی میں

كَالْوَكِيلِ يَمْلِكُ عَزْلَ نَفْسِهِ بِحَضْرَةِ الْمُوَكِّلِ ، وَإِذَا ارْتَفَعَ لَا يَعُودُ إِلَّا بِالتَّجْدِيدِ فَلَمْ يُوجَدِ

جیسے وکیل مالک ہوتا ہے خود کو معزول کرنے کا موکل کی موجودگی میں، اور جب عقد رفع ہو تو وہ نہیں لوٹے گا مگر تجدید سے، پس نہیں پایا گیا

الرَّدُّ إِلَى نَائِبِ الْمَالِكِ ، بِخِلَافِ الْخِلَافِ ثُمَّ الْعَوْدِ إِلَى الْوِفَاقِ ،{21} وَلَوْ جَحَدَهَا

واپس کرنا نائب مالک کی طرف، برخلاف خلاف ورزی کرنے کے پھر لوٹ آنے کے موافقت کی طرف۔ اور اگر انکار کیا ودیعت کا

عِنْدَ غَيْرِ صَاحِبِهَا لَا يَضْمَنُهَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِزُفَرَ لِأَنَّ الْجُحُودَ عِنْدَ غَيْرِهِ

غیر مالک کے سامنے تو وہ ضامن نہ ہوگا ودیعت کا امام ابو یوسف کے نزدیک، اختلاف ہے امام زفر کا: کیونکہ انکار کرنا غیر کے سامنے

مِنْ بَابِ الْحِفْظِ لِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ طَمَعِ الطَّامِعِينَ ، وَلِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ عَزْلَ نَفْسِهِ

حفاظت کے قبیل سے ہے: کیونکہ اس میں قطع کرنا ہے طمع کرنے والوں کی طمع کو، اور اس لیے کہ وہ مالک نہیں خود کو معزول کرنے کا

بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنْهُ أَوْ طَلَبِهِ فَيَبْقَى الْأَمْرُ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بِحَضْرَتِهِ .

مالک کی موجودگی یا اس کی طلب کے بغیر، پس باقی رہا عقد، برخلاف اس کے جب ہو مالک کی موجودگی میں۔

تشریح:۔ {1} ودیعت مستودَع کے پاس امانت ہوتی ہے تو اگر وہ مستودَع کے پاس ہلاک ہو جائے تو مستودع اس کا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عاریت لینے والے غیر خائن پر ضمان نہیں ہے اور مستودع غیر خائن پر ضمان نہیں ہے"، جس میں تصریح ہے کہ مستودَع کے ہاں (بلا تعدی) ودیعت ہلاک ہونے کی صورت میں مستودع پر ضمان نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لوگوں کو ودیعت رکھنے کی حاجت ہوتی ہے پس اگر ہم مستودع کو ضامن ٹھہرائیں تو لوگ ودیعتیں قبول کرنے سے انکار کریں گے اس طرح لوگوں کی مصلحتیں معطل ہو جائیں گی حالانکہ اس میں حرج اور مشقت ہے اور حرج کو شریعت نے دور کر دیا ہے لہٰذا ودیعت ہلاک ہونے کی صورت میں مستودع پر ضمان نہ ہو گا۔

امانت رکھوا کر واپس نہ آئے:

اگر کوئی شخص امانت رکھوا کر واپس نہ آئے تو کچھ وقت انتظار کرنا ضروری ہے، اس میں اس کو تلاش کیا جائے اگر وہ مل جائے تو اس تک یا موت کی صورت میں ان کے ورثاء تک پہنچانا ضروری ہے، لیکن اگر بالکل پتہ نہ چلے تو اس مال کو امانت رکھوانے والے کی طرف سے صدقہ کر دے، امین اگر فقیر ہو تو خود بھی کھا سکتا ہے، صدقہ یا استعمال کے بعد مالک واپس آجائے تو مالک کو اختیار ہو گا کہ اس صدقہ پر راضی رہے یا یہ کہ امین سے اپنے مال کا مطالبہ کرے، قال العلامة الحصكفي رحمه الله: فينتفع بها لو فقيراً و إلّا تصدّق بها على فقير و لو على أصله وفرعه وعرسه، فان جاء مالكها بعد التصدّق خيّر بين اجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها او تضمينه (ردّ المحتار: 4/79،80، كتاب اللقطة)(فقہ المعاملات: 2/92)

{2} اور مستودع کو اختیار ہوتا ہے کہ بذاتِ خود ودیعت کی حفاظت کرے یا ایسے شخص کے ذریعہ حفاظت کرے جو اس کے عیال (جو شخص اس کے ساتھ سکونت رکھتا ہے) میں ہو؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مستودَع نے غیر کے مال کی حفاظت کا التزام اسی طرح پر کیا ہے جس طرح پر کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اور بندہ اپنے مال کو بھی بطورِ حفاظت اپنے عیال کے پاس رکھتا ہے تو غیر کی ودیعت بھی حفاظت کے لیے اپنے عیال کے پاس رکھے گا اس لیے اس کی بھی اجازت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کو اپنے عیال کی حفاظت میں دینے سے چارہ نہیں ہے؛ کیونکہ ہر وقت اپنے گھر میں رہنا اس کے لیے ممکن نہیں اور نہ باہر جانے میں ہر وقت ودیعت کو ساتھ رکھنا ممکن ہے تو ودیعت کا مالک مستودع کی دونوں طرح کی حفاظت (بذاتِ

(1) اخرجه الدارقطني، ثم البيهقي في سننهما عن عمرو بن عبد الجبار عن عبيدة بن حسان عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستودع، غير المغل ضمان، ولا على المستعير، غير المغل ضمان"، انتهى. قال الدارقطني: عمرو، وعبيدة ضعيفان، وإنما يروى هذا من قول شريح غير مرفوع، ثم اخرجه من قول شريح، ولم يروه عبد الرزاق في مصنفه الا من قول شريح، وقال ابن حبان في كتاب الضعفاء: عبيدة يروي الموضوعات عن الثقات، انتهى. (نصب الراية: 4/285)

خود حفاظت اور اپنے عیال کے ذریعہ حفاظت) پر راضی ہے یعنی جب مالک مال کو معلوم ہے کہ میں جس کے پاس ودیعت رکھتا ہوں اس سے ہر وقت بذات خود حفاظت غیر ممکن ہے پھر بھی مالک نے اس کو اپنا مال بطورِ ودیعت دیدیا تو یہ اس کی طرف سے رضامندی ہے کہ مستودع ودیعت اپنے عیال کی حفاظت میں دے سکتا ہے۔

{3} پھر اگر مستودع نے اپنے عیال کے علاوہ کسی غیر سے حفاظت کرائی ہو یا غیر کے پاس بطورِ ودیعت رکھی ہو اور ودیعت ہلاک ہوگئی تو مستودع ضامن ہوگا؛ کیونکہ مالک ودیعت پر مستودع کے قبضہ سے تو راضی ہوا تھا مگر مستودع کے علاوہ کے قبضہ پر راضی نہیں تھا، تو غیر کی حفاظت میں دینا مالک کی رضامندی کے بغیر ہوا اس لیے مستودع ضامن ہوگا۔

{4} اگر کوئی کہے کہ جیسے مستودع کا قبضہ ہے ویسے ہی غیر کا قبضہ بھی ہے؛ کیونکہ قبضہ قبضہ کے برابر ہوتا ہے لہٰذا غیر سے حفاظت کرانے کی صورت میں بھی ضامن نہیں ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ قبضہ قبضہ کے برابر نہیں بلکہ فرق ہے اس لیے کہ امانت میں قبضے مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ قابل اعتماد ہوتے ہیں اور بعض خائن ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہوتے ہیں اس لیے مستودع کے قبضہ پر راضی ہونا غیر کے قبضہ پر رضا نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک شئی اپنے مثل کو متضمن نہیں ہوتی ہے لہٰذا مستودع کے پاس ودیعت رکھنا اس بات کو متضمن نہیں کہ وہ اس کو دوسرے کے پاس ودیعت رکھے جیسے وکیل کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ غیر کو وکیل کردے اسی طرح مستودع کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص کے پاس ودیعت رکھے۔

{5} سوال یہ ہے مستودع نے تو غیر کے حرز (مکانِ حفاظت) میں مالِ ودیعت رکھا ہے غیر کو تو بطورِ ودیعت نہیں دیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دوسرے کے حرز میں رکھنا یہی ودیعت دینا ہوتا ہے تو جب غیر کے حرز میں مال ودیعت رکھا تو گویا اس کو ودیعت دے دیا پس غیر کو صریح ودیعت دینے میں مستودع ضامن ہوتا ہے اسی طرح غیر کے حرز میں رکھنے سے بھی ضامن ہوگا۔ البتہ اگر غیر کے حرز کو کرایہ پر لیا تو اس میں رکھنا ودیعت دینا نہیں بلکہ وہ اپنے حرز میں حفاظت کرنے والا ہوگا؛ کیونکہ اپنا حرز خواہ ذاتی مملوک ہو یا کرایہ پر لیا ہو دونوں برابر ہیں پس اگر کرایہ کے مکان سے ودیعت ضائع ہوگئی تو مستودع ضامن نہ ہوگا۔

{6} پھر واضح رہے کہ عیال کے علاوہ کسی غیر کی حفاظت میں دینا اس وقت جائز نہیں کہ قصد اور اختیار سے ہو اضطراراً نہ ہو ورنہ اگر اضطراراً ہو مثلاً مستودع کے گھر میں آگ لگی پس اس نے ودیعت اپنے پڑوسی کے سپرد کردی، یا وہ کشتی میں سوار تھا پس کشتی کے غرق ہونے کا خوف ہوا، اور مستودع نے ودیعت دوسری کشتی کی طرف پھینک دی تو ایسی حالت میں اگر ودیعت ہلاک ہوگئی تو مستودع ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ ایسی حالت میں حفاظت کا یہی طریقہ متعین ہوگیا تو مالک اس پر راضی ہوگا اس لیے مستودع ضامن نہ ہوگا۔

{7} پھر اگر مستودع نے کہا کہ ایسی حالت واقع ہونے (مثلاً گھر میں آگ لگنے) کی وجہ سے میں نے ایسا کیا تھا یعنی ودیعت پڑوسی کو سپرد کی تھی اور وہ ضائع ہوگئی، اور مالکِ ودیعت نے اس کے اس کہنے کا انکار کیا تو مستودع کا قول نہیں مانا جائے گا مگر یہ کہ وہ بیّنہ پیش کر دے؛ کیونکہ مستودع سببِ ضمانت (ہلاکتِ ودیعت) واقع ہو جانے کے بعد ایسی ضرورت کا دعویٰ کرتا ہے جو ضمان کو ساقط کرنے والی ہے یعنی مستودع کی طرف سے ودیعت کسی غیر کو دینا پایا گیا اور یہ موجبِ ضمان ہے پھر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے ضرورت کی بنا پر غیر کو دی تھی تو یہ ایسا ہو گیا جیسے مستودع ایسی صورت میں دعویٰ کرے کہ مودِع نے مجھے غیر کے پاس ودیعت رکھنے کی اجازت دی تھی، تو مستودع کا یہ قول بیّنہ کے بغیر قبول نہ ہوگا؛ کیونکہ جب اس نے غیر کو دینے کا اقرار کیا تو یہ موجبِ ضمان ہے پس ضمان کو ساقط کرنے کے لیے اپنے اس دعویٰ کو بیّنہ سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے بیّنہ کے بغیر قبول نہ ہوگا، اسی طرح یہاں بھی مستودع پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کو بیّنہ سے ثابت کر دے۔

{8} پھر اگر ودیعت کو اس کے مالک نے طلب کیا اور مستودع نے دینے سے روک دیا حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ ودیعت مالک کو سپرد کر دے، پھر ودیعت مستودع کے پاس ہلاک ہو گئی تو مستودع ضامن ہوگا؛ کیونکہ مستودع اس کو روکنے کی وجہ سے حد سے تجاوز کرنے والا ہوا جو ظلم ہے اور یہ تجاوز اور ظلم اس لیے ہے کہ جب مالک نے اپنی ودیعت کو طلب کیا تو آئندہ وہ مستودع کے پاس اس کے رکھنے پر راضی نہیں رہا تو آئندہ روکنے سے مستودع اس کا ضامن ہوگا۔

{9} اگر مستودع نے مالِ ودیعت کو اپنے مال میں اس طرح ملا دیا کہ اب دونوں مالوں میں امتیاز نہیں ہو سکتا ہے تو مستودع ضامن ہو جائے گا۔ پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ودیعت رکھنے والے کو اپنا عین مالِ ودیعت لینے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر مالِ ودیعت کو اس کی جنس میں خلط کر دیا ہو تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو مستودع سے مالِ ودعیت کا ضمان لے اور چاہے مخلوط مال میں شریک ہو جائے مثلاً سفید (کھرے) درہموں کو سفید درہموں میں ملا دیا، یا سیاہ (کھوٹے) درہموں کو سیاہ درہموں میں ملا دیا، یا گندم کو گندم میں ملا دیا، یا جَو کو جَو میں ملا دیا، تو یہ ایک جنس میں خلط ہے، پس اس صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک مالک کو اختیار ہے چاہے شرکت کر لے حتیٰ کہ اگر ودیعت کے گندم اور مستودع کے گندم دونوں برابر ہوں تو دونوں برابر کے شریک ہو جائیں اور چاہے وہ مستودع سے تاوان لے لے اور جب تاوان لے لیا تو وہ مستودع کی ملک ہو جائے گی۔

{10} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کو اپنا عین حق ملنا صورۃً ممکن نہیں ہے البتہ معنیً ممکن ہے بایں طور کہ مستودع کے ساتھ تقسیم کر لے پس صورت کے لحاظ سے ودیعت ہلاک شمار ہوگی اور معنی کے اعتبار سے ہلاک شمار نہ ہوگی تو مالک دونوں صورتوں میں

سے جو چاہے اختیار کرے یعنی اگر چاہے تو جانبِ ہلاکت کو اختیار کرتے ہوئے اس کو مثل کا ضامن بنائے اور اگر چاہے تو جانبِ اثر کو اختیار کرتے ہوئے مخلوط مال میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلط کرنا ہر طرح سے مالِ ودیعت کو ہلاک کرنا ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ ایسا فعل ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے مالک کو اپنا عین حق ملنا محال ہے، اور تقسیم کا کچھ اعتبار نہیں ہے؛ کیونکہ تقسیم تو شرکت کے احکام میں سے ہے شرکت کے بعد تقسیم ہوتی ہے اس لیے تقسیم اس لائق نہیں کہ شرکت کو واجب کر دے ورنہ تو معلول (تقسیم) علت بن جائے گا۔

فتویٰ:۔امام ابو حنیفہ کا قول راجح ہے لما فی الدر المختار: ( وَكَذَا لَوْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ ) بِجِنْسِهَا أَوْ بِغَيْرِهِ ( بِمَالِهِ ) أَوْ مَالِ آخَرَ ابْنُ كَمَالٍ ( بِغَيْرِ إذْنِ ) الْمَالِكِ ( بِحَيْثُ لَا تَتَمَيَّزُ ) إلَّا بِكُلْفَةٍ كَحِنْطَةٍ بِشَعِيرٍ وَدَرَاهِمَ جِيَادٍ بِزُيُوفٍ مُجْتَبَى ( ضَمِنَهَا ) لِاسْتِهْلَاكِهِ بِالْخَلْطِ لَكِنْ لَا يُبَاحُ تَنَاوُلُهَا قَبْلَ أَدَاءِ الضَّمَانِ ، (الدّر المختار علی ھامش رد المحتار: 554/4)

{11} ائمہ کرام کے مذکورہ اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر مودِع نے خلط کرنے والے مستودع کو بری کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے لیے مخلوط مال کی تقسیم کی کوئی راہ نہیں؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک مودِع کو صرف تاوان کا اختیار تھا جو مستودع کے ذمہ واجب تھا اور بری کر دینے سے وہ ساقط ہو گیا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مودِع کا مستودع کو بری کر دینا ضمان کے اختیار کو ساقط کر دیتا ہے پس متعین ہوا کہ مالِ مخلوط میں مودِع مستودع کے ساتھ شریک ہو جائے۔

{12} اگر کسی کا تیل ودیعت تھا مستودع نے اس کو روغن زیتون میں ملا دیا، اسی طرح کوئی بھی رقیق چیز اگر اس کی جنس کے علاوہ میں ملا دی گئی مثلاً گھی کو تیل میں ملا دیا، تو بالاتفاق مالک کا حق اس سے منقطع ہو کر تاوان واجب ہو گا؛ کیونکہ یہ جس طرح کہ صورۃً ہلاک کر دینا ہے اسی طرح معنیً بھی ہلاک کر دینا ہے؛ کیونکہ اختلافِ جنس کی وجہ سے اسے اب تقسیم بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، لہٰذا صرف تاوان لینا متعین ہو گیا۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اسی قبیل سے صحیح قول کے مطابق گندم کو جَو میں ملا دینا بھی ہے یعنی اس صورت میں بھی مالک کا حق منقطع ہو کر تاوان واجب ہو گا؛ کیونکہ گندم اور جَو میں سے ہر ایک میں دوسرے کے دانے مل جاتے ہیں تو عین ودیعت کو الگ کرنا متعذر ہے اور اختلافِ جنس کی وجہ سے تقسیم کرنا بھی ممکن نہیں ہے لہٰذا بالاتفاق مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اور اس کے لیے تاوان واجب ہو گا یعنی اپنی ودیعت کے بقدر تاوان لے۔

{13} اور اگر بہنے والی چیز کو اس کی جنس میں خلط کر دیا مثلاً روغن زیتون ودیعت تھا اس کو روغن زیتون میں خلط کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک کا حق منقطع ہو کر خلط کرنے والے پر تاوان واجب ہو گا؛ کیونکہ اوپر ہم بیان کر چکے کہ یہ ہر طرح سے اس چیز کو ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم کو زیادہ کا تابع کیا جائے گا یعنی مخلوط چیز صاحبِ کثیر کے لیے ہو گی اور قلیل والے کو اس کی چیز کا ضمان ملے گا؛ کیونکہ جو چیز اجزاء کے اعتبار سے غالب ہے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

{14} امام محمدؒ کے نزدیک ہر حالت میں مالک مستودع کے ساتھ شریک ہو جائے گا خواہ دونوں برابر ہوں یا ایک غالب دوسرا مغلوب ہو؛ کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک ایک جنس اپنی جنس پر غالب نہیں ہوتی ہے جیسا کہ "کتاب الرضاع" میں گزر چکا کہ اگر دو عورتوں کا دودھ ملا کر ایک بچہ کو پلایا گیا تو دونوں سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ جس کا دودھ غالب ہو اسی سے رضاعت ثابت ہو گی دوسری سے نہ ہو گی؛ کیونکہ دونوں دودھ ایک جنس ہیں اور ہم جنس میں غالب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسی طرح جب ودیعت کی بہنے والی چیز کو اس کی جنس میں ملا دیا جائے تو جس کی مقدار غالب ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر حال میں شرکت ہو جائے گی۔

اور اس کی نظیر یہ ہے کہ مستودع نے ودیعت کے درہموں کو اپنے درہموں کے ساتھ پگھلا کر کے ملا دیا تو بھی تینوں اماموں میں ایسا ہی اختلاف ہے جیسا اختلاف بہنے والی ودیعت کو اپنی جنس میں ملانے میں ہے؛ کیونکہ پگھلانے سے درہم بھی رقیق بہنے والی چیز ہو گئی۔

{15} مذکورہ بالا حکم تو اس وقت ہے کہ مستودع نے اپنے قصد سے ودیعت کو اپنے مال میں ملا دیا ہو، اور اگر ودیعت مستودع کے فعل کے بغیر اس کے مال میں کسی طرح خلط ہو گئی تو مستودع ودیعت کے مالک کا شریک ہو جائے گا جیسے ودیعت کی تھیلی اور مستودع کے مال کی تھیلی پھٹ کر دونوں کے درہم مل گئے تو مستودع ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ اس کی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں پائی گئی ہے جو موجبِ ضمان ہو، لہٰذا مودِع اور مستودع دونوں مخلوط مال میں شریک ہو جائیں گے اور یہ حکم بالاتفاق ہے۔

{16} اور اگر مستودع نے ودیعت میں سے کچھ خرچ کیا پھر جس قدر خرچ کیا تھا اسی قدر اپنے مال میں سے لے کر باقی ودیعت میں ملا دیا، تو مستودع کل ودیعت کا ضامن ہو جائے گا، بعض کا تو خرچ کرنے کی وجہ سے ضامن ہو گا اور دیگر بعض کا اس لیے ضامن ہو گا کہ اس نے غیر کے مال کو لے کر اپنے مال میں ملا دیا، تو سابقہ تفصیل کے موافق یہ ودیعت کو ہلاک کرنا ہے اس لیے مستودع ضامن ہو گا۔

جوتے، کپڑے وغیرہ تبدیل ہو جانے کا حکم:
اگر کسی شخص کی مسجد سے چپل، جوتے، تبدیل ہو گئے یا جہاز یا بس میں بیگ وغیرہ تبدیل ہو گیا غلطی سے کسی دوسرے کا بیگ آگیا تو کیا اس کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ اولاً اگر ایسا ہو بھی جائے تو یہ یقین نہیں کہ جس نے جوتا لیا ہے یہ جوتا اسی کا ہے یا جو بیگ لے گیا ہے آپ کو ملا ہوا بیگ اسی کا ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو بھی چونکہ باہمی مبادلہ کا کوئی معاملہ نہیں ہوا، اسلیے جو جوتا یا کپڑا ملا ہے اس کا حکم لقطہ کا ہوگا، یعنی پہلے یہ کوشش کی جائے گی کہ اس کا مالک مل جائے، اور اس کو واپس کر دیا جائے، اور مالک کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو مالک کی طرف سے صدقہ کر دے، ہاں البتہ مالک ملنے سے مایوسی کی صورت میں اگر یہ شخص خود بھی مستحق زکوۃ ہو تو اس کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، كما في العالمگيرية: قال: امرأة وضعت ملائتها فجاءت امرأة اخرىٰ وضعت ملاء تها ثم جاءت الأولىٰ و أخذت ملاءة الثانية و ذهبت لايسع للثانية أن يقع ملاء تها، و الحيلة أن يتصدق الثانية بهذه الملاءة على بنتها، ان كانت فقيرة على نية أن يكون الثواب لصاحبها ان رضيت ثم تهب البنت الملاءة منها فيسعها الإنتفاع بها كاللقطة ، و كذا لو سرق مكعباً وترك عوضاً (ماخوذ از امداد المفتين بتغيير: ص 876) (فقہ المعاملات: 2/93)

{17} اگر مستودع نے تجاوز کر کے ودیعت میں امانت کے خلاف کام کیا مثلاً کوئی گھوڑا ودیعت رکھا تھا پس مستودع نے اس کو اپنی سواری میں لایا، یا کوئی کپڑا امانت رکھا تھا مستودع نے اس کو پہن لیا، یا کوئی غلام امانت رکھا تھا مستودع نے اس سے خدمت لی، یا مستودع نے امانت کی چیز کسی اجنبی کے پاس امانت رکھ دی، پھر مذکورہ صورتوں میں مستودع نے جو کچھ مخالفت کی تھی وہ دور کر دی اور اس چیز کو حسبِ سابق امانت میں لے آیا تو اس کے ذمہ سے ضمان ساقط ہو جائے گا۔

{18} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورتوں میں مخالفت کو دور کرنے کے بعد بھی مستودع ضمان سے بری نہ ہوگا؛ کیونکہ جس وقت امانت کی مخالفت کر کے وہ مالِ ودیعت کا ضامن ہو گیا تھا اسی وقت امانت کا معاملہ ختم ہو گیا تھا؛ کیونکہ ضمان اور امانت میں منافات ہے یعنی یوں نہیں ہو سکتا کہ کہ ایک ہی شخص امین بھی ہو اور ضمین بھی ہو، تو وہ ضمان سے جب ہی بری ہوگا کہ ودیعت اس کے مالک کو واپس کرے جب تک کہ واپس نہ کر دے وہ ضمان سے بری نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم ودیعت ابھی تک باقی ہے؛ کیونکہ حفاظت کا حکم مطلق تھا یعنی مخالفت سے پہلے حالت کو بھی شامل تھا اور بعد کی حالت کو بھی شامل ہے، باقی مخالفت کی وجہ سے امانت کے حکم کا رفع ہو جانا اس ضرورت کی وجہ سے تھا کہ اس کی نقیض (یعنی ضامن ہونا) ثابت ہو گئی تھی تو جب یہ نقیض دور ہو گئی تو پہلا حکم امانت پھر لوٹ آئے گا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی شخص کو ایک مہینہ تک اپنے سامان کی حفاظت کے لیے مزدور رکھا پس اس نے مہینہ کے بعض حصہ میں حفاظت کو ترک کر دیا پھر دوبارہ اس کی حفاظت

شروع کر دی تو یہ مالک کے نائب (اپنی ذات) کو حفاظت واپس کرنا ہے توامام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ وہ ضمان سے جب ہی بری ہو گا کہ ودیعت اس کے مالک کو واپس کر دے تو اس کا جواب ہو گیا کہ جب اس نے دوبارہ اس کی حفاظت شروع کر دی تو اس نے مالک کے نائب (اپنی ذات) کو حفاظت واپس کر دی اور نائب کو واپس کرنا اصل (مالک) کو واپس کرنا ہے اس لیے ضمان سے بری ہو گا۔

{19} اگر مالک نے اپنی ودیعت طلب کی اور مستودع نے ودیعت کا انکار کیا یعنی کہا کہ "میرے پاس تو نے ودیعت نہیں رکھی ہے" تو مستودع اس کا ضامن ہو گا حتیٰ کہ اگر ودیعت ثابت ہو گئی اور روکنے کے بعد وہ چیز اس سے تلف ہو گئی تو اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا؛ کیونکہ جب مالک نے اس سے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس کو ودیعت کی حفاظت سے معزول کر دیا پس اس کے بعد ودیعت کو روکنے سے وہ ودیعت کو غصب کرنے والا اور مالک کو دینے سے روکنے والا ہوا اس لیے وہ اس ودیعت کا ضامن ہو گا۔

پھر اس کے بعد اگر اس نے ودیعت کا اقرار بھی کر لیا تو جب تک اسے مالک کو سپرد نہ کرے ضمانت سے بری نہ ہو گا؛ کیونکہ عقدِ ودیعت رفع ہو چکا؛ اس لیے کہ مالک کی طرف سے واپسی کا مطالبہ کرنا ہی اس کی طرف سے عقد کو ختم کرنا ہے، اور مستودع کی طرف سے ودیعت کا انکار کرنا بھی فسخ عقد ہے جیسے وکیل کا وکالت سے انکار کرنا فسخ وکالت ہوتا ہے یا بائع یا مشتری کا بیع سے انکار کرنا اس کا توڑنا ہوتا ہے اسی طرح مستودع کا انکار بھی عقدِ ودیعت کا توڑنا ہو گا تو عقدِ ودیعت کا دور ہونا دونوں جانب سے پورا ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ جو عقد رفع ہو جائے وہ دوبارہ جدید عقد کرنے کے بغیر لوٹ کر نہیں آتا ہے اور جب عقدِ ودیعت نہیں رہا تو مستودع ودیعت کو اپنے پاس روکنے سے غاصب شمار ہو گا اور غاصب ضامن ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں مستودع ضامن ہو گا۔

{20} دوسری دلیل یہ ہے کہ ودیعت میں مستودع کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ مودِع کی موجودگی میں (یعنی اس کی آگاہی میں) جب چاہے اپنے آپ کو معزول کر دے اپنے آپ کو معزول کرنے میں وہ متفرد ہے جیسے وکیل کو موکل کی موجودگی میں اپنے آپ کو معزول کرنے کا اختیار ہوتا ہے پس مستودع کا انکار کرنا اپنے آپ کو معزول کرنا ہے اس لیے عقدِ ودیعت ختم ہو چکا، اور جب عقدِ ودیعت ختم ہو چکا تو تجدید کے بغیر وہ عود نہیں کرے گا، پھر اگر اس نے ودیعت کا اقرار بھی کر لیا تو بھی وہ امین نہ ہو گا؛ کیونکہ مالک کے نائب (مراد اس کی اپنی ذات ہے) کو واپس کرنا نہیں پایا گیا؛ کیونکہ فسخ ودیعت کے بعد وہ نائب باقی نہیں رہا لہٰذا مستودع غاصب ہے اس لیے ضامن ہو گا۔

برخلاف سابقہ مسئلہ کے جس میں مستودع نے ودیعت کے مالک کی مخالفت کی پھر موافقت اختیار کی کہ اس سے عقدِ ودیعت رفع نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ عملاً خلاف کرنا امر مالک کو رفع نہیں کرتا ہے اس لیے کہ امر قول ہے اور قول کا رد قول سے ہوتا ہے فعل سے نہیں ہوتا ہے لہٰذا مستودع اب تک مالک کا نائب ہے پس اگر وہ مخالفت چھوڑ کر موافقت اختیار کرے تو بدستور امین اور مستودع

رہے گا اس لیے وہ ضامن نہ ہوگا، جبکہ یہاں تو قولاً انکار کرنے کی وجہ سے عقدِ ودیعت فسخ ہو جاتا ہے اس لیے وہ مستودع نہیں رہتا ہے پس اس کے بعد اقرار کرنے سے بھی وہ مستودع نہ ہوگا بلکہ غاصب شمار ہوگا اس لیے ضامن ہوگا۔

{21} اگر مستودع نے ودیعت کا انکار مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے سامنے کیا ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستودع ضامن نہ ہوگا اور یہی طرفینؒ کا بھی قول ہے۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مستودع ضامن ہوگا؛ کیونکہ انکار سبب ضمان ہے خواہ مالک کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیر موجودگی میں ہو۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے سامنے انکار کرنا حفاظت کے باب سے ہے؛ کیونکہ اس انکار سے ودیعت کی ہوس اور طمع کرنے والوں کی طمع منقطع ہو جاتی ہے اس طرح ودیعت محفوظ ہو جاتی ہے لہٰذا عقدِ ودیعت برقرار ہے اس لیے مستودع ضامن نہ ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مالک کے حاضر ہونے یا اس کے ودیعت کو طلب کرنے کے بغیر مستودع اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا ہے لہٰذا عقدِ ودیعت برقرار رہے گا اس لیے مستودع ضامن نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر مستودع نے مالک کے سامنے انکار کیا تو عقد فسخ ہو جائے گا اس لیے مستودع ضامن ہوگا۔

{1} قَالَ : وَلِلْمُودَعِ أَنْ يُسَافِرَ بِالْوَدِيعَةِ وَإِنْ كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

فرمایا: اور مودَع کو اختیار ہے کہ وہ سفر کرے ودیعت کے ساتھ اگرچہ اس کے لیے باربرداری اور مشقت ہو امام صاحبؒ کے نزدیک،

وَقَالَا : لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ إذَا كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو یہ اختیار نہیں اگر ودیعت کے لیے باربرداری اور مشقت ہو۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے: نہیں ہے اس کو یہ اختیار

فِي الْوَجْهَيْنِ ، {2} لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إطْلَاقُ الْأَمْرِ ، وَالْمَفَازَةُ مَحَلٌّ لِلْحِفْظِ إذَا كَانَ الطَّرِيقُ آمِنًا وَلِهَذَا يَمْلِكُ

دونوں صورتوں میں؛ امام صاحبؒ کی دلیل اطلاق امر ہے، اور جنگل محل ہے حفاظت کا جبکہ راستہ پر امن ہو، اسی لیے اختیار ہے سفر کا

الْأَبُ وَالْوَصِيُّ فِي مَالِ الصَّبِيِّ . {3} وَلَهُمَا أَنَّهُ تَلْزَمُهُ مُؤْنَةُ الرَّدِّ فِيمَا لَهُ حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ،

باپ اور وصی کو بچے کے مال میں۔ اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ لازم آئے گا واپسی کا خرچہ اس صورت میں کہ ہو اس کے لیے باربرداری اور مشقت

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا يَرْضَى بِهِ فَيَتَقَيَّدُ ، {4} وَالشَّافِعِيُّ يُقَيِّدُهُ بِالْحِفْظِ الْمُتَعَارَفِ

پس ظاہر یہ ہے کہ وہ راضی نہ ہوگا اس پر، پس مقید کیا جائے گا اس کے ساتھ۔ اور امام شافعیؒ مقید کر دیتا ہے اس کو متعارف حفاظت کے ساتھ،

وَهُوَ الْحِفْظُ فِي الْأَمْصَارِ وَصَارَ كَالِاسْتِحْفَاظِ بِأَجْرٍ . {5} قُلْنَا : مُؤْنَةُ الرَّدِّ تَلْزَمُهُ فِي مِلْكِهِ

اور وہ حفاظت ہے شہروں میں اور ہو گیا اجرت پر حفاظت کرانے کی طرح۔ ہم کہتے ہیں کہ واپسی کا خرچہ لازم ہوگا اس پر اس کی ملک میں

ضَرُورَةَ امْتِثَالِ أَمْرِهِ فَلَا يُبَالِي بِهِ وَالْمُعْتَادُ كَوْنُهُمْ فِي الْمِصْرِ لَا حِفْظُهُمْ،

اس کے امر کے امتثال کی ضرورت سے پس پرواہ نہیں کی جائے گی اس کی، اور معتاد خود ان کا شہر میں ہوتا ہے نہ کہ ان کا حفاظت کرنا،

وَمَنْ يَكُونُ فِي الْمَفَازَةِ يَحْفَظُ مَالَهُ فِيهَا ، بِخِلَافِ الِاسْتِحْفَاظِ بِأَجْرٍ لِأَنَّهُ عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ

اور جو شخص جنگل میں ہو وہ حفاظت کرتا ہے اپنے مال کی جنگل ہی میں، برخلاف اجرت سے حفاظت کرانے کے؛ کیونکہ یہ عقدِ معاوضہ ہے

فَيَقْتَضِي التَّسْلِيمَ فِي مَكَانِ الْعَقْدِ وَإِذَا نَهَاهُ الْمُودِعُ أَنْ يُخْرِجَ الْوَدِيعَةَ فَخَرَجَ بِهَا

پس وہ تقاضا کرتا ہے سپردگی کا مکانِ عقد میں۔ اور اگر روک دیا اس کو مودِع نے ودیعت باہر لے جانے سے، پھر اس نے نکالا ودیعت کو،

ضَمِنَ ؛ لِأَنَّ التَّقْيِيدَ مُفِيدٌ إذِ الْحِفْظُ فِي الْمِصْرِ أَبْلَغُ فَكَانَ صَحِيحًا . {6} قَالَ : وَإِذَا أَوْدَعَ رَجُلَانِ

تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ تقیید مفید ہے، اس لیے کہ شہر میں حفاظت پوری طور پر ہوتی ہے پس قید لگانا صحیح ہوا۔ فرمایا: اگر دو آدمیوں نے ودیعت رکھی

عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيعَةً فَحَضَرَ أَحَدُهُمَا وَطَلَبَ نَصِيبَهُ مِنْهَا لَمْ يَدْفَعْ إلَيْهِ حَتَّى يَحْضُرَ

ایک شخص کے پاس، پھر حاضر ہوا دونوں میں سے ایک اور طلب کیا اپنے حصے کو، تو نہیں دیا جائے گا اس کو اس کا حصہ حتی کہ حاضر ہو جائے

الْآخَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يَدْفَعُ إلَيْهِ نَصِيبَهُ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : ثَلَاثَةٌ اسْتَوْدَعُوا

دوسرا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دیدے اس کو اس کا حصہ، اور جامع صغیر میں ہے کہ تین آدمیوں نے ودیعت رکھے

رَجُلًا أَلْفًا فَغَابَ اثْنَانِ فَلَيْسَ لِلْحَاضِرِ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَهُ عِنْدَهُ ، وَقَالَا:

ایک شخص کے پاس ایک ہزار درہم، پھر غائب ہو گئے دو، تو اختیار نہیں حاضر کو کہ لے لے اپنا حصہ امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کہتے ہیں

لَهُ ذَلِكَ ، وَالْخِلَافُ فِي الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ ، وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْمُخْتَصَرِ . {7} لَهُمَا أَنَّهُ طَالَبَهُ

کہ اس کو اختیار ہے اس کا، اور اختلاف کیلی اور موزونی چیز میں ہے، اور یہی مراد ہے مختصر میں مذکور سے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مطالبہ کیا اس سے

بِدَفْعِ نَصِيبِهِ فَيُؤْمَرُ بِالدَّفْعِ إلَيْهِ كَمَا فِي الدَّيْنِ الْمُشْتَرَكِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِتَسْلِيمِ

اپنا حصہ دینے کا، پس حکم کیا جائے گا اس کو دینے کا جیسا کہ دَین مشترک میں، اور یہ اس لیے کہ اس نے مطالبہ کیا مودَع سے اس کے سپرد کرنے کا

مَا سَلَّمَ إلَيْهِ وَهُوَ النِّصْفُ ، وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ فَكَذَا يُؤْمَرُ هُوَ بِالدَّفْعِ إلَيْهِ.

وہ جو دیدیا تھا اس کو، اور وہ نصف ہے، اسی لیے اس کو اختیار ہے کہ وہ لے لے اس کو، پس اسی طرح حکم کیا جائے گا اس کو مودِع کو دینے کا،

{8} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ طَالَبَهُ بِدَفْعِ نَصِيبِ الْغَائِبِ لِأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِالْمُفْرَزِ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مودِع نے مطالبہ کیا مودَع سے غائب کا حصہ دینے کا؛ اس لیے کہ وہ مطالبہ کر رہا ہے اس سے مقسوم کا

وَحَقُّهُ فِي الْمُشَاعِ ، وَالْمُفْرَزُ الْمُعَيَّنُ يَشْتَمِلُ عَلَى الْحَقَّيْنِ ، وَلَا يَتَمَيَّزُ حَقُّهُ إلَّا بِالْقِسْمَةِ،

حالانکہ اس کا حق غیر مقسوم میں ہے، اور الگ کیا ہوا معین مشتمل ہوتا ہے دونوں کے حق پر، اور جدا نہیں ہو سکتا اس کا حق مگر تقسیم سے

وَلَيْسَ لِلْمُودَعِ وِلَايَةُ الْقِسْمَةِ وَلِهَذَا لَا يَقَعُ دَفْعُهُ قِسْمَةً بِالْإِجْمَاعِ ، {9} بِخِلَافِ الدَّيْنِ الْمُشْتَرَكِ لِأَنَّهُ

اور مودَع کو ولایت حاصل نہیں تقسیم کی، اسی لیے واقع نہیں ہوتا ہے اس کا دینا تقسیم بالاتفاق، برخلاف دَین مشترک کے کیونکہ شریک حاضر

يُطَالِبُهُ بِتَسْلِيمِ حَقِّهِ لِأَنَّ الدُّيُونَ تُقْضَى بِأَمْثَالِهَا . {10} قَوْلُهُ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ . قُلْنَا:

مطالبہ کرتا ہے اپنا حق دینے کا؛ اس لیے کہ قرضے ادا کئے جاتے ہیں ان کے امثال سے۔ اور اس کے قول "لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ" کے جواب میں ہم کہتے ہیں

لَيْسَ مِنْ ضَرُورَتِهِ أَنْ يُجْبَرَ الْمُودَعُ عَلَى الدَّفْعِ كَمَا إِذَا كَانَ لَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَدِيعَةً عِنْدَ إِنْسَانٍ

کہ اس کے لیے ضروری نہیں کہ مجبور کیا جائے مودَع دینے پر جیسا کہ جب اس کے ہزار درہم ہوں بطورِ ودیعت کسی انسان کے پاس،

وَعَلَيْهِ أَلْفٌ لِغَيْرِهِ فَلِغَرِيمِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ إِذَا ظَفِرَ بِهِ ، وَلَيْسَ لِلْمُودَعِ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَيْهِ

اور اس پر ہزار ہوں کسی اور کے، تو اس کے قرضخواہ کا اختیار ہے کہ لے لے اپنا حق جب بھی قابو پالے اس پر، اور مودَع کو یہ اختیار نہیں کہ دیدے اس کو۔

تشریح:۔ {1} مستودع کو اختیار ہے کہ ودیعت کو لے کر سفر کرے اگرچہ ودیعت ایسی چیز ہو کہ جس کے لیے بار برداری اور مشقت ہو یعنی ایسی ثقیل چیز ہو جس کو منتقل کرنے پر خرچہ آتا ہو خواہ صرف تین دن کا سفر ہو یا زیادہ ہو، یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب مالِ ودیعت ایسی چیز ہو کہ جس کے منتقل کرنے پر خرچہ آتا ہو تو اس کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو دونوں صورتوں میں یہ اختیار نہیں ہے یعنی خواہ ایسی چیز ہو کہ جس کو منتقل کرنے پر خرچہ آتا ہو جیسے گندم وغیرہ یا ایسی چیز ہو جس کو منتقل کرنے پر خرچہ نہ آتا ہو جیسے مشک اور کافور وغیرہ دونوں صورتوں میں اس کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں ہے۔

{2} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک نے حفاظت کا حکم مطلق دیا ہے یعنی کسی زمانے یا مکان میں حفاظت کی قید نہیں لگائی ہے اور جنگل بھی حفاظت کا محل ہے یعنی جنگل میں بھی ودیعت کی حفاظت ہو سکتی ہے بشرطیکہ راستہ محفوظ ہو، یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے کا مال لے کر باپ یا وصی کو سفر کرنے کی ولایت حاصل ہوتی ہے حالانکہ بچے کے مال میں باپ یا وصی کو صرف ایسے تصرف کا اختیار ہوتا ہے جو اس کے لیے مفید ہو اور جس میں کوئی ضرر نہ ہو، پس اگر سفر میں لے جانے میں خطرہ ہوتا تو باپ یا وصی کو یہ اختیار نہ ہوتا اور جب وہاں حفاظت ممکن ہے تو مستودع کو ودیعت ساتھ لے جانے کا اختیار ہوگا۔

{3} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کے ذمہ واپسی کا خرچہ لازم ہوتا ہے جبکہ ودیعت ایسی چیز ہو کہ جس کے لیے بار برداری اور خرچہ کی ضرورت ہو اور ظاہر یہ ہے کہ مالک اس پر راضی نہ ہوگا پس حفاظت مطلقہ نہیں ہے بلکہ اس میں یہ قید معتبر ہے کہ وہ ایسے

طور پر حفاظت کرے کہ مالک کے ذمہ واپسی کا خرچہ لازم نہ ہو۔ یاد رہے کہ واپسی شرعاً مالک کے ذمہ ہے اگرچہ مستودع اپنی مہربانی وقناعت سے بغیر خرچہ کے واپس لائے۔

{4} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ودیعت کی حفاظت مطلق نہیں ہے بلکہ ایسی حفاظت مراد ہے جو متعارف ہو اور متعارف حفاظت شہروں میں ہوتی ہے پس مالک کی مراد یہ ہے کہ جس طرح رواج ہے کہ لوگ اپنے مالوں کی حفاظت شہروں میں کرتے ہیں اسی طرح مستودع بھی ودیعت کی حفاظت شہر میں کرے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی کو مال کی حفاظت کرنے کے لیے نوکر رکھے تو وہ اس مال کو لے کر سفر میں نہیں جا سکتا ورنہ ضامن ہو گا اسی طرح مستودع کو ودیعت سفر میں لے جانے کا اختیار نہ ہو گا۔

{5} باقی صاحبینؒ کی دلیل کہ مالک پر واپسی کا خرچہ بڑھتا ہے اس لیے ودیعت کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ خرچہ مودَع کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مالک کی ملکیت میں اس ضرورت سے لازم آیا کہ اس کے حکم حفاظت کی فرمانبرداری کی گئی؛ کیونکہ مالک نے کسی مکان کی تخصیص کے بغیر حفاظت کا حکم دیا تھا پس مستودع نے اس کے اس حکم کی فرمانبرداری کی ہے اس لیے مالک پر اس خرچہ کے آنے کی کچھ پرواہ نہ ہو گی۔ اور امام شافعیؒ کی یہ دلیل کہ متعارف یہ ہے کہ شہر میں ودیعت کی حفاظت کی جائے اس لیے مستوع کو فقط شہر میں حفاظت کا اختیار ہے سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ معتاد تو یہ امر ہے کہ خود مودِع اور مستودع شہر میں ہوتے ہیں رہا ودیعت کی حفاظت کرنا تو وہ شہر میں معتاد نہیں ہے؛ کیونکہ جو شخص جنگل میں ہو وہ جنگل میں اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے، باقی اجرت پر حفاظت کرانے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اجرت پر حفاظت کرانا تو عقدِ معاوضہ ہے پس وہ تقاضا کرتا ہے کہ جہاں عقد ہوا ہے وہیں مال کی حفاظت کی جائے تاکہ مالک کو سپردگی ممکن ہو اس لیے سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں۔

اگر مالک نے مستودع کو ودیعت باہر لے جانے سے منع کر دیا پھر وہ اس کو باہر لے گیا تو ضامن ہو گا؛ کیونکہ حفاظت میں باہر نہ لے جانے کی قید لگانا مفید ہے اس لیے کہ شہر کے اندر اچھی طرح سے حفاظت ہو سکتی ہے تو اس کی قید لگانا صحیح ہے اور مقید کی قید کی مخالفت سے ضمان واجب ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں مستودع ضامن ہو گا۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے، اور مسئلہ کی تفصیل عالمگیریہ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ مَكَانَ الْحِفْظِ أَوْ لَمْ يَنْهَهُ عَنِ الْإِخْرَاجِ نَصًّا بَلْ أَمَرَهُ بِالْحِفْظِ مُطْلَقًا فَسَافَرَ بِهَا ، فَإِنْ كَانَ الطَّرِيقُ مَخُوفًا فَهَلَكَتْ ضَمِنَ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنْ كَانَ آمِنًا وَلَا حِمْلَ لَهَا وَلَا مُؤْنَةَ لَا يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنْ كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ ، فَإِنْ كَانَ الْمُودَعُ مُضْطَرًّا فِي الْمُسَافَرَةِ بِهَا لَا يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنْ كَانَ لَهُ بُدٌّ مِنَ الْمُسَافَرَةِ بِهَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ قَرُبَتِ الْمَسَافَةُ

فِيهِ أَوْ بَعُدَتْ ، وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - إنْ بَعُدَتْ يَضْمَنُ ، وَإِنْ قَرُبَتْ لَا ، هَذَا هُوَ الْمُخْتَارُ وَالْمُخْتَارُ ، وَهَذَا كُلُّهُ إذَا لَمْ يَنْهَ عَنْهَا وَلَمْ يُعَيِّنْ مَكَانَ الْحِفْظِ نَصًّا ، وَإِنْ نَهَاهُ نَصًّا وَعَيَّنَ مَكَانَهُ فَسَافَرَ بِهَا وَلَهُ مِنْهُ بُدٌّ ضَمِنَ ، كَذَا فِي الْفَتَاوَى الْعَتَّابِيَّةِ . إنْ أَمْكَنَهُ حِفْظُ الْوَدِيعَةِ فِي الْمِصْرِ الَّذِي أُمِرَ بِالْحِفْظِ فِيهَا مَعَ السَّفَرِ بِأَنْ يَتْرُكَ عَبْدًا لَهُ فِي الْمِصْرِ الْمَأْمُورِ بِهِ أَوْ بَعْضَ مَنْ فِي عِيَالِهِ ، فَإِذَا سَافَرَ بِهَا وَالْحَالَةُ هَذِهِ ضَمِنَ ، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ ذَلِكَ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ عِيَالٌ أَوْ كَانَ ، إلَّا أَنَّهُ احْتَاجَ إلَى نَقْلِ الْعِيَالِ فَسَافَرَ فَلَا ضَمَانَ ، كَذَا فِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ.
(هنديه:341/4)

{6} اگر دو شخصوں نے ایک شخص کے پاس ودیعت رکھی پھر دونوں میں سے ایک نے حاضر ہو کر اپنا حصہ طلب کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب تک دوسرا حاضر نہ ہو اس کا حصہ اس کو نہیں دیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ تین شخصوں نے ایک شخص کے پاس ہزار درہم ودیعت رکھے پھر ان میں سے دو شخص غائب ہو گئے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو شخص حاضر ہے اس کو یہ اختیار نہیں کہ اپنا حصہ لے لے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو یہ اختیار ہے، اور یہ اختلاف ایسی ودیعت میں ہے جو کیلی یا وزنی ہو، اور مختصر القدوری میں جو مسئلہ لکھا ہے اس میں بھی یہی مراد ہے حتیٰ کہ اگر ودیعت کپڑا یا جانور ہو تو بالاتفاق حاضر اپنا حصہ نہیں لے سکتا ہے۔

{7} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مستودع سے صرف اپنا حصہ دیدینے کا مطالبہ کیا تو مستودع کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو دیدے ؛ کیونکہ وہ اپنے حصے کا مالک ہے جیسے قرض مشترک میں ہوتا ہے مثلاً دو شخصوں نے اپنا مشترک غلام فروخت کیا پھر دونوں میں سے جو شخص حاضر ہے وہ مدیون مشتری سے اپنے حصہ کا مطالبہ کر سکتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک نے مستودع سے صرف اس قدر حصہ کا مطالبہ کیا جو اس نے مستودع کو دیا ہے اور وہ نصف ہے لہٰذا اس کو اس کا حصہ دیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ جب بھی موقع پائے اپنا حصہ لے سکتا ہے پس یہاں بھی مستودع کو حکم دیا جائے گا کہ اس کا حصہ دے دے۔

{8} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاضر شریک مستودع سے غائب کا حصہ دینے کا مطالبہ کر رہا ہے اس لیے کہ وہ تقسیم شدہ الگ چیز کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ اس کا حق مشاع اور مشترک چیز میں ہے، اور الگ کی ہوئی معین چیز دونوں کے حق پر مشتمل ہے اور صرف حاضر کا حق غائب کے حق سے الگ نہیں ہو سکتا ہے مگر یہ کہ ودیعت کو تقسیم کر دے حالانکہ مستودع کو تقسیم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے ؛ کیونکہ وہ تقسیم کے لیے وکیل نہیں کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مستودع نے حاضر کو کچھ دیا تو یہ بالاتفاق ودیعت کی تقسیم نہیں ہے بلکہ اس میں دونوں کا حق ہے لہٰذا مستودع کو حاضر کا حق الگ کر کے دینا درست نہیں ہے۔

{9} برخلاف مشترک قرضہ کے کہ اس میں حاضر قرضخواہ اپنا حق دینے کا مطالبہ کرتا ہے؛ کیونکہ قرضوں کی ادائیگی تو مثل سے ہوا کرتی ہے یعنی قرضدار پر جو قرضہ ہے وہ بعینہ نہیں دیتا ہے بلکہ اس کا مثل دیتا ہے پھر قرضخواہ کے قرضہ اور قرضدار کی طرف سے دیئے گئے اس مثل میں مقاصہ (ادلابدلا) ہو جاتا ہے بہر حال جب قرضہ بعینہ ادا نہیں کیا جاتا ہے مثل سے ادا کیا جاتا ہے تو مثل تو مشترک نہیں بلکہ قرضدار کی ملک ہے لہٰذا قرضدار حاضر کو جو کچھ دیتا ہے یہ اپنی ملک میں تصرف ہے غائب پر مشترک مال کی تقسیم نہیں ہے اس لیے اس کا حکم ودیعت کے برخلاف ہے۔

{10} اور یہ جو صاحبینؒ نے فرمایا کہ "ودیعت رکھنے والا جہاں بھی موقع پائے اپنا حصہ لے سکتا ہے"، ہم جواب دیتے ہیں کہ ہاں یہ جائز ہے مگر اس کے ساتھ یہ امر لازم نہیں ہے کہ مستودع پر دے دینے کا جبر کیا جائے جیسا کہ اگر ایک شخص کے ہزار درہم کسی کے پاس ودیعت ہوں اور ودیعت رکھنے والے پر کسی دوسرے کے ہزار درہم واجب ہوں تو اس کے قرضخواہ کو اختیار ہے کہ جہاں مقروض کا مال پائے اس سے اپنے ہزار درہم لے لے چنانچہ مستودع کے پاس موجود ودیعت سے بھی اپنا قرضہ لے سکتا ہے، مگر مستودع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ودیعت کا مال اس قرضخواہ کو دے دے اسی طرح یہاں بھی ہے۔

فتوی:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:(وان اودع اثنان من واحد شیئًا) مثلیاً او قیمیاً (لا یدفع الی احدھما) ای المالکین و لا یأخذ منہ (حصتہ بغیبۃ الآخر) عندہ (خلافاً لھما) فیأخذ أو یدفع ؛لانہ طالب لما سلم الیہ من نصفہ۔ قلنا:نعم لکن لیس لہ ولایۃ القسمۃ ثم الأصح أ ن القیمی لایدفع بالاجماع کما فی الاختیار وغیرہ ، ثم لو دفع ھل یضمن فی المجمع و الدرر و البرجندی وغیرھا نعم ، و فی البحر الانتحسان لا، فکان ھو المختار، واقرہ فی الفتح (الدّر المنتقی تحت مجمع الانھر:473/3)

{1}قَالَ : وَإِنْ أَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ شَيْئًا مِمَّا يُقْسَمُ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَدْفَعَهُ أَحَدُهُمَا إلَى الْآخَرِ
فرمایا: اور اگر ودیعت رکھی ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہے، تو جائز نہیں کہ دیدے دونوں میں سے ایک دوسرے کو،

وَلَكِنَّهُمَا يَقْتَسِمَانِهِ فَيَحْفَظُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَهُ ، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ
لیکن وہ دونوں اس کو تقسیم کریں، پس حفاظت کرے ہر ایک دونوں میں سے اس کے نصف کی، اور اگر ایسی چیز ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو

جَازَ أَنْ يَحْفَظَ أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ،{2} وَكَذَلِكَ الْجَوَابُ
تو جائز ہے کہ حفاظت کرے اس کی دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور اسی طرح حکم ہے

عِنْدَهُ فِي الْمُرْتَهِنَيْنِ وَالْوَكِيلَيْنِ بِالشِّرَاءِ إذَا سَلَّمَ أَحَدُهُمَا إلَى الْآخَرِ .{3} وَقَالَا:

ان کے نزدیک دو مرتہنوں اور دو خرید کے وکیلوں میں، جب سپرد کر دے دونوں میں سے ایک دوسرے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ

لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَحْفَظَ بِإِذْنِ الْآخَرِ فِي الْوَجْهَيْنِ. لَهُمَا أَنَّهُ رَضِيَ

دونوں میں سے ایک کو اختیار ہے کہ وہ حفاظت کرے دوسرے کی اجازت سے دونوں صورتوں میں؛ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ودیعت رکھنے والا راضی ہے

بِأَمَانَتِهِمَا فَكَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُسَلِّمَ إِلَى الْآخَرِ وَلَا يَضْمَنُهُ كَمَا فِيمَا لَا يُقْسَمُ.

ان دونوں کی امانت پر تو ہر ایک کو دونوں میں سے اختیار ہو گا کہ سپرد کر دے دوسرے کو، اور وہ ضامن نہ ہو گا جیسے اس چیز میں جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہے۔

{4} وَلَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِحِفْظِهِمَا وَلَمْ يَرْضَ بِحِفْظِ أَحَدِهِمَا كُلِّهِ

اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مودِع راضی ہے دونوں کی حفاظت پر اور راضی نہیں ہے دونوں میں سے ایک کی کل ودیعت کی حفاظت پر؛

لِأَنَّ الْفِعْلَ مَتَى أُضِيفَ إِلَى مَا يَقْبَلُ الْوَصْفَ بِالتَّجَزِّي تَنَاوَلَ الْبَعْضَ دُونَ الْكُلِّ فَوَقَعَ التَّسْلِيمُ

کیونکہ فعل جب منسوب ہو ایسی چیز کی طرف جو قبول کرتی ہو ٹکڑے ہونے کے وصف کو، تو وہ شامل ہو گا بعض کو نہ کہ کل کو، پس واقع ہو گئی سپردگی

إِلَى الْآخَرِ مِنْ غَيْرِ رِضَا الْمَالِكِ فَيَضْمَنُ الدَّافِعُ وَلَا يَضْمَنُ الْقَابِضُ لِأَنَّ مُودَعَ الْمُودَعِ عِنْدَهُ

دوسرے کو مالک کی رضا کے بغیر، پس ضامن ہو گا دینے والا، اور ضامن نہ ہو گا قبض کرنے والا؛ کیونکہ مودَع کا مودَع امام صاحب کے نزدیک

لَا يَضْمَنُ، {5} وَهَذَا بِخِلَافِ مَا لَا يُقْسَمُ لِأَنَّهُ لَمَّا أَوْدَعَهُمَا وَلَا يُمْكِنُهُمَا

ضامن نہیں ہوتا ہے، اور یہ برخلاف اس کے ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہے؛ کیونکہ جب اس نے ودیعت رکھی دونوں کے پاس، اور ممکن نہیں ان دونوں کے لیے

الِاجْتِمَاعُ عَلَيْهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَمْكَنَهُمَا الْمُهَايَأَةُ كَانَ الْمَالِكُ رَاضِيًا بِدَفْعِ الْكُلِّ إِلَى أَحَدِهِمَا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ

اکٹھا ہونا اس پر دن رات، اور ممکن ہے دونوں کے باری باری، تو مالک راضی ہو گا کل ودیعت دینا کسی ایک کو بعض احوال میں

{6} قَالَ: وَإِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيعَةِ لِلْمُودَعِ لَا تُسَلِّمْهُ إِلَى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا إِلَيْهَا لَا يَضْمَنُ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ

اور اگر کہا صاحبِ ودیعت نے مودَع سے: کہ نہ دینا ودیعت اپنی بیوی کو، پھر اس نے دیدی اپنی بیوی کو، تو ضامن نہ ہو گا، اور جامع صغیر میں ہے

إِذَا نَهَاهُ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَى أَحَدٍ مِنْ عِيَالِهِ فَدَفَعَهَا إِلَى مَنْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ لَا يَضْمَنُ؛

جب مودِع نے اس کو روکا ودیعت دینے سے اس کے عیال میں سے کسی ایک کو، پھر اس نے دیدی اس کو جس سے چارہ نہیں تو ضامن نہ ہو گا،

كَمَا إِذَا كَانَتِ الْوَدِيعَةُ دَابَّةً فَنَهَاهُ عَنِ الدَّفْعِ إِلَى غُلَامِهِ، وَكَمَا إِذَا كَانَتْ شَيْئًا يُحْفَظُ

جیسا کہ جب ودیعت جانور ہو، پس مودِع نے منع کیا اس کے غلام کو دینے سے، اور جیسا کہ جب وہ ایسی چیز ہو جس کی حفاظت کرائی جاتی ہو

فِي يَدِ النِّسَاءِ فَنَهَاهُ عَنِ الدَّفْعِ إِلَى امْرَأَتِهِ وَهُوَ مَحْمَلُ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِقَامَةُ الْعَمَلِ مَعَ مُرَاعَاةِ هَذَا الشَّرْطِ؛

عورتوں کے ہاتھوں سے، پس مودِع نے منع کیا اس کو اپنی بیوی کو دینے سے، اور یہی محمل ہے اول کا؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے عمل کرنا اس شرط کی رعایت کے ساتھ،

| |
|---|
| وَإِنْ كَانَ مُفِيدًا فَيَلْغُو{7} وَإِنْ كَانَ لَهُ مِنْهُ بُدٌّ ضَمِنَ ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ مُفِيدٌ لِأَنَّ مِنَ الْعِيَالِ مَنْ |
| اگرچہ مفید ہے، پس شرط لغو ہوگی، اور اگر اس کے لیے اس سے چارہ ہو تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ شرط مفید ہے، اس لیے کہ عیال میں بعض وہ ہوتے ہیں |
| لَا يُؤْتَمَنُ عَلَى الْمَالِ وَقَدْ أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِ مَعَ مُرَاعَاةِ هَذَا الشَّرْطِ فَاعْتُبِرَ{8} وَإِنْ قَالَ احْفَظْهَا |
| جو بھروسہ نہیں کیا جاسکتا مال کے بارے میں، اور ممکن ہے عمل کرنا اس پر اس شرط کی رعایت کے ساتھ، پس معتبر ہوگی۔ اور اگر کہا: حفاظت کر اس کی |
| فِي هَذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِي بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ غَيْرُ مُفِيدٍ ، فَإِنَّ الْبَيْتَيْنِ |
| اس کمرے میں، پس اس نے حفاظت کی اس کی گھر کے دوسرے کمرے میں، تو ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ شرط مفید نہیں؛ اس لیے کہ دو کمرے |
| فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ لَا يَتَفَاوَتَانِ فِي الْحِرْزِ{9} وَإِنْ حَفِظَهَا فِي دَارٍ أُخْرَى ضَمِنَ ؛ لِأَنَّ الدَّارَيْنِ |
| ایک گھر میں متفاوت نہیں ہوتے حفاظت گاہ ہونے میں۔ اور اگر اس کی حفاظت کی دوسرے گھر میں، تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ دو گھر |
| يَتَفَاوَتَانِ فِي الْحِرْزِ فَكَانَ مُفِيدًا فَيَصِحُّ التَّقْيِيدُ ، وَلَوْ كَانَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ الْبَيْتَيْنِ ظَاهِرًا بِأَنْ كَانَتِ الدَّارُ الَّتِي |
| متفاوت ہوتے ہیں حفاظت گاہ ہونے میں، پس یہ شرط مفید ہے، پس صحیح ہے تقیید، اور اگر دو کمروں میں تفاوت ظاہر ہو بایں طور کہ وہ گھر |
| فِيهَا الْبَيْتَانِ عَظِيمَةً وَالْبَيْتُ الَّذِي نَهَاهُ عَنِ الْحِفْظِ فِيهِ عَوْرَةٌ ظَاهِرَةٌ صَحَّ الشَّرْطُ. |
| جس میں یہ دونوں کمرے ہوں بہت بڑا ہو، اور وہ کمرہ جس میں حفاظت کرنے سے روک لیا ہے اس میں خرابی ظاہر ہو، تو صحیح ہوگی شرط۔ |

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز ودیعت رکھی جو تقسیم کے قابل ہے تو دونوں مستودع میں سے کسی ایک کو یہ جائز نہیں ہے کہ یہ چیز دوسرے کو دے دے یعنی کل چیز ایک ہی کی حفاظت میں دیدے بلکہ دونوں اس کو تقسیم کریں پھر ہر ایک اس کے نصف کی حفاظت کرے مثلاً اگر مالک نے گندم کو دونوں کے پاس بطورِ ودیعت رکھا ہو تو دونوں تقسیم کرکے اس کے نصف نصف کی حفاظت کریں۔ اور اگر وہ ایسی چیز ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو مثلاً مالک نے ایک غلام دونوں کے پاس بطورِ ودیعت رکھا تو چونکہ غلام قابلِ تقسیم نہیں ہے لہٰذا جائز ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی اجازت سے اس کی حفاظت کرے، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

{2} اور یہی حکم امام صاحبؒ کے نزدیک دو مرتہنوں اور خرید کے دو وکیلوں کا بھی ہے جبکہ دونوں میں سے ایک دوسرے کو سپرد کرے۔ رہن کی مثال یہ ہے کہ زید نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز بطورِ رہن رکھی جو قابلِ تقسیم ہو پھر دونوں میں سے ایک نے یہ چیز دوسرے کے سپرد کر دی تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں اس لیے اس کے حصہ کا وہ ضامن ہوگا اور اگر نا قابلِ تقسیم چیز بطورِ رہن رکھی تو ہر ایک دوسرے کی اجازت سے اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اور خرید کے دکیلوں کی مثال یہ ہے کہ زید نے

دو شخصوں کو ایک چیز خریدنے کے لیے وکیل کیا اور دونوں کو ایسا مال دیا جو قابلِ تقسیم ہے پھر ایک وکیل نے کل مال دوسرے کی حفاظت میں دیدیا تو یہ جائز نہیں پس اگر وہ ضائع ہو گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک نصف کا ضامن ہو گا اور اگر نا قابلِ تقسیم چیز ہو تو ہر ایک دوسرے کی اجازت سے اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔

{3} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ودیعت قابلِ تقسیم ہو یا نہ ہو ہر ایک کو اختیار ہے کہ دوسرے کی اجازت سے حفاظت کرے ؛ کیونکہ ودیعت رکھنے والا دونوں کی امانت پر راضی ہو گیا تو دونوں میں سے ہر ایک مستودع کو یہ اختیار ہو گا کہ ودیعت دوسرے کے سپرد کر دے اور ضامن نہ ہو گا جیسے نا قابلِ تقسیم چیز میں بھی ہوتا ہے ، یعنی جو چیز قابلِ تقسیم نہ ہو اسے ایک کے سپرد کرنے میں بالاتفاق ضامن نہیں ہوتا ہے حاصل یہ کہ صاحبینؒ نے قابلِ تقسیم کو نا قابلِ تقسیم پر قیاس کیا ہے اور قیاس کی علت جامعہ یہ ہے کہ مالک نے دونوں کی امانت پر اعتماد کیا ہے تو اس میں دلالت پائی گئی کہ وہ ہر ایک کی سپردگی پر رضامند ہے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ودیعت رکھنے والا دونوں کی حفاظت کرنے پر تو راضی ہوا مگر اس امر پر راضی نہیں کہ دونوں میں سے ایک ہی شخص پوری ودیعت کی حفاظت کرے ؛ کیونکہ حفاظت کرنے کا فعل جب ایسی چیز کی طرف مضاف ہو جو ٹکڑے ہونے کی صفت قبول کرتی ہو تو یہ جزء کو شامل ہو گا کل کو شامل نہ ہو گا یعنی جب حفاظت کرنا ایسی چیز میں مشترک بیان کیا جو ٹکڑے ہو سکتی ہے تو یہ حکم اس کے جزء کو شامل ہو گا کل کو شامل نہ ہو گا لہذا کسی ایک کا اپنا حصہ بھی دوسرے کو سپرد کرنا مالک کی رضامندی کے بغیر ہو گا اس لیے سپرد کرنے والا ضامن ہو جائے گا اور قبضہ کرنے والا ضامن نہ ہو گا ؛ کیونکہ اگر مستودع نے اپنی طرف سے ودیعت دوسرے کے پاس رکھ دی ہو تو دوسرا مستودع امام صاحبؒ کے نزدیک ضامن نہیں ہوتا ہے۔

{5} اور یہ حکم ایسی ودیعت کے برخلاف ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہے کہ اس میں ہر ایک کو دوسرے کے سپرد کرنا جائز ہے اور حفاظت صرف ایک جزء تک متصور نہ ہو گی ؛ کیونکہ جب مالک نے دونوں کے پاس ودیعت رکھی حالانکہ اوقاتِ شب و روز میں ہر وقت اس کی حفاظت پر ان دونوں کا مجتمع رہنا ممکن نہیں ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں باری باری سے حفاظت کریں تو یہ دلیل ہے کہ مالک اس بات پر راضی ہے کہ بعض حالات میں ایک مستودع کل ودیعت دوسرے کو سپرد کرے۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید:الراجح ھھنا قول الامام ابی حنیفۃ و لکن لا بد من التقیید بأن لا یکون المسلم الیہ من اولاد احد الرجلین و لامن عیالہ و لا ممن یحفظ مالہ کوکیلہ و شریکہ و الا فلا ضمان علی الراجح کما تقدم من قبیل ھذا وھو الفقہ کما لا یخفی(ھامش الھدایۃ:274/3)

{6} اگر صاحبِ ودیعت نے مستودع سے کہا کہ "تو یہ ودیعت اپنی بیوی کو سپرد نہ کرنا" پس مستودع نے اپنی بیوی کو ودیعت سپرد کر دی اور وہ ہلاک ہو گئی تو مستودع ضامن نہ ہو گا۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر مالک نے مستودع کو منع کر دیا کہ اپنے عیال میں سے کسی کو یہ ودیعت نہ دینا، پھر مستودع نے ایسے شخص کو دیدی کہ اس کو دینے سے چارہ نہیں ہے پھر ودیعت ہلاک ہو گئی تو مستودع ضامن نہ ہو گا مثلاً ودیعت کوئی گھوڑا وغیرہ سواری کا جانور تھا اور اس کے بارے میں مالک نے مستودع کو منع کر دیا کہ اپنے غلام کو نہ دینا حالانکہ چارہ اور پانی کے لیے غلام کو دینا پڑے گا، یا مثلاً ودیعت ایسی چیز ہے جو عورتوں کے ہاتھ میں اس کی حفاظت کی جاتی ہے پس مالک نے مستودع کو منع کر دیا کہ اپنی بیوی کو نہ دینا حالانکہ حفاظت کے لیے بیوی کو دینا ضروری ہے، تو جامع صغیر کے مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سپرد کرنا ضروری ہو تو مستودع سپرد کرنے سے ضامن نہ ہو گا، اور مختصر القدوری کی عبارت بھی اسی پر محمول کی جائے گی یعنی اگر بیوی کی حفاظت میں دینا ضروری ہو تو سپرد کرنے سے مستودع ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ مالک کی اس شرط کی رعایت کے باوجود مستودع اس عمل (حفاظت) کو قائم نہیں کر سکتا ہے اس لیے ضامن نہ ہو گا، اور یہ شرط اگرچہ مالک کے لیے مفید ہو تو بھی لغو ہو جائے گی۔

{7} اور اگر مستودع کے لیے یہ گنجائش ہو کہ وہ اس شخص کے سپرد نہ کرے جس کو دینے سے مالک نے منع کیا ہے تو اس کے سپرد کرنے سے ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ شرط ایسی ہے جو مالک کے لیے مفید ہے؛ کیونکہ آدمی کے عیال میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن پر مال کی امانت داری کا اعتماد نہیں ہو سکتا اور حال یہ ہے کہ مستودع کو اس شرطِ مفید کی رعایت کے باوجود حفاظت کرنا ممکن ہے تو اس شرط کا اعتبار کیا جائے گا لہٰذا شرط کی خلاف ورزی کرنے پر مستودع ضامن ہو گا۔

{8} اور اگر مالک نے مستودع سے کہا کہ "تو اس کمرے میں ودیعت کی حفاظت کر لو" پس مستودع نے اسی گھر کے دوسرے کمرے میں اس کی حفاظت کی تو ضائع ہونے سے مستودع ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ کمرے کو معین کرنے کی شرط کا کوئی فائدہ نہیں ہے؛ کیونکہ ایک ہی گھر کے دو کمروں میں حفاظت حاصل ہونے کے اعتبار سے تفاوت نہیں ہوتا ہے اس لیے کسی بھی کمرے میں حفاظت کرنے سے مستودع ضامن نہ ہو گا۔

{9} اور اگر اس صورت میں مستودع نے دوسرے گھر کے کمرے میں ودیعت کی حفاظت کی تو ضائع ہو جانے کی صورت میں مستودع ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ حفاظت کے حق میں دو گھروں میں فرق ہوتا ہے تو مالک کا مذکورہ شرط لگانا مفید ہے اس لیے ودیعت میں اس کی قید لگانا صحیح ہے۔ اور اگر ایک ہی گھر کے دو کمرے ایسے ہوں جن میں تفاوت ظاہر ہو یعنی حفاظت کے حق میں دونوں

کے درمیان کھلا ہوا تفاوت ہو مثلاً وہ گھر جس میں یہ دونوں کمرے ہیں بہت بڑا ہو اور اس نے جس کمرے میں حفاظت سے منع کیا ہے اس میں کوئی رخنہ اور خلل ظاہر ہو تو بھی شرط صحیح ہے؛ کیونکہ یہ شرط مفید ہے۔

{1}قَالَ : وَمَنْ أَوْدَعَ رَجُلًا وَدِيعَةً فَأَوْدَعَهَا آخَرَ فَهَلَكَتْ فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَ

فرمایا: اور جس نے ودیعت رکھی کسی شخص کے پاس، پس اُس نے ودیعت رکھی دوسرے کے پاس، پھر وہ ہلاک ہو گئی، تو اس کو اختیار ہے کہ ضمان لے

الْأَوَّلَ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ الثَّانِيَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ

اول سے، اور اس کو اختیار نہیں کہ ضمان لے دوسرے سے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ ضمان لے

أَيَّهُمَا شَاءَ ، فَإِنْ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ لَايَرْجِعُ عَلَى الْآخَرِ، وَإِنْ ضَمَّنَ الْآخَرَ رَجَعَ عَلَى الْأَوَّلِ

دونوں میں سے جس سے چاہے، پس اگر ضمان لیا اول سے تو وہ رجوع نہیں کر سکتا دوسرے پر، اور اگر ضمان لیا دوسرے سے تو وہ رجوع کرے گا اول پر۔

{2}لَهُمَا أَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ مِنْ يَدِ ضَمِينٍ فَيَضْمَنُهُ كَمُودَعِ الْغَاصِبِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَالِكَ لَمْ يَرْضَ

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثانی نے قبض کیا مال ضمین کے ہاتھ سے تو وہ ضامن ہو گا اس کا جیسے غاصب کا مودع، اور یہ اس لیے کہ مالک راضی نہیں

بِأَمَانَةِ غَيْرِهِ ، فَيَكُونُ الْأَوَّلُ مُتَعَدِّيًا بِالتَّسْلِيمِ وَالثَّانِي بِالْقَبْضِ فَيُخَيَّرُ بَيْنَهُمَا،

غیر کی امانت سے، پس اول تعدی کرنے والا ہو گا سپرد کرنے سے اور ثانی قبض کرنے سے، پس مالک کو اختیار ہو گا دونوں کے درمیان،

{3}غَيْرَ أَنَّهُ إِنْ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الثَّانِي لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ أَنَّهُ أَوْدَعَ

البتہ اگر اس نے ضمان لیا اول سے تو وہ رجوع نہیں کر سکتا ثانی پر؛ کیونکہ اول مالک ہو اس کا ضمان دینے سے، پس ظاہر ہو گیا کہ اس نے ودیعت رکھی ہے

مِلْكَ نَفْسِهِ ، وَإِنْ ضَمَّنَ الثَّانِيَ رَجَعَ عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ

اپنی ملک، اور اگر ضمان لیا ثانی سے تو وہ رجوع کرے گا اول پر؛ کیونکہ ثانی کام کرنے والا ہے اول کے لیے، تو وہ رجوع کرے گا اول پر

بِمَا لَحِقَهُ مِنَ الْعُهْدَةِ ،{4}وَلَهُ أَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ مِنْ يَدِ أَمِينٍ لِأَنَّهُ بِالدَّفْعِ

اس ضمان کے بارے میں جو اس کو لاحق ہوا ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مال کو قبض کیا امین کے ہاتھ؛ کیونکہ اول مال دینے سے

لَا يَضْمَنُ مَا لَمْ يُفَارِقْهُ لِحُضُورِ رَأْيِهِ فَلَا تَعَدِّيَ مِنْهُمَا

ضامن نہیں ہوتا جب تک کہ اس سے الگ نہ ہو؛ اس کی رائے کے حاضر ہونے کی وجہ سے، پس کوئی تعدی نہیں ان دونوں کی طرف سے،

فَإِذَا فَارَقَهُ فَقَدْ تَرَكَ الْحِفْظَ الْمُلْتَزَمَ فَيَضْمَنُهُ بِذَلِكَ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَمُسْتَمِرٌّ

پھر جب وہ اس سے الگ ہوا تو اس نے ترک کر دی اپنے اوپر لازم کی ہوئی حفاظت، پس وہ ضامن ہو گا اس کی وجہ سے، رہا ثانی تو وہ برابر باقی ہے

عَلَى الْحَالَةِ الْأُولَى وَلَمْ يُوجَدْ مِنْهُ صُنْعٌ فَلَا يَضْمَنُهُ كَالرِّيحِ إِذَا أَلْقَتْ فِي حِجْرِهِ ثَوْبَ غَيْرِهِ.

یعنی پہلی حالت پر، اور نہیں پائی گئی اس کی طرف سے کوئی حرکت، پس وہ ضامن نہ ہو گا اس کا، جیسے ہوا جب ڈال دے اس کی گود میں غیر کا کپڑا۔

{5}قَالَ : وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ أَلْفٌ فَادَّعَاهُ رَجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَّهَا لَهُ

فرمایا: اور جس کے ہاتھ میں ہزار درہم ہوں، پس دعوی کیا ان کا دو آدمیوں نے ہر ایک نے ان دونوں میں سے یہ کہ یہ ہزار میرے ہیں

أَوْدَعَهَا إِيَّاهُ وَأَبَى أَنْ يَحْلِفَ لَهُمَا فَالْأَلْفُ بَيْنَهُمَا وَعَلَيْهِ

میں نے اس کو بطورِ ودیعت دئے ہیں، اور انکار کیا قابض نے کہ قسم کھائے دونوں کے لیے تو وہ ہزار دونوں میں مشترک ہوں گے اور قابض پر

أَلْفٌ أُخْرَى بَيْنَهُمَا {6}وَشَرْحُ ذَلِكَ أَنَّ دَعْوَى كُلِّ وَاحِدٍ صَحِيحَةٌ لِاحْتِمَالِهَا الصِّدْقَ

اور ہزار واجب ہوں گے جو مدعیوں میں مشترک ہوں گے، اور اس کی تشریح یہ ہے کہ ہر ایک کا دعوی صحیح ہے اس کے سچے ہونے کے احتمال کی وجہ سے

فَيَسْتَحِقُّ الْحَلِفَ عَلَى الْمُنْكِرِ بِالْحَدِيثِ وَيَحْلِفُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى الِانْفِرَادِ لِتَغَايُرِ الْحَقَّيْنِ ، وَبِأَيِّهِمَا

تو وہ مستحق ہے قسم کا منکر پر حدیث کی رُو سے، اور قسم دلائی جائے گی ہر ایک کے لیے علیحدہ؛ تغایرِ حقین کی وجہ سے، اور دونوں میں سے جس سے

بَدَأَ الْقَاضِي جَازَ لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا وَعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ .{7}وَلَوْ تَشَاحَّا أَقْرَعَ بَيْنَهُمَا

شروع کر دے قاضی جائز ہے؛ بوجہ متعذر ہونے دونوں میں جمع کے اور عدم اولویت کے، اور اگر دونوں نے جھگڑا کیا تو قرعہ ڈالے دونوں کے درمیان

تَطْيِيبًا لِقَلْبِهِمَا وَنَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمَيْلِ ، ثُمَّ إِنْ حَلَفَ لِأَحَدِهِمَا يُحَلَّفُ

خوش کرتے ہوئے دونوں کے دلوں کو، اور دفع کرتے ہوئے تہمتِ میلان کو، پھر اگر قسم کھائی دونوں میں سے ایک کے لیے تو قسم دلائی جائے

لِلثَّانِي ، فَإِنْ حَلَفَ فَلَا شَيْءَ لَهُمَا لِعَدَمِ الْحُجَّةِ ، وَإِنْ نَكَلَ أَعْنِي لِلثَّانِي يُقْضَى

دوسرے کے لیے، پس اگر اس نے قسم لی تو کچھ نہ ہو گا دونوں کے لیے؛ عدمِ حجت کی وجہ سے، اور اگر انکار کیا یعنی ثانی کے لیے تو حکم دیدیا جائے گا

لَهُ لِوُجُودِ الْحُجَّةِ ، وَإِنْ نَكَلَ لِلْأَوَّلِ يَحْلِفُ لِلثَّانِي وَلَا يُقْضَى بِالنُّكُولِ،

ثانی کے لیے؛ حجت موجود ہونے کی وجہ سے، اور اگر انکار کیا اول کے لیے تو قسم دلائی جائے دوسرے کے لیے، اور حکم نہیں دیا جائے گا انکار کی وجہ سے،

{8}بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ لِأَحَدِهِمَا لِأَنَّ الْإِقْرَارَ حُجَّةٌ مُوجِبَةٌ بِنَفْسِهِ فَيُقْضَى بِهِ،

برخلاف اس کے جب وہ اقرار کرے دونوں میں سے ایک کے لیے؛ کیونکہ اقرار بذاتِ خود حجت موجبہ ہے پس حکم دیا جائے گا اس سے،

أَمَّا النُّكُولُ إِنَّمَا يَصِيرُ حُجَّةً عِنْدَ الْقَضَاءِ فَجَازَ أَنْ يُؤَخِّرَهُ لِيَحْلِفَ لِلثَّانِي فَيَنْكَشِفَ وَجْهُ الْقَضَاءِ،

رہا انکار کرنا تو وہ حجت ہو جاتا ہے قضاء کے وقت، پس جائز ہے کہ مؤخر کر دے اس کو تاکہ قسم لے دوسرے کے لیے، پس منکشف ہو جائے گی وجہِ قضاء

وَلَوْ نَكَلَ لِلثَّانِي أَيْضًا يُقْضَى بِهَا بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ عَلَى مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ

اور اگر انکار کیا دوسرے کے لیے قسم کھانے سے بھی، تو حکم دیا جائے دونوں میں نصفا نصف ہونے کا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کتاب میں؛
لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحُجَّةِ كَمَا إذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ {9} وَيَغْرَمُ أَلْفًا أُخْرَى بَيْنَهُمَا
بوجہ دونوں کے برابر ہونے کے حجت میں جیسا کہ جب وہ دونوں بینہ قائم کریں، اور تاوان بھرے گا ایک اور ہزار کا دونوں کے درمیان
لِأَنَّهُ أَوْجَبَ الْحَقَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَذْلِهِ أَوْ بِإِقْرَارِهِ وَذَلِكَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ ، وَبِالصَّرْفِ إلَيْهِمَا
کیونکہ اس نے واجب کیا حق ہر ایک کے لیے دونوں میں سے بذل یا اقرار کے طور پر، اور یہ حجت ہے اس کے حق میں، اور دونوں کو صرف کرنے
صَارَ قَاضِيًا نِصْفَ حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ بِنِصْفِ حَقِّ الْآخَرِ فَيَغْرَمُهُ ، {10} فَلَوْ قَضَى الْقَاضِي
وہ ادا کرنے والا ہوا ہر ایک کے نصف حق کو دوسرے کے نصف حق کے ذریعہ، پس وہ ضامن ہو گا نصف حق کا۔ اور اگر حکم کیا قاضی نے
لِلْأَوَّلِ حِينَ نَكَلَ ذَكَرَ الْإِمَامُ عَلِيٌّ الْبَزْدَوِيُّ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّهُ يُحَلِّفُ لِلثَّانِي
اول کے لیے جس وقت کہ قابض نے قسم سے انکار کیا، تو امام بزدویؒ نے ذکر کیا ہے جامع صغیر کی شرح میں کہ قسم دلائی جائے گی دوسرے کے لیے
وَإِذَا نَكَلَ يَقْضِي بِهَا بَيْنَهُمَا لِأَنَّ الْقَضَاءَ لِلْأَوَّلِ
پس اگر اس نے دوسرے کے لیے قسم کھانے سے انکار کیا تو حکم دیا جائے گا دونوں کے درمیان مشترک ہونے کا؛ کیونکہ حکم دینا اول کے لیے
لَا يُبْطِلُ حَقَّ الثَّانِي لِأَنَّهُ يُقَدِّمُهُ إمَّا بِنَفْسِهِ أَوْ بِالْقُرْعَةِ وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الثَّانِي
باطل نہیں کرتا ہے ثانی کا حق؛ کیونکہ قاضی نے اس کو مقدم رکھا اپنے اختیار سے یا قرعہ ڈالنے سے، اور یہ ہر ایک باطل نہیں کرتا ہے ثانی کا حق۔
{11} وَذَكَرَ الْخَصَّافُ أَنَّهُ يَنْفُذُ قَضَاؤُهُ لِلْأَوَّلِ ، وَوَضَعَ الْمَسْأَلَةَ فِي الْعَبْدِ وَإِنَّمَا نَفَذَ
اور ذکر کیا ہے امام خصافؒ نے: کہ نافذ ہو گا قاضی کا حکم اول کے لیے، اور انہوں نے رکھی ہے مسئلہ کی وضع غلام میں، اور نافذ ہو گا اول کے لیے
لِمُصَادَفَتِهِ مَحَلَّ الِاجْتِهَادِ لِأَنَّ مِنْ الْعُلَمَاءِ مَنْ قَالَ يَقْضِي لِلْأَوَّلِ وَلَا يَنْتَظِرُ لِكَوْنِهِ
بوجہ اس کے پانے کے محل اجتہاد کو؛ کیونکہ علماء میں سے بعض کہتے ہیں کہ حکم کر دے اول کے لیے، اور انتظار نہ کرے؛ کیونکہ انکار کرنا
إقْرَارًا دَلَالَةً ثُمَّ لَا يُحَلِّفُ لِلثَّانِي مَا هَذَا الْعَبْدُ لِي لِأَنَّ نُكُولَهُ لَا يُفِيدُ بَعْدَمَا صَارَ لِلْأَوَّلِ،
اقرار ہے دلالۃً، پھر قسم نہیں لے گا ثانی کے لیے کہ یہ غلام میرا نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا انکار کرنا مفید نہیں ہے بعد اس کے کہ غلام اول کے لیے ہو گیا
وَهَلْ يُحَلِّفُهُ بِاَللَّهِ مَا لِهَذَا عَلَيْك هَذَا الْعَبْدُ وَلَا قِيمَتُهُ وَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَلَا أَقَلَّ مِنْهُ . {12} قَالَ:
اور کیا اس طرح قسم دلائی جائے گی کہ واللہ نہیں ہے ثانی کا تجھ پر یہ غلام اور نہ اس کی قیمت جو اتنی اتنی ہے اور نہ اس سے کم، امام خصافؒ نے کہا:
يَنْبَغِي أَنْ يُحَلِّفَهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُودَعَ إذَا أَقَرَّ الْوَدِيعَةَ وَدَفَعَ بِالْقَضَاءِ

چاہیے کہ قسم دے امام محمدؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کا اس بناء کہ مودع جب اقرار کرے ودیعت کا، اور وہ دی گئی قضاءِ قاضی سے

اِلٰی غَیْرِہٖ یَضْمَنُہٗ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لَہٗ وَھٰذِہٖ فُرَیْعَۃُ تِلْکَ الْمَسْأَلَۃِ وَقَدْ وَقَعَ فِیْہِ بَعْضُ الْإِطْنَابِ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ۔

دوسرے کو تو مودع ضامن ہو گا اس کا امام محمدؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کا، اور یہ مختصر سی فرع ہے اس مسئلہ کی، اور اس میں واقع ہوئی ہے کچھ طوالت، واللہ اعلم۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص نے دوسرے کو ودیعت دی اور مستودع نے وہ ودیعت ایک اور شخص کے پاس بطورِ ودیعت رکھی پھر وہ دوسرے مستودع کے پاس سے ضائع ہو گئی مثلاً زید نے بکر کے پاس ودیعت رکھی پھر یہ ودیعت بکر نے خالد کے پاس بطورِ ودیعت رکھی حالانکہ زید نے یہ اجازت نہیں دی تھی اور نہ خالد اس کے ایسے عیال میں ہے کہ جس کو دیئے بغیر بکر کو چارہ نہ ہو پھر یہ ودیعت خالد کے پاس سے ضائع ہو گئی تو بکر بالاتفاق ضامن ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک زید کو صرف بکر سے ضمان لینے کا اختیار ہو گا خالد سے ضمان نہیں لے سکتا ہے۔

{2} اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ زید کو اختیار ہے کہ چاہے بکر سے ضمان لے اور چاہے خالد سے ضمان لے۔ پس اگر اس نے اول مستودع سے تاوان لیا تو اول مستودع اس تاوان کو دوسرے مستودع سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر اس نے دوسرے مستودع سے تاوان لیا یعنی مستودع کے مستودع سے تاوان لیا تو دوسرا مستودع اس تاوان کو اول مستودع سے واپس لے گا؛ کیونکہ دوسرے نے اول کے لیے کام کیا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے مستودع نے اس مال کو ایسے شخص کے ہاتھ سے لیا جو خود ضامن ہو گیا ہے تو دوسرا اس سے لینے کی وجہ سے ضامن ہو گا جیسے غاصب کے ہاتھ سے کسی نے مغصوب چیز لے کر اپنے پاس بطورِ امانت رکھ لی تو رکھنے والا غاصب کی طرح ضامن ہوتا ہے۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ دوسرے نے ضامن کے ہاتھ سے اپنے قبضہ میں لیا ہے تو اول مستودع اس لیے ضامن ہے کہ مالک دوسرے کی امانت پر راضی نہیں ہوا ہے پس اول مستودع دوسرے کے سپرد کرنے کی وجہ سے تجاوز کرنے والا ہوا، اور دوسرا مستودع اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے تجاوز کرنے والا ہوا، لہٰذا مالک کو دونوں سے ضمان لینے کا اختیار ہو گا۔

{3} البتہ اتنی بات ہے کہ اگر مالک نے اول مستودع سے ضمان لیا تو وہ دوسرے مستودع سے واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ اول مستودع ضمان ادا کرنے سے اس مال کا مالک ہو گیا پس یہ بات ظاہر ہوئی کہ اول مستودع نے اپنے ذاتی مال کو دوسرے مستودع کے پاس ودیعت رکھا ہے اس لیے اول مستودع دوسرے مستودع سے تاوان نہیں لے سکتا ہے۔ اور اگر مالک نے

دوسرے مستودع سے تاوان لیا تو وہ اس تاوان کو اول مستودع سے واپس لے گا؛ کیونکہ دوسرے مستودع نے تو اول مستودع کے لیے کام کیا ہے تو جو کچھ ضمان اس کو لاحق ہوا اس کو اول مستودع سے واپس لے گا۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے مستودع نے ایسے شخص کے ہاتھ سے مال قبضہ میں لیا ہے جو ابھی تک امین باقی ہے؛ کیونکہ اول مستودع دوسرے مستودع کو فقط دینے سے ضامن نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اس سے جدا نہ ہو اس لیے کہ جب تک جدا نہیں ہوا تب تک اول مستودع کی رائے موجود ہے لہٰذا جدا ہونے سے پہلے ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے تجاوز نہیں پایا گیا ہے پھر جب اول مستودع نے دوم مستودع کو چھوڑ کر جدا ہوا تو اب اس نے وہ حفاظت چھوڑ دی جس کو اس نے اپنے اوپر لازم کیا تھا اس لیے اول مستودع ضامن ہو جائے گا، اور رہا دوم مستودع تو وہ برابر اپنی حالت پر باقی ہے کہ اس نے امین کی طرف سے ودیعت کو قبض کیا ہے اور اس کی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں پائی گئی جس کی وجہ سے وہ تجاوز کرنے والا ہو تو وہ ضامن بھی نہ ہوگا جیسے ایک شخص کی گود میں دوسرے کا کپڑا ہوا نے اُڑا کر ڈال دیا اور وہ اس کے کسی فعل کے بغیر ضائع ہوا تو وہ ضامن نہیں ہوتا ہے۔

{5} اگر ایک شخص کے قبضہ میں ہزار درہم ہوں پس ان درہموں کا دو آدمیوں نے دعویٰ کیا اس طرح کہ ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "یہ کل درہم میری ملک ہیں میں نے اس شخص کے پاس ودیعت رکھے تھے" اور قابض شخص نے دونوں کے لیے قسم کھانے سے انکار کیا تو یہ ہزار درہم ان دونوں مدعیوں میں مشترک ہوں گے اور قابض پر دوسرے ایک ہزار درہم بھی واجب ہوں گے جو ان دونوں مدعیوں میں مشترک ہوں گے اس طرح ہر ایک مدعی کے لیے ایک ہزار درہم ہوں گے۔

{6} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ صحیح ہے یعنی سماعت کے لائق ہے؛ کیونکہ ہر ایک کے دعوے میں سچے ہونے کا احتمال ہے اور مدعا علیہ منکر ہے تو حدیث مشہور (کہ یمین منکر پر ہے) کی بنا پر ہر ایک مدعی کو یہ استحقاق حاصل ہوا کہ منکر مدعا علیہ سے قسم لے اور چونکہ ہر ایک کا حق دوسرے سے مغائر ہے اس لیے کہ ہر ایک نے الگ ہزار کا دعویٰ کیا ہے تو ہر ایک کے لیے مدعا علیہ سے علیحٰدہ علیحدہ قسم لے جائے گی۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس کے لیے چاہے پہلے قسم دلائے؛ کیونکہ بیک وقت دونوں کے لیے قسم کھانا متعذر ہے اور دونوں میں سے کوئی اولیٰ وراجح بھی نہیں ہے اس لیے جس کے لیے چاہے پہلے قسم لے۔

{7} اور اگر دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے ساتھ سبقت کرنے میں جھگڑا کیا یعنی ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میرے لیے پہلے قسم لے، تو قاضی ان دونوں میں قرعہ ڈالے تاکہ دونوں کے دل خوش رہیں اور قاضی کے بارے میں بھی یہ تہمت نہ ہو کہ اس کو دونوں میں سے کسی ایک کی جانب میلان ہے۔

حاصل یہ کہ اگر مدعیوں کے پاس گواہ نہ ہوں تو وہ مدعاعلیہ سے قسم لے سکتے ہیں پھر اگر مدعاعلیہ نے دونوں میں سے ایک کے لیے قسم کھائی تو اس سے دوسرے کے لیے بھی قسم لی جائے گی، پس اگر اس نے دوسرے کے لیے بھی قسم کھائی، تو دونوں مدعیوں کے لیے کچھ نہ ہوگا؛ کیونکہ کسی مدعی کے لیے اس کے دعوے پر حجت نہیں ہے۔ اور اگر مدعاعلیہ نے اول کے لیے قسم کھانے کے بعد دوسرے کے لیے قسم کھانے سے انکار کیا تو دوسرے کے حق میں حکم دے دیا جائے گا؛ کیونکہ حجت پائی گئی اس لیے کہ مدعاعلیہ کا قسم سے انکار کرنا حجت ہے۔ اور اگر اس نے اول مدعی کے لیے قسم کھانے سے انکار کیا تو قسم سے انکار کی وجہ سے اول کے حق میں ابھی حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ دوسرے مدعی کے لیے اس سے قسم لی جائے گی اگر دوسرے کے لیے قسم کھائی تو پھر اول کے لیے حکم دیا جائے گا؛ کیونکہ اس کے حق میں حجت پائی گئی۔

{8} اس کے برخلاف اگر مدعاعلیہ نے دونوں مدعیوں میں سے ایک کے لیے اقرار کر دیا تو اسی مدعی کے لیے حکم دیا جائے گا؛ کیونکہ اقرار ایسی حجت ہے جو بذاتِ خود حکم کو واجب کرتا ہے تو بلا توقف اقرار کے ساتھ ہی مقرلہ کے لیے حکم دے دیا جائے گا۔ رہا قسم سے انکار کرنا تو وہ چونکہ بذاتِ خود حکم کو واجب کرنے والا نہیں ہے بلکہ اس وقت حجت ہو جاتا ہے کہ مجلس قاضی میں انکار کرے، تو جائز ہوا کہ اول کے لیے حکم کرنے میں تاخیر کر دے تاکہ دوسرے مدعی کے لیے اس سے قسم لی جائے تاکہ حکم قضاء کا طریقہ ظاہر ہو جائے کہ ہزار درہم دونوں کے لیے ہیں یا ایک کے لیے؛ کیونکہ اگر وہ دوسرے کے لیے قسم کھاتا ہے تو دوسرے مدعی کو کچھ نہیں ملے گا اور پورے ہزار اول کے لیے ہوں گے اور اگر اس نے دوسرے مدعی کے لیے بھی قسم کھانے سے انکار کیا تو دونوں مدعیوں میں ان ہزار درہم کا نصف نصف ہونے کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ جامع صغیر میں ذکر کیا ہے؛ کیونکہ حجت میں دونوں برابر ہیں جیسے اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو بھی یہی حکم ہوگا۔

{9} اور قابض دوسرے ایک ہزار درہم بھی دے گا اور وہ بھی ان دونوں میں مشترک ہوں گے اس لیے کہ مدعاعلیہ نے قسم سے انکار کر کے دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک کے لیے بطورِ بذل (دلیری کے ساتھ مدعی بہ دینے کا) حق واجب کر لیا جیسا کہ امام صاحب کا مذہب ہے؛ کیونکہ قسم سے انکار امام صاحب کے نزدیک بذل ہے، یا بطورِ اقرار حق واجب کر لیا جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے، اور یہ بذل یا اقرار خود منکر مستودع کے حق میں حجت ہے۔ اور جب وہ یہ ہزار درہم ان دونوں کو تقسیم کر کے دیدے تو وہ ہر ایک کا نصف حق بذریعہ دوسرے کے نصف حق کے ادا کرنے والا ہو گیا پس وہ اس نصف حق (ہزار درہم) کا ضامن ہوگا جو ان دونوں کو دیا اس طرح دو ہزار ہو جائیں گے۔

{10} اور اگر ایسا ہوا کہ جب مدعاعلیہ نے اول مدعی کے لیے قسم کھانے سے انکار کیا اور اسی وقت قاضی نے اول کے لیے حکم کر دیا تو امام بزدویؒ نے شرح جامع صغیر میں ذکر کیا ہے کہ دوسرے مدعی کے لیے بھی اس سے قسم لی جائے گی، پس اگر اس نے دوسرے کے لیے بھی قسم کھانے سے انکار کیا تو موجودہ ہزار درہم کے بارے میں جن کا اول مدعی کے لیے حکم دیا گیا ہے اب بدل کر یوں حکم دیا جائے گا کہ یہ ان دونوں مدعیوں میں مشترک ہیں؛ کیونکہ اول مدعی کے لیے حکم دینا دوم مدعی کا حق باطل نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ اول مدعی کو قاضی نے اپنے اختیار سے اول بنایا تھا یا قرعہ ڈالنے میں اس کا نام پہلے نکلا تھا اس لیے اس کے لیے اول قسم لی حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں جو دوسرے کا حق باطل کر دے یعنی قسم سے انکار کی وجہ سے جیسے اول مدعی کے لیے ان موجودہ ہزار درہم کا حکم دیا تھا اسی طرح قسم سے انکار کی وجہ سے دوسرے مدعی کے لیے بھی ان ہزار درہم کا حکم کرے گا تو یہ ہزار درہم ان دونوں میں مشترک ہوئے۔

{11} اور امام خصافؒ نے اس صورت میں ذکر کیا ہے کہ قاضی کا حکم اول مدعی کے لیے نافذ ہو جائے گا یعنی موجودہ ہزار درہم دوسرے کی شرکت کے بغیر اول کو ملیں گے، لیکن امام خصافؒ نے اس مسئلہ میں بجائے درہموں کے غلام فرض کیا ہے یعنی دونوں مدعیوں نے قابض کے قبضہ میں موجود ایک ہی غلام کا دعوی کیا پس جب مدعاعلیہ نے ایک مدعی کے لیے قسم سے انکار کیا اور قاضی نے اس مدعی کے لیے غلام کا حکم دیدیا تو حکم قاضی نافذ ہو جائے گا، اور دوسرے مدعی کے لیے قسم لینے تک انتظار نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اول مدعی کے لیے قسم سے مدعاعلیہ کا انکار کرنا دلالۃً اقرار ہے یعنی گویا اس نے اقرار کیا کہ یہ اس مدعی کی ودیعت ہے پس بدون انتظار کے قاضی حکم دے دے اور یہاں قاضی کا حکم اس لیے نافذ ہو گیا کہ وہ ایسے موقع پر واقع ہوا جس میں اجتہاد جاری ہوتا ہے یعنی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور حکم قاضی مختلف فیہ مسئلہ میں اختلاف کو رفع کرتا ہے، باقی یہ مسئلہ مختلف فیہ اس لیے کہ علماء میں سے بعض کا قول تو وہی ہے جو امام بزدویؒ نے ذکر کیا ہے، اور بعض کا قول یہ ہے کہ اول مدعی کے لیے قاضی غلام کا حکم کرے اور دوسرے کے لیے قسم لینے تک انتظار نہ کرے؛ کیونکہ اول کے لیے قسم سے انکار کرنا دلالۃً اقرار ہے اور جب قاضی نے اول کے لیے حکم دیدیا تو پھر دوسرے مدعی کے لیے مدعاعلیہ سے یوں قسم نہیں لے گا کہ یہ غلام اس مدعی کا نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں اگر وہ قسم سے انکار کرے گا تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا؛ کیونکہ حکم قاضی سے یہ غلام پہلے مدعی کا ہو چکا ہے اب اس کے بعد دوسرے کو دینا ممکن نہیں ہے۔

{12} پھر امام خصافؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کے نزدیک قابض سے دوسرے مدعی کے لیے چاہیئے کہ اس طرح قسم لی جائے کہ "واللہ اس مدعی کا تجھ پر یہ غلام نہیں اور نہ اس کی قیمت ہے جو اس قدر ہے اور نہ اس سے کم ہے"، اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف

ہے ان کے نزدیک قابض سے دوسرے مدعی کے لیے قسم نہیں لی جائے گی اور یہ اختلاف در حقیقت اس اختلاف پر بناء ہے کہ مودَع جب ودیعت کا اقرار کسی انسان کے لیے کر دے پھر قاضی کی قضاء سے مقرلہ کے علاوہ کو دیدے تو امام محمدؒ کے نزدیک مودَع مقرلہ کے لیے ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے مقرلہ کے لیے اقرار کرکے ودیعت کی حفاظت کو اپنے اوپر لازم کرلیا پھر جب دوسرے کے لیے اقرار کیا تو اس نے دوسرے کو ودیعت پر مسلط کرکے اپنے اوپر واجب حفاظت کو ترک کر دیا اس لیے ضامن ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے؛ کیونکہ فقط اقرار کرنے سے اس نے دوسرے کی کوئی چیز تلف نہیں کی ہے بلکہ دوسرے کا حق تو قاضی کی قضاء اور حکم سے فوت ہوا ہے اس لیے اس کا اقرار موجب ضمان نہیں ہے، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی اول کے لیے قسم سے انکار ودیعت کا اقرار ہے اور اقرار سے امام محمدؒ کے نزدیک مقر دوسرے مدعی کے لیے ضامن ہوتا ہے اسی طرح قسم سے انکار کرنے سے بھی دوسرے کے لیے ضامن ہوگا اس لیے اس سے مذکورہ بالا قسم لی جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار سے مقر دوسرے مدعی کے لیے ضامن نہیں ہوتا ہے اسی طرح قسم سے انکار کرنے سے بھی ضامن نہ ہوگا اس لیے دوسرے مدعی کے لیے اس سے قسم لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہر حال یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ اول کے لیے حکم کرنے کے بعد ثانی کے لیے قسم لی جائے گی یا نہیں یہ اسی مسئلہ کی تھوڑی سی تفصیل ہے جس میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا وجوب ضمان وعدم ضمان میں اختلاف ہے جس کی تفصیل مبسوط میں کسی قدر تطویل واقع ہوئی ہے واللہ تعالی اعلم۔

## كِتَابُ الْعَارِيَة

یہ کتاب عاریت کے بیان میں ہے۔

عاریت منسوب ہے عار کی طرف؛ کیونکہ عاریت کو طلب کرنے میں عیب اور عار پایا جاتا ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ عاریت مشتق ہے تعاور بمعنی تناوب سے گویا عاریت دینے والا مستعیر کو نفع حاصل کرنے کی نوبت دیتا ہے اس شرط پر کہ جب چاہے عاریت واپس لے کر اپنی نوبت لوٹا لے، اور اصطلاح میں اپنے مال عین کو کسی کے مانگنے پر اس کے سپرد کرنا تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کرے بشرطیکہ عین مال پر مالک کی ملکیت رہے۔

کسی کی شیٔ بطورِ عاریت لینے والے کو "مُستَعِیر" اور شیٔ دینے والے کو "مُعِیر" اور اس شیٔ کو "مُعَار و مُستَعار و عارِیت" کہا جاتا ہے۔ عاریۃً کوئی چیز لینا دینا جائز ہے یعنی مِلکِ منفعت کے لئے مفید ہے؛ کیونکہ عاریت ایک طرح کا احسان اور نفل خیر ہے جس کی شریعت ترغیب دیتی ہے۔

"کتاب العاریۃ" کی "ودیعت" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں امانت ہیں پھر ودیعت خالص امانت ہے کسی شیٔ کی تملیک نہیں جبکہ عاریت میں امانت کے ساتھ ساتھ تملیک المنفعۃ بلاعوض بھی ہے تو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے قصد سے مصنفؒ نے پہلے ودیعت کو ذکر کیا اب عاریت کو ذکر فرماتے ہیں۔

عاریت کے لئے رکن معیر کی طرف سے ایجاب ہے باقی مستعیر کا قبول کرنا ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک شرط نہیں۔ اور عاریت کا حکم مستعار کا امانت ہونا ہے پس اگر مستعیر کی طرف سے تعدی پائے جانے کی وجہ سے مستعار چیز ہلاک ہوئی تو مستعیر بالاجماع ضامن ہوگا اور اگر بلا تعدی ہلاک ہوئی تو ضامن نہ ہوگا۔

{1} قَالَ: الْعَارِيَّةُ جَائِزَةٌ؛ لِأَنَّهَا نَوْعُ إحْسَانٍ وَ{قَدْ اسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ} {2} وَهِيَ تَمْلِيكُ

فرمایا: عاریت جائز ہے؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا احسان ہے، اور حضور ﷺ نے استعارۃً لی تھیں زرہیں صفوان بن امیہؓ سے، اور وہ مالک بنانا ہے

الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَكَانَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: هُوَ إبَاحَةُ الِانْتِفَاعِ بِمِلْكِ الْغَيْرِ، لِأَنَّهَا تَنْعَقِدُ بِلَفْظَةِ الْإِبَاحَةِ

منافع کا بغیر عوض، اور امام کرخیؒ کہا کرتے تھے: کہ وہ اباحت ہے فائدہ اٹھانے کی مِلکِ غیر سے؛ کیونکہ وہ منعقد ہو جاتی ہے لفظِ اباحت سے،

وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهَا ضَرْبُ الْمُدَّةِ، وَمَعَ الْجَهَالَةِ لَا يَصِحُّ التَّمْلِيكُ وَلِذَلِكَ يَعْمَلُ فِيهَا النَّهْيُ، وَلَا يَمْلِكُ

اور اس میں شرط نہیں مدت بیان کرنا، حالانکہ جہالت کے ساتھ صحیح نہیں مالک بنانا، اور اسی طرح اثر کرتی ہے اس میں نہی، اور مستعیر مالک نہیں ہوتا

الْإِجَارَةَ مِنْ غَيْرِهِ، {3} وَنَحْنُ نَقُولُ: إنَّهُ يُنْبِئُ عَنْ التَّمْلِيكِ، فَإِنَّ الْعَارِيَّةَ مِنْ الْعَرِيَّةِ وَهِيَ الْعَطِيَّةُ وَلِهَذَا تَنْعَقِدُ

اجارہ پر دینے کا غیر کو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ لفظِ اعارہ خبر دیتا ہے تملیک کی؛ کیونکہ عاریۃ ماخوذ ہے عریۃ بمعنی عطیہ سے، اسی لیے عاریت منعقد ہوتی ہے

بِلَفْظِ التَّمْلِيكِ، {4} وَالْمَنَافِعُ قَابِلَةٌ لِلْمِلْكِ كَالْأَعْيَانِ. وَالتَّمْلِيكُ نَوْعَانِ: بِعِوَضٍ، وَبِغَيْرِ عِوَضٍ. ثُمَّ الْأَعْيَانُ تَقْبَلُ

لفظِ تملیک سے، اور منافع قابل ہیں مِلک کے اعیان کی طرح، اور تملیک کی دو قسمیں ہیں، بعوض اور بغیر عوض، پھر اعیان قبول کرتے ہیں

النَّوْعَيْنِ، فَكَذَا الْمَنَافِعُ، وَالْجَامِعُ دَفْعُ الْحَاجَةِ، {5} وَلَفْظَةُ الْإِبَاحَةِ اُسْتُعِيرَتْ لِلتَّمْلِيكِ،

دونوں قسمیں، پس اسی طرح منافع ہیں، اور امر جامع دونوں میں دفع حاجت ہے۔ اور لفظِ اباحت استعارۃً لایا گیا ہے تملیک کے لیے،

كَمَا فِي الْإِجَارَةِ ، فَإِنَّهَا تَنْعَقِدُ بِلَفْظَةِ الْإِبَاحَةِ ، وَهِيَ تَمْلِيكٌ . وَالْجَهَالَةُ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ ؛ لِعَدَمِ اللُّزُومِ

جیسا کہ اجارہ میں؛ اس لیے کہ اجارہ منعقد ہوتا ہے لفظِ اباحت سے حالانکہ اجارہ تملیک ہے، اور جہالت مفضی نہیں جھگڑے کو لازم نہ ہونے کی وجہ سے

فَلَا تَكُونُ ضَائِرَةً . وَلِأَنَّ الْمِلْكَ يَثْبُتُ بِالْقَبْضِ وَهُوَ الِانْتِفَاعُ . وَعِنْدَ ذَلِكَ لَا جَهَالَةَ ، {6} وَالنَّهْيُ مَنْعٌ عَنِ التَّحْصِيلِ

پس وہ مضر نہ ہوگی، اور اس لیے کہ ملک ثابت ہوتی ہے قبضہ سے، اور قبضہ انتفاع ہے، اور انتفاع کے وقت جہالت نہیں، اور نہی ممانعت ہے تحصیل سے،

فَلَا يَتَحَصَّلُ الْمَنَافِعُ عَلَى مِلْكِهِ . وَلَا يَمْلِكُ الْإِجَارَةَ لِدَفْعِ زِيَادَةِ الضَّرَرِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ

پس حاصل نہ ہوں گے منافع اس کی مِلک پر، اور مستعیر مالک نہیں ہوتا اجارہ پر دینے کا زائد ضرر دفع کرنے کی غرض سے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اس کو

إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . {7} قَالَ : وَتَصِحُّ بِقَوْلِهِ أَعَرْتُكَ ؛ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ وَأَطْعَمْتُكَ

ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: اور صحیح ہے اس کے قول "میں نے تجھے عاریۃً دی ہے" سے؛ کیونکہ یہ صریح ہے عقدِ عاریت میں، اور "میں نے کھانے کے لیے دی

هَذِهِ الْأَرْضَ ؛ لِأَنَّهُ مُسْتَعْمَلٌ فِيهِ وَمَنَحْتُكَ هَذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلَى هَذِهِ الدَّابَّةِ إِذَا

تجھے یہ زمین"؛ کیونکہ یہ مستعمل ہے عقدِ عاریت میں، اور "میں نے بخش دیا تجھے یہ کپڑا" اور "میں نے تجھے سوار کیا اس جانور پر" جب

لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ ؛ لِأَنَّهُمَا لِتَمْلِيكِ الْعَيْنِ ، وَعِنْدَ عَدَمِ إِرَادَتِهِ الْهِبَةَ تُحْمَلُ عَلَى تَمْلِيكِ الْمَنَافِعِ تَجَوُّزًا .

ان لفظوں سے قصد نہ کرے ہبہ کا؛ کیونکہ یہ دونوں تملیکِ عین کے لیے ہیں، اور ہبہ کا ارادہ نہ ہونے کے وقت حمل کیا جائے گا تملیکِ منافع پر مجازاً۔

{8} قَالَ : وَأَخْدَمْتُكَ هَذَا الْعَبْدَ ؛ لِأَنَّهُ أَذِنَ لَهُ فِي اسْتِخْدَامِهِ وَدَارِي لَكَ سُكْنَى ؛

فرمایا: اور "میں نے خدمت کے لیے دیدیا تجھے یہ غلام" کیونکہ یہ اجازت ہے اس کو غلام سے خدمت لینے کی، اور "میرا گھر تیرے رہنے کے لیے ہے"

لِأَنَّ مَعْنَاهُ سُكْنَاهَا لَكَ وَدَارِي لَكَ عُمْرَى سُكْنَى ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَ سُكْنَاهَا

کیونکہ اس کا معنی ہے کہ اس کی سکونت تیرے لیے ہے، اور "میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لیے ہے" کیونکہ اس نے کر دی اس گھر کی سکونت

لَهُ مُدَّةَ عُمْرِهِ . وَجَعَلَ قَوْلَهُ سُكْنَى تَفْسِيرًا لِقَوْلِهِ لَكَ ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَمْلِيكَ الْمَنَافِعِ

اس کے لیے اس کی عمر بھر تک، اور کر دیا اس کا قول "سُکْنٰی" تفسیر اپنے قول "لَکَ" کے لیے؛ کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے تملیکِ منافع کا

فَحُمِلَ عَلَيْهِ بِدَلَالَةِ آخِرِهِ . {9} قَالَ : وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْعَارِيَةِ مَتَى شَاءَ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

پس حمل کیا جائے گا اسی پر اس کے آخر کی دلالت سے۔ فرمایا: اور معیر کو حق ہے کہ رجوع کرے عاریت میں جب چاہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ الْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ } وَلِأَنَّ الْمَنَافِعَ تُمْلَكُ شَيْئًا فَشَيْئًا عَلَى حَسَبِ حُدُوثِهَا

"منیحہ واپس کی جائے گی اور عاریت واپس پہنچائی جائے گی" اور اس لیے کہ منافع مملوک ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے ان کے پیدا ہونے کے مطابق،

تشریح الہدایہ

فَالتَّمْلِيكُ فِيمَا لَمْ يُوجَدْ لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الْقَبْضُ فَيَصِحُّ الرُّجُوعُ عَنْهُ .

پس ان منافع کی تملیک کے ساتھ جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ہیں متصل نہیں ہوا ہے قبضہ، پس صحیح ہے رجوع کرنا ان سے۔

تشریح:۔{1} عاریت جائز ہے؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا احسان ہے جو روایت سے ثابت ہے چنانچہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن مجھ سے سوزرہیں مستعار لے لیں[1]۔

{2} عاریت یہ ہے کہ اپنی چیز کے منافع کا دوسرے کو بغیر عوض کے مالک کر دے۔ اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ عاریت تملیکِ منافع نہیں بلکہ غیر کی مِلک سے نفع اٹھانے کی اباحت کو عاریت کہتے ہیں؛ کیونکہ اباحت کے لفظ سے عاریت منعقد ہو جاتی ہے مثلاً عاریت دینے والے کے اس قول سے بھی عاریت منعقد ہو جاتی ہے کہ "میں نے تیرے لیے یہ چیز مباح کی ہے" تو یہ علامت ہے کہ عاریت اباحتِ منافع ہے تملیکِ منافع نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عاریت میں مدت بیان کرنا شرط نہیں ہے حالانکہ منافع کا مالک کرنا مدت مجہول ہونے کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا ہے بلکہ مدت بیان کرنا شرط ہے لہٰذا عاریت تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ عاریت میں منع کرنے کا اثر پیدا ہوتا ہے یعنی اگر معیر نے مستعیر کو مستعار سے نفع اٹھانے سے روک دیا تو عاریت باطل ہو جاتی ہے تو یہ علامت ہے کہ عاریت اباحتِ منافع ہے تملیکِ منافع نہیں ہے؛ کیونکہ تملیک منع کرنے سے باطل نہیں ہوتی ہے۔ چوتھی دلیل یہ ہے مستعیر کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ مستعار چیز کسی دوسرے کو اجارہ پر دیدے حالانکہ اگر وہ تملیک ہوتی تو اجارہ پر دینا درست ہوتا لہٰذا عاریت اباحت ہے تملیک نہیں ہے۔

{3} ہم جواب دیتے ہیں کہ لفظ عاریت تملیک کی خبر دیتا ہے؛ کیونکہ عاریت کا اشتقاق عریہ سے ہے جس کا معنی عطیہ ہے اسی لیے تملیک کے لفظ سے عاریت منعقد ہو جاتی ہے اور جو لفظِ تملیک سے منعقد ہو وہ تملیک ہی ہے اس لیے عاریت تملیکِ منافع کا نام ہے۔

{4} سوال یہ ہے کہ منافع تو اعراض ہیں جو باقی نہیں رہتے ہیں اس لیے قابل تملیک نہیں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ منافع ایسی چیز ہیں جو اعیان کی طرح ملکیت کے قابل ہوتے ہیں اور مالک کرنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک تملیک بعوض ہے دوم تملیک بغیر عوض ہے؛ پھر اعیان تو دونوں طرح کی تملیک قبول کرتے ہیں جیسے بیع میں تملیک بعوض ہے اور ہبہ میں تملیک بغیر عوض ہے تو منافع بھی دونوں

---

([1]) أخرجه أبو داود والنسائي عن عبد العزيز بن رفيع عن أمية بن صفوان بن أمية عن أبيه صفوان بن أمية أن النبي صلى الله عليه وسلم استعار منه دروعا يوم حنين فقال: أغصب يا محمد؟ قال: "بل عارية مضمونة"، انتهى. ورواه أحمد في مسنده، والحاكم في المستدرك في البيوع، وسكت عنه، وإنما قال: وله شاهد صحيح، ثم أخرجه عن خالد الحذاء عن عكرمة عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعار من صفوان بن أمية أدرعا وسلاحا في غزوة حنين، فقال: يا رسول الله أعارية مؤداة؟ قال: "نعم عارية مؤداة"، انتهى. وقال: حديث صحيح على شرط مسلم، انتهى..(نصب الراية:290/4)

طرح کی تملیک کے قابل ہیں یعنی خواہ بعوض کسی کو مالک کردے یا بغیر عوض مالک کردے، اور دونوں کے جواز کی وجہ یہ ہے تاکہ اعیان اور منافع کا مالک کرنے سے دوسرے کی حاجت دور ہو اس لیے اعیان اور منافع دونوں کی تملیک جائز ہے۔

{5} باقی اباحت کے لفظ سے عاریت کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اباحت کو مجازاً تملیک کے معنی میں لیا ہے جیسے اجارہ میں ہوتا ہے چنانچہ اباحت کے لفظ سے اجارہ منعقد ہو جاتا ہے حالانکہ اجارہ میں تملیکِ منافع کا معنی ہے لہٰذا لفظ اباحت سے عاریت بھی جائز ہے۔ امام کرخیؒ کی دوسرے دلیل کہ مدت مجہول ہونے کے ساتھ تملیک صحیح نہیں ہے کا جواب یہ ہے کہ اس جہالت کے ساتھ تملیک صحیح نہیں جو جہالت مفضی للنزاع ہو اور عاریت میں جو جہالت ہے وہ مفضی للنزاع نہیں؛ کیونکہ عاریت کچھ لازمی چیز نہیں ہے معیر کسی بھی وقت اس کو ختم کر سکتا ہے لہٰذا عاریت میں مدت کا مجہول ہونا مضر نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عاریت میں ملکیت جب ہی ثابت ہوتی ہے کہ مستعیر قبضہ کرلے اور قبضہ یہی ہے کہ مستعیر مستعار سے فائدہ حاصل کرلے اور فائدہ حاصل کرنے کے وقت جہالت نہیں رہتی ہے اس لیے عاریت میں موجود جہالت مضر نہیں۔

{6} امام کرخیؒ کی تیسری دلیل کہ عاریت میں منع کرنا اثر کرتا ہے لہٰذا یہ تملیک نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کا اثر کرنا اس اعتبار سے نہیں کہ عاریت میں تملیک نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ممانعت مستعیر کو ان منافع کو حاصل کرنے سے روکتا ہے جو ابھی تک اس نے حاصل نہیں کئے ہیں اور معیر کو حق ہے کہ مستعیر کو ان منافع کے حصول سے منع کردے؛ کیونکہ عاریت غیر لازم عقد ہے تو نکہ مذکورہ منافع مستعیر کی ملک پر حاصل نہیں ہوئے ہیں لہٰذا معیر تملیکِ منافع سے پہلے کسی بھی وقت اس سے رجوع کر سکتا ہے۔

امام کرخیؒ کی چوتھی دلیل کہ مستعیر مستعار چیز کسی اور شخص کو اجارہ پر نہیں دے سکتا ہے لہٰذا عاریت تملیک نہیں ہے، تو جواب یہ ہے کہ مستعیر اس لیے مستعار اجارہ پر نہیں دے سکتا ہے کہ اس میں معیر کا ضرر ہے یوں کہ اجارہ عقدِ لازم ہے جس کی وجہ سے معیر کے لیے مستعار چیز کو واپس کرنے کا اختیار نہیں رہتا ہے پس معیر سے ضرر کو دفع کرنے کے لیے دوسرے کو اجارہ پر دینے کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ آگے "وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيرِ أَنْ يُؤَاجِرَ مَا اسْتَعَارَهُ" سے ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کو ذکر کریں گے۔

{7} اگر معیر نے مستعیر سے کہا "میں نے تجھے عاریت دی" تو عاریت صحیح ہے؛ کیونکہ عقدِ عاریت میں یہ لفظ صریح ہے اس لیے اس سے عقدِ عاریت منعقد ہو جاتا ہے۔ اور اگر کہا "میں نے تجھے یہ زمین کھانے کو دی" تو بھی عاریت صحیح ہے؛ کیونکہ یہ لفظ مجازاً عاریت کے معنی میں مستعمل ہے اس لیے کہ عینِ زمین نہیں کھائی جاتی ہے لہٰذا زمین کی پیداوار مراد ہے۔ اور اگر معیر نے مستعیر سے کہا "میں نے تجھے یہ کپڑا بطورِ منحہ دیا" منحہ کہتے ہیں شئ کو اپنی ملک میں رکھتے ہوئے اس کی پیداوار کسی کو دیدینا، تو اس لفظ سے

عاریت صحیح ہے، یا معیر نے کہا "میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا" تو اس سے بھی عاریت مراد ہے بشرطیکہ ان آخری دو الفاظ سے ہبہ کا قصد نہ کیا ہو؛ کیونکہ حقیقت میں تو یہ دونوں لفظ عین شئ کے مالک کر دینے کے لیے ہیں اور جب ان سے ہبہ مراد نہ ہو تو مجازاً منافع کے مالک کر دینے پر محمول کیا جائے گا؛ کیونکہ عرف میں ایسا ہی استعمال جاری ہے۔

{8} اور اگر معیر نے کہا "میں نے یہ غلام تیری خدمت کرنے میں دیا" تو یہ بھی عاریت ہے؛ کیونکہ یہ معیر کی طرف سے اس کو اس غلام سے خدمت لینے کی اجازت ہے لہٰذا یہ عاریت ہے۔ اور اگر معیر نے کہا "میرا گھر تیرے لیے بطورِ سکنٰی ہے" تو یہ عاریت ہے ؛ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس دار کی سکونت تیرے لیے ہے لہٰذا یہ عاریت ہے۔ اور اگر معیر نے کہا کہ "میرا گھر تیرے لیے عُمریٰ سکنیٰ ہے" تو یہ بھی عاریت ہے؛ کیونکہ اس نے اپنے گھر کی سکونت اس شخص کے لیے اس کی مدتِ عمر تک کر دی یعنی جب تک کہ مستعیر زندہ رہے تب تک اس کو اس گھر کی سکونت حاصل رہے گی؛ کیونکہ لفظِ "سکنٰی" تفسیر اور تمیز ہے "لَکَ" کے لیے ؛ کیونکہ لفظِ "لَکَ" جیسے تملیکِ عین کا احتمال رکھتا ہے ویسے ہی منافع کی تملیک کا بھی احتمال رکھتا ہے تو اس کلام کو آخری کلمہ یعنی لفظِ "سکنٰی" کی دلالت سے تملیکِ منافع ہی پر محمول کیا جائے گا اس لیے یہ عاریت ہے۔

{9} معیر کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنی عاریت سے رجوع کر لے یعنی اگرچہ عاریت کسی وقتِ محدود تک کے لیے ہو پھر اس وقت کے آنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو چیز بطورِ منحہ دی جائے وہ مستحق ہے کہ واپس کی جائے اور جو چیز بطورِ عاریت دی جائے وہ مستحق ہے کہ ادا کی جائے[1] "منحہ دودھ والا جانور کچھ مدت کے لیے کسی کو دینا تاکہ وہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائے پھر مدت کے بعد مالک کو واپس کر دے تو منحہ خاص قسم کی عاریت ہے اس کے بعد عاریت کا ذکر تعمیم بعد التخصیص ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ منافع تو جس قدر پیدا ہوتے جائیں اسی حساب سے تھوڑا تھوڑا کر کے ملک میں آتے ہیں تو جو منافع ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں ان میں تملیک کا قبضہ نہیں پایا گیا اور قبضہ سے پہلے رجوع کرنا صحیح ہے، تو معیر کو اختیار ہے جس دن چاہے رجوع کر لے اگرچہ معین وقت کے وعدے کی صورت میں دیانت کے اعتبار سے رجوع کرنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ وعدہ خلافی ہے۔

{1} قَالَ : وَالْعَارِيَةُ أَمَانَةٌ إنْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَضْمَنُ ؛ لِأَنَّهُ قَبَضَ

---

([1]) أخرجَهُ أبو دَاوُد عَنْ إسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، إلَى أَنْ قَالَ: الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ" ، قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ فِي النَّوْعِ السَّادِسِ وَالسِّتِّينَ، مِنْ الْقِسْمِ الثَّالِثِ عَنْ الْجَرَّاحِ بن مليح البهراني ثنا حَاتِمُ بْنُ حُرَيْثٍ الطَّائِيُّ، سَمِعْت أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ" . انْتَهَى. (نصب الراية: 292/4)

فرمایا: اور عاریت امانت ہے اگر ہلاک ہوگئی بغیر تعدی کے تو مستعیر ضامن نہ ہوگا۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے قبض کیا

مَالَ غَيْرِهِ لِنَفْسِهِ لَا عَنْ اسْتِحْقَاقٍ فَيَضْمَنُهُ ،{2} وَالْإِذْنُ ثَبَتَ ضَرُورَةَ الِانْتِفَاعِ فَلَا يَظْهَرُ فِيمَا وَرَاءَهُ،

غیر کا مال اپنے لیے بلا استحقاق، پس وہ ضامن ہوگا اس کا، اور اجازت ثابت ہوئی ہے انتفاع کی ضرورت سے پس ظاہر نہ ہوگی مقام ضرورت کے علاوہ میں

وَلِهَذَا كَانَ وَاجِبَ الرَّدِّ وَصَارَ كَالْمَقْبُوضِ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ .وَلَنَا أَنَّ اللَّفْظَ لَا يُنْبِئُ عَنِ الْتِزَامِ الضَّمَانِ؛

اور اسی لیے واجب الرد ہے، اور ہوگئی خرید کے لیے مقبوض کی طرح۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ خبر نہیں دیتا ہے التزام ضمان سے؛

لِأَنَّهُ لِتَمْلِيكِ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ أَوْ لِإِبَاحَتِهَا ، وَالْقَبْضُ لَمْ يَقَعْ تَعَدِّيًا لِكَوْنِهِ مَأْذُونًا فِيهِ،

کیونکہ یہ تملیکِ منافع کے لیے ہے بلا عوض، یا اباحتِ منافع کے لیے ہے، اور قبضہ کرنا تعدی واقع نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ وہ مجاز ہے اس کا،

{3} وَالْإِذْنُ وَإِنْ ثَبَتَ لِأَجْلِ الِانْتِفَاعِ فَهُوَ مَا قَبَضَهُ إلَّا لِلِانْتِفَاعِ فَلَمْ يَقَعْ تَعَدِّيًا،

اور اجازت اگرچہ ثابت ہوئی ہے انتفاع کے لیے مگر اس نے اس کو قبضہ نہیں کیا ہے مگر انتفاع کے لیے، پس قبضہ کرنا تعدی واقع نہ ہوا،

وَإِنَّمَا وَجَبَ الرَّدُّ مُؤْنَةً كَنَفَقَةِ الْمُسْتَعَارِ فَإِنَّهَا عَلَى الْمُسْتَعِيرِ لَا لِنَقْضِ الْقَبْضِ . وَالْمَقْبُوضُ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ

اور وجوبِ ردّ خرچہ کی وجہ سے ہے جیسے مستعار کا نفقہ کہ وہ واجب ہے مستعیر پر قبضہ توڑنے کے لیے نہیں، اور مقبوض خرید کے طور پر

مَضْمُونٌ بِالْعَقْدِ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ فِي الْعَقْدِ لَهُ حُكْمُ الْعَقْدِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ .{4} قَالَ : وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيرِ

مضمون ہوتی ہے عقد کی وجہ سے؛ کیونکہ عقد میں لینے کے لیے عقد کا حکم ہے جیسا کہ معلوم ہے اپنی جگہ۔ فرمایا: اور جائز نہیں مستعیر کے لیے

أَنْ يُؤَاجِرَ مَا اسْتَعَارَهُ ؛ فَإِنْ آجَرَهُ فَعَطِبَ ضَمِنَ ؛ لِأَنَّ الْإِعَارَةَ

کہ کرایہ پر دے وہ چیز جو اس نے استعارۃً لی ہے، پس اگر اس نے کرایہ پر دیدی اور وہ ہلاک ہوگئی، تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ عاریۃً دینا

دُونَ الْإِجَارَةِ وَالشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مَا هُوَ فَوْقَهُ ، وَلِأَنَّا لَوْ صَحَّحْنَاهُ لَا يَصِحُّ إلَّا لَازِمًا؛

کمتر ہے کرایہ پر دینے سے، اور شئی متضمن نہیں ہوتی ہے اپنے مافوق کو، اور اس لیے کہ اگر ہم اس کو صحیح قرار دیں، تو صحیح نہ ہوگا مگر لازم ہو کر

لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ بِتَسْلِيطٍ مِنَ الْمُعِيرِ ، وَفِي وُقُوعِهِ لَازِمًا زِيَادَةُ ضَرَرٍ بِالْمُعِيرِ لِسَدِّ بَابِ الِاسْتِرْدَادِ

کیونکہ اس صورت میں وہ معیر کے مسلط کرنے سے ہوگا حالانکہ اس کے لازم واقع ہونے میں زائد ضرر ہے معیر پر؛ بوجہ بند ہونے واپسی کے دروازہ کے

إلَى انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْإِجَارَةِ فَأَبْطَلْنَاهُ ،{5} وَضَمِنَهُ حِينَ سَلَّمَهُ؛

مدتِ اجارہ گذرنے تک، پس ہم نے باطل قرار دیا اس کو۔ پھر اگر اس نے اجارہ پر دیدیا تو ضامن ہو جائے گا اس وقت جب مستاجر کو سپرد کر دے

لِأَنَّهُ إذَا لَمْ تَتَنَاوَلْهُ الْعَارِيَةُ كَانَ غَصْبًا ، وَإِنْ شَاءَ الْمُعِيرُ ضَمَّنَ الْمُسْتَأْجِرَ ؛ لِأَنَّهُ قَبَضَهُ بِغَيْرِ إذْنِ الْمَالِكِ

کیونکہ جب شامل نہ ہوئی عاریت اس کو تو یہ غصب ہوا، اور معیر اگر چاہے تو ضمان لے متاجر سے؛ کیونکہ اس نے قبضہ کیا ہے مالک کی اجازت کے بغیر

لِنَفْسِهِ ، ثُمَّ إِنْ ضَمَّنَ الْمُسْتَعِيرَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ ؛ لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ آجَرَ مِلْكَ نَفْسِهِ ، {6}وَإِنْ ضَمَّنَ

اپنے لیے، پھر اگر ضمان لیا مستعیر سے تو واپس نہیں لے سکتا متاجر سے؛ کیونکہ ظاہر ہوا کہ اس نے اجرت پر دی تھی اپنی ملک، اور اگر ضمان لیا

الْمُسْتَأْجِرَ يَرْجِعُ عَلَى الْمُؤَاجِرِ إذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ كَانَ عَارِيَةً فِي يَدِهِ دَفْعًا لِضَرَرِ الْغُرُورِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا عَلِمَ

متاجر سے تو وہ واپس لے گا موجر سے جبکہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ عاریت ہے اس کے پاس؛ دفع کرتے ہوئے دھوکہ کا ضرر، برخلاف اس کے جب وہ جانتا ہو۔

تشریح:۔{1} عاریت ہمارے نزدیک امانت ہے یعنی اگر بغیر تعدی و تجاوز کے تلف ہو جائے تو عاریت لینے والا ضامن نہ ہو گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تعدی کے بغیر تلف ہونے کی صورت میں بھی ضامن ہو گا؛ کیونکہ اس نے غیر کے مال کو اپنے قبضہ میں بغیر استحقاق کے لیا ہے اس لیے تلف ہونے کی صورت میں ضامن ہو گا۔

{2} سوال یہ کہ عاریت پر مستعیر کا قبضہ تو مالک کی اجازت سے ہے لہٰذا مستعیر پر ضمان نہیں آنا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ مالک کی اجازت صرف اس ضرورت سے ثابت ہوئی ہے تاکہ مستعیر اس سے نفع اٹھائے تو اس مقام ضرورت (نفع اٹھانے کی ضرورت) کے علاوہ میں اجازت کا اثر ظاہر نہ ہو گا اس لیے تلف ہونے کی صورت میں مستعیر ضامن ہو گا اور چونکہ مستعیر نے غیر کے مال پر اپنے لیے بلا استحقاق قبضہ کیا ہے اس لیے عاریت کا یہ مال واپس کرنا واجب ہے، اور عاریت اس چیز کی طرح ہو گئی جس کو مشتری خریدنے کے لیے قبض کرنے تو وہ اگرچہ بائع کی اجازت سے ہے لیکن چونکہ غیر کی ملک اپنے لیے بلا استحقاق قبض کی ہے تو اگر وہ تلف ہو جائے تو قابض ضامن ہوتا ہے پس یہی حکم عاریت کا بھی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ عاریت میں اپنے اوپر ضمان لازم کرنے کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا؛ کیونکہ عاریت تو مفت منافع کا مالک کرنے یا منافع مباح کرنے کا نام ہے اور قبضہ کرنے میں کوئی تعدی اور تجاوز نہیں ہے؛ کیونکہ وہ تو مالک کی اجازت سے واقع ہوا ہے لہٰذا بلا تعدی قبضہ کرنے سے ضامن نہیں ہوتا۔

{3} امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ مالک کی طرف سے قبضہ کی اجازت تو فقط نفع اٹھانے کی ضرورت سے ہے لہٰذا انتفاع کے علاوہ میں اجازت ثابت نہ ہو گی؟ جواب یہ ہے کہ اجازت اگرچہ انتفاع کے لیے ہے مگر مستعیر نے بھی تو قبضہ نفع اٹھانے ہی کے لیے کیا ہے پس مستعیر کی طرف سے قبضہ کرنے میں کوئی تعدی نہیں پائی گئی ہے اس لیے ضامن نہ ہو گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مستعیر پر جو واپس کرنا واجب ہے تو وہ قبضہ کی مؤنت کے طور پر ہے تو جیسے اس نے قبضہ کیا تھا ویسے ہی واپس لائے جیسے مستعار حیوان کا نفقہ مستعیر پر واجب ہے مگر یہ قبضہ توڑ دینے کے لیے نہیں ہے۔ اور رہی وہ

چیز جو خرید کے طور پر اپنے قبضہ میں لی گئی ہو تو وہ عقد کی وجہ سے مضمون ہو جاتی ہے؛ کیونکہ عقد کے شروع ہونے کو بھی عقد کا حکم ہوتا ہے جیسا کہ اپنے موقع (مبسوط کی کتاب الاجارات) پر معلوم ہوا ہے اس لیے اس پر ودیعت کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{4} مستعیر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس نے جو چیز مستعار لی ہے وہ کسی اور شخص کو اجارہ پر دیدے اور اگر اس نے اجارہ پر دی اور وہ تلف ہوئی تو مستعیر ضامن ہوگا؛ کیونکہ عاریت دینا تو اجارہ سے کم درجہ کا عقد ہے اس لیے کہ اجارہ عقدِ لازم ہے اور عاریت غیر لازم ہے، بہر حال عاریت اجارہ سے کم درجہ کا عقد ہے اور کوئی چیز اپنے سے اوپر درجہ کی چیز کو متضمن نہیں ہوتی ہے لہذا اعارہ اجارہ کو متضمن نہیں اس لیے مستعار لی گئی چیز اجارہ پر نہیں دی جا سکتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر مستعیر کے عقدِ اجارہ کو ہم صحیح کہیں تو یہ اجارہ لازم ہی ہوگا؛ کیونکہ اجارہ لازم ہی ہوا کرتا ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں عقدِ اجارہ معیر کے مستاجر کو مسلط کرنے سے ہوگا؛ کیونکہ لزوم معیر ہی کی جانب سے ہوتا ہے حالانکہ اس کو لازم ٹھہرانے میں معیر پر زائد ضرر آتا ہے؛ کیونکہ جب تک مدتِ اجارہ نہ گزرے گی تب تک معیر کے لیے مستعار چیز واپس لینے کا دروازہ بند ہوگا اس لیے ہم نے مستعار چیز کا اجارہ باطل ٹھہرایا۔

{5} پھر اگر مستعیر نے مستعار چیز اجارہ پر دیدی تو جس وقت مستاجر کے سپرد کر دے اسی وقت مستعیر ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ جب عاریت دینا اجارہ دینے کو شامل نہیں ہے تو مستعار چیز اجارہ پر دینا غصب شمار ہوگا یعنی مستعیر نے گویا اس شئ کو غصب کر لیا اس لیے مستعیر ضامن ہوگا۔ اور معیر کو اختیار ہے کہ چاہے مستاجر سے ضمان لے؛ کیونکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اپنے لیے اپنے قبضہ میں لیا اور چاہے مستعیر سے تاوان لے، پس اگر اس نے مستعیر سے تاوان لیا تو وہ مذکورہ چیز مستاجر کے پاس ہلاک ہونے کے بعد مستاجر سے تاوان نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ مستعیر کے تاوان دینے سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس نے اپنی ذاتی ملکیت کو اجارہ پر دیا تھا؛ کیونکہ تاوان دینے سے وہ اس چیز کا مالک ہو گیا اس لیے ہلاک ہونے کے بعد مستاجر سے اس کا تاوان واپس نہیں لے سکتا ہے۔

{6} اور اگر مالک نے مستاجر سے تاوان لیا تو وہ اپنے اجارہ دینے والے (مستعیر) سے یہ تاوان واپس لے گا بشرطیکہ اجارہ لینے کے وقت مستاجر کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ چیز اس کے پاس مستعار ہے؛ تاکہ دھوکے کا ضرر مستاجر کی ذات سے دور ہو۔ اس کے برخلاف اگر مستاجر کو یہ معلوم ہو کہ یہ چیز اس کے پاس عاریت ہے تو پھر مستعیر سے تاوان واپس نہیں لے سکتا؛ کیونکہ مستعیر نے اس کو دھوکہ نہیں دیا۔

{1} قَالَ : وَلَهُ أَنْ يُعِيرَهُ إِذَا كَانَ مِمَّا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ

فرمایا: اور مستعیر کو اختیار ہے کہ وہ عاریۃً دیدے جب کہ وہ ایسی چیز ہو جو متغیر نہ ہوتی ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے،

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَيْسَ لَهُ أَنْ يُعِيرَهُ ؛ لِأَنَّهُ إِبَاحَةُ الْمَنَافِعِ عَلَى مَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ ، وَالْمُبَاحُ لَهُ

اور فرمایا امام شافعیؒ نے: اس کو اختیار نہیں کہ عاریۃً دے اس کو؛ کیونکہ یہ اباحتِ منافع ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس سے پہلے، اور جس کے لیے مباح کی جائے

لَا يَمْلِكُ الْإِبَاحَةَ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلْمِلْكِ لِكَوْنِهَا مَعْدُومَةً ، وَإِنَّمَا جَعَلْنَاهَا مَوْجُودَةً فِي الْإِجَارَةِ

وہ مالک نہیں ہوتا مباح کرنے کا، اور یہ اس لیے کہ منافع قابلِ ملک نہیں؛ اس لیے کہ وہ معدوم ہیں، اور ہم نے ان کو موجود مانا اجارہ میں

لِلضَّرُورَةِ .وَقَدِ انْدَفَعَتْ بِالْإِبَاحَةِ هَاهُنَا . {2} وَنَحْنُ نَقُولُ : هُوَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا

ضرورت کی وجہ سے، اور وہ ضرورت دور ہو جاتی ہے مباح کرنے سے یہاں۔ اور ہم کہتے ہیں: عقدِ عاریت تملیکِ منافع ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے،

فَيَمْلِكُ الْإِعَارَةَ كَالْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ ، {3} وَالْمَنَافِعُ اُعْتُبِرَتْ قَابِلَةً لِلْمِلْكِ فِي الْإِجَارَةِ

پس وہ مالک ہوگا عاریۃً دینے کا جیسے وہ شخص جس کے لیے وصیت کی گئی ہو خدمت کی، اور اعتبار کیا گیا ہے منافع کے قابلِ ملک ہونے کا اجارہ میں،

فَتُجْعَلُ كَذَلِكَ فِي الْإِعَارَةِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ ، {4} وَإِنَّمَا لَا تَجُوزُ فِيمَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ

پس قرار دیا جائے گا اسی طرح اعارہ میں؛ دفع کرتے ہوئے حاجت کو، اور جائز نہیں اس چیز میں جو مختلف ہوتی ہے مستعمِل کے اختلاف سے؛

دَفْعًا لِمَزِيدِ الضَّرَرِ عَنِ الْمُعِيرِ ؛ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِاسْتِعْمَالِهِ لَا بِاسْتِعْمَالِ غَيْرِهِ .قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ:

دفع کرتے ہوئے زائد ضرر کو معیر سے؛ کیونکہ وہ راضی ہے اس کے استعمال سے نہ کہ غیر کے استعمال سے۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں:

وَهَذَا إِذَا صَدَرَتِ الْإِعَارَةُ مُطْلَقَةً . {5} وَهِيَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ : أَحَدُهَا أَنْ تَكُونَ مُطْلَقَةً فِي الْوَقْتِ وَالِانْتِفَاعِ

اور یہ اس وقت ہے جب صادر ہوا اعارہ مطلق، اور یہ چار قسم پر ہے، ایک ان میں سے یہ کہ اعارہ مطلق ہو وقت اور انتفاع میں،

وَلِلْمُسْتَعِيرِ فِيهِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ أَيَّ نَوْعٍ شَاءَ فِي أَيِّ وَقْتٍ شَاءَ عَمَلًا بِالْإِطْلَاقِ.

تو مستعیر کو اختیار ہے اس میں کہ نفع حاصل کرے اس قسم میں جس طرح کا چاہے اور جس وقت میں چاہے؛ عمل کرتے ہوئے اطلاق پر،

{6} وَالثَّانِي أَنْ تَكُونَ مُقَيَّدَةً فِيهِمَا وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُجَاوِزَ فِيهِ مَا سَمَّاهُ عَمَلًا بِالتَّقْيِيدِ

اور ثانی یہ کہ مقید ہو ان دونوں میں، تو اختیار نہ ہوگا اس کو کہ تجاوز کرے اس میں اس سے جو بیان کیا ہے؛ عمل کرتے ہوئے تقیید پر،

إِلَّا إِذَا كَانَ خِلَافًا إِلَى مِثْلِ ذَلِكَ أَوْ إِلَى خَيْرٍ مِنْهُ وَالْحِنْطَةُ مِثْلُ الْحِنْطَةِ {7} وَالثَّالِثُ أَنْ تَكُونَ مُقَيَّدَةً فِي حَقِّ الْوَقْتِ

مگر یہ کہ مخالفت ہو اس کے مثل کی طرف یا اس سے بہتر کی طرف، اور گندم مثل گندم کے ہے، اور ثالث یہ ہے کہ مقید ہو وقت کے حق میں،

مُطْلَقَةً فِي حَقِّ الِانْتِفَاعِ .وَالرَّابِعُ عَكْسُهُ. وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَعَدَّى مَا سَمَّاهُ ، {8} فَلَوِ اسْتَعَارَ دَابَّةً

مطلق ہو انتفاع کے حق میں، اور رابع اس کا عکس ہے۔ اور اختیار نہیں مستعیر کو کہ تجاوز کرے اس سے جس کو بیان کیا ہے، پس اگر استعارۃً لیا جانور،

وَلَمْ يُسَمِّ شَيْئًا لَهُ أَنْ يَحْمِلَ وَيُعِيرَ غَيْرَهُ لِلْحَمْلِ ؛ لِأَنَّ الْحَمْلَ لَا يَتَفَاوَتُ.

اور کچھ بیان نہیں کیا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنی چیز لادے اور عاریۃً دے غیر کو لادنے کے لیے؛ کیونکہ لادنا متفاوت نہیں ہوتا ہے؛

وَلَهُ أَنْ يَرْكَبَ وَيُرْكِبَ غَيْرَهُ وَإِنْ كَانَ الرُّكُوبُ مُخْتَلِفًا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَطْلَقَ
اور اس کو اختیار ہے کہ اس پر سوار ہو جائے، اور سوار کرائے غیر کو اگرچہ سوار ہونا مختلف ہوتا ہے؛ کیونکہ جب اس نے مطلق اجازت دیدی

فَلَهُ أَنْ يُعَيِّنَ ، حَتَّى لَوْ رَكِبَ بِنَفْسِهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُرْكِبَ غَيْرَهُ ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ
ہے تو اس کو اختیار ہے کہ متعین کر دے حتی کہ اگر خود سوار ہوا تو اس کو اختیار نہیں کہ سوار کر دے دوسرے کو؛ کیونکہ متعین ہوا

رُكُوبُهُ ، وَلَوْ أَرْكَبَ غَيْرَهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْكَبَهُ حَتَّى لَوْ فَعَلَهُ ضَمِنَهُ ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ
اس کا سوار ہونا، اور اگر سوار کرایا دوسرے کو تو اس کو اختیار نہیں کہ خود سوار ہو جائے، حتی کہ اگر اس نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ متعین ہوا

الْإِرْكَابُ {9} قَالَ: وَعَارِيَّةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ وَالْمَعْدُودِ قَرْضٌ ؛ لِأَنَّ الْإِعَارَةَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ،
دوسرے کو سوار کرانا۔ فرمایا: اور عاریۃً دینا دراہم، دنانیر، کیلی چیز، موزونی چیز اور عددی چیز قرض ہے؛ کیونکہ اعارہ تملیک ہے منافع کی

وَلَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهَا إِلَّا بِاسْتِهْلَاكِ عَيْنِهَا فَاقْتَضَى تَمْلِيكَ الْعَيْنِ ضَرُورَةً وَذَلِكَ
اور انتفاع ممکن نہیں ان چیزوں سے مگر تلف کرنے سے ان کے عین کو، پس یہ تقاضا کرتی ہیں تملیکِ عین کا لازمی طور پر، اور یہ ممکن ہے

بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْقَرْضِ وَالْقَرْضُ أَدْنَاهُمَا فَيَثْبُتُ .أَوْ ؛ لِأَنَّ مِنْ قَضِيَّةِ الْإِعَارَةِ الِانْتِفَاعَ .وَرَدَّ الْعَيْنِ فَأُقِيمَ
ہبہ یا قرض سے، اور ان دونوں میں قرض ادنیٰ ہے پس قرض ثابت ہوگا، یا اس لیے کہ اعارہ کا حکم انتفاع اور عین کو واپس کرنا ہے، پس قائم مقام کر دیا گیا

رَدُّ الْمِثْلِ مَقَامَهُ .{10} قَالُوا : هَذَا إِذَا أَطْلَقَ الْإِعَارَةَ . وَأَمَّا إِذَا عَيَّنَ الْجِهَةَ بِأَنْ اسْتَعَارَ دَرَاهِمَ
اس کا مثل واپس کرنا۔ مشائخ نے کہا ہے کہ یہ جب ہے کہ مطلق رکھا ہو اعارہ کو، اور اگر معین کر دی ہو جہت، بایں طور کہ عاریۃً مانگے دراہم

لِيُعَايِرَ بِهَا مِيزَانًا أَوْ يُزَيِّنَ بِهَا دُكَّانًا لَمْ يَكُنْ قَرْضًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ إِلَّا الْمَنْفَعَةُ الْمُسَمَّاةُ،
تاکہ ٹھیک کر دے ان سے ترازو، یا مزین کر دے ان سے دکان، تو یہ قرض نہ ہوگا، اور نہ ہوں گے اس کے لیے مگر بیان کردہ منافع،

وَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَعَارَ آنِيَةً يَتَجَمَّلُ بِهَا أَوْ سَيْفًا مُحَلًّى يَتَقَلَّدُهُ .
پس ہو گیا جیسا کہ جب استعارۃً لے برتن آرائش کے لیے، یا نقش ونگار والی تلوار لے تاکہ کمر سے لٹکا دے۔

تشریح:۔{1} مستعیر کو یہ اختیار ہے کہ مستعار چیز دوسرے شخص کو عاریت پر دیدے بشرطیکہ استعمال کرنے والے کے اختلاف سے اس چیز میں فرق نہ آتا ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستعیر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مالِ مستعار کسی اور شخص کو عاریت پر دے؛ کیونکہ عاریت تو منافع کی اباحت کا نام ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا، اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی کے لیے مباح ہو وہ اس کو دوسروں کے لیے مباح نہیں کر سکتا ہے۔ اور اعارہ اباحتِ منافع اس وجہ سے ہے کہ منافع بالفعل قابلِ ملکیت نہیں ہیں؛ کیونکہ بالفعل

منافع موجود نہیں ہیں، البتہ اجارہ میں ہم نے منافع کو موجود مانا ہے تو وہ بوجہ ضرورت کے ہے پس دفع ضرورت کے لیے منافع کو موجود مانا ہے، اور عاریت میں یہ ضرورت مباح کرنے سے دفع ہو جاتی ہے اور جب اباحت سے ضرورت دفع ہو جاتی ہے تو تملیک کی طرف ضرورت نہیں کی جائے گی۔

{2} ہم جواب دیتے ہیں کہ عقدِ عاریت تملیک منافع کا نام ہے جیسا کہ ہم نے "کتاب العاریة" کی ابتداء میں ذکر کیا ہے تو جب مستعیر منافع کا مالک ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ مستعار چیز دوسرے کو عاریت پر دیدے جیسے کسی نے اپنے غلام کی خدمت کی ایک شخص کے لیے وصیت کی تو موصی لہ (جس کے لیے وصیت کی گئی ہے) کو اختیار ہو گا کہ وہ یہ غلام دوسرے کو عاریت پر دیدیا؛ کیونکہ موصی لہ اس غلام کے منافع کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح عاریت میں مستعیر مستعار چیز کے منافع کا مالک ہوتا ہے اس لیے وہ مستعار دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے۔

{3} امام شافعیؒ کا جواب یہ ہے کہ منافع جیسے اجارہ میں قابلِ ملکیت اعتبار کئے گئے ہیں اسی طرح عاریت میں بھی ملکیت کے قابل ٹھہرائے جائیں گے تاکہ ضرورت دفع ہو یعنی جس طرح کہ لوگ اس کے محتاج ہیں کہ مستعار شئی سے خود نفع اٹھائیں اسی طرح ان کو حاجت ہے کہ غیر کو نفع پہنچائیں تو اگر اعارہ تملیک نہ ہو اباحت ہو تو غیر کو یہ نفع نہیں پہنچایا جاسکتا ہے کہ وہ مستعار چیز غیر کو عاریت پر دیدے پس اس حاجت کو دور کرنے کے لیے عاریت میں بھی منافع کو قابلِ ملکیت قرار دیئے جائیں گے۔

{4} البتہ مستعیر ایسی صورت میں مستعار چیز کسی دوسرے شخص کو عاریت پر نہیں دے سکتا ہے کہ وہ استعمال کرنے والے کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہو یہ اس لیے تاکہ معیر سے مزید ضرر دفع ہو؛ کیونکہ وہ تو مستعیر کے استعمال پر راضی ہوا تھا اور غیر کے استعمال پر راضی نہیں ہوا ہے مثلاً زید نے اپنا گھوڑا بکر کو عاریۃً دیا اور بکر کو اچھی طرح سواری آتی ہے تو گھوڑے کا کچھ ضرر نہیں ہے پھر اگر بکر خالد کو یہ گھوڑا عاریۃً دیتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر خالد کو بھی اچھی طرح سواری آتی ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں معیر (زید) کا زیادہ ضرر ہے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مستعار چیز سے ہر طرح کا نفع اٹھانے کا اختیار مستعیر کو اس صورت میں ہے کہ اعارہ مطلق واقع ہوا ہو یعنی کہ کسی وقت کی قید نہ ہو اور کسی خاص قسم کے نفع اٹھانے کی قید نہ ہو بلکہ ہر طرح جب تک چاہے نفع اٹھانے کا اختیار ہو۔

{5} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ عاریت کی چار قسمیں ہیں، اول یہ کہ وقت اور انتفاع میں مطلق ہو یعنی کسی وقت یا کسی خاص قسم کا فائدہ اٹھانے کی قید نہ ہو تو اس صورت میں مستعیر کو اختیار ہے کہ اطلاق کی وجہ سے جس قسم کا انتفاع چاہے حاصل کرے اور جس وقت چاہے حاصل کرے۔

{6} دوسری قسم یہ ہے کہ عاریت میں وقت اورانتفاع دونوں کی قید ہوتو جو وقت اور جس منفعت کو بیان کیا ہے مستعیر کو اختیار نہیں کہ اس وقت اوراس منفعت سے تجاوز کرے تاکہ تقیید پر عمل ہو، البتہ اگر مستعیر نے قید کی مخالفت اس قید کے مثل کی طرف کی یا اس قید سے بہتر کی طرف کی تو پھر جائز ہے مثلاً جانور پر اپنا گندم لادنے کی اجازت تھی اس نے دوسرے کا گندم لادا، یا رذی لادی تو چونکہ یہ معیر کی لگائی ہوئی قید کی طرح یا اس سے بہتر صورت ہے؛ کیونکہ گندم بوجھ میں گندم کی طرح ہے اور ردی گندم سے لادنے میں نرم ہونے کی وجہ سے بہتر ہے اس لیے یہ جائز ہے، اوراگر بجائے گندم کے اسی قدر لوہا لادا تو جائز نہیں؛ کیونکہ لوہا گندم سے زیادہ مضر ہے اس لیے کہ اس سے گھوڑے کی پیٹھ زخمی ہو سکتی ہے۔

{7} تیسری قسم یہ ہے کہ وقت کے حق میں مقید ہو اور انتفاع کے حق میں مطلق ہو مثلاً کہا کہ تو اس گھوڑے سے آج سے پانچ دن تک نفع حاصل کر اور کہا کہ ہر طرح کا نفع حاصل کر، تو اس کو پانچ دن سے تجاوز جائز نہیں ہے، البتہ سوار ہونے اور ہر طرح کی چیز لادنے کا فائدہ اٹھا سکتا ہے حتی کہ اگر کسی قسم کی چیز لادنے سے وہ تلف ہوا تو مستعیر ضامن نہ ہوگا۔ چوتھی قسم اس کے برعکس ہے یعنی انتفاع کے حق میں مقید ہو اور وقت کے حق میں مطلق ہو تو ان دوصورتوں میں معیر نے جو وقت یا نفع کی جو قسم بیان کی ہے مستعیر کو اختیار نہیں کہ وہ اس سے تجاوز کرلے۔

{8} پس اگر ایک شخص نے ایک گھوڑا استعار لیا اور معیر نے نفع کی خاص قسم یا کوئی خاص وقت بیان نہیں کیا تو مستعیر کو اختیار ہے کہ اس پر اپنی چیز لادے یا دوسرے کو کوئی چیز لادنے کے لیے عاریۃً دیدے؛ کیونکہ لادنے کے فعل میں دونوں کی طرف سے کوئی تفاوت نہیں پایا جاتا ہے، اور مستعیر کو اختیار ہے کہ اس پر خود سوار ہو یا سواری کے لیے دوسرے شخص کو عاریۃً دیدے اگرچہ سوار ہونے میں لوگ مختلف ہوتے ہیں کہ بعض سواری کو جانتے ہیں اور بعض نہیں جانتے ہیں، مگر جب معیر نے مطلق اجازت دیدی تو مستعیر کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے سواری کے لیے معین کردے، البتہ جس کو معین کردیا وہ متعین ہوجائے گا حتی کہ اگر خود سوار ہونے کو متعین کیا تو دوسرے کو سواری کے لیے نہیں دے سکتا؛ کیونکہ اس کی سواری متعین ہوگئی اور اگر اس نے دوسرے کو سوار کیا تو پھر خود سوار نہیں ہو سکتا حتی کہ اگر اس صورت میں وہ خود سوار ہوا اور جانور ہلاک ہوا تو مستعیر ضامن ہوجائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں دوسرے کو سوار کرنا متعین ہوگیا، یہی راجح ہے لما فی الدّر المنتقی: (فلو رکب هو ليس له ارکاب غيره و ان رکب غيره ليس له أن يرکب هو) فلو رکب هو ضمن لما ثنا وهو الصحيح و اختاره فخر الاسلام و اختار شيخ الاسلام الجواز ( الدرّ المنتقی تحت مجمع الانهر:3/483)

{9} دراہم، دنانیر اور دیگر کیلی، وزنی اور عددی اشیاء کا عاریۃً دینا قرض ہے؛ کیونکہ عاریت دینا منافع کی تملیک ہے عین شئ کی تملیک نہیں ہے حالانکہ ان چیزوں سے انتفاع ممکن نہیں سوائے اس طریقہ پر کہ ان کے عین کو کام میں لاتے ہوئے ان کو تلف کر دے پس یہ عاریت لازمی طور پر اس امر کا مقتضی ہے کہ ان چیزوں کے عین کا مالک کر دے اور تملیکِ عین دو طریقہ سے ممکن ہے ایک یہ کہ ہبہ کے ذریعہ مالک کر دے اور دوم یہ کہ قرض کے ذریعہ مالک کر دے مگر ان دونوں میں سے قرض کا ضرر قرضخواہ کے حق میں کم ہے؛ کیونکہ قرضخواہ قرض کا مثل واپس لیتا ہے تو جس کا ضرر کم ہو وہی ثابت ہو گا اس لیے ان چیزوں کی عاریت قرض ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عاریت اس امر کا مقتضی ہے کہ عین مستعار سے نفع اٹھایا جائے پھر بعینہ اسی کو واپس کر دے اور جب ان چیزوں میں بعینہ مستعار واپس کرنا ممکن نہ ہوا تو اس کا مثل واپس کر دینے کو عین شئ واپس کر دینے کے قائم مقام قرار دیا گیا اور یہی قرض ہے اس لیے ان چیزوں کی عاریت قرض ہے۔

{10} مشائخ نے فرمایا ہے کہ درہم اور دینار وغیرہ کی عاریت کا قرض ہونا اس وقت ہے کہ عاریت مطلقہ ہو، اور اگر اس نے کوئی جہت متعین کر دی بایں طور کہ دراہم اس لیے عاریۃً لیے کہ ان سے ترازو ٹھیک کر دے یا ان کے ذریعہ سے دوکان کو مزین کر دے تو یہ قرض نہ ہو گا بلکہ عاریت ہی ہو گی۔ اور مستعیر کو ان سے فقط یہی منفعت حاصل کرنے کا اختیار ہو گا جو بیان کی گئی پس یہ ایسا ہوا کہ جیسے برتن مستعار لیے اور ان کے ذریعہ سے دوکان کی آرائش کر دی یا نقش و نگار والی تلوار لے تاکہ اس کو کمر سے لٹکا دے تو یہ عاریت ہے، حاصل یہ کہ اگر منفعت کی ایسی وجہ بیان کی جس میں مالِ عین تلف ہونے کی حاجت نہ ہو اور عین شئ باقی رہے تو یہ قرضہ نہ ہو گا عاریت ہی ہو گی اور عین شئ واپس کرنا لازم ہو گا۔

{1} قَالَ : وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضًا لِيَبْنِيَ فِيهَا أَوْ لِيَغْرِسَ فِيهَا جَازَ وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا

فرمایا: اور اگر استعارۃً لی زمین تاکہ عمارت بنائے اس میں یا پودے لگا دے اس میں، تو جائز ہے، اور معیر کو اختیار ہے کہ رجوع کرے اس میں

وَيُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ ؛ أَمَّا الرُّجُوعُ فَلِمَا بَيَّنَّا ، وَأَمَّا الْجَوَازُ فَلِأَنَّهَا مَنْفَعَةٌ مَعْلُومَةٌ

اور مکلف بنائے مستعیر کو عمارت اور پودے اکھاڑ دینے کا، بہر حال رجوع تو وہ اس وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، رہا جواز تو وہ اس لیے کہ یہ معلوم منفعت ہے

تُمْلَكُ بِالْإِجَارَةِ فَكَذَا بِالْإِعَارَةِ . وَإِذَا صَحَّ الرُّجُوعُ بَقِيَ الْمُسْتَعِيرُ شَاغِلًا أَرْضَ الْمُعِيرِ فَيُكَلَّفُ

جو مملوک ہو جاتی ہے بذریعہ اجارہ، پس اسی طرح اعارہ سے، اور جب صحیح ہوا رجوع تو مستعیر مشغول کرنے والا ہوا معیر کی زمین کو، پس مکلف بنایا جائے گا اس کو

تَفْرِيغَهَا ، {2} ثُمَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَّةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ ، لِأَنَّ الْمُسْتَعِيرَ مُغْتَرٌّ غَيْرُ مَغْرُورٍ حَيْثُ اعْتَمَدَ

فارغ کرنے کا، پھر اگر وقت متعین نہ کیا ہو عاریت کا، تو ضمان نہ ہو گا اس پر؛ کیونکہ مستعیر فریب خوردہ ہے دھوکہ نہیں دیا گیا کہ اس نے اعتماد کیا

إطْلَاقَ الْعَقْدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْبِقَ مِنْهُ الْوَعْدُ وَإِنْ كَانَ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ وَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ صَحَّ رُجُوعُهُ

اطلاق عقد پر معیر کی طرف سے پہلے وعدہ ہوئے بغیر، اور اگر وقت مقرر کیا ہو عاریت کا، اور رجوع کیا وقت سے پہلے، تو صحیح ہے اس کا رجوع؛

لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَلَكِنَّهُ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ خُلْفِ الْوَعْدِ{3} وَضَمِنَ الْمُعِيرُ مَا نَقَصَ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، لیکن یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ اس میں وعدہ خلافی ہے، اور ضامن ہوگا معیر عمارت اور پودوں کے نقصان کا

بِالْقَلْعِ ؛ لِأَنَّهُ مَغْرُورٌ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ وَقَّتَ لَهُ ؛ وَالظَّاهِرُ هُوَ الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ

اکھاڑنے کی وجہ سے؛ کیونکہ مستعیر دھوکہ شدہ ہے معیر کی طرف سے کہ وقت مقرر کیا تھا اس کے لیے، پس ظاہر عہد پورا کرنا ہی ہے،

وَيَرْجِعُ عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ نَفْسِهِ .كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي الْمُخْتَصَرِ .وَذَكَرَ

لہذا رجوع کرے گا معیر پر؛ دفع کرتے ہوئے ضرر کو اپنے آپ سے، اسی طرح ذکر کیا ہے اس کو امام قدوریؒ نے مختصر میں، اور ذکر کیا ہے

الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ أَنَّهُ يَضْمَنُ رَبُّ الْأَرْضِ لِلْمُسْتَعِيرِ قِيمَةَ غَرْسِهِ وَبِنَائِهِ وَيَكُونَانِ لَهُ،

حاکم شہیدؒ نے کہ ضامن ہوگا زمین کا مالک مستعیر کے لیے اس کے پودوں اور تعمیر کی قیمت کا، اور یہ دونوں رب الارض کے ہوں گے،

إلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُسْتَعِيرُ أَنْ يَرْفَعَهُمَا وَلَا يُضَمِّنَهُ قِيمَتَهُمَا فَيَكُونُ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ.

مگر یہ کہ اختیار کرے مستعیر ان دونوں کو اٹھالینا، اور رب الارض کو ضامن نہ بنائے ان دونوں کی قیمت کا، تو اس کو یہ اختیار ہے؛ کیونکہ وہ مستعیر کی ملک ہے

قَالُوا: إذَا كَانَ فِي الْقَلْعِ ضَرَرٌ بِالْأَرْضِ فَالْخِيَارُ إلَى رَبِّ الْأَرْضِ ؛ لِأَنَّهُ صَاحِبُ أَصْلٍ وَالْمُسْتَعِيرُ صَاحِبُ تَبَعٍ

مشائخ نے کہا ہے کہ اگر اکھاڑنے میں ضرر ہو زمین کا تو خیار رب الارض کو ہوگا؛ کیونکہ وہ صاحب اصل ہے، اور مستعیر صاحب تبع ہے،

وَالتَّرْجِيحُ بِالْأَصْلِ ،{4}وَلَوْ اسْتَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا لَمْ تُؤْخَذْ مِنْهُ حَتَّى يَحْصُدَ الزَّرْعَ

اور ترجیح اصل سے ہوتی ہے۔ اور اگر زمین استعارۃً لی تاکہ کاشت کرے اس میں تو نہیں لی جائے گی اس سے یہاں تک کہ کاٹی جائے کھیتی،

وَقَّتَ أَوْ لَمْ يُوَقِّتْ ؛ لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً ، وَفِي التَّرْكِ مُرَاعَاةُ الْحَقَّيْنِ ، بِخِلَافِ الْغَرْسِ؛

خواہ وقت مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو؛ کیونکہ کھیتی کے لیے انتہا معلوم ہے، اور اجرتِ مثل پر چھوڑنے میں رعایت ہے دونوں حقوں کی، برخلافِ درخت لگانے کے

لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ نِهَايَةٌ مَعْلُومَةٌ فَيُقْلَعُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْمَالِكِ .{5}قَالَ : وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ ؛

کیونکہ نہیں ہے اس کے لیے معلوم انتہا، پس اکھاڑ دیا جائے گا؛ دفع کرتے ہوئے ضرر کو مالک سے۔ فرمایا: اور عاریت واپس کرنے کی اجرت مستعیر پر ہے؛

لِأَنَّ الرَّدَّ وَاجِبٌ عَلَيْهِ لِمَا أَنَّهُ قَبَضَهُ لِمَنْفَعَةِ نَفْسِهِ وَالْأُجْرَةُ مُؤْنَةُ الرَّدِّ فَتَكُونُ عَلَيْهِ

کیونکہ واپس کرنا واجب ہے مستعیر پر؛ اس لیے کہ اس نے قبضہ کیا تھا اپنی منفعت کے لیے، اور اجرت خرچہ ہے واپسی کا، پس مستعیر پر ہوگی۔

{6}وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَأْجَرَةِ عَلَى الْمُؤَجِّرِ ؛لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ التَّمْكِينُ وَالتَّخْلِيَةُ دُونَ الرَّدِّ ، فَإِنَّ

اور عینِ مستاجرہ کو واپس کرنے کی اجرت موجر پر ہوگی؛ کیونکہ واجب مستاجر پر قدرت دینا اور تخلیہ ہے نہ کہ واپس کرنا، اس لیے کہ

وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ ... مَنْفَعَةَ قَبْضِهِ سَالِمَةٌ لِلْمُؤْجِرِ مَعْنًى فَلَا يَكُونُ عَلَيْهِ مُؤْنَةُ رَدِّهِ

مستاجر کے قبض کرنے کی منفعت سالم ہے موجر کے لیے معنیً، پس نہ ہوگا مستاجر پر خرچہ واپسی کا، اور عینِ مغصوب کو واپس کرنے کی اجرت

عَلَى الْغَاصِبِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ الرَّدُّ وَالْإِعَادَةُ إِلَى يَدِ الْمَالِكِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ فَتَكُونُ مُؤْنَتُهُ عَلَيْهِ

غاصب پر ہوتی ہے؛ کیونکہ واجب ہے غاصب پر رد اور لوٹانا مالک کے قبضہ کی طرف؛ دفع کرتے ہوئے ضرر کو اس سے، پس ہوگا واپسی کا خرچہ اس پر۔

تشریح:۔ {1} اگر کوئی شخص زمین اس لیے مستعار لے تاکہ اس میں عمارت بنادے یا پودے لگادے تو یہ جائز ہے اور معیر کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنی زمین واپس لے اور مستعیر کو حکم کرے کہ اپنی عمارت اور درخت اکھاڑ دو، پس زمین واپس لینا تو اس وجہ سے جائز ہے جو ہم بیان کر چکے کہ عقدِ عاریت معیر پر لازم نہیں ہے جب چاہے اس کو توڑ سکتا ہے، اور مذکورہ عاریت اس لیے جائز ہے کہ یہ بھی ایک منفعت معلومہ ہے جو بذریعہ اجارہ کے مملوک ہو سکتی ہے تو اسی طرح عاریت کے ذریعہ بھی مملوک ہو سکے گی، اور جب معیر کا واپس لینا صحیح ٹھہرا تو مستعیر اس کی زمین کو اپنی عمارت اور پودوں کے ساتھ مشغول کرنے والا ہوا اس لیے اسے حکم دیا جائے گا کہ معیر کی زمین خالی کر دو۔

{2} پھر اگر معیر نے عاریت کا کوئی وقت معین نہ کیا ہو تو اس پر کچھ ضمان نہیں ہے؛ کیونکہ مستعیر کو دھوکا نہیں دیا گیا بلکہ خود دھوکہ کھا چکا ہے کہ اس نے معیر کے وعدہ کے بغیر عقدِ مطلق پر اعتماد کیا اور یہ خیال کیا کہ معیر طویل مدت تک زمین اس کے قبضہ میں چھوڑ دے گا اس لیے اس نے اس زمین میں عمارت بنائی یا پودے لگائے بہر حال جب معیر نے دھوکہ نہیں دیا ہے تو واپس لینے کی صورت میں اس پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگا۔ اور اگر معیر نے عاریت کا کوئی وقت بیان کیا ہو پھر اس وقت سے پہلے زمین واپس لے لے تو واپس لینا صحیح ہے؛ کیونکہ ہم ذکر کر چکے کہ معیر کو ہر وقت رجوع کرنے کا اختیار ہے البتہ مقررہ وقت سے پہلے واپس لینا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اس میں وعدہ خلافی لازم آتی ہے اور وعدہ خلافی نفاق کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

{3} اس صورت میں عمارت کو گرانے اور درختوں کو اکھاڑنے سے جو نقصان پہنچا معیر اس کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ معیر نے وقت مقرر کر دیا تھا پھر وقت سے پہلے زمین واپس لے کر مستعیر کو دھوکا دیا؛ کیونکہ ظاہر یہی تھا کہ معیر عہد کو پورا کرے گا مگر جب اس نے عہد کو پورا نہیں کیا تو مستعیر اپنا نقصان اس سے واپس لے گا تاکہ اس کی ذات سے ضرر دور ہو ایسا ہی امام قدوری نے "مختصر القدوری" میں ذکر کیا ہے یہی راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: ومشی علیہ فی مجلۃ و کنز الدقائق وغیرھما و اختارہ الشارح الاتاسی (ہامش الہدایۃ: 279/3)

اور حاکم شہیدؒ نے ذکر کیا ہے کہ زمین کا مالک مستعیر کو اس کے درختوں اور عمارت کی قیمت بطورِ تاوان دیدے اور یہ دونوں زمین کے مالک کے ہو جائیں گے، البتہ اگر مستعیر نے چاہا کہ اپنی عمارت اور درختوں کو اکھاڑ دے اور زمین کے مالک سے تاوان نہ لے (اس کو یہ اختیار ہو گا؛ کیونکہ یہ چیزیں اسی کی ملک ہیں اور اپنی ملک میں تصرف کا اس کو اختیار ہے۔

مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ عمارت اور درخت اکھاڑنے میں اگر زمین کا ضرر ہو تو اس صورت میں زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ چاہے قیمت دے کر عمارت اور درختوں کا مالک ہو جائے؛ کیونکہ وہ اصل (زمین) کا مالک ہے اور مستعیر تبع (عمارت اور درخت) کا مالک ہے اور ترجیح اصل کو حاصل ہے اس لیے اصل کے مالک کو اختیار ہو گا۔

{4} اور اگر زمین کو اس غرض سے مستعار لیا ہو کہ اس میں زراعت کرے گا تو مالک زمین کو اپنی زمین واپس لینے کا اختیار نہ ہو گا یہاں تک کہ کھیتی کاٹی جائے خواہ اس نے کوئی وقت مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو؛ کیونکہ کھیتی کٹنے کی ایک انتہا معلوم ہے اور مستعیر کے پاس اتنے دنوں تک اجرتِ مثل پر چھوڑ دینے میں جانبین (معیر و مستعیر) کی رعایت ہے کہ مالک کو اجرت ملے گی اور مستعیر کی کھیتی بچ جائے گی۔ باقی درختوں کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ ان کی کوئی انتہاء معلوم نہیں ہے تو ان کے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ زمین کے مالک سے ضرر دور ہو۔

{5} عاریت لی ہوئی چیز واپس کرنے کی اجرت مستعیر کے ذمہ ہے؛ کیونکہ واپس کرنا اسی پر واجب ہے؛ اس لیے کہ اس نے اپنی ذاتی منفعت کے لیے اس پر قبضہ کیا تھا اور واپسی کے خرچہ کا نام واپسی کی اجرت ہے تو جس پر واپسی واجب ہو اسی پر واپسی کی اُجرت واجب ہو گی اس لیے واپسی کی اُجرت مستعیر پر واجب ہو گی۔

{6} اور جو چیز اجارہ پر لی گئی ہے اس کی واپسی کا خرچہ موجر (اجارہ پر دینے والے) کے ذمہ پر ہوتا ہے؛ کیونکہ مستاجر پر تو اسی قدر واجب ہے کہ موجر کو اجارہ پر لی ہوئی چیز پر قابو دیدے اور مالک اور اس کی مملوک چیز کے درمیان حائل نہ بنے اسے واپس کرنا مستاجر پر واجب نہیں ہے؛ کیونکہ مستاجر نے جو اس چیز پر قبضہ کیا ہے اس کے قبضہ کی منفعت در حقیقت موجر کو سالم پہنچ چکی یعنی مستاجر نے قبضہ کیا تو موجر کو اُجرت حاصل ہوئی اگرچہ مستاجرہ چیز سے مستاجر نے بھی نفع حاصل کیا ہے مگر موجر کی منفعت اقوی ہے؛ کیونکہ وہ عین کا مالک ہے اور مستاجر منفعت کا مالک ہے اور عین اصل ہے منفعت تابع ہے اس لیے واپسی کا خرچہ موجر کے ذمہ پر ہو گا مستاجر کے ذمہ پر نہ ہو گا۔ اور غصب کی ہوئی چیز کی واپسی کا خرچہ غاصب کے ذمہ پر ہے؛ کیونکہ غاصب پر اسے واپس کرنا اور مالک کے قبضہ میں پہنچانا واجب ہے تاکہ مالک سے ضرر دور ہو تو واپسی کا خرچہ غاصب ہی پر ہو گا۔

{1} قَالَ : وَإِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا إِلَى إِصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ؛

فرمایا: اور جب استعارۃً لے جانور، پھر رڈ کر دے اس کو اس کے مالک کے اصطبل کی طرف، پھر وہ ہلاک ہو جائے، تو مستعیر ضامن نہ ہوگا

وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَفِي الْقِيَاسِ يَضْمَنُ ؛ لِأَنَّهُ مَا رَدَّهَا إلَى مَالِكِهَا بَلْ ضَيَّعَهَا .وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ

اور یہ استحسان ہے، اور قیاس میں ضامن ہونا چاہیے؛ کیونکہ واپس نہیں کیا ہے اس کو اسکے مالک کی طرف، بلکہ اس کو ضائع کر دیا، وجہ استحسان یہ ہے

أَنَّهُ أَتَى بِالتَّسْلِيمِ الْمُتَعَارَفِ ؛ لِأَنَّ رَدَّ الْعَوَارِيّ إلَى دَارِ الْمُلَّاكِ مُعْتَادٌ كَآلَةِ الْبَيْتِ لَوْ أُعِيرَ

کہ اس نے کر لی متعارف سپردگی؛ کیونکہ عاریتوں کو واپس کرنا مالک کے گھر کی طرف معتاد ہے؛ جیسے خانہ داری کی چیزیں عاریۃً لی جاتی ہے

ثُمَّ تُرَدُّ إلَى الدَّارِ ،وَلَوْ رَدَّهَا إلَى الْمَالِكِ فَالْمَالِكُ يَرُدُّهَا إلَى الْمَرْبِطِ .فَصَحَّ رَدُّهَا

پھر واپس کر دی جاتی ہے گھر کی طرف ، اور اگر جانور رڈ کر دیتا مالک کو تو مالک رڈ کر دیتا اس کو مرابط میں، پس صحیح ہوا اس کا رڈ کرنا

{2} وَإِنْ اسْتَعَارَ عَبْدًا فَرَدَّهُ إلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ ؛ لِمَا بَيَّنَّا

اور اگر عاریۃً لیا غلام، پھر اس کو واپس کر دیا مالک کے گھر کی طرف، اور سپرد نہیں کیا مالک کو، تو ضامن نہ ہوگا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی

{3} وَلَوْ رَدَّ الْمَغْصُوبَ أَوْ الْوَدِيعَةَ إلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إلَيْهِ ضَمِنَ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْغَاصِبِ فَسْخُ فِعْلِهِ

اور اگر واپس کر دیا مغصوب یا ودیعت مالک کے گھر کی طرف، اور سپرد نہیں کیا مالک کو، تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ غاصب پر واجب اپنے فعل کو فسخ کرنا ہے

وَذَلِكَ بِالرَّدِّ إلَى الْمَالِكِ دُونَ غَيْرِهِ ، وَ الْوَدِيعَةُ لَا يَرْضَى الْمَالِكُ بِرَدِّهَا إلَى الدَّارِ

اور یہ مالک کو سپرد کرنے سے ہوگا نہ کہ غیر سے، اور ودیعت پر راضی نہیں ہوتا ہے مالک اسے رڈ کرنے سے مالک کے گھر کی طرف،

وَلَا إلَى يَدِ مَنْ فِي الْعِيَالِ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ ارْتَضَاهُ لَمَا أَوْدَعَهَا إيَّاهُ ، بِخِلَافِ الْعَوَارِيّ

اور نہ ایسے شخص کی طرف جو اس کے عیال میں ہے؛ کیونکہ اگر وہ اس پر راضی ہوتا تو وہ اس کے پاس ودیعت نہ رکھتا، برخلاف عاریتوں کے؛

لِأَنَّ فِيهَا عُرْفًا، حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْعَارِيَّةُ عِقْدَ جَوْهَرٍ لَمْ يَرُدَّهَا إلَّا إلَى الْمُعِيرِ ؛ لِعَدَمِ مَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الْعُرْفِ فِيهِ

کیونکہ ان میں ایک عرف ہے، حتی کہ اگر عاریت جواہر کا ہار ہو تو اسے واپس نہیں کرے گا مگر مالک کو؛ وہ عرف نہ ہونے کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا اس میں

{4} قَالَ : وَمَنِ اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا مَعَ عَبْدِهِ أَوْ أَجِيرِهِ لَمْ يَضْمَنْ ، وَالْمُرَادُ بِالْأَجِيرِ أَنْ يَكُونَ مُسَانَهَةً

فرمایا: اور جو شخص عاریۃً لے جانور، پھر اس کو واپس کر دے اپنے غلام یا اپنے مزدور کے ہاتھ، تو ضامن نہ ہوگا، اور مراد مزدور سے وہ ہے جو سالانہ

أَوْ مُشَاهَرَةً ؛ لِأَنَّهَا أَمَانَةٌ ، وَلَهُ أَنْ يَحْفَظَهَا بِيَدِ مَنْ فِي عِيَالِهِ كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ

یا ماہانہ مزدور ہو؛ کیونکہ عاریت امانت ہے، تو اس کو اختیار ہے کہ حفاظت کرائے اس کی اس کے ہاتھ جو اس کے عیال میں ہے جیسا کہ ودیعت میں ہے؛

بِخِلَافِ الْأَجِيرِ مُيَاوَمَةً ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي عِيَالِهِ .{5} وَكَذَا إذَا رَدَّهَا مَعَ عَبْدِ رَبِّ الدَّابَّةِ أَوْ أَجِيرِهِ

برخلاف یومیہ مزدور کے؛ کیونکہ وہ اس کے عیال میں نہیں۔ اور اسی طرح جب واپس کر دے اس کو مالک کے غلام یا اس کے مزدور کے ہاتھ؛

لِأَنَّ الْمَالِكَ يَرْضَى بِهِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ رَدَّهُ إِلَيْهِ فَهُوَ يَرُدُّهُ إِلَى عَبْدِهِ ، وَقِيلَ هَذَا فِي الْعَبْدِ الَّذِي
کیونکہ مالک راضی ہے اس پر، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اگر واپس کر دے اسے مالک کو، تو وہ واپس کر دے گا اپنے غلام کو۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس غلام میں ہے

يَقُومُ عَلَى الدَّوَابِّ ، وَقِيلَ فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ وَهُوَ الْأَصَحُّ ؛ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ لَا يَدْفَعُ إِلَيْهِ دَائِمًا
جو دیکھ بھال کرتا ہے جانوروں کی، اور کہا گیا ہے کہ یہ اسی اور دوسرے غلام سب میں ہے، اور یہی اصح ہے؛ کیونکہ اگر نہیں دیتا ہے اس کو ہمیشہ

يَدْفَعُ إِلَيْهِ أَحْيَانًا {6} وَإِنْ رَدَّهَا مَعَ أَجْنَبِيٍّ ضَمِنَ ، وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ الْمُسْتَعِيرَ لَا يَمْلِكُ الْإِيدَاعَ
تو دیتا ہے اس کو کبھی کبھی۔ اور اگر اس نے جانور کو واپس کیا اجنبی کے ہاتھ، تو ضامن ہوگا۔ یہ مسئلہ دلالت کرتا ہے کہ مستعیر ودیعت رکھنے کا مالک نہیں

قَصْدًا كَمَا قَالَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ : يَمْلِكُهُ لِأَنَّهُ دُونَ الْإِعَارَةِ ، وَأَوَّلُوا هَذِهِ الْمَسْأَلَةَ
قصداً جیسا کہ کہا ہے بعض مشائخ نے، اور کہا ہے بعض نے: وہ مالک ہے اس کا؛ کیونکہ ودیعت اعارہ سے کمتر ہے، اور انہوں نے اس مسئلہ کی تاویل کی ہے

بِانْتِهَاءِ الْإِعَارَةِ لِانْقِضَاءِ الْمُدَّةِ . {7} قَالَ : وَمَنْ أَعَارَ أَرْضًا بَيْضَاءَ لِلزِّرَاعَةِ يَكْتُبُ إِنَّكَ أَطْعَمْتَنِي
عاریت ختم ہو جانے کے ساتھ مدت گذرنے سے۔ فرمایا: جو شخص عاریۃً دے خالی زمین زراعت کے لیے، تو لکھ دے کہ "تو نے مجھے کھانے کے لیے دی ہے"

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا : يَكْتُبُ إِنَّكَ أَعَرْتَنِي ؛ لِأَنَّ لَفْظَةَ الْإِعَارَةِ مَوْضُوعَةٌ لَهُ
امام صاحبؒ کے نزدیک۔ او صاحبینؒ فرماتے ہیں: لکھ دے کہ "تو نے مجھے عاریۃً دی ہے" کیونکہ لفظِ اعارہ موضوع ہے عقدِ اعارہ کے لیے،

وَالْكِتَابَةُ بِالْمَوْضُوعِ لَهُ أَوْلَى كَمَا فِي إِعَارَةِ الدَّارِ . {8} وَلَهُ أَنَّ لَفْظَةَ الْإِطْعَامِ أَدَلُّ عَلَى الْمُرَادِ؛
اور تحریر کرنا موضوع کو اولیٰ ہے جیسا کہ گھر عاریۃً دینے میں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ اطعام زیادہ دلالت کرتا ہے مراد پر؛

لِأَنَّهَا تَخُصُّ بِالزِّرَاعَةِ وَالْإِعَارَةُ تَنْتَظِمُهَا وَغَيْرَهَا كَالْبِنَاءِ وَنَحْوِهِ فَكَانَتِ الْكِتَابَةُ بِهَا أَوْلَى،
کیونکہ یہ لفظ مختص ہے زراعت کے ساتھ، اور لفظِ اعارہ شامل ہے اس کو اور اس کے علاوہ کو جیسے عمارت وغیرہ، پس لکھنا اسی کا اولیٰ ہے،

بِخِلَافِ الدَّارِ ؛ لِأَنَّهَا لَا تُعَارُ إِلَّا لِلسُّكْنَى ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .
برخلاف مکان کے؛ کیونکہ وہ عاریۃً نہیں لیا جاتا ہے مگر سکونت کے لیے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تشریح:۔{1} اگر کسی نے کوئی جانور مستعار لیا پھر اس کو مالک کے اصطبل میں واپس کر دیا پس وہ تلف ہو گیا تو مستعیر ضامن نہ ہوگا، اور یہ حکم استحسانا ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ضامن ہو؛ کیونکہ اس نے مالک کو واپس نہیں دیا بلکہ ضائع کیا اس لیے ضامن ہوگا، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس نے متعارف طور پر سپرد کر دیا ہے؛ کیونکہ عاریت کی چیزوں کو مالک کے مکان میں پہنچا دینا معتاد ہے پس معتاد طریقہ پر واپس کرنے سے مستعیر کا ذمہ فارغ ہو جائے گا جیسے گھریلو استعمال کی چیزیں عاریت لے کر پھر مالک

کے گھر پہنچائی جاتی ہیں اور اگر مستعیر یہ جانور مالک کے پاس پہنچادے تو مالک بھی اس کو اصطبل ہی میں پہنچادے گا تو مستعیر نے
جو اصطبل میں پہنچادیا تو یہ کوئی تعدی نہیں اس لیے مستعیر کا اصطبل میں واپس کرنا صحیح ہے۔
{2} اگر مستعیر نے کوئی غلام مستعار لیا پھر اسے مالک کے گھر واپس کیا اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو وہ ضامن نہ ہوگا؛ اسی دلیل
سے جو ہم نے بیان کی کہ عاریت کی چیزوں کو مالک کے مکان میں پہنچادینا معتاد ہے پس معتاد طریقہ پر واپس کرنے سے مستعیر ذمہ
فارغ ہو جائے گا۔
{3} اگر مالِ مغصوب یا ودیعت کو مالک کے گھر واپس کر دیا اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو غاصب اور مستعیر ضامن ہوگا؛ کیونکہ
غاصب پر یہ واجب ہے کہ اپنے فعل کو فسخ کرے اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مالک کو واپس دی جائے نہ کہ اس کے علاوہ
کو، اس لیے مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اور ودیعت مالک کے گھر میں واپس کرنے پر مالک راضی نہیں اور نہ اس شخص کو واپس کرنے
پر راضی ہے جو مالک کے عیال میں ہے؛ کیونکہ اگر وہ اس پر راضی ہوتا تو مستودع کے پاس ودیعت نہ رکھتا۔ البتہ عاریتوں کا حکم اس کے
بر خلاف ہے؛ کیونکہ عاریتوں میں عرف یہی جاری ہے کہ اسے مالک کے گھر میں پہنچادیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر عاریت کوئی
جواہرات کی لڑی ہو تو اس کو سوائے مالک کے کہیں واپس نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ جواہرات کی لڑی میں مذکورہ عرف جاری نہیں ہے۔
{4} اگر مستعیر نے ایک گھوڑا مستعار لیا اور اس کو اپنے غلام یا نوکر کے ہاتھ واپس کیا تو وہ ضامن نہ ہوگا، اور نوکر سے
مراد ہے جو سالانہ یا ماہانہ اجرت پر نوکر ہو؛ دلیل یہ ہے کہ یہ گھوڑا اس کے پاس امانت ہے تو اس کو اختیار ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ سے
حفاظت کرائے جو اس کے عیال میں ہے جیسے ودیعت میں ہوتا ہے، البتہ ایسے مزدور کا حکم اس کے برخلاف ہے جو روزانہ کی بنیاد پر اس
کا نوکر ہو؛ کیونکہ ایسا نوکر اس کے عیال میں داخل نہیں ہے۔
{5} اسی طرح اگر اس گھوڑے کو اس کے مالک کے غلام یا نوکر کے ہاتھ واپس کیا تو بھی مستعیر ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ مالک
اس امر پر راضی ہے آپ دیکھیں اگر مستعیر نے یہ گھوڑا اس کے مالک کو واپس کر دیا تو مالک بھی اسے اپنے غلام ہی کو واپس دے
گا، اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس غلام میں ہے جو گھوڑوں کی نگہبانی پر مقرر ہو، اور دیگر بعض نے فرمایا ہے کہ یہ حکم ایسے غلام
اور دیگر سب غلاموں میں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے؛ کیونکہ مالک اگرچہ غیر نگہبان غلام کو ہمیشہ نہیں دیتا ہے مگر کبھی کبھی تو
دیتا ہے اس لیے ایسے غلام کے ہاتھ واپس کرنا بھی صحیح ہے۔
{6} اگر مستعیر نے یہ گھوڑا کسی اجنبی کے ہاتھ واپس کر دیا تو مستعیر ضامن ہوگا، اور یہ مسئلہ اس بات پر دلیل ہے کہ
مستعیر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ قصداً مستعار چیز کو دوسرے کے پاس ودیعت رکھے جیسا کہ بعض مشائخ (امام کرخیؒ) نے

فرمایا ہے، اور بعض دیگر مشائخ (مشائخ عراق) کے نزدیک مستعیر کو مستعار چیز قصداً کسی کے پاس ودیعت رکھنے کا اختیار ہے؛ کیونکہ ودیعت رکھنا عاریت دینے سے کم درجہ کی ہے تو جب مستعیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی اجنبی کے پاس مستعار عاریۃً رکھ سکتا ہے تو ودیعت دینے کا بھی اختیار ہوگا۔ اور مشائخ نے اس مسئلہ کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ ایسی صورت میں ہے کہ عاریت کا ایک وقت مقرر تھا اس کے گذر جانے کی وجہ سے عاریت ختم ہو چکی تھی تو مستعیر، مستعیر نہیں رہا اس لیے اجنبی کے ہاتھ واپس کرنے سے ضامن ہوگا۔

فتوی:۔راجح یہی ہے کہ مستعیر کو قصداً ودیعت رکھنے کا اختیار ہے لما فی الدر المنتقی:( بخلاف الاجنبی و الاجیر میاومة )ای لو العارية مؤقتة فمضت مدتها،ثم بعثها مع الاجنبی ، و الا فالمستعير يملك الايداع كالعارية من الاجنبی على المفتى به كما فی التنوير و غيره فتعين حمل كلامهم على هذا للحفظ (الدر المنتقی تحت مجمع الانھر:487/3)

{7} اگر کسی شخص نے خالی زمین دوسرے کو زراعت کے لیے عاریۃً دیدی تو مستعیر عاریت نامہ میں یوں لکھے کہ "تو نے مجھے یہ زمین مجھے کھانے کے لیے دی" یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یوں لکھے کہ "تو نے مجھے عاریۃً دی" صاحبینؒ کہتے ہیں کہ مجازی لفظ نہ لکھے بلکہ صریح عاریت کا لفظ لکھے؛ کیونکہ لفظِ اعارہ عقدِ اعارہ کے لیے موضوع ہے اور لفظِ موضوع کے ساتھ تحریر کرنا بہتر ہے، جیسے مکان عاریۃً دینے میں ہوتا ہے کہ بالاتفاق یہی لکھا جاتا ہے کہ تو نے مجھے یہ مکان عاریۃً دیا اور یہ نہیں لکھتے ہیں کہ تو نے مجھے بسایا یا سکونت عطا فرمائی، اسی طرح زمین کی عاریت میں بھی صاف لکھنا چاہیے۔

{8} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ اطعام اس مقصود پر زیادہ دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ یہ لفظ زراعت کے ساتھ مختص ہے؛ کیونکہ اطعام دینے کا تو یہی معنی ہے کہ اس میں زراعت کرکے طعام حاصل کرے جبکہ عاریۃً دینا زراعت اور عمارت بنانا وغیرہ سب کو شامل ہے پس جو لفظ کہ زراعت کے ساتھ مختص ہے اس کا لکھنا بہتر ہے، باقی مکان کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ مکان تو سوائے سکونت کے اور کسی کام کے لیے عاریۃً نہیں دیا جاتا ہے پس لفظِ عاریت سے غرض متعین ہو جاتی ہے اس لیے یہاں لفظِ عاریت لکھنا صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:(وتكتب مستعير الارض للزراعة ، قد اطعمتنی أرضک لا أعرتنی خلافاً لهما) فعندهما يكتب:أعرتنی لانه الصريح كما فی اعارة الثوب و الدار ، فلنا:ذالک أصرح بالمقصود كيلا يعلم البناء ونحوه فكان اولیٰ(الدّر المنتقی تحت مجمع الانھر:487/3)

# كِتَابُ الْهِبَةِ

## یہ کتاب ہبہ کے بیان میں ہے

ہبہ کہتے ہیں بلاعوض کسی کو عین یا مال کا مالک بنانا یعنی دوسرے کو ایسی چیز دینا جو اس کے لیے نافع ہو خواہ مال ہو یا غیر مال ہو، اور شریعت میں تملیکِ مال بلاعوض کو ہبہ کہتے ہیں۔ واہب، ہبہ دینے والے کو کہتے ہیں اور موہوب لہ جس کو ہبہ دیا گیا ہو، موہوب وہ چیز جو بطورِ ہبہ دی جائے۔ صحت ہبہ کی شرائط واہب میں یہ ہیں کہ وہ عاقل، بالغ اور مالک ہو، اور موہوب میں یہ ہیں کہ موہوب مقبوض غیر مشاع ہو اور ممیز غیر مشغول ہو، اور ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے اور اس کا حکم موہوب لہ کے لیے غیر لازم ملک کا ثبوت ہے۔

عاریت میں مستعیر کو صرف منافع کا مالک کیا جاتا ہے اور ہبہ میں موہوب لہ کو عین اور منافع دونوں کا مالک کیا جاتا ہے لہذا عاریت بمنزلہ مفرد کے ہے اور ہبہ بمنزلہ مرکب کے ہے اور مفرد مرکب سے مقدم ہوتا ہے اس لیے عاریت کو پہلے بیان کیا اور ہبہ کو بعد میں۔

{1} الْهِبَةُ عَقْدٌ مَشْرُوعٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { تَهَادَوْا تَحَابُّوا } وَعَلَى ذَلِكَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ وَتَصِحُّ
ہبہ عقدِ مشروع ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "باہم ہدیہ دو تاکہ آپس میں محبت ہو" اور اسی پر منعقد ہے اجماع، اور صحیح ہوتا ہے

بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ وَالْقَبْضِ ؛ أَمَّا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ فَلِأَنَّهُ عَقْدٌ ، وَالْعَقْدُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ ، وَالْقَبُولِ،
ایجاب اور قبول اور قبضہ سے، بہر حال ایجاب اور قبول تو وہ اس لیے کہ ہبہ عقد ہے اور عقد منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے،

وَالْقَبْضُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِثُبُوتِ الْمِلْكِ .وَقَالَ مَالِكٌ : يَثْبُتُ الْمِلْكُ فِيهِ قَبْلَ الْقَبْضِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ،
اور قبضہ لازمی ہے ثبوتِ ملک کے لیے۔ اور فرمایا امام مالکؒ نے: ثابت ہوتی ہے ملک ہبہ میں قبضہ سے پہلے؛ قیاس کرتے ہوئے بیع پر،

وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الصَّدَقَةُ {2} وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {لَا تَجُوزُ الْهِبَةُ إلَّا مَقْبُوضَةً} وَالْمُرَادُ نَفْيُ الْمِلْكِ،
اور اسی اختلاف پر صدقہ ہے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جائز نہیں ہبہ مگر مقبوض ہو کر" اور مراد ملک کی نفی ہے؛

لِأَنَّ الْجَوَازَ بِدُونِهِ ثَابِتٌ ، وَلِأَنَّهُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ ، وَفِي إثْبَاتِ الْمِلْكِ قَبْلَ الْقَبْضِ إلْزَامُ الْمُتَبَرِّعِ
کیونکہ جواز تو اس کے بغیر ثابت ہے، اور اس لیے کہ ہبہ عقدِ تبرع ہے، اور ملک ثابت کرنے میں قبضہ سے پہلے لازم کرنا ہے تبرع کرنے والے پر

شیئا لم یتبرع بہ ، وھو التسلیم فلا یصح ،{3} بخلاف الوصیۃ ؛ لان اوان ثبوت الملک فیھا بعد الموت

الکا چیز جس کا اس نے تبرع نہیں کیا ہے، اور وہ سپرد کرنا ہے، پس صحیح نہ ہو گا، بر خلاف وصیت کے؛ کیونکہ اس میں ثبوت ملک کا زمانہ موت کے بعد ہے،

ولا الزام علی المتبرع ؛ لعدم اھلیۃ اللزوم ،{4} وحق الوارث متاخر عن الوصیۃ فلم یملکھا.

اور کوئی الزام نہیں متبرع پر؛ اہلیت لزوم نہ ہونے کی وجہ سے، اور حق وارث مؤخر ہے وصیت سے، پس وارث مالک نہیں ہوا مال وصیت کا۔

{5} قال: فان قبضھا الموھوب لہ فی المجلس بغیر امر الواھب جاز ؛ استحسانا ، وان قبض بعد الافتراق

فرمایا: پس اگر قبض کیا موہوب کو موہوب لہ نے مجلس میں امر واہب کے بغیر، تو جائز ہے استحساناً، اور اگر قبض کیا علیحدہ ہونے کے بعد،

لم یجز الا ان یاذن لہ الواھب فی القبض ؛ والقیاس ان لا یجوز فی الوجھین وھو قول الشافعی؛

تو جائز نہیں، مگر یہ کہ اجازت دے اس کو واہب قبضہ کی، اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو دونوں صورتوں میں، اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛

لان القبض تصرف فی ملک الواھب ، اذ ملکہ قبل القبض باق فلا یصح بدون اذنہ،

کیونکہ قبض کرنا تصرف ہے واہب کی ملک میں؛ اس لیے کہ اس کی ملک قبضہ سے پہلے باقی ہے، پس صحیح نہ ہو گا اس کی اجازت کے بغیر۔

{6} ولنا ان القبض بمنزلۃ القبول فی الھبۃ من حیث انہ یتوقف علیہ ثبوت حکمہ وھو الملک،

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قبضہ بمنزلہ قبول کے ہے ہبہ میں اس حیثیت سے کہ موقوف ہے اس پر حکم ہبہ کا ثبوت، اور وہ ملک ہے،

والمقصود منہ اثبات الملک فیکون الایجاب منہ تسلیطا علی القبض ، بخلاف ما اذا قبض

اور مقصود عقد ہبہ سے اثبات ملک ہے پس ہو گا ایجاب واہب کی طرف سے مسلط کرنا موہوب لہ کو قبضہ پر، بر خلاف اس کے جب وہ قبضہ کر لے

بعد الافتراق ؛ لانا انما اثبتنا التسلیط فیہ الحاقا لہ بالقبول ، والقبول یتقید بالمجلس،

علیحدہ ہونے کے بعد؛ کیونکہ ہم نے ثابت کیا مسلط کرنا اس میں لاحق کرتے ہوئے قبضہ کو قبول کے ساتھ، اور قبول کرنا مقید ہے مجلس کے ساتھ،

فکذا ما یلحق بہ ، بخلاف ما اذا نھاہ عن القبض فی المجلس ؛ لان الدلالۃ لا تعمل

پس اسی طرح وہ ہے جو ملحق بالقبول ہو، بر خلاف اس کے جب اس کو روک دے اس کو قبضہ کرنے سے مجلس میں؛ کیونکہ دلالت اثر نہیں کرتا ہے

فی مقابلۃ الصریح .{7} قال : وتنعقد الھبۃ بقولہ وھبت ونحلت واعطیت ؛ لان الاول

صریح کے مقابلے میں۔ فرمایا: اور منعقد ہوتا ہے ہبہ واہب کے قول "میں نے ہبہ کیا، میں نے دیدیا اور میں نے عطا کیا" سے؛ کیونکہ اول

صریح فیہ والثانی مستعمل فیہ .قال علیہ الصلاۃ والسلام { اکل اولادک نحلت مثل ھذا ؟ } وکذلک

صریح ہے اس میں، اور ثانی مستعمل ہے اس میں، حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو دیدیا اس کا مثل"، اور اسی طرح

الثَّالِثُ ، يُقَالُ : أَعْطَاكَ اللّٰهُ وَوَهَبَكَ اللّٰهُ بِمَعْنَى وَاحِدٍ{8} وَكَذَا تَنْعَقِدُ بِقَوْلِهِ أَطْعَمْتُكَ

تیسر الفظ ہے، کہا جاتا ہے "أَعْطَاكَ اللّٰهُ" اور "وَهَبَكَ اللّٰهُ" ایک ہی معنی میں ہیں۔ اور اسی طرح منعقد ہوتا ہے اس کے قول "میں نے تجھے کھلایا

هَذَا الطَّعَامَ وَجَعَلْتُ هَذَا الثَّوْبَ لَكَ وَأَعْمَرْتُكَ هَذَا الشَّيْءَ وَحَمَلْتُكَ عَلَى هَذِهِ الدَّابَّةِ إِذَا نَوَى

یہ طعام، میں نے کردیا یہ کپڑے تیرے لیے، میں نے عمر بھر کے لیے تجھے دیدی یہ چیز، میں نے تجھے سوار کیا اس جانور پر" سے جب نیت کرلے

بِالْحُمْلَانِ الْهِبَةَ ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْإِطْعَامَ إِذَا أُضِيفَ إِلَى مَا يُطْعَمُ عَيْنُهُ يُرَادُ

سوار کرنے سے ہبہ کی، بہر حال اول اس کے کہ اطعام کی جب اضافت کی جائے اس چیز کی طرف جو بعینہ کھائی جاتی ہے، تو مراد ہوتی ہے

بِهِ تَمْلِيكُ الْعَيْنِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ : أَطْعَمْتُكَ هَذِهِ الْأَرْضَ حَيْثُ تَكُونُ عَارِيَةً ؛ لِأَنَّ عَيْنَهَا لَا تُطْعَمُ

اس سے تملیکِ عین، برخلاف اس کے جب کہے "میں نے تجھے کھلادی یہ زمین" کہ یہ عاریت ہوگی؛ کیونکہ عین زمین نہیں کھائی جاتی ہے،

فَيَكُونُ الْمُرَادُ أَكْلَ غَلَّتِهَا{9} وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّ حَرْفَ اللَّامِ لِلتَّمْلِيكِ .وَأَمَّا الثَّالِثُ فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

پس ہوگا مراد اس کی پیداوار کھانا۔ رہا دوسرا لفظ تو وہ اس لیے کہ حرف لام تملیک کے لیے، اور تیسرا لفظ تو حضور ﷺ کے ارشاد

{ فَمَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى فَهِيَ لِلْمُعْمَرِ لَهُ وَلِوَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ } وَكَذَا إِذَا قَالَ جَعَلْتُ

"جس نے عمری دیا تو وہ معمر لہ کے لیے ہے اور اس کے ورثہ کے لیے ہے اس کے بعد" کی وجہ سے۔ اور اسی طرح اگر کہا: "میں نے کردیا

هَذِهِ الدَّارَ لَكَ عُمْرَى لِمَا قُلْنَا .{10} وَأَمَّا الرَّابِعُ فَلِأَنَّ الْحَمْلَ هُوَ الْإِرْكَابُ حَقِيقَةً فَيَكُونُ عَارِيَةً

یہ مکان تیرے لیے عمر بھر" اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔ رہا چوتھا لفظ تو وہ اس لیے کہ حمل سوار کرنا ہے حقیقۃً، پس یہ عاریت ہوگا

لَكِنَّهُ يَحْتَمِلُ الْهِبَةَ ، يُقَالُ حَمَلَ الْأَمِيرُ فُلَانًا عَلَى فَرَسٍ وَيُرَادُ بِهِ التَّمْلِيكُ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ نِيَّتِهِ

لیکن یہ احتمال رکھتا ہے ہبہ کا، کہا جاتا ہے "اٹھایا امیر نے فلاں کو گھوڑے پر" اور مراد لی جاتی ہے اس سے تملیک، پس حمل کیا جائے گا اسی پر نیت کے وقت۔

تشریح:۔{1} ہبہ ایسا عقد ہے جو کہ مشروع ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "تَهَادَوْا تَحَابُّوا"[1] (باہم ایک دوسرے کو ہبہ دو تاکہ آپس میں محبت پیدا ہو) لہٰذا ہبہ مشروع ہے، اور ہبہ کی مشروعیت پر امت کا اجماع بھی منعقد ہے۔ ایجاب، قبول اور قبضہ سے ہبہ صحیح ہوجاتا ہے، پس ایجاب وقبول کی ضرورت تو اس وجہ سے ہے کہ ہبہ عقد ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے، اور رہا قبضہ تو وہ ثبوتِ ملک کے لیے ضروری ہے یعنی عقد تو قبضہ کے بغیر ایجاب وقبول سے منعقد ہوجائے گا، مگر موہوب لہ کو ملکیت جب ہی حاصل ہوگی کہ وہ موہوب چیز پر قبضہ کرلے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ موہوب لہ کے لیے ملکیت قبضہ سے پہلے ثابت ہوجاتی

([1])رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي كِتَابِهِ الْمُفْرَدِ فِي الْأَدَبِ وَتَرْجَمَ عَلَيْهِ بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ ثَنَا ضِمَامُ بْنُ إسْمَاعِيلَ سَمِعْتُ مُوسَى بْنَ وَرْدَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَهَادَوْا تَحَابُّوا" ، انْتَهَى.(نصب الراية:297/4)

ہے جیسے بیع میں مشتری کو مبیع کی ملکیت قبضہ سے پہلے حاصل ہو جاتی ہے۔اور صدقہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے یعنی ہمارے نزدیک قبضہ سے پہلے فقیر کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے اور امام مالک ؒ کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے۔

{2} ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "لَا تَجُوزُ الْهِبَةُ إِلَّا مَقْبُوضَةً"[1] (ہبہ جائز نہیں مگر یہ کہ مقبوض ہو) مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ ہبہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے ؛کیونکہ عقد ہبہ کا جواز تو قبضہ کے بغیر اجماع سے ثابت ہے۔دوسری دلیل یہ ہے کہ ہبہ تو ایک احسان کا معاملہ ہے اور قبضہ سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت ثابت کرنے میں احسان کرنے والے کے ذمہ ایسی چیز لازم کرنا ہوتا ہے جس کا اس نے ابھی تک التزام نہیں کیا ہے اور وہ چیز موہوب لہ کو موہوب چیز سپرد کرنا ہے اور ایسا التزام درست نہیں ہے اس لیے یہ مِلک ثابت کرنا صحیح نہیں ہے یعنی اگر ہم کہیں کہ واہب کے دینے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت مالِ موہوب میں ثابت ہو گئی تو واہب پر لازم ہو گا کہ موہوب چیز فوراً موہوب لہ کے سپرد کرے؛کیونکہ وہ چیز موہوب لہ کی ملک ہے حالانکہ واہب نے سپرد کرنے کا التزام اپنے اوپر نہیں کیا ہے تو اس کے التزام کے بغیر یہ امر لازم کیا گیا حالانکہ اس پر کوئی حق واجب نہیں ہے اور یہ اسی وجہ سے لازم آیا کہ قبضہ سے پہلے موہوب لہ کے لیے ملکیت ثابت کر دی لہٰذا قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت کرنا باطل ہے۔

{3} اور یہ حکم وصیت کے بر خلاف ہے؛کیونکہ وصیت میں ثبوتِ مِلک کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے یعنی جب وصیت قبول کی تو موصی کے مرتے ہی موصی لہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اگرچہ اس نے قبضہ نہ کیا ہو؛کیونکہ یہاں احسان کرنے والے مردے پر کوئی چیز لازم نہیں کی گئی ؛کیونکہ موت کی وجہ سے اس میں لزوم کی اہلیت ہی نہیں رہی اس لیے موصی لہ کی ملکیت کے لیے میت کی طرف سے سپرد کرنا اور موصی لہ کا قبضہ شرط نہیں۔

{4} سوال یہ ہے کہ موت کی وجہ سے بے شک میت میں لزوم کی اہلیت نہیں مگر اس کا وارث اس کا نائب ہے لہٰذا موصی لہ کی ملکیت وارث کے سپرد کرنے پر موقوف ہونی چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ میت کے مال کے ساتھ ابھی تک وارث کا حق متعلق نہیں ہوا ہے؛کیونکہ وارث کا حق وصیت کے بعد ہے اس لیے وارث اس مالِ وصیت کا مالک نہیں ہوا لہٰذا موصی لہ کی ملکیت وارث کے سپرد کرنے پر موقوف نہ ہو گی۔

---

[1] علامہ زیلعی ؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ مِنْ قَوْلِ النَّخَعِيِّ، رَوَاهُ فِي آخِرِ الْوَصَايَا مِنْ مُصَنَّفِهِ فَقَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا تَجُوزُ الْهِبَةُ حَتَّى تُقْبَضَ، وَالصَّدَقَةُ تَجُوزُ قَبْلَ أَنْ تُقْبَضَ، انْتَهَى.(نصب الرایۃ:299/4)

{5} پھر اگر موہوب لہ نے عقدِ ہبہ کی مجلس میں مالِ موہوب پر واہب کے حکم کے بغیر قبضہ کرلیا تو استحساناً جائز ہے۔ اور اگر مجلس سے جدا ہونے کے بعد موہوب لہ نے قبضہ کیا تو جائز نہیں ہے البتہ اگر واہب نے اس کو قبضہ کرنے کی اجازت دیدی تو جائز ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں جائز نہ ہو یعنی خواہ مجلس میں اجازت کے بغیر قبضہ کرے یا جدائی کے بعد بغیر اجازت قبضہ کرے، اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اس لیے کہ قبضہ کرنا تو واہب کی مِلک میں تصرف ہے ؛کیونکہ قبضہ سے پہلے اس کی ملکیت باقی ہے اور غیر کی مِلک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف صحیح نہیں ہے لہٰذا واہب کی اجازت کے بغیر موہوب چیز پر موہوب لہ کا قبضہ صحیح نہ ہوگا۔

{6} ہماری دلیل یہ ہے کہ جیسے بیع میں قبول ہوتا ہے اسی طرح ہبہ میں قبضہ ہے اس اعتبار سے کہ جس طرح بیع میں قبول کے بغیر مِلک ثابت نہیں ہوتی ہے اسی طرح ہبہ میں اس کا حکم (ملکیت) قبضہ کے بغیر ثابت نہ ہوگا حالانکہ ہبہ سے واہب کا مقصود موہوب لہ کی ملکیت کو ثابت کرنا ہے پس واہب کی طرف سے ایجاب موہوب لہ کو قبضہ پر مسلط کرنا ہے، اس کے برخلاف اگر مجلسِ عقد سے جدا ہونے کے بعد موہوب لہ قبضہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے ؛کیونکہ ہبہ میں جو قبضہ پر مسلط کرنا ہم نے ثابت کیا ہے قبضہ کو قبولِ بیع کے ساتھ لاحق کرنے کے طور پر ہے حالانکہ قبولِ بیع اپنی مجلس تک مقید ہے تو جو چیز (قبضۂ ہبہ) اس قبول کے ساتھ لاحق کی گئی وہ بھی اپنی مجلس تک مقید رہے گی یعنی جیسے بیع کی مجلس میں قبول سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح ہبہ میں قبضہ سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے لیکن قبول کا اختیار صرف مجلسِ عقد تک ہوتا ہے تو قبضۂ ہبہ کا اختیار بھی مجلسِ ہبہ تک ہوگا جدائی کے بعد نہ ہوگا۔

لیکن اس قبضہ کو قبول کے ساتھ لاحق کرنا بطریق دلالت ہے یعنی واہب کا ایجاب دلالت کرتا ہے کہ اس نے قبضہ کی اجازت دی ہے تو اگر واہب نے مجلسِ ہبہ میں موہوب لہ کو قبضہ سے صریحاً منع کردیا تو پھر قبضہ جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ صریح کے مقابلہ میں دلالت اثر نہیں کرتی ہے۔

{7} جن الفاظ سے ہبہ منعقد ہوتا ہے وہ یہ ہیں کہ واہب موہوب لہ سے کہے "میں نے تجھے ہبہ کیا"، یا کہے "میں نے تجھے نحلہ دیا" یا کہے "میں نے تجھے عطا کیا" تو ان تینوں الفاظ سے ہبہ منعقد ہوجاتا ہے ؛کیونکہ لفظ اول تو ہبہ کے معنی میں صریح ہے اس لیے اس سے ہبہ منعقد ہوجاتا ہے، اور دوسرا لفظ اس معنی میں مجازاً مستعمل ہے جیسا کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں نے اپنا ایک

غلام اپنے اس بیٹے کو ہبہ کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا تو نے اپنی تمام اولاد کو اس کا مثل ہبہ کیا ہے[1]" جس میں نحلہ بمعنی ہبہ مستعمل ہے لہٰذا لفظِ نحلہ سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لفظِ ثالث بھی اسی معنی میں مستعمل ہے چنانچہ "أَعْطَاكَ اللّٰهُ" (اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا) اور "وَهَبَكَ اللّٰهُ" (اللہ تعالیٰ نے تجھے ہبہ کیا) دونوں ایک معنی میں بولے جاتے ہیں لہٰذا لفظِ عطا سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ اولاد کو ہبہ دینے میں تفاضل کا کیا حکم ہے؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

جواب:۔ (1) اگر دوسروں کا اضرار مقصود ہو تو مکروہ تحریمی ہے، قضاءً نافذ ہے دیانةً واجب الرّد ہے (2) اضرار مقصود نہ ہو اور کوئی وجہ ترجیح بھی نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، ذکور و اُناث میں تسویہ مستحب ہے (3) دینداری، خدمت گذاری، خدماتِ دینیہ کا شغل یا احتیاج وغیرہ وجوہ کی بناء پر تفاضل مستحب ہے (4) بے دین اولاد کو بقدرِ قُوت سے زائد نہیں دینا چاہیئے، ان کو محروم کرنا اور زائد مال امورِ دینیہ میں صرف کرنا مستحب ہے لما فی الدّر المختار: وَفِي الْخَانِيَةِ لَا بَأْسَ بِتَفْضِيلِ بَعْضِ الْأَوْلَادِ فِي الْمَحَبَّةِ لِأَنَّهَا عَمَلُ الْقَلْبِ، وَكَذَا فِي الْعَطَايَا إنْ لَمْ يَقْصِدْ بِهِ الْإِضْرَارَ ، وَإِنْ قَصَدَهُ فَسَوَّى بَيْنَهُمْ يُعْطِي الْبِنْتَ كَالِابْنِ عِنْدَ الثَّانِي وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَلَوْ وَهَبَ فِي صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازَ وَأَثِمَ- وقال ابن عابدين:( قَوْلُهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى ) أيْ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ : مِنْ أَنَّ التَّنْصِيفَ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى أَفْضَلُ مِنْ التَّثْلِيثِ الَّذِي هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَمْلِيٌّ .(الدّر المختار مع ردّ المحتار:573/4) الخ (جدید معاملات کے شرعی احکام:82/2:2)

{8} اسی طرح اگر واہب نے کہا کہ "میں نے تجھے یہ طعام کھلایا" یا کہا "میں نے یہ کپڑا تیرے لیے کر دیا" یا عربی زبان میں کہا کہ "أَعْمَرْتُكَ هٰذَا الشَّيْءَ" (میں نے یہ چیز تجھے تیری مدتِ عمر دیدی" یا کہا کہ "میں نے تجھے اس جانور پر لادا یعنی سوار کیا" بشرطیکہ لادنے سے ہبہ کرنا مقصود ہو تو ان الفاظ سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے۔ پس لفظِ اوّل (اطعام) سے ہبہ اس لیے منعقد ہوتا ہے کہ اطعام (کھلانا) جب ایسی چیز کی جانب مضاف ہو جو خود کھائی جاتی ہو جیسے گندم وغیرہ تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ یہ عین شئی تیری ملک میں دی گئی، ظاہر ہے کہ یہ ہبہ ہی ہے، اور اگر اطعام ایسی چیز کی طرف مضاف ہو جو بذات خود نہ کھائی جاتی ہو مثلاً کہا کہ "میں نے تجھے کھلانے کو یہ زمین دی" تو یہ قبول کرنا عاریت ہو جائے گا ہبہ نہ ہوگا! کیونکہ عین زمین نہیں کھائی جاتی ہے

[1] أخرجه الأئمة الستة عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ، قَالَ: إِنَّ أَبَاهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا" ؟ قَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَارْجِعْهُ" ، زَادَ مُسْلِمٌ فِي لَفْظٍ: "أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا لَكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً" ؟ قَالَ بَلَى، قَالَ: "فَلَا إِذًا" ، انتهى.(نصب الراية:300/4)

تو مراد یہ ہوگی کہ اس زمین سے جو حاصل ہو وہ میں نے تجھے کھلایا بالجملہ جب کہا کہ میں نے تجھے یہ زمین کھانے کے لیے دی ہے تو زمین ایسی چیز نہیں ہے کہ خود کھائی جائے پس یہاں اطعام کا معنی عاریت ہے کہ اس زمین سے نفع حاصل کر۔

{9} رہا دوسرا لفظ تو اس سے اس لیے ہبہ منعقد ہوتا ہے کہ حرف لام تملیک کے لیے ہے یعنی جب کہا کہ "جعلت هذا الثوب لك" تو لفظِ "لَكَ" میں جو لام ہے اس کا معنی تیرے لیے یعنی میں نے یہ کپڑا تیری ملکیت میں دیا، اور کپڑے کو اس کی ملکیت میں دینا یہی ہبہ ہے۔

اور تیسرا لفظ (یعنی میں نے تجھے یہ شئی عمریٰ دی) تو اس کا ہبہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص نے دوسرے کو عمریٰ دیا تو یہ عمریٰ اس شخص کے لیے اس کی عمر بھر ہے اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لیے ہے"[1] جس میں عمریٰ عمر بھر کے لیے معمرلہ کے لیے قرار دیا ہے تو اس کا معنی یہی ہے کہ یہ چیز میں نے تیری مِلک کر دی ہے اور یہی ہبہ ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ "میں نے یہ گھر تیرے لیے عمریٰ کر دیا" تو یہ بھی مذکورہ دلیل سے ہبہ ہے یعنی "لَكَ" میں لام تملیک کے لیے ہے اس لیے یہ ہبہ ہے۔

{10} رہا چوتھا لفظ (یعنی جانور پر لادنا اور بٹھانا) تو یہ لغت میں سوار کرنے کے معنی میں ہے لہٰذا یہ عاریت ہوگا لیکن اس میں ہبہ کا احتمال ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ "امیر نے فلاں شخص کو گھوڑے پر لادا یا بٹھایا" اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ امیر نے اس کو اس جانور کا مالک کر دیا پس جب ہبہ کی نیت ہو تو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

{1} وَلَوْ قَالَ كَسَوْتُكَ هَذَا الثَّوْبَ يَكُونُ هِبَةً ؛ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ التَّمْلِيكُ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى { أَوْ كِسْوَتُهُمْ }

اور اگر کہا: میں نے پہنایا تجھے یہ کپڑا، تو یہ ہبہ ہوگا؛ کیونکہ مراد لی جاتی ہے اس سے تملیک، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "یا ان کو لباس دیا جائے"

وَيُقَالُ كَسَا الْأَمِيرُ فُلَانًا ثَوْبًا : أَيْ مَلَّكَهُ مِنْهُ {2} وَلَوْ قَالَ مَنَحْتُكَ هَذِهِ الْجَارِيَةَ كَانَتْ عَارِيَةً لِمَا

اور کہا جاتا ہے "پہنایا امیر نے فلاں کو کپڑا" یعنی اس کو مالک بنایا اس کا۔ اور اگر کہا: منحہ کر دی میں نے تجھے یہ باندی، تو یہ عاریت ہے؛ اس حدیث کی وجہ سے

رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ . وَلَوْ قَالَ دَارِي لَكَ هِبَةً سُكْنَى أَوْ سُكْنَى هِبَةً فَهِيَ عَارِيَةٌ ؛ لِأَنَّ الْعَارِيَةَ مُحْكَمٌ

جو ہم روایت کر چکے اس سے پہلے۔ اور اگر کہا: میرا گھر تیرے لیے ہبہ سکنیٰ ہے یا سکنیٰ ہبہ ہے، تو یہ عاریت ہے؛ کیونکہ عاریت قطعی ہے

فِي تَمْلِيكِ الْمَنْفَعَةِ وَالْهِبَةُ تَحْتَمِلُهَا وَتَحْتَمِلُ تَمْلِيكَ الْعَيْنِ فَيُحْمَلُ الْمُحْتَمَلُ عَلَى الْمُحْكَمِ {3} وَكَذَا إِذَا قَالَ عُمْرَى سُكْنَى

تملیکِ منفعت میں، اور ہبہ احتمال رکھتا ہے اس کا اور تملیکِ عین کا، تو حمل کیا جائے گا محتمل کو قطعی پر، اور اسی طرح اگر کہا: "عمریٰ سکنیٰ

[1] أخرجه الجماعة إلا البخاري عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أعمر رجلا عمرى له ولعقبه، فقد قطع". (نصب الراية: 301/4)

أَوْ نُحْلَى سُكْنَى أَوْ سُكْنَى صَدَقَةٌ أَوْ صَدَقَةٌ عَارِيَّةٌ أَوْ عَارِيَّةٌ هِبَةٌ لِمَا قَدَّمْنَاهُ . {4} وَلَوْ قَالَ هِبَةٌ تَسْكُنُهَا

یا "نحلی سکنی" یا "سکنی صدقۃ" یا "صدقۃ عاریۃ" یا "عاریۃ ہبۃ" اس دلیل کی وجہ سے جو ہم پہلے ذکر کر چکے، اور اگر کہا: ہبہ ہے جس میں تو سکونت کرو گے،

فَهِيَ هِبَةٌ؛ لِأَنَّ قَوْلَهُ تَسْكُنُهَا مَشُورَةٌ وَلَيْسَ بِتَفْسِيرٍ لَهُ وَهُوَ تَنْبِيهٌ عَلَى الْمَقْصُودِ ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ هِبَةٌ سُكْنَى؛

تو یہ ہبہ ہے؛ کیونکہ اس کا قول "تسکنہا" مشورہ ہے تفسیر نہیں ہے اس کی، اور یہ تنبیہ ہے مقصود پر، برخلاف اس کے قول "ہبۃ سکنی" کے؛

لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لَهُ .{5}قَالَ : وَلَا تَجُوزُ الْهِبَةُ فِيمَا يُقْسَمُ إلَّا مَحُوزَةً مَقْسُومَةً ، وَهِبَةُ الْمُشَاعِ

کیونکہ یہ تفسیر ہے اس کی۔ فرمایا: اور جائز نہیں ہبہ اس چیز میں جو تقسیم ہو سکتی ہو مگر یہ کہ حقوق سے فارغ تقسیم شدہ ہو، اور غیر مقسوم کا ہبہ

فِيمَا لَا يُقْسَمُ جَائِزَةٌ {6} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدُ تَمْلِيكٍ فَيَصِحُّ فِي الْمُشَاعِ

اس چیز میں جو تقسیم نہ ہو سکے جائز ہے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: جائز ہے دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ یہ عقد تملیک ہے تو صحیح ہے مشترک

وَغَيْرِهِ كَالْبَيْعِ بِأَنْوَاعِهِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْمُشَاعَ قَابِلٌ لِحُكْمِهِ ، وَهُوَ الْمِلْكُ فَيَكُونُ مَحَلًّا لَهُ،

اور غیر مشترک میں جیسے بیع اپنی تمام اقسام کے ساتھ، اور یہ اس لیے مشترک قابل ہے حکم ہبہ کا اور وہ ملک ہے، پس ہوگا ہبہ کا محل،

{7} وَكَوْنُهُ تَبَرُّعًا لَا يُبْطِلُهُ الشُّيُوعُ كَالْقَرْضِ وَالْوَصِيَّةِ .{8} وَلَنَا أَنَّ الْقَبْضَ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ فِي الْهِبَةِ

اور ہبہ کے تبرع ہونے کو باطل نہیں کرتا ہے اشتراک، جیسے قرض اور وصیت۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قبضہ منصوص علیہ ہے ہبہ میں،

فَيُشْتَرَطُ كَمَالُهُ وَالْمُشَاعُ لَا يَقْبَلُهُ إلَّا بِضَمِّ غَيْرِهِ إلَيْهِ ، وَذَلِكَ غَيْرُ مَوْهُوبٍ ، وَلِأَنَّ

پس شرط ہوگا اس کا کامل ہونا، اور مشترک قبول نہیں کرتا ہے کمال قبضہ کو مگر ملانے سے غیر موہوب کو موہوب کے ساتھ، اور اس لیے کہ

فِي تَجْوِيزِهِ إلْزَامَهُ شَيْئًا لَمْ يَلْتَزِمْهُ وَهُوَ الْقِسْمَةُ ، {9} وَلِهَذَا امْتَنَعَ

ہبہ مشاع کو جائز قرار دینے میں واہب پر لازم کرنا ہے ایسی شیٔ کو جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے، اور وہ تقسیم کرنا ہے، اسی طرح ممتنع ہے

جَوَازُهُ قَبْلَ الْقَبْضِ لِئَلَّا يَلْزَمَهُ التَّسْلِيمُ ، بِخِلَافِ مَا لَا يُقْسَمُ ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ الْقَاصِرَ هُوَ الْمُمْكِنُ

اس کا جواز قبضہ سے پہلے تاکہ لازم نہ ہو اس کے ذمہ سپرد کرنا، برخلاف اس چیز کے جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو؛ کیونکہ قاصر قبضہ ہی ممکن ہے،

فَيُكْتَفَى بِهِ ؛ وَلِأَنَّهُ لَا تَلْزَمُهُ مُؤْنَةُ الْقِسْمَةِ .{10} وَالْمُهَايَأَةُ تَلْزَمُهُ فِيمَا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ

پس اکتفاء کیا جائے گا اسی پر، اور اس لیے کہ لازم نہیں آتا اس کے ذمہ تقسیم کا بوجھ، اور باری لازم آتی ہے اس کو ایسی چیز میں جس کے ساتھ اس نے تبرع نہیں کیا ہے،

وَهُوَ الْمَنْفَعَةُ ، وَالْهِبَةُ لَاقَتْ الْعَيْنَ {11} وَالْوَصِيَّةُ لَيْسَ مِنْ شَرْطِهَا الْقَبْضُ، وَكَذَا الْبَيْعُ الصَّحِيحُ، وَأَمَّا الْبَيْعُ الْفَاسِدُ وَالصَّرْفُ

اور وہ منفعت ہے، اور ہبہ ملاقی ہوا ہے عین کے ساتھ۔ اور وصیت کی شرط قبضہ ہونا نہیں ہے، اور اسی طرح بیع صحیح، رہی بیع فاسد، بیع صرف

وَالسَّلَمُ فَالْقَبْضُ فِيهَا غَيْرُ مَنْصُوصٍ عَلَيْهِ، وَلِأَنَّهَا عُقُودُ ضَمَانٍ فَتُنَاسِبُ لُزُومَ مُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ ، {12} وَالْقَرْضُ تَبَرُّعٌ

اور سلم تو قبضہ ان میں منصوص علیہ نہیں، اور اس لیے کہ یہ عقودِ ضمان ہیں، پس مناسب ہے تقسیم کا خرچہ لازم آنا، اور قرض تبرع ہے

مِنْ وَجْهٍ وَعَقْدُ ضَمَانٍ مِنْ وَجْهٍ ، فَشَرَطْنَا الْقَبْضَ الْقَاصِرَ فِيهِ دُونَ الْقِسْمَةِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ ، عَلَى أَنَّ

من وجہ، اور عقدِ ضمان ہے من وجہ، پس ہم نے شرط کر لیا قاصر قبضہ نہ کہ تقسیم؛ عمل کرتے ہوئے دونوں شبہوں پر، علاوہ ازیں

الْقَبْضَ غَيْرُ مَنْصُوصٍ عَلَيْهِ فِيهِ .وَلَوْ وَهَبَ مِنْ شَرِيكِهِ لَا يَجُوزُ ؛ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى نَفْسِ الشُّيُوعِ .

قبضہ منصوص علیہ نہیں ہے اس میں۔ اور اگر ہبہ کیا اپنے شریک کو، تو جائز نہیں؛ کیونکہ حکم کا مدار نفسِ شیوع پر ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ " میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا" تو یہ ہبہ ہے ؛ کیونکہ اس سے مالک کرنا مراد ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارہ کے بارے میں فرمایا ﴿أَوْ كِسْوَتُهُمْ[1]﴾ (یا دس فقیروں کو لباس دیا جائے) اور محاورہ میں کہتے ہیں کہ "امیر نے فلاں شخص کو کپڑا پہنایا" یعنی اس کا مالک کر دیا؛ کیونکہ امیر حقیقت میں اس کے بدن پر کپڑا نہیں پہناتا ہے اور نہ اس کے حکم سے اس وقت کوئی شخص اس کو کپڑا نہیں پہناتا ہے بلکہ فقط یہ لباس اس کی ملک کر دیا جاتا ہے مگر محاورہ میں اس کو یوں کہتے ہیں کہ کپڑا پہنایا تو معلوم ہوا کہ کپڑا پہنانا بمعنی مالک کرنا اور ہبہ کرنا ہوتا ہے لہٰذا جب کہا کہ میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا تو یہ ہبہ ہے۔

{2} اور اگر کہا کہ "میں نے تجھے یہ باندی منحہ دی" تو یہ عاریت ہے ؛ دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے سابق میں روایت کی یعنی حضور ﷺ کا ارشاد "اَلمنحةُ مَردُودَةٌ" (عاریت واپس کر دینا واجب ہے) ۔ اور اگر عربی زبان میں کہا کہ "دَارِي لَكَ هِبَةً سُكْنَى" (میرا مکان تیرے لیے ہبہ سکنیٰ ہے) یا کہا کہ "دَارِي لَكَ سُكْنَى هِبَةً" (میرا گھر تیرے لیے سکنیٰ ہبہ ہے) یعنی منفعتِ سکونت کو پہلے یا بعد میں ملا دیا تو یہ ہبہ نہیں بلکہ عاریت ہے ؛ کیونکہ منفعت کے مالک کرنے میں عاریت قطعی ہے جبکہ ہبہ میں دو احتمال ہیں کہ شاید منفعت کا مالک کیا ہے یا عین شئی کا مالک کیا ہے تو احتمالی کو قطعی پر محمول کیا جائے گا کہ ہبہ نہیں ہے عاریت ہے۔

{3} اسی طرح اگر اس نے کہا کہ "میرا یہ گھر تیرے لیے عُمری سکنیٰ ہے" یا کہا "میرا یہ گھر تیرے لیے نحلیٰ سکنیٰ ہے" یا کہا "میرا یہ گھر تیرے لیے صدقۃ عاریہ ہے" یا کہا "میرا یہ گھر تیرے لیے عاریت ہبہ ہے" تو مذکورہ بالا وجہ کی بنا پر ان سب صورتوں میں عاریت ہے یعنی منفعت کے مالک کرنے میں عاریت قطعی ہے جبکہ ہبہ میں دو احتمال ہیں کہ شاید منفعت کا مالک کیا ہے یا عین شئی کا مالک کیا ہے تو احتمالی کو قطعی پر محمول کیا جائے گا کہ ہبہ نہیں ہے عاریت ہے۔

[1] المائدۃ:89.

{4} اور اگر اس نے کہا کہ "میرا یہ گھر تیرے لیے ہبہ ہے کہ تو اس میں سکونت کرلو" تو یہ ہبہ ہے؛ کیونکہ یہ کہنا کہ "تو اس میں سکونت کرلو" بطور مشورہ ہے اور یہ اس ہبہ کی تفسیر نہیں ہے؛ کیونکہ فعل اسم کے لیے تفسیر نہیں بن سکتا ہے لہٰذا اس سے تملیک کا حکم متغیر نہ ہوگا اور یہ اصل مقصود پر تنبیہ ہے یعنی یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہبہ کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ تو اس میں اپنی سکونت اختیار کرلو لہٰذا تو اس کو ضائع مت کرو بلکہ اس میں اپنی سکونت رکھو۔ اس کے برخلاف اس کا یہ کہنا کہ "میرا یہ گھر تیرے لیے ہبہ سکنی ہے" کہ اس میں سکنی تفسیر ہے ہبہ کے لیے؛ کیونکہ اسم، اسم کے لیے تفسیر بن سکتا ہے لہٰذا اس سے ہبہ کا حکم متغیر ہو کر عاریت بن جائے گا۔

{5} اس چیز میں ہبہ جائز نہیں ہے جو قابلِ تقسیم ہو مگر یہ کہ وہ واہب کے املاک اور حقوق سے فارغ ہو اور مقسوم ہو مشاع نہ ہو یعنی دوسرے کی ملک کے ساتھ مختلط نہ ہو۔ اور وہ چیز جو قابلِ تقسیم نہ ہو اس میں غیر مقسوم (یعنی مشاع) کا ہبہ بھی جائز ہے۔

فائدہ۔ واضح رہے کہ: جو چیز قابلِ تقسیم ہو اس میں ہبہ جائز نہ ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے اگرچہ ہبہ جائز ہو جاتا ہے پس اس میں ملکیت جب ہی ثابت ہوگی کہ وہ محوزہ ہو یعنی واہب کا کوئی تعلق اس کے ساتھ باقی نہ رہے، اور تقسیم کے ذریعہ الگ کی جائے، پس اگر اس نے مکان یا زمین قابلِ تقسیم میں سے نصف حصہ کو ہبہ کیا تو ہبہ منعقد ہو گیا مگر موہوب لہ کے لیے ملکیت ثابت نہ ہوگی، پھر اگر نصف حصہ تقسیم کرکے سپرد کر دیا تو ہبہ پورا ہو جائے گا۔

{6} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موہوب چیز خواہ قابلِ تقسیم ہو یا قابلِ تقسیم نہ ہو دونوں صورتوں میں موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ ہبہ ایک عقدِ تملیک ہے اور عقدِ تملیک مشترک وغیر مشترک دونوں طرح کی چیزوں میں صحیح ہے جیسے بیع اپنے تمام اقسام کے ساتھ صحیح ہے یعنی خواہ غیر مقسوم کو فروخت کرے یا مقسوم کو فروخت کرے دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے۔ اور مشاع میں ہبہ کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غیر مقسوم بھی حکمِ ہبہ کو قبول کرتا ہے اور حکمِ ہبہ ملکیت ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز حکمِ عقد کا قابل ہو وہ اس عقد کے لیے محل ہو سکتی ہے تو مشاع (غیر مقسوم چیز) بھی ہبہ کا محل ہوا اس لیے مشاع کا ہبہ صحیح ہے۔

{7} سوال یہ ہے کہ عقدِ ہبہ عقدِ تبرع ہے پس اگر اس کو ہم مشاع میں جائز قرار دیں تو اس کے ضمن میں اس کی تقسیم کا ضمان واہب پر لازم آئے گا حالانکہ واہب نے اس ضمان کا تبرع نہیں کیا ہے پس واہب پر ایسی چیز لازم آئے گی جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے اور بلا التزام کسی شی کا لازم ہو جانا باطل ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہبہ کا تبرع ہونا ایسی بات ہے کہ اس کو شرکت باطل نہیں کرتی ہے جیسے قرض اور وصیت میں ہے، چنانچہ اگر کسی نے دوسرے شخص کو ہزار درہم اس شرط پر دیئے کہ نصف تجھ پر قرض ہیں اور نصف بضاعت ہیں تو یہ قرضِ مشاع جائز ہے، اور تقسیم شرط ہونے کے بغیر قرض میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور یہی صورت وصیت میں بھی

ہے مثلاً دو شخصوں کے لیے ہزار درہم کی وصیت کی پس جیسے قرض اور وصیت ایک عقدِ تبرع ہے اور ان کے مشاع ہونے سے ملکیت میں نقصان نہیں آتا اسی طرح ہبہ بھی عقدِ تبرع ہے اور مشاع ہونا اس کو باطل نہیں کرتا ہے۔

{8} ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ کا ہونا نص سے ثابت ہے یعنی ابراہیم نخعیؒ کے قول "لَاتَجُوْزُ الْهِبَةُ حَتّٰی تَقْبِضَ" سے ہبہ میں قبضہ کا ہونا شرط ہے لہٰذا اس میں کامل قبضہ کی رعایت شرط ہوگی اور جو چیز مشاع (غیر مقسوم) ہو وہ پورے قبضہ کو قبول نہیں کرتی مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسری چیز ملائی جائے حالانکہ جو چیز ملائی جاتی ہے وہ موہوب نہیں ہے لہٰذا مشاع چیز کا قبضہ ناقص ہے؛ کیونکہ ہر ایک جزء میں وہ حصہ بھی ہے جس کا قبضہ واجب ہے اور وہ بھی ہے جس کا قبضہ جائز نہیں ہے اس لیے یہ من وجہ مقبوض اور من وجہ غیر مقبوض ہے ظاہر ہے کہ اس طرح کامل قبضہ کی رعایت نہ ہوگی لہٰذا مشاع چیز کا ہبہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشاع کا ہبہ جائز قرار دینے میں واہب کے ذمہ ایسا امر لازم آتا ہے جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے اور وہ امر موہوب چیز کو تقسیم کرنا ہے جو مشاع کو ہبہ کرنے سے اس کے ذمہ لازم آتا ہے جس میں واہب کا ضرر ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

{9} یہی وجہ ہے کہ قبضہ سے پہلے ہبہ کے جائز ہونے (نافذ ہونے) کو منع کیا ہے تاکہ واہب کے ذمہ سپرد کرنا لازم نہ آئے؛ کیونکہ سپردگی تقسیم کا خرچہ برداشت کیے بغیر نہیں ہوسکتی ہے جس کا واہب نے اپنے اوپر التزام نہیں کیا ہے۔ باقی ایسی چیز جو قابلِ تقسیم نہ ہو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں تقسیم شرط نہیں ہے اس لیے کہ اس میں تو ناقص قبضہ (بلا تقسیم قبضہ) ہی ممکن ہے پس اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں واہب کے ذمہ تقسیم کا خرچہ لازم نہیں آتا ہے اس لیے اس کا ہبہ جائز ہے۔

{10} سوال یہ ہے کہ ناقابلِ تقسیم مشاع چیز ہبہ کرنے میں تو باری باری سے نفع اٹھانا لازم آئے گا جس کا واہب نے التزام نہیں کیا ہے پھر بھی یہ جائز ہے تو قابلِ تقسیم چیز میں مؤنتِ تقسیم لازم آنے کی صورت بھی جائز ہونی چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ باری باری سے نفع اٹھانا ایسی چیز میں لازم آتا ہے جس کا اس نے تبرع نہیں کیا ہے اور وہ منفعت ہے یعنی منفعت کا تو اس نے تبرع نہیں کیا ہے بلکہ اس نے تو عینِ چیز کا تبرع کیا ہے مثلاً اس نے تو غلام کا تبرع کیا ہے اور باری باری سے نفع اٹھانا تو اس غلام کی منفعت کے ساتھ لازم ہے جس میں تبرع نہیں ہے خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز میں باری باری سے نفع اٹھانا لازم آیا ہے وہ ہبہ نہیں ہے اور جو ہبہ ہے اس میں باری باری سے نفع اٹھانا لازم نہیں آیا۔

{11} باقی وصیت پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قبضہ ہونا وصیت کی شرط نہیں ہے حالانکہ شیوع اس چیز میں مانع ہے جس میں قبضہ شرط ہو؛ کیونکہ مشاع چیز کا قبضہ نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا اس کو وصیت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اسی طرح بیع کے اقسام پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بیع صحیح، بیع فاسد، بیع صرف اور بیع سلم میں سے کسی میں قبضہ شرط نہیں؛ کیونکہ ان میں قبضہ شرط ہونے کے بارے میں نص وارد نہیں ہے، البتہ بیع صرف اور سلم کی بقاء کے لیے بے شک قبضہ شرط ہے مگر ابتداء کے لیے شرط نہیں ہے اس لیے ہبہ کو ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اقسام بیع ضمانتی عقود ہیں کہ عاقدین میں سے ہر ایک کو عوض اور نفع حاصل ہوتا ہے محض تبرع نہیں ہیں پس تقسیم کا خرچہ ان میں لازم آنا مناسب ہے اس لیے مشاع چیز میں بیع جائز ہے جبکہ ہبہ محض تبرع ہے لہٰذا اس میں تقسیم کا خرچہ لازم آنا درست نہیں ہے پس اس فرق کی وجہ سے ہبہ کو بیع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{12} اور قرضہ کا یہ حال ہے کہ وہ من وجہ تبرع ہے حتی کہ قرض دینا لازم نہیں ہوتا ہے اور من وجہ وہ عقدِ ضمان ہے یعنی قرضخواہ نے جو کچھ قرضدار کو دیا اس سے اس کا مثل ضمان لے گا تو قرضہ میں ہم نے تقسیم کو شرط نہیں کیا بلکہ ناقص قبضہ کو شرط کیا تاکہ دونوں جہت (تبرع اور ضمان کی جہت) پر عمل ہو جائے، علاوہ اس کے قرض میں قبضہ منصوص علیہ نہیں ہے تو اس میں کامل قبضہ کی شرط بھی نہیں ہو گی۔

اور اگر قابلِ تقسیم چیز دو شخصوں میں مشترک ہو پس ایک نے اپنا غیر مقسوم حصہ اپنے شریک کو ہبہ کیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ قابلِ تقسیم چیز میں حکم کا مدار نفسِ شیوع پر ہے کہ شائع اور غیر مقسوم چیز کا ہبہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مشاع جزء میں قبضہ تام نہیں ہوتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ صورت میں ہبہ جائز ہے اور یہی مختار ہے لما فی الدر المختار: وَقِيلَ : يَجُوزُ لِشَرِيكِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار: 570/4)

### زندگی میں جائیداد ہبہ کرنا:

بعض لوگ اپنی زندگی میں مکان یا دیگر کوئی جائیداد ورثاء کو ہبہ کرنا چاہتے ہیں، اس بارے میں عموماً دو طرح کی غلطیاں ہوتی ہیں (1) مشترک چیز ہبہ کر دیتے ہیں، مثلاً مکان میں نے اپنے دونوں بڑے بیٹوں کو دیدیا، جبکہ شرعاً مشترک چیز کا ہبہ جائز نہیں، جب تک تقسیم کر کے دونوں کو اپنے اپنے حصے کا مالک نہ بنادے، ہبہ تام نہ ہو گا، اسی حالت میں باپ کا انتقال ہو جائے تو یہ مکان ترکہ میں داخل ہو کر تمام ورثاء میں تقسیم ہو گا۔ (2) ہبہ میں موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے کہ بعض کہہ دیتے ہیں بلکہ اسٹامپ میں لکھ دیتے ہیں کہ میں نے یہ مکان، دکان فلاں بیٹے کو دیدیا، اس کے بعد تاحیات اسی مکان میں رہائش پذیر رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بیٹے کو دیدیا اور بیٹا مالک بن گیا، حالانکہ مکان باپ کے سامان کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے بیٹے کا قبضہ تام نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے

ہبہ تام نہیں ہوا، صحیح طریقہ اس کا یہ ہے کہ آپ اپنا سامان نکال کر مکان خالی کر کے بیٹے کے حوالے کریں یا یہ کہ مع سامان کے مکان ہبہ کریں (جدید معاملات کے شرعی احکام: 2/80)

{1}قَالَ : وَمَنْ وَهَبَ شِقْصًا مُشَاعًا فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ ؛ لِمَا ذَكَرْنَا ، فَإِنْ قَسَمَهُ وَسَلَّمَهُ

فرمایا: اور جس نے ہبہ کیا ایک ٹکڑا غیر منقسم، تو ہبہ فاسد ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، پھر اگر اس کو تقسیم کیا اور سپرد کیا

جَازَ ؛ لِأَنَّ تَمَامَهُ بِالْقَبْضِ وَعِنْدَهُ لَا شُيُوعَ {2}قَالَ: وَلَوْ وَهَبَ دَقِيقًا فِي حِنْطَةٍ أَوْ دُهْنًا فِي سِمْسِمٍ فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ

تو جائز ہے؛ کیونکہ ہبہ کا پورا قبضہ سے ہوتا ہے، اور قبضہ کے وقت شیوع نہیں ہے۔ فرمایا: اور اگر ہبہ کیا آٹا گندم میں یا تیل تلوں میں، تو ہبہ فاسد ہے،

فَإِنْ طَحَنَ وَسَلَّمَ لَمْ يَجُزْ ، وَكَذَا السَّمْنُ فِي اللَّبَنِ ؛ لِأَنَّ الْمَوْهُوبَ مَعْدُومٌ ، وَلِهَذَا لَوِ اسْتَخْرَجَهُ الْغَاصِبُ

پھر اگر پیس دیا اور سپرد کیا آٹا، تو جائز نہیں اور اسی طرح گھی دودھ میں ہے؛ کیونکہ موہوب معدوم ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر نکال لے غاصب

يَمْلِكُهُ ، وَالْمَعْدُومُ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لِلْمِلْكِ فَوَقَعَ الْعَقْدُ بَاطِلًا ، فَلَا يَنْعَقِدُ إِلَّا بِالتَّجْدِيدِ ،{3}بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ؛

تو وہ مالک ہو جاتا ہے اس کا، اور معدوم نہیں ہے ملک کے لیے محل، پس عقد باطل واقع ہوا، پس منعقد نہ ہو گا مگر تجدید سے، بر خلاف سابق کے؛

لِأَنَّ الْمُشَاعَ مَحَلٌّ لِلتَّمْلِيكِ{4}وَهِبَةُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ وَالصُّوفِ عَلَى ظَهْرِ الْغَنَمِ وَالزَّرْعِ وَالنَّخْلِ فِي الْأَرْضِ

کیونکہ مشاع محل ہے مالک کرنے کا، اور دودھ کا ہبہ تھنوں میں، اور اون کا بکری کی پشت پر، اور کھیتی اور درخت کا زمین میں،

وَالتَّمْرِ فِي النَّخِيلِ بِمَنْزِلَةِ الْمُشَاعِ ؛ لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْجَوَازِ لِلِاتِّصَالِ وَذَلِكَ يَمْنَعُ الْقَبْضَ كَالشَّائِعِ .{5}قَالَ:

اور کھجور کا درخت کھجور پر بمنزلہ مشاع کے ہے؛ کیونکہ امتناع جواز اتصال کی وجہ سے ہے، اور یہ مانع ہے قبضہ سے مشاع کی طرح۔ فرمایا:

وَإِذَا كَانَتِ الْعَيْنُ فِي يَدِ الْمَوْهُوبِ لَهُ مَلَكَهَا بِالْهِبَةِ وَإِنْ لَمْ يُجَدِّدْ فِيهَا قَبْضًا ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ فِي قَبْضِهِ

اور اگر ہو عین موہوب لہ کے قبضہ میں، تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اگرچہ تجدید نہ کرے اس میں قبضہ کی؛ کیونکہ عین اس کے قبضہ میں ہے

وَالْقَبْضُ هُوَ الشَّرْطُ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَهُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ فِي الْبَيْعِ مَضْمُونٌ فَلَا يَنُوبُ عَنْهُ

اور قبضہ ہی شرط ہے، بر خلاف اس کے کہ فروخت کر دے اس کو قابض کے ہاتھ؛ کیونکہ قبضہ بیع میں مضمون ہے؛ پس قائم مقام نہ ہو گا اس کا

قَبْضُ الْأَمَانَةِ، أَمَّا قَبْضُ الْهِبَةِ فَغَيْرُ مَضْمُونٍ فَيَنُوبُ عَنْهُ{6}قَالَ : وَإِذَا وَهَبَ الْأَبُ لِابْنِهِ الصَّغِيرِ هِبَةً مَلَكَهَا

امانت قبضہ، رہا ہبہ کا قبضہ تو وہ مضمون نہیں، پس قائم مقام ہو جائے گا اس کا۔ اور اگر ہبہ کیا باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کو، تو اس کا مالک ہو جائے گا

الِابْنُ بِالْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ فِي قَبْضِ الْأَبِ فَيَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الْهِبَةِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ

بیٹا عقد سے؛ کیونکہ موہوب باپ کے قبضہ میں ہے، پس قائم مقام ہو گا ہبہ کے قبضہ کا، اور کوئی فرق نہیں اس میں کہ باپ کے قبضہ میں ہو

أَوْ فِي يَدِ مُودَعِهِ ؛ لِأَنَّ يَدَهُ كَيَدِهِ ،{7}بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ مَرْهُونًا أَوْ مَغْصُوبًا أَوْ مَبِيعًا بَيْعًا فَاسِدًا ؛
یا اس کے مودَع کے قبضہ میں ہو؛کیونکہ مودَع کا قبضہ باپ کے قبضہ کی طرح ہے، بر خلاف اس کے جب ہو مرہون یا مغصوب یا بیع فاسد کی مبیع

لِأَنَّهُ فِي يَدِ غَيْرِهِ أَوْ فِي مِلْكِ غَيْرِهِ ، وَالصَّدَقَةُ فِي هَذَا مِثْلُ الْهِبَةِ ،{8}وَكَذَا إذَا وَهَبَتْ
کیونکہ وہ باپ کے علاوہ کے ہاتھ میں ہے یا باپ کے علاوہ کی مِلک میں ہے، اور صدقہ ان میں ہبہ کی طرح ہے۔ اور اسی طرح جب ہبہ کرے

لَهُ أُمُّهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهَا وَالْأَبُ مَيِّتٌ وَلَا وَصِيَّ لَهُ ، وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ يَعُولُهُ .
اس کو اس کی ماں حالانکہ وہ ماں کے عیال میں ہے، اور باپ مر چکا، اور کوئی وصی نہیں اس کا، اور اسی طرح ہر وہ شخص جو اس کی عیالداری کرتا ہو،

وَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَجْنَبِيٌّ هِبَةً تَمَّتْ بِقَبْضِ الْأَبِ ؛ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ عَلَيْهِ الدَّائِرَ بَيْنَ النَّافِعِ وَالضَّائِرِ
اور اگر ہبہ کیا اس کو کسی اجنبی نے، تو تام ہو گا باپ کے قبضہ سے؛کیونکہ جب باپ مالک ہے بچے کے حق میں مفید اور مضر کے درمیان دائر چیز کا،

فَأَوْلَى أَنْ يَمْلِكَ الْمَنَافِعَ .{9}قَالَ : وَإِذَا وَهَبَ لِلْيَتِيمِ هِبَةً فَقَبَضَهَا لَهُ وَلِيُّهُ وَهُوَ وَصِيُّ الْأَبِ
تو بطریقِ اولیٰ مالک ہو گا نافع چیز کا۔ اور اگر ہبہ کی گئی یتیم کے لیے کوئی چیز، پس قبضہ کیا اس کو یتیم کے لیے اس کے ولی نے اور وہ باپ کا وصی

أَوْ جَدُّ الْيَتِيمِ أَوْ وَصِيُّهُ جَازَ ؛ لِأَنَّ لِهَؤُلَاءِ وِلَايَةً عَلَيْهِ لِقِيَامِهِمْ مَقَامَ الْأَبِ ، وَإِنْ كَانَ فِي حِجْرِ أُمِّهِ
یا یتیم کا دادا یا دادا کا وصی ہے، تو جائز ہے؛کیونکہ ان کو ولایت حاصل ہے بچہ پر؛باپ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے، اور اگر بچہ ماں کی پرورش میں ہو

فَقَبْضُهَا لَهُ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ لَهَا الْوِلَايَةَ فِيمَا يَرْجِعُ إلَى حِفْظِهِ
تو ماں کا قبضہ کرنا یتیم کے لیے جائز ہے ؛کیونکہ ماں کو ولایت حاصل ہے ان امور میں جو راجع ہیں بچے کی حفاظت

وَحِفْظِ مَالِهِ .وَهَذَا مِنْ بَابِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى إلَّا بِالْمَالِ فَلَا بُدَّ مِنْ وِلَايَةِ التَّحْصِيلِ
اور اس کے مال کی حفاظت کی طرف اور قبضِ ہبہ حفاظت کے باب سے ہے؛کیونکہ وہ باقی نہیں رہ سکتا ہے مال کے بغیر، پس ضروری ہے ولایت حاصل کرنا

{10} وَكَذَا إذَا كَانَ فِي حِجْرِ أَجْنَبِيٍّ يُرَبِّيهِ ؛ لِأَنَّ لَهُ عَلَيْهِ يَدًا مُعْتَبَرَةً .أَلَا تَرَى
اور اسی طرح اگر ہو وہ اجنبی کی گود میں وہ اس کی پرورش کر رہا ہو؛کیونکہ اس اجنبی کو اس یتیم پر معتبر ولایت حاصل ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو،

أَنَّهُ لَا يَتَمَكَّنُ أَجْنَبِيٌّ آخَرُ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنْ يَدِهِ فَيَمْلِكُ مَا يَتَمَحَّضُ نَفْعًا فِي حَقِّهِ
کہ قدرت نہیں دوسرے اجنبی کو کہ نکال لے اس یتیم کو اس اجنبی کے ہاتھ سے، پس وہ مالک ہو گا اس چیز کا جو خالص نفع ہو اس کے حق میں۔

تشریح:۔{1} اگر کسی نے ایک حصہ غیر مقسوم ہبہ کیا تو یہ ہبہ فاسد ہے؛ دلیل وہی ہے جو اوپر گذر چکی کہ قابلِ تقسیم چیز کا ہبہ تقسیم کے بغیر جائز نہیں ہے۔ پھر اگر اس کو تقسیم کر کے سپرد کر دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ مانع نہیں رہا اس لیے کہ ہبہ کا پورا ہونا قبضہ سے ہوتا ہے اور قبضہ کے وقت کوئی شرکت نہیں ہے تو گویا غیر مشترک چیز کو ہبہ کیا اس لیے یہ جائز ہے۔

{2} اگر آٹا گندم میں ہبہ کیا یا تلوں میں موجود تیل کو ہبہ کیا تو یہ ہبہ فاسد ہے، پھر اگر گندم پیس کر آٹا نکال دیا یا تلوں سے تیل کو نکال دیا تو بھی ہبہ جائز نہ ہوگا، اسی طرح اگر دودھ کے اندر جو گھی ہے وہ ہبہ کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ جس چیز کو ہبہ کیا وہ معدوم ہے فی الحال موجود نہیں ہے پیسنے اور نچوڑنے کے بعد موجود ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے گندم غصب کر کے آٹا نکال دیا، یا تل غصب کر کے تیل نکال دیا، یا دودھ غصب کر کے گھی نکال لیا تو غاصب مغصوب چیز کا ضامن ہو کر اس سے نکالی گئی چیز کا مالک ہو جاتا ہے؛ کیونکہ غصب کے وقت نکالی گئی چیز معدوم تھی اس لیے اس پر غصب کی تعریف صادق نہیں، بہر حال غصب کے وقت آٹا وغیرہ معدوم ہیں اور جو چیز معدوم ہو وہ ملکیت کا محل نہیں ہوتی ہے تو یہ عقدِ ہبہ باطل ٹھہرا، اور اگر اس نے ان چیزوں کو نکال دیا تو بھی ہبہ منعقد نہ ہوگا جب تک کہ جدید ہبہ نہ کرے۔

{3} برخلافِ سابقہ مسئلہ کے یعنی مشاع چیز کے ہبہ کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہ جدید ہبہ کا محتاج نہیں ہے لہذا اس کا ہبہ منعقد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ جو چیز مشاع ہو وہ موجود ہوتی ہے لہذا وہ تملیک کا محل ہے پس جب اس کو الگ کر لے اور موہوب لہ کو سپرد کر دے تو ہبہ جائز ہو جاتا ہے۔

{4} تھنوں میں دودھ کا ہبہ کرنا اور بکری کی پیٹھ پر اون کا ہبہ کرنا اور زمین میں لگی ہوئی کھیتی یا درخت کا ہبہ کرنا اور کھجور وغیرہ میں لگے ہوئے پھل کا ہبہ کرنا مشاع چیز کو ہبہ کرنے کی طرح ہے یعنی اگر ان چیزوں کو الگ کر کے سپرد کر دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ چیزیں معدوم نہیں ہیں بلکہ موہوب چیز غیر موہوب چیز کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے ان کا ہبہ جائز نہیں ہے اور اتصال فقط قبضہ کے لیے مانع ہے پس اگر ان کو الگ کر کے سپرد کر دیا تو مشاع چیز کی طرح ان کا ہبہ جائز ہو جائے گا۔

{5} اگر وہ مالِ عین جس کو واہب نے ہبہ کیا ہے پہلے سے موہوب لہ کے قبضہ میں تھا تو ہبہ ہوتے ہی موہوب لہ اس کا مالک ہو جائے گا اگرچہ اس پر جدید قبضہ نہ کرے؛ کیونکہ عینِ موہوب اس کے قبضہ میں موجود ہے اور قبضہ ہی ملکیتِ ہبہ کے لیے شرط تھا لہذا ہبہ پورا ہو گیا۔ اس کے برخلاف اگر مالک نے یہ چیز قابض شخص کے ہاتھ فروخت کر دی تو جدید قبضہ کے بغیر امین قابض اس پر قابض شمار نہ ہوگا؛ کیونکہ بیع کا قبضہ ضمانتی ہوتا ہے تو امانتی قبضہ اس کا نائب نہیں ہو سکے گا؛ کیونکہ امانتی قبضہ ضمانتی قبضہ سے ادنیٰ

ہے امانت والی اصل کا نائب نہیں ہو سکتا ہے، اور ہبہ کا قبضہ چونکہ ضمانتی نہیں ہوتا ہے لہٰذا امانتی قبضہ اس کا نائب ہو سکے گا اس لیے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔

{6} اگر باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تو عقدِ ہبہ کرتے ہی بیٹا اس کا مالک ہو جائے گا قبضہ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ بچے کی جانب سے اس کا باپ قبضہ کرتا ہے اور یہاں موہوب چیز باپ کے قبضہ میں موجود ہے پس موجودہ قبضہ ہبہ کے قبضہ کا نائب ہو جائے گا خواہ یہ چیز حقیقۃً باپ کے قبضہ میں ہو یا باپ نے کسی کے پاس ودیعت رکھی ہو دونوں صورتوں میں ہبہ پورا ہو جائے گا؛ کیونکہ مستودع کا قبضہ باپ کے قبضہ کی طرح ہے اس لیے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔

{7} اس کے برخلاف اگر باپ نے وہ چیز کسی کے پاس رہن رکھی ہو یا اس کو کسی نے غصب کر لیا ہو یا باپ نے بطور بیع فاسد فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دی ہو تو ان صورتوں میں فقط ہبہ سے قبضہ نہ ہو گا؛ کیونکہ وہ چیز اول دو صورتوں میں باپ کے علاوہ دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے اور تیسری صورت (بیع فاسد کی صورت) میں دوسرے کی ملک میں ہے اس لیے ان صورتوں میں جدید قبضہ کی ضرورت ہے۔ اور صدقہ کا حکم ان سب صورتوں میں ہبہ کی طرح ہے یعنی اگر باپ نے کوئی چیز اپنے نابالغ بچے کو بطور صدقہ دی تو فقط صدقہ سے بچہ اس کا مالک ہو جائے گا خواہ وہ چیز باپ کے قبضہ میں ہو یا اس کے مستودع کے پاس ہو، اس کے برخلاف اگر وہ چیز مرہون یا مغصوب ہو یا خرید فاسد کے ساتھ مشتری کے قبضہ میں ہو تو فقط صدقہ سے قبضہ حاصل نہ ہو گا۔

{8} اسی طرح اگر بچے کو اس کی ماں نے کوئی چیز ہبہ کی حالانکہ یہ بچہ اپنی ماں کے عیال میں ہے اور باپ مر گیا اور باپ کا کوئی وصی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی مذکورہ بالا حکم ہے کہ ہبہ کرتے ہی بیٹا مالک ہو جائے گا جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص اس بچے کی عیالداری کرتا ہو یعنی اپنے ساتھ بسا رہا ہو اور اس کا خرچہ برداشت کرتا ہو تو اس کا بھی مذکورہ بالا حکم ہے۔ اور اگر کسی اجنبی شخص نے نابالغ بچے کو ہبہ دیا تو اس کے باپ کے قبضہ کرنے سے ہبہ پورا ہو جائے گا؛ کیونکہ باپ کو جب بچے پر ایسے امر کی ولایت حاصل ہے جس میں بچے کے حق میں نفع و ضرر دونوں کا احتمال ہے تو جس امر میں محض نفع ہے جیسے ہبہ تو اس کا اختیار اور ولایت بدرجہ اولیٰ حاصل رہے گی اس لیے باپ کے قبضہ سے ہبہ پورا ہو جاتا ہے۔

{9} اگر نابالغ یتیم کو کوئی چیز ہبہ کی گئی پس یتیم کے لیے اس کے ولی نے موہوب چیز پر قبضہ کیا اور ولی اس کے باپ کا وصی یا جد یا دادا ہے یا دادا کا وصی ہے تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ ان لوگوں کو یتیم پر ولایت حاصل ہے؛ کیونکہ یہ لوگ اس کے باپ کے قائم مقام ہیں۔ اور اگر مذکورہ یتیم اپنی ماں کی پرورش میں ہو تو یتیم کے لیے اس کی ماں کا قبضہ کرنا جائز ہے؛ کیونکہ جو امور اس یتیم کی ذاتی حفاظت

یا مالی حفاظت کی جانب راجع ہوں ان میں اس کی ماں کو ولایت حاصل ہوتی ہے اور اس لیے کہ ہبہ پر قبضہ کرنا بھی حفاظت کے قبیل سے ہے؛ کیونکہ مال کے بغیر عادۃً یتیم باقی نہیں رہ سکتا ہے لہذا یتیم کے لیے موہوب چیز پر ماں کو قبضہ کرنے کی ولایت حاصل ہوگی۔

{10} اسی طرح اگر یتیم کسی اجنبی کی گود میں پرورش پاتا ہو اور وہ اس کی تربیت کرتا ہو تو اس اجنبی کا قبضہ بھی جائز ہے ؛ کیونکہ اس اجنبی کو بھی یتیم پر ولایت معتبرہ حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ کسی دوسرے اجنبی کو یہ اختیار نہیں کہ اس یتیم کو اس کے قبضہ سے نکال لے، لہذا اس اجنبی کو ہر ایسی چیز کا اختیار ہوگا جو یتیم کے حق میں محض نافع ہے اور ہبہ ایسی ہی چیز ہے اس لیے اس پر اجنبی کا قبضہ جائز ہے۔

{1} وَإِنْ قَبَضَ الصَّبِيُّ الْهِبَةَ بِنَفْسِهِ جَازَ مَعْنَاهُ إذَا كَانَ عَاقِلًا ؛ لِأَنَّهُ نَافِعٌ فِي حَقِّهِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِهِ
اور اگر قبضہ کیا بچے نے ہبہ کو بذاتِ خود، تو جائز ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عاقل ہو؛ کیونکہ ہبہ کا قبضہ نافع ہے اس کے حق میں، اور وہ اہل ہے قبضہ کا۔

{2} وَفِيمَا وُهِبَ لِلصَّغِيرَةِ يَجُوزُ قَبْضُ زَوْجِهَا لَهَا بَعْدَ الزِّفَافِ ؛ لِتَفْوِيضِ الْأَبِ أُمُورَهَا إلَيْهِ دَلَالَةً ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الزِّفَافِ {3} وَيَمْلِكُهُ مَعَ حَضْرَةِ الْأَبِ ، بِخِلَافِ الْأُمِّ وَكُلِّ مَنْ يَعُولُهَا غَيْرِهَا حَيْثُ لَا يَمْلِكُونَهُ إلَّا بَعْدَ مَوْتِ الْأَبِ أَوْ غَيْبَتِهِ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً فِي الصَّحِيحِ ؛ لِأَنَّ تَصَرُّفَ هَؤُلَاءِ لِلضَّرُورَةِ لَا بِتَفْوِيضِ الْأَبِ ، وَمَعَ حُضُورِهِ لَا ضَرُورَةَ.
اور اس چیز میں جو ہبہ کی گئی ہو نابالغہ کو جائز ہے اس کے شوہر کا قبضہ اس کے لیے زفاف کے بعد؛ بوجہ سپرد کرنے اس کے باپ کے اس کے امور شوہر کی طرف دلالۃً، برخلاف زفاف سے پہلے کے، اور شوہر اس کا مالک ہوتا ہے باپ کی موجودگی کے باوجود، برخلاف ماں کے اور ہر اس شخص کے جو اس کی عیالداری کرتا ہو ماں کے علاوہ کہ وہ مالک نہیں اس کے مگر باپ کی موت کے بعد یا اس کے غیبتِ منقطعہ کے ساتھ غائب ہونے کے بعد صحیح قول کے مطابق؛ کیونکہ تصرف ان لوگوں کا ضرورت کی وجہ سے ہے نہ کہ باپ کے سپرد کرنے کی وجہ سے، اور باپ کی موجودگی میں ضرورت نہیں۔

{4} قَالَ : وَإِذَا وَهَبَ اثْنَانِ مِنْ وَاحِدٍ دَارًا جَازَ ؛ لِأَنَّهُمَا سَلَّمَاهَا جُمْلَةً وَهُوَ قَدْ قَبَضَهَا جُمْلَةً فَلَا شُيُوعَ {5} وَإِنْ وَهَبَهَا وَاحِدٌ مِنْ اثْنَيْنِ لَا يَجُوزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا يَصِحُّ ؛ لِأَنَّ هَذِهِ هِبَةُ الْجُمْلَةِ مِنْهُمَا ، إذِ التَّمْلِيكُ وَاحِدٌ فَلَا يَتَحَقَّقُ الشُّيُوعُ كَمَا إذَا رَهَنَ مِنْ رَجُلَيْنِ .وَلَهُ أَنَّ هَذِهِ هِبَةُ النِّصْفِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ، وَلِهَذَا لَوْ كَانَتْ فِيمَا
فرمایا: اور اگر ہبہ کیا دو آدمیوں نے ایک شخص کو مکان، تو جائز ہے؛ کیونکہ ان دونوں نے سپرد کیا پورا مکان، اور موہوب لہ نے قبضہ کیا اس کو پورا پس شیوع نہیں ہے۔ اور اگر ایک مکان کو ہبہ کیا ایک شخص نے دو آدمیوں کو، تو جائز نہیں امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں صحیح ہے؛ کیونکہ یہ یکبارگی ہبہ ہے ان دونوں کو؛ اس لیے کہ تملیک ایک ہی ہے، پس متحقق نہ ہوگا شیوع جیسا کہ جب رہن رکھے

دو آدمیوں کے پاس ایک مکان۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ نصف کا ہبہ ہے ہر ایک کو دونوں میں سے، اسی لیے اگر ہو ہبہ ایسی چیز میں

لا يُقْسَمُ فَقَبِلَ أَحَدُهُمَا صَحَّ ، وَلِأَنَّ الْمِلْكَ يَثْبُتُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي النِّصْفِ

جو قابل تقسیم نہ ہو، پس قبول کی دونوں میں سے ایک نے، تو صحیح ہے، اور اس لیے کہ ملک ثابت ہوتی ہے ہر ایک کے لیے دونوں میں سے نصف میں،

فَيَكُونُ التَّمْلِيكُ كَذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ حُكْمُهُ ، وَعَلَى هَذَا الِاعْتِبَارِ يَتَحَقَّقُ الشُّيُوعُ {6} بِخِلَافِ الرَّهْنِ ؛ لِأَنَّ حُكْمَهُ الْحَبْسُ

پس مالک کرنا بھی اسی طرح ہے؛ کیونکہ ملک اس کا حکم ہے، اور اس اعتبار پر متحقق ہوتا ہے شیوع، برخلاف رہن کے؛ کیونکہ اس کا حکم حبس ہے،

وَيَثْبُتُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَامِلًا ، إذْ لَا تَضَايُفَ فِيهِ فَلَا شُيُوعَ وَلِهَذَا لَوْ قَضَى دَيْنَ أَحَدِهِمَا لَا يَسْتَرِدُّ

اور حبس ثابت ہوتا ہے ہر ایک کے لیے کامل، پس شیوع نہیں ہے، اسی لیے اگر راہن نے ادا کیا دین دونوں میں سے ایک کا تو واپس نہیں لے سکتا ہے

شَيْئًا مِنْ الرَّهْنِ {7} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : إذَا تَصَدَّقَ عَلَى مُحْتَاجَيْنِ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَوْ وَهَبَهَا لَهُمَا جَازَ ،

کچھ رہن میں سے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ جب صدقہ کر دے دو محتاجوں پر دس درہم، یا ہبہ کر دے دس درہم دونوں کو، تو جائز ہے،

وَلَوْ تَصَدَّقَ بِهَا عَلَى غَنِيَّيْنِ أَوْ وَهَبَهَا لَهُمَا لَمْ يَجُزْ ، وَقَالَا : يَجُوزُ لِلْغَنِيَّيْنِ أَيْضًا {8} جَعَلَ كُلَّ وَاحِدٍ

اور اگر صدقہ کیے دو غنیوں پر یا ہبہ کیے دو غنیوں کو، تو جائز نہیں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے غنیوں کے لیے بھی۔ امام صاحب نے ہر ایک کو

مِنْهُمَا مَجَازًا عَنْ الْآخَرِ ، وَالصَّلَاحِيَةُ ثَابِتَةٌ ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَمْلِيكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ ،

ہبہ اور صدقہ میں سے مجاز قرار دیا ہے دوسرے سے، اور صلاحیت ثابت ہے؛ کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں تملیک بغیر بدل کے ہے۔

{9} وَفَرَّقَ بَيْنَ الصَّدَقَةِ وَالْهِبَةِ فِي الْحُكْمِ . وَفِي الْأَصْلِ سَوَّى بَيْنَهُمَا فَقَالَ : وَكَذَلِكَ الصَّدَقَةُ ؛

اور امام محمدؒ نے فرق کیا ہے ہبہ اور صدقہ کے درمیان حکم میں جامع صغیر میں، اور مبسوط میں برابر قرار دیا ہے، پھر کہا: اور اسی طرح صدقہ ہے؛

لِأَنَّ الشُّيُوعَ مَانِعٌ فِي الْفَصْلَيْنِ لِتَوَقُّفِهِمَا عَلَى الْقَبْضِ . وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ أَنَّ

کیونکہ شیوع مانع ہے دونوں صورتوں میں؛ دونوں کے موقوف ہونے کی وجہ سے قبضہ پر، اور وجہ فرق اس روایت کے مطابق یہ ہے کہ

الصَّدَقَةَ يُرَادُ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ وَاحِدٌ ، وَالْهِبَةُ يُرَادُ بِهَا وَجْهُ الْغَنِيِّ وَهُمَا اثْنَانِ . وَقِيلَ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ

صدقہ سے قصد کیا جاتا ہے اللہ کی رضا کا، اور وہ ایک ہی ہے، اور ہبہ سے قصد کیا جاتا ہے غنی کی خوشی کا، اور وہ دو ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یہی صحیح ہے،

وَالْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْأَصْلِ الصَّدَقَةُ عَلَى غَنِيَّيْنِ . {10} وَلَوْ وَهَبَ لِرَجُلَيْنِ دَارًا لِأَحَدِهِمَا ثُلُثَاهَا

اور مبسوط میں مذکور سے مراد دو غنیوں پر صدقہ ہے۔ اور اگر ہبہ کیا دو شخصوں کے لیے ایک مکان، دونوں میں سے ایک کے لیے اس کے دو ثلث ہوں،

وَلِلْآخَرِ ثُلُثُهَا لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَجُوزُ . وَلَوْ قَالَ

اور دوسرے کے لیے ایک ثلث ہو، تو جائز نہیں امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ نے: جائز ہے، اور اگر کہا:

لِأَحَدِهِمَا نِصْفُهَا وَلِلْآخَرِ نِصْفُهَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِيهِ رِوَايَتَانِ

دونوں میں سے ایک کے لیے اس کا نصف ہے اور دوسرے کے لیے اس کا نصف ہے، تو امام ابو یوسف ؒ سے مروی ہیں اس بارے میں دو روایتیں،

فَأَبُو حَنِيفَةَ مَرَّ عَلَى أَصْلِهِ ، وَكَذَا مُحَمَّدٌ . {11} وَالْفَرْقُ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ بِالتَّنْصِيصِ عَلَى الْأَبْعَاضِ يَظْهَرُ

پس امام صاحب ؒ چلے ہیں اپنی اصل پر، اور اسی طرح امام محمد ؒ ہیں۔ اور فرق امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک یہ کہ حصوں کی تصریح کرنے سے ظاہر ہوا

أَنَّ قَصْدَهُ ثُبُوتُ الْمِلْكِ فِي الْبَعْضِ فَيَتَحَقَّقُ الشُّيُوعُ، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ إذَا رَهَنَ مِنْ رَجُلَيْنِ وَنَصَّ عَلَى الْأَبْعَاضِ

کہ اس کا قصد ثبوتِ ملک ہے بعض میں، پس متحقق ہو گا شیوع، اسی لیے جائز نہیں ہے جب رہن رکھے دو شخصوں کے پاس اور تصریح کر دے حصوں کی۔

تشریح:۔ {1} اگر بچے نے بذاتِ خود ہبہ پر قبضہ کر لیا تو یہ جائز ہے، اس مسئلہ کا معنی یہ ہے کہ مذکورہ بچہ بالغ تو نہ ہو مگر اتنا سمجھتا ہو کہ ہبہ سے مال حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا بذاتِ خود قبضہ جائز ہے؛ کیونکہ ہبہ اس کے حق میں محض نافع ہے اور اس کو قبضہ کی اہلیت حاصل ہے لہٰذا اس کا قبضہ جائز ہے۔

{2} اگر کسی کی نابالغہ بیوی کو کچھ ہبہ کیا گیا پس اگر وہ شوہر کے گھر بھیج دی گئی ہو تو اس کے لیے شوہر کا قبضہ کرنا جائز ہے؛ کیونکہ نابالغہ کے باپ نے نابالغہ کے کاموں کو دلالۃً اس کے شوہر کے سپرد کر دیا ہے یعنی نابالغہ کا متولی اگرچہ اس کا باپ ہے لیکن باپ کا شوہر کے پاس رخصت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے صغیرہ کے کاموں کو اس کے شوہر کے سپرد کیا ہے اس لیے شوہر کو اس کے لیے موہوب چیز پر قبضہ کا اختیار حاصل ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر باپ نے نابالغہ کو اس کے شوہر کے یہاں نہ بھیجی ہو تو شوہر کا اس کے لیے موہوب چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں شوہر کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہے جبکہ پہلی صورت میں شوہر کی ولایت کی دلیل موجود ہے۔

{3} واضح رہے کہ باپ کے زندہ ہونے کے باوجود شوہر کو زوجہ کے لیے موہوب چیز پر قبضہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس ماں کا حکم اس کے برخلاف ہے اسی طرح ہر اس شخص کا حکم ہے جو نابالغہ کی پرورش کرتا ہو کہ صحیح قول کے مطابق باپ کی موجودگی میں ان لوگوں کو صغیرہ کے ہبہ پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے البتہ اگر صغیرہ کا باپ مرچکا ہو یا ایسے طور پر غائب ہو کہ اس کی غیبت منقطعہ ہو یعنی اس تک پہنچنا دشوار ہو تو پھر ان لوگوں کو اختیار ہو گا؛ کیونکہ ماں اور دیگر پرورش کرنے والوں کا تصرف ضرورت کی بناء پر جائز ہوا کرتا ہے باپ کا ان کو تصرف سپرد کرنے کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے حالانکہ باپ کی موجودگی میں ان کے تصرف کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے باپ کی موجودگی میں ان لوگوں کو موہوب چیز پر قبضہ کی ولایت حاصل نہ ہو گی، البتہ اگر باپ صراحۃً اجازت دے تو پھر جائز ہے۔

{4} اگر دو شخصوں نے اپنا مشترکہ مکان ایک ہی شخص کو ہبہ کیا تو جائز ہے یعنی تقسیم کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ ان دونوں نے اس مکان کو مجموعہ سپرد کیا اور موہوب لہ نے مجموعہ پر قبضہ کیا تو یہاں شیوع اور اشتراک نہیں ہے اس لیے جائز ہے۔

{5} اور اگر ایک مکان کو ایک ہی شخص نے دو آدمیوں کو ہبہ کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے؛ کیونکہ یہ ان دونوں کو یک بارگی ہبہ ہے اس لیے کہ تملیک ایک ہی ہے تو شیوع پیدا نہ ہوگا جیسے دو شخصوں کے پاس ایک مکان رہن رکھنا تو اس رہن میں کچھ شرکت نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی ہے؛ کیونکہ ہبہ کرنے والے نے یک بارگی تملیک کی اور علیحدہ علیحدہ تملیک نہیں کی ہے کہ شیوع لازم آئے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ہبہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو نصف مکان کا ہبہ ہے اس لیے کہ یہ ہبہ اگر ایسی چیز میں ہوتا جو قابل تقسیم نہ ہوتی اور دونوں میں سے ایک اس کو قبول کرتا تو ہبہ فقط اسی کے حصہ میں صحیح ہو جاتا نہ کہ دوسرے کے حصہ میں یہ علامت ہے کہ یہ دو عقد ہیں لہٰذا یہ ایسا ہے گویا ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ عقد سے نصف نصف مشاعاً ہبہ کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے نصف میں ملکیت ثابت ہوتی ہے تو تملیک (واہب کا ان دونوں کو مالک بنانا) بھی اسی طرح نصف نصف کی ہوگی؛ کیونکہ ملک تو تملیک ہی کا حکم ہے یعنی تملیک کا اثر ہے اور اس اعتبار سے کہ ملک ہر ایک کے لیے نصف میں ثابت ہوتا ہے پس موہوب چیز میں شیوع متحقق ہوگا اس لیے ہبہ فاسد ہوگا۔

{6} برخلاف رہن کے؛ کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ مرہون روک دیا جائے اور روکنے کا حق دونوں مرتہنوں میں سے ہر ایک کے لیے پورا اور کامل ثابت ہوتا ہے تو اس میں کچھ شیوع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر راہن نے دونوں میں سے ایک کا قرضہ ادا کر دیا تو رہن میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے جب تک کہ دونوں کا پورا قرضہ ادا نہ کرے لہٰذا مرہون چیز میں روکنے کا حق ہر ایک کے لیے پورا ثابت ہے اس لیے اس میں شیوع نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول الطرفين، قال العلامة ابو البركات النسفی: ولو وهب اثنان داراً لواحد صح لاعكسه، قال المحشی وهو أن يهب واحد من اثنين (القول الراجح: 222/2)

{7} اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر دو محتاجوں کو دس درہم صدقہ کر دیئے یا دو محتاجوں کو دس درہم ہبہ کئے تو یہ جائز ہے اور اگر دو غنیوں کو دس درہم صدقہ دیئے یا دو غنیوں کو دس درہم ہبہ میں دیئے تو یہ جائز نہیں ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ دو محتاجوں کے لیے جائز ہے دو غنیوں کے لیے بھی جائز ہے۔

{8} امام صاحبؒ نے ہبہ اور صدقہ میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مجاز قرار دیا ہے اور یہ صلاحیت ان دونوں میں ثابت ہے؛ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک میں بلا عوض مالک کرنا ہوتا ہے، یعنی جب فقیر کو ہبہ کیا گیا تو اس کو مجازاً صدقہ قرار دیا جائے گا اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ شرط نہیں تو دو فقیروں یا زیادہ کو مشترک ہبہ جائز ہے؛ کیونکہ وہ بمعنی صدقہ ہے اور جب غنیوں کو مشترک صدقہ دیا گیا تو جائز نہیں؛ کیونکہ یہ صدقہ مجازاً بمعنی ہبہ ہے اور ہبہ میں تقسیم کر کے قبضہ شرط ہے اور یہ شرط نہ پائی گئی اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔

{9} امام محمدؒ نے جامع صغیر میں ہبہ اور صدقہ کے درمیان حکم میں فرق کیا اور مبسوط میں ہبہ اور صدقہ کو یکساں رکھا چنانچہ مسئلہ ہبہ کے بعد فرمایا کہ "اسی طرح دو شخصوں پر ایک دار صدقہ کرنا بھی جائز نہیں ہے"؛ کیونکہ شیوع اور اشتراک کا ہونا ہبہ اور صدقہ دونوں میں جواز سے مانع ہے؛ کیونکہ دونوں کا پورا ہونا قبضہ پر موقوف ہے اور مشاع پر کامل قبضہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور جامع صغیر کی روایت کے مطابق صدقہ اور ہبہ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ سے رضاءِ الٰہی مقصود ہوتی ہے پس دو فقیروں کو دینے میں رضاءِ الٰہی واحد ہے اور دو غنیوں کو ہبہ کرنے میں خود ان غنیوں کی خوشی مقصود ہوتی ہے اور یہ دو ہیں پس شیوع ثابت ہے اس لیے جائز نہیں۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جامع صغیر کی یہی روایت صحیح ہے، اور مبسوط میں جو صدقہ مذکور ہے اس سے دو غنیوں پر صدقہ کرنا مراد ہے یعنی ہبہ کو مجازاً صدقہ کہا ہے لہٰذا یہ جائز نہیں ہے۔

{10} اگر ایک شخص نے دو شخصوں کو ایک مکان اس طریقہ پر ہبہ کیا کہ ایک کے لیے دو تہائی اور دوسرے کے لیے ایک تہائی ہے تو شیخینؒ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ اور اگر واہب نے کہا کہ ایک کے لیے اس دار کا ایک نصف ہے اور دوسرے کے لیے دوسرا نصف ہے تو اس میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں، اور امام صاحبؒ اپنی اصل پر قائم ہیں کہ یہ صورت بھی جائز نہیں یعنی خواہ دونوں کے حصہ برابر ہوں یا کم و بیش ہوں دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں، اسی طرح امام محمدؒ بھی اپنی اصل پر قائم ہیں کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق یہ صورت بھی جائز نہیں ہے؛ اور دوسری روایت کے مطابق جائز ہے۔

{11} امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت کے مطابق دونوں حصوں کے برابر ہونے اور کم و بیش ہونے میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مکان کے ٹکڑوں کی تصریح کرنے سے ظاہر ہوا کہ اس کا قصد یہ ہے کہ ٹکڑوں میں ملکیت ثابت ہو تو شیوع متحقق ہو جائے گا اس لیے جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ایک چیز دو شخصوں کے پاس رہن رکھی اور ہر ایک کے پاس اس چیز کے ایک حصہ کی تصریح کر دی مثلاً کہا کہ دو تہائی ایک کے پاس رہن ہے اور ایک تہائی دوسرے کے پاس رہن ہے۔ تو یہ رہن جائز نہیں ہوتا، اسی طرح ہبہ میں بھی یہ

صورت جائز نہیں ہے، اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ بیع کی طرح ہبہ بھی جائز ہے یعنی کہ دو مشتریوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ نصف نصف فروخت کر دے یا کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے دونوں صورتیں جائز ہیں اسی طرح ہبہ بھی جائز ہے۔

## بَابُ مَا يَصِحُّ رُجُوعُهُ وَمَا لَا يَصِحُّ

یہ باب ایسے ہبہ کے بیان میں ہے جس میں ہبہ سے رجوع کرنا صحیح ہے اور جس میں صحیح نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا دیانت کی رُو سے ممنوع و مکروہ ہے اور بحکم قضاء بعض صورتوں میں صحیح ہے اور بعض میں صحیح نہیں ہے اور صحیح نہ ہونا کبھی تو موہوب لہ کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً موہوب لہ واہب کی بیوی یا ذی رحم محرم ہو چنانچہ تفصیل کتاب میں آئے گی، یا موہوب لہ اجنبی نے ہبہ کا عوض دے دیا ہو، یا موہوب میں ایسا تغیر آگیا ہو کہ جس کے ساتھ رجوع ممکن نہ ہو تو ان صورتوں میں ہبہ میں رجوع نہیں کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب چیز پر موہوب لہ کی ملک لازم نہیں ہوتی ہے اس لیے ہبہ سے رجوع صحیح ہے لیکن بعض اوقات ہبہ سے رجوع کرنے سے مانع موجود ہوتا ہے اس لیے ہبہ سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے تو چونکہ یہ مانع عارض ہے اس لیے ہبہ کی تفصیل کے بعد ان عوارض کو بیان فرماتے ہیں جن کی وجہ سے رجوع صحیح نہیں ہے۔

{1} قَالَ: وَإِذَا وَهَبَ هِبَةً لِأَجْنَبِيٍّ فَلَهُ الرُّجُوعُ فِيهَا {2} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا رُجُوعَ فِيهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

فرمایا: اور جب ہبہ کرے کسی اجنبی کو، تو اس کو اختیار ہے رجوع کا اس میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے رجوع نہیں ہے اس میں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ لَا يَرْجِعُ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ إلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يَهَبُ لِوَلَدِهِ } وَلِأَنَّ الرُّجُوعَ يُضَادُّ التَّمْلِيكَ، وَالْعَقْدُ

"رجوع نہ کرے واہب اپنے ہبہ میں مگر باپ اس چیز میں جو ہبہ کرے اپنے بیٹے کو" اور اس لیے کہ رجوع کرنا ضد ہے تملیک کی اور عقد

لَا يَقْتَضِي مَا يُضَادُّهُ ، بِخِلَافِ هِبَةِ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ عَلَى أَصْلِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ التَّمْلِيكُ ؛ لِكَوْنِهِ جُزْءًا لَهُ.

تقاضا نہیں کرتا ہے اپنی ضد کا، برخلاف باپ کے ہبہ کے اپنے بیٹے کے لیے ان کی اصل پر؛ کیونکہ پوری نہیں ہوئی تملیک اس کے جزء ہونے کی وجہ سے باپ کے

{3} وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الْوَاهِبُ أَحَقُّ بِهِبَتِهِ مَا لَمْ يُثَبْ مِنْهَا } أَيْ مَا لَمْ يُعَوَّضْ؛

اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "واہب زیادہ حقدار ہے اپنے ہبہ کا جب تک کہ مثاب نہ ہو اس سے" یعنی جب تک کہ عوض نہ پائے،

وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ بِالْعَقْدِ هُوَ التَّعْوِيضُ لِلْعَادَةِ ، فَتَثْبُتُ لَهُ وِلَايَةُ الْفَسْخِ عِنْدَ فَوَاتِهِ ، إذِ الْعَقْدُ يَقْبَلُهُ

اور اس لیے کہ مقصود عقد سے عوض لینا ہے عادۃً، پس ثابت ہوگی ولایتِ فسخ عوض فوت ہونے کے وقت؛ اس لیے کہ عقد قبول کرتا ہے فسخ کو

{4}وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِيَ نَفْيُ اسْتِبْدَادِ الرُّجُوعِ وَإِثْبَاتُهُ لِلْوَالِدِ ؛ لِأَنَّهُ يَتَمَلَّكُهُ

اور مراد اس روایت سے جو انہوں نے روایت کی: نفی ہے استقلالِ رجوع کی، اور ثابت کرنا ہے اس کو والد کے لیے، کہ وہ مالک ہوتا ہے مالِ ولد کا

لِلْحَاجَةِ وَذَلِكَ يُسَمَّى رُجُوعًا .{5}وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَلَهُ الرُّجُوعُ لِبَيَانِ الْحُكْمِ ، أَمَّا الْكَرَاهَةُ فَلَازِمَةٌ

حاجت کے وقت، اور اس کو رجوع کہتے ہیں، اور امام قدوریؒ کا قول کتاب میں "فَلَهُ الرُّجُوعُ" بیانِ حکم کے لیے ہے، رہی کراہت تو وہ لازم ہے

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ } وَهَذَا لِاسْتِقْبَاحِهِ.

کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "رجوع کرنے والا اپنے ہبہ میں رجوع کرنے والے کی طرح ہے اپنی قے میں" اور یہ اس کا قبیح ہونا ظاہر کرنے کے لیے ہے

{6}ثُمَّ لِلرُّجُوعِ مَوَانِعُ ذَكَرَ بَعْضَهَا فَقَالَ : إلَّا أَنْ يُعَوِّضَهُ عَنْهَا ؛ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ أَوْ تَزِيدَ

پھر رجوع کے لیے موانع ہیں ذکر کیا ہے ان میں سے بعض کو۔ پس کہا: مگر یہ کہ دیدے اس کو ہبہ کا عوض؛ حصولِ مقصود کی وجہ سے، یا بڑھ جائے

زِيَادَةً مُتَّصِلَةً ؛ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إلَى الرُّجُوعِ فِيهَا دُونَ الزِّيَادَةِ ؛ لِعَدَمِ الْإِمْكَانِ وَلَا مَعَ الزِّيَادَةِ ؛

کوئی زیادتی متصل؛ کیونکہ کوئی وجہ نہیں موہوب چیز میں رجوع کی زیادتی کے بغیر؛ ممکن نہ ہونے کی وجہ سے، اور نہ زیادتی کے ساتھ؛

لِعَدَمِ دُخُولِهَا تَحْتَ الْعَقْدِ .قَالَ : أَوْ يَمُوتَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ ؛ لِأَنَّ بِمَوْتِ الْمَوْهُوبِ لَهُ يَنْتَقِلُ

اس کے داخل نہ ہونے کی وجہ سے عقد کے تحت۔ فرمایا: یا مر جائے متعاقدین میں سے ایک؛ کیونکہ موہوب لہ کی موت سے منتقل ہو جاتی ہے

الْمِلْكُ إلَى الْوَرَثَةِ فَصَارَ كَمَا إذَا انْتَقَلَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ، وَإِذَا مَاتَ الْوَاهِبُ فَوَارِثُهُ أَجْنَبِيٌّ عَنِ الْعَقْدِ

مِلک ورثہ کی طرف پس ہو گیا جیسا کہ جب منتقل ہو جائے اس کی زندگی میں، اور جب مر جائے واہب تو اس کا وارث اجنبی ہے عقد سے؛

إذْ هُوَ مَا أَوْجَبَهُ .{7}قَالَ : أَوْ تَخْرُجُ الْهِبَةُ عَنْ مِلْكِ الْمَوْهُوبِ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ حَصَلَ بِتَسْلِيطِهِ

کیونکہ اس نے عقد نہیں کیا ہے۔ یا نکل جائے ہبہ موہوب لہ کی مِلک سے؛ کیونکہ یہ خروج حاصل ہوا ہے واہب کے مسلط کرنے سے،

فَلَا يَنْقُضُهُ ، وَلِأَنَّهُ تَجَدَّدَ الْمِلْكُ بِتَجَدُّدِ سَبَبِهِ .{8}قَالَ : فَإِنْ وَهَبَ لِآخَرَ أَرْضًا بَيْضَاءَ

پس وہ اس کو نہیں توڑ سکتا، اور اس لیے کہ مِلک جدید ہو جاتی ہے اس کے سبب کے جدید ہونے سے۔ فرمایا: اور اگر ہبہ کی دوسرے کو خالی زمین،

فَأَنْبَتَ فِي نَاحِيَةٍ مِنْهَا نَخْلًا أَوْ بَنَى بَيْتًا أَوْ دُكَّانًا أَوْ آرِيًّا وَكَانَ ذَلِكَ زِيَادَةً فِيهَا

اس نے لگادیا اس کے ایک کنارے میں کھجور کا درخت، یا بنادیا گھر، یا دکان، یا چارہ کی جگہ اور حال یہ کہ یہ زمین میں زیادتی ہو،

فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا ؛ لِأَنَّ هَذِهِ زِيَادَةٌ مُتَّصِلَةٌ .وَقَوْلُهُ وَكَانَ ذَلِكَ زِيَادَةً فِيهَا،

پس جائز نہیں اس کے لیے کہ رجوع کرے اس کے کسی حصہ میں؛ کیونکہ یہ متصل زیادتی ہے، اور ان کا قول "کہ یہ زمین میں زیادتی ہے"

لِأَنَّ الدُّكَّانَ قَدْ يَكُونُ صَغِيرًا حَقِيرًا لَا يُعَدُّ زِيَادَةً أَصْلًا ، وَقَدْ تَكُونُ الْأَرْضُ عَظِيمَةً يُعَدُّ

اشارہ ہے اس طرف کہ دکان کبھی ایسی چھوٹی حقیر ہوتی ہے کہ شمار نہیں کیا جاتا ہے اس کو کچھ زیادتی، اور کبھی زمین عظیم ہوتی ہے کہ شمار ہوتی ہے

ذَلِكَ زِيَادَةً فِي قِطْعَةٍ مِنْهَا فَلَا يَمْتَنِعُ الرُّجُوعُ فِي غَيْرِهَا .{9}قَالَ : فَإِنْ بَاعَ نِصْفَهَا غَيْرَ مَقْسُومٍ

یہ زیادتی اس کے ایک ٹکڑے میں، پس ممنوع نہ ہوگا رجوع اس کے غیر میں۔ فرمایا: پس اگر موہوب لہ نے فروخت کردی نصف زمین غیر مقسوم،

رَجَعَ فِي الْبَاقِي ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ بِقَدْرِ الْمَانِعِ ، وَإِنْ لَمْ يَبِعْ شَيْئًا مِنْهَا لَهُ أَنْ يَرْجِعَ

تو رجوع کرسکتا ہے باقی میں؛ کیونکہ امتناع بقدرِ مانع ہے، اور اگر اس نے فروخت نہیں کی اس میں سے کچھ؛ تو اس کے لیے جائز ہے رجوع کرنا

فِي نِصْفِهَا ؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي كُلِّهَا فَكَذَا فِي نِصْفِهَا بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى .

اس کے نصف میں؛ کیونکہ اس کو رجوع کا اختیار ہے اس کے کل میں، پس اسی طرح اس کے نصف میں بطریقۂ اولیٰ۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص نے کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس کو ہبہ سے رجوع کرنے کا اختیار ہوگا، اور اجنبی سے وہ شخص مراد ہے جس کے ساتھ قرابتِ محرمہ نہ ہو اگرچہ غیر محرم قرابت ہو جیسے چچازاد بھائی وغیرہ ہوتے ہیں یا قرابت نہ ہو مگر محرم ہو جیسے رضائی بھائی بہن ہوتے ہیں تو یہ سب بمنزلۂ اجنبی ہیں ان کو ہبہ کرنے سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "لَا يَرْجِعُ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ إِلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يَهَبُ لِوَلَدِهِ[1]" (واہب اپنے ہبہ میں رجوع نہیں کرے گا سوائے والد کے کہ ایسی چیز میں رجوع کرسکتا ہے جو اپنے بیٹے کو ہبہ کرے) جس میں تصریح ہے کہ واہب ہبہ میں رجوع نہیں کرسکتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ رجوع کرنا تملیک کی ضد ہے اور عقدِ ہبہ تملیک ہوتا ہے اور عقد اپنی ضد کا تقاضا نہیں کرتا ہے اس لیے ہبہ میں رجوع کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر والد نے اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کردی کہ وہ امام شافعیؒ کی اصل پر ہبہ نہیں؛ کیونکہ بیٹے کو ہبہ

[1] أخرجه أصحاب السنن الأربعة عن حسين المعلم عن عمرو بن شعيب عن طاوس عن ابن عمر، وابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "لا يحل لرجل أن يعطي عطية أو يهب هبة فيرجع فيها، إلا الوالد فيما يعطي ولده، ومثل الذي يعطي العطية ثم يرجع فيها، كمثل الكلب يأكل، فإذا شبع قاء، ثم عاد في قيئه"، انتهى. قال الترمذي: حديث حسن صحيح، (نصب الراية: 304/4)

کرنے سے تملیک پوری نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ بیٹا اپنے باپ کا جزء ہے پس بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرنا من وجہ اپنے آپ کو ہبہ کرنا ہے اس لیے اس صورت میں والد رجوع کر سکتا ہے۔

{3} ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "اَلْوَاهِبُ أَحَقُّ بِهِبَتِهِ مَا لَمْ يُثَبْ مِنْهَا[1]" (واہب اپنے ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ ہبہ کا عوض نہ پایا ہو) "لَمْ يُثَبْ" کا معنی ہے "لَمْ يُعَوَّضْ" یعنی جب تک کہ عوض نہ پائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ غالباً عادت یہ ہے کہ عقدِ ہبہ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ واہب کو موہوب لہ کی جانب سے عوض ملے خواہ مال کی صورت میں ہو یا موہوب لہ کی طرف سے خدمت کی صورت میں ہو تو جب عوض نہ ملا تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوا اس لیے اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا؛ کیونکہ یہ عقد قابل فسخ ہے یعنی فسخ کو قبول کرتا ہے۔

{4} اور جو حدیث امام شافعیؒ نے روایت کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بالاستقلال صرف اپنی مرضی پر رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہتا ہے یعنی حکم قاضی یا موہوب لہ کی رضامندی کے بغیر واہب کو رجوع کا اختیار نہ ہوگا، اور والد کو حکم قاضی اور موہوب لہ کی رضامندی کے بغیر یہ اختیار رہتا ہے؛ کیونکہ والد اپنی ضرورت کے وقت بیٹے کے مال کا مالک ہو جاتا ہے حدیث شریف میں اسی کو رجوع کہا اگرچہ حقیقت میں یہ رجوع نہیں ہے۔

{5} اور مختصر القدوری میں جو فرمایا کہ "واہب کو رجوع کرنے کا اختیار ہے" یہ حکم کا بیان ہے اور رہا رجوع کا مکروہ ہونا تو وہ لازمی طور پر ہوگا؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی قے میں دوبارہ رجوع کرے[2]" اور یہ تشبیہ نفل رجوع کی قباحت ظاہر کرنے کے لیے ہے حرمتِ رجوع کے لیے نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے۔

{6} پھر ہبہ واپس لینے کے لیے چند امور مانع ہوتے ہیں جن میں سے بعض کو امام قدوریؒ نے ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا: ہبہ سے رجوع کرنا جائز ہے سوائے چند صورتوں کے، ایک یہ کہ موہوب لہ نے واہب کو موہوب چیز کا عوض دیدیا ہو تو واہب رجوع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اس کا مقصود (عوض) حاصل ہو گیا۔ دوم یہ کہ موہوب میں کوئی زیادتی متصل ہو گئی ہو تو واہب رجوع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اس زیادتی کے بغیر مالِ موہوب واپس لینے کی کوئی صورت نہیں ہے؛ کیونکہ موہوب سے اس زیادتی کو الگ کرنا ممکن نہیں ہے، اور زیادتی کے ساتھ واپس لینے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے؛ کیونکہ عقدِ ہبہ کے تحت میں یہ زیادتی داخل نہیں ہے۔ سوم یہ

---

(1) اخرجه الطبراني في معجمه حدثنا محمد بن عثمان بن ابي شيبة حدثني ابي قال: وجدت في كتاب ابي عن ابن ابي ليلى عن عطاء عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من وهب هبة، فهو احق بهبته ما لم يثب منها، فإن رجع في هبته، فهو كالذي يقيء ثم يأكل قيئه"، انتهى. (نصب الراية: 4/305)

(2) اخرجه الجماعة الا الترمذي عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "العائد في هبته كالعائد في قيئه"، انتهى. (نصب الراية: 4/307)

کہ واہب اور موہوب لہ میں سے کوئی ایک مر جائے تو بھی موہوب چیز واپس نہیں لی جاسکتی ہے؛ کیونکہ موہوب لہ کے مرنے سے موہوب کی ملکیت اس کے وارثوں کی جانب منتقل ہو جاتی ہے تو ایسا ہوا جیسے موہوب لہ کی زندگی میں اس کی ملکیت غیر کی طرف منتقل ہو گئی ہو تو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا ہے، اور اگر واہب مر گیا تو اس کے وارث کو عقد ہبہ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے عقد ہبہ کر کے موہوب کے لیے مِلک ثابت نہیں کی ہے اس لیے اس کو موہوب چیز واپس لینے کا حق بھی نہ ہوگا۔

{7} چہارم یہ کہ موہوب چیز موہوب لہ کی مِلک سے خارج ہو جائے مثلاً موہوب لہ نے موہوب چیز کو فروخت کر دیا تو بھی واہب رجوع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ موہوب کا موہوب لہ کی مِلک سے نکلنا واہب کے مسلط کرنے سے ہوا ہے ورنہ موہوب لہ کو یہ اختیار کہاں تھا کہ وہ موہوب کو فروخت کر دیتا، تو جب یہ عقد واہب کے مسلط کرنے سے ہوا تو واہب اس کو نہیں توڑ سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ملک کا سببِ جدید پیدا ہو جانے سے ملک بھی جدید ہو جاتی ہے مثلاً موہوب لہ نے اس کو فروخت کیا تو بیع کی وجہ سے مشتری کو ملک جدید حاصل ہوئی پس تبدلِ مِلک تبدلِ عین کی طرح ہے اس لیے واہب اس کو واپس نہیں کر سکتا ہے۔

{8} اور اگر کسی نے دوسرے کو خالی زمین قابلِ زراعت ہبہ کی پس موہوب لہ نے اس کے ایک کنارے کھجور کے درخت لگائے یا کوئی گھر بنایا، یا دکان یعنی چبوترہ بنایا، یا جانوروں کے چارہ دینے کی جگہ بنائی، درآں حالیکہ یہ سب اس زمین میں زیادتی ہو تو واہب کو اس زمین کے کسی حصہ کو واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہے جو اس زمین کے ساتھ متصل ہے اور اوپر گذر چکا کہ زیادتی کے ساتھ واہب کو رجوع کا اختیار نہیں رہتا ہے۔ اور یہ جو مصنفؒ نے کہا کہ "درآں حالیکہ یہ سب اس زمین میں زیادتی ہو" تو اس میں اشارہ ہے کہ یہ زیادتی عرف میں معتبر ہو حتی کہ چبوترہ کبھی ایسا چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے کہ بالکل زیادتی شمار نہیں ہوتا ہے تو اس صورت میں رجوع ممتنع نہ ہوگا، اور کبھی زمین اس قدر وسیع ہوتی ہے کہ یہ زیادتی اس کے ایک ٹکڑے میں شمار ہوتی ہے تو باقی زمین میں رجوع کرنا ممتنع نہ ہوگا۔

{9} اگر موہوب لہ نے موہوبہ زمین کے نصف غیر مقسوم کو فروخت کیا تو واہب کو باقی زمین میں رجوع کا اختیار ہے؛ کیونکہ رجوع ممتنع ہونا اسی قدر حصہ میں رہے گا جتنے حصہ میں مانع موجود ہے اس لیے کہ حکم بقدرِ علت ہوتا ہے۔ اور اگر موہوب لہ نے موہوبہ زمین میں سے کچھ فروخت نہ کی ہو تو واہب کو اختیار ہے کہ موہوبہ زمین کے نصف کو واپس لے اور نصف کو چھوڑ دے؛ کیونکہ جب اس کو یہ اختیار ہے کہ کل ہبہ واپس لے تو نصف ہبہ بدرجہ اولیٰ واپس لے سکتا ہے۔

{1} قَالَ: وَإِنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَلَا رُجُوعَ فِيهَا؛ لِقَوْلِهِ ﷺ {إِذَا كَانَتِ الْهِبَةُ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ

اور اگر ہبہ کیا اپنے کسی ذی رحم محرم کو تو رجوع نہیں کر سکتا اس میں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جب ہو ہبہ اپنے ذی رحم محرم کے لیے

لَمْ يَرْجِعْ فِيهَا} ؛ وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا صِلَةُ الرَّحِمِ وَقَدْ حَصَلَ{2} وَكَذَلِكَ مَا وَهَبَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ
تو رجوع نہیں کر سکتا اس میں" اور اس لیے کہ مقصود صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گیا۔ اور اسی طرح جو ہبہ کرے احد الزوجین میں سے دوسرے
لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا الصِّلَةُ كَمَا فِي الْقَرَابَةِ ، وَإِنَّمَا يُنْظَرُ إلَى هَذَا الْمَقْصُودِ وَقْتَ الْعَقْدِ ، حَتَّى لَوْ تَزَوَّجَهَا
کیونکہ مقصود اس میں صلہ ہوتا ہے جیسا کہ قرابت میں، پھر دیکھا جائے گا اس مقصود کو عقد کے وقت، حتی کہ اگر نکاح کیا اس سے
بَعْدَمَا وَهَبَ لَهَا فَلَهُ الرُّجُوعُ ، وَلَوْ أَبَانَهَا بَعْدَمَا وَهَبَ فَلَا رُجُوعَ
اس کو ہبہ کرنے کے بعد، تو اس کے لیے رجوع کا اختیار ہے اس میں، اور اگر بائنہ کیا عورت کو ہبہ کرنے کے بعد، تو رجوع نہیں کر سکتا۔
{3} قَالَ: وَإِذَا قَالَ الْمَوْهُوبُ لَهُ لِلْوَاهِبِ خُذْ هَذَا عِوَضًا عَنْ هِبَتِكَ أَوْ بَدَلًا عَنْهَا أَوْ فِي مُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ
فرمایا: اور اگر کہا موہوب لہ نے واہب سے: لو یہ عوض تیرے ہبہ کا، یا بدل تیرے ہبہ کا، یا اس کے مقابلے میں، پس قبض کیا اس کو واہب نے،
سَقَطَ الرُّجُوعُ؛ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ، وَهَذِهِ الْعِبَارَاتُ تُؤَدِّي مَعْنًى وَاحِدًا{4} وَإِنْ عَوَّضَهُ أَجْنَبِيٌّ عَنِ الْمَوْهُوبِ لَهُ
تو ساقط ہو گیا رجوع؛ حصولِ مقصود کی وجہ سے، اور یہ عبارتیں ادا کرتی ہیں ایک معنی۔ اور اگر عوض دیا اس کو اجنبی نے موہوب لہ کی طرف سے
مُتَبَرِّعًا فَقَبَضَ الْوَاهِبُ الْعِوَضَ بَطَلَ الرُّجُوعُ ؛ لِأَنَّ الْعِوَضَ لِإِسْقَاطِ الْحَقِّ فَيَصِحُّ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ
تبرع کرتے ہوئے، پس قبض کیا واہب نے عوض، تو باطل ہوا رجوع؛ کیونکہ عوض اسقاطِ حق کے لیے ہے، پس صحیح ہو گا اجنبی کی طرف سے،
كَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالصُّلْحِ :{5} قَالَ : وَإِذَا اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَسْلَمْ لَهُ مَا
جیسا کہ بدلِ خلع اور بدلِ صلح۔ اور جب مستحق نکل آئے نصف ہبہ کا، تو واپس لے لے نصف عوض؛ کیونکہ سالم نہیں رہا اس کے لیے ما
يُقَابِلُ نِصْفَهُ ، وَإِنِ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْعِوَضِ لَمْ يَرْجِعْ فِي الْهِبَةِ إلَّا أَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ
جو مقابل ہو نصف عوض کے۔ اور اگر مستحق نکل آیا نصف عوض کا، تو رجوع نہیں کر سکتا ہبہ میں مگر یہ کہ واپس کر دے باقی ماندہ عوض،
ثُمَّ يَرْجِعُ ، وَقَالَ زُفَرُ : يَرْجِعُ بِالنِّصْفِ اعْتِبَارًا بِالْعِوَضِ الْآخَرِ .{6} وَلَنَا أَنَّهُ
پھر رجوع کرے، اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ لے سکتا ہے نصف ہبہ قیاس کرتے ہوئے دوسرے عوض پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ باقی ماندہ عوض
يَصْلُحُ عِوَضًا لِلْكُلِّ مِنَ الِابْتِدَاءِ ، وَبِالِاسْتِحْقَاقِ ظَهَرَ أَنَّهُ لَا عِوَضَ إلَّا هُوَ ، إلَّا أَنَّهُ يَتَخَيَّرُ
صلاحیت رکھتا ہے عوض ہونے کا کل کے لیے ابتداء میں، اور استحقاق سے ظاہر ہوا کہ عوض نہیں مگر یہی باقی ماندہ، مگر واہب کو اختیار ہو گا؛
لِأَنَّهُ مَا أَسْقَطَ حَقَّهُ فِي الرُّجُوعِ إلَّا لِيَسْلَمَ لَهُ كُلُّ الْعِوَضِ وَلَمْ يَسْلَمْ
کیونکہ اس نے ساقط نہیں کیا ہے اپنے حق کو رجوع میں مگر اس لیے تاکہ سالم رہے اس کے لیے کل عوض، حالانکہ سالم نہیں رہا اس کے

لیے

فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهُ . {7} قَالَ : وَإِنْ وَهَبَ دَارًا فَعَوَّضَهُ مِنْ نِصْفِهَا رَجَعَ

تو اس کو اختیار ہو گا کہ واپس کر دے ما بقی عوض کو۔ فرمایا: اور اگر ہبہ کیا مکان، پس اس کو عوض دیا اس کے نصف کا، تو رجوع کر سکتا ہے

الْوَاهِبُ فِي النِّصْفِ الَّذِي لَمْ يُعَوِّضْ ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ خَصَّ النِّصْفَ .

واہب اس نصف میں جس کا عوض نہیں دیا ہے؛ کیونکہ مانع مخصوص ہے نصف کے ساتھ۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے اپنے ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو واہب اس موہوب چیز کو واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "إِذَا كَانَتِ الْهِبَةُ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يَرْجِعْ فِيهَا"[1] (جب ہبہ اس کے ذی رحم محرم کے لیے واقع ہو تو اس میں رجوع نہیں کر سکتا) جس میں تصریح ہے کہ اپنے ذی رحم محرم سے موہوب چیز واپس نہیں لی جا سکتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس ہبہ سے مقصود صلہ رحمی ہے اور یہ مقصود واہب کو حاصل ہو گیا، اور جس عقد کا مقصود حاصل ہو جائے وہ لازم ہو جاتا ہے پھر اس کا فسخ جائز نہیں ہوتا ہے۔

{2} اسی طرح شوہر اور بیوی میں سے جو کوئی ایک دوسرے کو ہبہ کر دے تو وہ اس میں رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس ہبہ کا مقصود بھی صلہ رحمی ہے جیسے قرابتوں میں ہوتا ہے لہٰذا ہبہ کرتے ہی واہب کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس لیے اب اسے واپس نہیں لے سکتا ہے۔ پھر واضح رہے کہ اس مقصود کا حصول اسی وقت معتبر ہو گا کہ جس وقت ہبہ کا عقد ہوا حتیٰ کہ اگر مرد نے عورت کو پہلے ہبہ کیا پھر اس عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس کو ہبہ سے رجوع کا اختیار ہے اور اگر نکاح کے بعد ہبہ کیا پھر اس کو طلاق سے بائنہ کر دیا تو رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ ہبہ کے وقت وہ اس کی بیوی تھی تو مقصود صلہ رحمی تھا جو حاصل ہو گیا پھر اس مقصود کے حاصل ہو جانے کے بعد جب ان دونوں میں جدائی واقع ہوئی تو یہ مضر نہیں ہے۔

{3} اگر موہوب لہ نے واہب سے کہا کہ "یہ مال اپنے ہبہ کا عوض لے لو" یا کہا کہ "اپنے ہبہ کے بدلے میں لے لو" یا کہا کہ "اپنے ہبہ کے مقابلہ میں لے لو" پس واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو رجوع ساقط ہو گیا؛ کیونکہ واہب کا مقصود (عوض لینا) حاصل ہو گیا اس لیے اس کو رجوع کا اختیار نہ ہو گا، اور ان تینوں عبارتوں سے ایک ہی معنی حاصل ہوتا ہے اس لیے تینوں کا حکم ایک ہے۔

[1] أخرجه الحاكم في المستدرك في البيوع، والدارقطني، ثم البيهقي في سننيهما عن عبد الله بن جعفر عن عبد الله بن المبارك عن حماد بن سلمة عن قتادة عن الحسن عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها"، انتهى. قال الحاكم: فحديث صحيح على شرط البخاري، ولم يخرجاه، انتهى. (نصب الراية: 307/4)

{4} اگر موہوب لہ کی طرف سے کسی اجنبی نے بطریق احسان کے واہب کو اس کے ہبہ کا عوض دیدیا اور واہب نے اس عوض کو قبض کیا تو واہب کے رجوع کا اختیار باطل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ عوض دینے سے مقصود واہب کے حق کو ساقط کرنا ہے اور اسقاط حق اجنبی کی طرف سے بھی صحیح ہے جیسے خلع کا عوض اور صلح کا عوض اجنبی کی طرف سے صحیح ہے، مثلاً اجنبی نے عورت کے شوہر سے کہا کہ تو اس عورت کو اس شرط پر خلع دیدو کہ خلع کا عوض مثلاً ہزار درہم مجھ پر ہے تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر اجنبی نے مقتول کے ولی سے کہا کہ تو قاتل کو قصاص سے معاف کردو اس شرط پر کہ مالِ صلح یا دیت مجھ پر ہے تو یہ جائز ہے اسی طرح ہبہ کا عوض بھی اجنبی کی طرف سے صحیح ہے اور اس سے رجوع کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

{5} اگر نصف موہوب چیز پر کسی شخص نے اپنا استحقاق ثابت کرکے لے لی تو موہوب لہ یا اجنبی نے جو عوض دیا ہے واہب سے اس کا نصف واپس لے گا؛ کیونکہ نصف عوض کے مقابل جو موہوب چیز تھی وہ موہوب لہ کے لیے سالم نہ رہی تو اس کو حق ہوگا کہ وہ نصف موہوب کے بقدر عوض واپس لے، اور اگر عوض میں سے کسی نے نصف پر اپنا استحقاق ثابت کرکے لے لیا تو واہب اپنی موہوب چیز میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے البتہ اگر اس نے مابقی عوض کو بھی واپس کردیا تو پھر اپنی موہوب چیز واپس لے سکتا ہے ۔امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جیسے نصف موہوب پر استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں موہوب لہ اپنا نصف عوض واپس لے سکتا ہے اسی طرح نصف عوض پر استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں واہب بھی اپنا نصف موہوب واپس لے سکتا ہے یعنی عوض کے استحقاق کو موہوب کے استحقاق پر قیاس کیا ہے۔

{6} ہماری دلیل یہ ہے کہ جس قدر عوض باقی رہا وہ ابتداء میں کل موہوب چیز کا عوض ہو سکتا ہے تو جب نصف عوض پر استحقاق ثابت ہوا تو ظاہر ہوا کہ جو کچھ باقی ہے یہی موہوب چیز کا عوض ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ واہب کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ وہ چاہے تو مابقی عوض دیدے اور موہوب چیز واپس لے اور چاہے تو مابقی عوض اپنے پاس رکھے اور موہوب چیز واپس نہ لے؛ کیونکہ واہب نے اپنا حق رجوع اسی اُمید پر ساقط کیا تھا کہ یہ کل عوض اس کے لیے سالم رہے گا پس جب اس کے لیے کل عوض سالم نہیں رہا تو اس کو اختیار ہوگا کہ مابقی عوض واپس کردے، اور جب مابقی واپس کردیا تو موہوب بلا عوض رہ گیا اس لیے وہ موہوب چیز واپس لے سکتا ہے۔

{7} اگر واہب نے ایک گھر دوسرے کو ہبہ کردیا پس موہوب لہ نے اس کے نصف کا عوض دیا تو واہب اس نصف کو واپس لے سکتا ہے جس نصف کا موہوب لہ نے عوض نہیں دیا ہے؛ کیونکہ رجوع سے مانع (عوض) خاص کر نصف کے ساتھ مخصوص ہے تو مانع بقدرِ مانع ہوگا اس لیے جس نصف کا عوض لیا ہے اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔

{1}قال: وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا أَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ ؛ لِأَنَّهُ مُخْتَلَفٌ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ ، وَفِي أَصْلِهِ وَهَاءٌ
{1}فرمایا: اور صحیح نہیں رجوع مگر دونوں کی رضامندی سے یا حکم حاکم سے؛ کیونکہ رجوع مختلف فیہ ہے علماء کے درمیان، اور اس کی اصل میں ضعف ہے،

وَفِي حُصُولِ الْمَقْصُودِ وَعَدَمِهِ خَفَاءٌ ، فَلَا بُدَّ مِنَ الْفَصْلِ بِالرِّضَا أَوْ بِالْقَضَاءِ ، {2} حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْهِبَةُ عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ
اور حصول مقصود اور اس کے عدم میں خفاء ہے، پس ضروری ہے فیصلہ کا ہونا رضا یا قضاء سے، حتی کہ اگر ہبہ غلام ہو، پس آزاد کردے اس کو

قَبْلَ الْقَضَاءِ نَفَذَ ، وَلَوْ مَنَعَهُ فَهَلَكَ لَمْ يَضْمَنْ ؛ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِيهِ ،
قضاء سے پہلے، تو نافذ ہو جائے گا، اور اگر روک لیا غلام کو، پس وہ ہلاک ہوا، تو ضامن نہ ہوگا؛ اس کی ملک موجود ہونے کی وجہ سے اس میں،

{3} وَكَذَا إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ بَعْدَ الْقَضَاءِ ؛ لِأَنَّ أَوَّلَ الْقَبْضِ غَيْرُ مَضْمُونٍ ، وَهَذَا دَوَامٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَمْنَعَهُ
{3} اور اسی طرح اگر ہلاک ہو اس کے ہاتھ میں قضاء کے بعد؛ کیونکہ پہلا قبضہ ضمانی نہیں، اور یہ قبضہ اسی پر دوام ہے، مگر یہ کہ روک دے اس کو

بَعْدَ طَلَبِهِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَدَّى ، {4} وَإِذَا رَجَعَ بِالْقَضَاءِ أَوْ بِالتَّرَاضِي يَكُونُ فَسْخًا مِنَ الْأَصْلِ حَتَّى لَا يُشْتَرَطُ
واہب کی طلب کے بعد؛ کیونکہ یہ تعدی ہے۔ اور جب رجوع کرے قضاء یا باہمی رضامندی سے، تو یہ فسخ ہوگا اصل سے، حتی کہ شرط نہیں

قَبْضُ الْوَاهِبِ وَيَصِحُّ فِي الشَّائِعِ ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ وَقَعَ جَائِزًا مُوجِبًا حَقَّ الْفَسْخِ مِنَ الْأَصْلِ ، فَكَانَ بِالْفَسْخِ مُسْتَوْفِيًا
واہب کا قبض کرنا، اور صحیح ہے مشاع میں؛ کیونکہ عقد واقع ہوا ہے جائز، حق فسخ کے لیے موجب اصل سے، پس فسخ سے وہ وصول کرنے والا ہوا

حَقًّا ثَابِتًا لَهُ فَيَظْهَرُ عَلَى الْإِطْلَاقِ ، {5} بِخِلَافِ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ هُنَاكَ
ایسے حق کو جو ثابت ہے اس کے لیے، پس ظاہر ہوگا علی الاطلاق، برخلاف عیب کی وجہ سے رد کرنے کے قبضہ کے بعد؛ کیونکہ حق یہاں

فِي وَصْفِ السَّلَامَةِ لَا فِي الْفَسْخِ فَافْتَرَقَا . {6} قَالَ : وَإِذَا تَلِفَتِ الْعَيْنُ الْمَوْهُوبَةُ وَاسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ
وصف سلامتی میں ہے نہ کہ فسخ میں، پس دونوں میں فرق ہوگیا۔ فرمایا: اور جب تلف ہو جائے عین موہوب، پھر مستحق نکل آئے اس کا کوئی،

وَضَمِنَ الْمَوْهُوبَ لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِشَيْءٍ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ فَلَا يَسْتَحِقُّ فِيهِ السَّلَامَةَ ،
اور ضمان لے موہوب لہ سے، تو واپس نہیں لے سکتا ہے واہب سے کچھ؛ کیونکہ ہبہ عقد تبرع ہے پس مستحق نہ ہوگا اس میں سلامتی کا

وَهُوَ غَيْرُ عَامِلٍ لَهُ ، {7} وَالْغُرُورُ فِي ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ سَبَبُ الرُّجُوعِ لَا فِي غَيْرِهِ .
اور وہ کام کرنے والا نہیں ہے واہب کے لیے، اور وہ دھوکہ عقد معاوضہ کے ضمن میں سبب ہے رجوع کا نہ کہ وہ جو غیر عقد کے ضمن میں ہو۔

{8} قَالَ : وَإِذَا وَهَبَ بِشَرْطِ الْعِوَضِ اعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ ، وَتَبْطُلُ بِالشُّيُوعِ ؛ لِأَنَّهُ هِبَةٌ ابْتِدَاءً
{8} فرمایا: اور جب ہبہ کرے بشرط عوض، تو اعتبار ہوگا باہمی قبضہ کا دونوں عوضوں پر اسی مجلس میں، اور باطل ہو جائے گا شیوع سے؛ کیونکہ یہ ہبہ ہے ابتداءً

فَإِنْ تَقَابَضَا صَحَّ الْعَقْدُ وَصَارَ فِي حُكْمِ الْبَيْعِ يُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَتُسْتَحَقُّ فِيهِ

پھر اگر دونوں نے باہمی قبضہ کر لیا، تو صحیح ہوا عقد، اور ہو گیا بیع کے حکم میں، رد کیا جا سکتا ہے عیب اور خیارِ رؤیت کی وجہ سے، اور مستحق ہوگا اس میں

الشُّفْعَةُ؛ لِأَنَّهُ بَيْعٌ انْتِهَاءً {9} وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: هُوَ بَيْعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً ؛ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْبَيْعِ وَهُوَ

شفعہ کا؛ کیونکہ یہ بیع ہے انتہاءً۔ اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے: یہ بیع ہے ابتداءً اور انتہاءً؛ اس لیے کہ اس میں بیع کا معنی ہے، اور وہ

التَّمْلِيكُ بِعِوَضٍ، وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي ، وَلِهَذَا كَانَ بَيْعُ الْعَبْدِ مِنْ نَفْسِهِ إعْتَاقًا . {10} وَلَنَا أَنَّهُ اشْتَمَلَ

تملیک بعوض ہے، اور اعتبار عقود میں معانی کو ہے، اور اسی لیے فروخت کرنا غلام کو خود اسی کے ہاتھ آزاد کرنا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مشتمل ہے

عَلَى جِهَتَيْنِ فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا مَا أَمْكَنَ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ ، وَقَدْ أَمْكَنَ ؛ لِأَنَّ الْهِبَةَ مِنْ حُكْمِهَا

دونوں جہتوں پر پس جمع کیا جائے گا دونوں کو حتی الامکان؛ عمل کرتے ہوئے دونوں شبہوں پر، اور یہاں یہ ممکن ہے؛ اس لیے کہ ہبہ کا حکم

تَأَخُّرُ الْمِلْكِ إِلَى الْقَبْضِ، وَقَدْ يَتَرَاخَى عَنِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ وَالْبَيْعُ مِنْ حُكْمِهِ اللُّزُومُ، وَقَدْ تَنْقَلِبُ الْهِبَةُ لَازِمَةً بِالتَّعْوِيضِ

ملک کا مؤخر ہونا ہے قبضہ تک، اور یہ کبھی مؤخر ہوتی ہے بیع فاسد میں، اور بیع کا حکم لزوم ہے، اور کبھی ہو جاتا ہے ہبہ لازم عوض دینے کی وجہ سے،

فَجَمَعْنَا بَيْنَهُمَا ، {11} بِخِلَافِ بَيْعِ نَفْسِ الْعَبْدِ مِنْ نَفْسِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اعْتِبَارُ الْبَيْعِ فِيهِ ، إذْ هُوَ

پس ہم نے جمع کر دیا دونوں کو، برخلاف نفسِ غلام کو فروخت کرنا اس کے ہاتھ؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے اعتبار کرنا بیع کا اس میں؛ کیونکہ وہ

لَا يَصْلُحُ مَالِكًا لِنَفْسِهِ .

قابل نہیں اپنی ذات کا مالک بننے کا۔

تشریح:۔ {1} ہبہ سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ واہب اور موہوب لہ دونوں باہم راضی ہوں یا حاکم واپس کرنے کا حکم کر دے؛ وجہ یہ ہے کہ رجوع جائز ہونے یا نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک جائز اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے تو اوّل تو رجوع کے جائز ہونے ہی میں ضعف ہے؛ کیونکہ خلافِ قیاس ثابت ہے، پھر اگر ہمارے نزدیک رجوع صحیح ہے تو بھی مقصود حاصل ہونے کے بعد صحیح نہیں، مگر یہ امر تو مخفی ہے کہ مقصود حاصل ہوا ہے یا نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ اگر مقصود ثواب ہو تو وہ حاصل ہو چکا ہے اور اگر مقصود عوض ہو تو وہ حاصل نہیں ہوا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات پر فیصلہ ہو یا تو دونوں موہوب چیز واپس کرنے پر باہم راضی ہوں؛ کیونکہ ان دونوں کو اپنی اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے، اور یا قاضی حکم کر دے؛ کیونکہ قاضی کو بھی ولایت حاصل ہے۔

{2} حتی کہ اگر موہوب کوئی غلام ہو پس واہب نے رجوع کیا مگر موہوب لہ نے حکم قاضی سے پہلے اسے آزاد کر دیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا؛ کیونکہ موہوب لہ کی ملک باقی ہے اس لیے اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا۔ اور اگر موہوب لہ نے واہب کے رجوع کرنے اور مانگنے کے بعد موہوب چیز اس کو دینے سے انکار کیا پھر وہ ہلاک ہو گئی تو موہوب لہ ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ موہوب لہ کی ملکیت اس میں قائم ہے اور ملکیت کے ساتھ ضمان نہیں آتا ہے۔

{3} اسی طرح اگر حکم قاضی ہو جانے کے بعد واہب کو دینے سے پہلے موہوب چیز موہوب لہ کے قبضہ میں تلف ہو گئی تو بھی موہوب لہ ضامن نہ ہوگا جبکہ اس نے دینے سے انکار نہ کیا ہو؛ کیونکہ پہلا قبضہ اس کے ذمہ ضمانی نہیں تھا تو پھر بدل کر ضمانی نہ ہو جائے گا؛ کیونکہ موجود قبضہ تو وہی قبضہ اول چلا آرہا ہے اس لیے ہلاک ہونے کی صورت میں اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ لیکن اگر حکم قاضی کے بعد واہب واپس کرنے کا مطالبہ کرے اور موہوب لہ اس کو روک دے تو اس صورت میں موہوب لہ ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ موہوب لہ کی طرف سے تعدی پائی گئی اس لیے ضامن ہو گا۔

{4} اور اگر واہب نے بحکم قاضی یا باہمی رضامندی سے رجوع کیا تو یہ اصل سے فسخ ہبہ شمار ہو گا یعنی اصل عقدِ ہبہ ہی فسخ ہو جائے گا حتی کہ اس کے بعد واہب کا قبضہ کرنا شرط نہ ہو گا یعنی قبضہ کے بغیر موہوب چیز پر واہب کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، اور یہ رجوع مشترک موہوب میں صحیح ہو گا مثلاً موہوب لہ نے موہوبہ زمین کا نصف غیر مقسوم کسی کو ہبہ کر دیا ہو تو باقی نصف مشترک میں واہب کا رجوع کرنا صحیح ہو گا؛ کیونکہ عقد اول میں دو صفتیں تھیں ایک تو وہ ہبہ جائز ہوا تھا دوم واہب کو یہ حق حاصل تھا کہ موہوب لہ کی رضامندی یا حکم قاضی سے اس کو فسخ کر دے؛ کیونکہ یہ عقدِ تبرع ہے لازم نہیں ہے پس فسخ کی وجہ سے اس نے اپنا ایسا حق وصول کیا جو اس کے لیے ثابت تھا اس لیے یہ فسخ مطلقاً ہر صورت میں ظاہر ہو گا خواہ موہوب چیز بدستور موجود ہو یا اس میں شیوع ہو گیا ہو، خواہ قبضہ کرے یا نہ کرے۔

{5} اس کے برخلاف اگر بیع میں مشتری کے قبضہ کے بعد مشتری نے عیب کی وجہ سے مبیع واپس کر دی کہ یہاں قبضہ سے پہلے تو بے شک فسخ ہے اور قبضہ کے بعد اگر قاضی کے حکم سے ہو تو بھی فسخ ہے اور اگر باہمی رضامندی سے ہو تو یہ بیع جدید ہے اس وجہ سے کہ یہاں مشتری کا حق صرف یہ ہے کہ مبیع اس کو صحیح سالم ملے یہ حق اس کو نہیں ہے کہ جب چاہے بیع فسخ کر دے پس باہمی رضامندی سے موہوب چیز واپس کرنے میں اور عیب کی وجہ سے باہمی رضامندی سے مبیع واپس کرنے میں فرق ظاہر ہو گیا۔

{6} اگر موہوب مال تلف ہو گیا پھر کسی نے اس پر اپنا استحقاق ثابت کیا یعنی یہ ثابت کیا کہ یہ میری ملک تھی اور موہوب لہ سے تاوان لے لیا تو موہوب لہ اپنے واہب سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ ہبہ ایک عقدِ تبرع ہے تو اس میں یہ استحقاق نہیں

ہو سکتا کہ جو چیز دی گئی وہ موہوب لہ کو صحیح سالم ملے اور موہوب لہ ہبہ قبول کرنے میں واہب کے لیے کام کرنے والا بھی نہیں ہوتا کہ واہب اس کا ضامن رہے بلکہ اپنی ذات کے لیے اس نے یہ کام کیا ہے اس لیے واہب سے ضمان نہیں لے سکتا ہے۔

{7} سوال یہ ہے کہ واہب نے تو غیر کا مستحق مال موہوب لہ کو دے کر دھوکا دیا لہذا چاہیئے کہ واہب ضامن ہو؟ جواب یہ ہے کہ جو دھوکا عقدِ معاوضہ کے اندر ہو وہ تو بے شک واپس لینے کا سبب ہو سکتا ہے مگر جو دھوکہ عقدِ معاوضہ کے علاوہ کے ضمن میں ہو وہ واپس لینے کا سبب نہیں ہوتا ہے اور یہاں ہبہ چونکہ عقدِ معاوضہ نہیں ہے بلکہ عقدِ تبرع ہے اس لیے اس میں دھوکہ واپسی کا سبب نہیں ہو سکتا ہے۔

{8} اگر واہب نے بشرطِ عوض ہبہ کیا مثلاً کہا کہ میں تجھے یہ غلام اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں کہ تو اپنا غلام مجھے ہبہ کر دے تو اسی مجلس میں دونوں عوضوں پر باہمی قبضہ ہونا شرط ہے اور شیوع کی وجہ سے ایسا ہبہ باطل ہو گا یعنی اگر موہوب چیز یا عوض دونوں میں سے کوئی مشترک غیر مقسوم ہو تو یہ ہبہ باطل ہو گا؛ کیونکہ یہ ابتداء میں ہبہ ہے اگرچہ انتہاء میں بیع ہو جائے گا اور مشاع کا ہبہ باطل ہے اس لیے شیوع کی وجہ سے یہ ہبہ باطل ہو گا۔ پھر اگر دونوں نے باہمی قبضہ کر لیا تو عقد صحیح ہو گیا اور یہ بیع کے حکم میں ہو گیا اس لیے عیب اور خیارِ رؤیت کی وجہ سے واپس کیا جائے گا، اور اگر زمین ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہو گا؛ کیونکہ یہ عقد انتہاءً بیع ہے اس لیے اس کا وہی حکم ہو گا جو بیع کا ہے۔

{9} امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابتداء میں بھی بیع ہے اور انتہاء میں بھی بیع ہے؛ کیونکہ اس میں بیع کا معنیٰ موجود ہے یعنی کسی کو کسی چیز کا بعوض مالک کر دینا اور یہ بات اس عقد میں موجود ہے اس لیے یہ بیع ہے؛ کیونکہ معاملات میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے غلام کو خود اسی غلام کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ اس غلام کو آزاد کرنا ہے؛ کیونکہ یہ معنیً اعتاق ہے اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے۔

{10} ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبہ بشرط معاوضہ میں دو رخ پائے جاتے ہیں کہ لفظاً ہبہ ہے اور معنیً بیع ہے تو جہاں تک ممکن ہو دونوں کو جمع کیا جائے گا تا کہ ہر ایک رخ پر عمل ہو اور یہاں عمل کرنا ممکن ہے؛ کیونکہ ہبہ کے احکام میں سے یہ بات ہے کہ ملکیت حاصل ہونے میں قبضہ ہونے تک تاخیر ہوتی ہے یعنی جب قبضہ ہو گا تب ملکیت حاصل ہوتی ہے اور کبھی بیع میں بھی ایسا ہوتا ہے چنانچہ بیع فاسد میں بھی قبضہ ہونے تک ملکیت مؤخر ہوتی ہے اور بیع صحیح کے حکم میں سے یہ ہے کہ عقد لازم ہو جاتا ہے اور یہ بات کبھی ہبہ میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ عوض دینے سے ہبہ بھی لازم ہو جاتا ہے پس ہم نے ہبہ بشرطِ عوض میں ہبہ اور بیع دونوں کو جمع کر دیا یعنی ابتداء میں ہبہ کا حکم رکھا کہ شیوع سے باطل ہو گا اور انتہاء میں بیع ٹھہرایا کہ اسی مجلس میں باہمی قبضہ ہونا ضروری ہے۔

{11} امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ غلام کو خود غلام کے ہاتھ فروخت کرنے کا حکم اس کے بر خلاف ہے کہ اس میں بیع کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ غلام خود اپنی ذات کا مالک نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ آدمی اپنی ذات کا مالک نہیں ہوا کرتا ہے پس اگر ہم کہیں کہ غلام کو خود اس کے ہاتھ بیچنا بیع ہے تو لازم آئے گا کہ مولیٰ نے عوض لیا اور غلام کو غلام کی ملک میں دیا حالانکہ یہ باطل ہے تو صرف یہی ہوا کہ مولیٰ نے مال لے کر اس کو آزاد کر دیا۔

## فَصْلٌ

یہ فصل ہبہ کو متغیر کرنے کے بیان میں ہے۔

چونکہ اس فصل میں مذکور مسائل کا ہبہ کے ساتھ ایک طرح کا تعلق ہے لہٰذا یہ مسائل شتی کی طرح ہیں اس لیے ان مسائل کو مستقل فصل کے تحت ذکر کیا ہے۔

[1] قَالَ: وَمَنْ وَهَبَ جَارِيَةً إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ؛ لِأَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ لَا يَعْمَلُ إِلَّا فِي مَحَلٍّ يَعْمَلُ فِيهِ
فرمایا: اور جو شخص ہبہ کرے باندی مگر اس کا حمل، تو صحیح ہے ہبہ، اور باطل ہے استثناء؛ کیونکہ استثناء عمل نہیں کرتا ہے مگر اس محل میں جس میں عمل کرتا ہے

الْعَقْدُ، وَالْهِبَةُ لَا تَعْمَلُ فِي الْحَمْلِ لِكَوْنِهِ وَصْفًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فِي الْبُيُوعِ فَانْقَلَبَ شَرْطًا فَاسِدًا،
عقد، اور ہبہ عمل نہیں کرتا ہے حمل میں؛ کیونکہ وہ وصف ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو بیوع میں، پس استثناء بدل کر شرط فاسد ہو گیا،

وَالْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ {2} وَهَذَا هُوَ الْحُكْمُ فِي النِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهَا لَا تَبْطُلُ
اور ہبہ باطل نہیں ہوتا ہے شروط فاسدہ سے، اور یہی حکم ہے نکاح، خلع اور قتل عمد سے صلح کا؛ کیونکہ یہ باطل نہیں ہوتے ہیں

بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ وَالرَّهْنِ، لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِهَا. {3} وَلَوْ أَعْتَقَ مَا فِي بَطْنِهَا
شروط فاسدہ سے، بر خلاف بیع، اجارہ اور رہن کے؛ کیونکہ یہ باطل ہوتے ہیں شروط فاسدہ سے۔ اور اگر آزاد کیا اس کو جو باندی کے پیٹ میں ہے،

ثُمَّ وَهَبَهَا جَازَ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ الْجَنِينُ عَلَى مِلْكِهِ فَأَشْبَهَ الِاسْتِثْنَاءَ، {4} وَلَوْ دَبَّرَ مَا فِي بَطْنِهَا
پھر باندی کو ہبہ کیا تو جائز ہے؛ کیونکہ باقی نہیں رہا جنین واہب کی ملک پر، پس مشابہ ہو گیا استثناء کے۔ اور اگر مدبر کیا وہ جو اس کے پیٹ میں ہے

ثُمَّ وَهَبَهَا لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّ الْحَمْلَ بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ فَلَمْ يَكُنْ شِبْهَ الِاسْتِثْنَاءِ، وَلَا يُمْكِنُ تَنْفِيذُ الْهِبَةِ فِيهِ
پھر ہبہ کیا اس کو، تو جائز نہیں؛ کیونکہ حمل باقی ہے اس کی ملک پر، پس نہ ہوا مشابہ استثناء کے، اور ممکن نہیں نافذ کرنا ہبہ کو اس میں؛

لِمَكَانِ التَّدْبِيرِ فَبَقِيَ هِبَةَ الْمُشَاعِ أَوْ هِبَةَ شَيْءٍ هُوَ مَشْغُولٌ بِمِلْكِ الْمَالِكِ {5} قَالَ: فَإِنْ وَهَبَهَا لَهُ عَلَى أَنْ يَرُدَّهَا

تدبیر کی وجہ سے یا یہ ہبہ ہے ایسی چیز کا جو مشغول ہے ملک مالک کے ساتھ۔ اور اگر ہبہ کی باندی کسی کو اس شرط پر وہ واپس کرے گا اس
عَلَيْهِ أَوْ عَلَى أَنْ يُعْتِقَهَا أَوْ أَنْ يَتَّخِذَهَا أُمَّ وَلَدٍ أَوْ وَهَبَ دَارًا أَوْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ بِدَارٍ عَلَى أَنْ
واہب پر یا اس شرط پر کہ وہ آزاد کرے گا اس کو، یا بنائے گا اس کو ام ولد، یا ہبہ کرے گا اس کو مکان، یا صدقہ کیا اس پر مکان اس شرط پر
يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْهَا أَوْ يُعَوِّضَهُ شَيْئًا مِنْهَا فَالْهِبَةُ جَائِزَةٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ .لِأَنَّ هَذِهِ الشُّرُوطَ تُخَالِفُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ
کہ وہ واپس کرے گا کچھ اس میں، اور عوض دے گا اس کو کچھ اس میں سے، تو ہبہ جائز ہے، اور شرط باطل ہے؛ کیونکہ یہ شروط مقتضی عقد کے خلاف ہیں
فَكَانَتْ فَاسِدَةً ، وَالْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِهَا ، أَلَا تَرَى { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَجَازَ الْعُمْرَى وَأَبْطَلَ
پس یہ فاسد ہیں، اور ہبہ باطل نہیں ہوتا ہے شروط فاسدہ سے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ نبی ﷺ نے اجازت دی ہے عمری کی اور باطل قرار دیا
شَرْطَ الْمُعْمِرِ }{6}بِخِلَافِ الْبَيْعِ { ؛ لِأَنَّهُ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ } وَلِأَنَّ الشَّرْطَ الْفَاسِدَ فِي مَعْنَى الرِّبَا
معمر کی شرط کو، برخلاف بیع کے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے بیع اور شرط سے، اور اس لیے کہ شرطِ فاسد ربا کے معنی میں ہے،
وَهُوَ يَعْمَلُ فِي الْمُعَاوَضَاتِ دُونَ التَّبَرُّعَاتِ{7}قَالَ:وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ إذَا جَاءَ الْغَدُ فَهِيَ لَك
اور وہ مؤثر ہے معاوضات میں نہ کہ تبرعات میں۔ فرمایا: اور جس کے دوسرے پر ہزار درہم ہوں، پس اس نے کہا: جب آئے کل تو وہ تیرے لیے
أَوْ أَنْتَ مِنْهَا بَرِيءٌ.أَوْقَالَ:إذَا أَدَّيْتَ إلَيَّ النِّصْفَ فَلَكَ نِصْفُهُ أَوْ أَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ النِّصْفِ الْبَاقِي فَهُوَ بَاطِلٌ؛لِأَنَّ الْإِبْرَاءَ
یا تو بری ہے ان سے، یا کہا: جب تو ادا کرے مجھے نصف تو تیرے لیے نصف ہے، یا تو بری ہے باقی نصف سے، تو یہ باطل ہے؛ کیونکہ بری کرنا
تَمْلِيكٌ مِنْ وَجْهٍ إسْقَاطٌ مِنْ وَجْهٍ ، وَهِبَةُ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ إبْرَاءٌ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الدَّيْنَ مَالٌ مِنْ وَجْهٍ
تملیک ہے من وجہ اور اسقاط ہے من وجہ، اور ہبہ کرنا دَین کا اس کو جس پر دَین ہے ابراء ہے، اور یہ اس لیے کہ دَین مال ہے من وجہ،
وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ كَانَ تَمْلِيكًا ، وَوَصْفٌ مِنْ وَجْهٍ وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ كَانَ إسْقَاطًا ، وَلِهَذَا قُلْنَا : إنَّهُ يَرْتَدُّ
اور اس اعتبار سے ابراء تملیک ہوگا، اور وصف ہے من وجہ، اور اس اعتبار سے ابراء اسقاط ہوگا، اسی وجہ سے ہم نے کہا: کہ رد ہوتا ہے
بِالرَّدِّ ، وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَبُولِ .وَالتَّعْلِيقُ بِالشُّرُوطِ يَخْتَصُّ بِالْإِسْقَاطَاتِ الْمَحْضَةِ الَّتِي يُحْلَفُ بِهَا
رد کرنے سے، اور موقوف نہیں ہوتا قبول کرنے پر، اور تعلیق بالشروط مختص ہوتی ہے اسقاطاتِ محضہ کے ساتھ جن کی قسم کھائی جاتی ہے
كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ فَلَا يَتَعَدَّاهَا .{8}قَالَ : وَالْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِلْمُعْمَرِ لَهُ حَالَ حَيَاتِهِ وَلِوَرَثَتِهِ
جیسے طلاق اور عتاق، پس تجاوز نہیں کرے گی ان سے۔ فرمایا: اور عمری جائز ہے معمَر لہ کے لیے اس کی زندگی میں اور اس کے ورثہ کے لیے
مِنْ بَعْدِهِ ؛ لِمَا رَوَيْنَا .وَمَعْنَاهُ أَنْ يَجْعَلَ دَارَهُ لَهُ عُمْرَهُ

اس کے بعد؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ کر دے اپنا گھر اس کے لیے اس کی مدت عمر تک،

وَإِذَا مَاتَ تُرَدُّ عَلَيْهِ فَيَصِحُّ التَّمْلِيكُ ، وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ لِمَا رَوَيْنَا وَقَدْ بَيَّنَّا

اور جب وہ مر جائے تو واپس ہوگا معمر پر، تو صحیح ہے تملیک اور باطل ہے شرط؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، اور ہم بیان کر چکے

أَنَّ الْهِبَةَ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ{9} وَالرُّقْبَى بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: جَائِزَةٌ؛

کہ ہبہ باطل نہیں ہوتا ہے شروطِ فاسدہ سے۔ اور رقبی باطل ہے امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسف نے: جائز ہے؛

لِأَنَّ قَوْلَهُ دَارِي لَكَ تَمْلِيكٌ .وَقَوْلُهُ رُقْبَى شَرْطٌ فَاسِدٌ كَالْعُمْرَى .وَلَهُمَا

کیونکہ اس کا قول "دَارِي لَكَ" تملیک ہے، اور اس کا قول "رُقْبَى" شرطِ فاسد ہے جیسے عمری۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ

{ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَجَازَ الْعُمْرَى وَرَدَّ الرُّقْبَى } وَلِأَنَّ مَعْنَى الرُّقْبَى عِنْدَهُمَا إِنْ مِتُّ قَبْلَكَ

حضور ﷺ نے جائز رکھا عمری کو اور رد کر دیا رقبی کو، اور اس لیے کہ رقبی کا معنی طرفین کے نزدیک یہ ہے کہ: اگر میں مر گیا تجھ سے پہلے

فَهُوَ لَكَ ، وَاللَّفْظُ مِنَ الْمُرَاقَبَةِ كَأَنَّهُ يُرَاقِبُ مَوْتَهُ ، وَهَذَا تَعْلِيقُ التَّمْلِيكِ بِالْخَطَرِ فَبَطَلَ.

تو یہ تیرے لیے ہے، اور لفظ مراقبہ سے ہے گویا وہ انتظار کر رہا ہے اس کی موت کا، اور یہ تعلیق تملیک ہے خطر کے ساتھ، پس باطل ہے،

وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ تَكُونُ عَارِيَةً عِنْدَهُمَا ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إِطْلَاقَ الِانْتِفَاعِ بِهِ.

اور جب رقبی صحیح نہ ہوا تو مکان عاریت ہوا طرفین کے نزدیک؛ کیونکہ یہ متضمن ہے علی الاطلاق نفع حاصل کرنے کو اس سے۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی شخص نے دوسرے کو ایک باندی ہبہ کر دی مگر اس کے حمل کو مستثنیٰ کر دیا مثلاً کہا کہ "میں نے یہ باندی تجھے ہبہ کر دی مگر اس کا حمل ہبہ نہیں کیا ہے" تو یہ ہبہ صحیح ہے مگر استثناء باطل ہے یعنی باندی حمل کے ساتھ ہبہ ہو جائے گی؛ کیونکہ استثناء فقط اسی محل میں کام کرتا ہے جس میں اصل عقد کا اثر ہوتا ہے یعنی جس چیز کو ہبہ کرنا جائز ہو اس کو ہبہ سے مستثنیٰ کرنا بھی جائز ہوگا اور جس کو ہبہ نہ کیا جا سکتا ہو اس کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا جا سکے گا حالانکہ یہاں حمل میں ہبہ کرنا مؤثر نہیں ہے یعنی یہ جائز نہیں کہ باندی کے حمل کو ہبہ کرے اور خود باندی کو ہبہ نہ کرے؛ کیونکہ حمل تو حاملہ کا ایک وصف ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے "کتاب البیوع" میں بیان کیا کہ حمل جب تک حاملہ سے جدا نہ ہو تب تک حاملہ کے ہاتھ پاؤں کی طرح اس کا ایک وصف اور تابع ہے تو یہ استثناء بدل کر شرطِ فاسد ہو جائے گا، پھر ہبہ ایسا عقد ہے جو فاسد شرطوں سے باطل نہیں ہوتا ہے اس لیے ہبہ صحیح رہا اور شرط (استثناء) لغو ہو گئی۔

{2} اور یہی حکم (عقد کا صحیح ہونا اور استثناء کا باطل ہونا) نکاح اور خلع کا اور قتل عمد سے صلح کا ہے مثلاً نکاح میں باندی کو مہر بنا دیا اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کر دیا تو مہر ہونا صحیح ہے اور استثناء باطل ہے لہٰذا باندی مع حمل کے مہر ہو گی:: اسی طرح باندی کو بدلِ

خلع قرار دیا اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کر دیا تو استثناء باطل ہوگا؛ وجہ یہ ہے کہ یہ عقود بھی شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتے ہیں اس لیے یہ عقود صحیح ہیں اور شرط (استثناء) باطل ہے۔ اور بیع، اجارہ اور رہن کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ یہ عقود شروطِ فاسدہ سے باطل ہوجاتے ہیں مثلاً باندی خریدی، یا کرایہ پر دی، یا بطورِ رہن رکھ دی اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کر دیا تو یہ عقود صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ عقود شروطِ فاسدہ (استثناء) سے باطل ہوجاتے ہیں۔

{3} اور اگر ایسا ہوا کہ جو باندی کے پیٹ میں ہے اس کو آزاد کر دیا پھر باندی کو ہبہ کیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ مذکورہ حمل ہبہ کے وقت واہب کی ملکیت پر نہیں رہا تو وہ استثناءِ حمل کے مشابہ ہوگیا یعنی جیسا کہ استثناء اس بات کو بیان کرتا ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے تحت داخل نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی بیٹے کو پہلے سے آزاد کرنا اس بات کو بیان کرتا ہے کہ بیٹا ہبہ کے تحت داخل نہیں ہے۔

{4} اور اگر ایسا ہوا کہ جو باندی کے پیٹ میں ہے اس کو مدبر کیا پھر باندی کو ہبہ کیا تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حمل ابھی واہب کی ملکیت پر باقی ہے تو یہ استثناء کے مشابہ نہ ہوا بلکہ یہ موہوب چیز کا غیر موہوب کے ساتھ اختلاط ہے جو کہ عین مشاع ہے اور مشاع کا ہبہ صحیح نہیں ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ حمل میں بھی ہبہ نافذ کر دیا جائے؛ کیونکہ حمل مدبر ہے یعنی تملیک کے قابل نہیں ہے بہر حال مذکورہ ہبہ دو حال سے خالی نہیں یا تو مشاع کا ہبہ ہے یا ایسی چیز (باندی) کا ہبہ ہے جو مالک کی مِلک (ولد) کے ساتھ مشغول ہے اور ان دونوں صورتوں میں ہبہ جائز نہیں ہوتا ہے۔

{5} اور اگر واہب نے باندی موہوب لہ کو اس شرط پر ہبہ کی کہ موہوب لہ واہب کو باندی واپس دے گا یا اس شرط پر کہ موہوب لہ اس کو آزاد کرے گا، یا موہوب لہ اس کو ام ولد بنا دے گا، یا اس کو کوئی گھر ہبہ یا صدقہ کیا اس شرط پر کہ موہوب لہ اس گھر میں سے کوئی ٹکڑا واہب کو واپس کرے گا، یا اس میں سے کسی جزء کا واہب کو عوض دے گا تو ہبہ جائز ہے اور یہ شرطیں باطل ہیں یعنی باندی یا گھر جس کو ہبہ کیا ہے اس کی ملک ہوجائے گا اور واپس دینے، آزاد کرنے یا ام ولد بنانے وغیرہ کی شرط باطل ہے؛ کیونکہ انکی شرطیں عقد کے مقتضیٰ کے خلاف ہیں لہٰذا یہ شرطیں فاسد ہوئیں اور ہبہ فاسد شرطوں سے باطل نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے عُمریٰ کی اجازت دی اور عمریٰ دینے والے کی شرط کو باطل قرار دیا جیسا کہ ابو داؤد شریف میں روایت ہے "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى فَهِيَ لَهُ وَلِعَقِبِهِ يَرِثُهَا مَنْ يَرِثُهُ مِنْ عَقِبِهِ[1]" (جس شخص نے کسی شخص کو کوئی شئ زندگی بھر کے لیے دی تو وہ شئ اس شخص کی ملکیت ہوگئی کہ جس کو وہ شئ دی گئی ہے جب تک وہ حیات ہے اور اس شخص کے انتقال کے بعد،

---

([1]) ابو داؤد: باب فی العمری

ہی اس کے ورثہ کو ملے گی) اور عمریٰ اس شرط پر ہبہ کرنے کو کہتے ہیں کہ معمر لہ کے مرنے کے بعد واپس عمریٰ دینے والے کو ملے گا، مگر حضور ﷺ نے واپسی کی شرط کو باطل قرار دیا اور فرمایا ہے کہ معمر لہ کے ورثوں کو ملے گا۔

{6} باقی بیع کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے؛ اس لیے کہ حضور ﷺ نے بیع و شرط سے منع فرمایا ہے[1]۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع میں فاسد شرط سود کے معنی میں ہے؛ کیونکہ جب مبیع کا مقابلہ ثمن سے کیا گیا تو شرط عوض سے خالی رہی اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ ہے اور یہی سود ہے، البتہ اس کا اثر معاوضات میں ہوتا ہے تبرعات میں نہیں ہوتا ہے یعنی ہبہ اور صدقہ وغیرہ جو محض احسان ہیں ان میں سود کا معنی نہیں پایا جاتا ہے؛ کیونکہ سود تو اس کو کہتے ہیں کہ باہمی معاوضہ میں ایک طرف سے کوئی جزء ایسا ہو کہ اس کے مقابلے میں عوض نہ ہو اور ہبہ وصدقہ وغیرہ تبرعات میں جب عوض ہی نہیں ہوتا ہے تو سود بھی نہیں ہو سکتا اس لیے ان عقود میں شرط لگانے سے سود لازم نہیں آتا ہے۔

{7} اگر ایک شخص کے ہزار درہم دوسرے پر قرضہ ہوں اور قرضخواہ نے کہا کہ "جب کل کا دن آئے تو یہ درہم تیرے لیے ہیں" یا کہا کہ "جب کل کا دن آئے تو تو ان درہموں سے بری ہے" یا کہا کہ "جب تو نے مجھے آدھے ادا کر دیئے تو باقی آدھے تیرے لیے ہیں" یا کہا کہ "تو باقی آدھے سے بری ہے" تو یہ تملیک یا براءت باطل ہے اور ہزار درہم قرضدار کے ذمہ برقرار رہیں گے؛ کیونکہ بری کرنا من وجہ تملیک ہوتا ہے؛ اس لیے کہ ابراء رد کرنے سے رد ہوتا ہے، اور من وجہ اسقاط ہوتا ہے؛ کیونکہ قبول پر موقوف نہیں ہے، اور جس پر قرضہ ہے اس کو قرضہ ہبہ کرنا اس کو بری کرنا ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ قرضہ من وجہ مال ہے حتی کہ اس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے تو اس لحاظ سے اس کا ہبہ کرنا تملیک (مالک کرنا) ہوگی، اور یہ قرضہ من وجہ وصف ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں پر اس کے قرضے ہونے کے باوجود اگر اس نے قسم کھائی کہ "واللہ میرے پاس مال نہیں ہے" تو حانث نہ ہوگا تو جب قرضہ من وجہ وصف ہے تو اس لحاظ سے اس کا ہبہ کرنا اسقاط ہے یعنی قرضدار کے ذمہ سے ساقط کر دینا ہے اور ان دونوں وجوہ کے لحاظ سے ہم نے کہا کہ قرضخواہ کا یہ ہبہ قرضدار کے رد کر دینے سے رد ہو جاتا ہے یعنی اگر وہ کہے کہ میں ابراء نہیں قبول کرتا ہوں تو قرضخواہ کا ہبہ کرنا رد ہو جائے گا، اور یہ تملیک کی علامت ہے، اور ہم نے یہ بھی کہا کہ یہ قرضدار کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا یعنی اسقاط ہونے کی وجہ سے اگر قرضخواہ نے اپنا حق ساقط کر دیا تو ساقط ہو جائے گا پس جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ دین من وجہ مال اور من وجہ وصف ہے تو جاننا چاہیئے کہ شرط پر معلق کرنا ایسی چیزوں کے ساتھ مختص ہے جو محض اسقاط ہوں کہ جن کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہو یعنی ان کو شرط پر معلق کی جاتی ہوں جیسے طلاق اور عتاق، پس تعلیق بالشرط محض اسقاطات سے دیگر چیزوں کی طرف متعدی نہ ہوگی

(1) نهى عن بيع وشرط، تقدم في أوائل البيوع (نصب الراية 311/4)

كان كما قالا فالقول قولهما فعلى المفتي أن يكون بصيراً و عارفاً باصطلاح الناس في الفاظهم ومحاوراتهم فيفتي بما هو المراد عندهم (هامش الهداية: 290/3).

## فَصْلٌ فِي الصَّدَقَةِ

یہ فصل صدقہ کے بیان میں ہے۔

صدقہ چونکہ ہبہ کے ساتھ شروط میں شریک ہے اور حکم میں مختلف ہے (تفصیل کتاب میں موجود ہے) اس لیے اس کو "کتاب الہبہ" میں مستقل فصل کے تحت ذکر کیا ہے۔

{1} قَالَ : وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ لَا تَصِحُّ إلَّا بِالْقَبْضِ ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ كَالْهِبَةِ ، فَلَا تَجُوزُ فِي مُشَاعٍ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ، لِمَا بَيَّنَّا فِي الْهِبَةِ {2} وَلَا رُجُوعَ فِي الصَّدَقَةِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الثَّوَابُ وَقَدْ حَصَلَ. وَكَذَا إذَا تَصَدَّقَ عَلَى غَنِيٍّ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَقْصِدُ بِالصَّدَقَةِ عَلَى الْغَنِيِّ الثَّوَابَ .وَكَذَا إذَا وَهَبَ الْفَقِيرَ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الثَّوَابُ وَقَدْ حَصَلَ .{3} وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمَالِهِ يَتَصَدَّقُ بِجِنْسِ مَا يَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِلْكِهِ لَزِمَهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِالْجَمِيعِ ، وَيُرْوَى أَنَّهُ وَالْأَوَّلَ سَوَاءٌ ، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْفَرْقَ .وَوَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ فِي مَسَائِلِ الْقَضَاءِ {4} وَيُقَالُ لَهُ

ترجمہ: {1} فرمایا: اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے، صحیح نہیں مگر قبضہ سے؛ کیونکہ صدقہ تبرع ہے ہبہ کی طرح، پس جائز نہیں ایسی مشترک چیز میں جو قابل تقسیم ہو؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہبہ میں، {2} اور رجوع نہیں ہوتا صدقہ میں؛ کیونکہ مقصود ثواب ہے اور وہ حاصل ہو چکا۔ اور اسی طرح جب صدقہ کر دے غنی پر، استحساناً؛ کیونکہ کبھی قصد کیا جاتا ہے غنی پر صدقہ سے ثواب کا، اور وہ حاصل ہو چکا، اور اسی طرح جب ہبہ کرے فقیر کو؛ کیونکہ مقصود وہی ثواب ہے اور وہ حاصل ہو چکا۔ {3} فرمایا: اور جو شخص نذر مانے صدقہ کرنے کی اپنے مال کو، تو صدقہ کرے جنس اس کی جس میں واجب ہوتی ہے زکوۃ، اور جو شخص نذر مانے اپنی ملک صدقہ کرنے کی، تو اس کو لازم ہے کہ صدقہ کرے سارا مال، اور مروی ہے کہ یہ اور اول برابر ہیں، اور ہم ذکر کر چکے فرق اور دونوں روایتوں کی وجہ مسائل قضاء میں، {4} اور کہا جائے گا اس سے:

أَمْسِكْ مَاتُنْفِقُهُ عَلَى نَفْسِكَ وَعِيَالِكَ إِلَى أَنْ تَكْتَسِبَ، فَإِذَا اكْتَسَبَ مَالًا يَتَصَدَّقُ بِمِثْلِ مَا أَنْفَقَ ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

روک دو اتنا مال جو تو خرچ کرو گے اپنے اوپر اور اپنے عیال پر یہاں تک کہ تو کمائے مال، پھر جب وہ کمائے تو صدقہ کر دے بقدر اس کے جو اس نے خرچ کیا ہے، اور ہم ذکر کر چکے اس کو اس سے پہلے۔

تشریح:۔ {1} صدقہ ہبہ کی طرح بغیر قبضہ کے صحیح نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ صدقہ بھی ہبہ کی طرح تبرع ہے۔ تو جو مشترک چیز قابلِ تقسیم ہو اس کا صدقہ جائز نہ ہوگا؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے ہبہ میں بیان کی کہ اس نے تو فقط صدقہ دینے کا قصد کیا تھا تقسیم کرنے کا التزام نہیں کیا تھا حالانکہ اگر مشترک چیز کا صدقہ صحیح ہو جائے تو جس کو صدقہ دیا وہ اس کا شریک ہو جائے گا اور شریک تقسیم چاہے گا جو صدقہ دینے والے پر لازم ہوگا جس کی وجہ سے اس پر ایسی بات (تقسیم) لازم آئے گی جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے لہٰذا مشترک صدقہ باطل ہے۔

{2} پھر واضح رہے کہ ہبہ اور صدقہ میں فرق بھی ہے کہ ہبہ میں واہب رجوع کر سکتا ہے جیسا کہ گذر چکا جبکہ صدقہ میں صدقہ کرنے والا رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ صدقہ سے ثواب ہی مقصود ہوتا ہے اور وہ حاصل ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ جب عقد کا مقصود حاصل ہو جائے تو عقد لازم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی غنی شخص کو صدقہ دیا ہو تو بھی صدقہ دینے والا استحسانا رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ غنی کو صدقہ دینے میں بھی کبھی ثواب کا قصد ہوتا ہے یوں کہ غنی کا عیال زیادہ ہونے کی صورت میں لوگ اس کو ثواب کی نیت سے صدقہ دیتے ہیں اس صورت میں صدقہ دیتے ہی ثواب حاصل ہو جاتا ہے پس صدقہ دینے والے کا مقصود حاصل ہو گیا اس لیے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے فقیر کو ہبہ دیا تو بھی رجوع کا حق نہیں رہتا ہے؛ کیونکہ فقیر کو ہبہ سے مقصود ثواب ہوتا ہے اور وہ حاصل ہو گیا اس لیے اس کو رجوع کا حق نہیں رہے گا۔

{3} اگر ایک شخص نے اپنا مال صدقہ کرنے کی نذر کی یعنی کہا کہ "اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ اپنا مال فقیروں پر صدقہ کروں" تو بندہ کے ایجاب کو اللہ کے ایجاب پر قیاس کرتے ہوئے اس جنس کا مال صدقہ کرنا لازم ہوگا جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اور جس نے یہ نذر کی کہ "میری مِلک صدقہ ہے" تو اس پر کل مال صدقہ کرنا لازم ہے یعنی فقط اس جنس کا مال صدقہ کرنا لازم نہیں جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے بلکہ اپنے پورے مال کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ اور ایک روایت اس طرح بھی آئی ہے کہ یہ دونوں صورتیں (مال اور ملک کی صورتیں) حکم میں برابر ہیں اور ہم نے مسائل قضاء میں ان دونوں روایتوں میں فرق کو اور دونوں روایتوں کی وجہ کو بیان کر دیا ہے۔

{4} پھر جہاں اس پر کل مال صدقہ کرنا لازم ہو تو وہ اپنی زندگی کس طرح بسر کرے گا؛ کیونکہ شاید اس کو قرض نہ مل سکے یا قرض لے کر مر جائے تو وبال شدید ہے تو ایک مفتی اس کو کیا حکم بتلادے گا؟ جواب یہ ہے کہ نذر کرنے والے سے کہا جائے گا کہ جب بھی تو نیا مال کمائے گا اس وقت تک کے لیے مذکورہ مال میں سے اس قدر اپنے پاس روک لو جو تو اپنی ذات اور اپنے عیال پر خرچ کروگے پھر جب تو نیا مال حاصل کروگے تو منذور مال میں سے جس قدر لے لیا تھا اس کا مثل صدقہ کردو، اور ہم اس مسئلہ کو سابق میں ذکر کر چکے ہیں یعنی "کتاب القضاء" کے "باب القضاء بالمواریث" میں اس مسئلہ کو بیان کر چکے ہیں۔

# كِتَابُ الْإِجَارَاتِ

یہ کتاب اجارات کے بیان میں ہے۔

اجارہ لغۃً اُجرت کا نام ہے اُجرت اجیر کی مزدوری کو کہتے ہیں اور اُجر وہ ہے جس کا استحقاق کسی نیک کام کے کرنے پر ہو۔ اسی لئے اس کے ذریعہ دعاء دی جاتی ہے کہا جاتا ہے "اَجرَکَ اللّٰہُ واَعظَمَ اللّٰہُ اَجرَکَ"۔ اور اجارہ کا مصدر ہونا بھی ممکن ہے لہٰذا اجارہ لغت میں منافع فروخت کرنے کو کہتے ہیں۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے اجارہ کی شرعی تعریف اس طرح کی ہے "اَلاِجَارَۃُ عَقدٌ عَلَی المَنَافِعِ بِعِوَضٍ" یعنی اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر بعوض واقع ہوتا ہے۔ اور بعضوں نے یوں تعریف کی ہے "اَلاِجَارَۃُ عَقدٌ عَلٰی مَنفَعَۃٍ مَعلُومَۃٍ بِعِوَضٍ مَعلُومٍ اِلٰی مُدَّۃٍ مَعلُومَۃٍ" یعنی معلوم منفعت کو عوضِ معلوم کے بدلے مدتِ معلوم تک فروخت کرنے کو اجارہ کہتے ہیں۔

کرایہ پر دی ہوئی شیئ کو "مأجور، مؤجَر" اور "مستأجَر" (بفتح الجیم) کہتے ہیں اور (مأجور) کرایہ پر دینے والے کو "آجر، مُکاری" (ضم المیم) اور "موجِر" (بکسر الجیم) کہتے ہیں اور مأجور کو کرایہ پر لینے والے کو "مستأجِر" (بکسر الجیم) کہتے ہیں اور "اجیر" مزدور کو کہتے ہیں۔

فائدہ:۔ اجارہ صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرائط ہیں (۱) عاقدین میں اہلیتِ اجارہ ہو یعنی عاقدین عاقل، بالغ، سمجھدار ہوں (۲) عقد عاقدین کی رضامندی سے ہو (۳) منفعت معلوم ہو یعنی یہ معلوم ہو کہ کس قسم کے کام کے لئے کون سی چیز کتنی مدت کے لئے کرایہ پر لی گئی ہے، تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو مثلاً اگر مکان کو کرایہ پر لیا تو پہلے مکان کو دیکھ

لیا جائے اور یہ آپس میں یہ طے کر لے کہ کتنی مدت کے لئے مستاجر اس سے فائدہ حاصل کرے گا۔(۵) اجرت کی مقدار معلوم
ہو مثلاً کرایہ دار ماہانہ گھر کا کتنا کرایہ دے گا تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو (۴) معقود علیہ قابل انتفاع ہو پس غصب شدہ
کرایہ پر دینا جائز نہیں؛ کیونکہ کرایہ دار کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں (۶) معقود علیہ کام اجیر کے ذمہ فرض نہ
ہو لہٰذا نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے لئے کسی کو اجرت پر لینا جائز نہ ہوگا اور اس پر اجرت وصول کرنا حرام ہوگا۔

"اِجارات" جمع ہے "اِجارۃ" کی، چونکہ اجارات کے بہت سے انواع ہیں مثلاً مکان کرایہ پر دینا، خالی زمین کرایہ
پر دینا، جانور کرایہ پر دینا وغیرہ، اور اجارہ کی ایک قسم وہ ہے جس میں مدت کے ذریعہ منفعت معلوم ہوتی ہے جیسے سکونت کے لئے
گھر کو اجارہ پر لینا، اور ایک قسم وہ ہے کہ جس میں منفعت بیان کرنے سے آگاہی حاصل ہوتی ہے جیسے درزی کو کپڑا سینے کے لئے
مزدور رکھنا پس ان مختلف اقسام کی وجہ سے اس کو لفظِ جمع کے ساتھ ذکر کیا۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ "کتاب الھبۃ" میں اعیان بلاعوض کا بیان تھا اور "کتاب الاجارات" میں منافع بعوض
کا بیان ہے چونکہ اعیان منافع سے مقدم ہوتے ہیں اس لیے اعیان کے بیان کو منافع کے بیان سے مقدم کر دیا، نیز ہبہ میں عوض معدوم
ہوتا ہے اور اجارات میں موجود ہوتا ہے اور ممکنات میں عدم وجود سے مقدم ہوتا ہے اس لیے ہبہ کو اجارات سے مقدم کر دیا۔

{1} الْإِجَارَةُ : عَقْدٌ عَلَى الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ ؛ لِأَنَّ الْإِجَارَةَ فِي اللُّغَةِ بَيْعُ الْمَنَافِعِ ، وَالْقِيَاسُ يَأْبَى جَوَازَهُ
اجارہ ایسا عقد ہے جو واقع ہوتا ہے بعوض منافع پر؛ کیونکہ اجارہ لغت میں منافع فروخت کرنا ہے، اور قیاس انکار کرتا ہے اس کے جواز کا
لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ الْمَنْفَعَةُ وَهِيَ مَعْدُومَةٌ ، وَإِضَافَةُ التَّمْلِيكِ إلَى مَا سَيُوجَدُ لَا يَصِحُّ إلَّا أَنَّا جَوَّزْنَاهُ
کیونکہ معقود علیہ منفعت ہے، اور وہ معدوم ہے، اور تملیک کی نسبت ایسی چیز کی طرف جو آئندہ پائی جائے گی، صحیح نہیں ہے، مگر ہم نے جائز قرار دیا اس کو
لِحَاجَةِ النَّاسِ إلَيْهِ ،{2} وَقَدْ شَهِدَتْ بِصِحَّتِهَا الْآثَارُ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { أَعْطُوا الْأَجِيرَ
لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اس کی طرف، اور شہادت دی ہے اس کی صحت کی آثار نے، اور وہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "دیدو مزدور کو
أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ } وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُعْلِمْهُ أَجْرَهُ
اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے" اور حضور کا ارشاد ہے "جو اجارہ پر لے مزدور کو تو چاہیے کہ بتائے اس کو اس کی اجرت"
{3} وَتَنْعَقِدُ سَاعَةً فَسَاعَةً عَلَى حَسَبِ حُدُوثِ الْمَنْفَعَةِ، وَالدَّارُ أُقِيمَتْ مَقَامَ الْمَنْفَعَةِ فِي حَقِّ إضَافَةِ الْعَقْدِ إلَيْهَا

اور اجارہ منعقد ہوتا ہے وقت کے ساتھ ساتھ حدوثِ نفع کے موافق، اور مکان قائم مقام کیا گیا ہے منفعت کے اس کی طرف اضافتِ عقد کے حق میں،

لِيَرْتَبِطَ الْإِيجَابُ بِالْقَبُولِ ، ثُمَّ عَمَلُهُ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْمَنْفَعَةِ مِلْكًا وَاسْتِحْقَاقًا حَالَ وُجُودِ الْمَنْفَعَةِ.

تاکہ جوڑ ثابت ہو ایجاب کا قبول کے ساتھ، پھر اس کا عمل ظاہر ہوتا ہے منفعت کے حق میں مالک ہونے اور استحقاق کی راہ سے وجودِ منفعت کی حالت میں۔

{4} وَلَا تَصِحُّ حَتَّى تَكُونَ الْمَنَافِعُ مَعْلُومَةً ، وَالْأُجْرَةُ مَعْلُومَةً ؛ لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْجَهَالَةَ

اور صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور اس لیے کہ جہالت

فِي الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَبَدَلِهِ تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ كَجَهَالَةِ الثَّمَنِ وَالْمُثْمَنِ فِي الْبَيْعِ {5} وَمَا جَازَ أَنْ يَكُونَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ

معقود علیہ اور اس کے بدل میں مفضی ہوتی ہے جھگڑے کو جیسے جہالتِ ثمن اور مبیع بیع میں۔ اور جو چیز جائز ہو کہ ثمن بنے بیع میں

جَازَ أَنْ يَكُونَ أُجْرَةً فِي الْإِجَارَةِ ؛ لِأَنَّ الْأُجْرَةَ ثَمَنُ الْمَنْفَعَةِ ، فَتُعْتَبَرُ بِثَمَنِ الْمَبِيعِ .وَمَا لَا يَصْلُحُ ثَمَنًا

جائز ہے کہ اجرت بنے اجارہ میں؛ کیونکہ اجرت ثمن ہے منفعت کا، تو قیاس کیا جائے گا ثمنِ مبیع پر، اور جو چیز لائق نہ ہو ثمن ہونے کے

يَصْلُحُ أُجْرَةً أَيْضًا كَالْأَعْيَانِ .فَهَذَا اللَّفْظُ لَا يَنْفِي صَلَاحِيَةَ غَيْرِهِ ؛ لِأَنَّهُ عِوَضٌ مَالِيٌّ {6} وَالْمَنَافِعُ

وہ بھی لائق ہوگی اجرت ہونے کی جیسے اعیان، پس یہ لفظ نفی نہیں کرتا ہے غیر کے لائق ہونے کی؛ کیونکہ وہ عوضِ مالی ہے۔ اور منافع

تَارَةً تَصِيرُ مَعْلُومَةً بِالْمُدَّةِ كَاسْتِئْجَارِ الدُّورِ ، لِلسُّكْنَى وَالْأَرَضِينَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلَى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ

کبھی معلوم ہوتے ہیں مدت سے جیسے کرایہ پر لینا گھروں کو رہائش کے لیے، اور زمینوں کو زراعت کے لیے، پس صحیح ہے عقد معلوم مدت پر

أَيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ؛ لِأَنَّ الْمُدَّةَ إِذَا كَانَتْ مَعْلُومَةً كَانَ قَدْرُ الْمَنْفَعَةِ فِيهَا مَعْلُومًا إِذَا كَانَتِ الْمَنْفَعَةُ لَا تَتَفَاوَتُ .{7} وَقَوْلُهُ

جو بھی مدت ہو؛ کیونکہ مدت جب معلوم ہو تو ہو جائے گی مقدارِ منفعت اس میں معلوم، جبکہ منفعت متفاوت نہ ہوتی ہو، اور ماتن کا قول

أَيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ يَجُوزُ طَالَتِ الْمُدَّةُ أَوْ قَصُرَتْ لِكَوْنِهَا مَعْلُومَةً وَلِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَيْهَا عَسَى،

"أيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ" اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اجارہ جائز ہے خواہ مدت طویل ہو یا مختصر؛ بوجہ اس کے معلوم ہونے اور اس کی طرف تحققِ حاجت ممکن ہونے کے،

إِلَّا أَنَّ فِي الْأَوْقَافِ لَا تَجُوزُ الْإِجَارَةُ الطَّوِيلَةُ كَيْ لَا يَدَّعِيَ الْمُسْتَأْجِرُ مِلْكَهَا وَهِيَ مَا زَادَ عَلَى ثَلَاثِ سِنِينَ

مگر اوقاف میں جائز نہیں ہے طویل اجارہ؛ تاکہ دعویٰ نہ کرے مستاجر اس کے مالک ہونے کا، اور طویل مدت وہ ہے جو زائد ہو تین برس سے

هُوَ الْمُخْتَارُ {8} قَالَ: وَتَارَةً تَصِيرُ مَعْلُومَةً بِنَفْسِهِ كَمَنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا عَلَى صَبْغِ ثَوْبِهِ أَوْ خِيَاطَتِهِ أَوِ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً

یہی مختار ہے۔ فرمایا: اور منافع کبھی معلوم ہو جاتے ہیں نفسِ عقد سے جیسے اجرت پر لے کسی شخص کو کپڑا رنگنے یا سینے کے لیے، یا کرایہ پر لے جانور

لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مَعْلُومًا أَوْ يَرْكَبَهَا مَسَافَةً سَمَّاهَا ؛ لِأَنَّهُ إِذَا بَيَّنَ الثَّوْبَ وَلَوْنَ الصَّبْغِ

تاکہ لادے اس پر معلوم مقدار یا سوار ہو اس پر اتنی مسافت تک جس کو اس نے بیان کیا ہو؛ کیونکہ جب اس نے بیان کیا کپڑا، اور رنگائی کا رنگ،

وَقَدْرَهُ وَجِنْسَ الْخِيَاطَةِ وَالْقَدْرَ الْمَحْمُولَ وَجِنْسَهُ وَالْمَسَافَةَ صَارَتِ الْمَنْفَعَةُ مَعْلُومَةً فَيَصِحُّ الْعَقْدُ

اور اس کی مقدار، اور سلائی کی جنس، اور لادنے والی چیز کی مقدار اور جنس، اور مسافت، تو منفعت معلوم ہو گئی، پس صحیح ہے عقد۔

{9} وَرُبَّمَا يُقَالُ: الْإِجَارَةُ قَدْ تَكُونُ عَقْدًا عَلَى الْعَمَلِ كَاسْتِئْجَارِ الْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ، وَلَابُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَمَلُ مَعْلُومًا وَذَلِكَ فِي الْأَجِيرِ الْمُشْتَرَكِ، وَقَدْ تَكُونُ عَقْدًا عَلَى الْمَنْفَعَةِ كَمَا فِي أَجِيرِ الْوَحْدِ، وَلَابُدَّ مِنْ بَيَانِ الْوَقْتِ. {10} قَالَ: وَتَارَةً تَصِيرُ الْمَنْفَعَةُ مَعْلُومَةً بِالتَّعْيِينِ وَالْإِشَارَةِ كَمَنْ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا، لِيَنْقُلَ لَهُ هَذَا الطَّعَامَ إِلَى مَوْضِعٍ مَعْلُومٍ؛ لِأَنَّهُ إِذَا أَرَاهُ مَا يَنْقُلُهُ وَالْمَوْضِعَ الَّذِي يَحْمِلُ إِلَيْهِ كَانَتِ الْمَنْفَعَةُ مَعْلُومَةً فَيَصِحُّ الْعَقْدُ.

اور بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ اجارہ کبھی عقد ہوتا ہے عمل پر جیسے اجارہ پر لینا دھوبی اور درزی کو، اور ضروری ہے کہ عمل معلوم ہو، اور یہ اجیر مشترک میں ہوتا ہے، اور کبھی عقد ہوتا ہے منفعت پر جیسے اجیر خاص میں، اور ضروری ہے وقت بیان کرنا۔ اور فرمایا: اور کبھی معلوم ہوتی ہے منفعت تعیین اور اشارہ سے جیسے کوئی اجارہ پر لے کسی شخص کو تا کہ وہ منتقل کرے اس غلہ کو ایک معلوم جگہ تک؛ کیونکہ جب دکھلا دیا وہ جس کو وہ نقل کرے گا اور وہ جگہ جہاں تک اٹھائے گا اس کو، تو منفعت معلوم ہو گئی، پس صحیح ہو گا عقد۔

تشریح:۔{1} اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر بعوض واقع ہوتا ہے اس لیے کہ لغت میں منافع فروخت کرنے کو اجارہ کہتے ہیں اور شریعت میں اجارہ کا وہی معنی ہے جو لغت میں ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عقدِ اجارہ جائز نہ ہو؛ کیونکہ اجارہ میں معقود علیہ منفعت ہے یعنی منفعت پر عقد واقع ہوتا ہے اور منفعت بالفعل معدوم ہے اور جو چیز کہ آئندہ پائی جانے والی ہو اس کی جانب تملیک کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ ایسی چیز فی الحال معدوم ہوتی ہے لہٰذا اسے معقود علیہ قرار دینا محال ہے، مگر ہم نے اس قیاس کو چھوڑ دیا اور استحساناً عقدِ اجارہ کو جائز قرار دیا؛ کیونکہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے پس اگر اس کو جائز نہ قرار دیا جائے تو لوگ حرج اور مشقت میں پڑ جائیں گے حالانکہ حرج شرعاً دور کر دیا گیا ہے اس لیے اجارہ ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے۔

{2} اور اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے آثار بھی شاہد ہیں جن میں سے ایک حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "دیدو مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے[1]" اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص کسی اجیر کو اجارہ پر لے تو اس کی

---

([1]) أخرجه ابن ماجة في سننه في كتاب الأحكام في باب أجر الأجراء عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعطوا الأجير أجره، قبل أن يجف عرقه"، انتهى. وهو معلول بعبد الرحمن بن زيد. (نصب الراية: 313/4)

اجرت سے اس کو آگاہ کردے [1]"۔ اور قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ شعیب علیہ السلام نے آٹھ برس بکریاں چرانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجارہ پر لیا جو اجارہ کے جواز کی دلیل ہے۔

{3} اجارہ وقت کے ساتھ ساتھ معقود علیہ منافع کے ظاہر ہونے کے موافق منعقد ہوتا رہتا ہے اور چونکہ بالفعل منافع موجود نہیں ہوتے ہیں اس لیے مکان وغیرہ جس کو اجارہ پر لیا ہو وہ اس بارے میں منفعت کے قائم مقام ہوتا ہے کہ عقدِ اجارہ اسی مکان کی جانب مضاف ہوتا ہے تاکہ قبول کے ساتھ ایجاب مرتبط ہو کر باہم جُڑ جائے؛ کیونکہ ایجاب اور قبول کسی محل کی طرف مضاف ہونے کے بغیر مرتبط نہیں ہوتے ہیں پس مکان کو محل کے قائم مقام قرار دیا تاکہ ارتباط متحقق ہو۔ پھر جب منفعت حاصل ہو جائے تو مالک ہونے اور استحقاق کے حق میں اجارہ کا عمل منفعت کے حق میں ظاہر ہوتا ہے یعنی جس وقت منفعت حاصل ہو جائے تو اسی وقت مستاجر کو اس کی ملکیت اور استحقاق دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔ برخلافِ کسی عین کے فروخت کرنے کے کہ اس میں عین شئی میں ملکیت فی الحال ثابت ہو جاتی ہے اور استحقاق ثمن نقد ہونے کے وقت تک مؤخر ہوتا ہے۔

{4} اجارہ صحیح نہیں ہوتا ہے جب تک کہ منافع معلوم نہ ہوں اور اجرت معلوم نہ ہو؛ دلیل وہی حدیث ہے جو ہم نے اوپر روایت کی یعنی "جو شخص کسی اجیر کو اجارہ پر لے تو اس کی اجرت سے اس کو آگاہ کردے" یہ حدیث جس طرح کہ اپنی عبارت کے اعتبار سے اجرت کے معلوم ہونے کی شرط پر دلالت کرتی ہے اسی طرح اپنی دلالت کے اعتبار سے منافع کے معلوم ہونے کی شرط پر بھی دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ اجارہ میں معقود علیہ منفعت ہے جو کہ اصل ہے اور اجرت معقود بہ ہے جو کہ فرع ہے تو جب فرع کا معلوم ہونا شرط ہے تو اصل کا معلوم ہونا بطریقہ اولیٰ شرط ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ (منافع) اور اس کے عوض (اجرت) میں جہالت مفضی للنزاع ہوتی ہے جیسے بیع میں ثمن و مبیع کا مجہول ہونا مفضی للنزاع ہوتا ہے اس لیے عقدِ اجارہ کی صحت کے لیے معقود علیہ اور اس کے عوض کا معلوم ہونا شرط ہے۔

[1] رواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم النخعي عن أبي سعيد الخدري، وأبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من استأجر أجيرا فليعلمه أجره"، انتهى. وعن عبد الرزاق رواه إسحاق بن راهويه في مسنده، فقال: أخبرنا عبد الرزاق ثنا معمر عن حماد عن إبراهيم عن الخدري عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "من استأجر أجيرا فليبين له أجرته"، انتهى. (نصب الراية: 315/4)

{5} جو چیز بیع میں ثمن ہو سکتی ہے وہ اجارہ میں اجرت ہو سکتی ہے؛ کیونکہ اجرت بھی منفعت کا ثمن ہے تو اجرت کو بیع کے ثمن پر قیاس کیا جائے گا۔ اور جو چیز مبیع کا ثمن ہونے کے لائق نہیں ہے وہ بھی اجرت ہو سکتی ہے جیسے وہ اعیان جو ذوات الامثال نہ ہوں مثلاً غلام اور کپڑا وغیرہ تو وہ اجارہ میں اجرت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ معلوم ہوں مثلاً ایک مکان ایک ماہ کے لیے بعوض غلام کرایہ پر لیا تو یہ جائز ہے اگرچہ اعیان مبیع کا ثمن نہیں ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ اموال تین طرح ہیں، جو محض ثمن ہوتے ہیں جیسے دراہم، جو محض مبیع ہوتے ہیں جیسے وہ اعیان جو ذوات الامثال نہ ہوں، جو ثمن اور مبیع دونوں ہو سکتے ہیں جیسے مکیلی اور موزونی چیزیں۔ پس یہ جو مصنف نے کہا کہ "جو چیز بیع میں ثمن ہو سکتی ہے وہ اجارہ میں اجرت ہو سکتی ہے" یہ ثمن کے علاوہ کے لائق اجرت ہونے کی نفی نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ اجرت عوضِ مالی ہے جس کا مدار مال پر ہے اور اعیان بھی مال ہیں لہٰذا اعیان اجرت ہو سکتے ہیں۔

{6} پھر منافع کا معلوم ہو جانا کبھی تو مدت کے بیان سے ہوتا ہے جیسے گھروں کو سکونت کے لیے اجارہ پر لینا یا اراضی کو زراعت کے لیے اجارہ پر لینا پس کسی معلوم مدت پر عقد کرنا صحیح ہو جائے گا خواہ کوئی مدت ہو؛ کیونکہ جب مدت معلوم ہو تو اس مدت کے اندر منفعت کی مقدار معلوم ہوگی بشرطیکہ اس کی منفعت ایسی ہو جس میں تفاوت نہ ہو اور اگر منفعت میں تفاوت ہو جیسے زمین کو معلوم مدت تک زراعت کے لیے اجارہ پر لیا تو اس کی منفعت یعنی اس میں بوئی جانے والی چیزیں چونکہ متفاوت ہوتی ہیں اس لیے مدت کے ساتھ یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ اس میں کس کس اناج کی زراعت کرے گا۔

{7} امام قدوریؒ نے یہ جو فرمایا کہ "خواہ کوئی مدت ہو" تو اس میں اشارہ ہے کہ اجارہ جائز ہوگا خواہ مدت طویل ہو یا مختصر ہو؛ کیونکہ مدت معلوم ہو گئی لہٰذا اس میں کوئی خرابی نہیں اس لیے جائز ہے۔ اور اس لیے کہ کبھی طویل مدت کے لیے اجارہ پر لینے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے طویل مدت کے لیے اجارہ پر لینا بھی جائز ہے۔ البتہ وقف کی چیزوں میں طویل مدت کے لیے اجارہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اوقاف میں خطرہ ہے کہ طویل مدت گذرنے کے بعد مستاجر اس پر اپنی ملکیت کا دعوی کرلے۔ اور اوقاف میں مدت طویل وہ ہے جو تین برس سے زیادہ ہو اور یہی قول فتویٰ کے لیے مختار ہے۔

{8} اور کبھی منافع کا معلوم ہونا نفسِ عقد سے ہوتا ہے جیسے کسی نے دوسرے کو اپنا کپڑا رنگنے یا سینے کے لیے اجرت پر مقرر کیا، یا کوئی جانور اس لیے کرایہ پر لیا کہ اس پر کوئی معلوم مقدار بوجھ لادے گا، یا کسی ایسی معلوم مسافت تک اس پر سوار ہو گا جس کو انہوں نے بیان کر دیا ہو؛ کیونکہ جب اس نے کپڑا اور اس کو رنگنے کا رنگ اور اس کی مقدار بیان کر دی یا سلائی کی جنس بیان کر دی کہ قمیص سی لے گا یا واسکٹ، یا جو چیز جانور پر لادے گا اس کی مقدار اور جنس اور مسافت بیان کر دی تو منفعت معلوم ہو گئی اس لیے اس طرح کا عقدِ اجارہ صحیح ہو گا۔

{9} اور کبھی تقسیم اجارہ میں یوں کہا جاتا ہے کہ عقدِ اجارہ کبھی تو عمل پر واقع ہوتا ہے جیسے دھوبی یا درزی کو اجرت پر مقرر کرنا، اس صورت میں کام کا معلوم ہونا ضروری ہے مثلاً یہ بتانا ضروری ہے کہ کپڑا رومی طرز پر سیئے گا یا فارسی طرز پر، اور عمل پر واقع عقد اجیر مشترک میں ہوا کرتا ہے۔ اور کبھی عقدِ اجارہ منفعت پر ہوتا ہے مثلاً ایک دن یا ایک مہینے کے لیے کسی کو مزدور رکھنا جیسے اجیر خاص میں ہوتا ہے اور عقدِ اجارہ کی اس قسم میں وقت کو بیان کرنا ضروری ہے کہ ایک دن ہے یا ایک مہینہ ہے۔

{10} اور اجارہ میں کبھی منفعت معین کرنے یا اشارہ کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے مثلاً کسی شخص کو اس لیے مزدور رکھا کہ یہ غلہ فلاں معلوم مقام تک لے جائے گا تو اس سے منفعت معلوم ہو جائے گی؛ کیونکہ جب اس کو وہ بوجھ دکھلا دیا جس کو منتقل کیا جائے گا اور وہ جگہ بیان کر دی کہ جہاں پہنچانا منظور ہے تو منفعت معلوم ہو گئی اس لیے مدت بیان کیے بغیر عقدِ اجارہ صحیح ہو گا۔

## بَابُ الْأَجْرِ مَتَى يُسْتَحَقُّ

یہ باب اس بیان میں کہ اجرت کا استحقاق کب ہوتا ہے۔

استحقاقِ اجرت کے وقت میں چونکہ ائمہ کا اختلاف ہے اور اس کے ساتھ بہت سارے مسائل متعلق ہیں اس لیے مناسب تھا کہ استحقاقِ اجرت کا وقت اور اس سے متعلق مسائل کو مستقل باب میں بیان کیا جائے۔

{1} قَالَ: الْأُجْرَةُ لَا تَجِبُ بِالْعَقْدِ وَتُسْتَحَقُّ بِأَحَدِ مَعَانٍ ثَلَاثَةٍ: إمَّا بِشَرْطِ التَّعْجِيلِ، أَوْ بِالتَّعْجِيلِ
فرمایا: اجرت واجب نہیں ہوتی ہے عقد سے، اور واجب ہوتی ہے تین معانی میں سے ایک سے، یا تو پیشگی شرط سے، یا پیشگی دینے سے
مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ، أَوْ بِاسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ {2} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تُمْلَكُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ؛ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ الْمَعْدُومَةَ

بغیر شرط کے، یا حاصل کر دینے سے معقود علیہ کے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: مملوک ہو جاتی ہے نفس عقد سے؛ کیونکہ معدوم منافع

صَارَتْ مَوْجُودَةً حُكْمًا ضَرُورَةَ تَصْحِيحِ الْعَقْدِ فَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِيمَا يُقَابِلُهُ مِنَ الْبَدَلِ .{3} وَلَنَا أَنَّ

موجود ہو گئے حکماً عقد کو صحیح کرنے کی ضرورت سے، پس ثابت ہو گا حکم اس بدل میں جو اس کا مقابل ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

الْعَقْدَ يَنْعَقِدُ شَيْئًا فَشَيْئًا عَلَى حَسَبِ حُدُوثِ الْمَنَافِعِ عَلَى مَا بَيَّنَّا ، وَالْعَقْدُ مُعَاوَضَةٌ ، وَمِنْ قَضِيَّتِهَا الْمُسَاوَاةُ

کہ عقد منعقد ہوتا ہے تھوڑا تھوڑا حدوثِ منافع کے مطابق جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور اجارہ عقدِ معاوضہ ہے جس کا تقاضا مساوات ہے

فَمِنْ ضَرُورَةِ التَّرَاخِي فِي جَانِبِ الْمَنْفَعَةِ التَّرَاخِي فِي الْبَدَلِ الْآخَرِ .وَإِذَا اسْتَوْفَى الْمَنْفَعَةَ يَثْبُتُ الْمِلْكُ فِي الْأَجْرِ

پس جانبِ منفعت میں تاخیر کے لیے ضروری ہے تاخیر کا ہونا دوسرے بدل میں، اور جب حاصل کر لی منفعت تو ثابت ہو جائے گی ملک اجرت میں

لِتَحَقُّقِ التَّسْوِيَةِ .وَكَذَا إذَا شَرَطَ التَّعْجِيلَ أَوْ عَجَّلَ ؛ لِأَنَّ الْمُسَاوَاةَ تَثْبُتُ حَقًّا لَهُ

تا کہ متحقق ہو برابری، اور اسی طرح جب شرط ہو پیشگی لینا یا پیشگی لے بغیر شرط کے؛ کیونکہ مساوات ثابت ہوتی تھی مستاجر کے حق کے طور پر

وَقَدْ أَبْطَلَهُ .{4} .وَإِذَا قَبَضَ الْمُسْتَأْجِرُ الدَّارَ فَعَلَيْهِ الْأَجْرُ وَإِنْ لَمْ يَسْكُنْهَا ؛ لِأَنَّ تَسْلِيمَ

اور اس نے باطل کر دیا اس کو۔ اور جب قبضہ کر لے مستاجر مکان پر، تو اس پر اجرت لازم ہے اگرچہ وہ اس میں نہ رہے؛ کیونکہ سپرد کرنا

عَيْنِ الْمَنْفَعَةِ لَا يُتَصَوَّرُ فَأَقَمْنَا تَسْلِيمَ الْمَحَلِّ مَقَامَهُ إذِ التَّمَكُّنُ مِنَ الِانْتِفَاعِ يَثْبُتُ بِهِ .{5} قَالَ : فَإِنْ غَصَبَهَا

عین منفعت کا متصور نہیں، پس ہم نے قائم مقام بنا دیا محل کو اس کے؛ کیونکہ انتفاع پر قابو ثابت ہوتا ہے اس سے۔ پھر اگر غصب کیا اس کو

غَاصِبٌ مِنْ يَدِهِ سَقَطَتِ الْأُجْرَةُ ؛ لِأَنَّ تَسْلِيمَ الْمَحَلِّ إنَّمَا أُقِيمَ مَقَامَ تَسْلِيمِ الْمَنْفَعَةِ لِلتَّمَكُّنِ مِنَ الِانْتِفَاعِ

غاصب نے مستاجر کے ہاتھ، تو ساقط ہو گئی اجرت؛ کیونکہ محل سپرد کرنے کو قائم مقام بنا دیا تھا منفعت سپرد کرنے کا انتفاع پر قابو کی وجہ سے

فَإِذَا فَاتَ التَّمَكُّنُ فَاتَ التَّسْلِيمُ ، وَانْفَسَخَ الْعَقْدُ فَسَقَطَ الْأَجْرُ ،وَإِنْ وُجِدَ الْغَصْبُ فِي بَعْضِ الْمُدَّةِ

پس جب انتفاع پر قدرت نہ رہی تو فوت ہوا سپرد کرنا، اور فسخ ہو گیا عقد، پس ساقط ہو جائے گی اجرت۔ اور اگر پایا گیا غصب بعض مدت میں

سَقَطَ الْأَجْرُ بِقَدْرِهِ .إذِ الِانْفِسَاخُ فِي بَعْضِهَا . {6} قَالَ : وَمَنْ اسْتَأْجَرَ دَارًا فَلِلْمُؤَجِّرِ أَنْ

تو ساقط ہو جائے گی اسی کے بقدر؛ اس لیے کہ فسخ ہونا بعض مدت میں ہے۔ اور جو شخص کرایہ پر لے مکان، تو موجر کو اختیار ہو گا کہ

يُطَالِبَهُ بِأُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنْفَعَةً مَقْصُودَةً ، إلَّا أَنْ يُبَيِّنَ وَقْتَ الِاسْتِحْقَاقِ بِالْعَقْدِ

وہ مطالبہ کرے اس سے ہر دن کی اجرت کا؛ کیونکہ اس نے حاصل کر لی منفعتِ مقصودہ، مگر یہ کہ بیان کرے وقتِ استحقاق عقد میں؛

لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ التَّأْجِيلِ ، وَكَذَلِكَ إجَارَةُ الْأَرَاضِي ؛ لِمَا بَيَّنَّا .{7} وَمَنْ اسْتَأْجَرَ

کیونکہ یہ بمنزلہ میعاد دینے کے ہے، اور اسی طرح زمینوں کو اجارہ پر دینا ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور جس نے کرایہ پر لیا

بَعِيرًا إلَى مَكَّةَ فَلِلْجَمَّالِ أَنْ يُطَالِبَهُ بِأُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ ؛ لِأَنَّ سَيْرَ كُلِّ مَرْحَلَةٍ مَقْصُودٌ.

اونٹ مکہ مکرمہ تک، تو اونٹ کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ مطالبہ کرے اس سے ہر منزل کی اجرت کا؛ کیونکہ ہر منزل کا سفر مقصود ہے،

{8} وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ أَوَّلًا : لَا يَجِبُ الْأَجْرُ إلَّا بَعْدَ انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ وَانْتِهَاءِ السَّفَرِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ ؛ لِأَنَّ

امام صاحب "پہلے فرماتے تھے: کہ واجب نہیں اجرت مگر مدت گذرنے اور سفر ختم ہونے کے بعد، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ

الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ جُمْلَةُ الْمَنَافِعِ فِي الْمُدَّةِ فَلَا يَتَوَزَّعُ الْأَجْرُ عَلَى أَجْزَائِهَا، كَمَا إذَا كَانَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ الْعَمَلَ {9} وَوَجْهُ الْقَوْلِ

معقود علیہ کل منافع ہے اس مدت کے پس تقسیم نہ ہوگی اجرت اس کے اجزاء پر جیسا کہ جب معقود علیہ عمل ہو، اور وجہ قول

الْمَرْجُوعِ إلَيْهِ أَنَّ الْقِيَاسَ يَقْتَضِي اسْتِحْقَاقَ الْأَجْرِ سَاعَةً فَسَاعَةً لِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاةِ، إلَّا أَنَّ الْمُطَالَبَةَ فِي كُلِّ سَاعَةٍ

مرجوع الیہ کی یہ ہے کہ قیاس تقاضا کرتا ہے استحقاق اجرت کا وقت کے ساتھ ساتھ، تاکہ متحقق ہو مساوات، مگر مطالبہ ہر گھڑی میں

تُفْضِي إلَى أَنْ لَا يَتَفَرَّغَ لِغَيْرِهِ فَيَتَضَرَّرُ بِهِ ، فَقَدَّرْنَا بِمَا ذَكَرْنَا .

مفضی ہوگا کہ مستاجر فارغ نہ ہو اس کے علاوہ کام کے لیے، پس ہم نے اندازہ کیا اس سے جو ہم ذکر کر چکے۔

تشریح:۔ {1} اجارہ میں اجرت فقط عقدِ اجارہ سے واجب اور مملوک نہیں ہوتی ہے بلکہ تین باتوں میں سے ایک بات پائے جانے سے واجب اور مملوک ہو جاتی ہے؛ کیونکہ عقدِ اجارہ میں فقط ایجاب و قبول ہوا ہے اور مستاجر نے ابھی تک منافع نہیں پائے ہیں تو منافع کا عوض (اجرت) بھی واجب نہ ہوگا، البتہ جب تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے تو موجر اپنی اجرت کا مالک و مستحق ہو جاتا ہے۔ (1) ایک یہ کہ عقد میں یہ شرط لگائے کہ اجرت فی الحال ادا کی جائے گی مثلاً زید نے بکر کو اونٹ اجارہ پر دیا اور یہ شرط کر لی کہ نفع حاصل کرنے سے پہلے اجرت ادا کر دی جائے گی تو عقد سے زید اجرت کا مستحق ہو جائے گا (2) فی الحال کی شرط کئے بغیر مستاجر اجرت پیشگی ادا کر دے تو موجر اجرت کا مستحق ہو جائے گا۔ (3) مستاجر معقود علیہ (منافع) حاصل کرلے تو موجر اجرت کا مالک اور مستحق ہو جاتا ہے۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف عقد سے اجرت کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے؛ کیونکہ معدوم منافع حکماً بالفعل موجود مانے گئے ہیں تاکہ عقد صحیح ہو؛ کیونکہ اگر منافع معدوم شمار ہوں اور اجرت بھی معدوم ہے تو یہ دَین بعوضِ دَین ہوگا جو کہ حرام ہے پس گویا حکماً منافع بالفعل موجود ہیں اس لیے اس کے مقابل عوض (اجرت) میں بھی ملکیت ثابت ہوگی۔

{3} ہماری دلیل یہ ہے کہ عقدِ اجارہ تھوڑا تھوڑا منافع پیدا ہونے کے موافق منعقد ہوتا جاتا ہے یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے جس قدر منافع پیدا ہوتے جاتے ہیں عقدِ اجارہ بھی منعقد ہوتا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے شروع میں بیان کر دیا ہے اس لیے فقط عقد سے موجر اجرت کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ اور اجارہ ایک عقدِ معاوضہ ہے اور عقدِ معاوضہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں جانب سے مساوات ہو پس منفعت کی جانب میں بضرورت تاخیر تقاضا کرتی ہے کہ اجرت کی جانب میں بھی تاخیر ہو اور جس وقت منفعت حاصل کر لی جائے تو اجرت میں بھی ملکیت حاصل ہو جائے گی یہ اس لیے تا کہ باہم مساوات متحقق ہو جائے۔ اسی طرح اگر اجرت کا پیشگی لینا شرط کیا گیا ہو یا بلا شرط کئے مستاجر نے پیشگی اجرت ادا کر دی تو موجر کو اُجرت پر ملکیت حاصل ہو جائے گی اگرچہ مستاجر نے منافع ابھی تک حاصل نہ کئے ہوں؛ کیونکہ دونوں جانب سے مساوات ہونا مستاجر کے حق کی وجہ سے ثابت ہوا تھا تو جب اس نے بشرطِ تعجیل یا بلا شرط فی الحال اجرت ادا کر دی تو اس نے اپنا حق خود باطل کر دیا جس کا اسے اختیار ہے اس لیے ان تین صورتوں میں موجر کو اجرت پر ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

{4} اور جب مستاجر اجارہ پر لیے ہوئے مکان پر قبضہ کر لے تو اس پر اجرت واجب ہو گی اگرچہ اس نے مذکورہ مکان میں سکونت اختیار نہ کی ہو؛ کیونکہ عینِ منفعت (سکونت) کا سپرد کرنا متصور نہیں ہے تو ہم نے محلِ منفعت (مکان) سپرد کرنے کو منفعت سپرد کرنے کے قائم مقام کر دیا؛ کیونکہ محل منفعت (مکان) سپرد کرنے سے منفعت حاصل کرنے کا امکان ثابت ہو جاتا ہے تو مکان سپرد کرنا گویا منفعت سپرد کرنا ہوا اس لیے اجرت واجب ہو گی خواہ مکان میں سکونت اختیار کرے یا نہ کرے۔

{5} پھر اگر اجارہ پر لی گئی عین چیز کو مستاجر کے پاس سے کسی غاصب نے غصب کر لیا تو مستاجر کے ذمہ سے اجرت ساقط ہو جائے گی؛ کیونکہ محل سپرد کرنے کو منفعت سپرد کرنے کے قائم مقام اسی وجہ سے کیا گیا تھا کہ مستاجر کو منفعت حاصل کرنے کی قدرت حاصل ہو پھر جب یہ قدرت جاتی رہی تو سپرد کرنا بھی جاتا رہا پس عقد فسخ ہو جائے گا اس لیے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر مدد اور حمایت کے ذریعہ سے غاصب کے ہاتھ سے نکال دینا ممکن ہو تو اجرت ساقط نہ ہو گی اگرچہ مستاجر اس کو نہ نکالے؛ کیونکہ اس کو قابو حاصل ہے۔

اور اگر مدتِ اجارہ کے کسی جزء میں غصب پایا گیا تو غصب کے بقدر اجرت ساقط ہو جائے گی؛ کیونکہ عقد کا فسخ ہونا اس مدت کے بعض جزء میں ہے، تو جتنی مدت تک غصب ہوا اسی قدر عقد فسخ ہوا پس اسی قدر اجرت ساقط ہو جائے گی۔

{6} اگر کسی شخص نے ایک مکان کرایہ لیا تو موجر (اجارہ پر دینے والے) کو اختیار ہوگا کہ مستاجر سے روزانہ اجرت طلب کرے؛ کیونکہ مستاجر نے اس دن کی منفعت مقصودہ حاصل کر لی ہے اس لیے اس کے عوض میں اس سے اجرت لی جائے گی۔ البتہ اگر مستاجر نے عقد اجارہ میں استحقاقِ اجرت کا کوئی وقت بیان کیا ہو تو پھر فقط اسی وقت اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ بمنزلہ میعاد دینے کے ہے یعنی جیسے قرضہ میں قرضخواہ کو فی الحال مطالبہ کا اختیار ہوتا ہے لیکن اگر قرضخواہ نے مہلت دیدی اور کوئی میعاد مقرر کر دی تو میعاد سے پہلے مطالبہ کا اختیار نہیں رہتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اور یہی حکم اراضی کے اجارہ میں ہے کہ موجر ہر دن کی اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ مستاجر نے اس دن کی منفعتِ مقصودہ حاصل کر لی ہے اس لیے اس کے عوض میں اس سے اجرت کا مطالبہ کیا جائے گا۔

{7} اگر کسی نے مکہ مکرمہ تک ایک اونٹ کرایہ پر لیا تو اونٹ کے مالک کو اختیار ہے کہ اس سے ہر مرحلہ یعنی ہر منزل (ایک دن کے سفر کی مقدار) کی اجرت کا مطالبہ کرے؛ کیونکہ ہر ایک منزل کا سفر مقصود ہے پس منفعتِ مقصودہ حاصل کرنے کی وجہ سے اس سے اجرت کا مطالبہ کیا جائے گا۔

{8} اور امام ابو حنیفہؒ پہلے فرماتے تھے کہ اجرت واجب نہ ہوگی مگر جب مدتِ اجارہ پوری ہو جائے اور سفر ختم ہو جائے تب اجرت واجب ہوگی اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ معقود علیہ تو اس مدت کے جملہ منافع ہیں تو اجرت کی تقسیم اس کے اجزاء پر نہ ہوگی کہ موجر ہر ایک جزء کی اجرت کا مستحق ہو اس لیے ہر ایک مرحلہ کے مقابلہ میں اجرت کا استحقاق نہیں ہوگا جیسے اگر معقود علیہ کسی عمل کا کام ہو مثلاً کسی درزی کو اجرت پر مقرر کیا کہ دس من کی روئی بنائے تو جب تک یہ کام پورا نہ کرے اجرت کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح یہاں عقد اجارہ کا معقود علیہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ تک پہنچادے اور اس سے پہلے ہر مرحلہ کی اجرت کا استحقاق نہیں ہوگا، پھر امام صاحبؒ نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ اس کو ہر منزل کی اجرت کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہے۔

{9} اور جس قول کی جانب امام صاحبؒ نے رجوع کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت کا استحقاق تھوڑا تھوڑا روزانہ حاصل کرنے کے موافق ہو اور موجر کی طرف سے منفعت سپرد کرنا گھڑی گھڑی ہوتا جاتا ہے تو اسی کے مقابلہ میں تھوڑی تھوڑی اجرت کا استحقاق ہوتا جاتا ہے پس جس قدر اجرت کا استحقاق ہو تو اس کے مطالبہ کا بھی اختیار ہوگا تاکہ بدلین میں مساوات ہو البتہ ہر گھڑی میں مستاجر سے اجرت کا مطالبہ اس بات کو مفضی ہوگا کہ مستاجر کو کسی دوسرے کام کے لیے فراغت نہ ہو اس سے وہ ضرر اٹھائے گا پس ہم نے استحساناً اس کا اندازہ مذکورہ مقدار کے ساتھ کیا یعنی مکان میں ایک دن رہائش کرنے کے بعد اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اونٹ میں ایک منزل پوری کر کے اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

ٹرانسپورٹ کے ٹکٹ کا حکم:

آج کل سفر کے لئے ریل گاڑیاں اور بسیں استعمال ہوتی ہیں اور عام معمول یہ ہے کہ اس میں سفر شروع کرنے سے پہلے اُجرت ٹکٹ کی شکل میں وصول کی جاتی ہے، اس ٹکٹ کی حیثیت اجارہ کے وثیقہ کی ہے، یہ گویا اس بات کی سند ہے کہ میں نے کرایہ ادا کر دیا ہے، اس لئے مجھے اس میں سفر کرنے کا حق حاصل ہے، عام اجارہ میں اور اس میں صرف اس قدر فرق ہے کہ یہاں اُجرت یعنی کرایہ پہلے وصول کر لیا جاتا ہے تا کہ نظم میں سہولت ہو۔

بس اور ریلوے میں اصل "آجر" بس کا مالک اور حکومت ہوتی ہے، مسافروں کی حیثیت کرایہ داروں اور مستاجروں کی ہے، ٹکٹ دینے والے حکومت کے وکیل ہوتے ہیں، جب یہ بات معلوم ہے کہ حکومت نے بلا ٹکٹ سفر کی اجازت نہیں دی ہے تو اب کسی صورت بلا ٹکٹ سفر کرنا درست نہیں، چاہے ریلوے اور بس کے سرکاری عہدہ دار بلا ٹکٹ چلنے کی اجازت ہی کیوں نہ دے دیں، ٹکٹ کے بغیر سفر معصیت ہے اور گویا اس کی حیثیت غاصب کی ہے (ماخوذ از جدید فقہی مسائل: 1/273)

{1} قَالَ : وَلَيْسَ لِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ أَنْ يُطَالِبَ بِأَجْرِهِ حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الْعَمَلِ ؛ لِأَنَّ الْعَمَلَ فِي الْبَعْضِ غَيْرُ مُنْتَفَعٍ بِهِ فَلَا يَسْتَوْجِبُ بِهِ الْأَجْرَ ، وَكَذَا إِذَا عَمِلَ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ لَا يَسْتَوْجِبُ الْأَجْرَ قَبْلَ الْفَرَاغِ لِمَا بَيَّنَّا .قَالَ : إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ التَّعْجِيلَ ؛ لِمَا مَرَّ أَنَّ الشَّرْطَ فِيهِ لَازِمٌ .

فرمایا: اور نہیں ہے دھوبی اور درزی کے لیے کہ مطالبہ کرے اجرت کا یہاں تک کہ فارغ ہو جائے کام سے؛ کیونکہ بعض ٹکڑے میں کام قابل انتفاع نہیں ہے، پس وہ مستحق اجرت نہ ہو گا اس کی وجہ سے، اور اسی طرح اگر کام کیا مستاجر کے گھر میں تو بھی واجب نہیں کرتا ہے اجرت کو فراغت سے پہلے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: مگر یہ کہ شرط کر لے تعجیل کو؛ اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی کہ شرط اس میں لازم ہوتی ہے۔

{2} قَالَ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ خَبَّازًا لِيَخْبِزَ لَهُ فِي بَيْتِهِ قَفِيزًا مِنْ دَقِيقٍ بِدِرْهَمٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ الْأَجْرَ حَتَّى يُخْرِجَ الْخُبْزَ مِنَ التَّنُّورِ ؛ لِأَنَّ تَمَامَ الْعَمَلِ بِالْإِخْرَاجِ .فَلَوِ احْتَرَقَ أَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ فَلَا أَجْرَ لَهُ لِلْهَلَاكِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ ،{3} فَإِنْ أَخْرَجَهُ ثُمَّ احْتَرَقَ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهِ

فرمایا: جو شخص اجرت پر لے نانبائی تا کہ روٹی پکائے اس کے گھر میں ایک قفیز آٹے کی بعوض ایک درہم، تو وہ مستحق اجرت نہ ہو گا یہاں تک کہ نکال دے روٹی تنور سے؛ کیونکہ کام کا پورا ہونا نکالنے سے ہو گا، پس اگر روٹی جل گئی یا گر گئی اس کے ہاتھ سے نکالنے سے پہلے، تو اجرت نہ ہو گی اس کے لیے؛ ہلاک ہونے کی وجہ سے سپرد کرنے سے پہلے، اور اگر اس نے نکال دی پھر وہ جل گئی اس کے فعل کے بغیر

فَلَهُ الْأَجْرُ ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مُسَلَّمًا إلَيْهِ بِالْوَضْعِ فِي بَيْتِهِ ، وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ مِنْهُ الْجِنَايَةُ.

تو اس کے لیے اجرت ہوگی؛ کیونکہ وہ سپرد کرنے والا ہوا مستاجر کے گھر میں رکھنے سے، اور ضمان نہ ہوگا اس پر؛ کیونکہ نہیں پائی گئی اس کی طرف سے جنایت۔

قَالَ : وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ ،{4} وَعِنْدَهُمَا يَضْمَنُ مِثْلَ دَقِيقِهِ

مصنف فرماتے ہیں: یہ امام صاحب کے نزدیک ہے؛ کیونکہ روٹی امانت ہے اس کے قبضہ میں، اور صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا اس کے آٹے کے مثل کا،

وَلَا أَجْرَ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ فَلَا يَبْرَأُ إلَّا بَعْدَ حَقِيقَةِ التَّسْلِيمِ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ

اور کچھ اجرت نہ ہوگی اس کے لیے؛ کیونکہ وہ اس کی ذمہ داری میں ہے، پس بری نہ ہوگا مگر حقیقی سپردگی کے بعد، اور اگر چاہے تو تاوان لے اس سے

الْخُبْزَ ، وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ . {5} قَالَ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ طَبَّاخًا لِيَطْبُخَ لَهُ طَعَامًا لِلْوَلِيمَةِ فَالْغَرْفُ عَلَيْهِ؛

روٹیوں کا اور دیدے اس کو اجرت۔ فرمایا: اور جو شخص کرایہ پر لے باورچی کو تاکہ پکائے اس کے لیے ولیمہ کا کھانا، تو برتن بھرنا اسی کے ذمہ ہے؛

اعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ . {6} قَالَ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ إنْسَانًا لِيَضْرِبَ لَهُ لَبِنًا اسْتَحَقَّ الْأَجْرَ إذَا أَقَامَهَا

عرف کا اعتبار کرتے ہوئے۔ فرمایا: اور جو شخص اجرت پر لے کسی انسان کو تاکہ بنائے اس کے لیے اینٹیں، تو مستحق ہوگا اجرت کا جب وہ ان کو کھڑی کردے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يَسْتَحِقُّهَا حَتَّى يُشَرِّجَهَا ؛ لِأَنَّ التَّشْرِيجَ مِنْ تَمَامِ عَمَلِهِ،

امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ ان کو تہ بتہ رکھے؛ کیونکہ تہ بتہ رکھنا تتمہ ہے اس کے عمل کا؛

إذْ لَا يُؤْمَنُ مِنَ الْفَسَادِ قَبْلَهُ فَصَارَ كَإِخْرَاجِ الْخُبْزِ مِنَ التَّنُّورِ ؛ وَلِأَنَّ الْأَجِيرَ هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّاهُ عُرْفًا

اس لیے کہ اطمینان نہیں خراب ہونے سے اس سے پہلے جیسے روٹی نکالنا تنور سے، اور اس لیے کہ اجیر ہی وہ ہے جو یہ کام کرتا ہے عرف میں،

وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِيمَا لَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ . {7} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْعَمَلَ قَدْ تَمَّ بِالْإِقَامَةِ ، وَالتَّشْرِيجُ

اور عرف معتبر ہے ان چیزوں میں جن میں تصریح نہ ہو۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کام مکمل ہوا کھڑی کرنے سے، اور تہ بتہ رکھنا

عَمَلٌ زَائِدٌ كَالنَّقْلِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَنْتَفِعُ بِهِ قَبْلَ التَّشْرِيجِ بِالنَّقْلِ إلَى مَوْضِعِ الْعَمَلِ،

زائد عمل ہے جیسے نقل کرنا، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اینٹ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تہ بتہ کرنے سے پہلے تعمیر کی جگہ کی طرف منتقل کرنے سے،

بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الْإِقَامَةِ ؛ لِأَنَّهُ طِينٌ مُنْتَشِرٌ ، وَبِخِلَافِ الْخُبْزِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُنْتَفَعٍ بِهِ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ.

برخلاف کھڑی کرنے سے پہلے کے؛ کیونکہ اس وقت وہ منتشر مٹی ہے، اور برخلاف روٹی کے کہ وہ قابلِ انتفاع نہیں نکالنے سے پہلے۔

تشریح:۔{1} دھوبی اور درزی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اجرت کا مطالبہ کرے جب تک کہ کام سے فارغ نہ ہو جائے یعنی جب کام کو پورا کردے تب اجرت کا مستحق ہوگا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مثلاً قمیص کی ایک آستین سی کر اجرت کا مطالبہ کرے؛ کیونکہ بعض ٹکڑے میں جو کام کر دیا وہ قابلِ انتفاع نہیں ہے لہٰذا اتنے عمل سے وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر درزی اور دھوبی نے مستاجر کے

گھر میں بیٹھ کے کام کر دیا تو بھی فراغت سے پہلے وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا دلیل وہی ہے کہ بعض حصہ میں جو کام کیا وہ قابل انتفاع نہیں ہے۔ البتہ اگر اجرت پیشگی شرط کی ہو تو پھر کام پورا کرنے سے پہلے وہ اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے؛ کیونکہ اوپر گذر چکا کہ اجرت کی جو شرط ہو وہ لازم ہوتی ہے۔

{2} اگر کسی شخص نے ایک نانبائی کو اس لیے مزدور رکھا کہ میرے گھر میں بیٹھ کر ایک قفیز (آٹھ مکا کیک کا ایک قفیز ہے اور ایک مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے) آٹا ایک درہم کے عوض پکادو، تو نانبائی اس کی اجرت کا مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ تنور سے روٹیاں نکال دے؛ کیونکہ نکالنے کے ساتھ اس کا کام پورا ہو جاتا ہے لہذا فقط تنور میں روٹی لگانے سے کام پورا ہو کر وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ اور اگر تنور میں روٹیاں جل گئیں یا نکالنے سے پہلے نانبائی کے ہاتھ سے روٹیاں آگ میں گر پڑیں تو نانبائی کے لیے کچھ اجرت نہ ہوگی؛ کیونکہ سپردگی سے پہلے روٹیاں تلف ہو گئیں تو کام تلف ہوا اس لیے اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

{3} اور اگر نانبائی نے روٹیاں تنور سے نکالیں پھر نانبائی کے فعل کے بغیر کسی طرح روٹیاں جل گئیں تو نانبائی اپنی اجرت کا مستحق ہوگا؛ کیونکہ مستاجر نے موجر کے گھر میں روٹیاں رکھ کر کام کو سپرد کر دیا اور سابق میں گذر چکا کہ جب مستاجر کے گھر میں کام ہو تو جس قدر کام ہو تا جائے وہ مستاجر کو سپرد ہو تا رہتا ہے اس لیے نانبائی اجرت کا مستحق ہوگا۔ اور نانبائی پر اس صورت میں تاوان کی لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کی طرف سے کوئی جرم نہیں پایا گیا؛ کیونکہ روٹیاں اس کے فعل کے بغیر تلف ہوئی ہیں۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اجرت اور عدم ضمان کا حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے؛ کیونکہ روٹیاں اس کے قبضہ میں امانت ہیں اور امین پر ضمان نہیں ہوتا ہے۔

{4} صاحبینؒ کے نزدیک نانبائی آٹے کے مالک کے لیے اس کے آٹے کے بقدر ضامن ہوگا، اور نانبائی کے لیے کچھ اجرت نہ ہوگی؛ کیونکہ نانبائی اس کے آٹے کا ضامن ہے تو فقط اس کے گھر میں ہونے سے تاوان سے بری نہ ہوگا جب تک کہ قبضہ مستاجر کو سپرد نہ کرے۔ اور مستاجر کو اختیار ہے اگر چاہے تو روٹیوں کا ضامن بنائے اور نانبائی کو اس کی اجرت دیدے۔

فتوی: ۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول ابی حنیفة؛ لان [illegible] قول المتون ،قال العلامة القدوری :ومن استاجر خبّازاً لیخبز له فی بیته قفیز دقیق بدرهم لم یستحق الاجرة حتی یخرج الخبز من التنور (القول الراجح:224/2)

{5} اگر کسی نے باورچی کو اس لیے اجارہ پر مقرر کیا تاکہ وہ اس کے لیے ولیمہ کا کھانا پکائے تو برتن میں نکال کر ڈالنا باورچی کے ذمہ ہے؛ کیونکہ عرف یہی ہے کہ برتن بھرنا باورچی کے ذمہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہے گویا باورچی سے یہ شرط ہو گئی تھی کہ وہ پکائے اور برتنوں میں نکالے گا اور اجارات میں جو شرط ہو وہ لازم ہوتی ہے۔

{6} اگر کسی آدمی کو اس لیے اجارہ پر مقرر کیا کہ وہ مستاجر کے لیے کچی اینٹیں بنا دے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب اس نے اینٹیں بنا کر کے کھڑی کر دیں تو اجرت کا مستحق ہو جائے گا، کھڑی کرنے سے یہ مراد ہے کہ سانچہ سے بنا کر خشک ہونے کے لیے کھڑی کر دے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک اجرت کا مستحق نہ ہو گا جب تک کہ اینٹوں کی تشریج نہ کرے، اور تشریج سے مراد یہ ہے کہ کھڑی کر کے خشک کرنے کے بعد ان کو تہ بتہ ملا کر کے رکھ دے؛ کیونکہ اینٹوں کو تہ بتہ رکھنا اس کے کام کا تتمہ ہے؛ اس لیے کہ اس سے پہلے اینٹوں کے خراب ہو جانے سے اطمینان نہیں ہو سکتا ہے تو ایسا ہوا جیسے تنور سے روٹی نکالنا چنانچہ نانبائی فقط روٹی پکا کر تنور میں لگانے سے اجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے جب تک کہ تنور سے روٹیاں نکال نہ دے پس اسی طرح فقط اینٹیں بنا کر کھڑی کرنے سے اجرت کا مستحق نہ ہو گا جب تک کہ ان کو تہ بتہ نہ رکھ دے؛ کیونکہ ابھی احتمال ہے کہ شاید خراب ہو جائیں جیسے تنور میں روٹیوں کے جل جانے کا خوف ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عرف میں اینٹوں کو تہ بتہ رکھنے کا کام اجیر ہی کیا کرتا ہے اور جن چیزوں میں صریح نص نہ ہو ان میں عرف ہی معتبر ہوا کرتا ہے، تو لازم ہے کہ عرف کے موافق مزدور اس کام کو پورا کر دے؛ کیونکہ عرف بمنزلہ شرط ہے۔

{7} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اینٹ بنا کر کے کھڑی کرنے سے کام پورا ہو جاتا ہے، اور اینٹوں کو تہ بتہ رکھنا ایک زائد کام ہے جیسے اینٹیں بنانے کی جگہ سے اینٹوں کو اس کے گھر کی طرف منتقل کرنا ایک مستقل کام ہے اس لیے مزدور کے ذمہ لازم نہیں کہ اٹھا کر مالک کے مکان پر پہنچا دے اسی طرح اس پر اینٹوں کو تہ بتہ رکھنا بھی لازم نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اینٹوں کی تشریج سے پہلے ان سے نفع اٹھانا ممکن ہے یوں کہ جہاں مکان وغیرہ بنتا ہے وہاں منتقل کر لے تو اصل مقصود اینٹوں سے انتفاع ہے جو تشریج سے پہلے حاصل ہو جاتا ہے اس لیے تشریج سے پہلے مزدور اجرت کا مستحق ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف اینٹ کھڑی کرنے سے پہلے یہ حکم نہیں ہے؛ کیونکہ کھڑی کرنے سے پہلے تو وہ منتشر گیلی مٹی ہے جس سے انتفاع ممکن نہیں ہے لہذا کھڑا کرنا تو ضروری ہے۔ اور برخلاف روٹی کے؛ کیونکہ وہ تنور سے نکالنے سے پہلے نفع لینے کے قابل نہیں ہے اس لیے روٹیاں تنور سے نکالنا نانبائی کے ذمہ واجب ہے۔

فتوی:۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:(وقالا) له الاجر(بعد تشريجه) ای جعل بعضه علی بعض لو افسده المطر قبل ذالک فلا اجر له (قلت):وبقولهما يفتی ذكره ابن الكمال معزياً للعيون (الدّر المنتقی تحت مجمع الانهر:518/3)

{1}قَالَ : وَكُلُّ صَانِعٍ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ فَلَهُ أَنْ يَحْبِسَ الْعَيْنَ بَعْدَ الْفَرَاغِ

فرمایا: ہر وہ کاریگر جس کے عمل کا اثر ہو عین میں جیسے دھوبی اور رنگریز، تو اس کو اختیار ہے کہ روک دے عین کو کام سے فارغ ہونے کے بعد

حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْأَجْرَ ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ وَصْفٌ قَائِمٌ فِي الثَّوْبِ فَلَهُ حَقُّ الْحَبْسِ ؛ لِاسْتِيفَاءِ الْبَدَلِ

یہاں تک کہ وصول کر دے اجرت؛ کیونکہ معقود علیہ ایک وصف ہے جو کپڑے میں قائم ہے تو اس کو حق ہے روکنے کا؛ عوض وصول کرنے کے لیے

كَمَا فِي الْمَبِيعِ ،{2}وَلَوْ حَبَسَهُ فَضَاعَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

جیسا کہ بیع میں ہے، اور اگر اس نے روک دیا اس کو، پس وہ ضائع ہو گیا اس کے قبضہ میں، تو ضمان نہیں اس پر امام صاحب کے نزدیک؛

لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِي الْحَبْسِ فَبَقِيَ أَمَانَةً كَمَا كَانَ عِنْدَهُ ، وَلَا أَجْرَ لَهُ لِهَلَاكِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ

کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں روکنے میں، پس باقی رہا وہ مال امانت اس کے پاس جیسا کہ تھا، اور اجرت نہیں اس کے لیے؛ معقود علیہ ہلاک ہونے کی وجہ سے

قَبْلَ التَّسْلِيمِ{3}وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ:الْعَيْنُ كَانَتْ مَضْمُونَةً قَبْلَ الْحَبْسِ فَكَذَا بَعْدَهُ،لَكِنَّهُ بِالْخِيَارِ

سپرد کرنے سے پہلے، اور صاحبین کے نزدیک عین شئ مضمون تھی روکنے سے پہلے؛ پس اسی طرح روکنے کے بعد بھی ہے، لیکن مالک کو اختیار ہے

إنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ غَيْرَ مَعْمُولٍ وَلَا أَجْرَ لَهُ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ مَعْمُولًا وَلَهُ الْأَجْرُ

اگر چاہے تو تاوان لے اس سے بے بنی کی قیمت کا، اور اجرت نہ ہوگی اس کے لیے اور اگر چاہے تو تاوان لے بنی ہوئی کی، اور اس کے لیے اجرت ہوگی

وَسَنُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .{4}قَالَ : وَكُلُّ صَانِعٍ لَيْسَ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ فِي الْعَيْنِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ

اور ہم بیان کریں گے بعد میں ان شاء اللہ تعالی۔ فرمایا: اور ہر وہ کاریگر جس کے عمل کا اثر نہ ہو عین میں، تو اختیار نہیں اس کو کہ روک دے

الْعَيْنَ لِلْأَجْرِ كَالْحَمَّالِ وَالْمَلَّاحِ ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ نَفْسُ الْعَمَلِ وَهُوَ غَيْرُ قَائِمٍ فِي الْعَيْنِ فَلَا يُتَصَوَّرُ حَبْسُهُ

عین کو اجرت کے لیے جیسے بوجھ لادنے والا، اور ملاح؛ کیونکہ معقود علیہ نفس عمل ہے اور وہ قائم نہیں ہے عین میں، پس متصور نہیں اس کا روکنا

فَلَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْحَبْسِ وَغَسْلُ الثَّوْبِ نَظِيرُ الْحَمْلِ ،{5}وَهَذَا بِخِلَافِ الْآبِقِ حَيْثُ يَكُونُ لِلرَّادِّ

پس نہ ہوگی اس کے لیے روکنے کی ولایت، اور کپڑا دھونا نظیر ہے لادنے کی، اور یہ برخلاف بھگوڑے غلام کے ہے؛ کہ اس کو واپس لانے والے کے لیے

حَقُّ حَبْسِهِ لِاسْتِيفَاءِ الْجُعْلِ ، وَلَا أَثَرَ لِعَمَلِهِ ؛ لِأَنَّهُ كَانَ عَلَى شَرَفِ الْهَلَاكِ وَقَدْ أَحْيَاهُ

حق ہے اس کے روکنے کا اجرت حاصل کرنے کے لیے، حالانکہ کوئی اثر نہیں اس کے عمل کا؛ کیونکہ وہ ہلاکت کے کنارے پر تھا، اور اس نے زندہ کر دیا اس کو

فَكَأَنَّهُ بَاعَهُ مِنْهُ فَلَهُ حَقُّ الْحَبْسِ ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا مَذْهَبُ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ.

پس گویا اس نے فروخت کیا غلام کو مالک کے ہاتھ، پس اس کے لیے روکنے کا حق ہوگا، اور یہ جو ہم نے ذکر کیا مذہب ہے ہمارے علماء ثلاثہ کا۔

{6} وَقَالَ زُفَرُ : لَيْسَ لَهُ حَقُّ الْحَبْسِ فِي الْوَجْهَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ وَقَعَ التَّسْلِيمُ بِاتِّصَالِ الْمَبِيعِ بِمِلْكِهِ

اور فرمایا امام زفرؒ نے: نہیں ہے اس کو حق روکنے کا دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ واقع ہوگئی سپردگی بِلکِ مستاجر کے ساتھ مبیع کے متصل ہونے سے

فَيَسْقُطُ حَقُّ الْحَبْسِ {7} وَلَنَا أَنَّ الِاتِّصَالَ بِالْمَحَلِّ ضَرُورَةُ إِقَامَةِ تَسْلِيمِ الْعَمَلِ فَلَمْ يَكُنْ هُوَ رَاضِيًا بِهِ مِنْ حَيْثُ

پس ساقط ہوگا روکنے کا حق۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ محل کے ساتھ اتصال کام کرنے کی ضرورت سے ہے پس وہ راضی نہیں اس پر اس حیثیت سے

أَنَّهُ تَسْلِيمٌ فَلَا يَسْقُطُ حَقُّ الْحَبْسِ كَمَا إِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِي بِغَيْرِ رِضَا الْبَائِعِ .{8} قَالَ : وَإِذَا شَرَطَ

کہ یہ سپرد کرنا ہے، پس ساقط نہ ہوگا روکنے کا حق، جیسا کہ جب قبضہ کر دے مشتری بائع کی رضا کے بغیر۔ فرمایا: اور اگر شرط کر لیا

عَلَى الصَّانِعِ أَنْ يَعْمَلَ بِنَفْسِهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَعْمِلَ غَيْرَهُ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ فِي مَحَلٍّ بِعَيْنِهِ فَيَسْتَحِقُّ

کاریگر پر کہ وہ کام کرے گا بذاتِ خود، تو اس کو اختیار نہیں کہ وہ کام کرائے غیر سے؛ کیونکہ معقود علیہ اتصال عمل ہے متعین محل سے، پس وہ مستحق ہے

عَيْنَهُ كَالْمَنْفَعَةِ فِي مَحَلٍّ بِعَيْنِهِ{9} وَإِنْ أَطْلَقَ لَهُ الْعَمَلَ فَلَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ مَنْ يَعْمَلُهُ؛

اسی کا، جیسا کہ منفعت متعین محل میں، اور اگر مطلق چھوڑا اس کے لیے کام کو، تو اس کو اختیار ہے کہ وہ مزدور رکھے جو یہ کام کرے؛

لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَمَلٌ فِي ذِمَّتِهِ ، وَيُمْكِنُ إِيفَاؤُهُ بِنَفْسِهِ وَبِالِاسْتِعَانَةِ بِغَيْرِهِ بِمَنْزِلَةِ إِيفَاءِ الدَّيْنِ.

کیونکہ واجب عمل ہے اس کے ذمہ پر اور ممکن ہے اس کو پورا کرنا بذاتِ خود اور غیر سے مدد لینے سے بمنزلہ ادائیگی قرض کے۔

تشریح:۔ {1} ہر کاریگر کے کام کا اگر کچھ اثر اور نشان باقی رہتا ہو اس چیز میں جس میں اس نے کام کیا ہے جیسے دھوبی اور رنگریز کہ کپڑے میں ان کے کام کا اثر رہتا ہے، تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے کام سے فراغت کے بعد اس عین کو اپنے پاس روک لے یہاں تک کہ لئی اجرت پوری وصول کر لے؛ کیونکہ جس چیز پر عقدِ اجارہ واقع ہوا تھا وہ ایک وصف ہے جو مستاجر کے کپڑے میں قائم ہے تو اس کا عوض حاصل کرنے کے لیے اجیر کو کپڑا روک رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا مثلاً کپڑے میں رنگریز کا رنگ بطور وصف قائم ہے اور کپڑے کو رنگ دینا ہی معقود علیہ تھا پس رنگریز کو اختیار ہوگا کہ اپنا عوض لینے کے لیے کپڑے کو روک لے جیسے مبیع میں یہی حکم ہے کہ بائع کو اختیار ہے کہ اپنا عوض (ثمن) حاصل کرنے کے لیے مبیع کو روک لے یہاں تک کہ جو ثمن نقد ٹھہرا ہے وہ پورا حاصل کر لے۔

{2} پھر اگر ایسے اجیر نے مال عین کو روکا اور وہ اس کے قبضہ میں تلف ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر ضمان واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ وہ روکنے میں حد سے تجاوز کرنے والا نہیں ہے حالانکہ وجوبِ ضمان حد سے تجاوز کرنے کے ساتھ مخصوص ہے، اور روکنے سے پہلے کی طرح روکنے کے بعد بھی یہ مال اس کے قبضہ میں امانت رہے گا اور امانت ضائع ہونے کی صورت میں امین ضامن نہیں ہوتا ہے، اور اس صورت میں اجیر کو اجرت نہیں ملے گی؛ کیونکہ مالک کو سپرد کرنے سے پہلے معقود علیہ تلف ہو گیا۔

{3} صاحبینؒ کے نزدیک جس عین میں اجیر نے کام کیا ہے وہ روکنے سے پہلے اجیر کے قبضہ میں مضمون تھا جب تک کہ اس کو مالک کے حقیقی قبضہ میں نہ پہنچائے پس اسی طرح روک لینے کے بعد بھی وہ چیز مضمون رہے گی اور تلف ہونے کی صورت میں اجیر ضامن ہو گا، البتہ کپڑے کے مالک کو اختیار ہے کہ چاہے بغیر رنگ دیئے ہوئے کپڑے کی قیمت کا ضمان لے لے اور کاریگر کو اجرت نہ ملے گی اور اگر چاہے تو رنگ دیئے ہوئے کپڑے کا تاوان لے لے اور کاریگر کو اس کی اجرت ملے گی اور اس کو ہم آئندہ "باب ضمان الاجیر" میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

{4} اور ہر وہ کاریگر جس کے کام کا کوئی اثر مالِ عین میں باقی نہ رہتا ہو تو اس کو مالِ عین اجرت کے لیے روکنے کا حق نہیں ہوتا ہے جیسے پیٹھ پر یا جانور پر لاد کر مال پہنچانا یا ملاح کشتی پر لاد کر پہنچائے تو چونکہ ان کے پہنچانے کا کوئی اثر اس مال میں قائم نہیں رہتا ہے؛ کیونکہ جس چیز پر اجارہ واقع ہوا ہے وہ خالی کام ہے مال عین میں یہ کام قائم نہیں رہتا ہے بلکہ عامل کے ساتھ قائم رہتا ہے تو یہ بات متصور نہیں کہ مستاجر نے اس کا کام اپنے پاس روک لیا ہے اس لیے اس کو عین روک لینے کی بھی ولایت حاصل نہ ہوگی، اور کپڑا دھونا (فقط میل کچیل دور کرنا) بوجھ لادنے کی نظیر ہے یعنی اگر دھوبی نے فقط کپڑا دھویا ہو جس سے وہ فقط پاک ہوا اس میں تحسین نہ آئی ہو تو وہ اپنی اجرت کے لیے اس کپڑا کو نہیں روک سکتا ہے جیسے بوجھ لادنے والا مالِ عین کو نہیں روک سکتا ہے؛ کیونکہ فقط دھونے کا اثر مال عین میں قائم نہیں رہتا ہے۔

{5} اور اجارہ کا یہ حکم بھاگے ہوئے غلام کے حکم کے برخلاف ہے کہ اس کو غلام لانے کی وجہ سے اپنے حق جعل (غلام واپس لانے کا خرچہ جو چالیس درہم تک ہوتا ہے) کو حاصل کرنے کے لیے یہ غلام اپنے پاس روک لینے کا استحقاق ہوتا ہے حالانکہ اس کے عمل (واپس لانے) کا بھی کوئی اثر غلام میں قائم نہیں ہوتا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ بھاگا ہوا غلام تو تلف ہونے کے کنارے لگا تھا اور واپس لانے والے نے اس کو گویا زندہ کیا تو گویا وہ غلام کو مالک کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اور جُعل (چالیس درہم) گویا اس کا ثمن ہے اس لیے اس کو جُعل وصول کرنے کے لیے غلام روکنے کا حق حاصل ہے، اور یہ سب جو ہم نے ذکر کیا ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

{6} اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ خواہ کاریگر کے کام کا اثر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کو مالِ عین روکنے کا حق حاصل نہیں ہے؛ کیونکہ کاریگر کی طرف سے مستاجر کو مالِ عین سپرد کرنا اس طور پر واقع ہوا کہ جس چیز پر اجارہ تھا وہ مستاجر کی ملک کے ساتھ متصل ہو گئی تو روکنے کا حق ساقط ہو گیا مثلاً رنگریز کا رنگ مستاجر کے کپڑے میں لگ جانے سے وہ مستاجر کے سپرد ہو گیا اور سپردگی کے بعد روکنے کا حق نہیں رہتا ہے۔

{7} ہماری دلیل یہ ہے کہ محل (کپڑے) کے ساتھ اس چیز (رنگ) کا متصل ہونا تو کام ٹھیک کرنے کی ضرورت سے تھا کاریگر اس اعتبار سے اس اتصال پر راضی نہیں کہ یہ سپردگی ہے اسی لیے تو وہ اس کو روک رہا ہے لہٰذا روکنے کا حق ساقط نہ ہو گا جیسے اگر مشتری نے بائع کی رضامندی کے بغیر قبضہ کر لیا تو بائع کے روکنے کا حق ساقط نہ ہو گا بلکہ اسے اختیار ہو گا کہ مبیع واپس لے اور ثمن وصول کرنے کے لیے روک لے اسی طرح کاریگر کو بھی روکنے کا اختیار ہو گا۔

{8} اگر مستاجر نے کاریگر کے ذمہ یہ شرط کی ہو کہ وہ بذاتِ خود کام کرے گا تو کاریگر کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ دوسرے سے یہ کام کرائے؛ کیونکہ جس امر پر عقد اجارہ ٹھہرا وہ یہ ہے کہ ایک خاص محل (خاص کاریگر) کے ساتھ یہ کام متصل ہو تو مستاجر بعینہ اسی کا مستحق ہو گا جیسے کسی خاص محل کی منفعت پر عقد ہو مثلاً کسی خاص جانور کو منفعتِ سواری کے لیے اجارہ پر دیا تو موجر پر بعینہ اسی جانور کا سپرد کرنا لازم ہو گا اس کے علاوہ کوئی دوسرا جانور نہیں دے سکتا ہے۔

{9} اور اگر مستاجر نے مطلقاً کام کے لیے اجارہ پر لیا مثلاً کہا کہ میرا یہ کپڑا ایک درہم کے عوض سی دو یعنی یہ نہیں کہا کہ بذاتِ خود سی دو تو کاریگر کو اختیار ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اس کام کے لیے اجارہ پر لے؛ کیونکہ اس کے ذمہ کام کا استحقاق ہے اور اس کا پورا کرنا دو طرح سے ممکن ہے، ایک یہ کہ بذاتِ خود یہ کام کر دے، اور دوم یہ کہ کسی دوسرے سے کرا دے پس ہر طرح جائز ہے جیسے قرضہ ادا کرنا کہ چاہے خود ادا کرے یا بذریعہ اپنے وکیل کے ادا کر دے ہر طرح جائز ہے۔

## فَصْلٌ

یہ فصل عدمِ استحقاق اجرت کی بعض صورتوں کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ پوری اُجرت کے استحقاق کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اس فصل میں پوری اُجرت کے عدمِ استحقاق یا بعض اُجرت کے عدمِ استحقاق کی تفصیل کو بیان فرماتے ہیں، چونکہ پوری اُجرت کا استحقاق اصل اور عدمِ استحقاق کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے پوری اُجرت کے استحقاق کو پہلے ذکر کیا۔

{1} وَمَنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِيَذْهَبَ إِلَى الْبَصْرَةِ فَيَجِيءَ بِعِيَالِهِ فَذَهَبَ فَوَجَدَ بَعْضَهُمْ قَدْ مَاتَ

اور جس نے اجارہ پر لیا کسی شخص کو کہ وہ بصرہ جائے اور لائے اس کے گھر والوں کو، پس وہ گیا اور پایا ان میں سے بعض کو کہ وہ مر چکے ہیں

فَجَاءَ بِمَنْ بَقِيَ فَلَهُ الْأَجْرُ بِحِسَابِهِ ؛ لِأَنَّهُ أَوْفَى بَعْضَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ فَيَسْتَحِقُّ

پس اس نے لایا باقی ماندہ کو، تو اس کے لیے اجرت ہوگی اسی حساب سے؛ کیونکہ اس نے پورا کیا بعض معقود علیہ کو، پس وہ مستحق ہوگا

الْعِوَضَ بِقَدْرِهِ ، وَمُرَادُهُ إِذَا كَانُوا مَعْلُومِينَ{2} وَإِنِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَذْهَبَ بِكِتَابِهِ إِلَى فُلَانٍ بِالْبَصْرَةِ

عوض کا اسی کے بقدر، اور ماتنؒ کی مراد یہ ہے کہ جب وہ معلوم ہوں۔ اور اگر کرایہ پر لیا تاکہ وہ لے جائے اس کا خط فلاں کے پاس بصرہ میں

وَيَجِيءَ بِجَوَابِهِ فَذَهَبَ فَوَجَدَ فُلَانًا مَيِّتًا فَرَدَّهُ فَلَا أَجْرَ لَهُ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور لائے اس کا جواب، پس وہ خط لے گیا، پس پایا فلاں کو مردہ، اور اس نے واپس کر دیا، تو اجرت نہیں اس کے لیے، اور یہ امام صاحبؒ

وَأَبِي يُوسُفَ .{3} وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَهُ الْأَجْرُ فِي الذَّهَابِ ؛ لِأَنَّهُ أَوْفَى بَعْضَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے: اس کے لیے اجرت ہوگی لے جانے کی؛ کیونکہ اس نے پورا کیا بعض معقود علیہ کو

وَهُوَ قَطْعُ الْمَسَافَةِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَجْرَ مُقَابَلٌ بِهِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَشَقَّةِ دُونَ حَمْلِ الْكِتَابِ لِخِفَّةِ مُؤْنَتِهِ

اور وہ قطع مسافت ہے، اور یہ اس لیے کہ اجرت مقابل ہے قطع مسافت کا؛ کیونکہ اس میں مشقت ہے نہ کہ خط اٹھانے کا؛ خفتِ مشقت کی وجہ سے

{4} وَلَهُمَا أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ نَقْلُ الْكِتَابِ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ أَوْ وَسِيلَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ الْعِلْمُ بِمَا فِي الْكِتَابِ

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ کام خط منتقل کرنا ہے؛ کیونکہ یہی مقصود ہے یا وسیلۂ مقصود ہے اور وہ علم ہے اس کا جو خط کے اندر ہے

وَلَكِنَّ الْحُكْمَ مُعَلَّقٌ بِهِ وَقَدْ نَقَضَهُ فَيَسْقُطُ الْأَجْرُ كَمَا فِي الطَّعَامِ

لیکن حکم معلق ہے خط منتقل کرنے کے ساتھ، حالانکہ اجیر نے اس کو توڑ دیا، پس ساقط ہو جائے گی اجرت جیسا کہ طعام نقل کرنے میں

وَهِيَ الْمَسْأَلَةُ الَّتِي تَلِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةَ،وَإِنْ تَرَكَ الْكِتَابَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ وَعَادَ يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِالذَّهَابِ بِالْإِجْمَاعِ

اور یہی نقل طعام کا مسئلہ ہے جو اس مسئلہ کے بعد آرہا ہے، اور اگر اس نے چھوڑ دیا خط وہیں، اور واپس آیا، تو مستحق ہوگا جانے کی اجرت کا بالاتفاق

لِأَنَّ الْحَمْلَ لَمْ يَنْتَقِضْ .{5} وَإِنِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَذْهَبَ بِطَعَامٍ إِلَى فُلَانٍ بِالْبَصْرَةِ فَذَهَبَ فَوَجَدَ فُلَانًا مَيِّتًا فَرَدَّهُ

کیونکہ خط لے جانا نہیں ٹوٹا ہے۔ اور اگر اجارہ پر لیا تاکہ لے جائے غلہ فلاں کے پاس بصرہ میں، پس وہ گیا، اور فلاں کو پایا مردہ، پس اس نے رد کر دیا اس کو

فَلَا أَجْرَ لَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ؛ لِأَنَّهُ نَقَضَ تَسْلِيمَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ ، وَهُوَ حَمْلُ الطَّعَامِ ، بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ

تو اجرت نہیں اس کے لیے سب کے قول میں؛ کیونکہ اس نے توڑ دی سپردگی معقود علیہ کی، اور وہ طعام لے جانا ہے، برخلاف کتاب کے مسئلے کے

عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ هُنَاكَ قَطْعُ الْمَسَافَةِ عَلَى مَا مَرَّ .

امام محمدؒ کے قول پر؛ کیونکہ معقود علیہ وہاں قطع مسافت ہے جیسا کہ گذر چکا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص نے کسی کو اس لیے مزدور کھا کہ "بصرہ جاکر میرے اہل وعیال کو لادو" پس مزدور وہاں گیا اور حال یہ کہ مستاجر کے اہل وعیال میں سے بعض مر گئے تھے، پس اس نے باقیوں کو لایا، تو اس کو اسی حساب سے مزدوری ملے گی مثلاً کل تعداد آٹھ تھی اور مزدوری آٹھ درہم مقرر ہوئی تھی، حالانکہ وہ چھ لایا تو اسی حساب سے چھ درہم مزدوری کے ملیں گے؛ کیونکہ اس نے معقود علیہ میں سے بعض کو پورا کیا تو اسی حساب سے عوض کا مستحق ہوگا۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ کی مراد یہ ہے کہ مستاجر کے اہل وعیال کی تعداد معلوم ہو مثلاً آٹھ آدمی ہوں اور اُجرت ان سب کے مقابل ہو تو ان کی تعداد کم ہونے سے مشقت کم ہو جاتی ہے اس لیے اجرت بھی اسی حساب سے کم ہوگی۔

ف:۔ مولانا عبدالحکیم شاولی کوٹیؒ فرماتے ہیں: و اعلم أن هذا الحكم اذا كانت المؤنة تقل بنقصان العدد فی العيال و الا فكله ای جميع الاجر المسمّٰى فی مقابلة الجميع كما لو كانت الفائت صغيراً او كان ذالک استيجار السفينة فانه لايظهر التفاوت فيها بنقصان عدد و لو من الكبار الخ ملخصاً من درّ المختار و شرحه للشامی،أقول :وبهذا يظهر حكم الطيّارات والسيّارات عند الاستيجار و الكراء فی زماننا كما لايخفی (هامش الهداية:295/3)

{2} اور اگر مستاجر نے کسی شخص کو اس لیے مزدور رکھا کہ "میرا خط فلاں شخص کے پاس بصرہ میں لے جاؤ اور وہاں سے اس کا جواب لادو" پس وہ بصرہ گیا مگر اس نے مکتوب الیہ شخص کو میت پایا یعنی وہ مر چکا تھا اس لیے اس نے خط واپس لایا تو اس کو کچھ اجرت نہیں ملے گی اور یہ شیخینؒ کا قول ہے۔

{3} امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کو جانے کی اجرت ملے گی؛ کیونکہ معقود علیہ (جانے اور آنے) میں سے اس نے بعض کو ادا کیا اور وہ بعض جانے کی قطع مسافت ہے لہٰذا وہ اس کی اجرت کا مستحق ہوگا۔ اور ہم نے جانے اور آنے کو معقود علیہ اس لیے کہا کہ اجرت تو مسافت طے کرنے کے مقابل میں ہے؛ کیونکہ اسی میں مشقت ہے اور خط لے جانے کے مقابل میں نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی مشقت بہت ہی خفیف ہے۔

{4} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ خط لے جانا ہی معقود علیہ ہے؛ کیونکہ یہی اصل مقصود ہے یا مقصود کا وسیلہ ہے اور مقصود یہ کہ جو کچھ خط کے اندر ہے اس سے مکتوب الیہ کو آگاہ کرنا ہے، لیکن اجرت واجب ہونے کا حکم اس کو منتقل کرنے سے متعلق ہے حالانکہ اس نے خط واپس لا کر کے اس کے منتقل کرنے کو توڑ دیا تو اجرت بھی ساقط ہو جائے گی جیسے نقل طعام کے مسئلہ میں ہے جو خط کے مسئلہ کے بعد ہی مذکور ہے۔

اور اگر مزدور نے اس خط کو وہیں چھوڑ کر آیا تو وہ بالاتفاق خط لے جانے کی اجرت کا مستحق ہوگا؛ کیونکہ اس نے خط واپس نہیں لایا ہے لہٰذا اس نے خط کو منتقل کرنے کو نہیں توڑا ہے اس لیے وہ اجرت کا مستحق ہوگا؛ کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک جب وہ خط واپس لائے تب بھی جانے کی اجرت کا مستحق ہوتا ہے تو جب خط بھی وہیں چھوڑ آیا تو بدرجہ اولیٰ مستحق ہوگا، اور شیخینؒ کے نزدیک جب وہ نہیں لایا اور خط ہی مقصود تھا؛ کیونکہ ممکن ہے کہ خط سے مکتوب الیہ کے ورثہ فائدہ اٹھائے اس لیے مزدور اجرت کا مستحق ہوگا۔

{5} اگر مستاجر نے ایک شخص کو مزدور رکھا کہ "یہ اناج بصرہ میں فلاں شخص کے پاس لے جا" پس وہ اناج لے کر بصرہ میں پہنچادیا مگر اس نے فلاں شخص (مرسل الیہ) کو مردہ پایا یعنی وہ مرچکا تھا پس مزدور نے اناج واپس لایا تو باتفاق ائمہ اس کے لیے کچھ اجرت نہ ہوگی؛ کیونکہ اس نے معقود علیہ کو توڑ دیا اور یہاں معقود علیہ اناج لے جانا تھا جو اس نے واپس لاکر کے اس عمل کو توڑ دیا اس لیے اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ برخلافِ خط کے مسئلہ کے امام محمدؒ کے قول کے مطابق کہ اس میں معقود علیہ قطع مسافت تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اس نے بعض معقود علیہ عمل کو پورا کیا، واللہ اعلم بالصواب۔

## بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْإِجَارَةِ وَمَا يَكُونُ خِلَافًا فِيهَا

یہ باب ایسے اجارات کے بیان میں ہے جو جائز ہیں اور ان افعال کے بیان میں ہے جو اجارات میں خلاف شمار ہوتے ہیں۔

مصنفؒ اجارہ، شرطِ اجارہ اور استحقاق اجرت کے وقت کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے جائز اجارات اور اجارات میں ان افعال کا ذکر ہے جو اجیر کی طرف سے موجر کے حکم کے خلاف شمار ہوتے ہیں اور جو خلاف شمار نہیں ہوتے ہیں۔

{1} قَالَ: وَيَجُوزُ اسْتِئْجَارُ الدُّورِ وَالْحَوَانِيتِ لِلسُّكْنَى وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَا يَعْمَلُ فِيهَا ؛ لِأَنَّ الْعَمَلَ الْمُتَعَارَفَ

فرمایا: اور جائز ہے کرایہ پر لینا مکانوں اور دکانوں کو رہائش کے لیے، اگرچہ بیان نہ کرے وہ کام جو وہ اس میں کرے گا؛ کیونکہ متعارف کام

فِيهَا السُّكْنَى فَيَنْصَرِفُ إِلَيْهِ ، وَأَنَّهُ لَا يَتَفَاوَتُ فَصَحَّ الْعَقْدُ ، وَلَهُ أَنْ يَعْمَلَ كُلَّ شَيْءٍ

ان میں رہائش ہے، پس پھرے گا اسی کی طرف، اور رہائش متفاوت نہیں، پس صحیح ہے عقد، اور اس کو اختیار ہے کہ وہ کرلے ہر کام؛

لِلْإِطْلَاقِ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْكِنُ حَدَّادًا وَلَا قَصَّارًا وَلَا طَحَّانًا ؛ لِأَنَّ فِيهِ ضَرَرًا ظَاهِرًا ؛ لِأَنَّهُ يُوهِنُ الْبِنَاءَ

اطلاق کی وجہ سے، مگر نہیں بسائے گا لوہار، دھوبی اور چکی پیسنے والا؛ کیونکہ اس میں ضرر ظاہر ہے؛ اس لیے کہ یہ کام کمزور کر دیتا ہے عمارت کو

فَيَتَقَيَّدُ الْعَقْدُ بِمَا وَرَاءَهَا دَلَالَةً . {2} قَالَ : وَيَجُوزُ اسْتِئْجَارُ الْأَرَاضِي لِلزِّرَاعَةِ ؛ لِأَنَّهَا مَنْفَعَةٌ مَقْصُودَةٌ

پس مقید ہو گا عقد ان کے علاوہ کے ساتھ دلالۃً۔ فرمایا: اور جائز ہے کرایہ پر لینا زمینوں کو زراعت کے لیے؛ کیونکہ یہ مقصودی

مَعْهُودَةٌ فِيهَا ، وَلِلْمُسْتَأْجِرِ الشُّرْبُ وَالطَّرِيقُ ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ ؛ لِأَنَّ الْإِجَارَةَ تُعْقَدُ

اور معہود منفعت ہے زمینوں میں۔ اور مستاجر کے لیے پانی کا حصہ اور راستہ ہو گا اگرچہ اس کی شرط نہ کرے؛ کیونکہ اجارہ منعقد کیا جاتا ہے

لِلِانْتِفَاعِ ، وَلَا انْتِفَاعَ فِي الْحَالِ إلَّا بِهِمَا فَيَدْخُلَانِ فِي مُطْلَقِ الْعَقْدِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ

انتفاع کے لیے اور انتفاع نہیں ہو سکتا ہے مگر ان دو سے، پس یہ دونوں داخل ہوں گے مطلق عقد میں، برخلاف بیع کے؛ کیونکہ مقصود اس سے

مِلْكُ الرَّقَبَةِ لَا الِانْتِفَاعُ فِي الْحَالِ ، حَتَّى يَجُوزَ بَيْعُ الْجَحْشِ وَالْأَرْضِ السَّبْخَةِ دُونَ الْإِجَارَةِ فَلَا يَدْخُلَانِ فِيهِ

ملک رقبہ ہے نہ کہ فی الحال انتفاع حتی کہ جائز ہے گدھے کے بچے اور شور زمین کی بیع، نہ کہ اجارہ، پس یہ دونوں داخل نہ ہوں گے بیع میں

مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ الْحُقُوقِ وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ {3} وَلَا يَصِحُّ الْعَقْدُ حَتَّى يُسَمِّيَ مَا يَزْرَعُ فِيهَا؛

ذکر حقوق کے بغیر، اور یہ گذر چکا کتاب البیوع میں۔ اور صحیح نہیں ہے عقد یہاں تک کہ بیان کرے وہ جو کاشت کرے گا اس میں؛

لِأَنَّهَا قَدْ تُسْتَأْجَرُ لِلزِّرَاعَةِ وَلِغَيْرِهَا وَمَا يُزْرَعُ فِيهَا مُتَفَاوِتٌ فَلَا بُدَّ

کیونکہ زمین کبھی کرایہ پر لی جاتی ہے کاشت کے لیے اور کبھی اس کے غیر کے لیے، اور جو اس میں کاشت کی جاتی ہے وہ متفاوت ہیں، پس ضروری ہے

مِنَ التَّعْيِينِ كَيْ لَا تَقَعَ الْمُنَازَعَةُ{4} أَوْ يَقُولَ عَلَى أَنْ يَزْرَعَ فِيهَا مَا شَاءَ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا فَوَّضَ الْخِيَرَةَ إلَيْهِ

متعین کرنا؛ تاکہ پیدا نہ ہو جھگڑا۔ یا کہہ دے کہ اس شرط پر کہ کاشت کرے اس میں جو چاہے؛ کیونکہ جب سونپ دیا اختیار اس کو،

ارْتَفَعَتِ الْجَهَالَةُ الْمُفْضِيَةُ إلَى الْمُنَازَعَةِ. {5}قَالَ: وَيَجُوزُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ السَّاحَةَ ؛ لِيَبْنِيَ فِيهَا أَوْ ؛ لِيَغْرِسَ فِيهَا

تو دور ہو گئی ایسی جہالت جو مفضی ہے جھگڑے کو۔ اور جائز ہے کرایہ پر لینا خالی زمین تاکہ عمارت بنائے اس میں یا تاکہ لگائے اس میں

نَخْلًا أَوْ شَجَرًا ؛ لِأَنَّهَا مَنْفَعَةٌ تُقْصَدُ بِالْأَرَاضِي ، ثُمَّ إذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ لَزِمَهُ أَنْ

کھجور یا دیگر درخت؛ کیونکہ یہ ایسی منفعت ہے جو مقصود ہوتی ہے زمینوں سے۔ پھر جب گذر جائے مدتِ اجارہ، تو لازم ہے مستاجر پر کہ

يَقْلَعَ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَيُسَلِّمَهَا إلَيْهِ فَارِغَةً ؛ لِأَنَّهُ لَا نِهَايَةَ لَهُمَا وَفِي إبْقَائِهِمَا إضْرَارًا

اکھاڑ دے عمارت اور درخت، اور سپرد کر دے زمین فارغ کر کے؛ کیونکہ کوئی انتہا نہیں عمارت اور درخت کے لیے، پس ان کو باقی رکھنے میں ضرر ہے

بِصَاحِبِ الْأَرْضِ، {6} بِخِلَافِ مَا إذَا انْقَضَتِ الْمُدَّةُ وَالزَّرْعُ بَقْلٌ حَيْثُ يُتْرَكُ بِأَجْرِ الْمِثْلِ إلَى زَمَانِ الْإِدْرَاكِ؛

مالکِ زمین کا۔ برخلاف اس کے جب مدت گذر جائے حالانکہ کھیتی کچی سبز ہے کہ چھوڑ دی جائے گی زمین اجرتِ مثل کے عوض کھیتی پکنے تک؛

لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً فَأَمْكَنَ رِعَايَةُ الْجَانِبَيْنِ .قَالَ : إلَّا أَنْ يَخْتَارَ صَاحِبُ الْأَرْضِ أَنْ يَغْرَمَ لَهُ

کیونکہ کھیتی کے لیے انتہا معلوم ہے پس ممکن ہے جانبین کی رعایت۔ فرمایا: مگر یہ کہ اختیار کرے صاحبِ زمین کہ تاوان دے مستاجر

قِيمَةَ ذَلِكَ مَقْلُوعًا وَيَتَمَلَّكَهُ فَلَهُ ذَلِكَ وَهَذَا بِرِضَا صَاحِبِ الْغَرْسِ وَالشَّجَرِ

اکھڑے ہوئے درخت اور عمارت کا اور خود مالک ہو جائے اس کا، تو اس کو یہ اختیار ہے، اور یہ غرس اور شجر کے مالک کی رضا سے ہو،

إلَّا أَنْ تَنْقُصَ الْأَرْضُ بِقَلْعِهِمَا فَحِينَئِذٍ يَتَمَلَّكُهُمَا بِغَيْرِ رِضَا

مگر یہ کہ ناقص ہو جاتی ہو زمین ان کے اکھاڑنے سے، تو اس وقت صاحبِ زمین ان چیزوں کا مالک ہو جائے گا مستاجر کی رضا کے بغیر۔

{7}قَالَ : أَوْ يَرْضَى بِتَرْكِهِ عَلَى حَالِهِ فَيَكُونُ الْبِنَاءُ لِهَذَا وَالْأَرْضُ لِهَذَا ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ

فرمایا: یا راضی ہو جائے اسے اپنے حال پر ترک کرنے پر، پس عمارت مستاجر کے لیے ہوگی اور زمین مالک کے لیے؛ کیونکہ حق اسی کا ہے

فَلَهُ أَنْ لَا يَسْتَوْفِيَهُ .{8}قَالَ : وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : إذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ ، وَفِي الْأَرْضِ رُطَبَةٌ

تو اس کو اختیار ہے کہ وصول نہ کرے اپنے حق کو۔ اور جامع صغیر میں ہے: اور جب گذر جائے مدتِ اجارہ اور زمین میں رطبہ ہو تو وہ

تُقْلَعُ ؛ لِأَنَّ الرِّطَابَ لَا نِهَايَةَ لَهَا فَأَشْبَهَ الشَّجَرَ .

اکھاڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ رطاب کے لیے کوئی انتہا نہیں ہے پس وہ مشابہ ہو گیا درخت کے ساتھ۔

تشریح:۔{1} سکونت کے لیے تیار مکانوں اور دوکانوں کو کرایہ پر لینا جائز ہے اگرچہ یہ بیان نہ کرے کہ اس میں کیا کام کرے گا؛ کیونکہ متعارف ان میں سکونت ہے تو مذکورہ عقد کو سکونت کے لیے رکھا جائے گا اور سکونت میں تمام لوگ غالباً برابر ہوتے ہیں ان میں تفاوت نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ عقد صحیح ہوگا۔ اور مستاجر کو اختیار ہے کہ اعمالِ سکونت میں سے اس میں ہر طرح کا کام کرے یعنی چاہے تو خود رہے اور چاہے تو دوسرے کو بسائے؛ کیونکہ عقدِ اجارہ مطلق ہے کسی خاص کام کی قید نہیں ہے اس لیے اس کو ہر طرح کے کام کا اختیار ہوگا۔ البتہ وہ اس مکان یا دوکان میں لوہار، دھوبی یا چکی پیسنے والے کو نہیں بسا سکتا ہے؛ کیونکہ ان کو بسانے میں عمارت کے حق میں ضرر ظاہر ہے؛ کیونکہ یہ کام عمارات کی بنیاد کمزور کر دیتے ہیں، لہٰذا مذکورہ عقد اگرچہ مطلق ہے مگر دلالت کی راہ سے ان کاموں کے علاوہ کے ساتھ مقید ہوگا اس لیے لوہار، دھوبی اور چکی پیسنے والے کو اس میں نہیں بسایا جا سکتا ہے۔

{2} زمینوں کو زراعت کے لیے اجارہ پر لینا جائز ہے؛ کیونکہ زمینوں میں یہ منفعت معہود اور مقصود ہے یعنی زمینوں میں متاد اور معہود یہی فائدہ ہے کہ اس میں زراعت کی جائے اور یہ فائدہ خود مقصود ہوتا ہے اس لیے یہ اجارہ صحیح ہے۔ اور مستاجر کو اس زمین کے سینچنے کے پانی کا حصہ اور اس میں جانے کا راستہ ملے گا اگرچہ اس نے اجارہ میں ان چیزوں کی شرط نہ لگائی ہو؛ کیونکہ اجارہ تو نفع حاصل کرنے کے لیے منعقد ہوتا ہے حالانکہ پانی کے حصہ اور راستہ کے بغیر انتفاع ممکن نہیں ہے لہٰذا مطلق عقد میں یہ دونوں چیزیں

داخل ہو جائیں گی۔ اور بیع کا حکم اس کے بر خلاف ہے کہ اس میں ذکر کیے بغیر یہ دونوں چیزیں داخل نہیں ہوں گی؛ کیونکہ بیع سے ملک رقبہ مقصود ہوتی ہے فی الحال نفع اٹھانا مقصود نہیں ہوتا ہے حتی کہ گدھے کے بچے اور شورزمین (جو زمین کچھ نہ اگائے) کی بیع جائز ہے اور ان کا اجارہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ان سے فی الحال انتفاع ممکن نہیں تو بیع میں ذکرِ حقوق کے بغیر پانی کا حصہ اور راستہ داخل نہ ہوں گے اور یہ مسئلہ "کتاب البیوع" کے "باب الحقوق" میں گذر چکا۔

{3} اور زراعت کی غرض سے زمین اجارہ پر لینے کا عقد صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ جو چیز اس میں زراعت کرے گا وہ بیان کردے؛ کیونکہ زمین کبھی زراعت کے لیے اجارہ پر لی جاتی ہے اور کبھی دوسرے کام (مثلاً تعمیر) کے لیے اجارہ پر لی جاتی ہے اور جو چیز اس میں زراعت کی جاتی ہے اس میں بھی تفاوت ہوتا ہے بعض چیزیں زمین کے لیے مضر ہوتی ہیں اور بعض مضر نہیں ہوتی ہیں لہٰذا تعیین ضروری ہے تاکہ آگے جاکر جھگڑا پیدا نہ ہو۔

{4} البتہ اگر زمین کے مالک نے کہا کہ زمین میں جو تیرا جی چاہے زراعت کر، تو زمین میں بونے والی چیز کی تعیین ضروری نہ ہوگی؛ کیونکہ جب زمین کے مالک نے مستاجر کو کلی اختیار سپرد کیا تو بوئی جانے والی چیز کی جہالت کی وجہ سے جو جھگڑا پیدا ہوتا تھا وہ دور ہو گیا اس لیے یہ اجارہ صحیح ہے اور بوئی جانے والی چیز کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

{5} اور جائز ہے کہ خالی زمین کو اجارہ پر لے تاکہ اس میں عمارت بنادے یا اس میں کھجور کے درخت یا دیگر درخت لگادے؛ کیونکہ یہ ایسی منفعت ہے جس کو زمین سے حاصل کرنے کا قصد کیا جاتا ہے اور مقصودی منفعت کے حصول کے لئے اجارہ پر لینا جائز ہوتا ہے اس لیے یہ اجارہ جائز ہے۔ پھر جب مدتِ اجارہ گذر جائے تو مستاجر پر لازم ہوگا کہ اپنی عمارت اور اپنے درخت اکھاڑدے اور زمین کو سب سے فارغ کر کے مالک کے سپرد کر دے؛ کیونکہ عمارت اور درخت کے لیے کوئی انتہاء معلوم نہیں ہے تو زمین کے اجارہ کو مسلسل باقی رکھنے میں زمین کے مالک کا ضرر ہے اس لیے مدت پوری ہونے پر مستاجر سے کہا جائے گا کہ زمین کو فارغ کر کے مالک کے سپرد کر دو۔

{6} اس کے بر خلاف اگر مستاجر نے زمین میں کھیتی بوئی ہو اور مدتِ اجارہ گذر گئی اور کھیتی ابھی تک پکی نہ ہو تو پختہ ہونے تک اجرتِ مثل پر چھوڑدی جائے گی؛ کیونکہ کھیتی پکنے کی ایک انتہاء اور وقت معلوم ہے تو طرفین کی رعایت ممکن ہوئی یوں کہ کھیتی کو چھوڑدیا جائے گا پکنے تک زمین کے مالک کو کرایہ ملتا جائے گا اور مستاجر کو پختہ کھیتی مل جائے گی۔

البتہ اگر مالکِ زمین اس امر کو پسند کرے کہ مستاجر کو اس کی اکھڑی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دیدے اور خود ان چیزوں کا مالک ہو جائے تو اس کو یہ اختیار ہے، اور یہ حکم مستاجر کی رضامندی سے ہوگا جو عمارت اور درختوں کا مالک ہے، البتہ

اگر ان چیزوں کے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان پہنچتا ہو تو اس وقت میں زمین کا مالک ان چیزوں کا مستاجر کی رضامندی کے بغیر مالک ہو جائے گا۔

{7} اسی طرح اگر زمین کا مالک مستاجر کی عمارت اور درختوں کو اسی حال پر چھوڑ دینے پر راضی ہو جائے تو اس کا بھی زمین کے مالک کو اختیار ہے، پس عمارت اور درخت مستاجر کے ہوں گے اور زمین مالک زمین کی ہوگی؛ کیونکہ زمین واپس لینے کا حق تو زمین کے مالک کو حاصل ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنا حق حاصل نہ کرے۔

{8} اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر اجارہ کی مدت گذر گئی حالانکہ زمین میں رطبہ (وہ گھاس وغیرہ جس کی جڑ زمین میں باقی رہے اور اوپر سے اس کو بار بار کاٹا جائے) قائم ہے تو اسے اکھاڑ لیا جائے گا؛ کیونکہ رطبہ کے لیے کوئی انتہاء معلوم نہیں ہے تو درخت کے مشابہ ہے کہ مدتِ اجارہ پوری ہونے پر اسے اکھاڑ دیا جائے گا۔ جامع صغیر کی عبارت لانے سے مقصود رطبہ کا حکم بیان کرنا ہے کہ رطبہ کا وہی حکم ہے جو درخت کا ہے۔

ف:۔ آج کل مکانوں اور دکانوں کی پگڑی کا عام رواج ہو گیا ہے جس کا نام حقِ قرار بھی ہے، بسا اوقات مالک مکان/دکان اپنا مکان، دکان طویل مدت کے لئے کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ کے علاوہ کچھ رقم یکمشت لیتا ہے، کرایہ دار یکمشت رقم دے کر اس بات کا حقدار ہو جاتا ہے کہ کرایہ دار طویل مدت تک یا تاحیات باقی رہے پھر بسا اوقات کرایہ دار اپنا حق دوسرے کرایہ دار کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور اس سے یکمشت رقم وصول کرتا ہے اور اس معاملہ کو عرف میں پگڑی فروخت کرنا کہا جاتا ہے اب رقم ادا کرنے کے بعد دوسرا شخص مالک مکان، دکان سے عقدِ اجارہ کا حقدار ہو جاتا ہے یا اگر مالک مکان دکان کرایہ دار سے مکان یا دکان جو واپس لینا چاہے تو اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے کہ کرایہ دار کو اتنی رقم ادا کرے جس پر دونوں راضی ہوں اس یکمشت لی جانے والی رقم کو مختلف بلادِ عربیہ میں "خلو" کہا جاتا ہے جبکہ ہند و پاک میں "پگڑی" یا "سلامی" کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے یہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟

شرعاً اس کا لین دین دونوں ناجائز ہیں؛ کیونکہ یہ رقم یا تو "رشوت" ہے یا "حقِ مجرد" کا عوض ہے۔ اب اگر کسی نے ایسا معاملہ کر لیا تو دونوں فریق پر توبہ کرنا اور اس رقم کو واپس کرنا لازم ہے، قال العلامة الصابونی: اذا انتهت مدة الاجارة، فعلى المستاجر أن يسلمها لصاحبها، وليس له حق في ان يخليها لغيره، على أن يأخذ منه مبلغاً في نظير الاخلاء، كما يفعله بعض الناس اليوم ؛لان ملك الدار أو الدكان لصاحبها المالك، وهذا الذي يسميه الناس "حق الخلو" او "حق نقل القدم" ليس بالأمر الشرعي (جدید معاملات کے شرعی احکام: 219/1)

فف: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے بارے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ بہت سارے مسائل کے بارے نرم گوشہ رکھتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ پگڑی کا ہے، ایک طویل مقالے کے آخر میں مولانا صاحب لکھتے ہیں: پس ان تفصیلات کی روشنی میں اس گنہگار کی رائے ہے کہ (۱) "حق خلو" جو "حق قبضہ" سے عبارت ہے ایک مستقل حق ہے اور منجملہ ان حقوق کے ہے جن کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے (۲) مالک مکان اگر کرایہ دار سے پگڑی حاصل کرتا ہے تو وہ "حق قبضہ" فروخت کر دیتا ہے، اور اب خریدار مکان کا مالک ہو جاتا ہے، وہ جسے چاہے اس کے ہاتھوں جس قیمت میں چاہے، فروخت کر دے، خود مالک سے یا کسی اور کرایہ دار سے (۳) اس کے ساتھ ماہانہ کرایہ قبضہ کے ساتھ ساتھ اس مکان سے انتفاع کا عوض ہے جس کا مالک مکان بحیثیت مالک حقدار ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جن صورتوں میں کرایہ دار نے اصل مالک کو پگڑی ادا نہیں کی ہے، ان صورتوں میں وہ معاہدہ کے مطابق صرف انتفاع کا حق رکھتا ہے، جس کا عوض کرایہ کے نام سے وہ ادا کرتا ہے، وہ حق قبضہ کا مالک نہیں کہ کسی اور سے اس کو خرید سکے یا خود مالک مکان کو حوالہ کرتے ہوئے اس کی قیمت حاصل کر سکے۔ یہ فقیر کی شخصی رائے ہے جس میں تاویل وحیل کے بجائے حقائق اور واقعات کو سامنے رکھ کر "حق خلو" کو ایک مستقل اور قابل خرید و فروخت حق اور از قبیل مال شمار کیا گیا ہے (جدید فقہی مسائل :4/143)

{1} قَالَ : وَيَجُوزُ اسْتِئْجَارُ الدَّوَابِّ لِلرُّكُوبِ وَالْحَمْلِ ؛ لِأَنَّهُ مَنْفَعَةٌ مَعْلُومَةٌ مَعْهُودَةٌ .فَإِنْ أَطْلَقَ الرُّكُوبَ جَازَ لَهُ أَنْ يُرْكِبَ مَنْ شَاءَ ؛ عَمَلًا بِالْإِطْلَاقِ .وَلَكِنْ إذَا رَكِبَ بِنَفْسِهِ أَوْ أَرْكَبَ وَاحِدًا لَيْسَ لَهُ أَنْ يُرْكِبَ غَيْرَهُ ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ مُرَادًا مِنَ الْأَصْلِ ، وَالنَّاسُ يَتَفَاوَتُونَ فِي الرُّكُوبِ فَصَارَ كَأَنَّهُ نَصَّ عَلَى رُكُوبِهِ{2} وَكَذَلِكَ إذَا اسْتَأْجَرَ ثَوْبًا لِلُّبْسِ وَأَطْلَقَ جَازَ فِيمَا ذَكَرْنَا ؛ لِإِطْلَاقِ اللَّفْظِ وَتَفَاوُتِ النَّاسِ فِي اللُّبْسِ{3} وَإِنْ قَالَ : عَلَى أَنْ يَرْكَبَهَا فُلَانٌ

فرمایا: اور جائز ہے کرایہ پر لینا جانور سواری کے لیے اور بوجھ لادنے کے لیے؛ کیونکہ یہ منفعت ہے معلوم اور معہود، پھر اگر مطلق چھوڑا سوار ہونے کو، تو جائز ہے اس کے لیے کہ سوار کرے جس کو چاہے؛ عمل کرتے ہوئے اطلاق پر، لیکن جب سوار ہو جائے بذاتِ خود، یا سوار کر دے ایک شخص کو، تو اس کو اختیار نہیں کہ سوار کرے اور شخص کو؛ کیونکہ اسی کا مراد ہونا متعین ہوا اصل سے، اور لوگ متفاوت ہیں سواری میں، پس گویا تصریح کی ہے اس کے سوار ہونے کی۔ اور اسی طرح اگر کرایہ پر لیا کپڑا پہننے کے لیے اور مطلق چھوڑا، تو جائز ہے اس حکم میں جو ہم نے ذکر کیا؛ اطلاق لفظ کی وجہ سے اور لوگوں کے تفاوت کی وجہ سے پہننے میں۔ اور اگر کہا: کہ اس شرط پر کہ سوار ہوگا اس پر فلاں،

أَوْ يَلْبَسَ الثَّوْبَ فُلَانٌ فَأَرْكَبَهَا غَيْرَهُ أَوْ أَلْبَسَهُ غَيْرَهُ فَعَطِبَ كَانَ ضَامِنًا ؛ لِأَنَّ النَّاسَ يَتَفَاوَتُونَ فِي الرُّكُوبِ
یا پہنے گا کپڑا فلاں، پس اس نے سوار کیا دوسرے کو یا پہنا دیا دوسرے کو، پھر وہ تلف ہو گیا، تو ضامن ہو گا؛ کیونکہ لوگ متفاوت ہیں سوار ہونے

وَاللُّبْسِ فَصَحَّ التَّعْيِينُ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَعَدَّاهُ ، وَكَذَلِكَ كُلُّ مَا يَخْتَلِفُ
اور کپڑا پہننے میں، پس صحیح ہے متعین کرنا، اور جائز نہیں مستاجر کے لیے کہ تجاوز کرے اس سے، اور اسی طرح ہر وہ چیز ہے جو مختلف ہوتی ہو

بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ لِمَا ذَكَرْنَا .{4}فَأَمَّا الْعَقَارُ وَمَا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ
مستعمل کے اختلاف سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، رہی جائیداد اور وہ چیز جو مختلف نہ ہوتی ہو مستعمل کے اختلاف سے

إِذَا شَرَطَ سُكْنَى وَاحِدٍ فَلَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ ؛ لِأَنَّ التَّقْيِيدَ غَيْرُ مُفِيدٍ لِعَدَمِ التَّفَاوُتِ وَالَّذِي
جب شرط کرلے ایک کی رہائش، تو اس کو اختیار ہے کہ وہ بسائے غیر کو؛ کیونکہ تقیید مفید نہیں، عدم تفاوت کی وجہ سے، اور وہ چیز

يَضُرُّ بِالْبِنَاءِ خَارِجٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا .{5}قَالَ : وَإِنْ سَمَّى نَوْعًا وَقَدْرًا مَعْلُومًا يَحْمِلُهُ
جو ضرر پہنچائے عمارت کو، وہ خارج ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو۔ فرمایا: اور اگر بیان کی نوع، اور معلوم مقدار جو لادے گا

عَلَى الدَّابَّةِ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ خَمْسَةَ أَقْفِزَةِ حِنْطَةٍ فَلَهُ أَنْ يَحْمِلَ مَا هُوَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ فِي الضَّرَرِ أَوْ أَقَلَّ كَالشَّعِيرِ وَالسِّمْسِمِ ؛ لِأَنَّهُ
جانور پر مثلاً کہہ دے کہ پانچ قفیز گندم، تو اس کو اختیار ہے کہ لادے وہ جو گندم کی طرح ہو ضرر میں یا کم ہو جیسے جو اور تل؛ کیونکہ یہ

دَخَلَ تَحْتَ الْإِذْنِ لِعَدَمِ التَّفَاوُتِ ، أَوْ لِكَوْنِهِ خَيْرًا مِنَ الْأَوَّلِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْمِلَ مَا هُوَ أَضَرُّ مِنَ الْحِنْطَةِ
داخل ہے اجازت کے تحت؛ عدم تفاوت کی وجہ سے، یا اس لیے کہ یہ بہتر ہے اول سے۔ اور اس کو اختیار نہیں کہ لادے وہ جو مضر ہے گندم سے

كَالْمِلْحِ وَالْحَدِيدِ ؛ لِانْعِدَامِ الرِّضَا فِيهِ{6} وَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا قُطْنًا سَمَّاهُ فَلَيْسَ لَهُ
جیسے نمک اور لوہا؛ اس پر رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر کرایہ پر لیا تا کہ لاددے اس پر روئی جس کی مقدار بیان کی ہو، تو اس کو اختیار نہیں

أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا مِثْلَ وَزْنِهِ حَدِيدًا ؛ لِأَنَّهُ رُبَّمَا يَكُونُ أَضَرَّ بِالدَّابَّةِ فَإِنَّ الْحَدِيدَ يَجْتَمِعُ فِي مَوْضِعٍ مِنْ ظَهْرِهَا
کہ لاددے اس پر اس کے وزن کے بقدر لوہا؛ کیونکہ لوہا کبھی زیادہ مضر ہوتا ہے جانور کے لیے؛ کیونکہ لوہا جمع ہو جاتا ہے اس کی پشت پر ایک جگہ،

وَالْقُطْنُ يَنْبَسِطُ عَلَى ظَهْرِهَا . {7}قَالَ : وَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَرْكَبَهَا فَأَرْدَفَ مَعَهُ رَجُلًا
اور روئی پھیل جاتی ہے اس کی پشت پر۔ فرمایا: اور اگر جانور کرایہ پر لیا تا کہ سوار ہو جائے اس پر، پھر پیچھے بٹھلایا اپنے ساتھ ایک شخص کو

فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصْفَ قِيمَتِهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِالثِّقَلِ ؛ لِأَنَّ الدَّابَّةَ قَدْ يَعْقِرُهَا جَهْلُ الرَّاكِبِ الْخَفِيفِ وَيَخِفُّ
پھر وہ ہلاک ہوا، تو ضامن ہو گا اس کی نصف قیمت کا، اور اعتبار نہیں بوجھ کا؛ کیونکہ کبھی زخمی کر دیتی ہے جانور کو ہلکے سوار کی نادانی، اور ہلکی ہوتی ہے

عَلَيْهَا رُكُوبُ الثَّقِيلِ لِعِلْمِهِ بِالْفُرُوسِيَّةِ ، وَلِأَنَّ الْآدَمِيَّ غَيْرُ مَوْزُونٍ فَلَا يُمْكِنُ مَعْرِفَةُ الْوَزْنِ

اس پر ثقیل شخص کی سواری؛ اس کی شہسواری جاننے کی وجہ سے؛ اور اس لیے کہ آدمی وزنی چیز نہیں، پس ممکن نہیں ہے وزن کی معرفت،

فَاعْتُبِرَ عَدَدُ الرَّاكِبِ كَعَدَدِ الْجُنَاةِ فِي الْجِنَايَاتِ. {8} قَالَ: وَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مِنَ الْحِنْطَةِ

پس معتبر ہے سواروں کی تعداد جیسے مجرموں کی تعداد جنایتوں میں۔ اور اگر کرایہ پر لیا تاکہ لاد دے اس پر گندم کی ایک مقدار،

فَحَمَلَ عَلَيْهَا أَكْثَرَ مِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَا زَادَ الثِّقَلُ ؛ لِأَنَّهَا عَطِبَتْ بِمَا هُوَ مَأْذُونٌ فِيهِ وَمَا

پس لادا اس پر اس سے زیادہ، پس وہ ہلاک ہوا تو ضامن ہوگا زائد بوجھ کے بقدر؛ کیونکہ وہ ہلاک ہوا اس سے جس کی اجازت ہے اور اس سے

هُوَ غَيْرُ مَأْذُونٍ فِيهِ وَالسَّبَبُ الثِّقَلُ فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمَا ، إلَّا إذَا كَانَ حَمْلًا لَا يُطِيقُهُ مِثْلُ تِلْكَ الدَّابَّةِ

جس کی اجازت نہیں ہے، اور سبب ثقل ہے، پس تقسیم ہوگا دونوں پر، مگر یہ کہ اتنا بوجھ ہو جس کی طاقت نہیں رکھتا ہو اس طرح کا جانور،

فَحِينَئِذٍ يَضْمَنُ كُلَّ قِيمَتِهَا ؛ لِعَدَمِ الْإِذْنِ فِيهَا أَصْلًا لِخُرُوجِهِ عَنِ الْعَادَةِ.

تو اس وقت ضامن ہوگا اس کی کل قیمت کا؛ عدم اجازت کی وجہ سے اس میں بالکل، اس کے خارج ہونے کی وجہ سے عادت سے۔

تشریح:۔ {1} جانور کو سواری کے لیے یا کوئی بوجھ لادنے کے لیے اجارہ پر لینا جائز ہے؛ کیونکہ ان دونوں کاموں میں سے ہر ایک معلوم اور معہود منفعت ہے اس لیے یہ جائز ہے۔ پس اگر سواری کو مطلق رکھا کسی خاص شخص کی سواری کی قید نہیں لگائی تو مستاجر کو اختیار ہے کہ اطلاق عقد پر عمل کرتے ہوئے جس کو چاہے سوار کر دے، البتہ اگر خود سوار ہو گیا یا اس نے کسی دوسرے کو سوار کیا تو اس کے بعد کسی اور شخص کو سوار نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اصل اطلاق سے یہی (جس کو سوار کیا ہے) مراد ہونا متعین ہو گیا پس کسی اور شخص کو سوار نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ سواری میں لوگوں کا حال متفاوت ہے بعض جانور پر سوار ہونے کو جانتے ہیں اور بعض نہیں جانتے ہیں تو گویا اس نے سواری کے لیے اسی شخص کو صریح بیان کیا اس لیے کسی اور کو سوار نہیں کر سکتا ہے۔

{2} اسی طرح اگر کسی نے کوئی کپڑا پہننے کے لیے اجارہ پر لیا اور مذکورہ حکم میں پہننا مطلق رکھا یعنی کسی خاص شخص کے پہننے کی قید نہیں لگائی تو اطلاق لفظ کی وجہ سے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے پہنادے لیکن اگر اس نے خود پہنا یا کسی شخص کو پہنایا تو وہ متعین ہو جاتا ہے پھر کسی اور شخص کو نہیں پہنا سکتا ہے؛ کیونکہ پہننے میں لوگوں کا حال متفاوت ہے ایک شخص کپڑے کو سنبھال سکتا ہے دوسرا نہیں سنبھال سکتا ہے اس لیے متعین شخص کے علاوہ کسی اور شخص کو نہیں پہنایا جا سکتا ہے۔

{3} اگر جانور اس شرط پر کرایہ پر لیا کہ اس پر فلاں شخص سوار ہوگا یا کپڑا فلاں شخص پہنے گا پھر اس نے دوسرے شخص کو سوار کیا یا دوسرے شخص کو پہنایا، پھر وہ جانور مر گیا یا کپڑا پھٹ گیا تو مستاجر ضامن ہوگا؛ کیونکہ جانور پر سوار ہونے اور کپڑا پہننے میں

لوگوں کی حالت متفاوت ہے تو سواری اور پہننے والے کی تعیین صحیح ہے لہذا مستاجر کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ اس سے تجاوز کرے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہو اس کا یہی حکم ہے کہ متعین شخص کے علاوہ دوسرے شخص کو نہیں دی جاسکتی ہے؛ دلیل وہی ہے جو ابھی ہم نے ذکر کی۔

{4} رہا عقار (زمین اور مکان) اور ہر ایسی چیز جو استعمال کرنے والے کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی ہے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ اگر اس میں کسی شخص کی سکونت کی شرط کی تو اس کو اختیار ہوگا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اس میں بسائے ؛کیونکہ کسی خاص شخص کی سکونت کی قید لگانا مفید نہیں ہے؛ اس لیے کہ سکونت میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ البتہ جو کام عمارت کے لیے مضر ہو وہ اس حکم سے خارج ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں ذکر کر دیا کہ لوہار اور چکی پیسنے والے کے کام سے گھر کی عمارت کو ضرر پہنچتا ہے تو ایسا کام جائز نہیں کہ جس سے عمارت کو ضرر پہنچے۔

{5} اور اگر جانور پر لادنے کے لیے کوئی معلوم نوع اور اس کی معلوم مقدار بیان کی مثلاً کہا کہ پانچ قفیز گندم لادوں گا تو اس کو اختیار ہوگا کہ اسی قدر پیمانہ تک گندم کے سوا دوسری ایسی چیز لادے جس کا ضرر گندم کے برابر یا گندم سے کم ہو جیسے جو یا تل وغیرہ ؛کیونکہ ان چیزوں کا لادنا بھی اجازت کے تحت داخل ہے؛ اس لیے کہ گندم اور ایسی چیز کے لادنے میں کوئی تفاوت نہیں ہے جو گندم کے برابر ہو یا اگر گندم سے ضرر میں کم ہو تو وہ گندم سے بہتر ہے تو ضرر نہ ہونے کی وجہ سے مستاجر کو اس کا اختیار ہوگا۔ البتہ مستاجر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسی چیز لادے جو گندم سے زیادہ مضر ہو جیسے نمک اور لوہا وغیرہ ؛کیونکہ ایسی چیز کے لادنے پر جانور کا مالک راضی نہیں ہے اس لیے کہ یہ جانور کے لیے زیادہ نقصان دہ ہے۔

{6} اگر جانور اس لیے کرایہ پر لیا کہ اس پر روئی لادے گا جس کا وزن بیان کر دیا تو مستاجر کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اسی وزن کے برابر اس پر لوہا لادے ؛کیونکہ بسا اوقات لوہا جانور کے لیے زیادہ مضر ہوتا ہے؛ کیونکہ لوہا اس کی پیٹھ پر ایک ہی جگہ مجتمع ہو جاتا ہے اور روئی اس کی پیٹھ پر پھیل جاتی ہے اور یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ مجتمع چیز کا بوجھ زیادہ پڑتا ہے پس اس میں مالک کا ضرر ہے اس لیے مستاجر کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔

{7} اگر جانور کو سواری کے لیے کرایہ پر لیا پھر اپنے پیچھے ایک اور شخص کو بٹھالیا پس وہ جانور تھک کر ہلاک ہو گیا تو مستاجر اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور بوجھ کا اعتبار نہیں ہے کہ ردیف کا بوجھ زیادہ ہے یا مستاجر کا ؛کیونکہ کم بوجھ والے آدمی کی سواری کبھی جانور کی پیٹھ کو زخمی کر دیتی ہے جبکہ وہ سوار ہونے کو نہیں جانتا ہو اور کبھی بھاری شخص کا سوار ہونا جانور کے لیے ہلکا ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ سوار ہونے کو جانتا ہے اس لیے وزن کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عرف

میں آدمی وزنی چیز نہیں ہے یعنی تولا نہیں جاتا ہے تو اس کا وزن پہچاننا غیر ممکن ہے لہذا سواروں کی گنتی معتبر ہوگی جیسے کسی شخص کو زخمی ہلاک کرنے میں مجرموں کی گنتی معتبر ہے ہر ایک کی ضرب کی تعداد معتبر نہیں ہے؛ کیونکہ کبھی ایک کی ایک ضرب دوسرے کی دس ضربوں سے زیادہ اثر کرتی ہے اسی طرح یہاں دو آدمیوں کی گنتی معتبر ہے کہ ہر ایک پر نصف قیمت آئے گی وزن کا اعتبار نہ ہوگا۔

{8} اگر جانور اس لیے اجارہ پر لیا کہ اس پر گندم کی ایک مقدار لادے گا یعنی وہ مقدار بیان کر دی پھر اس پر اس سے زیادہ لادا جس سے وہ تلف ہو گیا تو مقررہ مقدار سے جتنا بوجھ زائد ہے اسی کے بقدر ضامن ہوگا بشرطیکہ وہ اس قدر اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہو؛ کیونکہ یہ جانور ایسے بوجھ سے تلف ہوا جس میں سے بعض کی اجازت ہے اور بعض کی اجازت نہیں ہے اور تلف ہونے کا سبب بھی بوجھ ہے پس وہ ان دونوں پر منقسم ہوگا مثلاً پانچ من گندم لادنے کے لیے اجارہ پر لیا تھا پھر اس پر چھ من گندم لادے تو اس میں سے پانچ من کی اجازت ہے اور ایک من کی اجازت نہیں ہے پس جانور کی قیمت کے چھ حصے کئے جائیں جن میں سے ایک حصہ کا ضامن ہوگا اور باقی پانچ حصوں کا ضامن نہ ہوگا۔ البتہ اگر بوجھ اتنا ہو کہ جس کو اس جیسا جانور نہیں اٹھا سکتا ہے تو اس صورت میں کل قیمت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ عادت سے باہر ہونے کی وجہ سے مالک کی طرف سے ایسے بوجھ لادنے کی اجازت بالکل نہیں ہوتی ہے اس لیے ضامن ہوگا۔

{1} قَالَ : وَإِنْ كَبَحَ الدَّابَّةَ بِلِجَامِهَا أَوْ ضَرَبَهَا فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا:

اور اگر کھینچ لیا جانور کو اس کی لگام سے یا اس کو مارا، پس وہ ہلاک ہوا، تو ضامن ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ

لَا يَضْمَنُ إذَا فَعَلَ فِعْلًا مُتَعَارَفًا؛ لِأَنَّ الْمُتَعَارَفَ مِمَّا يَدْخُلُ تَحْتَ مُطْلَقِ الْعَقْدِ فَكَانَ حَاصِلًا بِإِذْنِهِ فَلَا يَضْمَنُهُ.

ضامن نہ ہوگا جب وہ ایسا کام کرے جو متعارف ہو؛ کیونکہ متعارف داخل ہے مطلق عقد کے تحت، تو یہ اس کی اجازت سے ہوا ہے، پس ضامن نہ ہوگا اس کا۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْإِذْنَ مُقَيَّدٌ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ إذْ يَتَحَقَّقُ السَّوْقُ بِدُونِهِ ، وَإِنَّمَا هُمَا لِلْمُبَالَغَةِ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجازت شرطِ سلامتی کے ساتھ مقید ہے؛ کیونکہ چلانا متحقق ہوتا ہے ان دونوں کے بغیر، اور یہ دونوں مبالغہ کے لیے ہیں،

فَيَتَقَيَّدُ بِوَصْفِ السَّلَامَةِ كَالْمُرُورِ فِي الطَّرِيقِ . {2} قَالَ : وَإِنْ اسْتَأْجَرَهَا إلَى الْحِيرَةِ فَجَاوَزَ بِهَا إلَى الْقَادِسِيَّةِ

پس اجازت مقید ہوگی وصفِ سلامتی کے ساتھ، جیسے راستے میں گذرنا۔ اور اگر کرایہ پر لیا جانور حیرہ تک، پھر اس کو لے گیا قادسیہ تک،

ثُمَّ رَدَّهَا إلَى الْحِيرَةِ ثُمَّ نَفَقَتْ فَهُوَ ضَامِنٌ ، وَكَذَلِكَ الْعَارِيَّةُ {3} وَقِيلَ تَأْوِيلُ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ

پھر واپس لایا اس کو حیرہ تک، پھر وہ ہلاک ہو گیا، تو وہ ضامن ہوگا، اور اسی طرح عاریت ہے، اور کہا گیا ہے کہ تاویل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ

إذَا اسْتَأْجَرَهَا ذَاهِبًا لَا جَائِيًا ؛ لِيَنْتَهِيَ الْعَقْدُ بِالْوُصُولِ إلَى الْحِيرَةِ فَلَا يَصِيرُ بِالْعَوْدِ مَرْدُودًا إلَى يَدِ الْمَالِكِ مَعْنًى

کرایہ پر لے اس کو جانے کے لیے نہ کہ آنے کے لیے تاکہ پورا ہو جائے عقد حیرہ تک پہنچنے سے، پس نہ ہو گا لوٹنے سے واپس کیا ہوا مالک کو
وَأَمَّا إِذَا اسْتَأْجَرَهَا ذَاهِبًا وَجَائِيًا فَيَكُونُ بِمَنْزِلَةِ الْمُودَعِ إِذَا خَالَفَ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْوِفَاقِ
رہا یہ کہ کرایہ پر لے اس کو جانے اور آنے کے لیے تو وہ بمنزلہ مودَع کے ہے جب وہ مخالفت کرے پھر لوٹ آئے موافقت کی طرف
{4} وَقِيلَ لَا، بَلِ الْجَوَابُ مَجْرِيٌّ عَلَى الْإِطْلَاقِ. وَالْفَرْقُ أَنَّ الْمُودَعَ مَأْمُورٌ بِالْحِفْظِ مَقْصُودًا فَبَقِيَ الْأَمْرُ بِالْحِفْظِ بَعْدَ الْعَوْدِ
اور کہا گیا ہے کہ حکم جاری ہے اپنے اطلاق پر، اور فرق یہ ہے کہ مودَع مامور ہے حفاظت پر مقصودی طور پر، تو باقی رہا امر بالحفظ لوٹنے کے بعد
إِلَى الْوِفَاقِ فَحَصَلَ الرَّدُّ إِلَى يَدِ نَائِبِ الْمَالِكِ، وَفِي الْإِجَارَةِ وَالْعَارِيَةِ يَصِيرُ الْحِفْظُ مَأْمُورًا بِهِ تَبَعًا لِلِاسْتِعْمَالِ
موافقت کی طرف، پس حاصل ہوا نائب مالک کی طرف لوٹانا، اور اجارہ اور عاریت میں ہو جاتی ہے حفاظت مامور بہ استعمال کا تابع ہو کر،
لَا مَقْصُودًا، فَإِذَا انْقَطَعَ الِاسْتِعْمَالُ لَمْ يَبْقَ هُوَ نَائِبًا فَلَا يَبْرَأُ بِالْعَوْدِ وَهَذَا أَصَحُّ. {5} قَالَ: وَمَنِ اكْتَرَى
نہ کہ مقصوداً، پس جب منقطع ہوا استعمال، تو وہ نائب باقی نہیں رہا، پس بری نہ ہو گا لوٹنے سے، اور یہی اصح ہے۔ اور جس نے کرایہ پر لیا
حِمَارًا بِسَرْجٍ فَنَزَعَ السَّرْجَ وَأَسْرَجَهُ بِسَرْجٍ يُسْرَجُ بِمِثْلِهِ الْحُمُرُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ يُمَاثِلُ
گدھا زین کے ساتھ، پھر اتار دی یہ زین، اور ایسی زین ڈالی جو ڈالی جاتی ہو گدھوں پر اس کی مثل، تو ضمان نہیں اس پر؛ کیونکہ جب یہ مماثل ہے
الْأَوَّلَ تَنَاوَلَهُ إِذْنُ الْمَالِكِ، إِذْ لَا فَائِدَةَ فِي التَّقْيِيدِ بِغَيْرِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ زَائِدًا عَلَيْهِ فِي الْوَزْنِ
اول کا تو اس کو شامل ہو گی مالک کی اجازت؛ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں اس کے علاوہ کی قید لگانے میں، مگر یہ کہ وہ زائد ہو اس پر وزن میں،
فَحِينَئِذٍ يَضْمَنُ الزِّيَادَةَ، وَإِنْ كَانَ لَا يُسْرَجُ بِمِثْلِهِ الْحُمُرُ ضَمِنَ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْإِذْنُ
تو اس وقت وہ ضامن ہو گا زیادتی کا، اور اگر نہ ڈالی جاتی ہو اس جیسی زین گدھوں پر، تو ضامن ہو گا؛ کیونکہ اس کو شامل نہیں اجازت
مِنْ جِهَتِهِ فَصَارَ مُخَالِفًا {6} وَإِنْ أَوْكَفَهُ بِإِكَافٍ لَا يُوكَفُ بِمِثْلِهِ الْحُمُرُ يَضْمَنُ؛ لِمَا
مالک کی طرف سے، پس وہ مخالفت کرنے والا ہوا۔ اور اگر اس پر پالان لگایا ایسا کہ نہ لگایا جاتا ہو اس جیسا گدھوں پر، تو ضامن ہو گا؛ اس دلیل کی وجہ سے
قُلْنَا فِي السَّرْجِ، وَهَذَا أَوْلَى {7} وَإِنْ أَوْكَفَهُ بِإِكَافٍ يُوكَفُ بِمِثْلِهِ الْحُمُرُ يَضْمَنُ
جو ہم نے زین کے بارے میں ذکر کی، اور یہ بطریقۂ اولیٰ ہے۔ اور اگر ایسا پالان لگایا جو لگایا جاتا ہو اس جیسا پالان گدھوں پر، تو ضامن ہو گا
عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَضْمَنُ بِحِسَابِهِ؛ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ يُوكَفُ بِمِثْلِهِ الْحُمُرُ
امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضامن ہو گا اسی کے حساب سے؛ کیونکہ جب لگایا جاتا ہو اس جیسا پالان گدھوں پر،
كَانَ هُوَ وَالسَّرْجُ سَوَاءً فَيَكُونُ الْمَالِكُ رَاضِيًا بِهِ، إِلَّا إِذَا كَانَ زَائِدًا عَلَى السَّرْجِ فِي الْوَزْنِ فَيَضْمَنُ الزِّيَادَةَ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرْضَ

پالان اور زین برابر ہیں، پس مالک راضی ہے اس پر، مگر یہ کہ زائد ہو زین پر وزن میں، تو ضامن ہو گا زیادتی کا؛ کیونکہ وہ راضی نہیں

بِالزِّيَادَةِ فَصَارَ كَالزِّيَادَةِ فِي الْحَمْلِ الْمُسَمَّى إذَا كَانَ مِنْ جِنْسِهِ {8} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْإِكَافَ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ السَّرْجِ

زیادتی پر، پس ہو گیا جیسا کہ حمل مسمّٰی کی زیادتی جبکہ وہ اس کی جنس سے ہو۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ پالان زین کی جنس سے نہیں ہے؛

لِأَنَّهُ لِلْحَمْلِ ، وَالسَّرْجُ لِلرُّكُوبِ ، وَكَذَا يَنْبَسِطُ أَحَدُهُمَا عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ

کیونکہ وہ بوجھ لادنے کے لیے، اور زین سواری کے لیے ہوتی ہے، اور اسی طرح پھیل جاتا ہے دونوں میں سے ایک جانور کی پشت پر

مَا لَا يَنْبَسِطُ عَلَيْهِ الْآخَرُ فَكَانَ مُخَالِفًا كَمَا إذَا حَمَلَ الْحَدِيدَ وَقَدْ شَرَطَ لَهُ الْحِنْطَةَ.

ایسا جو نہیں پھیلتا ہے اس پر دوسرا، پس وہ مخالفت کرنے والا ہوا جیسا کہ جب لوہا لادے، حالانکہ شرط کی تھی اس کے لیے گندم کی۔

تشریح:۔ {1} اگر مستاجر نے جانور کی لگام زور سے کھینچی یا اس کو مارا جس سے جانور تلف ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستاجر ضامن ہو گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضامن نہیں ہو گا اگر اس نے متعارف طور پر کھینچا یا مارا ہو؛ کیونکہ مطلق عقد کے تحت میں جو چیز متعارف ہے وہ داخل ہوتی ہے تو یہ فعل مالک کی اجازت سے پایا گیا لہٰذا مستاجر اس کا ضامن نہ ہو گا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کی طرف سے اجازت سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے یعنی ایسے فعل کی اجازت ہے کہ جس کے ساتھ جانور بھی سلامت رہے؛ کیونکہ اس طرح کی مار اور لگام کھینچنے کے بغیر بھی جانور کو لے چلنا ممکن تھا اور مارنا یا لگام کھینچنا تو تیز چلانے کے لیے ہوتا ہے پس اس میں اجازت اس قید کے ساتھ ہے کہ سلامتی رہے جیسے راستہ چلنے میں یہی قید ہوتی ہے یعنی عام راستہ پر چلنا جائز ہے بشرطیکہ سلامتی کے ساتھ ہو حتی کہ اگر کسی شخص کا نقصان کرے تو ضامن ہو گا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: ( وَضَمِنَ بِضَرْبِهَا وَكَبْحِهَا ) بِلِجَامِهَا لِتَقْيِيدِ الْإِذْنِ بِالسَّلَامَةِ ، حَتَّى لَوْ هَلَكَ الصَّغِيرُ بِضَرْبِ الْأَبِ أَوْ الْوَصِيِّ لِلتَّأْدِيبِ ضَمِنَ لِوُقُوعِهِ بِزَجْرٍ وَتَعْرِيكٍ .وَقَالَا : لَا يَضْمَنَانِ بِالْمُتَعَارَفِ .وَفِي الْغَايَةِ عَنْ التَّتِمَّةِ : الْأَصَحُّ رُجُوعُ الْإِمَامِ لِقَوْلِهِمَا .وقال ابن عابدين: ( قَوْلُهُ وَفِي الْغَايَةِ عَنْ التَّتِمَّةِ إلَخْ ) ظَاهِرُهُ أَنَّ رُجُوعَهُ فِي مَسْأَلَةِ الصَّغِيرِ دُونَ الدَّابَّةِ ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ كَذَلِكَ ، ؛ لِأَنَّ مَسْأَلَةَ الدَّابَّةِ جَرَى عَلَيْهَا أَصْحَابُ الْمُتُونِ ، فَلَوْ ثَبَتَ رُجُوعُ الْإِمَامِ فِيهَا لَمَا مَشَوْا عَلَى خِلَافِهِ ؛ لِأَنَّ مَا رَجَعَ عَنْهُ الْمُجْتَهِدُ لَمْ يَكُنْ مَذْهَبًا لَهُ ، وَعَلَى أَنَّ الْمُصَنِّفَ مَشَى فِي كِتَابِ الْجِنَايَاتِ عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ فِي مَسْأَلَةِ الصَّغِيرِ ، وَعَبَّرَ عَنْ رُجُوعِهِ بِقِيلَ وَسَيَأْتِي بَيَانُهُ هُنَاكَ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . (الدّر المختار مع ردّ المحتار:27/5)

{2} اگر کوفہ سے حیرہ تک جانے کے لیے کوئی جانور کرایہ پر لیا پھر حیرہ سے آگے قادسیہ تک بڑھ گیا پھر اس کو حیرہ واپس لایا پھر وہ تلف ہو گیا تو مستاجر ضامن ہو گا اور یہی حکم عاریت میں ہے کہ اگر کوفہ سے حیرہ تک جانے کے لیے جانور عاریۃً لیا ہو پھر حیرہ

سے آگے قادسیہ تک لے گیا پھر وہاں سے حیرہ واپس لایا پھر وہ مر گیا تو مستعیر ضامن ہو گا؛ کیونکہ حیرہ تک لے جانے کے لیے اجازت تھا اور جب تجاوز کیا تو اس نے مخالفت کی جس سے وہ غاصب اور ضامن ہو گیا پھر جب حیرہ واپس لایا تو مخالفت جاتی رہی لیکن وہ ضمان سے خارج نہ ہو گا جب تک کہ مالک کو واپس نہ دیدے پس جب واپس دینے سے پہلے وہ جانور مر گیا تو ضامن ہو گا۔

{3} بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ اس نے جانے کے لیے کرایہ پر لیا تھا نہ کہ آنے کے لیے تاکہ حیرہ تک پہنچ کر عقد اجارہ ختم ہو جائے پھر قادسیہ سے حیرہ لوٹ آنے پر وہ معنیً مالک کو واپس کرنے والا نہ ہو یعنی ضامن ہی رہے، اور اگر اس نے جانے اور آنے دونوں کے لیے کرایہ پر لیا ہو تو وہ بمنزلہ مستودع کے ہو گا کہ جب اس نے مودع کے حکم کی مخالفت کی پھر موافقت پر آ گیا تو ضمانت سے بری ہو جاتا ہے۔

{4} اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم علی الاطلاق جاری ہے یعنی بہر صورت یہی حکم ہے کہ ضامن ہو گا خواہ فقط جانے کے لیے کرایہ کیا ہو یا آمد و رفت دونوں کے لیے کرایہ پر لیا ہو، اور مستودع پر اس کا قیاس درست نہیں ہے وجہ فرق یہ ہے کہ مستودع تو بالقصد حفاظت کے لیے مامور ہے تو موافقت کی جانب لوٹ آنے کے بعد حفاظت کا حکم باقی رہا تو مذکورہ ودیعت کا مالک کے نائب کے ہاتھ میں واپس آنا پایا گیا اس لیے مستودع ضمانت سے بری ہو جاتا ہے، اور اجارہ وعاریت کی صورت میں حفاظت کا حکم تبعاً ہے یعنی استعمال کی اجازت کے ضمن میں ہے قصداً نہیں ہے پس جب مقررہ جگہ سے تجاوز کی وجہ سے ماذون استعمال منتہی ہو گیا تو مستاجر اور مستعیر مالک کا نائب نہ رہا تو پھر حیرہ واپس آنے کی وجہ سے وہ ضمان سے بری نہ ہو گا اور یہی قول اصح ہے۔

{5} اگر کسی نے ایک گدھا مع زین کے کرایہ پر لیا پھر یہ زین اتار ڈالی اور اس پر دوسری زین ایسی لگائی جو عام طور پر گدھوں پر لگائی جاتی ہے پس اگر گدھا تلف ہو گیا تو مستاجر پر ضمان نہیں ہے؛ کیونکہ دوسری زین جب اول کی طرح ہے تو مالک کی اجازت اس کو بھی شامل ہے؛ کیونکہ خواہ مخواہ پہلی زین کی قید لگانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، البتہ اگر دوسری زین بنسبت پہلی زین کے وزن میں کچھ زیادہ ہو تو اس صورت میں زیادتی کے بقدر ضامن ہو گا، اور اگر دوسری زین ایسی ہو کہ گدھوں پر ایسی زین نہیں لگائی جاتی ہو تو مستاجر پوری قیمت کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ مالک کی طرف سے جو زین لگانے کی اجازت ہے وہ اس طرح کی زین کو شامل نہیں ہے تو مستاجر اس صورت میں مخالفت کرنے والا ہو جائے گا اس لیے ضامن ہو گا۔

{6} اور اگر مستاجر نے اول زین اتارنے کے بعد ایسا پالان لگایا جس طرح کا پالان گدھوں پر نہیں لگایا جاتا ہے اور گدھا تلف ہو گیا تو مستاجر پوری قیمت کا ضامن ہو گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے زین میں بیان کی یعنی مالک کی اجازت اس کو شامل نہیں ہے تو پالان میں

بدرجہ اولیٰ ضامن ہوگا؛ کیونکہ جب دوسری زین کی صورت میں ضمان آتا ہے حالانکہ دونوں زینوں کی جنس ایک ہے تو پالان تو زین کی جنس سے بھی نہیں ہے اس لیے اس صورت میں بطریقہ اولیٰ ضامن ہوگا۔

{7} اور اگر اس نے زین اتار کر گدھے پر ایک ایسا پالان لگایا جو عام طور پر گدھوں پر لگایا جاتا ہے پھر گدھا تلف ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کل قیمت کا ضامن ہوگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ زیادتی کے بقدر ضامن ہوگا یعنی پالان کے بوجھ کی زیادتی کے حساب سے ضامن ہوگا؛ کیونکہ جب یہ پالان ایسا ہے کہ اس جیسا پالان عام طور پر گدھوں پر لگایا جاتا ہے تو پالان اور زین دونوں برابر ہوگئے لہٰذا مالک اس پر بھی راضی ہے، البتہ اگر یہ پالان وزن میں زین سے زیادہ ہو تو زیادتی کے بقدر ضامن ہوگا؛ کیونکہ مالک اس زیادتی پر راضی نہیں تو ایسا ہو گیا جیسے کوئی بوجھ بیان کر دیا تھا پھر اسی جنس کا بوجھ اس سے زائد لادا چنانچہ اگر جانور تلف ہو گیا تو زیادتی کے بقدر ضامن ہوتا ہے۔

{8} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ پالان زین کی جنس سے نہیں ہے؛ کیونکہ پالان تو بوجھ لادنے کے لیے ڈالا جاتا ہے اور زین لگانا سواری کے لیے ہوتا ہے تو غیر جنس کی وجہ سے ضامن ہوگا۔ اسی طرح جانور کی پیٹھ پر پالان اس قدر پھیلتا ہے جس قدر زین نہیں پھیلتی ہے تو مستاجر اس صورت میں مخالفت کرنے والا ہو جائے گا جیسے گندم لادنے کی شرط کرنے کے بعد اس نے جانور پر لوہا لادا تو اس نے شرط کی مخالفت کی اور یہ ایسی مخالفت ہے جو جانور کو زیادہ مضر ہے اس لیے مستاجر ضامن ہوگا۔

فتویٰ: صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: ( قَوْلُهُ جَمِيعَ قِيمَتِهِ ) أَيْ عِنْدَ الْإِمَامِ فِي رِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَقَدْرَ مَا زَادَ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا ، هَذَا إذَا كَانَ الْحِمَارُ يُوكَفُ بِمِثْلِهِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يُوكَفُ أَصْلًا أَوْ لَا يُوكَفُ بِمِثْلِهِ ضَمِنَ كُلَّ الْقِيمَةِ عِنْدَهُمْ كَذَا فِي الْحَقَائِقِ ابْنُ كَمَالٍ ، وَنَقَلَ الشُّرُنْبُلَالِيُّ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا (ردّ المحتار: 28/5).

{1} قَالَ: وَإِنْ اسْتَأْجَرَ حَمَّالًا لِيَحْمِلَ لَهُ طَعَامًا فِي طَرِيقِ كَذَا فَأَخَذَ فِي طَرِيقِ غَيْرِهِ يَسْلُكُهُ النَّاسُ فَهَلَكَ الْمَتَاعُ

اور اگر کرایہ پر لیا قلی تاکہ اٹھائے اس کا غلہ فلاں راستہ سے، پس اس نے اٹھایا دوسرے راستے سے جس پر لوگ چلتے ہیں، پھر ہلاک ہوا سامان

فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ، وَإِنْ بَلَغَ فَلَهُ الْأَجْرُ، وَهَذَا إذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الطَّرِيقَيْنِ تَفَاوُتٌ ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ التَّقْيِيدُ غَيْرُ مُفِيدٍ،

تو ضمان نہیں اس پر، اور اگر پہنچا دیا، تو اس کے لیے اجرت ہوگی، اور یہ جب ہے کہ نہ ہو دونوں راستوں میں تفاوت؛ کیونکہ اس وقت تقیید مفید نہیں ہے،

أَمَّا إذَا كَانَ تَفَاوُتٌ يَضْمَنُ لِصِحَّةِ التَّقْيِيدِ فَإِنَّ التَّقْيِيدَ مُفِيدٌ إلَّا أَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّفَاوُتِ إذَا كَانَ طَرِيقًا

رہا یہ کہ اگر تفاوت ہو، تو ضامن ہوگا؛ صحت، تقیید کی وجہ سے، اس لیے کہ یہ مفید تقیید ہے، مگر یہ کہ ظاہر عدم تفاوت ہے جبکہ وہ ایسا راستہ ہو

يَسْلُكُهُ النَّاسُ فَلَمْ يُفَصِّلْ {2} وَإِنْ كَانَ طَرِيقًا لَا يَسْلُكُهُ النَّاسُ فَهَلَكَ

جس پر لوگ چلتے ہوں، اس لیے امام محمدؒ نے تفصیل نہیں کی حکم میں، اور اگر وہ ایسا راستہ ہو کہ جس پر لوگ نہ چلتے ہوں، پھر وہ ہلاک ہو

ضَمِنَ ؛ لِأَنَّهُ صَحَّ التَّقْيِيدُ فَصَارَ مُخَالِفًا ، وَإِنْ بَلَغَ فَلَهُ الْأَجْرُ ؛ لِأَنَّهُ ارْتَفَعَ الْخِلَافُ مَعْنًى

تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ صحیح ہے تقیید، پس وہ مخالفت کرنے والا ہوا۔ اور اگر پہنچا دیا تو اس کے لیے اجرت ہوگی؛ کیونکہ دور ہوئی مخالفت معنیً

وَإِنْ بَقِيَ صُورَةً {3} قَالَ: وَإِنْ حَمَلَهُ فِي الْبَحْرِ فِيمَا يَحْمِلُهُ النَّاسُ فِي الْبَرِّ ضَمِنَ ؛ لِفُحْشِ التَّفَاوُتِ بَيْنَ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

اگرچہ باقی ہے صورۃً۔ اور اگر لادلایا اس کو دریا میں جس کو لوگ لادتے ہیں خشکی میں، تو ضامن ہوگا؛ بہت زیادہ تفاوت کی وجہ سے خشکی اور دریا میں

وَإِنْ بَلَغَ فَلَهُ الْأَجْرُ ؛ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَارْتِفَاعِ الْخِلَافِ مَعْنًى. {4} قَالَ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا ؛ لِيَزْرَعَهَا

اور اگر پہنچا دیا تو اس کے لیے اجرت ہوگا؛ حصولِ مقصود کی وجہ سے، اور رفع مخالفت کی وجہ سے معنیً۔ اور جس نے کرایہ پر لی زمین تاکہ کاشت کرے اس میں

حِنْطَةً فَزَرَعَهَا رُطَبَةً ضَمِنَ مَا نَقَصَهَا ؛ لِأَنَّ الرِّطَابَ أَضَرُّ بِالْأَرْضِ مِنَ الْحِنْطَةِ

گندم، پس اس نے کاشت کی رطبہ کی، تو ضامن ہوگا اس نقصان کا جو زمین کو پہنچایا؛ کیونکہ رطاب زیادہ مضر ہے زمین کے لیے گندم سے

لِانْتِشَارِ عُرُوقِهَا فِيهَا وَكَثْرَةِ الْحَاجَةِ إِلَى سَقْيِهَا فَكَانَ خِلَافًا إِلَى شَرٍّ

اس کی جڑوں کے منتشر ہونے کی وجہ سے زمین میں، اور اس کی سیرابی کی زیادہ ضرورت کی وجہ سے، پس یہ مخالفت ہے بدی کی طرف،

فَيَضْمَنُ مَا نَقَصَهَا ، وَلَا أَجْرَ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ لِلْأَرْضِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ

پس ضامن ہوگا اس نقصان کا جو زمین کو پہنچایا، اور اجرت نہ ہوگی اس کے لیے؛ کیونکہ وہ زمین کو غصب کرنے والا ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے اس کو۔

{5} قَالَ : وَمَنْ دَفَعَ إِلَى خَيَّاطٍ ثَوْبًا لِيَخِيطَهُ قَمِيصًا بِدِرْهَمٍ فَخَاطَهُ قَبَاءً ، فَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَةَ الثَّوْبِ

اور جو شخص دیدے درزی کو کپڑا تاکہ اس کی سی لے قمیص ایک درہم کے عوض، پس اس نے سی لیا قباء، تو اگر چاہے تو ضمان لے اس سے کپڑے کا

وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْقَبَاءَ وَأَعْطَاهُ أَجْرَ مِثْلِهِ لَا يُجَاوَزُ بِهِ دِرْهَمًا قِيلَ : مَعْنَاهُ الْقُرْطُقُ الَّذِي هُوَ ذُو طَاقٍ وَاحِدٍ؛

اور اگر چاہے تو قباء لے لے اور دیدے اس کو اجرتِ مثل، اور وہ زائد نہ ہو درہم سے، کہا گیا ہے کہ قباء کا معنی وہ کرتہ ہے جو ایک تہ کا ہوتا ہے؛

لِأَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالَ الْقَمِيصِ، وَقِيلَ هُوَ مُجْرًى عَلَى إِطْلَاقِهِ ؛ لِأَنَّهُمَا يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَنْفَعَةِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ

کیونکہ وہ استعمال ہوتا ہے قباء کی طرح، اور کہا گیا ہے کہ وہ جاری ہے اپنے اطلاق پر؛ کیونکہ وہ دونوں باہم قریب ہیں منفعت میں، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے

أَنَّهُ يُضَمِّنُهُ مِنْ غَيْرِ خِيَارٍ ؛ لِأَنَّ الْقَبَاءَ خِلَافُ جِنْسِ الْقَمِيصِ. {6} وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ قَمِيصٌ مِنْ وَجْهٍ ؛ لِأَنَّهُ

کہ وہ ضامن ہوگا اس کا بغیر اختیار؛ کیونکہ قباء جنسِ قمیص کے خلاف ہے، اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ قباء من وجہ قمیص ہے؛ کیونکہ

يُشَدُّ وَسَطُهُ ، وَيُنْتَفَعُ بِهِ انْتِفَاعُ الْقَمِيصِ فَجَاءَتِ الْمُوَافَقَةُ وَالْمُخَالَفَةُ فَيَمِيلُ

باندھ دیا جاتا ہے اس کے درمیان کو اور نفع اٹھایا جاتا ہے اس سے قمیص کی طرح، پس آئی موافقت اور مخالفت، تو مائل ہو جائے

إلى أيِّ الْجِهَتَيْنِ شَاءَ ، {7} إلَّا أَنَّهُ يَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ لِقُصُورِ جِهَةِ الْمُوَافَقَةِ ، وَلَا يُجَاوِزُ بِهِ الدِّرْهَمَ الْمُسَمَّى

دونوں جہتوں میں سے جس کی طرف چاہے مگر یہ کہ واجب ہوگا اجر مثل؛ جہتِ موافقت میں قصور کی وجہ سے، اور نہ بڑھائے اس کو درہم مسمّٰی سے

كَمَا هُوَ الْحُكْمُ فِي سَائِرِ الْإِجَارَاتِ الْفَاسِدَةِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ فِي بَابِهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . {8} وَلَوْ خَاطَهُ سَرَاوِيلَ

جیسا کہ یہ حکم ہے دیگر اجاراتِ فاسدہ میں، جیسا کہ ہم بیان کریں گے اس کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر سی دیا اس کا پائجامہ،

وَقَدْ أَمَرَ بِالْقَبَاءِ قِيلَ يَضْمَنُ مِنْ غَيْرِ خِيَارٍ لِلتَّفَاوُتِ فِي الْمَنْفَعَةِ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ

حالانکہ اس نے حکم کیا تھا اس کو قباء کا، تو کہا گیا ہے کہ ضامن ہوگا بغیر اختیار کے؛ منفعت میں تفاوت کی وجہ سے، اور اصح یہ ہے کہ

يُخَيَّرُ لِلِاتِّحَادِ فِي أَصْلِ الْمَنْفَعَةِ ، وَصَارَ كَمَا إذَا أَمَرَ بِضَرْبِ طَسْتٍ مِنْ شَبَهٍ فَضَرَبَ مِنْهُ كُوزًا ، فَإِنَّهُ يُخَيَّرُ كَذَا هَذَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اختیار دیا جائے گا؛ اصل منفعت میں اتحاد کی وجہ سے، اور یہ ہوگا جیسا کہ امر کیا ہو طشت بنانے کا تانبے سے پس اس نے بنایا کوزہ، تو مالک کو اختیار دیا جائے گا، اسی طرح یہاں ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی قلی کو اجارہ پر لیا اور اس سے کہا کہ "میرا یہ اناج فلاں راستہ سے فلاں مقام تک پہنچادو" پھر قلی نے اس راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کو اختیار کیا اور وہ دوسرا راستہ بھی ایسا ہے کہ لوگوں کی آمد و رفت اس پر رہتی ہے پھر یہ اناج ضائع ہو گیا تو قلی پر ضمان نہیں ہے اور اگر اس نے اسی دوسرے راستے سے اناج پہنچادیا تو وہ مزدوری کا مستحق ہوگا۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں راستوں میں تفاوت نہ ہو؛ کیونکہ ایسی صورت میں کسی خاص راستہ کی قید لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہو کہ دونوں راستوں میں تفاوت ہے مثلاً وہ راستہ خطرناک ہو جس سے قلی گیا ہے تو قلی ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں مالک نے جس راستے کی قید لگائی ہے وہ صحیح ہے؛ کیونکہ آسان راستہ ہونے کی وجہ سے اس میں مستاجر کا فائدہ ہے۔ لیکن اگر اس دوسرے راستہ سے لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو تو ظاہر میں تفاوت نہیں ہے لہٰذا امام محمدؒ نے حکم میں تفصیل نہیں فرمائی کہ راستہ خطرناک ہو یا خطرناک نہ ہو بلکہ صرف یہ کہا کہ ایسا راستہ ہو جس میں لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو۔

{2} اور اگر وہ راستہ جس سے قلی نے اناج لے گیا ایسا ہو کہ اس سے لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو پس اناج ضائع ہو گیا تو قلی ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ مستاجر کا ایک خاص راستے کی قید لگانا صحیح ہے اس میں مستاجر کا فائدہ ہے تو دوسرے راستے سے لے جانے سے قلی نے مالک کے حکم کی مخالفت کی اس لیے مال ضائع ہونے کی صورت میں ضامن ہوگا۔

اور اگر قلی نے اسی راستے سے مال اپنی منزل تک پہنچا دیا تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا؛ کیونکہ غرض مستاجر حاصل ہونے کے اعتبار سے قلی کا خلاف کرنا نہیں رہا اگرچہ راستہ بدلنے کی وجہ سے ظاہری صورت میں مستاجر کے حکم کی مخالفت کرنا باقی ہے پس معنوی طور پر خلاف نہ کرنے کی وجہ سے قلی اجرت کا مستحق ہوگا۔

{3} اور اگر قلی نے سمندر کے راستے سے لادلایا حالانکہ ایسی چیز کو لوگ خشکی کے راستے سے لاتے ہیں تو تلف ہونے کی صورت میں قلی ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ خشکی اور سمندری راستے میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے پس مخالفت کی وجہ سے قلی ضامن ہوگا۔ اور اگر قلی نے سمندر ہی کے راستے سے مال پہنچا دیا تو اس کو اجرت کا استحقاق ہوگا؛ کیونکہ مستاجر کا مقصود حاصل ہو گیا اور معنوی طور پر (غرض کے اعتبار سے) اختلاف رفع ہو گیا اگرچہ صورت میں اختلاف رہ گیا؛ کیونکہ مسئلہ ایسی صورت میں مفروض ہے کہ مستاجر نے اس کو خشکی کی راہ سے پہنچانے کا حکم دیا تھا۔

{4} اگر کسی نے کوئی زمین اس لیے اجارہ پر لی کہ اس میں گندم کی زراعت کرے گا پھر اس زمین میں اس نے رطبہ (اا گھاس وغیرہ جس کی جڑ زمین میں باقی رہے اور اوپر سے اس کو بار بار کاٹا جائے) کی زراعت کی تو اس سے زمین کو جو کچھ نقصان پہنچا مستاجر اس کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ جو چیزیں رطبہ کہلاتی ہیں وہ زمین کے لیے گندم سے زیادہ نقصان دہ ہیں؛ کیونکہ رطاب کی جڑیں زمین میں منتشر ہوتی ہیں اور طاب کو سینچنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو کثرتِ تری کی وجہ سے زمین کی قوت کم ہو جاتی ہے اور اس کی جڑیں پھیل کر سب طرف سے زمین کی قوت چوس لیتی ہیں پس یہ شر کی جانب مالک کے حکم کی مخالفت ہے یعنی اس مخالفت میں مالک کا نقصان ہے اس لیے اس سے زمین کو جو کچھ نقصان پہنچا مستاجر اس کا ضامن ہوگا۔

اور مذکورہ صورت میں زمین کے مالک کو کرایہ نہیں ملے گا؛ کیونکہ مستاجر مخالفت کی وجہ سے زمین کو غصب کرنے والا ہو گیا جیسا کہ ہم ثابت کر چکے کہ مستاجر رطبہ کی زراعت سے مضر مخالفت کرنے کی وجہ سے عقدِ اجارہ پر نہیں رہا بلکہ غاصب ہو گیا اور غاصب پر اجرت نہیں بلکہ تاوان لازم ہوتا ہے۔

{5} اگر کسی نے درزی کو ایک کپڑا دیا تا کہ ایک درہم کے عوض اس کی قمیص سی دے پس درزی نے اس کپڑے کی قباء (چوغہ) سی دی تو یہ مخالفت ہے اس لیے مالک کو اختیار ہے کہ چاہے درزی سے اپنے کپڑے کی قیمت کا ضمان لے اور درزی اس قباء کا مالک ہو جائے؛ کیونکہ ضمان ادا کرنے سے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور اگر چاہے تو قباء لے کر درزی کو اس کی اجرتِ مثل دیدے، البتہ اجرتِ مثل ایک درہم سے زیادہ نہ ہوگی۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ قباء سے مراد وہ کرتہ ہے جو ایک تہ ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ قباء کی جگہ استعمال ہوتا ہے اس لیے یہ من وجہ مخالفت ہے۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ لفظِ قباء اپنے اطلاق پر جاری ہے یعنی اس سے قباء ہی

مراد ہے؛ کیونکہ قباء اور قمیص دونوں منفعت میں قریب قریب ہیں لہذا یہ من وجہ مخالفت ہے اس لیے مالک کو اختیار ہے، یہی راجح ہے
[1] قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: وهذا هو الظاهر من التصحیح فی مسئلة السراویل الآتیة (هامش الهدایة: 3/299)۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ کپڑے کے مالک کو تاوان لینے کے علاوہ، دوسرا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ قباء جنس قمیص سے مخالف ہے اور ایسی مخالفت کی وجہ سے وہ غاصب ہو گیا پس مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار ہو گا۔

ف: واضح رہے کہ قباء عرف میں دوتہ ہوتی ہے اور کبھی درمیان میں بھراؤ بھی ہوتا ہے اور بظاہر وہ قمیص سے مخالف ہے لہذا نوادر کی روایت میں قباء کو قمیص سے خلاف جنس قرار دیا، اور کتاب میں جو ظاہر الروایۃ ذکر کی ہے اس میں خلاف جنس نہیں ٹھہرایا اور نہ سوائے تاوان کے دوسرا اختیار نہ ہوتا۔ اسی لیے بعض مشائخ نے قباء سے کرتہ مراد لیا؛ کیونکہ اگر اس میں آگے سے چاک کر دیا جائے تو وہ قباء ہو جائے اور بعض نے کہا کہ منفعت کے لحاظ سے دونوں گویا ہم جنس ہیں؛ کیونکہ قباء اور قمیص ہر ایک میں آستین اور کلی دامن ہوتا ہے بہر حال ظاہر الروایۃ میں قمیص سے قباء بالکل خلاف جنس نہیں ہے۔

{6} اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ قباء ایک اعتبار سے قمیص ہے؛ کیونکہ اس کے درمیان کو باندھ کر قمیص کی طرح اس سے ستر پوشی وغیرہ کا نفع اٹھایا جا سکتا ہے، مگر اپنے قالب کے اعتبار سے قمیص کا غیر ہے، تو قباء بنا دینے میں موافقت و مخالفت دونوں پائی گئیں پس کپڑے کے مالک کو اختیار ہو گا کہ دونوں جانب میں سے جس طرف چاہے رجوع کرے یعنی مخالفت سمجھے تو قیمت کا تاوان لے لے اور اگر موافقت سمجھے تو قباء لے کر اجرت دیدے۔

{7} لیکن اگر اس نے موافقت سمجھ کر اجرت کو اختیار کیا تو اجرتِ مثل واجب ہو گی متعین اجرت واجب نہ ہو گی؛ کیونکہ موافقت کی جانب میں تصور ہے یعنی پوری موافقت نہیں پائی گئی ہے، اور اجرتِ مثل مقرر کئے گئے ایک درہم سے زائد نہ ہو گی جیسا کہ دیگر اجارات فاسدہ میں یہی حکم ہے چنانچہ اجارہ فاسدہ کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کو بیان کریں گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو اجرت بیان ہوئی اگر اجرتِ مثل اس سے کم ہو تو یہی کم اجرتِ مثل ملے گی اور اگر اجرتِ مثل بھی اسی قدر ہو یا زیادہ ہو تو زیادہ نہیں ملے گی بلکہ مقرر کردہ مقدار ملے گی؛ کیونکہ وہ اس مقدار پر راضی ہو چکا ہے۔

{8} اور اگر درزی نے اس کپڑے کا پائجامہ سی دیا حالانکہ مالک نے اس کو قباء سینے کا حکم دیا تھا تو کہا گیا ہے کہ مالک اس سے ضمان لے سکتا ہے اور کپڑا لے کر اجرت دینے کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ قباء اور پائجامہ کی منفعت میں تفاوت ہے۔ مگر اصح حکم یہ ہے کہ مالک کو دونوں طرح کا اختیار ہے یعنی چاہے ضمان لے یا کپڑا لے کر اجرتِ مثل دیدے؛ کیونکہ دونوں اصلی منفعت میں متحد ہیں یعنی لباس ہونے اور ستر پوشی میں یکساں ہیں اور یہ ایسا ہو گیا جیسے تانبا دے کر طشت بنانے کا حکم دیا تھا اور مزدور نے اس کا کوزہ بنا دیا تو مالک

کو اختیار ہے چاہے تاوان لے یا کوزہ لے کر مزدور کو اجرتِ مثل دے پس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی مالک کو اختیار ہوگا چاہے تاوان لے اور چاہے تو کپڑا لے کر درزی کو اجرتِ مثل دیدے۔

## بَابُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ

یہ باب اجارہ فاسدہ کے بیان میں ہے۔

اس سے پہلے اجارہ صحیحہ کا بیان تھا اب یہاں سے اجارہ فاسدہ کو بیان فرماتے ہیں وجہ تقدیم و تاخیر واضح ہے؛ کیونکہ صحیح ہر سے مقدم ہی ہوتا ہے۔

{1}قَالَ : الْإِجَارَةُ تُفْسِدُهَا الشُّرُوطُ كَمَا تُفْسِدُ الْبَيْعَ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَتِهِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَقْدٌ

فرمایا: اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسا کہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو؛ کیونکہ اجارہ بمنزلہ بیع کے ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ یہ عقد ہے

يُقَالُ وَيُفْسَخُ ، وَالْوَاجِبُ فِي الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ أَجْرُ الْمِثْلِ لَا يُجَاوَزُ بِهِ الْمُسَمَّى ، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ

اقالہ کیا جاتا ہے اور فسخ کیا جاتا ہے۔ اور واجب اجارہ فاسدہ میں اجرِ مثل ہے جو نہیں بڑھایا جائے گا مسمّٰی سے، اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے:

يَجِبُ بَالِغًا مَا بَلَغَ اعْتِبَارًا بِبَيْعِ الْأَعْيَانِ .{2}وَلَنَا أَنَّ الْمَنَافِعَ لَا تَتَقَوَّمُ بِنَفْسِهَا بَلْ بِالْعَقْدِ

واجب ہوگا جہاں تک پہنچے؛ قیاس کرتے ہوئے اعیان کی بیع پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ منافع ذی قیمت نہیں ہوتے بذاتِ خود، بلکہ عقد سے

لِحَاجَةِ النَّاسِ فَيُكْتَفَى بِالضَّرُورَةِ فِي الصَّحِيحِ مِنْهَا ، إلَّا أَنَّ الْفَاسِدَ تَبَعٌ لَهُ ، وَيُعْتَبَرُ مَا

لوگوں کی حاجت کی وجہ سے، پس اکتفا کیا جائے گا ضرورت پر اجارہ کے عقدِ صحیح میں، مگر یہ کہ فاسد تابع ہے اس کا، پس معتبر ہوگی اجرت

يُجْعَلُ بَدَلًا فِي الصَّحِيحِ عَادَةً ، لَكِنَّهُمَا إذَا اتَّفَقَا عَلَى مِقْدَارٍ فِي الْفَاسِدِ فَقَدْ أَسْقَطَا الزِّيَادَةَ

جو بدل قرار دی جاتی ہے صحیح میں عادۃً، لیکن متعاقدین جب اتفاق کریں کسی مقدار پر عقدِ فاسد میں تو انہوں نے ساقط کر دیا زیادتی کو،

وَإِذَا نَقَصَ أَجْرُ الْمِثْلِ لَمْ يَجِبْ زِيَادَةُ الْمُسَمَّى لِفَسَادِ التَّسْمِيَةِ،{3} بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ مُتَقَوِّمَةٌ فِي نَفْسِهَا

اور جب اجرِ مثل کم ہے تو واجب نہ ہوگا زائد مسمّٰی؛ فسادِ تسمیہ کی وجہ سے، بر خلافِ بیع کے؛ کیونکہ عین ذی قیمت ہے بذاتِ خود،

وَهِيَ الْمُوجِبُ الْأَصْلِيُّ، فَإِنْ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ انْتَقَلَ عَنْهُ وَإِلَّا فَلَا{4}قَالَ: وَمَنِ اسْتَأْجَرَ دَارًا كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ

اور قیمت ہی موجبِ اصلی ہے، پس اگر صحیح ہو تسمیہ تو منتقل ہوگا موجبِ اصلی سے ورنہ نہیں۔ اور جو شخص کرایہ پر لے مکان ہر ماہ ایک درہم کے عوض

فَالْعَقْدُ صَحِيحٌ فِي شَهْرٍ وَاحِدٍ فَاسِدٌ فِي بَقِيَّةِ الشُّهُورِ، إلَّا أَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ شُهُورٍ مَعْلُومَةٍ ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ كَلِمَةَ كُلٍّ

{عقد صحیح ہے ایک ماہ میں، اور فاسد ہے دیگر مہینوں میں، مگر یہ کہ بیان کرے سب مہینے معین کر کے؛ کیونکہ اصل یہ ہے کہ کلمہ کل

إِذَا دَخَلَتْ فِيمَا لَا نِهَايَةَ لَهُ تَنْصَرِفُ إِلَى الْوَاحِدِ لِتَعَذُّرِ الْعَمَلِ بِالْعُمُومِ فَكَانَ الشَّهْرُ الْوَاحِدُ مَعْلُومًا

جب داخل ہو ایسی چیز پر جس کے لیے انتہا نہ ہو، تو وہ پھرے گا ایک کی جانب؛ عموم پر عمل متعذر ہونے کی وجہ سے، اور ایک مہینہ معلوم ہے،

فَصَحَّ الْعَقْدُ فِيهِ ، وَإِذَا تَمَّ كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَنْقُضَ الْإِجَارَةَ لِانْتِهَاءِ الْعَقْدِ الصَّحِيحِ

پس صحیح ہے عقد اس میں، اور جب ایک مہینہ پورا ہو تو ہر ایک کو ان دونوں میں سے اختیار ہے کہ توڑ دے اجارہ؛ عقدِ صحیح کے پورا ہونے کی وجہ سے،

وَلَوْ سَمَّى جُمْلَةَ شُهُورٍ مَعْلُومَةٍ جَازَ؛ لِأَنَّ الْمُدَّةَ صَارَتْ مَعْلُومَةً. {5} قَالَ : وَإِنْ سَكَنَ سَاعَةً مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِي

پس اگر بیان کئے کل معلوم مہینے تو جائز ہے؛ کیونکہ مدت معلوم ہو گئی۔ فرمایا: اور اگر ٹھہرا تھوڑی دیر کے لیے دوسرے مہینے میں سے

صَحَّ الْعَقْدُ فِيهِ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُؤَجِّرِ أَنْ يُخْرِجَهُ إِلَى أَنْ يَنْقَضِيَ ، وَكَذَلِكَ كُلُّ شَهْرٍ

{صحیح ہو جائے گا عقد اس میں، اور موجر کو اختیار نہ ہو گا کہ نکال دے اس کو یہاں تک کہ دوسرا مہینہ گذر جائے، اور اسی طرح ہر وہ مہینہ ہے

سَكَنَ فِي أَوَّلِهِ سَاعَةً؛ لِأَنَّهُ تَمَّ الْعَقْدُ بِتَرَاضِيهِمَا بِالسُّكْنَى فِي الشَّهْرِ الثَّانِي. {6} إِلَّا أَنَّ الَّذِي ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ

کہ رہائش کرے اس کے شروع میں؛ کیونکہ پورا ہوا عقد دونوں کی رضامندی سے دوسرے مہینے کے رہائش پر، مگر یہ کہ جو ذکر کیا ہے کتاب میں

هُوَ الْقِيَاسُ ، وَقَدْ مَالَ إِلَيْهِ بَعْضُ الْمَشَايِخِ ، وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ أَنْ يَبْقَى الْخِيَارُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

وہ قیاس ہے، اور مائل ہو گئے ہیں اس کی طرف بعض مشائخ۔ اور ظاہر الروایت یہ ہے کہ باقی رہے اختیار ہر ایک کے لیے دونوں میں سے

فِي اللَّيْلَةِ الْأُولَى مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِي وَيَوْمِهَا ؛ لِأَنَّ فِي اعْتِبَارِ الْأَوَّلِ بَعْضَ الْحَرَجِ .

دوسرے مہینے کی پہلی رات اور دن میں؛ کیونکہ اولِ حقیقی کے اعتبار میں بعض حرج ہے۔

تشریح:۔{1} اجارہ ایسی چیز ہے جس کو مقتضاءِ عقد کے خلاف شرطیں فاسد کر دیتی ہیں جیسے بیع کے مقتضا کے خلاف شرطیں بیع کو فاسد کر دیتی ہیں؛ کیونکہ اجارہ بمنزلہ بیع کے ہے یہی وجہ ہے کہ بیع کی طرح اجارہ کا بھی اقالہ کیا جاتا ہے اور اسے فسخ کیا جاتا ہے لہٰذا بیع کی طرح اجارہ کو بھی مقتضاءِ عقد کے خلاف شرطیں فاسد کر دیتی ہیں۔ پھر فاسد اجارہ میں اجرتِ مثل واجب ہوتی ہے جو مقررہ مقدار سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اجرتِ مثل جہاں تک پہنچے سب واجب ہوتی ہے اعیان کی بیع پر قیاس کیا جائے گا مثلاً مکان کو فاسد طریقہ پر فروخت کیا تو کل قیمت واجب ہو گی جتنی بھی ہو اسی طرح جب فاسد طریقہ پر مکان کرایہ پر دے کر اس کے منافع کو فروخت کیا جائے تو پوری اجرتِ مثل واجب ہو گی۔

فائدہ: "بَالِغًا مَا بَلَغَ" میں "بَالِغًا" منصوب ہے "یَجِبُ" کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر اور "مَا" موصلہ ہے یا موصوفہ ہے کہ نصب میں ہے "بَالِغًا" کے لیے مفعول ہونے کی بناء پر، اور "بَلَغَ" صلہ ہے "مَا" کے لیے یا صفت ہے۔

{2} ہماری دلیل یہ ہے کہ منافع بذاتِ خود قیمتی نہیں ہیں بلکہ عقدِ اجارہ کے ذریعہ سے قیمتی ہو جاتے ہیں جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے پس عقدِ صحیح میں تو ضرورت پر اکتفا کیا جائے گا اور منافع کو قیمتی قرار دیا جائے گا، مگر فاسد اجارہ ایسا نہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ فاسد اجارہ میں منافع قیمتی نہ ہوں، مگر چونکہ فاسد اجارہ بھی صحیح کے تابع ہے تو جو چیز صحیح اجارہ میں عادۃً منافع کا بدل قرار دی جاتی ہے وہی فاسد اجارہ میں بھی معتبر ہوگی اور وہ اجرتِ مثل ہے لہٰذا اجارہ فاسدہ میں اجرتِ مثل معتبر ہوگی جتنی بھی ہو، لیکن جب عاقدین دونوں فاسد اجارہ میں کسی ایسی مقدار پر متفق ہوگئے جو اجرتِ مثل سے کم ہے تو انہوں نے مقررہ مقدار سے اجرتِ مثل کی جو مقدار زائد ہے اس کو ساقط کر دیا اس لیے اس صورت میں فقط مقررہ مقدار ہی واجب ہوگی، اور اگر اجرتِ مثل اس مقررہ مقدار سے کم ہو تو بیان کی ہوئی اجرت میں جو اجرتِ مثل سے زائد مقدار ہے وہ واجب نہ ہوگی بلکہ اجرتِ مثل ہی واجب ہوگی؛ کیونکہ مقرر کی گئی مقدار فاسد ہے۔

{3} بخلاف بیع کے کہ اس میں عین بذاتِ خود قیمتی ہوتا ہے پس بیع میں موجَبِ اصلی قیمت ہے تو اگر عاقدین کی بیان کی ہوئی مقدار صحیح ہو یعنی عقدِ بیع صحیح ہو تو واجب موجَبِ اصلی (قیمت) سے بیان کئے ہوئے ثمن کی جانب منتقل ہوگا اور اگر عاقدین کی بیان کی ہوئی مقدار صحیح نہ ہو یعنی عقد فاسد ہو تو واجب عقد کے موجَبِ اصلی (قیمت) سے ان کی بیان کردہ مقدار کی طرف عدول نہیں کرے گا، خلاصہ یہ کہ بیع اور اجارہ میں فرق ہے تو بیع پر اجارہ کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں مالِ عین مبیع ہوتا ہے اور مالِ عین بذاتِ خود قیمتی چیز ہے جبکہ اجارہ میں منافع فروخت ہوتے ہیں اور منافع بذاتِ خود قیمتی چیز نہیں ہیں بلکہ لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے شرع نے اس کو قیمتی قرار دیا ہے اس لیے اجارہ کو بیع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{4} اگر کسی شخص نے ایک مکان ہر ماہ بعوض ایک درہم کے کرایہ پر لیا تو عقدِ اجارہ صرف ایک مہینہ کے لیے صحیح ہے اور باقی مہینوں کے لیے فاسد ہے، البتہ اگر باقی مہینے معلوم طور پر بیان کر دیئے مثلاً کہا کہ دس مہینوں کے لیے ہر ایک مہینہ ایک درہم کے عوض ہوگا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ لفظِ "کُل" جب ایسی چیز پر داخل ہو جس کی انتہاء معلوم نہ ہو تو یہ صرف ایک کی جانب پھرے گا؛ کیونکہ سب پر عمل کرنا متعذر ہے اس لیے کہ تمام مہینے مجہول ہیں اور بعض کو مراد لینا اور بعض کو چھوڑ دینا ترجیح بلا مرجح ہے، اور ایک مہینہ معلوم ہے اور عام لفظ ایک کا احتمال بھی رکھتا ہے لہٰذا اسی ایک مہینہ پر حمل کرتے ہوئے عقد صحیح ہو جائے گا۔ پھر جب یہ ایک مہینہ پورا ہو جائے تو عاقدین میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا کہ اجارہ کو توڑ دے؛ کیونکہ عقدِ صحیح جو ایک مہینہ

میں منعقد ہوا تھا وہ انتہاء کو پہنچ گیا، اور اگر اس نے سب مہینے اس طور پر بیان کر دیئے کہ وہ معلوم ہو گئے مثلاً دس مہینوں کو بیان کیا (عقد اجارہ جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ کل مدت معلوم ہو گئی۔

{5} پھر اگر مذکورہ بالا صورت میں مستاجر دوسرے مہینہ میں سے بھی ایک گھڑی اس مکان میں رہا تو دوسرے مہینہ کے بارے میں بھی عقد صحیح ہو گیا اور موجر کو اختیار نہیں ہے کہ دوسرا مہینہ ختم ہونے سے پہلے مستاجر کو اس مکان سے نکال دے، اسی طرح آئندہ ہر ماہ میں جس کے شروع میں مستاجر نے مذکورہ مکان میں سکونت کی ہو یہی حکم ہے کہ اس مہینے میں عقد اجارہ صحیح ہو جاتا ہے؛ کیونکہ دوسرے مہینہ میں بھی سکونت پر دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد پورا ہو گیا۔

{6} مگر یہ جو "مختصر القدوری" میں ایک گھڑی کا ذکر کیا ہے قیاس یہی ہے اور اسی جانب بعض مشائخ نے میلان کیا ہے؛ کیونکہ حقیقت میں ہر مہینے کا شروع وہی گھڑی ہے جس میں چاند دیکھا جائے پس جب چاند دیکھا تو مہینہ کا شروع گذر گیا لہٰذا اب فسخ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ دوسرے مہینہ کی اول رات اور اول دن میں دونوں میں سے ہر ایک کو فسخ کا اختیار رہے گا؛ کیونکہ فقط ایک گھڑی کا اعتبار کر کے اسی گھڑی میں لازمی طور پر عقد کو ختم کرنے میں بعض حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے اس لیے ایک گھڑی کے بجائے ایک دن رات کا اعتبار کیا جائے گا، یہی قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی: (و ظاهر الرواية بقاؤه) ای الخيار لكل منهما (فی الليلة الاولی) من الشهر الداخل (و يومها) وبه يفتی للعرف، ودفعاً للحرج (الدّرالمنتقی تحت مجمع الانہر: 531/3)

{1} قَالَ: وَإِنِ اسْتَأْجَرَ دَارًا سَنَةً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ جَازَ وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ قِسْطَ كُلِّ شَهْرٍ مِنَ الْأُجْرَةِ؛ لِأَنَّ

اور اگر کرایہ پر لیا مکان سال بھر کے لیے دس درہم کے عوض، تو جائز ہے اگرچہ بیان نہ کرے ہر مہینے کی قسط اجرت میں سے؛ کیونکہ

الْمُدَّةَ مَعْلُومَةٌ بِدُونِ التَّقْسِيمِ فَصَارَ كَإِجَارَةِ شَهْرٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ جَائِزٌ وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ قِسْطَ كُلِّ يَوْمٍ، {2} ثُمَّ يُعْتَبَرُ

مدت معلوم ہے تقسیم کے بغیر، پس ہو گیا ایک ماہ کے اجارہ کی طرح، کہ وہ جائز ہے اگرچہ بیان نہ کرے ہر دن کی قسط۔ پھر معتبر ہو گی

ابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ مِمَّا سَمَّى وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ شَيْئًا فَهُوَ مِنَ الْوَقْتِ الَّذِي اسْتَأْجَرَهُ؛ لِأَنَّ الْأَوْقَاتَ كُلَّهَا

ابتداء مدت اس وقت سے جو بیان کرے، اور اگر بیان نہیں کیا کچھ، تو وہ اس وقت سے ہو گی جب سے اجارہ پر لیا ہے؛ کیونکہ تمام اوقات

فِي حَقِّ الْإِجَارَةِ عَلَى السَّوَاءِ فَأَشْبَهَ الْيَمِينَ، بِخِلَافِ الصَّوْمِ؛ لِأَنَّ اللَّيَالِيَ لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ لَهُ {3} ثُمَّ إِنْ كَانَ الْعَقْدُ

اجارہ کے حق میں برابر ہیں، پس مشابہ ہو گیا قسم کے، برخلاف صوم کے؛ کیونکہ راتیں محل نہیں صوم کے لیے۔ اور اگر عقد

حِينَ يُهِلُّ الْهِلَالُ فَشُهُورُ السَّنَةِ كُلُّهَا بِالْأَهِلَّةِ؛ لِأَنَّهَا هِيَ الْأَصْلُ، وَإِنْ كَانَ فِي أَثْنَاءِ الشَّهْرِ فَالْكُلُّ

چاند دیکھنے کے وقت سے ہو، تو سال کے تمام مہینے شمار ہوں گے چاند سے؛ کیونکہ یہی اصل ہے۔ اور اگر دورِ میانِ مہینہ میں ہو، تو کل مہینے

بِالْأَيَّامِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ. {4} وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ رِوَايَةٌ

ایام سے شمار ہوں گے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسفؒ سے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اور یہی ایک روایت ہے

عَنْ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلُ بِالْأَيَّامِ وَالْبَاقِي بِالْأَهِلَّةِ ؛ لِأَنَّ الْأَيَّامَ يُصَارُ إِلَيْهَا ضَرُورَةً ، وَالضَّرُورَةُ

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک: اول مہینہ ایام سے شمار ہوگا اور باقی چاند سے؛ کیونکہ ایام کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ضرورۃً، اور ضرورت

فِي الْأَوَّلِ مِنْهَا. {5} وَلَهُ أَنَّهُ مَتَى تَمَّ الْأَوَّلُ بِالْأَيَّامِ ابْتَدَأَ الثَّانِي بِالْأَيَّامِ ضَرُورَةً

اول مہینے میں ہے مہینوں میں سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب تام ہوا اول ایام سے تو شروع ہوگا ثانی ایام سے لامحالہ،

وَهَكَذَا إِلَى آخِرِ السَّنَةِ، وَنَظِيرُهُ الْعِدَّةُ وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ. {6} قَالَ : وَيَجُوزُ أَخْذُ أُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ

پس اسی طرح سال کے آخر تک ہوگا، اور اس کی نظیر عدت ہے، اور وہ گذر چکا طلاق میں۔ فرمایا: اور جائز ہے اجرت لینا حمام اور حجام کی،

أَمَّا الْحَمَّامُ فَلِتَعَارُفِ النَّاسِ وَلَمْ تُعْتَبَرِ الْجَهَالَةُ لِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ. قَالَ : عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

بہر حال حمام تو لوگوں میں متعارف ہونے کی وجہ سے، اور معتبر نہیں جہالت مسلمانوں کے اجماع کی وجہ سے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ} وَأَمَّا الْحَجَّامُ فَلِمَا رُوِيَ {أَنَّهُ ﷺ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ الْأُجْرَةَ}

"جس کو حسن سمجھے مسلمان وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے" رہا حجام تو اس لیے کہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے پچھنا لگوایا اور دیدی حجام کو اجرت۔

وَلِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ عَلَى عَمَلٍ مَعْلُومٍ بِأَجْرٍ مَعْلُومٍ فَيَقَعُ جَائِزًا. {7} قَالَ : وَلَا يَجُوزُ أَخْذُ أُجْرَةِ عَسْبِ التَّيْسِ

اور اس لیے کہ یہ کرایہ پر لینا ہے معلوم عمل پر معلوم اجرت کے عوض پس جائز واقع ہوگا۔ فرمایا: اور جائز نہیں اجرت لینا نر کو مادہ پر چڑھانے کی،

وَهُوَ أَنْ يُؤَجِّرَ فَحْلًا لِيَنْزُوَ عَلَى الْإِنَاثِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { إِنَّ مِنَ السُّحْتِ عَسْبَ التَّيْسِ }

اور وہ یہ کہ کرایہ پر لے نر کو تاکہ چڑھائے اس کو مادیوں پر؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "حرام کمائی میں سے عسب التیس ہے"

وَالْمُرَادُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ عَلَيْهِ. {8} قَالَ: وَلَا الِاسْتِئْجَارُ عَلَى الْأَذَانِ وَالْحَجِّ، وَكَذَا الْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ؛ وَالْأَصْلُ

اور مراد اس پر اجرت لینا ہے۔ فرمایا: اور نہ اجارہ پر لینا اذان اور حج پر، اور اسی طرح امامت، تعلیم قرآن اور فقہ پر، اور اصل یہ ہے کہ

أَنَّ كُلَّ طَاعَةٍ يَخْتَصُّ بِهَا الْمُسْلِمُ لَا يَجُوزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ

ہر وہ طاعت جس کے ساتھ مختص ہو مسلمان، جائز نہیں کرایہ پر لینا اس کے لیے ہمارے نزدیک، اور امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح ہے

فِي كُلِّ مَا لَا يَتَعَيَّنُ عَلَى الْأَجِيرِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ عَلَى عَمَلٍ مَعْلُومٍ غَيْرِ مُتَعَيَّنٍ عَلَيْهِ فَيَجُوزُ. {9} وَلَنَا

ہر ایسے عمل میں جو متعین نہ ہو اجیر پر؛ کیونکہ یہ اجارہ ایسے عمل معلوم پر ہے جو متعین نہیں ہے اس پر، تو جائز ہوگا۔ اور ہماری دلیل

قَوْلُهُ ﷺ { اقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ } وَفِي آخِرِ مَا عَهِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إلَى عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "قرآن پڑھاؤ اور مت کھاؤ اس کے عوض" اور حضور ﷺ کی وصیت کے آخر میں جو عثمان بن ابی العاص کو کی تھی یہ ہے

{ وَإِنْ اُتُّخِذْتَ مُؤَذِّنًا فَلَا تَأْخُذْ عَلَى الْأَذَانِ أَجْرًا } وَلِأَنَّ الْقُرْبَةَ مَتَى حَصَلَتْ وَقَعَتْ عَنِ الْعَامِلِ وَلِهَذَا

کہ "اگر تجھے مؤذن بنایا گیا تو مت لو اذان پر اجرت" اور اس لیے کہ قربت جب حاصل ہوئی تو وہ واقع ہوگئی عامل کی طرف سے، اسی وجہ سے

تُعْتَبَرُ أَهْلِيَّتُهُ فَلَا يَجُوزُ لَهُ أَخْذُ الْأَجْرِ مِنْ غَيْرِهِ كَمَا فِي الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ ،{10} وَلِأَنَّ التَّعْلِيمَ مِمَّا لَا يَقْدِرُ

معتبر ہے اسی کی اہلیت، پس جائز نہیں اس کے لیے اجرت لینا غیر سے جیسے روزہ اور نماز میں، اور اس لیے کہ تعلیم ایسی چیز ہے جس پر قادر نہیں ہے

الْمُعَلِّمُ عَلَيْهِ إلَّا بِمَعْنًى مِنْ قِبَلِ الْمُتَعَلِّمِ فَيَكُونُ مُلْتَزِمًا مَا لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ فَلَا يَصِحُّ.

معلم مگر ایک معنی کے ساتھ متعلم کی طرف سے، پس وہ ہوگا التزام کرنے والا ایسی بات کا جو وہ قادر نہیں اسے سپرد کرنے پر، پس صحیح نہ ہوگا۔

{11} وَبَعْضُ مَشَايِخِنَا اسْتَحْسَنُوا الِاسْتِئْجَارَ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الْيَوْمَ؛ لِأَنَّهُ ظَهَرَ التَّوَانِي فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ. فَفِي الِامْتِنَاعِ

اور ہمارے بعض مشائخ نے مستحسن قرار دیا ہے اجارہ کو تعلیم قرآن پر آج کل؛ کیونکہ ظاہر ہوگئی ہے سستی امور دینیہ میں، پس باز رہنے میں

تَضْيِيعُ حِفْظِ الْقُرْآنِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى .

ضائع کرنا ہے حفظ قرآن کو، اور اسی پر فتوی ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر ایک مکان ایک سال کے لیے بعوض دس درہم اجارہ پر لیا تو یہ جائز ہے اگرچہ اجرت میں سے ہر مہینہ کی قسط بیان نہ کی ہو؛ کیونکہ کل مدت بدون تقسیم کے معلوم ہے تو یہ ایسا ہو گیا کہ جیسے ایک ماہ کے لیے اجارہ پر لیا ہو تو یہ جائز ہے اگرچہ ہر روز کا حصہ بیان نہ کیا ہو۔

{2} پھر ابتداء مدت اسی وقت سے شمار ہوگی جس وقت کو عاقدین بیان کرے مثلاً مستاجر نے کہا کہ یہ مکان رجب کے مہینے سے ایک سال کے لیے اجارہ پر لیا تو سال کی ابتداء رجب کے مہینے سے ہوگی۔ اور اگر عاقدین نے کوئی وقت بیان نہ کیا ہو تو ابتداءِ مدت اس وقت سے شمار ہوگی جس وقت سے مکان اجارہ پر لیا ہو؛ کیونکہ اجارہ کے حق میں تمام اوقات یکساں ہیں ہر وقت اجارہ صحیح ہے تو یہ قسم کے مشابہ ہو گیا مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ "فلاں شخص سے یک مہینہ کلام نہ کروں گا" تو جس وقت سے قسم کھائی اسی وقت سے مہینہ شمار ہوگا؛ کیونکہ قسم کے حق میں تمام مہینے یکساں ہیں پس جس وقت قسم کھائی اسی وقت سے مہینہ شمار ہوگا۔ روزہ کا حکم اس کے برخلاف ہے مثلاً کسی نے نذر کی کہ "مجھ پر ایک مہینہ کے روزے واجب ہیں" تو نذر ماننے کے متصل مہینہ

روزے کے لیے متعین نہ ہوگا؛ کیونکہ روزے میں سب اوقات یکساں نہیں ہوتے چنانچہ رات روزے کا محل نہیں ہے اس لیے روزے اور قسم کے حکم میں فرق ہے۔

{3} پھر اگر یہ عقد اجارہ اس وقت ہوا کہ چاند نکلا ہو یعنی چاندرات کو عقدِ اجارہ منعقد کیا تو سال کے کل ماہ کا شمار چاندرات سے ہوگا؛ کیونکہ عربی مہینوں میں یہی اصل ہے کہ چاندرات سے ابتداء ہو پس بقدرِ امکان اس اصل سے عدول کیا جائے گا۔ اور اگر یہ اجارہ اثناءِ ماہ میں واقع ہوا ہو یعنی چاندرات کو عقدِ اجارہ منعقد نہیں ہوا بلکہ مہینہ کے درمیان کی تاریخ منعقد کیا مثلاً دس تاریخ کو عقد منعقد کیا تو پورے سال کا شمار ایام کے حساب سے ہوگا یعنی تین سو ساٹھ دنوں کے لیے عقد ہوگا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور یہی ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے۔

{4} اور امام محمد کے نزدیک اور یہی امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے حکم یہ ہے کہ پہلا مہینہ تو دنوں سے شمار کرکے تیس دن کا ہوگا اور باقی مہینے چاند دیکھنے سے شمار ہوں گے؛ کیونکہ دنوں سے حساب لگانا ضرورت کی بناپر ہوتا ہے اور یہ ضرورت سارے مہینوں میں سے صرف اول مہینہ میں متحقق ہے اس لیے اول مہینہ کو دنوں سے شمار کیا جائے گا اور باقی مہینوں کو چاند سے شمار کیا جائے گا۔ اور اول مہینے کو دنوں سے پورہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ بیس دن تو عقد کی ابتداء سے دوسرے مہینے کی ابتداء تک ہیں اور دس دن سال کے آخر میں مزید عقد کو برقرار رکھے اس طرح اول مہینہ کے تیس دن ہو جائیں گے۔

{5} امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جب پہلا مہینہ دنوں کے حساب سے پورا ہوا تو دوسرا مہینہ لازمی طور پر اسی وقت دنوں سے شروع ہوگا پس یوں ہی آخر سال تک مہینوں کا حساب دنوں سے چلا جائے گا، اس کی نظیر عدت ہے جو "کتاب الطلاق" میں گذرچکی، چنانچہ "کتاب الطلاق" کے شروع میں مذکور ہے کہ اگر طلاق چاندرات کو واقع ہوئی تو مہینوں کی مدت کا شمار چاندرات سے ہوگا اور اگر مہینہ کے درمیان کسی تاریخ میں طلاق واقع ہوئی تو ایام سے عدت کا شمار ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک پہلے مہینے کی کمی کو آخر سے پورا کیا جائے اور درمیانی مہینوں کو چاند سے شمار کیا جائے گا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:(و الا فبالأیام) کل شہر ثلاثون،فالسنة ثلاثمائة وستون یوماً عندہ عددیة لاشمسیة ولاقمریة،وعندہما قمریة لاغیر،و المختار مذہب الامام (الدّر المنتقی تحت مجمع الانہر:532/3)

{6} حمام کی اجرت لینا اور پچھنے لگانے والے کی اجرت جائز ہے۔ حمام کی اجرت تو اس وجہ سے جائز ہے کہ لوگوں میں متعارف ہے اور اس میں جو جہالت ہے کہ کتنا وقت اور کتنا پانی خرچ ہوگا اس کا اعتبار نہیں؛ کیونکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہوگیا ہے

اور حضور ﷺ نے فرمایا "مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ"[1] (جس چیز کو مسلمانوں نے بہتر جانا وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے) جس سے مسلمانوں کے کسی عمل پر اجماع کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ رہا پچھنے لگانے والے کے اجارہ کا جواز تو اس کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اس کی اجرت دی[2]۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ پچھنے لگوانا معلوم کام ہے پر معلوم اجرت کے عوض اجارہ پر لینا ہے تو جب کام بھی معلوم ہے اور اجرت بھی معلوم ہے تو یہ اجارہ کیونکر جائز نہ ہوگا۔

{7} نر جانور کو مادہ جانور پر چڑھانے اور جفتی کرانے کی اجرت ناجائز ہے اور عسب التیس یہ ہے کہ ایک نر جانور کو اس لیے کرایہ پر لے تاکہ اس کو مادیوں پر چڑھائے اور جفتی کرائے تو یہ اجارہ حرام ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "سخت حرام میں سے عسب التیس ہے"[3] جس سے مراد یہ ہے کہ نر جانور کا مادہ پر چڑھانے کی اجرت خبیث اور حرام ہے۔

{8} اسی طرح کسی کو اذان کے لیے اجارہ پر لینا یا حج کے لیے اجارہ پر لینا جائز نہیں، اسی طرح نماز کی امامت کے لیے، قرآن مجید کی تعلیم کے لیے، اور فقہ کی تعلیم کے لیے اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے۔ اور قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ ہر ایسی طاعت کہ جس کے ساتھ مسلمان مختص ہو کفار سے اس کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو اس طاعت کے لیے ہمارے نزدیک کسی کو اجارہ پر لینا جائز نہیں، حاصل یہ کہ جو چیز ملت اسلام کے ساتھ مختص ہو اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ایسے عمل میں اجارہ جائز ہے جو اجیر پر متعین نہ ہو؛ کیونکہ یہ ایسے عمل معلوم پر اجارہ ہے جس کا کرنا اجیر پر متعین اور واجب نہیں ہے تو یہ جائز ہے اور یہی امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔

{9} ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ"[4] (قرآن پڑھو اور اسے کھانے کمانے کا ذریعہ مت بناؤ) جس سے قرآن پر اجرت لینے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ اور جو وصیت حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص

---

[1] قال الزیلعی رحمہ اللہ: قُلْت: غَرِيبٌ مَرْفُوعًا، وَلَمْ أَجِدْهُ إلَّا مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، وَلَهُ طُرُقٌ: أَحَدُهَا: رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ ثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: إنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ، فَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْهُ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّءٌ، انْتَهَى. (نصب الرایۃ: 324/4)

[2] أخرجه البخاري، وَمُسْلِمٌ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ، وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ، انْتَهَى. زَادَ الْبُخَارِيُّ فِي لَفْظٍ: وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ، وَفِي لَفْظٍ: وَلَوْ عَلِمَ كَرَاهِيَةً لَمْ يُعْطِهِ. (نصب الرایۃ: 324/4)

[3] قال الزیلعی رحمہ اللہ: قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَمَعْنَاهُ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَأَبُو دَاوُد، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ، انْتَهَى. (نصب الرایۃ: 325/4)

[4] رواه أحمد في مسنده حَدَّثَنَا إسْمَاعِيلُ بْنُ إبْرَاهِيمَ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي رَاشِدٍ الْحُبْرَانِيِّ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شِبْلٍ: سَمِعْت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "اقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ، وَلَا تَجْفُوا عَنْهُ، وَلَا تَغْلُوا فِيهِ، وَلَا تَسْتَكْثِرُوا بِهِ"، انْتَهَى. (نصب الرایۃ: 326/4)

پیشہ کو کی تھی اس کے آخر میں یہ ہے کہ " اگر تجھے مؤذن بنایا جائے تو اذان دینے کی اجرت مت لینا[1]" جس سے بھی اجرت کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

{10} اور عقلی دلیل یہ ہے کہ تعلیم عبادت ہے اور عبادت جب حاصل ہو جائے تو اس کا ثواب عامل کو ملتا ہے اور عبادت میں عامل کی اہلیت شرط ہے تو جب عبادت کا ثواب عامل کو ملتا ہے غیر کو نہیں ملتا ہے تو غیر سے اجرت لینا کیونکر جائز ہو گا جیسے روزہ اور نماز عبادت ہے ان کا ثواب عامل کو ملتا ہے اس لیے غیر سے ان کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ تعلیم ایسی چیز ہے کہ وہ معلم کی قدرت اور اس کے اختیار میں نہیں ہے مگر جب ہی کہ شاگرد کی طرف سے بھی ایک بات پائی جائے یعنی ذہین وذکی اور قابلِ تعلیم ہو تو تعلیم دینے والے نے اجارہ سے ایسی بات کا التزام کیا جس کو پورا کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے اس لیے یہ اجارہ صحیح نہیں ہے۔

{11} ہمارے اس زمانہ میں (متاخرین کے زمانے میں) بعض مشائخ نے قرآن پڑھانے کے لیے کی اجرت پر لینے کو استحساناً جائز رکھا ہے؛ کیونکہ دینی امور میں سستی وبے پروائی ظاہر ہو گئی ہے پس اگر اجارہ کو ممنوع قرار دیا جائے تو قرآن کی حفاظت نہیں ہو سکے گی اس طرح قرآن مجید ضائع ہو جائے گا پس اس ضرورت کی بنا پر تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

فتوی:۔ متاخرین علماء نے تعلیم، امامت، اذان اور درس وتدریس وغیرہ اُن عبادات پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا جن کی ضرورت ہے اور جن کی ضرورت نہیں اُن پر اجرت لینا اب بھی جائز نہیں ہے، درّ المختار اور اس کے حاشیہ ردّ المحتار میں اس کی کافی اور وافی تفصیل بیان کی ہے ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: ( لَا تَصِحُّ الْإِجَارَةُ لِعَسْبِ التَّيْسِ ) وَهُوَ نَزْوُهُ عَلَى الْإِنَاثِ ( وَ ) لَا ( لِأَجْلِ الْمَعَاصِي مِثْلُ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ وَالْمَلَاهِي ) وَلَوْ أُخِذَ بِلَا شَرْطٍ يُبَاحُ ( وَ ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ ( الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ ) وَيُفْتَى الْيَوْمَ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ .وقال ابن عابدين: قَوْلُهُ وَيُفْتَى الْيَوْمَ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ إلَخْ ) قَالَ فِي الْهِدَايَةِ : وَبَعْضُ مَشَايِخِنَا - رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى - اسْتَحْسَنُوا الِاسْتِئْجَارَ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الْيَوْمَ لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ ، فَفِي الِامْتِنَاعِ تَضْيِيعُ حِفْظِ الْقُرْآنِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى اهـ ، وَقَدْ اقْتَصَرَ عَلَى اسْتِثْنَاءِ تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ أَيْضًا فِي مَتْنِ الْكَنْزِ وَمَتْنِ مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ

---

([1]) أخرجه أصحاب السنن الأربعة بطرق مختلفة، فأبو داود، والنسائي عن حماد بن سلمة عن سعيد الجريري عن أبي العلاء عن مطرف بن عبد الله عن عثمان بن أبي العاص، قال: قلت: يا رسول الله اجعلني إمام قومي، قال: " أنت إمامهم، واتخذ مؤذنا لا يأخذ على أذانه أجرا" ، انتهى.(نصب الراية: 330/4)

وكثير من الكتب ، وزاد في مختصر الوقاية ومتن الإصلاح تعليم الفقه ، وزاد في متن المجمع الإمامة ، ومثله في متن الملتقى ودرر البحار .

وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ ، وذكر المصنف معظمها ، ولكن الذي في أكثر الكتب الاقتصار على ما في الهداية ، فهذا مجموع ما أفتى به المتأخرون من مشايخنا وهم البلخيون على خلاف في بعضه مخالفين ما ذهب إليه الإمام وصاحباه ، وقد اتفقت كلمتهم جميعا في الشروح والفتاوى على التعليل بالضرورة وهي خشية ضياع القرآن كما فيوقد لقلت لك ما في مشاهير متون المذهب الموضوعة للفتوى فلا حاجة إلى نقل ما في الشروح والفتاوى ، وقد اتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ، ثم استثنوا بعده ما علمته ، فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع ، فإن مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب على ما صرح به الأصوليون بل هو منطوق ، فإن الاستثناء من أدوات العموم كما صرحوا به أيضا .

وأجمعوا على أن الحج عن الغير بطريق النيابة لا الاستئجار ، ولهذا لو فضل مع النائب شيء من النفقة يجب عليه رده للأصيل أو ورثته ، ولو كان أجرة لما وجب رده ، فظهر لك بهذا عدم صحة ما في الجوهرة من قوله واختلفوا في الاستئجار على قراءة القرآن مدة معلومة .

قال بعضهم : لا يجوز : وقال بعضهم : يجوز وهو المختار ا هـ والصواب أن يقال على تعليم القرآن ، فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فإنه لا ضرورة فيها ، فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام ، وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا يقبل .

وقد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندا إلى النقول الصريحة ، فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية : إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ .وقال العيني في شرح الهداية : ويمنع القارئ للدنيا ، والآخذ والمعطي آثمان .

فالحاصل أن ما شاع فيزماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز ؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال ؛ فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا – إنا لله وإنا إليه راجعون – ا هـ .

وَقَدْ اغْتَرَّ بِمَا فِي الْجَوْهَرَةِ صَاحِبُ الْبَحْرِ فِي كِتَابِ الْوَقْفِ وَتَبِعَهُ الشَّارِحُ فِي كِتَابِ الْوَصَايَا حَيْثُ يُشْعِرُ كَلَامُهَا بِجَوَازِ الِاسْتِئْجَارِ عَلَى كُلِّ الطَّاعَاتِ وَمِنْهَا الْقِرَاءَةُ .

وَقَدْ رَدَّهُ الشَّيْخُ خَيْرُ الدِّينِ الرَّمْلِيُّ فِي حَاشِيَةِ الْبَحْرِ فِي كِتَابِ الْوَقْفِ حَيْثُ قَالَ : أَقُولُ الْمُفْتَى بِهِ جَوَازُ الْأَخْذِ اسْتِحْسَانًا عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ لَا عَلَى الْقِرَاءَةِ الْمُجَرَّدَةِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي التتارخانية حَيْثُ قَالَ : لَا مَعْنَى لِهَذِهِ الْوَصِيَّةِ وَلِصِلَةِ الْقَارِئِ بِقِرَاءَتِهِ ؛ لِأَنَّ هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْأُجْرَةِ وَالْإِجَارَةُ فِي ذَلِكَ بَاطِلَةٌ وَهِيَ بِدْعَةٌ وَلَمْ يَفْعَلْهَا أَحَدٌ مِنَ الْخُلَفَاءِ ، وَقَدْ ذَكَرْنَا مَسْأَلَةَ تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ عَلَى اسْتِحْسَانٍ ا هـ يَعْنِي الضَّرُورَةَ وَلَا ضَرُورَةَ فِي الِاسْتِئْجَارِ عَلَى الْقِرَاءَةِ عَلَى الْقَبْرِ .

وَفِي الزَّيْلَعِيِّ وَكَثِيرٍ مِنَ الْكُتُبِ : لَوْ لَمْ يُفْتَحْ لَهُمْ بَابُ التَّعْلِيمِ بِالْأَجْرِ لَذَهَبَ الْقُرْآنُ فَأَفْتَوْا بِجَوَازِهِ وَرَأَوْهُ حَسَنًا فَتَنَبَّهْ ا هـ كَلَامُ الرَّمْلِيِّ .

وَمَا فِي التتارخانية فِيهِ رَدٌّ عَلَى مَنْ قَالَ : لَوْ أَوْصَى لِقَارِئٍ يَقْرَأُ عَلَى قَبْرِهِ بِكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ عَلَى وَجْهِ الصِّلَةِ دُونَ الْأَجْرِ ، وَمِمَّنْ صَرَّحَ بِبُطْلَانِ هَذِهِ الْوَصِيَّةِ صَاحِبُ الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالْمُحِيطِ وَالْبَزَّازِيَّةِ ، وَفِيهِ رَدٌّ أَيْضًا عَلَى صَاحِبِ الْبَحْرِ حَيْثُ عَلَّلَ الْبُطْلَانَ بِأَنَّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى الْقَوْلِ بِكَرَاهَةِ الْقُرْآنِ عَلَى الْقَبْرِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ ، بَلْ لِمَا فِيهِ مِنْ شِبْهِ الِاسْتِئْجَارِ عَلَى الْقِرَاءَةِ كَمَا عَلِمْتَ ، وَصَرَّحَ بِهِ فِي الِاخْتِيَارِ وَغَيْرِهِ ، وَلِذَا قَالَ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ مَا نَصُّهُ : وَلَوْ زَارَ قَبْرَ صَدِيقٍ أَوْ قَرِيبٍ لَهُ وَقَرَأَ عِنْدَهُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ فَهُوَ حَسَنٌ ، أَمَّا الْوَصِيَّةُ بِذَلِكَ فَلَا مَعْنَى لَهَا وَلَا مَعْنَى أَيْضًا لِصِلَةِ الْقَارِئِ ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ يُشْبِهُ اسْتِئْجَارَهُ عَلَى قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَذَلِكَ بَاطِلٌ وَلَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ أَحَدٌ مِنَ الْخُلَفَاءِ ا هـ إِذْ لَوْ كَانَتِ الْعِلَّةُ مَا قَالَهُ لَمْ يَصِحَّ قَوْلُهُ هُنَا فَهُوَ حَسَنٌ ، وَمِمَّنْ أَفْتَى بِبُطْلَانِ هَذِهِ الْوَصِيَّةِ الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ كَمَا هُوَ مَبْسُوطٌ فِي وَصَايَا فَتَاوَاهُ فَرَاجِعْهَا .

وَنَقَلَ الْعَلَّامَةُ الْخَلْوَتِيُّ فِي حَاشِيَةِ الْمُنْتَهَى الْحَنْبَلِيُّ عَنْ شَيْخِ الْإِسْلَامِ تَقِيِّ الدِّينِ مَا نَصُّهُ : وَلَا يَصِحُّ الِاسْتِئْجَارُ عَلَى الْقِرَاءَةِ وَإِهْدَائِهَا إِلَى الْمَيِّتِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْإِذْنُ فِي ذَلِكَ .

وَقَدْ قَالَ الْعُلَمَاءُ : إِنَّ الْقَارِئَ إِذَا قَرَأَ لِأَجْلِ الْمَالِ فَلَا ثَوَابَ لَهُ فَأَيُّ شَيْءٍ يُهْدِيهِ إِلَى الْمَيِّتِ ، وَإِنَّمَا يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ الْعَمَلُ الصَّالِحُ ، وَالِاسْتِئْجَارُ عَلَى مُجَرَّدِ التِّلَاوَةِ لَمْ يَقُلْ بِهِ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ ، وَإِنَّمَا تَنَازَعُوا فِي الِاسْتِئْجَارِ عَلَى التَّعْلِيمِ ا هـ بِحُرُوفِهِ ، وَمِمَّنْ صَرَّحَ بِذَلِكَ أَيْضًا الْإِمَامُ الْبِرْكَوِيُّ قُدِّسَ سِرُّهُ فِي آخِرِ الطَّرِيقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فَقَالَ : الْفَصْلُ الثَّالِثُ فِي أُمُورٍ مُبْتَدَعَةٍ بَاطِلَةٍ أَكَبَّ النَّاسُ عَلَيْهَا عَلَى ظَنِّ أَنَّهَا قُرَبٌ مَقْصُودَةٌ إِلَى أَنْ قَالَ : وَمِنْهَا الْوَصِيَّةُ مِنَ الْمَيِّتِ بِاتِّخَاذِ الطَّعَامِ وَالضِّيَافَةِ يَوْمَ مَوْتِهِ أَوْ بَعْدَهُ وَبِإِعْطَاءِ دَرَاهِمَ لِمَنْ يَتْلُو الْقُرْآنَ لِرُوحِهِ

أَوْ يُسَبِّحَ أَوْ يُهَلِّلَ لَهُ وَكُلُّهَا بِدَعٌ مُنْكَرَاتٌ بَاطِلَةٌ ، وَالْمَأْخُوذُ مِنْهَا حَرَامٌ لِلْآخِذِ ، وَهُوَ عَاصٍ بِالتِّلَاوَةِ وَالذِّكْرِ لِأَجْلِ الدُّنْيَا اهـ مُلَخَّصًا .وَذَكَرَ أَنَّ لَهُ فِيهَا أَرْبَعَ رَسَائِلَ .

فَإِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ ظَهَرَ لَكَ حَقِيقَةُ مَا قُلْنَاهُ وَأَنَّ خِلَافَهُ خَارِجٌ عَنِ الْمَذْهَبِ وَعَمَّا أَفْتَى بِهِ الْبَلْخِيُّونَ وَمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَئِمَّتُنَا مُتُونًا وَشُرُوحًا وَفَتَاوَى ، وَلَا يُنْكِرُ ذَلِكَ إلَّا غَمْرٌ مُكَابِرٌ أَوْ جَاهِلٌ لَا يَفْهَمُ كَلَامَ الْأَكَابِرِ ، وَمَا اسْتَدَلَّ بِهِ بَعْضُ الْمُحَشِّينَ عَلَى الْجَوَازِ بِحَدِيثِ الْبُخَارِيِّ فِي اللَّدِيغِ فَهُوَ خَطَأٌ ؛ لِأَنَّ الْمُتَقَدِّمِينَ الْمَانِعِينَ الِاسْتِئْجَارَ مُطْلَقًا جَوَّزُوا الرُّقْيَةَ بِالْأُجْرَةِ وَلَوْ بِالْقُرْآنِ كَمَا ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ عِبَادَةً مَحْضَةً بَلْ مِنَ التَّدَاوِي .

وَمَا نُقِلَ عَنْ بَعْضِ الْهَوَامِشِ وَعَزَى إلَى الْحَاوِي الزَّاهِدِيِّ مِنْ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَى الْخَتْمِ بِأَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا فَخَارِجٌ عَمَّا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْمَذْهَبِ قَاطِبَةً .

وَحِينَئِذٍ فَقَدْ ظَهَرَ لَكَ بُطْلَانُ مَا أَكَبَّ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعَصْرِ مِنَ الْوَصِيَّةِ بِالْخَتَمَاتِ وَالتَّهَالِيلِ مَعَ قَطْعِ النَّظَرِ عَمَّا يَحْصُلُ فِيهَا مِنَ الْمُنْكَرَاتِ الَّتِي لَا يُنْكِرُهَا إلَّا مَنْ طُمِسَتْ بَصِيرَتُهُ ، وَقَدْ جَمَعْتُ فِيهَا رِسَالَةً سَمَّيْتُهَا شِفَاءُ الْعَلِيلِ وَبَلُّ الْغَلِيلِ فِي حُكْمِ الْوَصِيَّةِ بِالْخَتَمَاتِ وَالتَّهَالِيلِ وَأَتَيْتُ فِيهَا بِالْعَجَبِ الْعُجَابِ لِذَوِي الْأَلْبَابِ ، وَمَا ذَكَرْتُهُ هُنَا بِالنِّسْبَةِ إلَيْهَا كَقَطْرَةٍ مِنْ بَحْرٍ أَوْ شَذْرَةٍ مِنْ عِقْدِ نَحْرٍ ، وَأَطْلَعْتُ عَلَيْهَا مُحَشِّيَ هَذَا الْكِتَابِ فَقِيهَ عَصْرِهِ وَوَحِيدَ دَهْرِهِ السَّيِّدَ أَحْمَدَ الطَّحَاوِيَّ مُفْتِيَ مِصْرَ سَابِقًا فَكَتَبَ عَلَيْهَا وَأَثْنَى الثَّنَاءَ الْجَمِيلَ ، فَاَللَّهُ يَجْزِيهِ الْخَيْرَ الْجَزِيلَ ، وَكَتَبَ عَلَيْهَا غَيْرُهُ مِنْ فُقَهَاءِ الْعَصْرِ(الدّر المختار مع ردّ المحتار:5/38)

{1}قَالَ : وَلَا يَجُوزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَى الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ ، وَكَذَا سَائِرُ الْمَلَاهِي ؛ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ

فرمایا: اور جائز نہیں ہے اجارہ پر لینا گانے اور نوحہ کے لیے، اور اسی طرح دیگر لہو لعب کے لیے؛ کیونکہ یہ اجارہ ہے معصیت پر،

وَالْمَعْصِيَةُ لَا تُسْتَحَقُّ بِالْعَقْدِ .{2}قَالَ : وَلَا يَجُوزُ إجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إلَّا مِنَ الشَّرِيكِ ، وَقَالَا:

اور معصیت مستحق نہیں ہوتی ہے عقد سے۔ اور جائز نہیں ہے غیر مقسوم کا اجارہ امام صاحب ؒ کے نزدیک، مگر شریک سے، اور صاحبین ؒ فرماتے ہیں

إجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ ، وَصُورَتُهُ أَنْ يُؤَاجِرَ نَصِيبًا مِنْ دَارِهِ أَوْ نَصِيبَهُ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ مِنْ غَيْرِ الشَّرِيكِ.

غیر مقسوم کا اجارہ جائز ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے گھر کا ایک حصہ یا اپنا حصہ مشترک گھر سے غیر شریک کو اجارہ پر دینا؛

لَهُمَا أَنَّ لِلْمُشَاعِ مَنْفَعَةً وَلِهَذَا يَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ ،{3}وَالتَّسْلِيمُ مُمْكِنٌ بِالتَّخْلِيَةِ أَوْ بِالتَّهَايُؤِ

صاحبین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ غیر مقسوم کی بھی منفعت ہے، اسی لیے واجب ہوتا ہے اجرتِ مثل، اور سپردگی ممکن ہے تخلیہ سے یا باری سے،

فَصَارَ كَمَا إذَا آجَرَ مِنْ شَرِيكِهِ أَوْ مِنْ رَجُلَيْنِ وَصَارَ كَالْبَيْعِ .{4}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ آجَرَ

پس ہو گیا جیسا کہ جب اجارہ پر دے اپنے شریک کو یا دو شخصوں کو، اور ہو گیا جیسے بیع۔ اور امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اجارہ پر دی

مَا لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ فَلَا يَجُوزُ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ تَسْلِيمَ الْمُشَاعِ وَحْدَهُ لَا يُتَصَوَّرُ ، وَالتَّخْلِيَةُ اعْتُبِرَتْ
ایسی چیز کہ قادر نہیں اس کے سپرد کرنے پر، پس جائز نہیں، اور یہ اس لیے کہ سپرد کرنا مشاع کو تنہا متصور نہیں ہے، اور تخلیہ شمار کیا گیا ہے
تَسْلِيمًا لِوُقُوعِهِ تَمْكِينًا وَهُوَ الْفِعْلُ الَّذِي يَحْصُلُ بِهِ التَّمَكُّنُ وَلَا تَمَكُّنَ فِي الْمُشَاعِ
سپرد کرنا کہ وہ تمکین واقع ہو جاتا ہے اور تمکین ہی وہ فعل ہے جس سے حاصل ہو جاتا ہے قابو، اور قابو نہیں ہوتا ہے مشترک میں،
{5} بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِحُصُولِ التَّمَكُّنِ فِيهِ ، وَأَمَّا التَّهَايُؤُ فَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ حُكْمًا لِلْعَقْدِ بِوَاسِطَةِ الْمِلْكِ
برخلافِ بیع کے: تمکن حاصل ہو جانے کی وجہ سے اس میں، رہا باری مقرر کرنا تو وہ مستحق ہوتا ہے حکمِ عقد کے طور پر ملک کے واسطے
وَحُكْمُ الْعَقْدِ يَعْقُبُهُ وَالْقُدْرَةُ عَلَى التَّسْلِيمِ شَرْطُ الْعَقْدِ وَشَرْطُ الشَّيْءِ يَسْبِقُهُ ، وَلَا يُعْتَبَرُ
اور عقد کا حکم عقد کے بعد ہوتا ہے، حالانکہ سپردگی کی قدرت شرطِ عقد ہے، اور شرطِ شئی مقدم ہوتی ہے شئی سے، اور اعتبار نہیں کیا جا سکتا
الْمُتَرَاخِي سَابِقًا، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا آجَرَ مِنْ شَرِيكِهِ فَالْكُلُّ يَحْدُثُ عَلَى مِلْكِهِ فَلَا شُيُوعَ، وَالِاخْتِلَافُ فِي النِّسْبَةِ لَا يَضُرُّهُ،
مؤخر کا سابق، رہا اجارہ پر دینا اپنے شریک کو، تو وہ کل حاصل ہوگا اسی کی ملک پر، پس شیوع نہ ہوا، اور اختلاف نسبت میں مضر نہیں اس کے لیے،
عَلَى أَنَّهُ لَا يَصِحُّ فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْهُ {6} وَبِخِلَافِ الشُّيُوعِ الطَّارِئِ؛ لِأَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى التَّسْلِيمِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِلْبَقَاءِ
علاوہ ازیں صحیح نہیں ہے امام صاحبؒ سے حسنؒ کی روایت میں، اور برخلاف طاری شیوع کے؛ کیونکہ سپردگی پر قدرت شرط نہیں ہے بقاء کے لیے،
وَبِخِلَافِ مَا إِذَا آجَرَ مِنْ رَجُلَيْنِ ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ يَقَعُ جُمْلَةً ثُمَّ الشُّيُوعُ بِتَفَرُّقِ الْمِلْكِ فِيمَا بَيْنَهُمَا
اور برخلاف اس کے جب اجارہ پر دے دو شخصوں کو؛ کیونکہ سپردگی یکبارگی واقع ہوتی ہے، پھر شیوع تفرق ملک کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان
طَارِئٌ .{7} قَالَ : وَيَجُوزُ اسْتِئْجَارُ الظِّئْرِ بِأُجْرَةٍ مَعْلُومَةٍ ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَى : { فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ
طاری ہوا ہے۔ فرمایا: اور جائز ہے اجارہ پر لینا آیا کو اجرتِ معلوم کے ساتھ؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لیے
فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ } وَلِأَنَّ التَّعَامُلَ بِهِ كَانَ جَارِيًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَبْلَهُ وَأَقَرَّهُمْ عَلَيْهِ
تو دیدو ان کو ان کی اجرت"، اور اس لیے کہ تعامل اس پر جاری تھا حضور ﷺ کے زمانے میں اور اس سے پہلے، آپؐ نے برقرار رکھا ان کو اس پر،
{8} ثُمَّ قِيلَ : إِنَّ الْعَقْدَ يَقَعُ عَلَى الْمَنَافِعِ وَهِيَ خِدْمَتُهَا لِلصَّبِيِّ وَالْقِيَامُ بِهِ وَاللَّبَنُ يُسْتَحَقُّ عَلَى طَرِيقِ التَّبَعِ
پھر کہا گیا ہے کہ عقد واقع ہوتا ہے منافع پر، اور وہ عورت کا خدمت کرنا ہے بچے کی اور نگرانی کرنا ہے اس کے امور کی، اور دودھ مستحق ہوتا ہے تبعاً
بِمَنْزِلَةِ الصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ .وَقِيلَ إِنَّ الْعَقْدَ يَقَعُ عَلَى اللَّبَنِ ، وَالْخِدْمَةُ تَابِعَةٌ ، وَلِهَذَا لَوْ أَرْضَعَتْهُ
جیسا کہ رنگ کپڑے میں، اور کہا گیا ہے عقد واقع ہوتا ہے دودھ پر، اور خدمت اس کے تابع ہے، اسی لیے اگر عورت نے پلایا بچے کو

بِلَبَنِ شَاةٍ لَاتَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ {9} وَالْأَوَّلُ أَقْرَبُ إِلَى الْفِقْهِ، لِأَنَّ عَقْدَالْإِجَارَةِ لَايَنْعَقِدُ عَلَى إِتْلَافِ الْأَعْيَانِ مَقْصُودًا، كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ بَقَرَةً ؛ لِيَشْرَبَ لَبَنَهَا .وَسَنُبَيِّنُ الْعُذْرَ عَنِ الْإِرْضَاعِ بِلَبَنِ الشَّاةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

بکری کا دودھ، تو وہ مستحق نہ ہوگی اجرت کی، اور اول زیادہ قریب ہے اصول فقہ کے؛ کیونکہ عقدِ اجارہ منعقد نہیں ہوتا ہے اعیانِ مقصودہ کو تلف کرنے پر جیسا کہ جب اجارہ پر لے گائے تاکہ پی لے اس کا دودھ، اور ہم عنقریب بیان کریں گے عذر بکری کا دودھ پلانے میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

{10} وَإِذَا ثَبَتَ مَا ذَكَرْنَا يَصِحُّ إِذَا كَانَتِ الْأُجْرَةُ مَعْلُومَةً اعْتِبَارًا بِالِاسْتِئْجَارِ عَلَى الْخِدْمَةِ .

اور جب ثابت ہوا وہ جو ہم ذکر کر چکے تو صحیح ہوگا جبکہ اجرت معلوم ہو؛ قیاس کرتے ہوئے خدمت کے لیے اجارہ لینے پر۔

تشریح:۔{1} گانے کے لیے یا میت پر رونے کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے اسی طرح دیگر لہو لعب کے کاموں کے لیے مثلاً طبلہ اور باجہ وغیرہ بجانے کے لیے بھی اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ معصیت پر اجارہ ہے اور عقدِ اجارہ سے شرعاً معقود علیہ سپرد کرنا واجب ہو جاتا ہے اور معصیت ایسی چیز نہیں ہے جس کا سپرد کرنا عقدِ اجارہ کی وجہ سے واجب ہو اس لیے یہ اجارہ باطل ہے اور اس سے اجرت واجب نہ ہوگی۔

{2} غیر مقسوم چیز کا اجارہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے مثلاً مشترک زمین یا مشترک غلام میں سے اپنا حصہ کرایہ پر دینا جائز نہیں، البتہ اگر اپنے شریک کو اجارہ پر دے تو یہ جائز ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غیر مقسوم چیز کا اجارہ جائز ہے اور یہی امام مالک اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے مکان میں سے ایک حصہ اجارہ پر دے جو مقسوم نہیں ہے یا غیر کے ساتھ مشترک مکان میں سے اپنا حصہ اجارہ پر دے تو اس میں مذکورہ اختلاف ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے کہ شریک کے سوا کسی دوسرے شخص کو اجارہ دیا گیا ہو؛ کیونکہ اپنے شریک کو اجارہ پر دینا بالاجماع جائز ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز مشاع غیر مقسوم ہو اس میں منفعت موجود ہے اسی وجہ سے اس کی اجرتِ مثل واجب ہوتی ہے اور اجرتِ مثل کا وجوب دلیل ہے کہ اجارہ کے لیے منفعت ہے اور جوازِ اجارہ کا مدار منفعت پر ہے جب منفعت موجود ہے تو اجارہ جائز ہوگا۔

{3} سوال یہ ہے کہ مشاع چیز کے اجارہ میں تو معقود علیہ سپرد کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اجارہ صحیح نہیں ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ غیر مقسوم کا سپرد کرنا اس طرح ممکن ہے کہ تخلیہ کر دے یعنی مشاع چیز اور مستاجر کے مابین تخلیہ کر دیا جائے اور مستاجر موجر کے حصہ سے نفع حاصل کرتا رہے۔ یا باری مقرر کر دے یعنی مستاجر اور شریک باری باری سے نفع اٹھائیں یوں کہ موجر کا شریک اپنی جگہ مستاجر کی باری میں مستاجر کو دیدے اور اپنی باری میں مستاجر کے حصے کا نفع حاصل کرلے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے اپنے

شریک کو اجارہ پر دے یا دو شخصوں کو اجارہ پر دے تو وہ اسی طرح نفع اٹھائیں گے، اور یہاں تخلیہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ بیع میں تخلیہ کرنا بیع میں تخلیہ سپردگی شمار ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی تخلیہ سپردگی شمار ہوگا۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز اجارہ پر دی ہے جس کو وہ سپرد نہیں کر سکتا ہے تو یہ اجارہ جائز نہیں اور سپردگی پر قدرت اس لیے نہیں کہ غیر مقسوم چیز کو علیحدہ سپرد کرنا متصور نہیں اور جس چیز کی سپردگی متصور نہ ہو اس کا اجارہ نہیں ہے اور تخلیہ کرنا اس وقت سپردگی شمار ہوتا ہے کہ وہ تمکین واقع ہو اور تمکین وہ فعل ہے جس سے منفعت حاصل کرنے پر قابو حاصل ہو جاتا ہے یعنی ایسا ہونے سے اس کو اجارہ کی چیز میں تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے حالانکہ جو چیز غیر مقسوم ہے اس میں تخلیہ کرنے اور روک دور کرنے سے بھی حساً انتفاع پر قابو حاصل نہیں ہوتا ہے اس لیے تخلیہ سپردگی نہیں ہے لہٰذا یہ اجارہ بھی جائز نہ ہوگا۔

{5} بخلاف بیع کے کہ اس میں قابو حاصل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ بیع میں مقصود نفع حاصل کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ رقبہ کی ملکیت مقصود ہوتی ہے اور ملک حسی چیز نہیں ہے بلکہ امر حکمی ہے اس لیے تخلیہ سے اس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے۔ رہا باری مقرر کرنا تو بواسطہ ملک عقد کے احکام میں سے ہے پس اس کا استحقاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ملک موجود ہے حالانکہ عقد کا حکم عقد ثابت ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے جبکہ سپردگی کی قدرت کا ہونا عقد کے لیے شرط ہے اور شرط ہمیشہ اس شئی سے پہلے ہوا کرتی ہے جس کے لیے شرط ہو پس باری سے قدرتِ سپردگی مستفاد نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ مؤخر ہے اور جو چیز مؤخر حاصل ہو اس کو سابق نہیں اعتبار کیا جا سکتا۔ رہا اپنے شریک کو اجارہ پر دینا تو یہ اس وجہ سے جائز ہے کہ کل منافع اسی کی ملکیت پر حاصل ہوں گے تو شائع ہونا متحقق نہ ہوگا البتہ اختلافِ نسبت ہے کہ بعض بوجہِ ملک کے اور بعض بوجہِ اجارہ کے حاصل ہوں گے مگر نسبت کا مختلف ہونا کچھ مضر نہیں ہے؛ کیونکہ اتحادِ حکم (ملک) کے ساتھ اختلافِ اسباب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حسن بن زیادؒ نے امام صاحبؒ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں اپنے شریک کو مشاع چیز اجارہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے۔

{6} برخلاف ایسے اشتراک کے جو بعد میں طاری ہو جائے کہ یہ بالاتفاق اجارہ کے لیے مفسد نہیں ہے مثلاً دو شخصوں کو ایک مکان اجارہ پر دیا پھر دونوں میں سے ایک مر گیا تو ظاہر الروایت میں زندہ کے حصہ میں اجارہ مشاعاً باقی رہے گا؛ کیونکہ اس اجارہ کو باقی رکھنے کے لیے سپردگی کی قدرت ہونا شرط نہیں ہے اس لیے یہ اشتراک اجارہ کے لیے مفسد نہیں۔ اور برخلاف اس صورت کے جو صاحبینؒ نے ذکر کی کہ ایک شخص نے دو شخصوں کو ایک مکان کرایہ پر دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ سپردگی مجموعہ مکان کی یک بارگی

واقع ہوئی اس لیے اس میں شیوع نہیں ہے پھر اجارہ حاصل ہونے کے بعد ان دونوں میں تفرق ملک کی وجہ سے شیوع ہونا آئندہ طاری ہوا ہے تو یہ شیوع دونوں کے لیے ملک ثابت ہونے کے بعد طاری ہوا، ابتداء سے نہیں ہے، اور شیوع طاری بالاتفاق جائز ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: ( وَ ) تَفْسُدُ أَيْضًا ( بِالشُّيُوعِ ) بِأَنْ يُؤَجِّرَ نَصِيبًا مِنْ دَارِهِ أَوْ نَصِيبَهُ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ مِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ أَوْ مِنْ أَحَدِ شَرِيكَيْهِ الْفَعُ الْوَسَائِلِ وَعِمَادِيَّةٌ مِنَ الْفَصْلِ الثَّلَاثِينَ . وقال العلامة ابن عابدين: ( قَوْلُهُ بِالشُّيُوعِ ) أَيْ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ أَوْ لَا عِنْدَهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى خَانِيَّةٌ . (الدّر المختار مع ردّ المحتار: 32/5)

{7} دودھ پلانے والی دایہ کو متعین اجرت پر اجارہ پر لینا جائز ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ[1]﴾ (اگر ان عورتوں نے یعنی تمہاری مطلقہ زوجات نے تمہاری اولاد کو دودھ پلایا تو تم ان کو ان کی اجرت دے دو) اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجارہ جائز ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دایہ کو اجرت پر مقرر کرنے کا عمل حضور ﷺ کے عہد مبارک میں تھا اور اس سے پہلے بھی جاری تھا اور حضور ﷺ نے لوگوں کو اس عمل کے کرنے پر برقرار رکھا تو حضور ﷺ کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا دلیل ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے ورنہ آپ منع فرماتے۔

{8} پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ دایہ کو اجارہ پر لینے میں عقد دراصل دودھ پر نہیں واقع ہوتا ہے بلکہ دائی کے منافع پر واقع ہوتا ہے اور دائی کے منافع بچہ کی خدمت کرنا اور اس کے امور کی نگہبانی کرنا ہے رہا دودھ تو وہ تابع ہو کر واجب ہوتا ہے جیسے کپڑے میں رنگ مثلاً رنگریز کو کپڑا رنگنے کے لیے اجارہ پر لیا تو عقدِ اجارہ رنگنے کے فعل پر واقع ہوا ہے باقی رنگریز کا رنگ اس اجارہ میں تبعاً داخل ہے اسی طرح یہاں عقدِ اجارہ دودھ پلانے اور تربیت کرنے پر واقع ہوا ہے باقی دودھ تبعاً اس اجارہ میں داخل ہے۔ اور شمس الائمہ سرخسیؒ وغیرہ حضرات کہتے ہیں کہ عقدِ اجارہ در حقیقت دودھ پر واقع ہوتا ہے اور بچہ کی خدمت اور تربیت کرنا دودھ کا تابع ہے یہی وجہ ہے کہ اگر دائی اس بچے کو بکری کا دودھ پلا کر پالے تو اجرت کی مستحق نہ ہوگی معلوم ہوا کہ معقود علیہ دودھ ہے تربیت کرنا تابع ہے۔

{9} قول اول اقرب الی الفقہ ہے یعنی فقہ سے یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ دراصل خدمت اور تربیت پر واقع ہوتا ہے اور دودھ تابع ہے؛ کیونکہ عقدِ اجارہ مقصودی طور پر مالِ عین تلف کرنے پر نہیں واقع ہوتا ہے یعنی دودھ تو ایک عین ہے اس کے پینے پر اجارہ نہیں ہو سکتا، بلکہ عقدِ اجارہ منفعت حاصل کرنے پر واقع ہوتا ہے پس دودھ پر اجارہ جائز نہ ہوگا اور ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی

[1] الطلاق: 6.

گائے اس لیے اجارہ پر لے تاکہ اس کا دودھ پیئے تو یہ جائز نہیں ہے اسی طرح دائی کے دودھ پر بھی اجارہ جائز نہ ہوگا۔ باقی بکری کا دودھ پلانے کی صورت میں اجرت کا استحقاق نہ ہونا ایک عذر سے ہے جس کو اگلی عبارت "وَإِنْ أَرْضَعَتْهُ فِي الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا أَجْرَ لَهَا" سے ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

فتویٰ:۔ راجح یہی ہے کہ عقدِ اجارہ خدمت اور تربیت پر واقع ہوتا ہے لما فی مجمع الانہر: (و یجوز استیجار الظئر) وہی مرضعة (بأجر معلوم)..............وقد جرى به التعامل فى الاعصار بلا نكير؛لانه عقد على منفعة ، هي تربية الصبى و اللبن تابع وهو اختيار صاحب الذخيرة و الايضاح و أقرب الى الفقه ،كما فى الهداية وهو الصحيح كما فى الكافى(مجمع الانہر:536/3)

{10} اور جب اس نص سے دائی کو اجارہ پر لینے کا جواز ثابت ہوا جو ہم نے ذکر کر دی تو قیاس سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ اجرت معلوم ہو؛ کیونکہ اس کو قیاس کیا جائے گا کسی خدمت کے لیے اجارہ پر لینے پر یعنی جیسے کسی سے خدمت لینے کے لیے اس کو اجارہ پر لیا جا سکتا ہے اسی طرح دائی کو بھی دودھ پلانے کے لیے اجارہ پر لیا جا سکتا ہے۔

{1} قَالَ: وَيَجُوزُ بِطَعَامِهَا وَكِسْوَتِهَا اسْتِحْسَانًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا: لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ الْأُجْرَةَ مَجْهُولَةٌ

فرمایا: اور جائز ہے اس کی خوراک اور پوشاک کے عوض استحساناً امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: جائز نہیں؛ کیونکہ اجرت مجہول ہے

فَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَهَا لِلْخُبْزِ وَالطَّبْخِ .{2} وَلَهُ أَنَّ الْجَهَالَةَ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ ؛ لِأَنَّ فِي الْعَادَةِ

جیسے اجارہ پر لے عورت کو روٹی اور سالن پکانے کے لیے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جہالت مفضی نہیں جھگڑے کو؛ کیونکہ عادت یہی ہے

التَّوْسِعَةَ عَلَى الْأَظْآرِ شَفَقَةً عَلَى الْأَوْلَادِ فَصَارَ كَبَيْعِ قَفِيزٍ مِنْ صُبْرَةٍ

کہ وسعت ہوتی ہے دودھ پلانے والی عورتوں پر اولاد پر شفقت کی وجہ سے، پس ہو گیا جیسے فروخت کرنا ایک قفیز ڈھیر میں سے،

بِخِلَافِ الْخُبْزِ وَالطَّبْخِ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ فِيهِ تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ{3} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: فَإِنْ سَمَّى الطَّعَامَ دَرَاهِمَ

برخلاف روٹی اور سالن پکانے کے؛ کیونکہ جہالت اس میں مفضی ہوتی ہے جھگڑے کی طرف۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ: اگر بیان کیے طعام کے دراہم

وَوَصَفَ جِنْسَ الْكِسْوَةِ وَأَجَلَهَا وَذَرْعَهَا فَهُوَ جَائِزٌ ، يَعْنِي بِالْإِجْمَاعِ .وَمَعْنَى تَسْمِيَةِ الطَّعَامِ دَرَاهِمَ أَنْ

اور بیان کی پوشاک کی جنس اور اس کی میعاد اور اس کے گز، تو یہ جائز ہے یعنی بالاتفاق، اور طعام کے دراہم بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ

يَجْعَلَ الْأُجْرَةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ يَدْفَعُ الطَّعَامَ مَكَانَهُ ، وَهَذَا لَا جَهَالَةَ فِيهِ ، وَلَوْ سَمَّى الطَّعَامَ وَبَيَّنَ قَدْرَهُ

مقرر کرے اجرت دراہم، پھر دیدے طعام اس کے بجائے، اور اس میں کوئی جہالت نہیں ہے۔ اور اگر نام لے طعام کا اور بیان کرے اس کی مقدار

جَازَ أَيْضًا ؛ لِمَا قُلْنَا .{4} وَلَا يُشْتَرَطُ تَأْجِيلُهُ ؛ لِأَنَّ أَوْصَافَهَا أَثْمَانٌ

تو بھی جائز ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے، اور شرط نہیں ہے مدت بیان کرنا اس کی؛ کیونکہ طعام کے اوصاف تو ثمن ہیں۔

{5} وَيُشْتَرَطُ بَيَانُ مَكَانِ الْإِيفَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْبُيُوعِ ، وَفِي الْكِسْوَةِ يُشْتَرَطُ

اور شرط ہے بیان کرنا مکانِ ادائیگی امام صاحب ؒ کے نزدیک، اختلاف ہے صاحبین کا، اور ہم ذکر کر چکے اس کو بیوع میں۔ اور پوشاک میں شرط ہے

بَيَانُ الْأَجَلِ أَيْضًا مَعَ بَيَانِ الْقَدْرِ وَالْجِنْسِ ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَصِيرُ دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ إِذَا صَارَ مَبِيعًا ، وَإِنَّمَا يَصِيرُ مَبِيعًا عِنْدَ الْأَجَلِ

مدت بیان کرنا مقدار اور جنس کے ساتھ؛ کیونکہ وہ ہو جاتا ہے دَین اس کے ذمہ میں جب سے وہ ہو جائے مبیع، اور مبیع ہو جاتا ہے بوقتِ میعاد

كَمَا فِي السَّلَمِ . {6} قَالَ : وَلَيْسَ لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يَمْنَعَ زَوْجَهَا مِنْ وَطْئِهَا ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ حَقُّ الزَّوْجِ

جیسے سلم میں ہوتا ہے۔ فرمایا: اور مستاجر کو یہ اختیار نہیں کہ روک دے اس کے شوہر کو اس سے وطی کرنے سے؛ کیونکہ وطی زوج کا حق ہے،

فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّهِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ يَفْسَخَ الْإِجَارَةَ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِهِ

پس مستاجر کو قدرت نہیں اس کے حق کو باطل کرنے کا، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس کو اختیار ہے کہ فسخ کر دے اجارہ کو جبکہ اس کو علم نہ ہو اس کا؛

صِيَانَةً لِحَقِّهِ ، إِلَّا أَنَّ الْمُسْتَأْجِرَ يَمْنَعُهُ عَنْ غِشْيَانِهَا فِي مَنْزِلِهِ ؛ لِأَنَّ الْمَنْزِلَ حَقُّهُ

اپنے حق کی حفاظت کے لیے، مگر یہ کہ مستاجر روک سکتا ہے اس کو اس سے وطی کرنے سے اس کے گھر میں؛ کیونکہ مکان اس کا حق ہے۔

فَإِنْ حَبِلَتْ كَانَ لَهُمْ أَنْ يَفْسَخُوا الْإِجَارَةَ إِذَا خَافُوا عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ لَبَنِهَا ؛ لِأَنَّ لَبَنَ الْحَامِلِ يُفْسِدُ الصَّبِيَّ

پھر اگر وہ حاملہ ہو گئی تو ان کو حق ہے کہ فسخ کر دے اجارہ کو جبکہ ان کو خوف ہو بچے پر اس کے دودھ سے؛ کیونکہ حاملہ کا دودھ خراب کر دیتا ہے بچے کو،

وَلِهَذَا كَانَ لَهُمُ الْفَسْخُ إِذَا مَرِضَتْ أَيْضًا {7} وَعَلَيْهَا أَنْ تُصْلِحَ طَعَامَ الصَّبِيِّ ؛ لِأَنَّ الْعَمَلَ عَلَيْهَا.

اسی لیے ان کو حق ہے فسخ کرنے کا جب وہ بیمار ہو جائے، اور اس پر لازم ہے کہ درست کرے بچے کی غذا؛ کیونکہ مفید عمل اس پر لازم ہے،

وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِيمَا لَا نَصَّ عَلَيْهِ الْعُرْفُ فِي مِثْلِ هَذَا الْبَابِ ، فَمَا جَرَى بِهِ الْعُرْفُ مِنْ غَسْلِ ثِيَابِ الصَّبِيِّ

حاصل یہ کہ معتبر ہو گا اس میں جس میں نص وارد نہیں عرف اس باب میں، پس جس میں عرف جاری ہو جیسے بچے کے کپڑے دھونا

وَإِصْلَاحِ الطَّعَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ عَلَى الظِّئْرِ أَمَّا الطَّعَامُ فَعَلَى وَالِدِ الْوَلَدِ ، وَمَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ أَنَّ الدُّهْنَ

اس کی غذا درست کرنا وغیرہ، تو یہ دودھ پلانے والی پر ہے، رہا نفسِ طعام تو وہ بچے کے باپ پر ہے، اور جو ذکر کیا ہے امام محمدؒ نے کہ تیل

وَالرَّيْحَانَ عَلَى الظِّئْرِ فَذَلِكَ مِنْ عَادَةِ أَهْلِ الْكُوفَةِ . {8} وَإِنْ أَرْضَعَتْهُ فِي الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا أَجْرَ لَهَا ؛

اور ریحان دودھ پلانے والی پر ہے تو یہ اہل کوفہ کی عادت کے مطابق ہے۔ اور اگر پلایا مدت میں بکری کا دودھ، تو اجرت نہ ہو گی اس کے لیے؛

لِأَنَّهَا لَمْ تَأْتِ بِعَمَلٍ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا ، وَهُوَ الْإِرْضَاعُ ، فَإِنَّ هَذَا إِيجَارٌ وَلَيْسَ بِإِرْضَاعٍ ، وَإِنَّمَا لَمْ يَجِبِ الْأَجْرُ

کیونکہ اس نے نہیں کیا وہ عمل جو واجب ہے اس پر، اور وہ دودھ پلانا ہے، کیونکہ یہ تو منہ میں ڈالنا ہے دودھ پلانا نہیں ہے، اور اجرت واجب نہ ہوگی

لِهٰذَا الْمَعْنٰى أَنَّهُ اخْتَلَفَ الْعَمَلُ .

اس وجہ سے کہ بدل گیا عمل۔

تشریح:۔{1} اور دودھ پلانے والی عورت کو اس کے کھانے اور کپڑے دینے پر اجارہ پر لینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اجرت مجہول ہے یعنی کھانے اور کپڑے کی جنس، مقدار اور صفت معلوم نہیں ہے تو ایسا ہو گیا جیسے عورت کو روٹی اور کھانا پکانے کے لیے کھانا اور کپڑے دینے پر اجارہ پر لے مثلاً کہا کہ ہر روز دس کیلو آٹا اور پانچ کیلو گوشت پکا دو اور اجرت میں کھانا اور کپڑے دے دوں گا تو یہ جائز نہیں ہے اسی طرح بچے کو دودھ پلانے کے لیے دائی کو کھانا اور کپڑوں کے عوض اجارہ پر لینا بھی جائز نہ ہو گا۔

{2} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کھانے کی جنس وغیرہ مجہول ہونے سے کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہوتا ہے؛ کیونکہ لوگوں کی عادت یہی جاری ہے کہ اپنی اولاد پر شفقت کی وجہ سے دودھ پلانے والیوں کو وسعت کے ساتھ دیتے ہیں تو ایسا ہو گیا جیسے گندم کے ایک ڈھیر میں سے ایک قفیز کو فروخت کرنا یعنی اس میں بھی چونکہ جھگڑا پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ بائع جس طرف سے چاہے دے دے اس لیے یہ جائز ہے اسی طرح دائی کی مذکورہ صورت بھی جائز ہے۔ اس کے برخلاف کھانے اور کپڑوں کے عوض روٹی اور سالن پکانے کے اجارہ کا یہ حکم نہیں؛ کیونکہ اس میں اجرت مجہول ہونے سے جھگڑے تک نوبت پہنچتی ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی مجمع الانهر:(و كذا) يجوز استئجارها (بطعامها وكسوتها) استحساناً عند الامام ؛لان الجهالة هنا لاتفضى الى النزاع لان العادة جارية بالتوسعة على الظئر شفقةً على الولد (خلافاً لهما) اى قالا:لايجوز قياساً للجهالة (مجمع الانهر:536/3)

{3} جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر طعام کے دراہم بیان کئے اور کپڑوں کی جنس اور اس کے ادا کرنے کا وقت اور اس کے گز بیان کئے تو بالاجماع یہ بھی جائز ہے۔ اور طعام کے دراہم بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اجرت کے دراہم مقرر کر دے پھر دراہم کے بجائے طعام دیدے اور اس طرح اجرت مقرر کرنے میں در حقیقت کوئی جہالت نہیں ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔

{4} اور اگر مستاجر نے طعام بیان کر کے اس کی مقدار بیان کر دی تو بھی جائز ہے؛ کیونکہ اس میں بھی کوئی جہالت نہیں ہے یعنی جنس، مقدار اور وصف بیان کرنے سے جہالت ختم ہو جاتی ہے۔

اور طعام ادا کرنے کی مدت بیان کرنا شرط نہیں ہے؛ کیونکہ طعام کے اوصاف ثمن ہیں یعنی جو طعام معین اور مشار الیہ نہ ہو بلکہ اس کا وصف بیان کر کے اپنے ذمہ رکھا گیا ہو تو وہ ثمن ہوتا ہے مبیع نہیں ہے کہ اس کی میعاد کی ضرورت ہو اس لیے میعاد بیان کرنا شرط نہیں ہے۔

{5} اور اناج کے لیے اگر بوجھ ہو تو اس کو ادا کرنے کی جگہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیان کرنا شرط ہے، اور صاحبینؒ کا اس میں اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک مکانِ عقد متعین ہے ادائیگی کی جگہ بیان کرنا شرط نہیں ہے، اور ہم اس کو "کتاب البیوع" کے "بَابُ السَّلَم" میں بیان کر چکے ہیں۔ اور کپڑے کی صورت میں مقدار اور جنس کے ساتھ میعاد بیان کرنا بھی شرط ہے؛ کیونکہ کپڑا آدمی کے ذمہ جب لازم ہوتا ہے تو وہ مبیع ہو جاتا ہے اور مبیع جب ہی ہوگی کہ اس میں میعاد بیان کی جائے جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے۔

{6} اور مستاجر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دائی کے شوہر کو اس کے ساتھ وطی کرنے سے منع کر دے یعنی اس کو روکنے کا استحقاق نہیں ہے؛ کیونکہ وطی کرنا اس کے شوہر کا حق ہے تو مستاجر کو یہ اختیار نہیں کہ اس کا حق باطل کر دے یہی وجہ ہے کہ شوہر کو یہ اختیار ہے کہ اگر اس کو اپنی بیوی کا عقدِ اجارہ کر لینا معلوم نہ ہو تو وہ اپنے حق کی حفاظت کے لیے اس اجارہ کو فسخ کر سکتا ہے۔ البتہ مستاجر کو یہ اختیار ہے کہ اپنے گھر میں اس کے شوہر کو وطی کرنے سے روکے؛ کیونکہ مستاجر کا مکان مستاجر ہی کا حق ہے جس میں غیر کو عمل کرنے سے روک سکتا ہے۔

پھر اگر دائی حاملہ ہو گئی تو بچہ والوں کو اختیار ہوگا کہ اجارہ فسخ کر دیں جبکہ ان کو خوف ہو کہ اس کے دودھ سے بچہ کو نقصان پہنچے گا؛ کیونکہ حاملہ کا دودھ بچے کو بیمار کر دیتا ہے اسی لیے اگر دائی بیمار ہو جائے تو بھی ان کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

{7} اور دائی پر واجب ہے کہ بچے کا طعام درست کر دے؛ کیونکہ جس کام میں بچہ کی منفعت ہے وہ دائی پر لازم ہوتا ہے، حاصل یہ کہ جس امر میں نص وارد ہے وہ تو نص کے مطابق ہوگا اور جس میں نص وارد نہیں ہے اس میں ایسے معاملات میں عرف معتبر ہے پس جس بات کا عرف جاری ہو جیسے بچے کے کپڑے دھونا اور اس کا طعام درست کرنا اور اس کے علاوہ دیگر ایسے کام جن کا عرف جاری ہے وہ سب دائی پر لازم ہوں گے، باقی بچے کا نفسِ طعام بچے کے والد پر ہوگا۔ اور یہ جو امام محمدؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ تیل اور خوشبو دائی پر واجب ہے تو یہ اہلِ کوفہ کی عادت پر ہے، ہمارے یہاں چونکہ یہ عرف نہیں ہے اس لیے دائی کے ذمہ نہیں بلکہ بچہ والوں کے ذمہ ہے۔

{8} اگر دائی نے دودھ پلانے کی مدت میں بچے کو بکری کا دودھ پلایا تو اس کے لیے اجرت نہ ہوگی؛ کیونکہ جو کام اس پر واجب ہوا تھا یعنی دودھ پلانا وہ اس نے نہیں کیا؛ کیونکہ بکری کا دودھ اس کے منہ میں ڈال دینا دوا پلانے کے معنی میں ہے دودھ پلانا نہیں ہے؛ پس

اس معنی کی وجہ سے کہ کام بدل گیا ہے اس لیے اجرت واجب نہ ہوگی یعنی اجرت کے واجب نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ عورت کا دودھ معقود علیہ ہے اور وہ نہ پلانے سے عورت اجرت کی مستحق نہ ہوگی۔

{1}قَالَ : وَمَنْ دَفَعَ إِلَى حَائِكٍ غَزْلًا لِيَنْسِجَهُ بِالنِّصْفِ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ .وَكَذَا إِذَا اسْتَأْجَرَ حِمَارًا

فرمایا: اور جو شخص دیدے جولاہے کو سوت تاکہ وہ بن لے اس کو نصف پر، تو اس کے لیے اجرتِ مثل ہوگی، اور اسی طرح جب کرایہ پر لے گدھا

يَحْمِلُ طَعَامًا بِقَفِيزٍ مِنْهُ فَالْإِجَارَةُ فَاسِدَةٌ ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَ الْأَجْرَ بَعْضَ مَا يَخْرُجُ

جس پر طعام لادے گا ایک قفیز کے عوض طعام میں سے، تو اجارہ فاسد ہے؛ کیونکہ اس نے قرار دی اجرت اس چیز کا جزء جو حاصل ہوتی ہے

مِنْ عَمَلِهِ فَيَصِيرُ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ ، وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ ، وَهُوَ أَنْ يَسْتَأْجِرَ ثَوْرًا

اس کے عمل سے پس یہ ہو جائے قفیز طحان کے معنی میں، حالانکہ منع فرمایا ہے حضور ﷺ نے اس سے، اور وہ یہ ہے کہ کرایہ پر لے ایک بیل

لِيَطْحَنَ لَهُ حِنْطَةً بِقَفِيزٍ مِنْ دَقِيقِهِ .{2}وَهَذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ يُعْرَفُ بِهِ فَسَادُ

تاکہ پیس دے اس کے لیے گندم اسی کے آٹے کے ایک قفیز کے عوض، اور یہ ایک بہت بڑی اصل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے فساد

كَثِيرٍ مِنَ الْإِجَارَاتِ ،لَاسِيَّمَا فِي دِيَارِنَا ،وَالْمَعْنَى فِيهِ أَنَّ الْمُسْتَأْجِرَ عَاجِزٌ عَنْ تَسْلِيمِ الْأَجْرِ وَهُوَ بَعْضُ الْمَنْسُوجِ

بہت سارے اجارات کا، خاص کر ہمارے شہروں میں۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ مستاجر عاجز ہے اجرت سپرد کرنے سے، اور وہ بنے ہوئے کپڑے

أَوِ الْمَحْمُولِ .إِذْ حُصُولُهُ بِفِعْلِ الْأَجِيرِ فَلَا يُعَدُّ هُوَ قَادِرًا بِقُدْرَةِ غَيْرِهِ ،{3}وَهَذَا

یالادے ہوئے کا جزء ہے اور اس کا حصول مزدور کے فعل سے ہوتا ہے، پس وہ شمار نہیں کیا جائے گا قادر غیر کی قدرت کی وجہ سے، اور یہ

بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتَأْجَرَهُ لِيَحْمِلَ نِصْفَ طَعَامِهِ بِالنِّصْفِ الْآخَرِ حَيْثُ لَا يَجِبُ لَهُ الْأَجْرُ؛

بر خلاف اس کے ہے کہ اجارہ پر لے اس کو تاکہ اٹھائے اس غلہ کا نصف دوسرے نصف کے عوض کہ واجب نہ ہوگی اس کے لیے اجرت؛

لِأَنَّ الْمُسْتَأْجِرَ مَلَكَ الْأَجِيرَ فِي الْحَالِ بِالتَّعْجِيلِ فَصَارَ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا .وَمَنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِحَمْلِ طَعَامٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا

کیونکہ مستاجر نے مالک کر دیا اجرت کا فی الحال پیشگی، پس ہو گیا مشترک دونوں کے درمیان، اور جو شخص اجارہ پر ایک شخص دونوں میں مشترک طعام کے اٹھانے کے لیے

لَا يَجِبُ الْأَجْرُ لِأَنَّ مَا مِنْ جُزْءٍ يَحْمِلُهُ إِلَّا وَهُوَ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ فِيهِ فَلَا يَتَحَقَّقُ تَسْلِيمُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ

تو واجب نہ ہوگی اجرت؛ کیونکہ کوئی جزء نہیں جس کو وہ اٹھاتا ہے مگر وہ عامل ہے اپنے لیے اس میں، پس متحقق نہ ہوگی سپردگی معقود علیہ کی۔

{4}قَالَ :وَلَا يُجَاوِزُ بِالْأَجْرِ قَفِيزًا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا فَسَدَتِ الْإِجَارَةُ فَالْوَاجِبُ الْأَقَلُّ مَا سَمَّى وَمِنْ أَجْرِ الْمِثْلِ ؛ لِأَنَّهُ

اور نہیں بڑھائی جائے گی اجرت قفیز سے؛ کیونکہ جب اجارہ فاسد ہوا تو واجب اقل ہوگا اجرتِ مسمّٰی اور اجرتِ مثل میں سے؛ کیونکہ موجر

رَضِيَ بِحَطِّ الزِّيَادَةِ ،{5}وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَكَا فِي الِاحْتِطَابِ حَيْثُ يَجِبُ الْأَجْرُ

راضی ہو گیا ہے زیادتی گھٹانے پر، اور یہ برخلاف اس کے ہے کہ جب وہ دونوں شریک ہو جائیں لکڑیاں چننے میں کہ واجب ہو گی اجرت

بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّ الْمُسَمَّى هُنَاكَ غَيْرُ مَعْلُومٍ فَلَمْ يَصِحَّ الْحَطُّ . {6} قَالَ : وَمَنْ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا

جہاں تک بھی پہنچے امام محمدؒ کے نزدیک؛ کیونکہ مسمّٰی یہاں معلوم نہیں ہے، پس صحیح نہ ہوا گھٹانا۔ فرمایا: اور جو شخص اجارہ پر لے کسی آدمی کو

لِيَخْبِزَ لَهُ هَذِهِ الْعَشَرَةَ الْمَخَاتِيمَ مِنْ الدَّقِيقِ الْيَوْمَ بِدِرْهَمٍ فَهُوَ فَاسِدٌ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ

تاکہ پکائے اس کے لیے یہ دس صاع آٹا آج کے دن ایک درہم کے عوض، تو یہ فاسد ہے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا

أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ فِي الْإِجَارَاتِ: هُوَ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّهُ يُجْعَلُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَمَلًا وَيُجْعَلُ ذِكْرُ الْوَقْتِ لِلِاسْتِعْجَالِ

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اجارات میں: کہ یہ جائز ہے کیونکہ ٹھہرایا جائے گا معقود علیہ عمل کو، اور قرار دیا جائے گا ذکرِ وقت جلدی کی غرض سے

تَصْحِيحًا لِلْعَقْدِ فَتَرْتَفِعُ الْجَهَالَةُ . {7} وَلَهُ أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ مَجْهُولٌ لِأَنَّ ذِكْرَ الْوَقْتِ يُوجِبُ

صحیح کرتے ہوئے عقد کو، پس دور ہو جائے گی جہالت۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے؛ کیونکہ ذکرِ وقت واجب کرتا ہے

كَوْنَ الْمَنْفَعَةِ مَعْقُودًا عَلَيْهَا وَذِكْرَ الْعَمَلِ يُوجِبُ كَوْنَهُ مَعْقُودًا عَلَيْهِ وَلَا تَرْجِيحَ ، وَنَفْعُ الْمُسْتَأْجِرِ فِي الثَّانِي

منفعت کے معقود علیہ ہونے کو، اور ذکرِ عمل واجب کرتا ہے عمل کے معقود علیہ ہونے کو، اور کوئی وجہ ترجیح نہیں، اور مستاجر کا نفع ثانی میں ہے

وَنَفْعُ الْأَجِيرِ فِي الْأَوَّلِ فَيُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ . {8} وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَصِحُّ الْإِجَارَةُ إذَا قَالَ : فِي الْيَوْمِ ،

اور اجیر کا نفع اول میں ہے، پس یہ مفضی ہو گا جھگڑے کو، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ صحیح ہو گا اجارہ جب وہ کہے "فِي الْيَوْمِ"

وَقَدْ سَمَّى عَمَلًا ؛ لِأَنَّهُ لِلظَّرْفِ فَكَانَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ الْعَمَلَ ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ الْيَوْمَ وَقَدْ مَرَّ مِثْلُهُ فِي الطَّلَاقِ .

اور بیان کر دیا ہو عمل؛ کیونکہ فی ظرف کے لیے ہے، پس ہو گا معقود علیہ عمل، برخلاف اس کے قول "الْيَوْمَ" کے، اور گزر چکا اس کا مثل طلاق میں۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے ایک جولاہے کو سوت دیا تاکہ وہ اس کو آدھے کے عوض بُن دے یعنی بُنائی میں آدھا کپڑا جو بُن کر تیار ہو قرار دیا تو یہ اجارہ فاسد ہے لہٰذا جولاہے کو اس کی اجرتِ مثل ملے گی۔ اسی طرح اگر ایک گدھا اس لیے اجارہ پر لیا تاکہ اس پر طعام لادے جس کی اجرت اس طعام میں سے ایک قفیز ہو گی تو یہ اجارہ فاسد ہے؛ کیونکہ جو چیز اس کے کام سے حاصل ہوئی اس کا ایک جزو اس نے بطورِ اجرت ٹھہرایا تو یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہو گیا حالانکہ حضور ﷺ نے قفیز الطحان سے منع فرمایا ہے[1]۔ قفیز الطحان کی

(1) أخرج الدارقطني، ثم البيهقي في سننيهما في كتاب البيوع عن عبيد الله بن موسى ثنا سفيان عن هشام أبي كليب عن عبد الرحمن بن أبي نعم البجلي عن أبي سعيد الخدري، قال: نهي عن عسب الفحل، وعن قفيز الطحان، انتهى. (نصب الراية: 333/4)

صورت یہ ہے کہ ایک بیل اس لیے اجارہ پر لے تاکہ اس سے چکی چلا کر گندم پیس دے اور اس سے جو آٹا حاصل ہو اس میں سے ایک قفیز بیل کے مالک کو اجرت دے تو اس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

{2} اور یہ قفیز الطحان (اپنے عمل میں سے اجرت لینا) ایک اصل کبیر ہے جس سے بہت سے اجارات کا فاسد ہونا معلوم ہو جاتا ہے خصوصاً ہمارے دیار فرغانہ، مرغینان وغیرہ میں اس کے ذریعہ اکثر اجارات کا فاسد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے عدم جواز کی فقہی وجہ یہ ہے کہ مستاجر عقدِ اجارہ کے وقت اجرت دینے سے عاجز ہے؛ کیونکہ کپڑا بننے کے مسئلہ میں اجرت بنے ہوئے کپڑے کا ایک حصہ ہے جو اب تک تیار نہیں ہے، اور گدھا بوجھ لادنے کے لیے کرایہ پر لینے کی صورت میں اجرت اس بوجھ کا ایک حصہ ہے جو لایا جائے گا اور وہ اب تک نہیں لایا گیا ہے تو چونکہ ان دونوں صورتوں میں اجرت اجیر کے فعل سے حاصل ہوگی اور اجیر کے کپڑا بننے یا بوجھ لادنے پر قادر ہونے سے مستاجر قادر شمار نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ اجارہ صحیح نہیں ہے۔

{3} اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ اگر قلی کو اس طرح اجارہ پر لیا کہ "اس اناج کا آدھا بعوض دوسرے آدھے کے اٹھا کر فلاں مقام تک پہنچا دو" کہ اس صورت میں اس کے لیے نہ اجرتِ مسمّٰی واجب ہوگی اور نہ اجرتِ مثل؛ کیونکہ مستاجر نے فی الحال اس کو آدھے اناج کا پیشگی اجرت کے طور پر مالک کر دیا تو یہ اناج ان دونوں میں مشترک ہو گیا اور جو شخص اپنے شریک کو مشترک طعام اٹھانے کے لیے اجارہ پر لے تو اس کے لیے اجرت واجب نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ جو بھی جزء لادلائے گا تو اس میں اس کا حصہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ذات کے لیے بھی عامل ہوگا پس اس نے مستاجر کو معقود علیہ سپرد نہیں کیا اس لیے اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

{4} لیکن گدھا بوجھ لادنے کے لیے کرایہ پر لینے کی صورت میں اجرتِ مثل مقررہ ایک قفیز سے زیادہ نہیں دی جائے گی یعنی جو کچھ اجرتِ مثل واجب ہو وہ اگر ایک قفیز سے کم ہو یا ایک قفیز ہو تو یہی دیا جائے گا اور اگر ایک قفیز سے زیادہ ہو تو زیادتی نہیں دی جائے گی؛ کیونکہ جب اجارہ فاسد ٹھہرا تو بیان کی ہوئی اجرت اور اجرتِ مثل میں سے جو کم ہو وہی واجب ہوتی ہے؛ کیونکہ گدھے کا مالک ایک قفیز سے زائد مقدار کو گھٹانے پر خود ہی راضی ہو گیا؛ کیونکہ وہ ایک قفیز پر راضی ہوا اس لیے اجرتِ مثل ایک قفیز سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔

{5} اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ دو شخصوں نے لکڑیاں لانے میں نصف پر شرکت کی پھر ایک شخص نے جنگل میں لکڑیاں حاصل کیں اور دوسرے نے اسے جمع کر دیئے تو جس نے لکڑیاں حاصل کیں وہی مالک ہوگا اور جس نے جمع کیا اس کو صرف اُجرتِ مثل ملے گی لیکن یہ اجرت چاہے جس قدر ہو پوری ملے گی یہ امام محمدؒ کا قول ہے؛ کیونکہ یہاں مسمّٰی (نصف لکڑیاں)

معلوم نہیں ہے لہذا گھٹانا صحیح نہیں ہوا پس اجرتِ مثل جس قدر ہو سب واجب ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ وہ شرکت کی وجہ سے نصف لکڑیوں پر راضی ہو گیا تھا تو اجرتِ مثل ان لکڑیوں کی آدھی قیمت سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔

لغت: "یَجِبُ الْأَجْرُ بَالِغًا مَا بَلَغَ" میں "بَالِغًا" منصوب ہے "أَجْرُ" سے حال ہونے کی بناء پر اور "مَا" موصلہ ہے یا موصوفہ ہے محل نصب میں ہے "بَالِغًا" کے لیے مفعول ہونے کی بناء پر، اور "بَلَغَ" صلہ ہے "مَا" کے لیے یا صفت ہے۔

{6} اگر ایک شخص نے دوسرے کو اس لیے اجرت پر لیا کہ وہ دس صاع آٹا آج کے دن ایک درہم کے عوض پکائے گا تو یہ اجارہ فاسد ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے مبسوط کی "کتاب الاجارات" میں کہا ہے کہ یہ اجارہ جائز ہے؛ کیونکہ اس عقد کو صحیح کرنے کے لیے پکانے کے عمل کو معقود علیہ ٹھہرایا جائے گا اور وقت (آج کے دن) کا بیان فقط اس عمل کو جلدی کرنے کے لیے ہوگا کہ یہ کام آج ہی کے دن کر لو یہ اس لیے تاکہ عقد صحیح ہو یوں کہ اس میں جہالت دور ہو جائے گی یعنی یہ ابہام نہیں رہے گا کہ کام معقود علیہ ہے یا وقت معقود علیہ ہے اس لیے یہ عقد صحیح ہے۔

{7} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے اس لیے کہ وقت کے بیان سے لازم آتا ہے کہ اجیر کی منفعت معقود علیہ ہو یعنی اجیر اتنے وقت تک اپنے آپ کو سپرد کر دے، اور کام کے ذکر سے لازم آتا ہے کہ کام ہی معقود علیہ ہو یعنی جب یہ کام ادا کر دے تو اجرت کا مستحق ہوگا، وقت اور کام دونوں کے مذکور ہونے سے کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے اور مستاجر کا نفع ثانی (عمل معقود علیہ ہونے) میں ہے اور اجیر کا نفع اول (وقت کے اندر منفعت معقود علیہ ہونے) میں ہے اس طرح یہ عقد عاقدین کے جھگڑے کا مفضی ہوگا؛ کیونکہ جب دن گذر جائے تو نانبائی اپنی پوری اجرت طلب کرے گا اگرچہ دس صاع آٹا پکانے کا کام پورا نہ ہوا ہو، اور مستاجر اس کام کو معقود علیہ ٹھہرا کر بغیر کام پورا ہوئے اجرت دینے سے انکار کرے گا تو دونوں میں جھگڑا ہوگا اس لیے یہ عقد فاسد ہے۔

{8} اور امام صاحبؒ سے ایک روایت ہے کہ اجارہ صحیح ہے جبکہ اس نے یوں کہا ہو کہ "آج کے دن میں" اور کام بیان کر دیا ہو؛ کیونکہ لفظِ "فِی" ظرف زمان کے لیے ہوگا مدت کے لیے نہ ہوگا تو معقود علیہ صرف عمل ہی رہ گیا وقت معقود علیہ نہ ہوگا پس معقود علیہ میں جہالت نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ صحیح ہے۔ اس کے برخلاف اگر مستاجر نے کہا کہ "آج کے دن" یعنی لفظِ "فِی" کے بغیر کہا تو اس صورت میں یہ مدت کے لیے اور پورے ظرف کو شامل ہوگا اس لیے یہ معقود علیہ ہو سکتا ہے جس سے معقود علیہ میں جہالت پیدا ہوگی جس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے گا، اور اس کا مثل "کتاب الطلاق" کی "فصل اضافة الطلاق الی الزمان"

میں گذر چکا ہے جہاں کہا تھا کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "تو طلاق والی ہے کل کے دن میں" یا کہا "تو طلاق والی ہے کل کے دن" اور ان دونوں صورتوں کا حکم وہاں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

فتوی:۔ صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم :وجدت تفصیلاً لهذا البحث فی بعض المتون وحاصله ان هذا الخلاف مقید بقیود ،الاول ان یؤخر ذکر الاجرة فی العقد عن کل من العمل والوقت و یقدمها علیهما ،والثانی ان یکون العمل مبین المقدار معلوماً ،والثالث ان لایذکر الوقت بفی الظرفیة، والرابع و لاتذکر المدة علی وجه الاشتراط وظاهر کلام الزیلعی ترجیح قولهما فیؤخذ به انتهی شرح المجلة للاتاسی وغیره (هامش الهدایة: 304/3)

{1} قَالَ: وَمَنِ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا عَلَى أَنْ يَكْرُبَهَا وَيَزْرَعَهَا أَوْ يَسْقِيَهَا وَيَزْرَعَهَا فَهُوَ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ الزِّرَاعَةَ
فرمایا: اور جو شخص کرایہ پر لے زمین اس شرط پر کہ اس کو جوتے گا اور کاشت کرے گا، یا سینچے گا اور کاشت کرے گا، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ زراعت

مُسْتَحَقَّةٌ بِالْعَقْدِ، وَلَا تَتَأَتَّى الزِّرَاعَةُ إِلَّا بِالسَّقْيِ وَالْكِرَابِ. فَكَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُسْتَحَقًّا. وَكُلُّ شَرْطٍ هَذِهِ صِفَتُهُ
واجب ہوئی ہے عقد سے، اور زراعت نہیں ہو سکتی ہے مگر سینچنے اور جوتنے سے، پس ہر ایک دونوں میں سے مستحق ہوگا، اور ہر وہ شرط جس کی یہ صفت ہو

يَكُونُ مِنْ مُقْتَضَيَاتِ الْعَقْدِ فَذِكْرُهُ لَا يُوجِبُ الْفَسَادَ {2} فَإِنِ اشْتَرَطَ أَنْ يُثَنِّيَهَا أَوْ يَكْرِيَ
وہ ہوگی عقد کے مقتضیات میں سے، تو اس کا ذکر واجب نہیں کرتا ہے فساد کو، اور اگر یہ شرط کرلی کہ زمین کو دوبارہ بوئے گا یا کھودے گا

أَنْهَارَهَا أَوْ يُسَرْقِنَهَا فَهُوَ فَاسِدٌ ؛ لِأَنَّهُ يَبْقَى أَثَرُهُ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ ، وَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ مُقْتَضَيَاتِ الْعَقْدِ
اس کی نہریں یا کھاد ڈالے گا اس میں، تو یہ شرط فاسد ہے؛ کیونکہ اس کا اثر باقی رہتا ہے مدت گذرنے کے بعد، اور یہ عقد کے مقتضیات میں سے نہیں

وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ .وَمَا هَذَا حَالُهُ يُوجِبُ الْفَسَادَ ؛ لِأَنَّ مُؤْجِرَ الْأَرْضِ يَصِيرُ
اور اس میں فائدہ ہے احد المتعاقدین کا، اور جس کا یہ حال ہو وہ واجب کرتا ہے فساد کو، اور اس لیے کہ زمین اجرت پر دینے والا ہو جائے گا

مُسْتَأْجِرًا مَنَافِعَ الْأَجِيرِ عَلَى وَجْهٍ يَبْقَى بَعْدَ الْمُدَّةِ فَيَصِيرُ صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ مَنْهِيٌّ عَنْهَا
اجیر کے منافع کو اجرت پر اس طرح لینے والا کہ وہ باقی رہیں گے مدت کے بعد، اور یہ دو معاملے ہیں ایک میں حالانکہ یہ ممنوع ہے۔

{3} ثُمَّ قِيلَ : الْمُرَادُ بِالتَّثْنِيَةِ أَنْ يَرُدَّهَا مَكْرُوبَةً وَلَا شُبْهَةَ فِي فَسَادِهِ .وَقِيلَ أَنْ يَكْرُبَهَا مَرَّتَيْنِ
پھر کہا گیا کہ تثنیہ سے مراد یہ ہے کہ واپس کردے ہل چلائی ہوئی زمین، اور کوئی شبہ نہیں اس کے فساد میں، اور کہا گیا ہے کہ جوت لے زمین دوبار

وَهَذَا فِي مَوْضِعٍ تُخْرِجُ الْأَرْضُ الرِّيعَ بِالْكِرَابِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَالْمُدَّةُ سَنَةٌ وَاحِدَةٌ، وَإِنْ كَانَتْ ثَلَاثَ سِنِينَ لَا تَبْقَى
اور یہ ایسی جگہ میں ہے کہ زمین پیداوار اگاتی ہو ایک مرتبہ جوتنے سے، اور مدت ایک سال ہو، اور اگر تین سال ہو تو باقی نہیں رہتی

منفعتہ{4} وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِكَرْيِ الْأَنْهَارِ الْجَدَاوِلَ بَلِ الْمُرَادُ مِنْهَا الْأَنْهَارُ الْعِظَامُ هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّهُ تَبْقَى مَنْفَعَتُهُ

دوبارہ جوتنے کی منفعت، اور نہریں کھودنے سے مراد نالیاں نہیں ہیں بلکہ مراد اس سے بڑی نہریں ہیں، یہی صحیح ہے؛ کیونکہ باقی رہے گی اس کی منفعت

إِلَى الْعَامِ الْقَابِلِ .{5} قَالَ : وَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَزْرَعَهَا بِزِرَاعَةِ أَرْضٍ أُخْرَى فَلَا خَيْرَ فِيهِ

اگلے سال تک۔ فرمایا: اور اگر زمین اجارہ پر لی تاکہ اس میں کاشت کرے دوسری زمین کی کاشت کے عوض، تو کوئی خیر نہیں اس میں،

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : هُوَ جَائِزٌ ، وَعَلَى هَذَا إِجَارَةُ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى وَاللُّبْسِ بِاللُّبْسِ وَالرُّكُوبِ بِالرُّكُوبِ.

اور فرمایا امام شافعیؒ نے: کہ یہ جائز ہے، اور اسی اختلاف پر ہے رہائش کا اجارہ بعوض رہائش کے، اور پہننے کا بعوض پہننے کے، اور سواری کا بعوض سواری کے؛

{6} لِأَنَّ الْمَنَافِعَ بِمَنْزِلَةِ الْأَعْيَانِ حَتَّى جَازَتِ الْإِجَارَةُ بِأُجْرَةٍ دَيْنٍ وَلَا يَصِيرُ دَيْنًا بِدَيْنٍ ،{7} وَلَنَا أَنَّ

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافع بمنزلہ اعیان کے ہیں، حتی کہ جائز ہے اجارہ قرض اجرت پر، اور یہ نہ ہوگا دین بعوض دین۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ عِنْدَنَا فَصَارَ كَبَيْعِ الْقُوهِيِّ بِالْقُوهِيِّ نَسِيئَةً وَإِلَى هَذَا

کہ جنس تنہا حرام کر دیتی ہے ادھار کو ہمارے نزدیک، تو یہ ہو گیا کوہستانی کپڑے کو فروخت کرنا بعوض کوہستانی کپڑے کے ادھار، اور اسی کی طرف

أَشَارَ مُحَمَّدٌ ، وَلِأَنَّ الْإِجَارَةَ جُوِّزَتْ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِلْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ،

اشارہ کیا ہے امام محمدؒ نے، اور اس لیے کہ اجارہ جائز قرار دیا گیا ہے خلافِ قیاس حاجت کی وجہ سے، اور حاجت نہیں اتحادِ جنس کے وقت،

بِخِلَافِ مَا إِذَا اخْتَلَفَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ .

برخلاف اس کے جب مختلف ہو جنسِ منفعت۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص نے کوئی زمین اس شرط پر لی کہ وہ اس میں ہل چلائے گا اور زراعت کرے گا اور سینچے گا تو یہ اجارہ جائز ہے؛ کیونکہ عقدِ اجارہ سے زراعت واجب ہو گئی اور زراعت ہل چلانے اور سینچنے کے بغیر ممکن نہیں ہے پس ہل چلانا اور سینچنا بھی واجب ہوا اور ہر وہ شرط جس کی یہ صفت ہو کہ مقتضاءِ عقد کے موافق ہو یعنی عقد خود اس کو مقتضی ہو تو اس طرح کی شرط ذکر کرنے سے عقد کا فساد لازم نہیں آتا ہے اس لیے یہ عقد صحیح ہے۔

{2} اور اگر یہ شرط لگائی کہ زمین کو مکرر بوئے گا یا اس کی نہریں کھودے گا یعنی وہ نہر جس سے پانی آتا ہے اس کو کھودے گا یا زمین میں کھاد ڈالے تو یہ شرط فاسد ہے؛ وجہ یہ ہے کہ ان کاموں میں سے ہر ایک کا اثر مدتِ اجارہ گذر جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور یہ مقتضیاتِ عقد میں سے بھی نہیں ہیں اور ان شرطوں میں عاقدین میں سے ایک کے لیے منفعت ہے یعنی مالکِ زمین کا فائدہ ہے اور جس شرط کا حال یہ ہو کہ عقد اس کا تقاضا نہ کر رہا ہو اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ ہو تو ایسی شرط فسادِ

عقد کو واجب کرتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ زمین اجارہ پر دینے والا مالکِ زمین ایسے طور پر مستاجر کے منافع کو اجارہ پر لینے والا ہوگا کہ اس کی منفعت مدت کے بعد بھی باقی رہتی ہے تو یہ گویا ایک صفقہ میں دو صفقے ہو گئے یعنی ایک زمین اجارہ پر دینے کا معاملہ اور دوسرا مستاجر کے منافع کو اجارہ پر لینا، حالانکہ ایک معاملہ میں دو معاملے کرنا شرعاً ممنوع ہے اس لیے یہ عقد فاسد ہے۔

{3} پھر بعض مشائخ نے کہا ہے کہ "أَنْ يُثَنِّيَهَا" سے مراد یہ ہے کہ آخر میں زمین کے مالک کو ہل چلائی ہوئی زمین واپس کرے، اس شرط کے فاسد ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں؛ کیونکہ یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور اس میں ایک فریق یعنی زمین کے مالک کا فائدہ ہے اس لیے یہ شرط فاسد ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا یہ معنی ہے کہ دوبارہ ہل چلا کر زراعت کرے، اس صورت میں فاسد ہونے کا حکم ایسے مقام میں ہوگا جہاں ایک ہی بار ہل چلانے سے پیداوار حاصل ہوتی ہو اور عقد اجارہ بھی ایک ہی سال کے لیے ہو تو یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور ہل چلانے کا اثر مدتِ زراعت کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس لیے یہ شرط فاسد ہے۔ اور اگر مدت اجارہ تین سال ہو تو پھر دوبار ہل چلانے کی منفعت باقی نہیں رہ سکتی اس لیے یہ شرط فاسد نہ ہوگی۔

{4} واضح رہے کہ نہریں کھودنے سے نالیاں مراد نہیں ہیں بلکہ بڑی نہریں مراد ہیں اور یہی صحیح ہے؛ کیونکہ ان کے کھودنے کی منفعت آئندہ سال تک رہتی ہے اس لیے یہ شرط فاسد ہے۔ اور صاحبِ محیط نے کہا کہ مختار یہ کہ نالیاں مراد ہیں، لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ فساد نہیں؛ کیونکہ اس کی منفعت مدتِ اجارہ کے بعد باقی نہیں رہ سکتی ہے، لہذا مصنفؒ نے اس کی تصحیح کی کہ بڑی نہریں مراد ہیں؛ کیونکہ ان کو کھودنے کی منفعت سال آئندہ تک باقی رہ سکتی ہے اس لیے یہ شرط فاسد ہے، لیکن ان میں بھی اگر اجارہ دو یا تین سال کے لیے ہو تو یہ شرط فاسد نہیں ہونی چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

{5} اگر زراعت کے لیے کوئی زمین دوسری زمین کی زراعت کے عوض اجارہ پر لی تو اس میں بہتری نہیں ہے یعنی یہ جائز نہیں ہے مثلاً زید نے بکر کی زمین زراعت کے لیے اس شرط پر اجارہ پر لی کہ اس کے عوض زید کی زمین بکر زراعت کے لیے لے تو یہ جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے، اسی طرح اگر ایک مکان کی سکونت کو دوسرے مکان کی سکونت کے عوض اجارہ پر لیا، یا ایک لباس پہننے کو دوسرے لباس پہننے کے عوض اجارہ پر لیا، یا ایک جانور کی سواری کو دوسرے جانور کی سواری کے عوض اجارہ پر لیا تو ان صورتوں میں بھی یہی اختلاف ہے۔

{6} امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافع بمنزلۂ اعیان ہیں اور اعیان کی بیع اپنی جنس کے عوض جائز ہے حتی کہ اجارہ اس اجرت پر جائز ہے جو اجرت مواجر پر قرض ہو یعنی اگر منافع بمنزلۂ اعیان نہ ہوتے بلکہ دَین ہوتے تو یہ اجارہ قرض اجرت پر دَین بعوض

دَین ہوتا حالانکہ دَین بعوضِ دَین جائز نہیں، تو جب اجارہ قرض اجرت پر جائز ہے تو منافع بمنزلہ اعیان ہیں اس لیے قرض اجرت پر اجارہ منع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

{7} ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر جنسیت فقط موجود ہو تو ہمارے نزدیک ادھار حرام ہو جاتا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کوہستانی کپڑا (ایک علاقہ کی طرف منسوب کپڑا ہے) بعوضِ کوہستانی کپڑے کے ادھار فروخت کرنا جو کہ حرام ہے، اور اسی طریقہ پر اس حرمت کی جانب امام محمدؒ نے بھی ایک سائل کے سوال کے جواب میں اشارہ کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اجارہ تو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے قیاس کے برخلاف جائز رکھا گیا ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا اور زراعتِ زمین بعوضِ زراعتِ زمین کی صورت میں جنس ایک ہونے کی وجہ سے کوئی حاجت نہیں اس لیے جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر جنسِ منفعت مختلف ہو مثلاً جانور کی سواری کو لباس پہنے کے عوض اجارہ پر لیا تو اس صورت میں ہر ایک عاقد کو دوسرے کی منفعت کی حاجت پائی جاتی ہے اس لیے جائز ہے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا كَانَ الطَّعَامُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَاسْتَأْجَرَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ حِمَارَ صَاحِبِهِ عَلَى أَنْ

فرمایا: اور اگر غلہ دو آدمیوں میں مشترک ہو، پس اجارہ پر لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو، یا اپنے ساتھی کے گدھے کو اس شرط پر کہ

يَحْمِلَ نَصِيبَهُ فَحَمَلَ الطَّعَامَ كُلَّهُ فَلَا أَجْرَ لَهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَهُ الْمُسَمَّى؛

اٹھائے گا اس کے حصہ کو، پس اس نے اٹھایا سارا غلہ، تو اجرت نہ ہو گی اُن کے لیے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ اس کے لیے مسمّٰی ہے؛

لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ عَيْنٌ عِنْدَهُ وَبَيْعُ الْعَيْنِ شَائِعًا جَائِزٌ ، وَصَارَ كَمَا إذَا اسْتَأْجَرَ دَارًا مُشْتَرَكَةً بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ

کیونکہ منفعت عین ہے ان کے نزدیک، اور عین غیر مقسوم کی بیع جائز ہے، پس ہو گیا جیسا کہ جب اجارہ پر لے اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک مکان کو

لِيَضَعَ فِيهَا الطَّعَامَ أَوْ عَبْدًا مُشْتَرَكًا لِيَخِيطَ لَهُ الثِّيَابَ {2} وَلَنَا أَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ لِعَمَلٍ

تاکہ رکھے اس میں غلہ یا مشترک غلام کو تاکہ سی لے مستاجر کے لیے کپڑے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے اجارہ پر لیا اس کو ایسے عمل کے لیے

لَا وُجُودَ لَهُ؛ لِأَنَّ الْحَمْلَ فِعْلٌ حِسِّيٌّ لَا يُتَصَوَّرُ فِي الشَّائِعِ ،بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ حُكْمِيٌّ ، وَإِذَا لَمْ يُتَصَوَّرْ

جس کے لیے وجود نہیں؛ کیونکہ حمل حسی فعل ہے جو متصور نہیں غیر مقسوم میں، برخلاف بیع کے؛ کیونکہ وہ تصرفِ حکمی ہے اور جب متصور نہ ہو

تَسْلِيمُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ لَا يَجِبُ الْأَجْرُ ، وَلِأَنَّ مَا مِنْ جُزْءٍ يَحْمِلُهُ إلَّا وَهُوَ شَرِيكٌ فِيهِ فَيَكُونُ عَامِلًا

سپرد کرنا معقود علیہ کا تو واجب نہ ہو گی اجرت، اور اس لیے کہ کوئی ایسا جزء نہیں جس کو وہ اٹھائے گا مگر وہ شریک ہے اس میں، پس وہ عمل کرنے والا ہو گا

لِنَفْسِهِ فَلَا يَتَحَقَّقُ التَّسْلِيمُ {3} بِخِلَافِ الدَّارِ الْمُشْتَرَكَةِ ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ هُنَالِكَ الْمَنَافِعُ وَيَتَحَقَّقُ تَسْلِيمُهَا

اپنے لیے، پس متحقق نہ ہو گا سپرد کرنا، برخلافِ مشترکہ مکان کے؛ کیونکہ معقود علیہ وہاں منافع ہیں، اور متحقق ہوتا ہے منافع سپرد کرنا

بِدُونِ وَضْعِ الطَّعَامِ ، وَبِخِلَافِ الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ إِنَّمَا هُوَ مِلْكُ نَصِيبِ صَاحِبِهِ وَأَنَّهُ أَمْرٌ حُكْمِ

بغیر غلہ رکھنے کے، اور برخلاف غلام کے؛ کیونکہ معقود علیہ صرف دوسرے کے حصہ کے منافع کی ملک ہے، اور ملک امر حکمی ہے

يُمْكِنُ إِيقَاعُهُ فِي الشَّائِعِ .{4} وَمَنْ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ يَزْرَعُهَا أَوْ أَيَّ شَيْءٍ يَزْرَعُهَا

جو ممکن ہے اس کو واقع کرنا غیر مقسوم میں۔ اور جو شخص کرایہ پر لے زمین، اور بیان نہ کرے کہ اس میں کاشت کرے گا، یا کس چیز کی کاشت کرے گا

فَالْإِجَارَةُ فَاسِدَةٌ ، لِأَنَّ الْأَرْضَ تُسْتَأْجَرُ لِلزِّرَاعَةِ وَلِغَيْرِهَا ، وَكَذَا مَا يُزْرَعُ فِيهَا

تو یہ اجارہ فاسد ہے؛ اس لیے کہ زمین اجارہ پر لی جاتی ہے کاشت کے لیے اور غیر کاشت کے لیے، اور اسی طرح جو چیز اس میں بوئی جاتی ہے

مُخْتَلِفٌ ، فَمِنْهُ مَا يَضُرُّ بِالْأَرْضِ وَمَا لَا يَضُرُّ بِهَا غَيْرُهُ ، فَلَمْ يَكُنِ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ مَعْلُومًا

وہ مختلف ہوتی ہے، بعض وہ جو مضر ہیں زمین کے لیے، اور بعض وہ جو مضر نہیں زمین کے لیے ان کے علاوہ ہیں پس نہ ہوگا معقود علیہ معلوم

{5} فَإِنْ زَرَعَهَا وَمَضَى الْأَجَلُ فَلَهُ الْمُسَمَّى ؛ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَفِي الْقِيَاسِ : لَا يَجُوزُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ

پھر اگر زمین کاشت کرلی اور میعاد گذر گئی تو اس کے لیے اجر مسمّٰی ہوگا، اور یہ استحسان ہے، اور قیاس میں جائز نہیں، اور یہ امام زفرؒ کا قول ہے؛

لِأَنَّهُ وَقَعَ فَاسِدًا فَلَا يَنْقَلِبُ جَائِزًا .وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْجَهَالَةَ ارْتَفَعَتْ قَبْلَ تَمَامِ الْعَقْدِ فَيَنْقَلِبُ جَائِزًا

کیونکہ عقد فاسد واقع ہوا تو لوٹ کر جائز نہ ہوگا، وجہ استحسان یہ ہے کہ جہالت رفع ہوگئی عقد تام ہونے سے پہلے، پس لوٹ کر جائز ہوجائے گا،

كَمَا إِذَا ارْتَفَعَتْ فِي حَالَةِ الْعَقْدِ ، وَصَارَ كَمَا إِذَا أَسْقَطَ الْأَجَلَ الْمَجْهُولَ قَبْلَ مُضِيِّ

جیسا کہ جب رفع ہوجائے حالتِ عقد میں، اور ہوگیا جیسا کہ جب ساقط کردے میعادِ مجہول کو گذرنے سے پہلے، اور جیسا کہ ساقط کردے

وَالْخِيَارَ الزَّائِدَ فِي الْمُدَّةِ .{6} وَمَنْ اسْتَأْجَرَ حِمَارًا إلَى بَغْدَادَ بِدِرْهَمٍ وَلَمْ يُسَمِّ مَا يَحْمِلُ عَلَيْهِ

خیارِ زائد مدت کے اندر۔ اور جو شخص اجارہ پر لے گدھے کو بغداد تک ایک درہم کے عوض، اور بیان نہ کرے وہ چیز جو اس پر لادے گا،

فَحَمَلَ مَا يَحْمِلُ النَّاسُ فَنَفَقَ فِي نِصْفِ الطَّرِيقِ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ ، لِأَنَّ الْعَيْنَ الْمُسْتَأْجَرَةَ أَمَانَةٌ

پھر وہ چیز لادی جو لوگ لادا کرتے ہیں، پھر گدھا ہلاک ہوا راستے میں، تو ضمان نہ ہوگا اس پر؛ کیونکہ اجارہ پر لیا ہوا عین امانت ہوتا ہے

فِي يَدِ الْمُسْتَأْجِرِ ،وَإِنْ كَانَتِ الْأُجْرَةُ فَاسِدَةً{7} فَإِنْ بَلَغَ بَغْدَادَ فَلَهُ الْأَجْرُ الْمُسَمَّى اسْتِحْسَانًا ،عَلَى مَا ذَكَرْنَا

مستاجر کے ہاتھ میں اگرچہ اجارہ فاسد ہو، پھر اگر پہنچا دیا بغداد تک تو اس کے لیے اجرتِ مسمّٰی ہوگی استحساناً جیسا کہ ہم ذکر کرچکے

فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى ،وَإِنِ اخْتَصَمَا قَبْلَ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهِ وَفِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى قَبْلَ أَنْ يَزْرَعَ ، نُقِضَتِ الْإِجَارَةُ

پہلے مسئلہ میں، اور اگر دونوں نے باہم جھگڑا کیا پہلے اس سے کہ بوجھ لادے اس پر، اور پہلے مسئلہ میں کاشت کرنے سے پہلے تو توڑ دیا جائے گا اجارہ

دَفعًا لِلفَسَادِ إِذِ الْفَسَادُ قَائِمٌ بَعدُ.

دفع کرتے ہوئے فساد کو؛ کیونکہ فساد قائم ہے ابھی تک۔

تشریح:۔ {1} اگر اناج دو شخصوں میں مشترک ہو پس ایک شریک نے دوسرے شریک کو یا دوسرے شریک کے گدھے کو اس لیے اجارہ پر لیا کہ اناج میں سے اس کا حصہ اٹھا کر فلاں مقام تک پہنچادے گا پس اس نے کل اناج اٹھا کر اس مقام تک پہنچادیا تو اس کے لیے کچھ اجرت نہ ہوگی یعنی اجرتِ مسمّٰی یا اجرتِ مثل میں سے کچھ نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اجرت مسمّٰی ملے گی؛ کیونکہ منفعت ان کے نزدیک بمنزلۂ عین کے ہے حالانکہ مالِ عین غیر مقسوم کا بیچنا جائز ہے تو غیر مقسوم منفعت کا اجارہ بھی صحیح ہوگا پس یہ ایسا ہوگیا جیسے اناج رکھنے کے لیے ایسا مکان کرایہ پر لیا جو مستاجر اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو تو اجرت واجب ہوگی، یا مستاجر کا کپڑا سینے کے لیے ایسا غلام اجارہ پر لیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک ہو تو اجرت واجب ہوتی ہے۔

{2} ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے شریک یا اس کے گدھے کو ایسے کام کے لیے اجارہ پر لیا جو الگ موجود نہیں ہے اور جو موجود نہ ہو اس کو سپرد کرنا بھی متصور نہیں؛ کیونکہ اناج اٹھانا فعلِ حسی ہے حکمی نہیں ہے تو یہ غیر مقسوم چیز میں متصور نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اٹھانا معین چیز کا ہوتا ہے اور شائع چیز معین نہیں ہوتی ہے۔ باقی بیع پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ بیع ایک حکمی اور شرعی تصرف ہے اور حکمی تصرف غیر مقسوم میں بھی ہوسکتا ہے جیسے دو شریکوں میں سے ایک اپنے حصہ کو فروخت کردے تو یہ درست ہے لہٰذا حسی فعل کو حکمی تصرف پر قیاس کرنا درست نہیں، بہرحال جب مذکورہ صورت میں معقود علیہ سپرد کرنا متصور نہ ہوا تو اجرت واجب نہ ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں وہ جو بھی جزء منتقل کرے گا اس میں وہ خود بھی شریک ہوگا تو وہ اپنی ذات کے لیے عامل ہوگا اس لیے معقود علیہ سپرد کرنا متحقق نہ ہوگا اور جب معقود علیہ سپرد نہیں کیا تو اجرت بھی واجب نہ ہوگی۔

{3} باقی مشترک مکان اجارہ پر لینے کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہاں کرایہ واجب ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اس میں معقود علیہ مکان کے منافع ہیں اور ان کا سپرد کرنا اناج رکھنے کے بغیر ممکن ہے پس اناج رکھنے سے بدرجۂ اولیٰ ممکن ہے جبکہ مشترک اناج اٹھانے کے لیے اجارہ پر لینے میں معقود علیہ عمل ہے جو مشترک چیز میں اس کی سپردگی متحقق نہیں ہوسکتی ہے۔ اور مشترک غلام کو کپڑا سینے کے لیے اجارہ پر لینے پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہاں معقود علیہ صرف دوسرے کے حصہ کے منافع کی ملکیت ہے اور یہ ملکیت ایک امر حکمی ہے جو غیر مقسوم میں بھی واقع ہوسکتی ہے جیسے بیع میں اگر دو شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کردیا تو یہ درست ہے۔

{4} اگر کسی نے ایک زمین اجارہ پر لی اور یہ بیان نہیں کیا کہ میں اس میں زراعت کروں گا یا زراعت کو بیان کیا مگر یہ بیان نہ کیا کہ کیا چیز زراعت کروں گا تو اجارہ فاسد ہے؛ کیونکہ زمین کبھی زراعت کے لیے اجارہ پر لی جاتی ہے اور کبھی دوسرے کام کے لیے اجارہ پر لی جاتی ہے پس جنس مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔ اسی طرح جو چیزیں اس میں بوئی جاتی ہیں وہ بھی مختلف ہوتی ہیں یعنی ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو زمین کے لیے مضر ہوتی ہیں اور بعض چیزیں اتنی مضر نہیں ہوتی ہیں پس معقود علیہ معلوم نہ ہوا اس لیے یہ اجارہ درست نہیں ہے۔

{5} پھر اگر اجارہ کی مذکورہ صورت میں اس نے زمین کے اندر کسی چیز کی زراعت کر لی اور اس کے لیے مقررہ میعاد گزر گئی تو جو کچھ اجرت ٹھہری ہے استحساناً وہ واجب ہوگی اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ مذکورہ عقد فاسد واقع ہوا تھا تو بدل کر جائز نہ ہو جائے گا اس لیے اجرتِ مثل واجب ہوگی۔ وجہِ استحسان یہ ہے کہ مذکورہ عقد کی مدت پوری ہونے سے پہلے معقود علیہ کی جہالت دور ہوگئی یعنی معلوم ہو گیا کہ اس نے زمین زراعت کے لیے لی ہے اور جو چیز بوئی وہ بھی معلوم ہوگئی اور زمین کا مالک خاموش ہے یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو یہ عقد لوٹ کر جائز ہو جائے گا جیسے اگر عقد کی حالت میں جہالت دور ہوتی تو بالاتفاق عقد جائز ہو جاتا پس یہ ایسا ہے جیسے بیع میں مجہول میعاد گذرنے سے پہلے ساقط کر دی جائے تو عقد صحیح ہو جاتا ہے اور جیسے خیارِ شرط میں تین روز سے زائد مدت کو تین روز کے اندر ساقط کر دیا تو عقد جائز ہو جاتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی عقد لوٹ کر جائز ہو جائے گا۔

{6} اگر ایک شخص نے ایک گدھا بغداد تک ایک درہم کے عوض کرایہ پر لیا اور یہ نہیں بیان کیا کہ اس پر کیا لادے گا پھر اس نے وہ چیز لادی جو لوگ لادا کرتے ہیں پھر گدھا راستہ میں مر گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ جو چیز (گدھا) اجارہ پر لی گئی ہے وہ مستاجر کے پاس امانت ہے اگرچہ اجارہ فاسدہ ہو اور امانت بلا تعدی ہلاک ہونے سے ضمان واجب نہیں ہوتا ہے، البتہ اگر مستاجر مخالفت کرے تو وہ غاصب ہو کر ضامن ہو جاتا ہے اور یہاں اس نے لوگوں کی عادت کے مخالف کوئی چیز نہیں لادی ہے تو وہ غاصب نہیں ہو سکتا ہے۔

{7} پھر اگر اس نے بغداد تک پہنچا دیا تو اس کو استحساناً وہ اجرت ملے گی جو بیان ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے مسئلہ اول میں ذکر کیا کہ جہالت تمام عقد سے پہلے دور ہوگئی تو عقد لوٹ کر جائز ہو جائے گا۔ اور اگر موجر اور مستاجر نے اس مسئلہ میں بوجھ لادنے سے پہلے اور مسئلہ اول میں زراعت کرنے سے پہلے باہم جھگڑا کیا تو فساد دور کرنے کے لیے اجارہ توڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ فساد ابھی تک (گدھے پر بوجھ لادنے اور زمین میں زراعت کرنے سے پہلے تک) قائم ہے۔

## بَابُ ضَمَانِ الْأَجِيرِ

یہ باب اجیر کی ضمانت کے بیان میں ہے۔

اجیر سے مراد وہ شخص جس نے اپنے آپ کو کسی کام کے لیے اجارہ پر دیا ہو خواہ کام خدمت ہو جیسے نوکر ہوتے ہیں یا کوئی کاریگری ہو جیسے دھوبی اور درزی وغیرہ۔

مصنف" اجارہ کی صحیح اور فاسد انواع کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے ضمان کے مسائل کو بیان کر رہے جو ان عوارض میں سے ہے جو عقد اجارہ پر مرتب ہوتے ہیں چونکہ عوارض مؤخر ہوتے ہیں اس لیے ان کے احکام کو بھی مؤخر کر دیا۔

{1} قَالَ: الْأُجَرَاءُ عَلَى ضَرْبَيْنِ: أَجِيرٌ مُشْتَرَكٌ، وَأَجِيرٌ خَاصٌّ. فَالْمُشْتَرَكُ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ الْأُجْرَةَ حَتَّى يَعْمَلَ كَالصَّبَّاغِ
فرمایا: اور اجیر دو قسم پر ہیں، اجیر مشترک اور اجیر خاص، پس مشترک وہ ہے جو مستحق نہیں ہوتا ہے اجرت کا یہاں تک کہ کام کرے، جیسے رنگریز

وَالْقَصَّارِ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ إِذَا كَانَ هُوَ الْعَمَلُ أَوْ أَثَرُهُ كَانَ لَهُ أَنْ يَعْمَلَ لِلْعَامَّةِ؛ لِأَنَّ مَنَافِعَهُ
اور دھوبی؛ کیونکہ معقود علیہ جب عمل ہو یا اس کا اثر ہو، تو اجیر کو اختیار ہے کہ کام کرے عام لوگوں کے لیے؛ کیونکہ اس کے منافع

لَمْ تَصِرْ مُسْتَحَقَّةً لِوَاحِدٍ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يُسَمَّى مُشْتَرَكًا. {2} قَالَ: وَالْمَتَاعُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ فَإِنْ هَلَكَ
مستحق نہیں ہوئے ہیں کسی کے لیے، تو اسی وجہ سے اس کو مشترک کہتے ہیں۔ فرمایا: اور سامان امانت ہے اس کے ہاتھ، پس اگر ہلاک ہوا

لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ، وَيَضْمَنُهُ عِنْدَهُمَا إِلَّا مِنْ شَيْءٍ غَالِبٍ
تو ضامن نہ ہوگا کسی چیز کا امام صاحب" کے نزدیک، اور یہی قول ہے امام زفر کا، اور ضامن ہوگا صاحبین" کے نزدیک مگر غالب شئی سے

كَالْحَرِيقِ الْغَالِبِ وَالْعَدُوِّ الْمُكَابِرِ. {3} لَهُمَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا كَانَا يُضَمِّنَانِ
جیسے غالب آگ، اور معاند دشمن؛ صاحبین" کی دلیل وہ ہے جو مروی ہے حضرت عمر اور حضرت علی سے کہ یہ دونوں ضامن ٹھہراتے تھے

الْأَجِيرَ الْمُشْتَرَكَ؛ وَلِأَنَّ الْحِفْظَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ إِذْ لَا يُمْكِنُهُ الْعَمَلُ إِلَّا بِهِ، فَإِذَا هَلَكَ
اجیر مشترک کو، اور اس لیے کہ حفاظت واجب ہے اس پر؛ کیونکہ ممکن نہیں اس کو کام کرنا مگر حفاظت سے، پس جب ہلاک ہو جائے

بِسَبَبٍ يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ كَالْغَصْبِ وَالسَّرِقَةِ كَانَ التَّقْصِيرُ مِنْ جِهَتِهِ فَيَضْمَنُهُ كَالْوَدِيعَةِ إِذَا كَانَتْ بِأَجْرٍ،
ایسے سبب سے کہ ممکن ہو بچنا اس سے جیسے غصب اور سرقہ، تو کوتاہی اسی کی طرف سے ہے پس وہ ضامن ہوگا اس کا جیسے ودیعت جب اجرت پر ہو،

بِخِلَافِ مَا لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ كَالْمَوْتِ حَتْفَ أَنْفِهِ وَالْحَرِيقِ الْغَالِبِ وَغَيْرِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا تَقْصِيرَ مِنْ جِهَتِهِ {4} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ

برخلاف اس کے جس سے ممکن نہ ہو بچنا جیسے اپنی موت مرنا، اور غالب آگ وغیرہ؛ کیونکہ کوتاہی نہیں اس کی طرف سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْعَيْنَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ حَصَلَ بِإِذْنِهِ ، وَلِهَذَا لَوْ هَلَكَ بِسَبَبٍ

کہ عین امانت ہے اس کے ہاتھ میں؛ کیونکہ قبضہ حاصل ہوا ہے مستاجر کی اجازت سے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر ہلاک ہوا ایسے سبب سے

لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ لَمْ يَضْمَنْهُ ، وَلَوْ كَانَ مَضْمُونًا لَضَمِنَهُ كَمَا فِي الْمَغْصُوبِ ، وَالْحِفْظُ

جس سے بچنا ممکن نہ ہو، تو ضامن نہیں ہوتا اس کا، اور اگر مال مضمون ہوتا تو وہ ضامن ہوتا اس کا جیسا کہ مغصوب میں، اور حفاظت

مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ تَبَعًا لَا مَقْصُودًا وَلِهَذَا لَا يُقَابِلُهُ الْأَجْرُ ، بِخِلَافِ الْمُودَعِ بِأَجْرٍ ؛ لِأَنَّ الْحِفْظَ

واجب ہے اس پر تبعاً نہ کہ مقصوداً، اسی لیے اس کے مقابلے میں اجرت نہیں ہوتی، برخلاف مودَع بالاجرت کے؛ کیونکہ حفاظت

مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ مَقْصُودًا حَتَّى يُقَابِلَهُ الْأَجْرُ. {5} قَالَ : وَمَا تَلِفَ بِعَمَلِهِ ، كَتَخْرِيقِ الثَّوْبِ

واجب ہے اس پر مقصوداً حتی کہ اس کے مقابل ہوتی ہے اجرت۔ فرمایا: اور جو تلف ہو جائے اس کے عمل سے جیسے کپڑے کو پھاڑ دینا

مِنْ دَقِّهِ وَزَلَقِ الْحَمَّالِ وَانْقِطَاعِ الْحَبْلِ الَّذِي يَشُدُّ بِهِ الْمُكَارِي الْحِمْلَ وَغَرَقِ السَّفِينَةِ

کوٹنے سے، اور پھسل جانا بوجھ اٹھانے والے کا، اور ٹوٹ جانا اس رسی کا جس سے باندھتا ہے کرایہ پر دینے والا بوجھ، اور کشتی کا غرق ہو جانا

مِنْ مَدِّهِ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ . وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ أَمَرَهُ بِالْفِعْلِ مُطْلَقًا

کھینچنے سے، مضمون ہے اس پر، اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے: ضمان نہیں اس پر؛ کیونکہ مستاجر نے امر کیا ہے اس کو کام کرنے کا مطلقاً،

فَيَنْتَظِمُهُ بِنَوْعَيْهِ الْمَعِيبِ وَالسَّلِيمِ وَصَارَ كَأَجِيرِ الْوَحْدِ وَمُعِينِ الْقَصَّارِ.

پس یہ شامل ہوگا کام کی دونوں قسموں یعنی عیب دار کرنے والے اور درست رکھنے والے کو اور ہو گیا جیسے اجیر خاص اور دھوبی کا مددگار۔

{6} وَلَنَا أَنَّ الدَّاخِلَ تَحْتَ الْإِذْنِ مَا هُوَ الدَّاخِلُ تَحْتَ الْعَقْدِ وَهُوَ الْعَمَلُ الْمُصْلِحُ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْوَسِيلَةُ إلَى الْأَثَرِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اجازت کے تحت داخل وہی ہے جو عقد کے تحت داخل ہو، اور وہ درست کام ہے؛ کیونکہ وہی وسیلہ ہے حصولِ اثر کا،

وَهُوَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ حَقِيقَةً ، حَتَّى لَوْ حَصَلَ بِفِعْلِ الْغَيْرِ يَجِبُ الْأَجْرُ فَلَمْ يَكُنِ الْمُفْسِدُ مَأْذُونًا فِيهِ {7} بِخِلَافِ

اور وہی معقود علیہ ہے حقیقۃً؛ حتی کہ اگر وہ حاصل ہوا غیر کے فعل سے تو واجب ہوگی اجرت، پس نہ ہوگا عمل مفسد ماذون فیہ، برخلاف

الْمُعِينِ ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فَلَا يُمْكِنُ تَقْيِيدُهُ بِالْمُصْلِحِ ، لِأَنَّهُ يَمْتَنِعُ

دھوبی کے مددگار کے؛ کیونکہ وہ متبرع ہے، پس ممکن نہیں ہے اس کے کام کو مقید کرنا مصلح ہونے کے ساتھ؛ اس لیے کہ وہ باز رہے گا

عَنِ التَّبَرُّعِ ، وَفِيمَا نَحْنُ فِيهِ يَعْمَلُ بِالْأَجْرِ فَأَمْكَنَ تَقْيِيدُهُ . وَبِخِلَافِ أَجِيرِ الْوَحْدِ عَلَى مَا

تمام کرنے سے، اور مانحن فیہ میں وہ عمل کرتا ہے اجرت پر، پس ممکن ہے اس کو مقید کرنا، اور برخلاف اجیر خاص کے جیسا کہ

نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَانْقِطَاعُ الْحَبْلِ مِنْ قِلَّةِ اهْتِمَامِهِ فَكَانَ مِنْ صُنْعِهِ

ہم ذکر کریں گے اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ، اور ٹوٹ جانا رسی کا اس کے قلتِ اہتمام کی وجہ سے ہے، تو یہ اسی کی حرکت کا نتیجہ ہے۔

تشریح:۔ {1} اجیر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اجیر مشترک اور دوم اجیر خاص۔ پس اجیر مشترک وہ شخص ہے کہ معقد اجارہ اس کے عمل پر وارد ہو اور وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے جب تک کہ کام کو پورا نہ کر دے جیسے رنگریز اور دھوبی جب تک کہ کام کو پورا نہیں کریں گے اجرت کے مستحق نہ ہوں گے؛ کیونکہ اجارہ عقدِ معاوضہ ہے جو مساوات کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا کام پورا کیے بغیر اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ اور اس طرح کے اجیر کو اجیر مشترک اس لیے کہتے ہیں کہ اجارہ میں جب معقود علیہ کام ہو جیسے دھونا یا کام کا اثر ہو جیسے رنگ تو اجیر کو اختیار ہے کہ وہ تمام لوگوں کے لیے کام کرے؛ کیونکہ ایسے اجیر کے منافع کسی ایک شخص کے لیے مستحق نہیں ہوتے ہیں اسی لیے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔

{2} اجیر مشترک کو جو سامان دیا جاتا ہے وہ اس کے پاس امانت ہوتا ہے پس اگر وہ تلف ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ کسی شی کا ضامن نہ ہوگا اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ شخص ضامن ہوگا، البتہ اس صورت میں کہ کوئی عام آفت غالب آجائے جس کی وجہ سے وہ سامان تلف ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا جیسے عام طور پر آگ لگ گئی یا کوئی معاند دشمن غالب آیا تو اس صورت میں حفاظت واجب نہیں رہتی ہے لہٰذا اس کی طرف سے جنایت اور کوتاہی نہ ہونے کی وجہ سے ضمان واجب نہ ہوگا۔

{3} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ دونوں حضرات اجیر مشترک کو ضامن ٹھہراتے تھے[1] لہٰذا اجیر مشترک ضامن ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اجیر کے ذمہ حفاظت کرنا واجب ہے؛ کیونکہ حفاظت کے بغیر وہ کام نہیں کر سکتا ہے پس اگر ایسے سبب سے وہ تلف ہو جس سے احتراز ممکن ہے جیسے غصب اور چوری وغیرہ تو یہ اجیر کی جانب سے تقصیر ہوگی اس لیے اجیر ضامن ہوگا جیسے ودیعت اگر اجرت پر ہو یعنی مستودع کے لیے حفاظت کی اجرت ٹھہرائی گئی ہو تو ایسی صورت میں مستودع ضامن ہوتا ہے اسی طرح اجیر بھی ضامن ہوگا۔ البتہ اگر ایسے سبب کی وجہ سے ہلاک ہوا جس سے بچنا ممکن نہ ہو جیسے

---

[1] رَوَى الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ الشَّافِعِيِّ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي يَحْيَى عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَمِّنُ الصَّبَّاغَ وَالصَّائِغَ، وَقَالَ: لَا يُصْلِحُ لِلنَّاسِ إلَّا ذَلِكَ. انْتَهَى. وَأَخْرَجَ أَيْضًا عَنْ خِلَاسٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَمِّنُ الْأَجِيرَ، قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: الْأَوَّلُ فِيهِ انْقِطَاعٌ بَيْنَ أَبِي جَعْفَرٍ، وَعَلِيٍّ، وَالثَّانِي يُضَعِّفُهُ أَهْلُ الْحَدِيثِ، وَيَقُولُونَ: أَحَادِيثُ خِلَاسٍ عَنْ عَلِيٍّ مِنْ كِتَابٍ، قَالَ: وَرَوَاهُ جَابِرٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٌ الْجُعْفِيُّ ضَعِيفٌ، وَلَكِنْ إذَا ضُمَّتْ هَذِهِ الْمَرَاسِيلُ بَعْضُهَا إلَى بَعْضٍ قَوِيَتْ، انْتَهَى (نصب الراية: 4/ 136)

چرواہے کے پاس بکری اپنی موت مر گئی یا جیسے عام آگ لگ گئی یا عام ڈاکا پڑ گیا تو اس صورت میں اجیر ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ اجیر کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں پائی گئی ہے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجیر کے پاس مالِ عین امانت ہے؛ کیونکہ قبضہ مستاجر کی اجازت سے حاصل ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایسے سبب سے تلف ہوا جس سے احتراز ممکن نہ ہو تو وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر مال مذکور اس کے پاس مضمون ہوتا تو وہ ہر حال میں ضرور اس کا ضامن ہوتا جیسے مالِ مغصوب میں ہوتا ہے یعنی غاصب ہر حال میں ضامن ہوتا ہے۔ باقی یہ کہنا کہ اجیر کے ذمہ مال کی حفاظت واجب ہے تو یہ تبعاً واجب ہے قصداً اس پر واجب نہیں کی گئی ہے؛ کیونکہ اس پر عقد کا انعقاد نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ حفاظت کے مقابلہ میں کچھ اجرت نہیں ہے، برخلاف اس شخص کے جس کو اجرت پر ودیعت دی گئی ہے؛ کیونکہ حفاظت اس پر مقصوداً واجب ہے؛ کیونکہ عقد حفاظت ہی کے لیے ہوا ہے حتی کہ اس کی حفاظت کے مقابلہ میں اس کو اجرت دی جاتی ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قا ل المفتی غلام قادر النعمانی:القول الراجح هو قول ابی حنیفة،قال العلامة فخرالدین قاضیخان و المختار فی الأجیر المشترک قول ابی حنیفة وقیل هو قول محمد أیضاً،وقال العلامة داماد افندی :والمتاع فی یده امانة لایضمن أن هلک وان شرط ضمانه به ای بعدم الضمان یفتی وفی الخالیة.والفتوی علی قول الامام و فی المنح و قد جعل الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات وبه جزم اصحاب المتون وکان هو المذهب.........قال استاذنا المفتی غلام قادر النعمانی :قد صرح الماتن و الشارح یعنی صاحب الهدایة ان محل الخلاف هو ما یمکن الاحتراز عنه و اما فی صورة ما لایمکن الاحتراز عنه فهو علی الاتفاق یعنی لایضمن الاجیر المشترک مطلقاً؛لان ما فی یده امانة و اذا هلک الأمانة بدون استهلاک الامین فلا ضمان علی الامین انظر الی المتن و الشرح یقول الماتن ویضمنه عندهما الا من شئ غالب کالحریق الغالب والعدو المکابر و یقول الشارح بخلاف ما لایمکن الاحتراز منه کالموت حتف انفه والحریق الغالب وغیره لانه لقصیر من جهته ای فلم یکن متعدیاً فلا یضمن (القول الراجح :234/2)

{5} اور جو کچھ اجیر مشترک کے غیر مناسب عمل سے تلف ہوا جیسے دھوبی کے پٹخنے سے کپڑا پھٹ گیا، یا قلی کے پھسلنے سے کپڑا پھٹ گیا، یا جانور کرایہ کرنے والے نے جس رسی سے بوجھ باندھا تھا وہ رسی ٹوٹ گئی، یا ملاح کے کھینچنے سے کشتی غرق ہوگئی، تو ان سب صورتوں میں اجیر پر ضمان واجب ہوگا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ضمان نہیں ہے؛ کیونکہ سامان کے مالک نے اس کو مطلقاً کام کرنے کا حکم دیا تو یہ اجازت صحیح طرح سے کام کرنے اور عیب دار کر کے دونوں طرح کے کام کرنے کو شامل ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے اجیر خاص یا دھوبی کا مددگار یعنی ان دونوں پر ضمان نہیں ہے اگرچہ کام بگڑ جائے، حاصل یہ کہ

اجیر خاص پر ضمان نہ ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس کو مطلقاً اجازت ہے اسی طرح جب اجیر مشترک کو مطلقاً کام کی اجازت دی تو یہ اجازت عیب دار کام اور درست کام دونوں کو شامل ہوگی اس لیے وہ ضامن نہ ہوگا۔

{6} ہماری دلیل یہ ہے کہ اجازت کے تحت میں وہی چیز داخل ہے جو عقدِ اجارہ کے تحت میں داخل ہے اور وہ صرف ٹھیک کام ہے؛ کیونکہ اس کے فعل سے عین میں حاصل ہونے والے اثر کا وسیلہ ٹھیک کام ہی ہے مثلاً کپڑے میں دھونے یا رنگ کا اثر ٹھیک کام سے پیدا ہوتا ہے اور یہی اثر درحقیقت معقود علیہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر غیر کے فعل سے یہ اثر حاصل ہوا تو بھی اجرت واجب ہوگی مثلاً درزی یا رنگریز نے دوسرے سے سلایا یا رنگایا تو اجرت واجب ہوجاتی ہے بشرطیکہ بذاتِ خود کام کرنا مشروط نہ ہو پس معلوم ہوا کہ بگاڑ دینے والا کام اجازت کے تحت داخل نہیں ہے؛ کیونکہ ایسا کام معقود علیہ اثر کے لیے وسیلہ نہیں ہے۔

{7} باقی دھوبی کے مددگار کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ تبرع کرنے والا ہے اور متبرع کا کام ٹھیک ہونے کے ساتھ مقید نہیں ہوتا؛ کیونکہ درستی کی قید لگانے سے وہ تبرع کرنے سے باز رہے گا، اور جس مسئلہ میں ہمارا کلام ہے تو وہ چونکہ اجرت پر کام کرتا ہے اس لیے اس کے ذمہ درست کام کرنے کی قید لگانا ممکن ہے۔ اور اجیر خاص کا حکم بھی اجیر مشترک کے برخلاف ہے اور وہ جس وجہ سے ضامن نہیں ہوتا ہے اس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ باب کے آخر میں بیان کریں گے۔ واضح رہے کہ رسّی کے ٹوٹ جانے کی صورت میں اس لیے بوجھ لادنے والا ضامن ہوتا ہے کہ اس نے اہتمام میں کوتاہی کی ہے کہ رسی باندھنے میں مضبوطی سے کام نہیں لیا ہے تو یہ اسی کی حرکت کا نتیجہ ہے اس لیے ضامن ہوگا۔

{1}قَالَ : إلَّا أَنَّهُ لَا يَضْمَنُ بِهِ بَنِي آدَمَ مِمَّنْ غَرِقَ فِي السَّفِينَةِ أَوْ سَقَطَ مِنَ الدَّابَّةِ وَإِنْ كَانَ بِسَوْقِهِ وَقَوْدِهِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ ضَمَانُ الْآدَمِيِّ .وَأَنَّهُ لَا يَجِبُ بِالْعَقْدِ .وَإِنَّمَا يَجِبُ بِالْجِنَايَةِ وَلِهَذَا يَجِبُ عَلَى الْعَاقِلَةِ ، وَضَمَانُ الْعُقُودِ لَا تَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ .{2}قَالَ : وَإِذَا اسْتَأْجَرَ مَنْ يَحْمِلُ لَهُ دَنًّا مِنَ الْفُرَاتِ فَوَقَعَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ فَانْكَسَرَ ، فَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ فِي الْمَكَانِ الَّذِي حَمَلَهُ وَلَا أَجْرَ لَهُ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي الكَسَرَ وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ بِحِسَابِهِ؛

فرمایا: مگر وہ ضامن نہ ہوگا اپنے فعل کی وجہ سے ان انسانوں کا جو غرق ہوجائے کشتی میں یا گر جائے جانور سے، اگرچہ اس کے ہنکانے اور کھینچنے سے ہو؛ کیونکہ واجب آدمی کا ضمان ہے اور وہ واجب نہیں ہوتا ہے عقد سے، بلکہ واجب ہوتا ہے جنایت سے، اسی لیے واجب ہوتا ہے عاقلہ پر، حالانکہ عقود کا ضمان برداشت نہیں کرتی ہے برادری۔ فرمایا: اور اگر اجارہ پر لیا ایسے شخص کو جو اٹھائے اس کے لیے مٹکا فرات سے، اور وہ گر گیا راستے میں اور مٹکا ٹوٹ گیا، تو اگر چاہے تو ضمان لے اس سے اس کی قیمت کا اس مکان میں جہاں اس کو اٹھایا ہے، اور اجرت نہ ہوگی

اس کے لیے، اور اگر چاہے تو ضمان لے اس کی قیمت کا اس جگہ میں جہاں ٹوٹ گیا ہے، اور دیدے اس کو اجرت اس کے حساب سے،

{3} أَمَّا الضَّمَانُ فَلِمَا قُلْنَا ، وَالسُّقُوطُ بِالْعِثَارِ أَوْ بِانْقِطَاعِ الْحَبْلِ وَكُلُّ ذَلِكَ مِنْ صَنِيعِهِ ، وَأَمَّا الْخِيَارُ فَلِأَنَّهُ

بہر حال ضمان تو اس وجہ سے جو ہم کہہ چکے، اور گرنا پھسلنے سے ہو یا رسی ٹوٹ جانے سے ہو، ہر ایک اس کے عمل سے ہے۔ رہا خیار تو وہ اس لیے

إِذَا انْكَسَرَ فِي الطَّرِيقِ ، وَالْحَمْلُ شَيْءٌ وَاحِدٌ تَبَيَّنَ أَنَّهُ وَقَعَ تَعَدِّيًا مِنَ الِابْتِدَاءِ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ .وَلَهُ وَجْهٌ آخَرُ

کہ جب ٹوٹ گیا راستے میں حالانکہ بوجھ اٹھانا شئی واحد ہے، تو ظاہر ہوا کہ اٹھانا تعدی واقع ہوا ہے ابتداء ہی سے اس اعتبار سے، اور تعدی کی ایک اور وجہ

وَهُوَ أَنَّ ابْتِدَاءَ الْحَمْلِ حَصَلَ بِإِذْنِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعَدِّيًا ، وَإِنَّمَا صَارَ تَعَدِّيًا عِنْدَ الْكَسْرِ فَيَمِيلُ

وہ یہ کہ ابتداء میں اٹھانا حاصل ہوا ہے اس کی اجازت سے پس اٹھانا ابتداء سے تعدی نہیں، بلکہ تعدی ہو جاتا ہے توڑنے کے وقت، پس مائل ہو جائے

إِلَى أَيِّ الْوَجْهَيْنِ شَاءَ ،{4} وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي لَهُ الْأَجْرُ بِقَدْرِ مَا اسْتَوْفَى ، وَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ

دونوں وجوہ میں سے جس کی طرف چاہے، اور دوسری صورت میں اس کے لیے اجرت ہوگی اس کے کام کرنے کے بقدر، اور پہلی صورت میں

لَا أَجْرَ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ مَا اسْتَوْفَى أَصْلًا .{5} قَالَ : وَإِذَا فَصَدَ الْفَصَّادُ أَوْ بَزَغَ الْبَزَّاغُ

اجرت نہ ہوگی اس کے لیے؛ کیونکہ اس نے کچھ کام نہیں کیا ہے۔ فرمایا: اور جب رگ کھولے جراح، یا داغ لگائے داغ لگانے والا،

وَلَمْ يَتَجَاوَزْ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِيمَا عَطِبَ مِنْ ذَلِكَ .وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : بَيْطَارٌ بَزَغَ

اور تجاوز نہ کرے معتاد جگہ سے، تو ضمان نہ ہوگا اس پر اس میں جو ہلاک ہو جائے اس سے، اور جامع صغیر میں ہے کہ داغ دینے والے نے داغ دیا

دَابَّةً بِدَانِقٍ فَنَفَقَتْ أَوْ حَجَّامٌ حَجَمَ عَبْدًا بِأَمْرِ مَوْلَاهُ فَمَاتَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ

جانور کو ایک دانق کے عوض، پس وہ ہلاک ہو گیا، یا حجام نے پچھنے لگائے غلام کو اس کے مولیٰ کے حکم سے، پس وہ مر گیا، تو ضمان نہ ہوگا اس پر،

وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْعِبَارَتَيْنِ نَوْعُ بَيَانٍ .{6} وَوَجْهُهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنِ السِّرَايَةِ

اور دونوں عبارتوں میں سے ہر ایک میں ایک طرح کا بیان ہے، اور عدم ضمان کی وجہ یہ ہے کہ ممکن نہیں ہے بچنا سرایت کرنے سے؛

لِأَنَّهُ يُبْتَنَى عَلَى قُوَّةِ الطِّبَاعِ وَضَعْفِهَا فِي تَحَمُّلِ الْأَلَمِ فَلَا يُمْكِنُ التَّقْيِيدُ بِالْمُصْلِحِ مِنَ الْعَمَلِ ،{7} وَلَا كَذَلِكَ

کیونکہ سرایت کرنا مبنی ہے طبیعت کی قوت اور ضعف پر تکلیف برداشت کرنے میں، پس ممکن نہیں ہے مصلح عمل کے ساتھ مقید کرنا، اور اس طرح نہیں ہے

دَقُّ الثَّوْبِ وَنَحْوُهُ مِمَّا قَدَّمْنَاهُ ؛ لِأَنَّ قُوَّةَ الثَّوْبِ وَرِقَّتَهُ تُعْرَفُ بِالِاجْتِهَادِ فَأَمْكَنَ الْقَوْلُ بِالتَّقْيِيدِ.

کپڑا کوٹنا وغیرہ جو ہم سابق میں ذکر کر چکے؛ کیونکہ کپڑے کی قوت اور رقت معلوم ہو سکتی ہے کوشش سے، تو اس میں قید لگانے کا قول کرنا ممکن ہوا

{8} قَالَ : وَالْأَجِيرُ الْخَاصُّ الَّذِي يَسْتَحِقُّ الْأُجْرَةَ بِتَسْلِيمِ نَفْسِهِ فِي الْمُدَّةِ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ كَمَنْ اسْتُؤْجِرَ

فرمایا: اور اجیر خاص وہ ہے جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے اپنے آپ کو سپرد کرنے سے مدت میں اگرچہ کام نہ کرے جیسے کوئی اجارہ پر لیا گیا

شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ أَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ وَإِنَّمَا سُمِّيَ أَجِيرَ وَحْدٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَعْمَلَ لِغَيْرِهِ؛
ایک ماہ خدمت کے لیے یا بکریاں چرانے کے لیے، اور اس کو اجیر خاص اس لیے کہتے ہیں کہ ممکن نہیں اس کے لیے کہ کام کرے غیر کے لیے؛
لِأَنَّ مَنَافِعَهُ فِي الْمُدَّةِ صَارَتْ مُسْتَحَقَّةً لَهُ وَالْأَجْرُ مُقَابَلٌ بِالْمَنَافِعِ ، وَلِهَذَا يَبْقَى الْأَجْرُ مُسْتَحَقًّا
کیونکہ اس کے منافع مدت کے اندر مستحق ہوئے ہیں مستاجر کے لیے، اور اجرت مقابل ہے منافع کا، اسی لیے اجرت واجب رہتی ہے
وَإِنْ نُقِضَ الْعَمَلُ .{9}قَالَ : وَلَا ضَمَانَ عَلَى الْأَجِيرِ الْخَاصِّ فِيمَا تَلِفَ فِي يَدِهِ وَلَا مَا تَلِفَ مِنْ عَمَلِهِ؛
اگرچہ عمل ٹوٹ جائے۔ فرمایا: اور ضمان نہیں اجیر خاص پر اس کا جو تلف ہو جائے اس کے قبضہ میں، اور نہ اس کا جو تلف ہو جائے اس کے عمل سے،
أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْعَيْنَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ ؛ لِأَنَّهُ قَبَضَ بِإِذْنِهِ ، وَهَذَا ظَاهِرٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ،
بہر حال اول تو اس لیے کہ عین امانت ہے اس کے قبضہ میں؛ کیونکہ اس نے قبض کیا ہے مستاجر کی اجازت سے، اور یہ ظاہر ہے امام صاحبؒ کے نزدیک،
وَكَذَا عِنْدَهُمَا ؛ لِأَنَّ تَضْمِينَ الْأَجِيرِ الْمُشْتَرَكِ نَوْعُ اسْتِحْسَانٍ عِنْدَهُمَا لِصِيَانَةِ أَمْوَالِ النَّاسِ،
اور اسی طرح صاحبینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ ضامن بنانا اجیر مشترک کو ایک طرح کا استحسان ہے صاحبینؒ کے نزدیک؛ لوگوں کے اموال محفوظ رکھنے کے لیے،
{10}وَالْأَجِيرُ الْوَحْدُ لَا يَتَقَبَّلُ الْأَعْمَالَ فَتَكُونُ السَّلَامَةُ غَالِبَةً فَيُؤْخَذُ فِيهِ الْقِيَاسُ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّ الْمَنَافِعَ
اور اجیر خاص قبول نہیں کرتا ہے اعمال کو پس سلامتی غالب ہوگی، پس لیا جائے گا اس کے حق میں قیاس۔ رہا ثانی تو وہ اس لیے کہ منافع
مَتَى صَارَتْ مَمْلُوكَةً لِلْمُسْتَأْجِرِ فَإِذَا أَمَرَهُ بِالتَّصَرُّفِ فِي مِلْكِهِ صَحَّ وَيَصِيرُ نَائِبًا مَنَابَهُ فَيَصِيرُ فِعْلُهُ مَنْقُولًا
جب مملوک ہو گئے مستاجر کے لیے تو جب اس کو حکم کیا تصرف کرنے کا مستاجر کی ملک میں تو صحیح ہے، اور وہ مستاجر کا قائم مقام ہوا پس اس کا فعل منقول ہو گا
إِلَيْهِ كَأَنَّهُ فَعَلَ بِنَفْسِهِ فَلِهَذَا لَا يَضْمَنُهُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .
مستاجر کی طرف گویا مستاجر نے یہ کام خود کیا، اس لیے اس سے ضمان نہیں لے سکتا، واللہ اعلم۔

تشریح:- {1} لیکن اجیر مشترک اپنے فعل کی وجہ سے ان انسانوں کا ضامن نہ ہوگا جو کشتی میں غرق ہو جائیں یعنی اگر ملاح کی کشتی میں سے آدمی غرق ہو جائے یا مع کشتی کے غرق ہو جائے، یا کرایہ پر لیے ہوئے جانور پر سے آدمی گر کر مر جائے تو اجیر ضامن نہ ہوگا اگرچہ اس کی کشتی چلانے یا جانور ہانکنے کی وجہ سے یہ نقصان ہوا ہو؛ کیونکہ اس صورت میں واجب تو آدمی کا ضمان ہے اور آدمی کا ضمان عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی جرم کی وجہ سے واجب ہوتی ہے یعنی اگر کسی کو قتل یا زخمی کر دے تو ضامن ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ضمان مددگار برادری پر واجب ہوتا ہے اور جو ضمان عقد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اس کو مددگار برادری برداشت نہیں کرتی ہے؛ کیونکہ مددگار برادری فقط جنایت کے ضمان کو برداشت کرتی ہے۔

{2} اگر ایک شخص کو مزدور مقرر کیا کہ "دریائے فرات سے میرا شہد کا مٹکا فلاں مقام تک پہنچا دو" پھر وہ راستہ میں کسی جگہ پر گر کر ٹوٹ گیا تو مستاجر کو اختیار ہے کہ جہاں سے اس نے مٹکا اٹھوایا ہے وہاں جو کچھ اس کی قیمت ہو اس کا ضمان لے لے اور قلی کو مزدوری نہیں ملے گی، یا جس مقام پر ٹوٹا ہے وہاں جو کچھ اس کی قیمت ہے وہ لے لے اور قلی کو اس کے حساب سے اجرت دیدے مثلاً نصف راستہ پر ٹوٹا تو آدھی اجرت دیدے۔

{3} پھر ضمان تو اس وجہ سے واجب ہو گا کہ وہ اجیر مشترک تھا جس کے فعل سے مال تلف ہوا تو وہ ضامن ہو گا، اور وہ گر پڑنا خواہ اس کے پھسلنے کی وجہ سے ہو یا رسی ٹوٹ جانے سے ہو بہر دو صورت ضامن ہو گا؛ کیونکہ یہ دونوں اس کے افعال ہیں کہ اس نے اہتمام کے ساتھ احتیاط نہیں کی ہے۔ اور مستاجر کو دونوں باتوں میں اختیار اس وجہ سے ہے کہ جب وہ راستہ میں ٹوٹ گیا حالانکہ یہ اٹھانا ایک ہی چیز ہے تو ظاہر ہوا کہ ابتداء سے اٹھانا تعدی واقع ہوئی تھی بوجہ اٹھانے کے شئ واحد ہونے کی وجہ سے یعنی گویا ابتداء ہی اس نے توڑ دیا اس لیے اس کو اختیار ہو گا کہ جہاں سے اٹھوایا ہے وہاں کی قیمت لے لے۔ اور یہاں تعدی اور ضمان کی ایک دوسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ ابتدائی اٹھانا تو مستاجر کی اجازت سے واقع ہوا تھا تو ابتداء سے تعدی نہ تھا بلکہ توڑنے کے وقت تعدی ہو گیا لیکن جب تاوان ان دونوں باتوں کے درمیان دائر ہے یعنی ابتداء سے تعدی تھا یا توڑنے کے وقت ہو گیا تو مستاجر کو اختیار ہو گا کہ دونوں میں سے جس جانب کو چاہے اختیار کرے۔

{4} مگر دوسری صورت (ٹوٹنے کی جگہ کی قیمت لینے کی صورت) میں اجیر کو اس قدر اجرت ملے گی جس قدر مستاجر نے اس کا کام پایا ہے یعنی اگر آدھی راہ تک مٹکا پہنچایا ہو تو آدھی اجرت کا مستحق ہو گا۔ اور پہلی صورت (اٹھوانے کی جگہ کی قیمت لینے کی صورت) میں اجیر کو کچھ اجرت نہیں ملے گی؛ کیونکہ مستاجر نے اس کے کام میں سے کچھ نہیں پایا ہے اس لیے جہاں سے اٹھوایا ہے وہاں کی قیمت لے گا؛ کیونکہ اس صورت میں قیمت میں کچھ زیادتی نہ ہو گی بخلاف اس کے اگر ٹوٹنے کے مقام کی قیمت لے لی تو یہاں کی قیمت کچھ بڑھی ہوئی ہو گی اور یہ نفع قلی کے کام سے حاصل ہوا اس لیے اس کی اجرت دینا واجب ہو گی۔

{5} اگر جراح (سرجن) نے کسی کی رگ کھولی، یا جانوروں کے جراح نے جانور کی رگ میں نشتر لگایا اور جہاں تک نشتر لگایا جاتا ہے وہاں سے تجاوز نہیں کیا تو اس کی وجہ سے جو کچھ ہلاکت وغیرہ پیش آئے تو اس کا وہ ضامن نہ ہو گا، اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ایک بیطار (جانوروں کے جراح) نے ایک دانگ (درہم کے چھٹے حصے) کے عوض جانور کو نشتر لگا دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، یا پچھنے لگانے والے نے ایک غلام کو اس کے مولی کے حکم سے پچھنے لگائے پس غلام مر گیا تو بیطار اور حجام پر ضمان نہیں ہے۔

دونوں عبارتوں میں سے ہر ایک سے ایک طرح کا بیان ظاہر ہوتا ہے یعنی مختصر القدوری کی عبارت میں موضع معتاد سے تجاوز نہ کرنے کا بیان ہے اور اجازت سے سکوت ہے، اور جامع صغیر میں اجازت کا بیان ہے اور موضع معتاد سے تجاوز سے سکوت ہے۔

{6} اور ضامن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زخم کو سرایت سے بچانا اس کے لیے ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ یہ تو طبیعت کی قوت وضعف پر مبنی ہے یعنی بعض طبیعتیں زخم کے درد کو برداشت کرنے میں قوی ہوتی ہیں جلدی تلف نہیں ہوتی ہیں، اور بعض کمزور ہوتی ہیں جلدی تلف ہو جاتی ہیں اور طبیعت کی قوت اور ضعف کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا ہے تو جراح پر درست کام کی قید اور شرط لگانا ممکن نہیں ہے ورنہ تو ضمان کے خوف سے لوگ اس کام ہی سے بیٹھ جائیں گے۔

{7} باقی کپڑے پھٹنے وغیرہ کا حکم اس کے برخلاف ہے جو سابق میں گذر چکا؛ کیونکہ کپڑے کی قوت اور اس کی باریکی اپنی کوشش سے معلوم ہو سکتی ہے تو ان میں اجیر پر درست کام کرنے کی قید اور شرط لگانا ممکن ہے اس لیے پھٹنے سے پھٹنے کی صورت میں اجیر ضامن ہوگا۔

ف: اگر کسی مریض کو ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر و حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق دوائی کھلائی جائے اور اس سے مریض کی موت واقع ہو جائے تو کوئی دیت وضمان نہیں اور اگر دوائی کھلانے والا نہ ڈاکٹر ہے اور نہ ڈاکٹر و حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق دوائی کھلائی یا تجویز کردہ نسخہ کی مقدار سے زیادہ کھلادی جس سے مریض کی موت واقع ہوگئی تو اب کھلانے والا ضامن ہے اس پر دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے لما فی الحدیث (ابو داؤد: ۲/۲۸۲ کتاب الدیات) قال النبی ﷺ من تطبب و لایعلم منه طب فهو ضامن (حقانیہ: ۵/۳۱۲)

{8} اجیر کی دوسری قسم اجیر خاص ہے، اجیر خاص وہ ہوتا ہے جس کے منافع پر عقد وارد ہو اور اس کے منافع مدت اور مسافت بیان کرنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ پس اجیر خاص جب مدتِ مقررہ کے اندر اپنی ذات مستاجر کو سپرد کر دے تو وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ کیا ہو جیسے ایک شخص ایک مہینہ تک خدمت کے لیے نوکر رکھا گیا، یا بکریاں چرانے کے لیے نوکر رکھا گیا تو یہ اجیر خاص ہے، اور اس کا نام اجیر وحد بمعنی واحد بھی ہے؛ کیونکہ وہ کسی دوسرے کا کام نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ مدتِ مقررہ کے اندر اس کے کل منافع اسی ایک مستاجر کے لیے واجب ہو گئے ہیں اور کل اجرت انہی منافع کے مقابل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اجرت کا مستحق رہتا ہے اگرچہ کام توڑ دیا جائے، برخلاف اجیر مشترک کے کہ اگر مستاجر کے قبضہ سے پہلے کام توڑ دیا گیا تو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک درزی نے ایک شخص کا کپڑا ایک درہم اجرت پر سی لیا پھر کپڑے کے

مالک کا قبضہ ہونے سے پہلے کسی نے سلائی اُدھیڑ ڈالی تو درزی اجرت کا مستحق نہ ہو گا اور اگر خاص لڑکے کپڑا سلوایا پھر اُدھیڑ ڈالا تو اجیر اپنی اجرت کا مستحق ہو گا۔

{9} اجیر خاص کے قبضہ میں جو چیز تلف ہو یا اس کے کام سے تلف ہو تو اجیر خاص پر اس کا ضمان واجب نہ ہو گا مثلاً کوئی چیز اس کے پاس سے چوری کی گئی یا گم ہو گئی یا کسی نے غصب کر لی یا اس کے کام سے بیلچہ یا پھاوڑا ٹوٹ گیا تو اجیر خاص ضامن نہ ہو گا، پس اس کے قبضہ میں مالِ عین خود تلف ہونے کی صورت میں عدم ضمانت اس وجہ سے ہے کہ مالِ عین اس کے قبضہ میں امانت ہے؛ کیونکہ اس نے مستاجر کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لیے وہ ضامن نہ ہو گا، اور یہ امام ابو حنیفہ ؒ کے قول پر تو ظاہر ہے ہوتا ہے۔ اسی طرح صاحبین ؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ اجیر مشترک کو ضامن ٹھہرانا صاحبین ؒ کے نزدیک ایک طرح کا استحسان ہے تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں؛ کیونکہ وہ زیادہ اجرت حاصل کرنے کی غرض سے مہینوں کی چیزیں لے کر کام کرتا ہے اور اکثر حفاظت میں کوتاہی کرتا ہے تو استحساناً ضامن کیا گیا تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

{10} باقی رہا اجیر خاص تو وہ چونکہ کسی دوسرے کے کام کو قبول نہیں کرتا ہے بلکہ خود اپنے آپ کو سپرد کرتا ہے تو اس میں سلامتی اور حفاظت غالب ہوتی ہے تو اس کے حق میں اصل قیاس لیا جائے گا کہ وہ ضامن نہیں ہوتا ہے۔ رہی دوسری صورت کہ مالِ عین اجیر کے کام سے تلف ہو جائے تو اس کا بھی اجیر ضامن نہیں ہے؛ کیونکہ اجیر کے منافع جب مستاجر کے مملوک ہو گئے تو جب مستاجر نے اس کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حکم دیا تو یہ حکم صحیح ہوا اور اجیر مستاجر کا قائم مقام ہو جائے گا تو اجیر خاص کا فعل مستاجر کی طرف منتقل ہو گا گویا مستاجر نے بذاتِ خود یہ کام کیا ہے لہٰذا وہ اجیر مذکور سے ضمانت نہیں لے سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بَابُ الْإِجَارَةِ عَلَى أَحَدِ الشَّرْطَيْنِ

یہ باب دو شرطوں میں سے ایک شرط پر اجارہ کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنف ؒ شرطِ واحد پر اجارہ کے بیان سے فارغ ہو گئے تو دو شرطوں میں سے ایک شرط پر اجارہ کرنے کے بیان کو شروع فرمایا چونکہ ایک دو سے مقدم ہوتا ہے اس لیے دو شرطوں والے باب کو مؤخر کر دیا۔

{1} وَإِذَا قَالَ لِلْخَيَّاطِ إِنْ خِطْتَ هَذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ ، وَإِنْ خِطْتَهُ رُومِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ

اور جب کہے درزی سے: اگر تو نے سی لیا یہ کپڑا فارسی طرز پر تو بعوض ایک درہم ہو گا، اور اگر تو نے سی لیا اس کو رومی طرز پر، تو بعوض دو درہم ہو گا۔

جَازَ ، وَأَيَّ عَمَلٍ مِنْ هَذَيْنِ الْعَمَلَيْنِ عَمِلَ اسْتَحَقَّ الْأَجْرَ بِهِ وَكَذَا إِذَا قَالَ لِلصَّبَّاغِ إِنْ صَبَغْتَهُ

تو جائز ہے، اور جو بھی عمل ان دو عملوں میں سے وہ کرلے تو وہ مستحق ہوگا اجرت کا اس سے، اسی طرح اگر کہا درزی سے: اگر تو نے رنگا اس کو

بِعُصْفُرٍ فَبِدِرْهَمٍ ، وَإِنْ صَبَغْتَهُ بِزَعْفَرَانٍ فَبِدِرْهَمَيْنِ ، وَكَذَا إِذَا خَيَّرَهُ بَيْنَ شَيْئَيْنِ بِأَنْ قَالَ:

کسم سے تو ایک درہم ہوگا اور اگر تو نے رنگا اس کو زعفران سے تو دو درہم ہوں گے، اور اسی طرح اگر اختیار دیا دو چیزوں میں بایں طور کہ کہا

آجَرْتُكَ هَذِهِ الدَّارَ شَهْرًا بِخَمْسَةٍ أَوْ هَذِهِ الدَّارَ الْأُخْرَى بِعَشَرَةٍ ،{2} وَكَذَا إِذَا خَيَّرَهُ

میں نے تجھے کرایہ پر دیا ہے یہ مکان ایک ماہ کے لیے پانچ درہم کے عوض یا یہ دوسرا مکان دس درہم کے عوض، اسی طرح اگر اسے اختیار دیا

بَيْنَ مَسَافَتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ بِأَنْ قَالَ : آجَرْتُكَ هَذِهِ الدَّابَّةَ إِلَى الْكُوفَةِ بِكَذَا أَوْ إِلَى وَاسِطَ بِكَذَا ، وَكَذَا إِذَا

دو مختلف مسافتوں میں بایں طور کہ کہا: میں نے تجھے کرایہ پر دیا ہے یہ جانور کو کوفہ تک اتنے میں یا واسط تک اتنے میں، اور اسی طرح اگر

خَيَّرَهُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ{3} وَإِنْ خَيَّرَهُ بَيْنَ أَرْبَعَةِ أَشْيَاءَ لَمْ يَجُزْ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ الْبَيْعُ وَالْجَامِعُ دَفْعُ الْحَاجَةِ،

اختیار دیا اس کو تین چیزوں میں، اور اگر اختیار دیا اس کو چار چیزوں میں تو جائز نہیں، اور مقیس علیہ ان سب میں بیع ہے، اور جامع دفع حاجت ہے،

غَيْرَ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ اشْتِرَاطِ الْخِيَارِ فِي الْبَيْعِ، وَفِي الْإِجَارَةِ لَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ الْأَجْرَ إِنَّمَا يَجِبُ بِالْعَمَلِ ، وَعِنْدَ ذَلِكَ

مگر ضروری ہے شرطِ خیار بیع میں اور اجارہ میں یہ شرط نہیں ہے؛ کیونکہ اجرت تو واجب ہوتی ہے عمل سے، اور اس وقت

يَصِيرُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ مَعْلُومًا، وَفِي الْبَيْعِ يَجِبُ الثَّمَنُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ فَتَتَحَقَّقُ الْجَهَالَةُ عَلَى وَجْهٍ لَا تَرْتَفِعُ الْمُنَازَعَةُ

معقود علیہ معلوم ہو جاتا ہے، اور بیع میں ثمن واجب ہوتا ہے نفس عقد سے، پس متحقق ہوگی جہالت اس طرح کہ رفع نہ ہوگا جھگڑا

إِلَّا بِإِثْبَاتِ الْخِيَارِ{4} وَلَوْ قَالَ : إِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ ، وَإِنْ خِطْتَهُ غَدًا فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ،

مگر خیار ثابت کرنے سے۔ اور اگر کہا: اگر تو نے سی لیا اس کپڑے کو آج کے دن تو عوض ایک درہم ہوگا اور اگر سی لیا اس کو کل تو عوض نصف درہم ہوگا،

فَإِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ ، وَإِنْ خَاطَهُ غَدًا فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يُجَاوِزُ

تو اگر اس نے سی لیا آج تو اس کے لیے ایک درہم ہوگا، اور اگر سی لیا اس کو کل تو اس کے لیے اجر مثل ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک جو نہیں بڑھ جائے گا

بِهِ نِصْفَ دِرْهَمٍ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: لَا يَنْقُصُ مِنْ نِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَا يُزَادُ عَلَى دِرْهَمٍ{5} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ:

اس کو نصف درہم سے۔ اور جامع صغیر میں کہ کم نہ ہوگا نصف درہم سے اور نہ زائد ہوگا ایک درہم سے، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا

الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ وَ قَالَ : زُفَرُ : الشَّرْطَانِ فَاسِدَانِ ؛ لِأَنَّ الْخِيَاطَةَ شَيْءٌ وَاحِدٌ، وَقَدْ ذُكِرَ بِمُقَابَلَتِهِ

دونوں شرطیں جائز ہیں، اور امام زفرؒ نے فرمایا: دونوں شرطیں فاسد ہیں؛ کیونکہ سی لینا شی واحد ہے اور اس نے ذکر کی اس کے مقابلے میں

بَدَلَانِ عَلَى الْبَدَلِ فَيَكُونُ مَجْهُولًا ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ ذِكْرَ الْيَوْمِ لِلتَّعْجِيلِ ، وَذِكْرَ الْغَدِ لِلتَّرْفِيهِ

دو چیزیں علی سبیل البدلیہ، پس بدل مجہول ہو گا، اور یہ اس لیے کہ آج کے دن کا ذکر تعجیل کے لیے اور کل کا ذکر سہولت کے لیے ہے

فَيَجْتَمِعُ فِي كُلِّ يَوْمٍ تَسْمِيَتَانِ . {6} وَلَهُمَا أَنَّ ذِكْرَ الْيَوْمِ لِلتَّأْقِيتِ . وَذِكْرَ الْغَدِ لِلتَّعْلِيقِ

پس جمع ہو جائیں گے ہر دن میں دو تسمیہ۔ اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ آج کا ذکر توقیت کے لیے ہے اور کل کا ذکر تعلیق کے لیے ہے،

فَلَا يَجْتَمِعُ فِي كُلِّ يَوْمٍ تَسْمِيَتَانِ ، وَلِأَنَّ التَّعْجِيلَ وَالتَّأْخِيرَ مَقْصُودٌ فَنَزَلَ مَنْزِلَةَ اخْتِلَافِ النَّوْعَيْنِ

پس جمع نہ ہوں گے ہر ایک دن میں دو تسمیے، اور اس لیے کہ تعجیل اور تاخیر دونوں مقصود ہیں تو یہ اختلاف اتر گیا دو نوعوں کے اختلاف کے درجہ میں

{7} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ ذِكْرَ الْغَدِ لِلتَّعْلِيقِ حَقِيقَةً . وَلَا يُمْكِنُ حَمْلُ الْيَوْمِ عَلَى التَّأْقِيتِ ؛ لِأَنَّ فِيهِ فَسَادَ الْعَقْدِ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل کا ذکر تعلیق کے لیے ہے حقیقۃً، اور ممکن نہیں حمل کرنا الیوم کو توقیت پر؛ کیونکہ اس میں فساد عقد ہے

لِاجْتِمَاعِ الْوَقْتِ وَالْعَمَلِ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَجْتَمِعُ فِي الْغَدِ تَسْمِيَتَانِ دُونَ الْيَوْمِ ، فَيَصِحُّ الْأَوَّلُ

وقت اور عمل کے اجتماع کی وجہ سے، اور جب اس طرح ہے تو جمع ہو جائیں گے کل میں دو تسمیے نہ کہ آج کے دن میں، پس صحیح ہے اول

وَيَجِبُ الْمُسَمَّى، وَيَفْسُدُ الثَّانِي وَيَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ لَا يُجَاوِزُ بِهِ نِصْفَ دِرْهَمٍ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُسَمَّى فِي الْيَوْمِ الثَّانِي

اور واجب ہو گا مسمّٰی، اور فاسد ہے ثانی، اور واجب ہو گا اجر مثل جو نہیں بڑھائے گا اس کو نصف درہم سے؛ کیونکہ یہی مسمّٰی ہے دوسرے دن میں

{8} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لَا يُزَادُ عَلَى دِرْهَمٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ نِصْفِ دِرْهَمٍ ؛ لِأَنَّ التَّسْمِيَةَ الْأُولَى لَا تَنْعَدِمُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي

اور جامع صغیر میں ہے: زائد نہ ہو گا درہم سے اور نہ کم ہو گا نصف درہم سے؛ اس لیے کہ پہلا تسمیہ معدوم نہ ہو گا دوسرے دن میں،

فَتُعْتَبَرُ لِمَنْعِ الزِّيَادَةِ وَتُعْتَبَرُ التَّسْمِيَةُ الثَّانِيَةُ لِمَنْعِ النُّقْصَانِ ، فَإِنْ خَاطَهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ لَا يُجَاوَزُ

پس معتبر ہو گا اول زیادتی کو روکنے کے لیے اور معتبر ہو گا دوسرا تسمیہ منع نقصان کے لیے، پھر اگر اس نے سی لیا تیسرے دن میں تو نہیں بڑھائے گا

بِهِ نِصْفَ دِرْهَمٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَرْضَ بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْغَدِ فَبِالزِّيَادَةِ عَلَيْهِ

اس کو نصف درہم سے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور یہی صحیح ہے؛ کیونکہ جب وہ راضی نہیں ہوا کل تک مؤخر کرنے پر تو اس سے زیادہ

إِلَى مَا بَعْدَ الْغَدِ أَوْلَى

پرسوں تک بطریقۂ اولیٰ راضی نہ ہو گا۔

تشریح:۔{1} اگر درزی سے کہا کہ "اگر تونے یہ کپڑا فارسی طرز کی سلائی پر سی لیا تو بعوض ایک درہم کے یعنی تیری اجرت ایک درہم ہو گی" اور "اگر تونے اس کو رومی طرز کی سلائی پر سی لیا تو تیری اجرت دو درہم ہو گی" تو یہ جائز ہے اور ان دونوں کاموں میں سے جس قسم کا کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہو گا۔ اسی طرح اگر رنگریز سے کہا کہ " تونے اگر یہ کپڑا کُسم (ایک پھول ہے جس

سرخ کپڑے رنگے جاتے ہیں) سے رنگا تو بعوض ایک درہم کے ہے یعنی تیری اجرت ایک درہم ہوگی" اور "اگر تو نے اس کو زعفران سے رنگا تو بعوض دو درہم کے ہے یعنی تیری اجرت دو درہم ہوگی" تو بھی یہی حکم ہے کہ دونوں میں سے جس رنگ سے رنگے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح اگر مزدور کو دو چیزوں میں اختیار دیا مثلاً کہا کہ "میں نے تجھے یہ گھر ماہانہ بعوض پانچ درہم کے یا دوسرا گھر ماہانہ بعوضِ دس درہم کے کرایہ پر دیا" تو بھی یہی حکم ہے یعنی مستاجر جس مکان میں رہنا اختیار کرے اسی کا کرایہ واجب ہوگا۔

{2} اسی طرح اگر مزدور کو دو مختلف مسافتوں میں اختیار دیا مثلاً کہا کہ "میں نے تجھے یہ جانور کوفہ تک بعوضِ دس درہم کے یا واسط شہر تک بعوضِ پانچ درہم کے کرایہ پر دیا" تو بھی یہی حکم ہے کہ جہاں تک سوار ہو کر جائے گا اسی کا کرایہ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مزدور کو تین چیزوں میں اختیار دیا مثلاً کہا کہ "اگر تو نے فارسی طرز کی سلائی سے سی لیا تو تیرے لیے ایک درہم ہے اور اگر رومی طرز کی سلائی سے سی لیا تو تیرے لیے دو درہم ہیں اور اگر ترکی طرز کی سلائی سے سی لیا تو تیرے لیے تین درہم ہیں" تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

{3} اور اگر مزدور کو چار چیزوں میں اختیار دیا تو یہ جائز نہیں ہے، اور ان سب صورتوں میں بیع پر قیاس کیا گیا ہے کہ مشتری کو دو اور تین کپڑوں میں اختیار دینا جائز ہے اور چار میں جائز نہیں ہے اور جامع دفع ضرورت ہے یعنی تین چیزوں میں ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ سے ضرورت دفع ہو جاتی ہے لہذا تین سے زائد میں اختیار دینا بلا ضرورت ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ بیع میں خیارِ تعیین کی شرط ضروری ہے جیسا کہ بیع میں بیان ہوا کہ اگر دو غلاموں میں سے ایک کو فروخت کیا تو خیارِ تعیین کی شرط کے بغیر صحیح نہیں ہے جبکہ اجارہ خیارِ تعیین کی شرط کے بغیر صحیح ہے؛ کیونکہ اجرت عمل سے واجب ہوتی ہے عقد سے واجب نہیں ہوتی ہے اور عمل سے معقود علیہ معلوم ہو جاتا ہے اس لیے خیارِ تعیین کی شرط ضروری نہیں ہے، اس کے برخلاف بیع میں ثمن نفسِ عقد سے واجب ہوتا ہے پس دو یا تین چیزوں میں اختیار دینے کی صورت میں ثمن میں جہالت پیدا ہوگی جو مفضی للنزاع ہے اور یہ جھگڑا خیارِ تعیین ثابت کیے بغیر دور نہیں ہوتا ہے اس لیے خیارِ تعیین ضروری ہے۔

{4} مذکورہ بالا تو معقود علیہ میں اختیار کا بیان تھا، اور اگر مدت میں اختیار دیا مثلاً مستاجر نے درزی سے کہ "اگر تو نے اس کپڑے کو آج کے دن سی لیا تو بعوضِ ایک درہم کے ہے یعنی تیری اجرت ایک درہم ہوگی اور اگر تو نے کل کے دن سی لیا تو بعوضِ نصف درہم ہے"، تو اگر اس نے آج کے دن سی لیا تو اس کے لیے ایک درہم اجرت ہوگی اور اگر اس نے کل کے دن سی لیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے لیے اجرتِ مثل ہوگی جو نصف درہم سے زیادہ نہیں دی جائے گی؛ کیونکہ دوسرے دن سی لینے کی صورت میں نصف

درہم ہی اجرتِ مسمّٰی ہے۔ اور جامع صغیر میں امام صاحبؒ سے اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ نصف درہم سے کم نہ کیا جائے گا اور ایک درہم سے زیادہ نہ دیا جائے گا، پس امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں اور اول مختار ہے۔

{5} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں یعنی دونوں میں سے جس مدت میں بھی اس نے کپڑا سی لیا اسی مدت کی مسمّٰی اجرت کا مستحق ہوگا۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں؛ کیونکہ سلائی تو ایک ہی چیز ہے جس میں تعدد نہیں ہے حالانکہ اس کے مقابلہ میں دو عوض علی سبیل البدلیت ذکر کیے گئے یعنی اجرت ایک درہم ہے یا نصف درہم ہے تو اجرت مجہول ہوگئی اس لیے دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ اور یہ اس وقت ہے کہ آج کا ذکر جلدی کے لیے ہو توقیت کے لیے نہ ہو اور کل کا ذکر آسانی اور رعایت کے لیے ہو تو ہر ایک دن میں دو تسمیہ جمع ہوئے یعنی جب آج اور کل کا ذکر جلدی اور آسانی کے لیے ہوا تو گویا جو عقد کہ کل کے لیے ہے وہ بھی آج ہی سے ثابت ہے تو آج کے دن ایک تو آج کے عقد کی اجرت کا تسمیہ ایک درہم ہوا اور دوسرا کل کے دن کے عقد کی اجرت کا تسمیہ نصف درہم ہوا یوں آج کے عقد کی اجرت کے دو تسمیہ جمع ہوگئے، اور یہی کل کے دن کا حال ہے کہ اس میں بھی دو تسمیہ ہیں تو ہر ایک دن میں دو اجرتیں جمع ہوگئیں اس لیے اجرت مجہول ہے اور اجرت کے مجہول ہونے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

{6} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ آج کا ذکر کرنا تو مدت مقرر کرنے کے لیے ہے اور کل کا ذکر کرنا تعلیق کے لیے ہے یعنی شرط کے لیے ہے پس یہ دو الگ الگ اغراض کے لیے ہیں اس لیے ہر ایک دن میں دو تسمیہ جمع نہیں ہوئے پس اجرت میں جہالت نہیں ہے اس لیے دونوں شرطیں جائز ہوئیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تعجیل اور تاخیر ہر ایک ایسا امر ہے کہ مقصود ہوتا ہے مگر معقود علیہ عمل ہی ہے پس تعجیل و تاخیر کو اختلافِ انواع کے درجہ میں اتار دیا جائے گا جیسا کہ دو مختلف نوع یعنی فارسی اور رومی طرز پر سینے کا کہا ہو جیسا کہ گذر چکا اس لیے یہ دونوں شرطیں جائز ہیں۔

{7} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل کا ذکر کرنا تو درحقیقت تعلیق کے لیے ہے اور آج کا ذکر کرنا میعاد کے لیے نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس سے تو عقد فاسد ہو جاتا ہے اس لیے کہ وقت اور کام دونوں جمع ہوتے ہیں یعنی اگر وقت کا لحاظ کریں تو وہ اجیر خاص ہو جاتا ہے اور اگر کام کا لحاظ کریں تو وہ اجیر مشترک ہوتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے اور جب یہ بات ثابت ہوئی تو آج کی شرط تعجیل کے لیے ہے اس لیے اس میں دو تسمیہ جمع نہ ہوں گے بلکہ کل کے دن جمع ہوں گے تو آج کی شرط صحیح ہوگی اور جو اجرت بیان ہوئی وہ واجب ہوگی اور کل کی شرط فاسد ہوگی مگر کام پورا کرنے پر اجرتِ مثل واجب ہوگی جو نصف درہم سے زیادہ نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ دوسرے دن کی اجرتِ مقررہ اسی قدر (یعنی نصف درہم) ہے۔

فتوی: صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال شیخ الاسلام المفتی محمد تقی العثمانی طال عمرہ: و افتی شیخ مشائخنا التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بقول ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔ ولا شک ان الحاجۃ داعیۃ الی مثل ھذا الشرط فی المقاولات وبہ جری العمل فیھا من غیر نکیر، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم(فقہ البیوع:609/1)۔وقال الشیخ عبد الحکیم الشھید:و اعلم ان قول الامام و الصاحبین مذکور فی المتون و الشروح و الفتاوی من غیر التعرض الی الترجیح و التصحیح صراحۃً الا ان ما فی المجلۃ وشروحھا اختیار لقولھما حیث قال فی المادۃ:506 وکذالک لو ساوم احد الخیاط علی أن یخیط لہ جبۃ بشرط ان خاطھا الیوم فلہ کذا و ان خاطھا غداً فلہ کذا تعتبر الشروط الخ و فی شرحھا قال :والحکم المذکور فیھا وھو صحۃ عقد الاجارۃ مع اعتبار الشرطین ھو قولھما وھو الذی مشت علیہ المجلۃ (ہامش الہدایۃ:309/3)

{8} جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ایک درہم سے زیادہ نہ کیا جائے گا اور نصف درہم سے کم نہ کیا جائے گا؛ کیونکہ دوسرے روز پہلا تسمیہ معدوم نہ ہوگا پس پہلا تسمیہ تو ایک درہم سے زیادتی کو روکنے کے لیے معتبر ہے اور دوسرا نصف درہم سے کمی کو روکنے کے لیے معتبر ہے۔ پھر اگر درزی نے یہ کپڑا تیسرے روز سی لیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نصف درہم سے زیادہ نہ دیا جائے گا یہی صحیح ہے کیونکہ مستاجر جب کل تک تاخیر کرنے پر نصف درہم سے زائد پر راضی نہ تھا تو اس سے زیادہ پرسوں تک تاخیر کرنے پر بدرجہ اولیٰ نصف درہم سے زائد پر راضی نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نصف درہم سے کم کر دیا جائے گا اور نصف درہم سے نہیں بڑھایا جائے گا۔

{1} وَلَوْ قَالَ : إنْ سَكَنْتَ فِي هَذَا الدُّكَّانِ عَطَّارًا فَبِدِرْهَمٍ فِي الشَّهْرِ ، وَإِنْ سَكَنْتَهُ حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَيْنِ

اور اگر کہا: اگر تو نے بسایا اس دکان میں عطار تو ماہانہ ایک درہم کے عوض ہوگا، اور اگر تو نے بسایا اس میں لوہار تو بعوض دو درہم ہوگا،

جَازَ ، وَأَيَّ الْأَمْرَيْنِ فَعَلَ اسْتَحَقَّ الْأَجْرَ الْمُسَمَّى فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا : الْإِجَارَةُ فَاسِدَةٌ،

تو جائز ہے اور دونوں امروں میں جو بھی کرے گا تو وہ اس کا مستحق ہوگا مسمّٰی کا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: اجارہ فاسد ہے،

وَكَذَا إذَا اسْتَأْجَرَ بَيْتًا عَلَى أَنَّهُ إنْ سَكَنَ فِيهِ عَطَّارًا فَبِدِرْهَمٍ ، وَإِنْ سَكَنَ فِيهِ حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَيْنِ

اسی طرح اگر کرایہ پر لیا مکان اس شرط پر کہ اگر اس نے بسایا اس میں عطار تو بعوض ایک درہم ہوگا اور اگر لوہار بسایا اس میں تو بعوض دو درہم ہوگا،

فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا : لَا يَجُوزُ . وَمَنْ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً إلَى الْحِيرَةِ بِدِرْهَمٍ

تو یہ جائز ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے۔ اور جس نے کرایہ پر لیا جانور حیرہ تک بعوض ایک درہم،

وَإِنْ جَاوَزَ بِهَا إلَى الْقَادِسِيَّةِ فَبِدِرْهَمَيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ ، وَيَحْتَمِلُ الْخِلَافَ{2} وَإِنْ اسْتَأْجَرَهَا إلَى الْحِيرَةِ عَلَى أَنَّهُ

اور اگر گذار دیا اسے قادسیہ تک تو بعوض دو درہم ہو گا، تو یہ جائز ہے، اور احتمال ہے اختلاف کا، اور اگر جانور کرایہ پر لیا حیرہ تک اس شرط پر

إِنْ حَمَلَ عَلَيْهَا كُرَّ شَعِيرٍ فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ، وَإِنْ حَمَلَ عَلَيْهَا كُرَّ حِنْطَةٍ فَبِدِرْهَمٍ فَهُوَ جَائِزٌ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

کہ اگر لادا اس پر ایک کر جو تو بعوض نصف درہم ہو گا، اور اگر لادا گندم تو بعوض ایک درہم ہو گا، تو یہ جائز ہے امام صاحب کے قول میں،

وَقَالَا: لَا يَجُوزُ؛ {3} وَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ مَجْهُولٌ، وَكَذَا الْأَجْرُ أَحَدُ الشَّيْئَيْنِ

اور صاحبین فرماتے ہیں جائز نہیں؛ صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے، اور اسی طرح اجرت دونوں چیزوں میں سے ایک ہے

وَهُوَ مَجْهُولٌ وَالْجَهَالَةُ تُوجِبُ الْفَسَادَ، بِخِلَافِ الْخِيَاطَةِ الرُّومِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ؛ لِأَنَّ الْأَجْرَ يَجِبُ بِالْعَمَلِ

اور وہ مجہول ہے، اور جہالت واجب کر دیتی ہے فساد کو، برخلاف رومی اور فارسی سلائی کے؛ کیونکہ اجرت واجب ہوتی ہے عمل سے،

وَعِنْدَهُ تَرْتَفِعُ الْجَهَالَةُ. أَمَّا فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ يَجِبُ الْأَجْرُ بِالتَّخْلِيَةِ وَالتَّسْلِيمِ فَتَبْقَى الْجَهَالَةُ، وَهَذَا الْحَرْفُ

اور عمل کے وقت دور ہو جاتی ہے جہالت، رہا ان مسائل میں تو اجرت واجب ہوتی تخلیہ اور تسلیم سے، پس باقی رہے گی جہالت، اور یہی حرف

هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُمَا. {4} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ خَيَّرَهُ بَيْنَ عَقْدَيْنِ صَحِيحَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَيَصِحُّ

اصل ہے صاحبین کے نزدیک۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ موجر نے اختیار دیا ہے مستاجر کو دو مختلف صحیح عقدوں میں، پس یہ صحیح ہے

كَمَا فِي مَسْأَلَةِ الرُّومِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ سُكْنَاهُ بِنَفْسِهِ يُخَالِفُ إِسْكَانَهُ الْحَدَّادَ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ

جیسے رومی اور فارسی مسئلہ میں، اور یہ اس لیے کہ اس کا بذاتِ خود رہنا خلاف ہے لوہار کو بسانے کے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ داخل نہیں ہوتا ہے

ذَلِكَ فِي مُطْلَقِ الْعَقْدِ وَكَذَا فِي أَخَوَاتِهَا، وَالْإِجَارَةُ تُعْقَدُ لِلِانْتِفَاعِ وَعِنْدَهُ تَرْتَفِعُ الْجَهَالَةُ،

یہ مطلق عقد میں، اور اسی طرح دیگر اجارات میں، اور اجارہ منعقد کیا جاتا ہے انتفاع کے لیے، اور انتفاع کے وقت دور ہو جاتی ہے جہالت،

وَلَوْ احْتِيجَ إِلَى الْإِيجَابِ بِمُجَرَّدِ التَّسْلِيمِ يَجِبُ أَقَلُّ الْأَجْرَيْنِ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ.

اور اگر ضرورت پڑی اجرت واجب کرنے کی محض تسلیم سے تو واجب ہو گا دو اجرتوں میں سے اقل؛ اس کے متیقن ہونے کی وجہ سے۔

تشریح:۔ {1} اگر موجر نے مستاجر سے کہا کہ "اگر تو نے اس دکان میں عطر فروش بٹھایا تو ایک درہم ماہانہ ہے اور اگر تو نے اس میں لوہار بٹھایا تو ماہانہ دو درہم کے عوض ہے" تو یہ اجارہ جائز ہے اور مستاجر نے ان دونوں میں سے جو کام کیا موجر اسی کی اجرت مقررہ کا مستحق ہو گا، یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ فاسد ہے اس لیے اجرتِ مثل واجب ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی کوٹھری اس شرط پر کرایہ پر لی کہ اگر وہ خود اس میں رہے تو بعوض ایک درہم ماہانہ ہو گی اور اگر اس میں لوہار بسایا تو بعوض دو درہم ماہانہ ہو گی تو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

فتوی: مولانا عبدالحکیم شاذلی کوئیؒ نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: وهذه المسئلة ايضاً مبنية على الاختلاف المذكور بين الامام و الصاحبين وفرع من فروعه وقد ذكرنا ما هو الراجح عند اصحاب الجلة وترجيحا من قولهما (هامش الهداية: 310/3)

{2} اگر کوئی جانور اس طرح کرایہ پر لیا کہ حیرہ تک ایک درہم کے عوض ہے اور اگر اس سے آگے قادسیہ تک لے گیا تو دو درہم کے عوض ہے، تو یہ جائز ہے، اور اس میں اختلاف کا احتمال ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب کا قول ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ یہ خاص کر امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کا اختلاف ہو جیسا کہ دیگر نظائر میں گذر چکا۔ اور اگر حیرہ تک اس شرط پر کرایہ پر لیا کہ اگر اس پر ایک کُر (ساٹھ قفیز کا پیانہ ہے اور قفیز بارہ صاع کا پیانہ ہے) جو لادے گا تو ایک درہم کے عوض ہے اور اگر اس پر ایک کُر گندم لادے تو دو درہم کے عوض ہے تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

{3} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے اور ایسی ہی اجرت دو چیزوں میں سے ایک چیز ہے اور وہ بھی مجہول ہے یعنی دونوں میں سے کوئی ایک اجرت ہونا جہالت ہے اور مجہول ہونے سے فساد لازم آتا ہے۔ باقی رومی یا فارسی سلائی کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہ جائز ہے؛ کیونکہ اس میں اجرت کام کرنے کے بعد واجب ہوتی ہے اور اس وقت جہالت دور ہو جائے گی، اور یہاں جو مسائل مذکور ہیں ان میں تخلیہ اور سپرد کرنے سے اجرت واجب ہو جاتی ہے اس لیے معقود علیہ اور اجرت میں جہالت باقی رہے گی اس لیے یہ عقود فاسد ہیں، اور یہی وجہ (اجرت کا تخلیہ اور سپرد کرنے سے واجب ہونا) صاحبینؒ کے نزدیک اصل اور قاعدہ ہے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موجر نے مستاجر کو دو مختلف اور صحیح عقود میں اختیار دیا ہے تو جیسا کہ الگ الگ ہر ایک جائز ہے اسی طرح دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے جیسے رومی اور فارسی سلائی میں اختیار دینے کی صورت میں عقد جائز ہے۔ اور ہم نے ان کو دو مختلف عقد اس لیے قرار دیا کہ مستاجر کا اس کوٹھری میں خود رہنا یا لوہار کو بسانا دونوں مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے کوٹھری کو مطلقاً کرایہ پر لیا تو یہ عقد لوہار بسانے کو شامل نہ ہوگا معلوم ہوا کہ یہ دو الگ الگ عقد ہیں، اسی طرح دوسرے اجارات میں ہے۔

باقی صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ تخلیہ اور سپرد کرنے سے اجرت واجب ہوتی ہے اس لیے جہالت باقی رہے گی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اجارہ تو نفع حاصل کرنے کے لیے منعقد کیا جاتا ہے اور نفع حاصل کرنے کے وقت جہالت دور ہو جاتی ہے اس لیے جائز ہے۔ اور اگر خالی سپرد کرنے سے اجرت واجب کرنے کی ضرورت پڑی مثلاً عین مستاجرہ کو مستاجر کے سپرد کر دیا اور اس نے بالکل نفع نہیں اٹھایا تاکہ منفعت معلوم ہو تو ایسی صورت میں عقد میں متعین کردہ دونوں اجرتوں میں سے جو کم ہے وہی واجب ہوگی؛ کیونکہ کم متیقن ہے۔

## بَابُ إِجَارَةِ الْعَبْدِ

یہ باب غلام کے اجارہ کے بیان میں ہے۔
مصنفؒ آزاد لوگوں کے ساتھ متعلق احکام سے فارغ ہوگئے تو غلاموں کے ساتھ متعلق احکام کو شروع فرمایا چونکہ غلام کا درجہ آزاد سے کم ہے اس لیے غلام سے متعلق احکام کو آزاد کے ساتھ متعلق احکام سے مؤخر کر دیا۔

{1} قَالَ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْدًا لِلْخِدْمَةِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهِ إلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ ذَلِكَ؛
اور جو شخص اجارہ پر لے غلام تاکہ خدمت لے اس سے، تو اس کو اختیار نہیں کہ سفر میں لے جائے اس کو، مگر یہ کہ شرط کرلے اس کی؛

لِأَنَّ خِدْمَةَ السَّفَرِ اشْتَمَلَتْ عَلَى زِيَادَةِ مَشَقَّةٍ فَلَا يَنْتَظِمُهَا الْإِطْلَاقُ ، وَلِهَذَا جُعِلَ السَّفَرُ عُذْرًا فَلَا بُدَّ
کیونکہ سفر کی خدمت مشتمل ہوتی ہے زیادہ مشقت پر پس شامل نہ ہوگا اس کو اطلاق، اسی لیے قرار دیا گیا ہے سفر کو عذر، پس ضروری ہے

مِنَ اشْتِرَاطِهِ كَإِسْكَانِ الْحَدَّادِ وَالْقَصَّارِ فِي الدَّارِ ؛ وَلِأَنَّ التَّفَاوُتَ بَيْنَ الْخِدْمَتَيْنِ ظَاهِرٌ ، فَإِذَا تَعَيَّنَ
اس کی شرط کرنا جیسے بسانا لوہا اور دھوبی کو مکان میں، اور اس لیے کہ تفاوت دونوں خدمتوں میں ظاہر ہے، اور پس جب متعین ہوئی

الْخِدْمَةُ فِي الْحَضَرِ لَا يَبْقَى غَيْرُهُ دَاخِلًا كَمَا فِي الرُّكُوبِ {2} وَمَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْدًا مَحْجُورًا عَلَيْهِ شَهْرًا
خدمت حضر میں، تو باقی نہیں رہے گی دوسری اس میں داخل جیسا کہ سواری میں ہے۔ اور جس نے اجارہ پر لیا مجور غلام کو ایک ماہ کے لیے

وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ فَلَيْسَ لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ الْأَجْرَ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْإِجَارَةَ صَحِيحَةٌ اسْتِحْسَانًا إذَا فَرَغَ مِنَ الْعَمَلِ وَالْقِيَاسُ
اور دیدیا اجر تو مستاجر کو اختیار نہیں کہ واپس لے اس سے اجرت، اور اس کی اصل یہ ہے کہ اجارہ صحیح ہے استحساناً جبکہ وہ کام سے فارغ ہو، اور قیاس یہ تھا

أَنْ لَا يَجُوزَ لِانْعِدَامِ إذْنِ الْمَوْلَى وَقِيَامِ الْحَجْرِ فَصَارَ كَمَا إذَا هَلَكَ الْعَبْدُ . {3} وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ
کہ جائز نہ ہو؛ مولیٰ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے، حجر قائم ہونے کی وجہ سے پس یہ ہو گیا جیسا کہ جب ہلاک ہو جائے غلام۔ وجہ استحسان یہ ہے

التَّصَرُّفَ نَافِعٌ عَلَى اعْتِبَارِ الْفَرَاغِ سَالِمًا ضَارٌّ عَلَى اعْتِبَارِ هَلَاكِ الْعَبْدِ ، وَالنَّافِعُ مَأْذُونٌ فِيهِ
کہ تصرف نافع ہے سلامتی کے ساتھ فارغ ہونے کے اعتبار پر، اور مضر ہے غلام کے ہلاک ہونے کے اعتبار پر، اور نافع کی اجازت ہے

كَقَبُولِ الْهِبَةِ ، وَإِذَا جَازَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ . {4} وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَأَجَرَ
جیسے ہبہ قبول کرنا، اور جب جائز ہوا یہ تو مستاجر کو اختیار نہ ہو کہ واپس لے اس سے اجرت۔ اور جس نے غصب کیا غلام، پس اجارہ پر دیدیا

الْعَبْدُ نَفْسَهُ فَأَخَذَ الْغَاصِبُ الْأَجْرَ فَأَكَلَهُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : هُوَ ضَامِنٌ
غلام نے خود کو، اور لے لیا غاصب نے اجر، اور کھالیا، تو ضمان نہ ہوگا اس پر امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: وہ ضامن ہے؛

لِأَنَّهُ أَكَلَ مَالَ الْمَالِكِ بِغَيْرِ إذْنِهِ ، إذِ الْإِجَارَةُ قَدْ صَحَّتْ عَلَى مَا مَرَّ . {5} وَلَهُ أَنَّ

کیونکہ اس نے کھایا مالک کا مال اس کی اجازت کے بغیر؛ اس لیے کہ اجارہ صحیح ہوا ہے جیسا کہ گذر چکا۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے
الضَّمَانَ إنَّمَا يَجِبُ بِإِتْلَافِ مَالٍ مُحْرَزٍ ؛ لِأَنَّ التَّقَوُّمَ بِهِ ، وَهَذَا غَيْرُ مُحْرَزٍ فِي حَقِّ الْغَاصِبِ ؛
کہ ضمان واجب ہوتا ہے ایسے مال کو تلف کرنے سے جو محفوظ ہو؛ کیونکہ مال کا ذی قیمت ہونا اسی سے ہے، اور یہ مال محفوظ نہیں غاصب کے حق میں؛
لِأَنَّ الْعَبْدَ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ عَنْهُ فَكَيْفَ يُحْرِزُ مَا فِي يَدِهِ . {6} وَإِنْ وَجَدَ الْمَوْلَى الْأَجْرَ قَائِمًا بِعَيْنِهِ
کیونکہ غلام محفوظ نہیں رکھ سکتا خود کو اس سے تو کیسا محفوظ رکھے گا وہ مال جو اس کے ہاتھ میں ہے؟ اور اگر پایا مولیٰ نے اجرت کو بعینہ موجود،
أَخَذَهُ ؛ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ ، وَيَجُوزُ قَبْضُ الْعَبْدِ الْأَجْرَ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ؛ لِأَنَّهُ مَأْذُونٌ لَهُ
تو وہ لے گا اس کو؛ کیونکہ اس نے پالیا اپنا عین مال، اور جائز ہے غلام کا قبض کرنا اجرت کو سب کے قول میں؛ کیونکہ وہ ماذون لہ ہے
فِي التَّصَرُّفِ عَلَى اعْتِبَارِ الْفَرَاغِ عَلَى مَا مَرَّ . {7} وَمَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْدًا هَذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ شَهْرًا بِأَرْبَعَةٍ
تصرف کرنے میں کام سے فارغ ہونے کے اعتبار پر جیسا کہ گذر چکا۔ اور جس نے کرایہ پر لیا غلام ان دو مہینوں کے لیے، ایک ماہ بعوض چار درہم کے
وَشَهْرًا بِخَمْسَةٍ فَهُوَ جَائِزٌ ، وَالْأَوَّلُ مِنْهُمَا بِأَرْبَعَةٍ ؛ لِأَنَّ الشَّهْرَ الْمَذْكُورَ أَوَّلًا يَنْصَرِفُ
اور ایک ماہ بعوض پانچ درہم کے، تو یہ جائز ہے، اور ان دونوں میں پہلا مہینہ چار درہم کے عوض ہوگا؛ کیونکہ جو ماہ مذکور ہے اول وہ پھرے گا
إلَى مَا يَلِي الْعَقْدَ تَحَرِّيًا لِلْجَوَازِ أَوْ نَظَرًا إلَى تَنَجُّزِ الْحَاجَةِ فَيَنْصَرِفُ الثَّانِي
اس کی طرف جو متصل ہے عقد کے، طلب کرتے ہوئے جواز کو، یا نظر کرتے ہوئے فی الحال حاجت پوری کرنے کی طرف، پس پھرے گا ثانی
إلَى مَا يَلِي الْأَوَّلَ ضَرُورَةً . {8} وَمَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْدًا شَهْرًا بِدِرْهَمٍ فَقَبَضَهُ
اس کی طرف جو متصل ہے اول کے ساتھ لازمی طور پر۔ اور جس نے کرایہ پر لیا غلام ایک ماہ کے لیے ایک درہم کے عوض، اور قبض کر لیا اس کو
فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ ثُمَّ جَاءَ آخِرَ الشَّهْرِ ، وَهُوَ آبِقٌ أَوْ مَرِيضٌ فَقَالَ الْمُسْتَأْجِرُ أَبَقَ أَوْ مَرِضَ حِينَ أَخَذْتُهُ
شروع ماہ میں، پھر آیا اخیر ماہ میں حالانکہ غلام بھاگ گیا ہے یا بیمار ہے، اور کہا مستاجر نے کہ وہ بھاگ گیا ہے یا بیمار ہوا ہے جب سے میں نے لیا ہے اس کو،
وَقَالَ الْمَوْلَى لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ إلَّا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِسَاعَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُسْتَأْجِرِ ، وَإِنْ جَاءَ بِهِ ،
اور مولیٰ نے کہا: کہ یہ نہیں ہوا تھا مگر تیرے میرے پاس آنے سے تھوڑی دیر پہلے، تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا، اور اگر لایا غلام کو
وَهُوَ صَحِيحٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُؤَجِّرِ ؛ لِأَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِي أَمْرٍ مُحْتَمَلٍ فَيَتَرَجَّحُ بِحُكْمِ الْحَالِ ،
حالانکہ وہ تندرست ہے، تو قول موجر کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ ان دونوں نے اختلاف کیا محتمل امر میں، تو ترجیح دی جائے گی حکم حال سے؛
إذْ هُوَ دَلِيلٌ عَلَى قِيَامِهِ مِنْ قَبْلُ وَهُوَ يَصْلُحُ مُرَجِّحًا إنْ لَمْ يَصْلُحْ حُجَّةً فِي نَفْسِهِ . {9} أَصْلُهُ

اس لیے کہ حال دلیل ہے اس کے موجود ہونے پر پہلے سے، اور حال مرجح ہو سکتا ہے اگر چہ حجت نہیں ہو سکتا فی نفسہ، اس کی اصل

الِاخْتِلَافُ فِي جَرَيَانِ مَاءِ الطَّاحُونَةِ وَانْقِطَاعِهِ .

وہ اختلاف ہے جو پن چکی کے پانی کے جاری ہونے اور اس کے بند ہونے میں واقع ہوا۔

تشریح:۔{1} اگر کسی نے دوسرے کا غلام اس لیے کرایہ پر لیا کہ ان سے خدمت لے تو اس کو یہ اختیار نہیں کہ مذکورہ غلام کو سفر میں لے جائے، مگر یہ کہ اجارہ پر لینے کے وقت سفر میں لے جانے کی شرط کرلی ہو؛ کیونکہ سفری خدمت زیادہ مشقت پر مشتمل ہوتی ہے تو مطلق اجارہ اس کو شامل نہ ہوگا۔ چونکہ سفری خدمت زیادہ مشقت پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے سفر کو فسخ اجارہ کا عذر قرار دیا گیا ہے مثلاً حضر میں خدمت کے لیے غلام کو اجارہ پر لیا پھر مستاجر نے سفر کا ارادہ کرلیا تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے، پس سفر میں لے جانے کی شرط کرنا ضروری ہے بلا شرط سفر میں لے جانا جائز نہیں ہے جیسے مکان کرایہ پر لینے میں لوہار یا دھوبی کو بٹھانے کی شرط کرنا ضروری ہے بلا شرط ان کو بٹھانا جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضری خدمت اور سفری خدمت میں تفاوت ظاہر ہے پس جب حضری خدمت متعین ہوئی تو سفری خدمت اس میں داخل نہ رہے گی جیسے سواری میں ہوتا ہے کہ اگر شہر میں سوار ہونے کے لیے کرایہ پر لیا تو اس کو باہر لے جانا جائز نہیں ہے۔

{2} اگر کسی نے ایک مجور غلام سے خود اس کی ذات کو ایک مہینہ کے لیے اجارہ پر لیا اور کام کرنے کے بعد اجرت اسی غلام کو دیدی تو مستاجر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے اجرت واپس لے لے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ یہ اجارہ استحساناً صحیح ہے جبکہ وہ کام سے فارغ ہو، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اجارہ جائز نہ ہو؛ کیونکہ مولی کی جانب سے اجازت نہیں ہے، اور غلام خود مجور ہے تو ایسا ہو گیا جیسے غلام مر گیا یعنی اگر اسی خدمت میں مستاجر کے ہاں غلام مر گیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا مولی کو اجرت نہیں ملے گی بلکہ اس کی قیمت کا مستحق ہوگا، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی قیاساً اجارہ فاسد ہے۔

{3} اور استحساناً جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس غلام کے تصرف میں دو اعتبار ہیں ایک یہ کہ سلامتی کے ساتھ خدمت سے فارغ ہو جائے تو اس اعتبار سے مولی کے حق میں نافع ہے اور دوم یہ کہ غلام اس خدمت میں تلف ہو جائے اور اس لحاظ سے یہ مولی کے حق میں مضر ہے پس جو صورت نافع ہے اس کی اجازت ہوتی ہے جیسے غلام کے لیے ہبہ قبول کرنے کی اجازت ہے؛ کیونکہ یہ محض نافع ہے، پس جب غلام اس خدمت سے سالم فارغ ہو تو گویا مولی نے اس کو اجارہ کی اجازت دیدی اور جب اجارہ جائز ہوا تو مستاجر کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جو اجرت اس نے غلام کو دی ہے وہ واپس لے لے۔

ہو کر مولیٰ کی طرف سے تصرف کے لیے ماذون ہو گیا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا اور جب غلام ماذون ہے تو وہ عاقد ہے اور عقد کے حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں اس لیے اس کو اجرت پر قبضہ کا اختیار ہو گا۔

{7} اگر کسی نے ایک غلام دو مہینوں کے لیے اجارہ پر لیا کہ ایک ماہ بعوض چار درہم ہے اور ایک بعوض پانچ درہم ہے تو یہ جائز ہے اور پہلا مہینہ بعوض چار درہم کے ہو گا؛ کیونکہ جو ماہ پہلے مذکور ہے اسی کو عقد سے متصل مہینہ قرار دیا جائے گا؛ یہ اس لیے کہ جب اس نے "شَهْرًا بِأَرْبَعَةٍ" نکرہ ذکر کیا تو مہینہ مجہول ہونے کی وجہ سے عقد اجارہ فاسد ہو گا پس عقد کے جواز کو طلب کرتے ہوئے جو ماہ پہلے مذکور ہے اسی کو عقد سے متصل مہینہ قرار دیا جائے گا، یا اس لحاظ سے تاکہ پہلے مذکور کی طرف عقد پھیرنے سے بالفعل غلام کے منافع کی ملکیت حاصل کرنے کی حاجت پوری ہو، پس لازمی طور پر دوسرا مہینہ اول کے متصل مہینے کی طرف پھرے گا لہٰذا دوسرا مہینہ وہ ہو گا جو اول کے بعد ہو۔

{8} اگر ایک شخص نے ایک غلام کرایہ پر لیا ایک ماہ ایک درہم کے عوض، اور اس غلام پر شروعِ ماہ میں قبضہ کر لیا پھر مہینے کا اخیر آیا اس حال میں کہ وہ غلام بھاگا ہوا ہے یا بیمار ہے، پس مستاجر نے کہا کہ جس وقت میں نے اس کو لے لیا یہ بھاگ گیا یا ہو گیا، اور غلام کے مولیٰ نے کہا کہ یہ بھاگا یا مریض نہیں ہوا مگر تیرا میرے پاس آنے سے ایک گھڑی پہلے یعنی تیرے آنے سے ایک گھڑی پہلے بھاگا یا بیمار ہوا ہے تو مستاجر کا قول قبول ہو گا اور اجرت واجب نہ ہو گی۔ اور اگر وہ غلام کو اس حالت میں لے آیا کہ وہ تندرست ہے تو موجر کا قول قبول ہو گا اس لیے موجر اجرت کا مستحق ہو گا؛ کیونکہ ان دونوں نے امر محتمل میں اختلاف کیا ہے یعنی ممکن ہے کہ وہ شروع سے بھاگا یا بیمار ہوا ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ واپس کرتے وقت بیمار ہوا ہو، پس جو حالت فی الحال قائم ہو اسی سے ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ موجودہ حالت دلیل ہے کہ یہی حالت عاقدین کے اختلاف سے پہلے قائم تھی اور موجودہ حالت اس لائق ہوتی ہے کہ اس سے ترجیح دی جائے اگرچہ وہ فی نفسہ کسی امر کو ثابت کرنے کے لائق نہیں ہے مگر اس لائق ہے کہ اس سے ترجیح دی جائے۔

{9} اور اس اختلاف کی اصل وہ اختلاف ہے جو پن چکی کے پانی جاری ہونے یا نہ ہونے میں واقع ہو یعنی اگر کسی نے پن چکی کرایہ پر لی پھر ختم میعاد پر کہا کہ اس کا پانی شروع سے منقطع ہو گیا تھا، اور موجر نے کہا کہ شروع سے منقطع نہیں ہوا تھا، تو موجودہ حال کو دیکھا جائے گا کہ آیا پانی جاری ہے یا منقطع ہے پس اگر منقطع ہو تو مستاجر کا قول قبول ہے اور اگر پانی جاری ہو تو موجر کا قول قبول ہو گا۔

## بَابُ الِاخْتِلَافِ فِي الْإِجَارَةِ

یہ باب موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف واقع ہونے کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ عاقدین کے اتفاق کے احکام سے فارغ ہوگئے تو ان کے اختلاف کے احکام کو شروع فرمایا؛ کیونکہ اتفاق اصل ہے اور اختلاف کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے اتفاق کے احکام کو پہلے اور اختلاف کے احکام کو بعد میں بیان فرمایا ہے۔

{1}قَالَ : وَإِذَا اخْتَلَفَ الْخَيَّاطُ وَرَبُّ الثَّوْبِ فَقَالَ رَبُّ الثَّوْبِ أَمَرْتُكَ أَنْ تَعْمَلَهُ قَبَاءً وَقَالَ
فرمایا: اور اگر اختلاف کیا درزی اور کپڑے کے مالک نے، پس کہا مالکِ کپڑے نے: میں نے تجھے امر کیا تھا کہ تو بنائے اس کا قباء اور کہا

الْخَيَّاطُ بَلْ قَمِيصًا أَوْ قَالَ : صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلصَّبَّاغِ أَمَرْتُكَ أَنْ تَصْبُغَهُ أَحْمَرَ فَصَبَغْتَهُ أَصْفَرَ وَقَالَ
درزی نے: قمیص کا، یا کہا کپڑے کے مالک نے رنگریز سے: میں نے تجھے امر کیا تھا کہ تو رنگ دے اس کو سرخ، پس تو نے رنگ دیا اس کو زرد، اور کہا

الصَّبَّاغُ لَا بَلْ أَمَرْتَنِي أَصْفَرَ فَالْقَوْلُ لِصَاحِبِ الثَّوْبِ ؛ لِأَنَّ الْإِذْنَ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ ؛ أَلَا تَرَى
رنگریز نے: نہیں بلکہ تو نے مجھے امر کیا تھا زرد رنگنے کا، تو قول کپڑے کے مالک کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ اجازت حاصل ہوتی ہے اسی کی طرف سے، کیا نہیں دیکھتے ہو

أَنَّهُ لَوْ أَنْكَرَ أَصْلَ الْإِذْنِ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ فَكَذَا إِذَا أَنْكَرَ صِفَتَهُ ، لَكِنْ يُحَلَّفُ
کہ اگر وہ انکار کرے اصل اجازت کا، تو اسی کا قول معتبر ہوگا، پس اسی طرح جب وہ انکار کرنے صفتِ اجازت کا، لیکن اس سے قسم لی جائے گی؛

لِأَنَّهُ أَنْكَرَ شَيْئًا لَوْ أَقَرَّ بِهِ لَزِمَهُ . {2}قَالَ : وَإِذَا حَلَفَ فَالْخَيَّاطُ ضَامِنٌ
کیونکہ اس نے انکار کیا ایسی چیز کا کہ اگر وہ اقرار کرتا اس کا تو وہ لازم ہو جاتی اس کو۔ فرمایا: اور جب وہ قسم لے تو درزی ضامن ہوگا،

وَمَعْنَاهُ مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ أَنَّهُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَهُ ، وَأَعْطَاهُ
اور اس کا معنی وہ ہے جو گذر چکا سابق میں کہ صاحبِ ثوب کو اختیار ہے اگر چاہے تو ضمان لے اس سے، اور اگر چاہے تو قمیص لے اور دیدے اس کو

أَجْرَ مِثْلِهِ ، وَكَذَا يُخَيَّرُ فِي مَسْأَلَةِ الصَّبْغِ إِذَا حَلَفَ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَةَ الثَّوْبِ أَبْيَضَ
اس کا اجرِ مثل، اور اسی طرح اختیار ہوگا رنگ کے مسئلہ میں جب وہ قسم لے اگر چاہے تو ضمان لے اس سے سفید کپڑے کی قیمت کا

وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الثَّوْبَ وَأَعْطَاهُ أَجْرَ مِثْلِهِ لَا يُجَاوَزُ بِهِ الْمُسَمَّى . {3}وَذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ : يُضَمِّنُهُ مَا
اور اگر چاہے تو زرد کپڑا لے لے، اور دیدے اس کو اجرِ مثل جو نہ بڑھائے مسمّٰی سے، اور ذکر کیا ہے بعض نسخوں میں: کہ ضمان دیدے اس

زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْغَاصِبِ . {4} وَإِنْ قَالَ : صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهُ لِي
جو زیادتی آئی ہے رنگ سے اس میں؛ کیونکہ رنگریز بمنزلۂ غاصب کے ہے۔ اور اگر کہا صاحبِ ثوب نے کہ تو نے کام کیا میرے لیے

بغیر أجر وقال الصانع بأجر فالقول قول صاحب الثوب عند أبي حنيفة ؛ لأنه ينكر تقوم عمله إذ

بلا اجرت، اور کہار نگریز نے: اجرت سے، تو قول صاحب ثوب کا معتبر ہو گا؛ کیونکہ وہ منکر ہے اس کے عمل کے ذی قیمت ہونے کا؛ اس لیے

هو يتقوم بالعقد وينكر الضمان والصانع يدعيه والقول قول المنكر

کہ عمل ذی قیمت ہوتا ہے عقد سے، اور انکار کرتا ہے وجوبِ اجرت کا، اور کاریگر مدعی ہے اس کا، اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔

{5} وقال أبو يوسف : إن كان الرجل حريفا له أي خليطا له فله الأجر وإلا فلا ؛

اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: اگر صانع حریف ہو اس کا یعنی معاملہ کرنے والا ہو اس کے ساتھ، تو اس کے لیے اجرت ہو گی، ورنہ نہیں؛

لأن سبق ما بينهما يعين جهة الطلب بأجر جريا على معتادهما {6} وقال محمد:

کیونکہ سابقہ تعامل ان کے درمیان متعین کرتا ہے اجرت طلب کرنے کی جہت کو چلتے ہوئے ان دونوں کے معتاد پر۔ اور فرمایا امام محمدؒ نے

إن كان الصانع معروفا بهذه الصنعة بالأجر فالقول قوله ؛ لأنه لما فتح الحانوت لأجله

کہ اگر کاریگر معروف ہو اس عمل کو اجرت پر کرنے کے ساتھ، تو قول کاریگر کا معتبر ہو گا؛ کیونکہ جب اس نے دکان کھولی اس کام کے لیے

جرى ذلك مجرى التنصيص على الأجر اعتبارا للظاهر ، {7} والقياس ما قاله أبو حنيفة ؛ لأنه منكر

تو یہ قائم مقام ہے اجرت کی تصریح کے؛ اعتبار کرتے ہوئے ظاہر کا، اور قیاس وہی ہے جو امام صاحبؒ نے کہا ہے؛ کیونکہ وہ منکر ہے،

والجواب عن استحسانهما أن الظاهر للدفع ، والحاجة ههنا إلى الاستحقاق والله أعلم .

اور صاحبینؒ کے استحسان کا جواب یہ ہے کہ ظاہر دفع کے لیے ہوتا ہے، اور حاجت یہاں استحقاق کی ہے، واللہ اعلم۔

تشریح:۔ {1} اگر درزی اور کپڑے کے مالک نے باہم اختلاف کیا، کپڑے کے مالک نے کہا کہ "میں نے تجھے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی قباء (چوغہ) سی دو"، اور درزی نے کہا کہ "نہیں بلکہ تو نے مجھے قمیص سینے کا حکم دیا تھا"، یا کپڑے کے مالک اور رنگریز میں اس طرح اختلاف ہوا کہ مالک کہتا ہے کہ "میں نے تجھے سرخ رنگ دینے کا حکم دیا تھا مگر تو نے زرد رنگ دیا" اور رنگریز کہتا ہے کہ "نہیں بلکہ تو نے مجھے زرد رنگ دینے کا حکم دیا تھا" تو کپڑے کے مالک کا قول قبول ہو گا؛ کیونکہ اجازت کا ثبوت کپڑے کے مالک کی جانب سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کپڑے کا مالک اصل عقدِ اجارہ ہی کا انکار کر دے اور کہے کہ کپڑا میں نے تیرے پاس بطورِ ودیعت رکھا تھا تو اسی کا قول قبول ہوتا ہے پس اسی طرح جب وہ صفت (اجازت) سے انکار کرے تو بھی اسی کا قول قبول ہو گا۔ البتہ اس سے قسم لی جائے گی؛ کیونکہ اس نے ایسی چیز سے انکار کیا کہ اگر وہ اس کا اقرار کرے تو اس پر لازم ہو گی۔

{2} پھر اگر کپڑے کے مالک نے قسم کھائی تو درزی ضامن ہوگا اور اس کا معنیٰ وہ ہے جو سابق میں "باب الاجارۃ الفاسدۃ" میں بیان ہو چکا کہ مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے اس سے اپنے کپڑے کی قیمت تاوان لے لے اور چاہے قمیص کو لے کر اس کو اس کی اجرتِ مثل دیدے لیکن مقدارِ مسمّٰی سے زیادہ نہ دیا جائے گا، اسی طرح رنگریز کے مسئلہ میں بھی مالک کو اختیار ہے کہ جب قسم کھا گیا تو چاہے اپنے سفید کپڑے کی قیمت تاوان لے لے اور چاہے رنگین کپڑا لے کر رنگریز کو اس کی اجرت مثل دیدے مگر مقدارِ مقررہ سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

{3} قدوری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ رنگ کی وجہ سے جو کچھ زیادتی ہو گئی ہے کپڑے کا مالک اس کا تاوان دیدے اجرتِ مثل نہ دے؛ کیونکہ رنگریز نے جب مالک کے حکم کی مخالفت کی تو وہ بمنزلۂ غاصب کے ہو گیا ہے اور غصب کا یہی حکم ہے۔

{4} اگر کپڑے کے مالک نے کہا کہ تو نے میرے لیے بغیر اجرت کے کام کر دیا ہے اور کاریگر نے کہا کہ نہیں میں نے اجرت کے عوض کام کیا ہے، تو کپڑے کے مالک کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ مالک کاریگر کے کام کے قیمتی ہو جانے سے انکار کرتا ہے؛ کیونکہ کام کا قیمتی ہونا عقد کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور یہاں چونکہ مالک عمل بلا اجرت کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے یہاں عقد نہیں ہے اور مالک وجوبِ اجرت سے بھی انکار کرتا ہے جبکہ کاریگر ان دونوں باتوں کا مدعی ہے، اور اصول یہ ہے کہ جو شخص منکر ہو اسی کا قول قبول ہوتا ہے اس لیے مالک کا قول قبول ہوگا۔

{5} امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر مالک کا حریف یعنی خلیط ہو یعنی ان دونوں میں لین دین کا معاملہ پہلے سے جاری ہو تو کاریگر کو اجرت ملے گی اور اگر ان میں پہلے سے لین دین نہ ہو تو اس کو اجرت نہیں ملے گی؛ کیونکہ سابق میں جو ان کے درمیان لین دین کا معاملہ تھا وہ اس امر کا مؤید ہے کہ اس معاملہ میں بھی اس کو اجرت کا مطالبہ ہے یعنی یہ معاملہ بھی اجرت ہی پر واقع ہوا ہے جیسا کہ ان دونوں کا اجرت پر کام کرنے اور کروانے کا معمول جاری تھا۔

{6} امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اس کاریگری میں اجرت پر کام کرنے میں معروف ہو کہ اس کام کے لیے اپنی دوکان میں بیٹھتا ہو تو اسی کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ جب اس نے دوکان اسی کام کے لیے کھولی ہے تو یہ ظاہر کو دیکھتے ہوئے اجرت کی شرط کرنے کی تصریح کے قائم مقام ہو گیا پس اس کو اجرت دلائی جائے گی۔

{7} اور قیاس وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا؛ کیونکہ کپڑے کا مالک اجارہ کا منکر ہے اور منافع بغیر عقد کے متقوم نہیں ہوتا اور صاحبینؒ کے استحسان کا جواب یہ ہے کہ ظاہر حال حجتِ قاصرہ ہونے کی وجہ سے اپنی ذات سے دفع کرنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے

مگر اس کے استحقاق کو ثابت نہیں کر سکتا ہے جبکہ یہاں کاریگر کو اپنا استحقاق ثابت کرنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ کاریگر استحقاق اجرت کا دعی ہے، تو ایسی دلیل لانا چاہیے کہ جس سے استحقاق ثابت ہو اور وہ شرعی گواہی ہے لہٰذا ہم نے کہا کہ اس پر گواہ لانا واجب ہے گواہوں کے بغیر مالک کا قول قبول ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فتویٰ:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی الدرّ المنتقی:(و عند محمد) القول ( للصانع ان كان معروفاً بعمله بأجر) و قيام حاله هذه الصفة و الا فلا وبه يفتى كما فى التنوير و غيره وهذا بعد العمل ،أما قبله فيتحالفان وتمامه فى شرحنا عليه (الدر المنتقى تحت مجمع الانهر: 554/3)

## بَابُ فَسْخِ الْإِجَارَةِ

### یہ باب فسخ اجارہ کے بیان میں ہے

مصنفؒ نے سب سے اخیر میں "بَابُ فَسْخِ الْإِجَارَةِ" کو رکھا ہے؛ کیونکہ فسخ عقد وجودِ عقد کے بعد ہوتا ہے لہٰذا اس کا ذکر بھی سب کے بعد مناسب ہے۔

{1}قَالَ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ دَارًا فَوَجَدَ بِهَا عَيْبًا يَضُرُّ بِالسُّكْنَى فَلَهُ الْفَسْخُ ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ الْمَنَافِعُ،
فرمایا:اور جو شخص کرایہ پر لے مکان، پھر پائے اس میں ایسا عیب جو مضر ہو رہائش کے لیے، تو اس کو اختیار ہوگا فسخ کا؛ کیونکہ معقود علیہ منافع ہیں
وَأَنَّهَا تُوجَدُ شَيْئًا فَشَيْئًا فَكَانَ هَذَا عَيْبًا حَادِثًا قَبْلَ الْقَبْضِ فَيُوجِبُ الْخِيَارَ كَمَا فِي الْبَيْعِ،
اور وہ پائے جاتے ہیں تھوڑے تھوڑے، پس یہ نیا عیب ہے جو پیدا ہونے والا ہے قبضہ سے پہلے، پس یہ موجب خیار ہوگا جیسا کہ بیع میں،
ثُمَّ الْمُسْتَأْجِرُ إِذَا اسْتَوْفَى الْمَنْفَعَةَ فَقَدْ رَضِيَ بِالْعَيْبِ فَيَلْزَمُهُ جَمِيعُ الْبَدَلِ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، وَإِنْ فَعَلَ الْمُؤْجِرُ مَا
پھر مستاجر نے اگر حاصل کرلی منفعت تو وہ راضی ہے عیب پر، پس لازم ہوگا اس کو پورا بدل جیسا کہ بیع میں ہے، اور اگر موجر نے ایسا کام کیا
أَزَالَ بِهِ الْعَيْبَ فَلَا خِيَارَ لِلْمُسْتَأْجِرِ لِزَوَالِ سَبَبِهِ .{2}قَالَ : وَإِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ أَوِ انْقَطَعَ
جس سے زائل کر دیا عیب، تو خیار نہ ہوگا مستاجر کے لیے؛ سبب زائل ہونے کی وجہ سے۔ فرمایا:اور اگر ویران ہو گیا مکان یا منقطع ہو گیا
شِرْبُ الضَّيْعَةِ أَوِ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنِ الرَّحَى انْفَسَخَتِ الْإِجَارَةُ ؛لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ قَدْ فَاتَ، وَهِيَ الْمَنَافِعُ الْمَخْصُوصَةُ قَبْلَ الْقَبْضِ
زمین کا پانی یا منقطع ہو گیا پن چکی سے پانی تو فسخ ہو جائے گا اجارہ؛ کیونکہ معقود علیہ فوت ہوا، اور وہ مخصوص منافع ہیں قبضہ سے پہلے،
فَشَابَهُ فَوْتَ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَمَوْتَ الْعَبْدِ الْمُسْتَأْجَرِ .وَمِنْ أَصْحَابِنَا مَنْ قَالَ : إِنَّ الْعَقْدَ لَا يَنْفَسِخُ؛

اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے: کہ عقد فسخ ہو جائے گا،

پس یہ مشابہ ہو گیا فوتِ مبیع کے قبضہ سے پہلے اور کرایہ پر لیے ہوئے غلام کی موت کے۔

لِأَنَّ الْمَنَافِعَ قَدْ فَاتَتْ عَلَى وَجْهٍ يُتَصَوَّرُ عَوْدُهَا فَأَشْبَهَ الْإِبَاقَ فِي الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ

کیونکہ منافع فوت ہو گئے ایسے طور پر کہ متصور ہے ان کا لوٹ آنا، پس یہ مشابہ ہو گیا غلام کے بھاگ جانے کے بیع میں قبضہ سے پہلے۔

{3} وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ الْآجِرَ لَوْ بَنَاهَا لَيْسَ لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يَمْتَنِعَ وَلَا لِلْآجِرِ ، وَهَذَا تَنْصِيصٌ مِنْهُ

اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ موجر نے اگر اس کی تعمیر کی تو مستاجر کو اختیار نہیں کہ رُک جائے اور نہ موجر کو، اور یہ تصریح ہے ان کی طرف سے

عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَنْفَسِخْ لَكِنَّهُ يُفْسَخُ . {4} وَلَوِ انْقَطَعَ مَاءُ الرَّحَى ، وَالْبَيْتُ مِمَّا يُنْتَفَعُ بِهِ لِغَيْرِ الطَّحْنِ

کہ فسخ نہیں ہوا ہے لیکن قابلِ فسخ ہے۔ اور اگر منقطع ہوا پن چکی کا پانی، اور مکان ایسا ہے کہ جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے پیسنے کے علاوہ،

فَعَلَيْهِ مِنَ الْأَجْرِ بِحِصَّتِهِ ؛ لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ {5} قَالَ : وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَقَدْ عَقَدَ الْإِجَارَةَ

تو اس پر اجرت ہو گی اس کے حساب سے؛ کیونکہ یہ مکان جزء ہے معقود علیہ کا۔ فرمایا: اور اگر مر گیا متعاقدین میں سے ایک، حالانکہ عقدِ اجارہ کیا تھا

لِنَفْسِهِ انْفَسَخَتْ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ بَقِيَ الْعَقْدُ تَصِيرُ الْمَنْفَعَةُ الْمَمْلُوكَةُ بِهِ أَوِ الْأُجْرَةُ الْمَمْلُوكَةُ لِغَيْرِ الْعَاقِدِ

اپنے لیے تو فسخ ہو جائے گا اجارہ؛ کیونکہ اگر باقی رہے عقد تو ہو جائے گی منفعت مملوک اس سے یا اس کی مملوک اجرت غیر عاقد کے لیے

مُسْتَحَقَّةً بِالْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ يَنْتَقِلُ بِالْمَوْتِ إِلَى الْوَارِثِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ {6} وَإِنْ عَقَدَهَا لِغَيْرِهِ لَمْ تَنْفَسِخْ مِثْلُ الْوَكِيلِ

واجب بالعقد؛ کیونکہ وہ منتقل ہو گا موت سے وارث کی طرف، اور یہ جائز نہیں۔ اور اگر عقدِ اجارہ غیر کے لیے کیا ہو، تو فسخ نہ ہو گا جیسے وکیل،

وَالْوَصِيِّ وَالْمُتَوَلِّي فِي الْوَقْفِ لِانْعِدَامِ مَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ مِنَ الْمَعْنَى . {7} قَالَ : وَيَصِحُّ شَرْطُ الْخِيَارِ فِي الْإِجَارَةِ

وصی اور متولی وقف میں؛ بوجہ معدوم ہونے اس کے معنی کے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ فرمایا: اور صحیح ہے شرطِ خیار اجارہ میں۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَصِحُّ ؛ لِأَنَّ الْمُسْتَأْجِرَ لَا يُمْكِنُهُ رَدُّ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ بِكَمَالِهِ لَوْ كَانَ الْخِيَارُ لَهُ

اور فرمایا امام شافعیؒ نے: صحیح نہیں؛ کیونکہ مستاجر کو قدرت نہیں معقود علیہ رد کرنے کا کامل طور پر جبکہ ہو خیار اس کے لیے؛

لِفَوَاتِ بَعْضِهِ ، وَلَوْ كَانَ لِلْمُؤْجِرِ فَلَا يُمْكِنُهُ التَّسْلِيمُ أَيْضًا عَلَى الْكَمَالِ ، وَكُلُّ ذَلِكَ يَمْنَعُ الْخِيَارَ

بعض کے فوت ہونے کی وجہ سے، اور اگر خیار موجر کے لیے ہو تو اس کے لیے ممکن نہیں سپرد کرنا پورے طور پر، اور یہ سب مانع ہے خیار کے لیے۔

{8} وَلَنَا أَنَّهُ عَقْدُ مُعَامَلَةٍ لَا يَسْتَحِقُّ الْقَبْضُ فِيهِ فِي الْمَجْلِسِ فَجَازَ اشْتِرَاطُ الْخِيَارِ فِيهِ كَالْبَيْعِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ عقدِ معاملہ ہے واجب نہیں ہوتا ہے قبضہ اس میں مجلس کے اندر، پس جائز ہے خیار کی شرط اس میں جیسے بیع میں ہے،

وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا دَفْعُ الْحَاجَةِ ، {9} وَفَوَاتُ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ فِي الْإِجَارَةِ لَا يَمْنَعُ الرَّدَّ بِخِيَارِ الْعَيْبِ ، فَكَذَا

اور جامع ان دونوں میں دفع حاجت ہے، اور بعض معقود علیہ کا فوت ہونا اجارہ میں نہیں روکتا ہے رڈ کو خیارِ عیب کی وجہ سے پس اسی طرح

بِخِيَارِ الشَّرْطِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ رَدَّ الْكُلِّ مُمْكِنٌ فِي الْبَيْعِ دُونَ الْإِجَارَةِ فَيُشْتَرَطُ فِيهِ دُونَهَا

خیارِ شرط کی وجہ سے، برخلاف بیع کے، اور یہ اس لیے کہ کل کو واپس کرنا ممکن ہے بیع میں نہ کہ اجارہ میں، پس شرط کیا گیا بیع میں نہ کہ اجارہ میں،

وَلِهَذَا يُجْبَرُ الْمُسْتَأْجِرُ عَلَى الْقَبْضِ إِذَا سَلَّمَ الْمُؤْجِرُ بَعْدَ مُضِيِّ بَعْضِ الْمُدَّةِ .

اور اسی لیے مجبور کیا جائے گا مستاجر قبضہ پر جبکہ سپرد کر دے موجر بعض مدت گذر جانے کے بعد۔

تشریح: {1} اگر کسی نے ایک مکان اجارہ پر لیا پھر اس میں ایسا عیب پایا جو سکونت کے لیے مضر ہے تو مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا؛ کیونکہ معقود علیہ منافع ہیں اور وہ تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتے رہتے ہیں تو یہ ایسا عیب ہے جو منافع پر قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہے اس لیے اس سے خیار ثابت ہوتا ہے جیسے بیع میں مبیع پر قبضہ سے پہلے مبیع میں عیب پیدا ہونے کی صورت میں مبیع واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ پھر اگر مستاجر نے مذکورہ مکان سے منفعت حاصل کر لی تو وہ عیب پر راضی ہو گیا ہے اس لیے اس کے ذمہ پورا عوض لازم ہوگا جیسے بیع میں ہوتا ہے یعنی اگر مشتری عیب پر راضی ہو جائے تو پورا ثمن واجب ہوتا ہے۔ اور اگر موجر نے فسخ اجارہ سے پہلے ایسی اصلاح کر دی جس سے عیب دور ہوا تو مستاجر کے لیے فسخ کا اختیار نہیں رہے گا؛ کیونکہ خیار کا سبب زائل ہو گیا۔

{2} اگر کرایہ کا مکان گر کر خراب ہو گیا، یا زمین کے سینچنے کا پانی منقطع ہو گیا یا پن چکی کا پانی منقطع ہو گیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا؛ کیونکہ معقود علیہ نہیں رہا اور وہ مخصوص منافع ہیں جو حاصل کرنے سے پہلے فوت ہو گئے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے بیع میں قبضہ سے پہلے مبیع تلف ہو جائے تو بیع فسخ ہو جائے گی، یا کرایہ پر لیا ہوا غلام مر جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے کہا ہے کہ عقد فسخ نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ منافع ایسے طور پر ہو گئے ہیں کہ ان کا لوٹ آنا ممکن ہے تو ایسا ہو گیا جیسے بیع میں مبیع غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے غلام بھاگ جائے تو عقد فسخ نہیں ہوتا بلکہ مشتری کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا، اسی طرح یہاں بھی مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا مگر خود فسخ نہیں ہوگا۔

{3} امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر منہدم ہو جانے کے بعد کرایہ پر لیے ہوئے گھر کو موجر نے بنا دیا تو مستاجر کو یہ اختیار نہیں کہ اس کو لینے سے انکار کرے اور موجر کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کو دینے سے انکار کرے، تو امام محمدؒ کا یہ قول صریح دلیل ہے کہ مکان منہدم ہونے سے عقدِ اجارہ فسخ نہیں ہوتا ہے البتہ فسخ کے قابل ہو جاتا ہے یعنی اگر مستاجر عقدِ اجارہ کو فسخ کرتا تو فسخ ہو جاتا اور یہی قول اصح ہے لما فی الدر المختار: تُفْسَخُ بِالْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا ( بِخِيَارِ شَرْطٍ وَرُؤْيَةٍ ) كَالْبَيْعِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ ( وَ ) بِخِيَارِ ( عَيْبٍ ) حَاصِلٍ قَبْلَ الْعَقْدِ أَوْ بَعْدَهُ بَعْدَ الْقَبْضِ أَوْ قَبْلَهُ ( يَفُوتُ النَّفْعُ بِهِ ) صِفَةُ عَيْبٍ ( كَخَرَابِ الدَّارِ

وَانْقِطَاعِ مَاءِ الرَّحَى وَ ) انْقِطَاعِ ( مَاءِ الْأَرْضِ ) وَكَذَا لَوْ كَانَتْ تُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ فَانْقَطَعَ الْمَطَرُ فَلَا أَجْرَ غَايَةٌ أَيْ وَإِنْ لَمْ تَنْفَسِخْ عَلَى الْأَصَحِّ كَمَا مَرَّ .وقال ابن عابدين: ( قَوْلُهُ تَفْسَخُ ) إنَّمَا قَالَ : تُفْسَخُ ؛ لِأَنَّهُ اخْتَارَ قَوْلَ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ وَهُوَ عَدَمُ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ بِالْعُذْرِ وَهُوَ الصَّحِيحُ نَصَّ عَلَيْهِ فِي الذَّخِيرَةِ ، (الدّر المختار مع ردّ المحتار:54/5)

{4} اگر پن چکی کا پانی منقطع ہو گیا اور چکی کا گھر اس قابل ہے کہ اس سے آٹا پیسنے کے علاوہ دوسرا کام لیا جائے تو مستاجر پر اس کے حساب سے اجرت واجب ہو گی؛ کیونکہ یہ گھر معقود علیہ کا ایک جزء ہے تو اسی جزء کے بقدر اجارہ صحیح ہے اس لیے اسی حساب سے اجرت واجب ہو گی۔

{5} اگر عقد اجارہ منعقد کرنے والے عاقدین میں سے ایک مر گیا حالانکہ اس نے اپنی ذات کے لیے اجارہ منعقد کیا تھا یعنی کسی کی جانب سے وکیل یا وصی نہیں تھا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا؛ کیونکہ اگر یہ عقد باقی رہے تو مستاجر کی موت کی صورت میں عقد کی وجہ سے اس کے لیے مملوک منفعت ایسے شخص (وارثِ مستاجر) کے لیے واجب ہو گی جو عاقد نہیں ہے، اور موجر کی موت کی صورت میں عقد کی وجہ سے اس کے لیے مملوک اجرت ایسے شخص (وارثِ موجر) کے لیے واجب ہو گی جو عاقد نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی موت کی وجہ سے اس کا ترکہ اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جاتا ہے حالانکہ عقد کی وجہ سے عاقد کے لیے واجب منافع یا اجرت کا غیر عاقد کے لیے ہونا جائز نہیں ہے۔

{6} اور اگر عقد کرنے والے نے دوسرے کے لیے یہ عقد کیا ہو مثلاً وکیل نے موکل کے لیے عقد کیا ہو پھر وکیل مر گیا، یا وصی نے بچے کے لیے عقد کیا ہو پھر وصی مر گیا، یا وقف کے متولی نے عقد کیا ہو پھر وہ مر گیا تو اس کے مرنے سے اجارہ فسخ نہ ہو گا؛ کیونکہ جس معنی کی جانب ہم نے اشارہ کیا وہ یہاں نہیں پایا جاتا ہے یعنی عقد کی وجہ سے واجب منفعت کا غیر عاقد کے لیے ہونا نہیں پایا جاتا ہے؛ کیونکہ یہاں شروع ہی سے منفعت غیر عاقد کے لیے ہے تو موت کے بعد بھی غیر عاقد ہی کے لیے رہے گی۔

{7} اجارہ میں خیار شرط کرنا صحیح ہے اور جس وقت سے خیار ساقط ہوا اسی وقت سے مدتِ اجارہ شروع ہو گی مثلاً مستاجر کہے کہ "میں نے یہ مکان چار درہم ماہانہ اجرت کے عوض اس شرط پر کرایہ پر لیا کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے" تو یہ صحیح ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اگر خیار مستاجر کے لیے ہو تو اس کے لیے مکمل معقود علیہ واپس کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ بعض معقود علیہ فوت ہوا یعنی مدتِ خیار کے اندر جو منافع فوت ہو گئے ان کا واپس کرنا ممکن نہیں ہے حالانکہ خیار کی وجہ سے عقد فسخ کرنے کی صورت میں کل معقود علیہ واپس کرنا چاہیے۔ اور اگر خیارِ شرط موجر کے لیے ہو تو وہ مکمل معقود علیہ سپرد نہیں

کرسکتا؛ کیونکہ مدتِ خیار میں جو بعض منافع گذر چکے وہ سپرد نہیں کئے جاسکتے ہیں اور معقود علیہ واپس نہ کرسکنے یا سپرد نہ کرسکنے میں سے ہرایک ثبوت خیار کے لیے مانع ہے۔

{8} ہماری دلیل یہ ہے کہ عقدِ اجارہ ایک معاوضہ کا معاملہ ہے یعنی نکاح کی طرح نہیں ہے بلکہ ایسا مالی معاوضہ ہے جس میں مجلس کے اندر قبضہ واجب نہیں ہوتا ہے یعنی یہ بیع صرف اور سلم کی طرح بھی نہیں ہے چنانچہ اس میں مجلس کے اندر قبضہ شرط نہیں ہے پس اس میں خیار کی شرط لگانا جائز ہے جیسے بیع میں شرط خیار جائز ہوتی ہے، اور بیع پر قیاس کرنے کی علتِ مشترکہ یہ ہے کہ ضرورت دفع ہو یعنی بیع اور اجارہ دونوں میں دو تین دن تک غور کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ خسارہ نہ ہو۔

{9} اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اجارہ میں کچھ معقود علیہ کا خیارِ عیب کی وجہ سے فوت ہوجانا واپسی کو نہیں روکتا ہے یعنی بالاتفاق خیارِ عیب کی وجہ سے واپس کرسکتا ہے حالانکہ کچھ معقود علیہ فوت ہوجاتا ہے پس اسی طرح خیار شرط کی وجہ سے بھی واپس کرسکے گا۔ البتہ بیع کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں بعض معقود علیہ فوت ہونا واپسی کو روکتا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ بیع اور اجارہ میں فرق ہے وہ یہ کہ بیع میں کل معقود علیہ واپس کرنا ممکن ہے جبکہ اجارہ میں کل معقود علیہ واپس کرنا ممکن نہیں، لہٰذا بیع میں کل معقود علیہ کی واپسی شرط کی گئی نہ کہ اجارہ میں، یہی وجہ ہے کہ اجارہ میں اگر کچھ مدت گذر جانے کے بعد موجر نے معقود علیہ سپرد کرنا چاہا تو مستاجر پر قبضہ کرنے کے لیے جبر کیا جائے گا۔

[1] قَالَ : وَتُفْسَخُ الْإِجَارَةُ بِالْأَعْذَارِ عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا تُفْسَخُ إلَّا بِالْعَيْبِ؛

ترجمہ: اور فسخ کردیا جائے گا اجارہ عذروں کی وجہ سے ہمارے نزدیک، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: فسخ نہیں کیا جائے گا مگر عیب کی وجہ سے؛

لِأَنَّ الْمَنَافِعَ عِنْدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْأَعْيَانِ حَتَّى يَجُوزَ الْعَقْدُ عَلَيْهَا فَأَشْبَهَ الْبَيْعَ . {2} وَلَنَا أَنَّ

کیونکہ منافع ان کے نزدیک بمنزلۂ اعیان کے ہیں حتی کہ جائز ہے عقد کرنا ان پر، پس یہ مشابہ ہوگیا بیع کے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ

الْمَنَافِعَ غَيْرُ مَقْبُوضَةٍ وَهِيَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهَا فَصَارَ الْعُذْرُ فِي الْإِجَارَةِ كَالْعَيْبِ قَبْلَ الْقَبْضِ فِي الْبَيْعِ فَتَنْفَسِخُ

منافع مقبوض نہیں ہیں اور منافع ہی معقود علیہ ہیں، پس ہوگیا عذر اجارہ میں جیسا کہ عیب قبضہ سے پہلے مبیع میں، پس فسخ ہوجائے گا

بِهِ ، إذْ الْمَعْنَى يَجْمَعُهُمَا وَهُوَ عَجْزُ الْعَاقِدِ عَنْ الْمُضِيِّ فِي مُوجَبِهِ إلَّا بِتَحَمُّلِ ضَرَرٍ زَائِدٍ

عذر کی وجہ سے؛ کیونکہ سبب دونوں کو جامع ہے اور وہ عاقد کا عاجز ہونا ہے موجبِ عقد کو پورا کرنے سے مگر ایسے زائد ضرر برداشت کرنے سے

لَمْ يَسْتَحِقَّ بِهِ ، وَهَذَا هُوَ مَعْنَى الْعُذْرِ عِنْدَنَا {3} وَهُوَ كَمَنْ اسْتَأْجَرَ حَدَّادًا لِيَقْلَعَ

جو واجب نہیں ہوا ہے عقد کی وجہ سے، اور یہی معنی ہے عذر کا ہمارے نزدیک۔ اور عذر جیسے کسی نے اجارہ پر لیا جراح کو تاکہ اکھاڑ دے

ضِرْسَهُ لِوَجَعٍ بِهِ فَسَكَنَ الْوَجَعُ أَوِ اسْتَأْجَرَ طَبَّاخًا لِيَطْبُخَ لَهُ طَعَامَ الْوَلِيمَةِ فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ
اس کی ڈاڑھ کو درد کی وجہ سے، پھر تھم گیا درد، یا اجارہ پر لیا باورچی کو تا کہ پکائے اس کے لیے ولیمہ کا کھانا، پھر عورت نے خلع لے لیا اس سے،

تَفْسَخُ الْإِجَارَةَ ؛ لِأَنَّ فِي الْمُضِيِّ عَلَيْهِ إلْزَامَ ضَرَرٍ زَائِدٍ لَمْ يُسْتَحَقَّ بِالْعَقْدِ{4} وَكَذَا
تو فسخ ہو جائے گا اجارہ؛ کیونکہ اس کو جاری رکھنے میں الزام ہے ایسے ضررِ زائد کا جو واجب نہیں ہوا ہے عقد کی وجہ سے۔ اور اسی طرح

مَنِ اسْتَأْجَرَ دُكَّانًا فِي السُّوقِ لِيَتَّجِرَ فِيهِ فَذَهَبَ مَالُهُ ، وَكَذَا مَنْ أَجَّرَ دُكَّانًا أَوْ دَارًا ثُمَّ أَفْلَسَ
جو شخص کرایہ پر لے دکان شہر میں تا کہ تجارت کرے اس میں، پھر اس کا مال جاتا رہا، اور اسی طرح اگر اجارہ پر دی دکان یا مکان، پھر وہ مفلس ہو گیا

وَلَزِمَتْهُ دُيُونٌ لَا يَقْدِرُ عَلَى قَضَائِهَا إلَّا بِثَمَنِ مَا أَجَّرَ فَسَخَ الْقَاضِي الْعَقْدَ
اور اس پر ایسے قرضے آئے کہ وہ قادر نہیں ان کو ادا کرنے پر مگر اس کے ثمن سے جو کرایہ پر دیا ہے، تو فسخ کر دے قاضی عقد کو،

وَبَاعَهَا فِي الدُّيُونِ ؛ لِأَنَّ فِي الْجَرْيِ عَلَى مُوجَبِ الْعَقْدِ إلْزَامَ ضَرَرٍ زَائِدٍ لَمْ يُسْتَحَقَّ بِالْعَقْدِ
اور فروخت کر دے اس کو دَین میں؛ کیونکہ موجبِ عقد پر چلنے میں ایسے ضررِ زائد کا الزام ہے جو واجب نہیں ہوا ہے عقد کی وجہ سے،

وَهُوَ الْحَبْسُ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ لَا يُصَدَّقُ عَلَى عَدَمِ مَالٍ آخَرَ . {5}ثُمَّ قَوْلُهُ فَسَخَ الْقَاضِي الْعَقْدَ إشَارَةٌ
اور وہ قید ہو جانا ہے؛ کیونکہ کبھی تصدیق نہیں کی جاتی ہے دوسرا مال نہ ہونے پر۔ پھر ماتن کے قول سے "فَسَخَ الْقَاضِي الْعَقْدَ" اشارہ ہے کہ

إلَى أَنَّهُ يَفْتَقِرُ إلَى قَضَاءِ الْقَاضِي فِي النَّقْضِ، وَهَكَذَا ذَكَرَ فِي الزِّيَادَاتِ فِي عُذْرِ الدَّيْنِ، وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ
وہ محتاج ہے قضاءِ قاضی کو عقد توڑنے میں، اور یہ امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے زیادات میں عذرِ دَین کے بارے میں۔ اور کہا ہے جامع صغیر میں:

وَكُلُّ مَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ عُذْرٌ فَإِنَّ الْإِجَارَةَ فِيهِ تَنْتَقِضُ ، وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَحْتَاجُ فِيهِ إلَى قَضَاءِ الْقَاضِي،
یہ سب جو ہم ذکر کر چکے عذر ہیں، اور اجارہ اس میں ٹوٹ جائے گا، اور یہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ وہ محتاج نہیں اس میں قضاءِ قاضی کا،

وَوَجْهُهُ أَنَّ هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ قَبْلَ الْقَبْضِ فِي الْمَبِيعِ عَلَى مَا مَرَّ فَيَنْفَرِدُ الْعَاقِدُ بِالْفَسْخِ .وَوَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بمنزلۂ عیب کے ہے قبضہ سے پہلے بیع میں جیسا کہ گذر چکا، پس متفرد ہو گا عاقد اس کو فسخ کرنے میں، اور اول کی وجہ یہ ہے

فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيهِ فَلَابُدَّ مِنْ إلْزَامِ الْقَاضِي ، وَمِنْهُمْ مَنْ وَفَّقَ فَقَالَ : إذَا كَانَ الْعُذْرُ ظَاهِرًا لَا يَحْتَاجُ إلَى الْقَضَاءِ
کہ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، پس ضروری ہے قاضی کا لازم کرنا، اور بعض مشائخ نے تطبیق دی ہے، پس کہا ہے: کہ اگر عذر ظاہر ہو تو ضرورت نہیں قضاء کی،

لِظُهُورِ الْعُذْرِ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ظَاهِرٍ كَالدَّيْنِ يَحْتَاجُ إلَى الْقَضَاءِ لِظُهُورِ الْعُذْرِ{6} وَمَنِ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِيُسَافِرَ عَلَيْهَا
اور اگر عذر غیر ظاہر ہو جیسے دَین تو ضرورت ہو گی قضاء کو؛ ظہورِ عذر کے لیے۔ اور جو شخص کرایہ پر لے جانور تا کہ سفر کرے اس پر،

ثُمَّ بَدَا لَهُ مِنَ السَّفَرِ فَهُوَ عُذْرٌ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ مَضَى عَلَى مُوجَبِ الْعَقْدِ يَلْزَمُهُ ضَرَرٌ زَائِدٌ ؛ لِأَنَّهُ رُبَّمَا

پھر ظاہر ہو گئی اس کی رائے سفر سے رُکنے کی، تو یہ عذر ہے؛ کیونکہ اگر وہ چلے موجب عقد پر تو اس کو لازم ہو گا ضرر زائد؛ اس لیے کہ کبھی

يَذْهَبُ لِلْحَجِّ فَذَهَبَ وَقْتُهُ أَوْ لِطَلَبِ غَرِيمِهِ فَحَضَرَ أَوْ لِلتِّجَارَةِ

وہ حج کے لیے جاتا ہے اور اس کا وقت نکل جاتا ہے، یا مقروض طلب کرنے کے لیے اور وہ حاضر ہو جاتا ہے یا تجارت کے لیے جاتا ہے

فَافْتَقَرَ{7} وَإِنْ بَدَا لِلْمُكَارِي فَلَيْسَ ذَلِكَ بِعُذْرٍ ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَقْعُدَ وَيَبْعَثَ الدَّوَابَّ

پھر مفلس ہو جاتا ہے۔ اور اگر رائے بدلی کرایہ پر دینے والے کی تو یہ عذر نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے لیے ممکن ہے کہ خود بیٹھ جائے اور بھیج دے جانور

عَلَى يَدِ تِلْمِيذِهِ أَوْ أَجِيرِهِ وَلَوْ مَرِضَ الْمُؤَاجِرُ فَقَعَدَ فَكَذَا الْجَوَابُ عَلَى رِوَايَةِ الْأَصْلِ .وَذَكَرَ الْكَرْخِيُّ

اپنے شاگرد یا اپنے مزدور کے ہاتھ، اور اگر بیمار ہوا موجر، پس بیٹھ گیا، تو یہی حکم ہے مبسوط کی روایت کے مطابق، اور ذکر کیا ہے امام کرخیؒ نے

أَنَّهُ عُذْرٌ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَعْرَى عَنْ ضَرَرٍ فَيُدْفَعُ عَنْهُ عِنْدَ الضَّرُورَةِ دُونَ الِاخْتِيَارِ

کہ یہ عذر ہے؛ کیونکہ یہ خالی نہیں ضرر سے، تو دور کیا جائے گا اس سے ضرورت کے وقت نہ کہ اختیار کے وقت۔

تشریح:۔{1} عذروں کی وجہ سے ہمارے نزدیک اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فسخ نہیں کیا جا سکتا ہے مگر عیب کی وجہ سے فسخ کرنا جائز ہے؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک منافع بمنزلہ اعیان کے ہیں حتی کہ جس طرح اعیان پر عقد واقع ہو سکتا ہے اسی طرح منافع پر بھی ان کے نزدیک عقد واقع ہو سکتا ہے تو اجارہ بیع کے مشابہ ہو گیا لہٰذا جس طرح کہ بیع عذر کی وجہ سے فسخ نہیں کی جا سکتی ہے اسی طرح اجارہ بھی عذر کی وجہ سے فسخ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

{2} ہماری دلیل یہ ہے کہ منافع مقبوض نہیں ہیں یعنی ابھی حاصل نہیں کئے گئے ہیں اور یہی منافع معقود علیہ ہیں تو اجارہ میں عذر ایسا ہو گیا جیسے بیع میں قبضہ سے پہلے عیب ہوتا ہے جس سے بیع فسخ کی جا سکتی ہے اسی طرح عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ جس سبب سے فسخ کرنا جائز ہے وہ بیع اور اجارہ دونوں میں موجود ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ عقد کرنے والا موجب عقد کے موافق عقد کو جاری نہیں رکھ سکتا ہے، مگر اس طرح کہ ایسا زائد ضرر برداشت کرے کہ جو ضرر عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوا ہے اور ہمارے نزدیک عذر کا یہی معنی ہے یعنی اجارہ میں جب موجر یا مستاجر کو ایسا ضرر اٹھانا پڑے جو عقد اجارہ کے ذریعہ سے لازم نہیں ہوا تھا تو یہ عذر ہے جس سے اس کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔

{3} عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کرنے کی مثال یہ ہے کہ ایک لوہار (مراد دانت نکالنے والا ہے، ان کے ہاں چونکہ لوہار ہی یہ کام کرتا تھا اس لیے حداد کہا) کو اس لیے مزدور رکھا کہ مستاجر کے درد والے داڑھ کو اکھاڑ دے پھر داڑھ کا درد تھم گیا تو لامحالہ اجارہ فسخ

کرے گا یا جیسے باورچی کو اس لیے اجارہ پر لیا تاکہ اس کے لیے ولیمہ کا کھانا پکادے پھر اس عورت نے مستاجر سے خلع لے لیا تو اجارہ فسخ کیا جائے گا؛ کیونکہ اگر فسخ نہ کیا جائے بلکہ اسے پورا کرے تو مستاجر کے ذمہ ایسا زائد ضرر لازم آئے گا جو ضرر عقدِ اجارہ کی وجہ سے اس پر لازم نہیں تھا۔

{4} اسی طرح اگر ایک شخص نے بازار میں ایک دوکان کرایہ پر لی تاکہ اس میں تجارت کرے پھر اس کا مال جاتا رہا تو لامحالہ اجارہ فسخ کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر موجر نے اپنی دوکان یا مکان کرایہ پر دیا پھر مفلس ہو گیا اور اس پر اتنے قرضے چڑھ آئے جن کی ادائیگی اس کے لیے ممکن نہ ہو مگر یہ کہ جو چیز اجارہ پر دی ہے اس کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے قرضے ادا کر دے تو فسخ اجارہ کا یہ عذر صحیح ہے اس لیے قاضی اجارہ کو فسخ کر کے قرضہ میں اس کا مکان یا دوکان کو فروخت کر دے؛ کیونکہ مذکورہ عقدِ اجارہ کے مقتضاء پر چلنے میں ایسا زائد ضرر اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے جو عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوا تھا اور وہ ضرر اس کا قید ہو جانا ہے یعنی اگر قرضہ نہ ادا کرے تو قاضی اس کو قید کرے گا جو ایک زائد ضرر ہے، اور قید اس لیے کیا جائے گا کہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ اس کے پاس دوسرا مال نہ ہونے پر اس کی تصدیق نہیں کی جاتی ہے پس وہ دَین ادا نہ کرنے کی وجہ سے ٹال مٹول کرنے والا ہو گا اس لیے اسے قید کیا جاتا ہے۔

{5} پھر یہ جو فرمایا کہ "قاضی عقد اجارہ فسخ کر دے" تو اس میں اشارہ ہے کہ عقد توڑنے میں حکم قاضی کی ضرورت ہے اور یہی امام محمدؒ نے زیادات میں عذرِ قرضہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ قاضی کے فسخ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جامع صغیر میں امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ "جن امور کو ہم نے عذر بیان کیا تو ان میں اجارہ ٹوٹ جائے گا" تو امام محمدؒ کا جامع صغیر والا قول دلالت کرتا ہے کہ عقد اجارہ توڑنے میں قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں ہے؛ وجہ یہ ہے کہ اجارہ میں یہ عذر ایسا ہے کہ جیسے بیع میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع میں عیب پیدا ہو تو مشتری خود اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے جیسا کہ سابق میں ذکر ہوا لہذا عاقد اس کو فسخ کرنے کے ساتھ منفرد ہو گا قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں۔ اور قولِ اول (زیادات کے قول) کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک عقدِ اجارہ فسخ نہیں کیا جا سکتا ہے تو ضروری ہوا کہ قاضی اپنے حکم سے فسخ کو لازم کر دے۔

اور بعض مشائخ نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر عذر ظاہر ہو تو قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ظاہر نہ ہو جیسے قرضہ تو عذر کے اظہار کے لیے حکم قاضی کی ضرورت ہے یہی راجح ہے لما فی ردّ المحتار: وَمِنْ الْمَشَايِخِ مَنْ وَفَّقَ بَيْنَهُمَا بِأَنَّ الْعُذْرَ إنْ كَانَ ظَاهِرًا لَمْ يَحْتَجْ إلَى الْقَضَاءِ وَإِلَّا كَالدَّيْنِ الثَّابِتِ بِإِقْرَارِهِ يَحْتَاجُ إلَيْهِ لِيَصِيرَ الْعُذْرُ بِالْقَضَاءِ ظَاهِرًا. وَقَالَ قَاضِي خَانْ وَالْمَحْبُوبِيُّ: الْقَوْلُ بِالتَّوْفِيقِ هُوَ الْأَصَحُّ، وَقَوَّاهُ الشَّيْخُ شَرَفُ الدِّينِ بِأَنَّ فِيهِ

إغفالَ الرِّوَايَتَيْنِ مَعَ مُنَاسَبَةٍ فِي التَّوْزِيعِ فَيَنْبَغِي اعْتِمَادُهُ .وَفِي تَصْحِيحِ الْعَلَّامَةِ قَاسِمٍ : مَا يُصَحِّحُهُ قَاضِي خَانْ مُقَدَّمٌ عَلَى مَا يُصَحِّحُهُ غَيْرُهُ ؛ لِأَنَّهُ فَقِيهُ النَّفْسِ ، وَبِهِ ظَهَرَ أَنَّ قَوْلَ الشَّارِحِ أَوَّلَ الْبَابِ تُفْسَخُ بِالْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا لَيْسَ عَلَى مَا يَنْبَغِي مَعَ إيهَامِهِ اشْتِرَاطَ ذَلِكَ فِي خِيَارِ الشَّرْطِ وَالرُّؤْيَةِ أَيْضًا ، وَقَدْ عَلِمْتَ مَا فِيهِ مِمَّا قَدَّمْنَاهُ عَنْ الْقُهُسْتَانِيِّ هُنَاكَ فَتَنَبَّهْ . (ردّ المحتار:55/5)

{6} اگر مستاجر نے سفر کرنے کے لیے جانور کرایہ پر لیا پھر سفر کے بارے میں اس کی ایک اور رائے ظاہر ہو گئی جو سفر سے مانع ہو چنانچہ اس نے سفر کے ارادہ کو ترک کر دیا تو یہ عذر ہے؛ کیونکہ اگر وہ اس عقد کے مقتضاء پر چل کر اس کو پورا کر دے تو اس کو زائد ضرر لازم آئے گا؛ کیونکہ کبھی وہ حج کو جاتا ہے مگر اس کا وقت نکل جاتا ہے یا قرضدار کی تلاش میں جاتا ہے مگر وہ خود حاضر ہو جاتا ہے، یا تجارت کے لیے جانا چاہتا ہو مگر وہ مفلس ہو جاتا ہے تجارت کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں رہتی ہے تو یہ اجارہ فسخ کرنے کا عذر ہے۔

{7} اور اگر جانور کرایہ پر دینے والے کے لیے ایسا کوئی امر ظاہر ہوا کہ وہ جانور کو لے کر مستاجر کے ساتھ سفر نہ کر سکتا ہو تو یہ اس کے حق میں عذر نہیں ہے؛ کیونکہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ خود گھر پر بیٹھ رہے اور اپنے شاگرد یا نوکر کے ہاتھ جانور بھیج دے۔ اور اگر کرایہ پر دینے والا بیمار ہو کر اس کے ساتھ سفر میں چلنے سے بیٹھ گیا تو بھی روایتِ مبسوط کے موافق یہی حکم ہے کہ یہ عذر نہیں ہے؛ کیونکہ اپنا کوئی نوکر بھیج سکتا ہے۔ اور امام کرخیؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ عذر ہے؛ کیونکہ یہ ضرر سے خالی نہیں ہے مثلاً نوکر اس کے جانور کی اتنی رعایت نہیں کرے گا جتنی رعایت وہ خود کرتا ہے تو ضرورت کے وقت اس کے ذمہ سے یہ ضرر دور کیا جائے گا اور اختیار کی حالت میں دور نہیں کیا جائے گا مثلاً سفر کے بارے میں اس کی ایک اور رائے ظاہر ہو گئی جو سفر سے مانع ہو چنانچہ اس نے سفر کے ارادہ کو ترک کر دیا تو یہ عذر نہیں ہے۔

فتوی:۔امام کرخیؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: ( بِخِلَافِ بَدَاءِ الْمُكَارِي ) فَإِنَّهُ لَيْسَ بِعُذْرٍ إذْ يُمْكِنُهُ إرْسَالُ أَجِيرِهِ . وَفِي الْمُلْتَقَى : وَلَوْ مَرِضَ فَهُوَ عُذْرٌ فِي رِوَايَةِ الْكَرْخِيِّ دُونَ رِوَايَةِ الْأَصْلِ ، قُلْتُ : وَبِالْأُولَى يُفْتَى ، (الدّرالمختار علی ہامش ردّ المحتار:57/5)

{1} وَمَنْ آجَرَ عَبْدَهُ ثُمَّ بَاعَهُ فَلَيْسَ بِعُذْرٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ الضَّرَرُ بِالْمُضِيِّ عَلَى مُوجَبِ الْعَقْدِ، وَإِنَّمَا يَفُوتُهُ الِاسْتِرْبَاحُ وَأَنَّهُ أَمْرٌ زَائِدٌ{2} وَإِذَا اسْتَأْجَرَ الْخَيَّاطُ غُلَامًا فَأَفْلَسَ

اور جس نے کرایہ پر دیا اپنا غلام، پھر فروخت کیا اس کو، تو یہ عذر نہیں ہے؛ کیونکہ لازم نہیں ہوتا ہے اس کو ضرر موجبِ عقد پر چلنے سے، البتہ فوت ہو جاتا ہے اس کا نفع حاصل کرنا، تو وہ امر زائد ہے۔ فرمایا: اور اگر اجارہ پر لیا درزی نے ایک بچے کو، پھر وہ مفلس ہوا

وَتَرْكَ الْعَمَلِ فَهُوَ الْعُذْرُ ؛ لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ الضَّرَرُ بِالْمُضِيِّ عَلَى مُوجَبِ الْعَقْدِ لِفَوَاتِ مَقْصُودِهِ وَهُوَ رَأْسُ مَالِهِ

اور چھوڑ دیا یہ کام، تو یہ عذر ہے؛ کیونکہ لازم ہو جائے گا اس کو ضرر موجب عقد پر چلنے سے؛ مقصود فوت ہونے کی وجہ سے اور وہ اس کا راس المال ہے

وَتَأْوِيلُ الْمَسْأَلَةِ خَيَّاطٌ يَعْمَلُ لِنَفْسِهِ ، أَمَّا الَّذِي يَخِيطُ بِأَجْرٍ فَرَأْسُ مَالِهِ الْخَيْطُ وَالْمَخِيطُ وَالْمِقْرَاضُ

اور مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ وہ درزی مراد ہے جو کام کرتا ہے اپنے لیے رہا وہ جو سیتا ہو اجرت پر تو اس کا راس المال دھاگہ، سوئی اور قینچی ہے

فَلَا يَتَحَقَّقُ الْإِفْلَاسُ فِيهِ. {3} وَإِنْ أَرَادَ تَرْكَ الْخِيَاطَةِ ، وَأَنْ يَعْمَلَ فِي الصَّرْفِ فَلَيْسَ بِعُذْرٍ ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ

پس متحقق نہیں ہوتا افلاس اس میں۔ اور اگر ارادہ کیا خیاطت چھوڑنے کا اور سنار کا کام کرنے کا تو یہ عذر نہیں ہے؛ کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے

يُقْعِدَ الْغُلَامَ لِلْخِيَاطَةِ فِي نَاحِيَةٍ ، وَهُوَ يَعْمَلُ فِي الصَّرْفِ فِي نَاحِيَةٍ ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا اسْتَأْجَرَ

کہ بٹھلائے لڑکے کو خیاطت کے لیے ایک کونے میں اور وہ خود کام کرے سنار کا دوسرے کونے میں، اور یہ برخلاف اس کے جب کرایہ پر لے

دُكَّانًا لِلْخِيَاطَةِ فَأَرَادَ أَنْ يَتْرُكَهَا وَيَشْتَغِلَ بِعَمَلٍ آخَرَ حَيْثُ جَعَلَهُ عُذْرًا

دکان خیاطت کے لیے پھر ارادہ کیا اس کام کو چھوڑنے کا، اور دوسرے کام میں مشغول ہونے کا کہ امام محمدؒ نے اس کو عذر قرار دیا ہے،

ذَكَرَهُ فِي الْأَصْلِ ؛ لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يُمْكِنُهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْعَمَلَيْنِ ، أَمَّا هَاهُنَا الْعَامِلُ شَخْصَانِ فَأَمْكَنَهُمَا

ذکر کیا ہے اس کو مبسوط میں؛ کیونکہ ایک کے لیے ممکن نہیں جمع کرنا دو کاموں کو، اور یہاں تو کام کرنے والے دو شخص ہیں پس ممکن ہے دونوں کے لیے کام کرنا

{4} وَمَنِ اسْتَأْجَرَ غُلَامًا يَخْدُمُهُ فِي الْمِصْرِ ثُمَّ سَافَرَ فَهُوَ عُذْرٌ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَعْرَى عَنْ إلْزَامِ ضَرَرٍ زَائِدٍ

اور جو شخص لے اجارہ پر لڑکا تاکہ وہ خدمت کرے اس کی شہر میں، پھر اس نے سفر اختیار کیا تو یہ عذر ہے؛ کیونکہ یہ خالی نہیں ضرر زائد کے الزام سے

لِأَنَّ خِدْمَةَ السَّفَرِ أَشَقُّ ، وَفِي الْمَنْعِ مِنَ السَّفَرِ ضَرَرٌ ، وَكُلُّ ذَلِكَ لَمْ يُسْتَحَقَّ بِالْعَقْدِ فَيَكُونُ عُذْرًا

کیونکہ سفر کی خدمت مشکل ہوتی ہے اور سفر سے روکنے میں ضرر ہے، اور یہ کوئی بات واجب نہیں ہوئی ہے عقد سے، پس یہ عذر ہوگا۔

{5} وَكَذَا إذَا أَطْلَقَ ؛ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يَتَقَيَّدُ بِالْحَضَرِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا آجَرَ عَقَارًا

اسی طرح اگر خدمت کو مطلق رکھا؛ کیونکہ گذر چکا کہ یہ خدمت مقید ہے حضر کے ساتھ، برخلاف اس کے جب کرایہ پر دے مکان

ثُمَّ سَافَرَ ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ إذِ الْمُسْتَأْجِرُ يُمْكِنُهُ اسْتِيفَاءُ الْمَنْفَعَةِ مِنَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ بَعْدَ غَيْبَتِهِ

پھر سفر اختیار کرے؛ کیونکہ اس میں کوئی ضرر نہیں؛ اس لیے کہ مستاجر کے لیے ممکن ہے منفعت وصول کرنا معقود علیہ سے موجر کے غائب ہونے کے بعد

حَتَّى لَوْ أَرَادَ الْمُسْتَأْجِرُ السَّفَرَ فَهُوَ عُذْرٌ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَنْعِ مِنَ السَّفَرِ أَوْ إلْزَامِ الْأَجْرِ بِدُونِ السُّكْنَى وَذَلِكَ ضَرَرٌ

حتی کہ اگر ارادہ کیا مستاجر نے سفر کا تو یہ عذر ہے؛ کیونکہ اس میں روکنا ہے سفر سے یا لازم کرنا ہے اجرت بغیر رہائش کے، اور یہ ضرر ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے اپنا غلام اجارہ پر دیا پھر اس کو فروخت کیا تو یہ عقد اجارہ فسخ کرنے کا عذر نہیں ہے یعنی بالاتفاق اس سے اجارہ فسخ نہیں کیا جاسکے گا؛ کیونکہ عقد کے مقتضاء کے موافق چلنے میں اس کو کوئی ضرر لازم نہیں آتا ہے البتہ بالفعل اس کے لیے نفع اٹھانا (فروخت کرنا) فوت ہوتا ہے اور یہ ایک امر زائد ہے جس کی وجہ سے عقدِ اجارہ نہیں ٹوٹے گا۔

{2} اگر درزی نے ایک بچے کو اجرت پر مقرر کیا پھر درزی مفلس ہوا اور کام چھوڑ دیا تو یہ عذر ہے اس لیے یہ اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اگر وہ عقد کے مقتضیٰ کے موافق چلے گا تو اس کو ضرر لاحق ہوگا؛ کیونکہ اس کا مقصود فوت ہو گیا اور وہ اس کا رأس المال ہے۔ اور اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ درزی سے ایسا درزی مراد ہے جو اپنے لیے کام کرتا ہو یعنی خود کپڑے سی کر فروخت کرتا ہو، رہا وہ درزی جو اجرت پر لوگوں کے کپڑے سیا کرتا ہے تو اس کا رأس المال دھاگہ، سوئی اور قینچی ہے تو اس میں افلاس کا کچھ معنی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ترکِ عمل عذر نہیں ہے۔

{3} اور اگر مذکورہ درزی نے یہ چاہا کہ سلائی چھوڑ کر صرافی کا کام شروع کردے تو یہ مذکورہ بچے کے اجارہ کو توڑنے کے لیے عذر نہیں ہے؛ کیونکہ درزی ایسا کر سکتا ہے کہ دوکان کے ایک کونے میں بچے کو سلائی کے لیے بٹھائے اور دوسرے کونے میں خود صرافی کا کام کرے اس لیے یہ عذر نہیں ہے۔ اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ مستاجر نے سلائی کے لیے ایک دوکان کرایہ پر لی پھر سلائی کا کام چھوڑ کر دوسرا کام کرنا چاہے تو اس کو امام محمدؒ نے فسخ اجارہ کے لیے عذر قرار دیا ہے چنانچہ مبسوط میں اس کو ذکر کیا ہے؛ کیونکہ ایک ہی شخص دو کاموں کو جمع نہیں کر سکتا ہے اس لیے اس صورت میں یہ عذر ہے، جبکہ یہاں کام کرنے والے دو شخص (مستاجر اور بچہ) ہیں پس ہر ایک اپنا کام کر سکتا ہے۔

{4} اگر ایک لڑکا اس لیے اجارہ پر لیا کہ شہر میں اس سے خدمت لے گا پھر سفر کو اختیار کیا تو یہ فسخ اجارہ کے لیے عذر ہے؛ کیونکہ اجارہ باقی رکھنا ضرر زائد سے خالی نہیں ہے؛ کیونکہ سفر کی خدمت میں زیادہ مشقت ہوتی ہے جس میں بچے کا نقصان ہے، اور سفر سے روکنے میں مستاجر کا ضرر ہے اور زائد مشقت یا سفر سے روکنا دونوں میں سے ہر ایک ایسا امر ہے جو عقدِ اجارہ کی وجہ سے واجب نہیں ہوا ہے تو یہ فسخ اجارہ کے لیے عذر ہوگا۔

{5} اسی طرح اگر اس نے خدمت کو مطلق رکھا ہو یعنی کہا کہ "میں نے اس غلام کو خدمت کے لیے اجارہ پر لیا" اور حضر یا سفر کی قید نہیں لگائی تو بھی سفر کی صورت میں اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ سابق میں بیان ہوا کہ مطلق اجارہ حضر کی خدمت کے ساتھ مقید ہوتا ہے یعنی سفر کی شرط کئے بغیر اس کو سفر میں نہیں لے جاسکتا۔ اور یہ حکم ایسی صورت کے برخلاف ہے کہ اپنا مکان اجارہ پر دیا پھر موجر نے سفر اختیار کیا تو اجارہ نہیں فسخ کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہے اس لیے کہ

مستاجر کو موجر کے غائب ہونے کے بعد بھی معقود علیہ مکان سے منفعت حاصل کرنا ممکن ہے۔ ہاں اگر مستاجر سفر کا قصد کرے تو یہ عذر ہے؛ کیونکہ اجارہ باقی رکھنے میں سفر سے روکنا لازم آتا ہے یا سکونت کے بغیر مستاجر پر کرایہ واجب کرنا لازم آتا ہے اور مستاجر کے لیے ضرر ہے اس لیے یہ فسخ اجارہ کا عذر ہے۔

## مَسَائِلُ مَنْثُورَةٌ

یہ ایسے مسائل کا بیان ہے جو متفرق ہیں۔

مصنف نے مصنفین کی عادت کے مطابق ان مسائل کو مسائل منثورہ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے جو مسائل ماقبل ابواب میں بیان نہ ہو سکے۔

{1}قَالَ: وَمَنِ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا أَوِ اسْتَعَارَهَا فَأَحْرَقَ الْحَصَائِدَ فَاحْتَرَقَ شَيْءٌ مِنْ أَرْضٍ أُخْرَى فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ

فرمایا: اور جس نے کرایہ پر لی زمین یا استعارۃً لی اور جلایا حصائد کو، پس جل گئی اس سے کوئی چیز دوسری زمین میں، تو ضمان نہیں اس پر؛

لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِي هَذَا التَّسْبِيبِ فَأَشْبَهَ حَافِرَ الْبِئْرِ فِي دَارِ نَفْسِهِ. {2}وَقِيلَ هَذَا إِنْ

کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں اس سبب کو انجام دینے میں، پس یہ مشابہ ہوا کنواں کھودنے والے کے اپنے گھر میں، اور کہا گیا ہے کہ یہ حکم جب ہے

كَانَتِ الرِّيَاحُ هَادِئَةً ثُمَّ تَغَيَّرَتْ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ مُضْطَرِبَةً يَضْمَنُ؛ لِأَنَّ مُوقِدَ النَّارِ يَعْلَمُ أَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ فِي أَرْضِهِ

کہ ہوا رکی ہوئی ہو پھر متغیر ہو جائے، اور اگر ہوا تیز چل رہی ہو تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ آگ جلانے والا جانتا ہے کہ آگ نہیں ٹھہرے گی اس کی زمین میں

{3}قَالَ: وَإِذَا أَقْعَدَ الْخَيَّاطُ أَوِ الصَّبَّاغُ فِي حَانُوتِهِ مَنْ يَطْرَحُ عَلَيْهِ الْعَمَلَ بِالنِّصْفِ فَهُوَ جَائِزٌ؛ لِأَنَّ هَذِهِ شَرِكَةُ الْوُجُوهِ

فرمایا: اور اگر بٹھلا دیا درزی یا رنگریز نے اپنی دکان میں ایسا شخص جو دیا جائے اس کو کام نصف پر، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ شرکت وجوہ ہے

فِي الْحَقِيقَةِ، فَهَذَا بِوَجَاهَتِهِ يَقْبَلُ وَهَذَا بِحَذَاقَتِهِ يَعْمَلُ فَيَنْتَظِمُ بِذَلِكَ الْمَصْلَحَةُ

حقیقت میں، پس یہ ایک اپنی وجاہت سے کام قبول کرتا ہے اور یہ دوسرا اپنی مہارت سے کام کرتا ہے، پس منظم ہوگا اس سے مصلحت،

فَلَا تَضُرُّهُ الْجَهَالَةُ فِيمَا يَحْصُلُ. {4}قَالَ: وَمَنِ اسْتَأْجَرَ جَمَلًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمَلًا وَرَاكِبَيْنِ إِلَى مَكَّةَ

پس مضر نہیں اس کو جہالت اس میں جو حاصل ہو۔ فرمایا: اور جو شخص کرایہ پر لے اونٹ تاکہ اٹھائے اس پر ایک کجاوہ اور دو سوار مکہ کو تک

جَازَ وَلَهُ الْمَحْمَلُ الْمُعْتَادُ؛ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ؛ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِلْجَهَالَةِ. وَقَدْ يُفْضِي ذَلِكَ

تو جائز ہے، اور اس کا اختیار ہوگا معتاد کجاوہ کا، اور قیاس میں یہ جائز نہیں، اور یہی امام شافعی کا قول ہے؛ جہالت کی وجہ سے، اور کبھی یہ مفضی ہوتی ہے

إِلَى الْمُنَازَعَةِ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الرَّاكِبُ وَهُوَ مَعْلُومٌ وَالْمَحْمَلُ تَابِعٌ، مَا فِيهِ مِنَ الْجَهَالَةِ يَرْتَفِعُ

جھگڑے کو، وجہ استحسان یہ ہے کہ مقصود سوار ہے اور وہ معلوم ہے، اور کجاوہ تابع ہے، اور جو اس میں جہالت ہے وہ دور ہو جائے گی

بِالصَّرْفِ إِلَى الْمُتَعَارَفِ فَلَا يُفْضِي ذَلِكَ إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَكَذَا إِذَا لَمْ يَرَ الْوِطَاءَ وَالدُّثُرَ. قَالَ: وَإِنْ شَاهَدَ

متعارف کی طرف پھیرنے سے، پس مفضی نہ ہوگی جہالت کو، اور اسی طرح جب وہ نہ دیکھے فرش اور اوڑھنے کے کپڑے۔ فرمایا: اور اگر دیکھ لے

الْجَمَّالُ الْحِمْلَ فَهُوَ أَجْوَدُ ؛ لِأَنَّهُ أَنْفَى لِلْجَهَالَةِ وَأَقْرَبُ إِلَى تَحَقُّقِ الرِّضَا. {5} قَالَ: وَإِنِ اسْتَأْجَرَ

اونٹ کا مالک کجاوہ تو یہ زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ یہ زیادہ دور کرتا ہے جہالت کو، اور زیادہ قریب ہے تحققِ رضا کے۔ فرمایا: اور اگر کرایہ پر لیا

بَعِيرًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مِقْدَارًا مِنَ الزَّادِ فَأَكَلَ مِنْهُ فِي الطَّرِيقِ جَازَ لَهُ أَنْ يَرُدَّ عِوَضَ مَا أَكَلَ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ

اونٹ تاکہ لادے اس پر زادِ راہ کی ایک مقدار، پس اس نے کھایا اس میں سے راستے میں، تو جائز ہے کہ بڑھائے اس کا عوض جو اس نے کھایا؛ کیونکہ وہ مستحق ہے

عَلَيْهِ حِمْلًا مُسَمًّى فِي جَمِيعِ الطَّرِيقِ فَلَهُ أَنْ يَسْتَوْفِيَهُ. وَكَذَا غَيْرُ الزَّادِ مِنَ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ

اس پر مسمّٰی بوجھ اٹھانا تمام راستے میں، تو اس کو اختیار ہے کہ وصول کرلے یہ حق۔ اور ایسا ہی زادِ راہ کے علاوہ کیلی اور موزونی چیز ہے،

وَرَدُّ الزَّادِ مُعْتَادٌ عِنْدَ الْبَعْضِ كَرَدِّ الْمَاءِ فَلَا مَانِعَ مِنَ الْعَمَلِ بِالْإِطْلَاقِ.

اور زادِ راہ لوٹانا معتاد ہے بعض کے نزدیک جیسے پانی لوٹانا، پس مانع نہیں عمل کرنے سے اطلاق پر۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے کوئی زمین اجارہ پر لی یا عاریۃً لی پھر کھیتی کا کوڑا کرکٹ جلایا پس اس کی وجہ سے دوسری زمین میں سے کچھ کھلیاں وغیرہ جل گیا تو اس شخص پر ضمان نہیں ہے؛ کیونکہ دوسری زمین کی چیزیں جلانے کے سبب بننے میں اس کی طرف سے کوئی تعدی اور ظلم نہیں ہوا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص اپنے گھر میں کنواں کھودے تو اگر اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اس کی طرف سے کوئی تعدی اور تجاوز نہیں ہوا ہے۔

{2} پھر بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ہوا رکی ہوئی ہو پھر آگ لگانے کے بعد ہوا بدل کر مشتعل ہو گئی جس سے دوسری زمین کی چیزیں جل گئیں تو آگ جلانے والا ضامن نہ ہوگا۔ اور اگر آگ جلانے کے وقت ہوا مضطرب اور مشتعل تھی پھر اس سے دوسری زمین کی چیزیں جل گئیں تو آگ جلانے والا ضامن ہوگا؛ کیونکہ ایسی حالت میں آگ جلانے والا جانتا ہے کہ آگ اس کی زمین تک محدود نہیں رہے گی پھر بھی آگ جلائی تو یہ اس کی طرف سے تعدی اور تجاوز ہے اس لیے ضامن ہوگا، یہی تفصیل استحسان اور راجح ہے لما فی الدر المختار: ( أَحْرَقَ حَصَائِدَ ) أَيْ بَقَايَا أُصُولِ قَصَبٍ مَحْصُودٍ ( فِي أَرْضٍ مُسْتَأْجَرَةٍ أَوْ مُسْتَعَارَةٍ ) وَمِثْلُهُ أَرْضُ بَيْتِ الْمَالِ الْمُعَدَّةِ لِحَطِّ الْقَوَافِلِ وَالْأَحْمَالِ وَمَرْعَى الدَّوَابِّ وَطَرْحِ الْحَصَائِدِ قُلْتُ:

وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَقُّ الِانْتِفَاعِ فِي الْأَرْضِ يَضْمَنُ مَا أَحْرَقَتْهُ فِي مَكَانِهِ بِنَفْسِ الْوَضْعِ لَا مَا نَقَلَتْهُ الرِّيحُ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى قَالَهُ شَيْخُنَا ( فَاحْتَرَقَ شَيْءٌ مِنْ أَرْضِ غَيْرِهِ لَمْ يَضْمَنْ ) ؛ لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ لَا مُبَاشَرَةٌ ( إنْ لَمْ تَضْطَرِبْ الرِّيَاحُ ) فَلَوْ كَانَتْ مُضْطَرِبَةً ضَمِنَ ؛ لِأَنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ فِي أَرْضِهِ فَيَكُونُ مُبَاشِرًا ۔وقال العلامۃ ابن عابدين: ( قَوْلُهُ ضَمِنَ ) أَيْ اسْتِحْسَانًا طُورِيٌّ عَنْ الْخَانِيَّةِ . (الدّر المختار مع ردّ المحتار:61/5)

{3} اگر درزی یا رنگریز نے اپنی دکان میں ایسے شخص کو بٹھایا جو ان کو آدھے نفع پر کام دیتا ہے یعنی وہ خود کام نہیں جانتا ہے اور ایک جاننے والے کو بٹھلایا، پھر لوگوں سے اجرت پر کام لیتا ہے اور اس کے آدھے نفع پر کام کے ماہر کو دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور نفع دونوں میں نصف نصف ہوگا؛ کیونکہ یہ درحقیقت شرکۃ الوجوہ (جو اپنی وجاہت کے ذریعہ لوگوں سے مال خریدنے اور آگے فروخت کردے) ہے اجارہ نہیں ہے پس یہ شخص جس نے دوسرے کو بٹھلایا ہے اپنی وجاہت سے کاموں کو قبول کرتا ہے اور درزی یا رنگریز اپنی مہارت سے اس کام کو پورا کرتا ہے پس یہ شرکتِ وجوہ ہے اور ایسا کرنے سے مصلحت کا انتظام ہوگا پس جو کچھ حاصل ہوگا اس کا مجہول ہونا کچھ مضر نہیں ہے جیسا کہ شرکت میں ہے۔

{4} اگر کسی نے ایک اونٹ اس لیے کرایہ پر لیا کہ اس پر ایک مَحمِل (چوپائے کے دو طرف لٹکے ہوئے تھیلے جن پر بوجھ رکھا جاتا ہے) اور دو سوار بٹھلا کر مکہ مکرمہ تک لے جائے گا تو یہ جائز ہے، اور مستاجر کو ایسی محمل رکھنے کا اختیار ہے جو معتاد ہو یعنی جس محمل اس طرح کے اونٹ پر لوگ رکھتے ہوں ویسی ہی محمل لادے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا اجارہ جائز نہ ہو، یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ محمل کا طول، عرض اور بوجھ مجہول ہے اور اس طرح کی جہالت سے کبھی جھگڑے تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود تو سوار ہے اور وہ معلوم ہے؛ کیونکہ لوگوں کا بوجھ قریب قریب یکساں ہوتا ہے اور محمل اس میں تابع ہے اور محمل کے طول و عرض وغیرہ میں جو کچھ جہالت ہے وہ متعاد پر مدار رکھنے سے دور ہو جاتی ہے لہٰذا جھگڑے تک نوبت نہیں پہنچے گی۔ اسی طرح اگر اونٹ کے مالک کو بچھونے اور اوڑھنے کی چیزیں نہ دکھلائی ہوں تو بھی یہ اجارہ جائز ہے پس جس قدر متعارف ہوں اسی پر مدار رکھا جائے گا۔ اور اگر اونٹ کے مالک نے محمل کو دیکھ لیا اور پھر عقد کر لیا تو بہت بہتر ہے؛ کیونکہ محمل دیکھنا جہالت کو ختم کر دیتا ہے جس سے اس کی رضامندی پیدا ہو کر جھگڑے کی نوبت ختم ہو جاتی ہے۔

{5} اگر ایک اونٹ زادِ راہ لادنے کے لیے کرایہ پر لیا اور زادِ راہ کی مقدار مثلاً پانچ من بیان کر دی پھر راستہ میں اس مقدار میں سے کچھ کھایا تو اس کو اختیار ہے کہ جس قدر کھایا اس کے عوض دوسرا اس میں بڑھادے؛ کیونکہ جس قدر بوجھ اس نے بیان کیا تمام راستہ اس قدر بوجھ لادنے کا وہ مستحق ہے پس اس کو اختیار ہے کہ ہر حال میں پورا وزن رکھے۔

اسی طرح اگر زادِراہ کے علاوہ کوئی معین کیلی یاوزنی چیز لادنے کے لیے کرایہ پر لیا ہو پھر کم ہونے کے بعد اس میں اسی مقدار کو لوٹا دیا تو اس میں بھی یہی حکم ہے۔ اور چونکہ بعضوں کے نزدیک زادِراہ کی کی بار بار پوری کرلیتا پانی کی کمی پوری کرنے کی طرح معتاد ہے لہٰذا مطلق عقد کرنے کی صورت میں اس پر عمل کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہوگی یعنی بلا شرط کیے جتنی مقدار کم ہوا اس کو لوٹایا جا سکتا ہے۔

## كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

یہ کتاب احکام مکاتب کے بیان میں ہے۔

"مکاتب" ماخوذ ہے "كَتَبَ يَكْتُبُ كتابةً" سے، لغۃً بمعنی جمع کرنا اسی سے "كَتِيبَة" بمعنی لشکرِ عظیم اور "کتابت" بمعنی جمع الحروف ماخوذ ہے اسی لیے لکھنے والے کو کاتب کہتے ہیں کہ وہ حروف کو جمع کرتا ہے۔ اور شریعت میں کتابت وہ عقد ہے جو مولیٰ اور اس کے غلام کے درمیان لفظِ کتابت سے منعقد ہو اور اس سے فی الحال تصرف کی آزادی حاصل ہو اور فی المآل رقبہ کی آزادی حاصل ہو مثلاً مالک اپنے غلام سے کہہ دے کہ اگر تو نے دس ہزار روپیہ ادا کردیئے تو تم آزاد ہو، ان دس ہزار کو بدل کتابت کہتے ہیں۔ کتابت کا رکن ایجاب وقبول ہے اور شرط بدل کتابت کا معلوم ہونا ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ کتابت اور اجارہ میں سے ہر ایک ایسا عقد ہے جس سے غیر مال کے مقابلہ میں اصالۃً مال حاصل کیا جاتا ہے۔ نیز اجارہ اور کتابت دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں میں ملک رقبہ ایک کے لئے ہوتی ہے اور منفعت دوسرے کے لئے ہوتی ہے، البتہ چونکہ اجارہ کے مسائل مکاتب کے مسائل سے زیادہ ہیں اس لیے اجارہ کے احکام کو مکاتب کے احکام سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا كَاتَبَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ أَوْ أَمَتَهُ عَلَى مَالٍ شَرَطَهُ عَلَيْهِ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذَلِكَ صَارَ مُكَاتَبًا؛

فرمایا: اور جب مکاتب کرے مولیٰ اپنے غلام یا باندی کو ایسے مال پر جس کو شرط کیا ہے اس پر، اور غلام قبول کرلے اس کو، تو مکاتب ہو جائے گا،

أَمَّا الْجَوَازُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا } وَهَذَا لَيْسَ أَمْرَ إِيجَابٍ بِإِجْمَاعٍ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ،

بہر حال جواز تو باری تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے "پس ان کو مکاتب کردو اگر تم سمجھو ان میں کچھ نیکی" اور یہ حکم وجوبی نہیں تمام فقہاء کے اجماع سے،

وَإِنَّمَا هُوَ أَمْرُ نَدْبٍ هُوَ الصَّحِيحُ . وَفِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِبَاحَةِ إِلْغَاءُ الشَّرْطِ إِذْ هُوَ مُبَاحٌ بِدُونِهِ ، أَمَّا النَّدْبِيَّةُ

بلکہ یہ حکم استحباب ہے، یہی صحیح ہے، پس اباحت پر حمل کرنے میں لغو کرنا ہے شرط کو؛ کیونکہ کتابت جائز ہے اس کے بغیر، رہا استحباب

مُعَلَّقَةٌ بِهِ ،{2}وَالْمُرَادُ بِالْخَيْرِ الْمَذْكُورِ عَلَى مَا قِيلَ أَنْ لَا يَضُرَّ بِالْمُسْلِمِينَ بَعْدَ الْعِتْقِ ، فَإِنْ كَانَ يَضُرُّ

تو وہ معلق ہے شرط کے ساتھ، اور خیر مذکور سے مراد جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ نقصان نہ پہنچائے مسلمانوں کو آزادی کے بعد، پس اگر وہ مضر ہو

بِهِمْ فَالْأَفْضَلُ أَنْ لَا يُكَاتِبَهُ وَإِنْ كَانَ يَصِحُّ لَوْ فَعَلَهُ .{3}وَأَمَّا اشْتِرَاطُ قَبُولِ الْعَبْدِ فَلِأَنَّهُ مَالٌ

ان کے لیے، تو بہتر یہ ہے کہ مکاتب نہ بنائے اس کو اگرچہ صحیح ہوگا اگر اس نے مکاتب کر لیا، رہا غلام کا اس کو قبول کرنا تو وہ اس لیے کہ وہ مال ہے

يَلْزَمُهُ فَلَا بُدَّ مِنَ الْتِزَامِهِ وَلَا يَعْتِقُ إلَّا بِأَدَاءِ كُلِّ الْبَدَلِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { أَيُّمَا عَبْدٍ كُوتِبَ

جو لازم ہوگا اس کو، پس ضروری ہے اس کا التزام۔ اور آزاد نہ ہوگا مگر کل بدل ادا کرنے سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جو غلام مکاتب کیا گیا

عَلَى مِائَةِ دِينَارٍ فَأَدَّاهَا إلَّا عَشَرَةَ دَنَانِيرَ فَهُوَ عَبْدٌ} وَقَالَ ﷺ {الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ} وَفِيهِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ

سو دینار پر پس اس نے ادا کر دئے ان کو سوائے دس دینار کے تو وہ غلام ہی رہے گا"، اور اس میں اختلاف ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

وَمَا اخْتَرْنَاهُ قَوْلُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ{4}وَيَعْتِقُ بِأَدَائِهِ وَإِنْ لَمْ يَقُلِ الْمَوْلَى إذَا أَدَّيْتَهَا

اور جو ہم نے اختیار کیا وہ حضرت زیدؓ کا قول ہے۔ اور آزاد ہو جائے گا بدلِ کتابت ادا کرنے سے اگرچہ یہ نہ کہے مولیٰ: کہ جب تو اس کو ادا کر دے

فَأَنْتَ حُرٌّ؛ لِأَنَّ مُوجَبَ الْعَقْدِ يَثْبُتُ مِنْ غَيْرِ التَّصْرِيحِ بِهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ، وَلَا يَجِبُ حَطُّ شَيْءٍ مِنَ الْبَدَلِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ

تو تو آزاد ہے؛ کیونکہ موجبِ ثابت ہوتا ہے اس کی تصریح کئے بغیر جیسا کہ بیع میں ہے اور ضروری نہیں کم کرنا بدلِ کتابت سے کچھ؛ قیاس کرتے ہوئے بیع پر۔

{5}قَالَ: وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًّا وَيَجُوزُ مُؤَجَّلًا وَمُنَجَّمًا ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجُوزُ حَالًّا

فرمایا: اور جائز ہے کہ شرط کرلے مال فی الحال، اور جائز ہے کہ میعادی اور قسط وار ہو، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: جائز نہیں ہے فی الحال،

وَلَا بُدَّ مِنْ تَنْجِيمٍ ، لِأَنَّهُ عَاجِزٌ عَنِ التَّسْلِيمِ فِي زَمَانٍ قَلِيلٍ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ قَبْلَهُ لِلرِّقِّ

اور ضروری ہے قسط وار کرنا؛ کیونکہ وہ عاجز ہے سپرد کرنے سے تھوڑے زمانے میں بناء بر عدمِ اہلیت اس سے پہلے رقیت کی وجہ سے۔

{6}بِخِلَافِ السَّلَمِ عَلَى أَصْلِهِ لِأَنَّهُ أَهْلٌ لِلْمِلْكِ فَكَانَ احْتِمَالُ الْقُدْرَةِ ثَابِتًا، وَقَدْ دَلَّ الْإِقْدَامُ عَلَى الْعَقْدِ عَلَيْهَا

برخلاف سلم کے ان کی اصل پر؛ کیونکہ مسلم الیہ اہل ہے ملک کا، پس احتمالِ قدرت ثابت رہا، اور دلالت کرتا ہے عقد پر اقدام کرنا قدرت پر،

فَيَثْبُتُ .{7}وَلَنَا ظَاهِرُ مَا تَلَوْنَا مِنْ غَيْرِ شَرْطِ التَّنْجِيمِ ، وَلِأَنَّهُ

پس ثابت ہو جائے گی قدرت اس سے۔ اور ہماری دلیل ظاہر ہے اس آیت کی جو ہم تلاوت کر چکے بغیر قسط وار کی شرط کے، اور اس لیے کہ یہ

عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ وَالْبَدَلُ مَعْقُودٌ بِهِ فَأَشْبَهَ الثَّمَنَ فِي الْبَيْعِ فِي عَدَمِ اشْتِرَاطِ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ ، بِخِلَافِ السَّلَمِ عَلَى أَصْلِنَا

عقدِ معاوضہ ہے اور بدل معقود بہ ہے، پس یہ مشابہ ہو گیا بیع میں ثمن کے اس پر قدرت شرط نہ ہونے میں، برخلاف سلم کے ہماری اصل پر؛

لِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيهِ مَعْقُودٌ عَلَيْهِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ . {8} وَلِأَنَّ مَبْنَى الْكِتَابَةِ عَلَى الْمُسَاهَلَةِ فَيُمْهِلُهُ الْمَوْلَى

کیونکہ مسلم فیہ معقود علیہ ہے، پس ضروری ہے اس پر قادر ہونا، اور اس لیے کہ کتابت کی بنیاد آسانی پر ہے، پس مہلت دے گا اس کو

ظَاهِرًا ، بِخِلَافِ السَّلَمِ لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْمُضَايَقَةِ وَفِي الْحَالِ كَمَا امْتَنَعَ مِنَ الْأَدَاءِ يُرَدُّ إِلَى الرِّقِّ.

مولیٰ بظاہر، برخلاف سلم کے؛ کیونکہ اس کی بنیاد تنگی پر ہے، اور فی الحال میں جیسا ہی وہ رُک گیا ادائیگی سے تو واپس کیا جائے گا رقیت کی طرف۔

تشریح:۔ {1} اگر مولیٰ نے اپنے غلام یا اپنی باندی کو ایسے مال پر مکاتب کیا جو اس غلام یا باندی پر شرط کیا ہو اور اس مملوک نے اس کو قبول کیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا اور یہ جائز ہے اور جوازِ کتابت کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾[1] (یعنی تمہارے مملوکوں میں سے جو شخص کتابت کی درخواست کرے تو ان کو مکاتب کرو بشرطیکہ تم ان میں بہتری دیکھو) جس سے کتابت کا مشروع ہونا ثابت ہوا۔ باقی اس سے وجوبِ کتابت ثابت نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے؛ کیونکہ اس پر فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے اور اباحت کے لیے بھی نہیں ہے، البتہ یہ امر ندب کے لیے ہے اور یہی صحیح ہے؛ کیونکہ مباح پر محمول کرنے میں شرط کا لغو ہونا لازم آتا ہے یعنی "بشرطیکہ تم ان میں بہتری دیکھو" بے فائدہ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ کتابت تو اس شرط کے بغیر مباح ہے حالانکہ باری تعالیٰ کا کلام بے فائدہ ہونے سے پاک ہے، اور رہا مندوب ہونا تو وہ اسی شرط پر معلق ہے اس لیے ندب ہی مراد ہے۔

{2} پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ مذکورہ بہتری سے یہ مراد ہے کہ غلام کی آزادی کے بعد اس کی آزادی مسلمانوں کے لیے مضر نہ ہو، اور اگر آزادی کے بعد اس کی آزادی مسلمانوں کے حق میں مضر ہو تو افضل یہ ہے کہ اس کو مکاتب نہ کیا جائے اگرچہ اس صورت میں بھی اگر مولیٰ نے اس کو مکاتب کیا تو مکاتب ہو جاتا ہے۔

{3} اور غلام کے قبول کرنے کی شرط اس لیے لگائی کہ عوضِ کتابت تو مال ہے پس غلام کا قبول کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی جانب سے التزام ہو یعنی کتابت سے غلام کے ذمہ مال لازم ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے ذمہ مال کا لازم ہونا قبول کرے۔ پھر مکاتب اس وقت تک آزاد نہ ہوگا جب تک کہ پورا عوض ادا نہ کرے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جو کوئی غلام سو دینار پر مکاتب

[1] النور: 33.

کیا گیا پھر اس نے سب ادا کر دیئے سوائے دس دینار کے تو بھی وہ غلام رہے گا"[1] اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مکاتب غلام ہے جب تک اس پر ایک درہم باقی رہے"[2] ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ آزاد ہونے کے لیے پورا عوض ادا کرنا ضروری ہے۔ اور مکاتب کے آزاد ہونے کے وقت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار مختلف ہیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ جتنا عوض ادا کر دے اسی حساب سے وہ آزاد ہو جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی قیمت کے بقدر ادا کرنے سے آزاد ہو جائے گا، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے جس کو ہم نے اختیار کیا[3] اور ہم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول اس لیے اختیار کیا کہ وہ مذکورہ بالا احادیث کے موافق ہے۔

{4} اور مکاتب اس مال کو ادا کر کے آزاد ہو جائے گا اگرچہ مولیٰ نے اس سے یہ نہ کہا ہو کہ "جب تو اس کو ادا کر دے تب تو آزاد ہے"؛ کیونکہ کسی عقد کا مقتضاء اس کی تصریح کے بغیر ثابت ہو جایا کرتا ہے جیسے بیع میں ہوتا ہے یعنی بائع کے اس قول کی ضرورت نہیں کہ "جب تو مجھے ثمن کا مالک بنادے تو تو مبیع کا مالک ہوگا" اس کے بغیر بھی مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بدلِ کتابت میں سے ایک چوتھائی کم کرنا مولیٰ پر واجب ہے۔ مگر ہم بیع پر قیاس کرتے ہوئے عوض میں سے کچھ کم کر دینے کو واجب نہیں کہتے ہیں یعنی جیسے بیع میں ثمن سے کم کرنا بائع کے ذمہ واجب نہیں ہے اسی طرح مالِ کتابت میں سے کم کرنا مولیٰ کے ذمہ واجب نہیں ہے اور بیع پر قیاس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کتابت بھی غلام کو اسی کے ہاتھ فروخت کرنے کے معنی میں ہے۔

{5} اور کتابت اس شرط پر بھی جائز ہے کہ مال فی الحال ادا کرے، اور اگر کل مال کو میعادی کر دیا، یا قسط وار ادائیگی کو شرط کیا تو بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فی الحال ادا کرنے کی شرط جائز نہیں ہے، بلکہ قسط وار ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ فی الحال تھوڑے سے زمانے میں مکاتب عوض اداء کرنے سے عاجز ہے؛ کیونکہ رقیق ہونے کی وجہ سے عقدِ کتابت سے پہلے اس میں ملک کی اہلیت نہیں ہے اور عقدِ کتابت کے متصل بعد تھوڑے سے زمانے میں مالِ کثیر حاصل کرنے پر قدرت عادۃً ثابت نہیں ہوتی ہے اس لیے فی الحال وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہے۔

---

([1]) أخرجه أصحاب السنن الأربعة: أبو داود، والنسائي في العتق، والترمذي في البيوع، وابن ماجه في الأحكام عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أيما عبد كاتب على مائة أوقية، فأداها إلا عشر أواق، فهو عبد، وأيما عبد كاتب على مائة دينار، فأداها إلا عشرة دنانير، فهو عبد"، انتهى، بلفظ أبي داود، (نصب الراية: 344/4)

([2]) أخرجه أبو داود في العتاق عن إسماعيل بن عياش عن سليمان بن سليم عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "المكاتب عبد ما بقي عليه من كتابته درهم"، انتهى. (نصب الراية: 345/4)

([3]) (نصب الراية: 345/4)

{6} اس کے بر خلاف بیع سلم کا حکم ہے کہ وہ فی الحال کی شرط پر امام شافعیؒ کے قاعدہ پر جائز ہے؛ کیونکہ مسلم الیہ کو فی الحال عقدِ سلم سے پہلے ملکیت کی اہلیت حاصل ہے پس فی الحال مسلم فیہ سپرد کرنے پر احتمال قدرت ثابت ہے یعنی عاجزی متعین نہیں ہے اس لیے فی الحال کی شرط پر جائز ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس نے عقدِ سلم پر اقدام کیا تو یہ دلالت کرتا ہے اس کے قادر ہونے پر لہذا اس سے مسلم الیہ کے لیے مال پر قدرت ثابت ہو جائے گی اس لیے فی الحال کی شرط پر جائز ہے۔

{7} ہماری دلیل ایک تو اس آیت کا ظاہر ہے جس کو ہم نے تلاوت کی یعنی ﴿فَكَاتِبُوهُمْ﴾ کہ اس میں بدل کتابت کے قسط وار ہونے کی شرط نہیں ہے بلکہ فی الحال اور قسط وار سب کو شامل ہے۔ اور دوم یہ کہ کتابت بھی ایک عقدِ معاوضہ ہے اور عوض اس میں ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے معقود علیہ حاصل کی جاتی ہے یعنی یہ مال ادا کر کے غلام کو اپنے نفس کی آزادی حاصل ہوگی پس کتابت میں یہ مال ایسا ہو گیا جیسے بیع میں ثمن ہوتا ہے کہ اس میں فی الحال ثمن کی ادائیگی پر قدرت ہونا شرط نہیں ہے۔ اور ہمارے اصول کے موافق بیع سلم کا حکم اس سے مخالف ہے؛ کیونکہ بیع سلم میں جو چیز مسلم فیہ ہے وہ معقود علیہ ہے یعنی وہ ایسی چیز ہے جس کے حاصل کرنے پر عقد واقع ہوا ہے اور مال کے ذریعہ یہ چیز حاصل کی جاتی ہے تو اس پر قدرت ہونا شرط ہے جیسے بیع میں مبیع معقود علیہ ہے اس لیے بیع کے جائز ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ بائع کو مبیع پر قدرت حاصل ہو اور یہ شرط نہیں کہ مشتری کو ثمن پر قدرت حاصل ہو اسی طرح کتابت میں یہ شرط نہیں کہ غلام کو مال پر قدرت حاصل ہو۔

{8} اس کے علاوہ کتابت اور بیع سلم میں فرق کی وجہ یہ بھی ہے کہ کتابت کی بناء چشم پوشی پر ہے تا کہ یہ غلام آزاد ہو جائے پس اگر فی الحال ادائیگی کا اقرار ہو تب بھی بظاہر مولیٰ اسے مہلت دے گا، جبکہ سلم کا حال اس کے بر خلاف ہے؛ کیونکہ اس کی بنیاد تنگی پر ہے یعنی دونوں طرف سے ہر ایک اپنا حق کس کر لینا چاہتا ہے اور جس وقت واجب ہوا اسی وقت وصول کرے گا۔ حاصل یہ کہ جب کتابت فی الحال ادا کرنے کی شرط سے جائز ہوئی تو جیسے ہی غلام ادا ءِ مال سے انکار کرے گا تو پھر رقیت کی طرف واپس کر دیا جائے گا۔

{1} قَالَ: وَتَجُوزُ كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ إِذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ؛ لِتَحَقُّقِ الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ، إِذِ الْعَاقِلُ مِنْ أَهْلِ الْقَبُولِ

فرمایا: اور جائز ہے مکاتب کرنا نابالغ غلام کو جبکہ وہ جانتا ہو بیع اور شراء کو تا کہ متحقق ہو ایجاب اور قبول؛ کیونکہ عاقل اہلِ قبولیت میں سے ہے،

وَالتَّصَرُّفُ نَافِعٌ فِي حَقِّهِ. وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيهِ وَهُوَ بِنَاءٌ عَلَى مَسْأَلَةِ إِذْنِ الصَّبِيِّ فِي التِّجَارَةِ،

اور تصرف نافع ہے اس کے حق میں، اور امام شافعیؒ مخالف ہیں ہمارے ساتھ اس میں، اور یہ بناء ہے تجارت میں بچے کی اجازت کے مسئلہ پر

وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لَا يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ لِأَنَّ الْقَبُولَ لَا يَتَحَقَّقُ مِنْهُ فَلَا يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ، حَتَّى

اور یہ بر خلاف اس کے ہے کہ وہ نہ جانتا ہو بیع اور شراء کو؛ کیونکہ قبول کرنا متحقق نہیں ہو سکتا اس سے، پس منعقد نہ ہو گا عقد، حتیٰ کہ۔

{2}قَالَ : وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ : جَعَلْتُ عَلَيْكَ أَلْفًا تُؤَدِّيهَا إلَيَّ نُجُومًا أَوَّلُ النَّجْمِ كَذَا وَآخِرُهُ كَذَا فَإِذَا أَدَّيْتَهَا فَأَنْتَ حُرٌّ وَإِنْ عَجَزْتَ فَأَنْتَ رَقِيقٌ فَإِنَّ هَذِهِ مُكَاتَبَةٌ ؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِتَفْسِيرِ الْكِتَابَةِ ،{3}وَلَوْ قَالَ : إذَا أَدَّيْت إلَيَّ أَلْفًا كُلَّ شَهْرٍ مِائَةً فَأَنْتَ حُرٌّ فَهَذِهِ مُكَاتَبَةٌ فِي رِوَايَةِ أَبِي سُلَيْمَانَ ؛ لِأَنَّ التَّنْجِيمَ يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ وَذَلِكَ بِالْكِتَابَةِ .وَفِي نُسَخِ أَبِي حَفْصٍ لَا تَكُونُ مُكَاتَبَةً اعْتِبَارًا بِالتَّعْلِيقِ بِالْأَدَاءِ مَرَّةً .{4}قَالَ : وَإِذَا صَحَّتْ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ عَنْ يَدِ الْمَوْلَى وَلَمْ يَخْرُجْ عَنْ مِلْكِهِ ؛ أَمَّا الْخُرُوجُ مِنْ يَدِهِ فَلِتَحْقِيقِ مَعْنَى الْكِتَابَةِ وَهُوَ الضَّمُّ فَيَضُمُّ مَالِكِيَّةَ يَدِهِ إلَى مَالِكِيَّةِ نَفْسِهِ أَوْ لِتَحْقِيقِ مَقْصُودِ الْكِتَابَةِ وَهُوَ أَدَاءُ الْبَدَلِ فَيَمْلِكُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَالْخُرُوجَ إلَى السَّفَرِ وَإِنْ نَهَاهُ الْمَوْلَى ،{5}وَأَمَّا عَدَمُ الْخُرُوجِ عَنْ مِلْكِهِ فَلِمَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّهُ عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ وَمَبْنَاهُ عَلَى الْمُسَاوَاةِ ، وَيَنْعَدِمُ ذَلِكَ بِتَنَجُّزِ الْعِتْقِ وَيَتَحَقَّقُ بِتَأَخُّرِهِ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ لَهُ نَوْعُ مَالِكِيَّةٍ وَيَثْبُتُ لَهُ فِي الذِّمَّةِ حَقٌّ مِنْ وَجْهٍ {6} فَإِنْ أَعْتَقَهُ عَتَقَ بِعِتْقِهِ ؛ لِأَنَّهُ مَالِكٌ لِرَقَبَتِهِ وَسَقَطَ عَنْهُ

فرمایا: اور جو شخص کہے اپنے غلام سے: میں نے مقرر کیے اگر ادا کر دیا اس کی طرف سے کسی اور نے تو آزاد نہ ہو گا، اور واپس لے گا وہ جو اس نے دیدیا ہے۔ تجھ پر ہزار درہم جو تو ادا کرو گے وہ مجھ کو قسطوار، پہلی قسط اتنی اور آخری قسط اتنی، پس جب تو ادا کر دے ان کو، تو تُو آزاد ہے، اور اگر تو عاجز ہو گیا تو تُو رقیق رہے گا، تو یہ مکاتبت ہے؛ کیونکہ اس نے کتابت کی تفسیر ذکر کی ہے۔ اور اگر کہا: جب تو ادا کر دے مجھے ہزار درہم ہر ماہ سو درہم، تو تُو آزاد ہے تو یہ مکاتبت ہے ابو سلیمانؒ کی روایت میں؛ کیونکہ قسط کرنا دلالت کرتا ہے وجوب پر، اور وجوب کتابت سے ہوتا ہے، اور ابو حفص کے نسخہ میں غلام مکاتب نہ ہو گا؛ قیاس کرتے ہوئے یکبارگی ادائیگی کی تعلیق پر۔ فرمایا: اور جب صحیح ہو گئی کتابت تو نکل گیا مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے، اور نہیں نکلا اس کی ملک سے، بہر حال نکلنا مولیٰ کی ملک سے تو کتابت کا معنی متحقق ہونے کے لیے اور وہ ملانا ہے، پس وہ ملاتا ہے اپنے قبضہ کی مالکیت کو اپنی ذات کی مالکیت کے ساتھ، یا مقصودِ کتابت ثابت کرنے کے لیے، اور وہ ادا بدل ہے، پس وہ مالک ہو گا بیع اور شراء کا، اور سفر کے لیے نکلنے کا، اگرچہ منع کر دے اس کو مولیٰ، رہا اپنی ملک سے نہ نکلنا تو اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور اس لیے کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے اور اس کی بنیاد مساوات پر ہے، اور معدوم ہو گی یہ فی الحال عتق سے، اور متحقق ہو گی اس کو مؤخر کرنے سے؛ کیونکہ ثابت ہوئی اس کے لیے ایک طرح کی مالکیت، اور ثابت ہوا مولیٰ کے لیے اس کے ذمہ میں حق من وجہ۔ پھر اگر مولیٰ نے آزاد کیا اس کو، تو وہ آزاد ہو گا اس کے آزاد کرنے سے؛ کیونکہ وہ مالک ہے اس کے رقبہ کے، اور ساقط ہو جائے گا اس سے

بَدَلُ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّهُ مَا الْتَزَمَهُ إِلَّا مُقَابَلًا بِحُصُولِ الْعِتْقِ بِهِ وَقَدْ حَصَلَ دُونَهُ.
بدلِ کتابت؛ کیونکہ اس نے التزام نہیں کیا ہے اس کا مگر اس کو حصولِ عتق کے مقابلے میں، حالانکہ عتق اس کو حاصل ہو گیا بغیر بدل کے۔

{7} قَالَ: وَإِذَا وَطِئَ الْمَوْلَى مُكَاتَبَتَهُ لَزِمَهُ الْعُقْرُ ؛ لِأَنَّهَا صَارَتْ أَخَصَّ بِأَجْزَائِهَا تَوَسُّلًا إِلَى الْمَقْصُودِ بِالْكِتَابَةِ
فرمایا: اور اگر وطی کر لی مولیٰ نے اپنی مکاتبہ سے، تو لازم ہو گا اس پر عقر؛ کیونکہ وہ زیادہ مختار ہو گئی اپنے اجزاء کی مقصودِ کتابت کی طرف توسل کے لیے،

وَهُوَ الْوُصُولُ إِلَى الْبَدَلِ مِنْ جَانِبِهِ وَإِلَى الْحُرِّيَّةِ مِنْ جَانِبِهَا بِنَاءً عَلَيْهِ ، وَمَنَافِعُ الْبُضْعِ مُلْحَقَةٌ
اور وہ بدل تک پہنچنا ہے مولیٰ کی جانب سے اور آزادی تک پہنچنا ہے مکاتبہ کی جانب سے وصول الی البدل کی بناء پر، اور بضع کے منافع ملحق ہیں

بِالْأَجْزَاءِ وَالْأَعْيَانِ {8} وَإِنْ جَنَى عَلَيْهَا أَوْ عَلَى وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَايَةُ ؛ لِمَا بَيَّنَّا
اجزاء اور اعیان کے ساتھ۔ اور اگر جنایت کی مکاتب پر یا اس کے بچے پر، تو لازم ہو گا مولیٰ پر جرم؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

{9} وَإِنْ أَتْلَفَ مَالًا لَهَا غَرِمَ ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى كَالْأَجْنَبِيِّ فِي حَقِّ أَكْسَابِهَا وَنَفْسِهَا ، إِذْ
اور اگر تلف کر دیا باندی کا مال، تو تاوان دے گا؛ کیونکہ مولیٰ اجنبی کی طرح ہے اس کی کمائی اور اس کی ذات کے حق میں؛ کیونکہ

لَوْ لَمْ يُجْعَلْ كَذَلِكَ لَأَتْلَفَهُ الْمَوْلَى فَيَمْتَنِعُ حُصُولُ الْغَرَضِ الْمُبْتَغَى بِالْعَقْدِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .
اگر ایسا نہ کیا جائے تو تلف کر دے گا اس کو مولیٰ، پس ممتنع ہو گا عقد سے مطلوب غرض کا حصول، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تشریح:۔{1} نابالغ غلام کو مکاتب کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ خرید اور فروخت کو سمجھتا ہو؛ کیونکہ ایجاب وقبول اسی کی جانب سے متحقق ہو گا؛ کیونکہ عاقل قبولیت کا اہل ہے اور یہ قبولیت اس غلام کے حق میں نافع ہے اس لیے نابالغ غلام کو مکاتب کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ اس مسئلہ میں ہمارے مخالف ہیں اور یہ اختلاف ایک دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے وہ یہ کہ سمجھدار بچے کو تجارت کی اجازت دینا آیا صحیح ہے یا نہیں؟ پس ہمارے نزدیک صحیح ہے اور ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے پس جب اس کی تجارت صحیح ہے تو اس کا عقدِ کتابت بھی صحیح ہو گا۔ اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ نابالغ غلام خرید اور فروخت کو نہ سمجھتا ہو کہ اس صورت میں اس کی کتابت بالاتفاق صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ قبول کرنا اس کی جانب سے متحقق نہیں ہو گا حالانکہ عقد کو قبول کرنا ضروری ہے اس لیے عقدِ کتابت منعقد نہ ہو گا حتیٰ کہ اگر اس کی طرف سے کسی غیر نے بدلِ کتابت ادا کر دیا تو بھی وہ آزاد نہ ہو گا اور غیر نے جو کچھ ادا کیا وہ اس کے مالک سے واپس لیا جائے گا۔

{2} ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ "میں نے تیرے اوپر ہزار درہم رکھے ہیں جن کو تو قسط وار کر کے مجھے ادا کر، اس کی پہلی قسط اتنی اور آخری قسط اتنی ہو گی اور فلاں وقت میں ادا کر" اس طرح اس نے تمام اقساط بیان کئے اور کہا کہ "پھر جب تو نے مجھے یہ

درہم ادا کردیئے تو تُو آزاد ہے اور اگر تو عاجز ہوا تو غلام رہے گا" تو یہ کتابت صحیح ہے؛ کیونکہ مولیٰ نے کتابت کو تفسیر کے ساتھ بیان کردیا۔

{3} اور اگر مولیٰ نے کہا کہ "اگر تونے مجھے ہزار درہم ادا کئے سو درہم ماہانہ کے حساب سے تو تُو آزاد ہے" تو امام محمدؒ کے شاگرد ابو سلیمان کی روایت میں یہ کتابت ہے؛ کیونکہ قسطوں کو مقرر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ غلام پر مولیٰ نے ان قسطوں کو واجب کیا ہے اور غلام پر قسطوں کا وجوب کتابت کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے یہ کتابت ہے۔ اور امام محمدؒ کے دوسرے شاگرد ابو حفص کبیرؒ کے نسخہ مبسوط میں ہے کہ یہ غلام مکاتب نہ ہوگا؛ یک بارگی ادائیگی کی شرط پر قیاس کیا جائے گا مثلاً مولیٰ نے کہا کہ "اگر تونے ہزار درہم ادا کردیئے تو تُو آزاد ہے" تو یہ کتابت نہیں بلکہ غلام کی آزادی کو شرط پر معلق کرنا ہے اس لیے غلام کا قبول کرنا شرط نہیں ہے، اسی طرح قسطوار ادائیگی کی شرط کی صورت میں بھی کتابت نہ ہوگی، ابو حفص کا نسخہ اَصح ہے لما فی تکملۃ البحر الرائق: وَلَوْ قَالَ إِذَا أَدَّيْتَ إِلَيَّ أَلْفًا كُلَّ شَهْرٍ مِائَةً فَهُوَ مُكَاتَبَةٌ فِي رِوَايَةِ أَبِي سُلَيْمَانَ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي حَفْصٍ لَيْسَتْ بِمُكَاتَبَةٍ ، بَلْ يَكُونُ إِذْنًا اعْتِبَارًا بِالتَّعْلِيقِ بِالْأَدَاءِ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ (تکملۃ البحر الرائق: 41/8)

{4} اور جب عقدِ کتابت صحیح ہوگیا تو مکاتب اپنے مولیٰ کے قبضہ سے نکل جاتا ہے مگر اس کی مِلک سے خارج نہیں ہوتا ہے، مولیٰ کے قبضہ سے نکل جانا اس لیے ہوتا ہے کہ کتابت کا معنیٰ متحقق ہوا اور کتابت کا معنیٰ ملانا پس مکاتب اپنے فی الحال حاصل شدہ قبضہ کی مالکیت کو اپنی ذات کی مالکیت کے ساتھ ملا دیتا ہے جو ادائیگی بدل کے وقت حاصل ہوتی ہے اس لیے مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے نکل جاتا ہے۔ یا مولیٰ کے قبضہ سے نکلنا اس وجہ سے ہے تا کہ کتابت کا مقصود حاصل ہو اور وہ اداءِ عوض ہے جو اگر مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے نہ نکلے تو یہ مقصود حاصل نہ ہوگا، پس جب مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے نکل جاتا ہے تو اس کو خرید و فروخت کا اور سفر میں جانے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ مولیٰ اس کو سفر کرنے سے منع کردے۔

{5} رہا یہ کہ مکاتب مولیٰ کی مِلک سے نہیں نکلتا ہے تو اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے اوپر روایت کی "یعنی جب تک اس پر ایک درہم باقی رہے تب تک وہ غلام ہے"۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کتابت ایک عقدِ معاوضہ ہے جس کی بنیاد دونوں طرف سے مساوات پر ہے اور فی الحال اس کے آزاد ہونے سے یہ بات معدوم ہوگی یعنی اگر وہ فی الحال آزاد ہو جائے اور مولیٰ کی ملک سے نکل جائے تو غلام کو اپنی ذات کا عوض (آزادی) حاصل ہو جائے گا حالانکہ مولیٰ کو ابھی تک مال حاصل نہیں ہوا ہے تو مساوات نہیں رہے گی، اور اگر وہ مال کی ادائیگی کے بعد آزاد ہو تو دونوں جانب سے مساوات متحقق ہوگی؛ کیونکہ غلام کو ایک قسم کی ملکیت (قبضہ کی مالکیت) حاصل ہوئی اور مولیٰ کے لیے مکاتب کے ذمہ میں من وجہ حق بھی ثابت ہوا یوں کچھ نہ کچھ مساوات قائم ہو جائے گی۔

{6} اگر مکاتب کرنے کے بعد مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد کرنے سے آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ اس کی ذات کا ابھی تک مالک ہے اس لیے اس کی طرف سے آزادی متحقق ہو سکتی ہے۔ اور جب وہ آزاد ہو گیا تو اس کے ذمہ سے کتابت کا عوض ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ اس نے اپنے اوپر اس مال کے دینے کا التزام اس لیے کیا تھا کہ اس مال کے عوض میں اس کو آزادی حاصل ہو حالانکہ اس کے بغیر اس کو آزادی حاصل ہو گئی تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں رہے گا۔

{7} اگر مولیٰ نے اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کر لی تو اس کے ذمہ عُقر لازم آئے گا یعنی ایسی عورت کا جو کچھ مہر ہوتا ہو وہ دینا پڑے گا؛ کیونکہ یہ عورت اپنے مولیٰ کی بنسبت اپنے اجزاء کی زیادہ مختار ہوتی ہے یہ اس لیے تاکہ اس اختصاص کے ذریعہ مقصودِ کتابت تک رسائی حاصل کر سکے اور مقصودِ کتابت مولیٰ کی جانب عوض حاصل ہونا اور مکاتبہ کی جانب عوضِ مذکور کے مقابلے میں آزادی حاصل ہونا یعنی کتابت سے مقصود یہ ہے کہ مولیٰ کو مالِ کتابت حاصل ہو اور اس کے عوض میں باندی کو آزادی حاصل ہو، اور عورت کے بضع کے منافع بمنزلہ اجزاء اور اعیان کے ہیں تو ان کا استحقاق بھی باندی ہی کو حاصل ہو گا اس لیے مولیٰ کا منافع بضع حاصل کرنے پر مولیٰ کے ذمہ ان کا عوض (عقر) لازم ہو گا۔

{8} اگر مولیٰ نے اپنی مکاتبہ پر جنایت کی مثلاً اس کو قتل کر دیا، یا اس کا کوئی عضو تلف کیا، یا اس کے بچے پر کوئی جنایت کی، تو مولیٰ کے ذمہ یہ جرم لازم ہو گا؛ کیونکہ ہم نے بیان کیا کہ مکاتب کو اپنے اجزاء کے ساتھ مولیٰ کی بنسبت زیادہ اختصاص حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ اس اختصاص کے ذریعہ مقصودِ کتابت تک رسائی حاصل کر سکے۔

{9} اگر مولیٰ نے اس کا کچھ مال تلف کر دیا تو مولیٰ ضامن ہو گا؛ کیونکہ مکاتب و مکاتبہ کی کمائی اور ان کی ذات کے حق میں مولیٰ اجنبی کی طرح ہے اس لیے اجنبی کی طرح اس کی کمائی کو تلف کرنے سے ضامن ہو گا؛ کیونکہ اگر ایسا حکم نہ دیا جائے تو مولیٰ اس کے مال کو تلف کر ڈالے گا پس عقدِ کتابت سے جو مقصود ہے یعنی بدلِ کتابت ادا کر کے مکاتب کا آزاد ہو جانا وہ حاصل ہونا محال ہو جائے گا اس لیے کہ جو کچھ وہ کمائے گا مولیٰ اس کو تلف کر ڈالے گا تو وہ آزاد کس طرح حاصل کرے گا۔

## فَصْلٌ فِي الْكِتَابَةِ الْفَاسِدَةِ

یہ فصل کتابت فاسدہ کے بیان میں ہے۔

چونکہ کتابتِ صحیحہ اصل ہے اور کتابتِ فاسدہ کا درجہ اس سے کم ہے اس لیے مصنفؒ نے پہلے کتابتِ صحیحہ کے احکام کو بیان کیا اور اب کتابتِ فاسدہ کے احکام کو بیان فرماتے ہیں۔

{1}قَالَ :وَإِذَا كَاتَبَ الْمُسْلِمُ عَبْدَهُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ عَلَى قِيمَةِ نَفْسِهِ فَالْكِتَابَةُ فَاسِدَةٌ ؛ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيرَ لَا يَسْتَحِقُّهُ الْمُسْلِمُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ فِي حَقِّهِ فَلَا يَصْلُحُ بَدَلًا فَيَفْسُدُ الْعَقْدُ

فرمایا: اور اگر مکاتب کیا مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر پر، یا خود غلام کی قیمت پر، تو کتابت فاسد ہو گی، بہر حال اول تو اس لیے کہ شراب اور خنزیر کا مستحق نہیں ہوتا ہے مسلمان؛ کیونکہ وہ مال نہیں ہے مسلمان کے حق میں، پس وہ قابل نہیں بدل ہونے کا، پس فاسد ہو جائے گا عقد،

{2}وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّ الْقِيمَةَ مَجْهُولَةٌ قَدْرًا وَجِنْسًا وَوَصْفًا فَتَفَاحَشَتِ الْجَهَالَةُ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَاتَبَ عَلَى ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ ، وَلِأَنَّهُ تَنْصِيصٌ عَلَى مَا هُوَ مُوجَبُ الْعَقْدِ الْفَاسِدِ لِأَنَّهُ مُوجِبٌ لِلْقِيمَةِ

رہا ثانی تو وہ اس لیے کہ غلام کی قیمت مجہول ہے مقدار، جنس اور وصف کے اعتبار سے، پس بہت زیادہ ہو گئی جہالت، اور ہو گیا جیسا کہ جب مکاتب کر دے کپڑے یا جانور پر، اور اس لیے کہ یہ تصریح ہے اس چیز کی جو عقدِ فاسد کا موجب ہے؛ کیونکہ عقدِ فاسد موجبِ قیمت ہوتا ہے۔

{3}قَالَ : فَإِنْ أَدَّى الْخَمْرَ عَتَقَ وَقَالَ زُفَرُ : لَا يَعْتِقُ إِلَّا بِأَدَاءِ قِيمَةِ نَفْسِهِ ، لِأَنَّ الْبَدَلَ هُوَ الْقِيمَةُ

فرمایا: پس اگر اس نے ادا کی شراب، تو آزاد ہو جائے گا۔ اور فرمایا امام زفرؒ نے: آزاد نہ ہو گا مگر قیمتِ شراب ادا کرنے سے؛ کیونکہ بدل قیمت ہی ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهُ يَعْتِقُ بِأَدَاءِ الْخَمْرِ لِأَنَّهُ بَدَلٌ صُورَةً ، وَيَعْتِقُ بِأَدَاءِ الْقِيمَةِ أَيْضًا لِأَنَّهُ هُوَ الْبَدَلُ مَعْنًى .

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ آزاد ہو گا شراب ادا کرنے سے؛ کیونکہ شراب صورۃً بدل ہے، اور آزاد ہو گا قیمت ادا کرنے سے بھی؛ کیونکہ وہ بدل ہے معنیً۔

{4}وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَعْتِقُ بِأَدَاءِ عَيْنِ الْخَمْرِ إِذَا قَالَ إِنْ أَدَّيْتَهَا فَأَنْتَ حُرٌّ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ الْعِتْقُ بِالشَّرْطِ لَا بِعَقْدِ الْكِتَابَةِ ، وَصَارَ كَمَا إِذَا كَاتَبَ عَلَى مَيْتَةٍ أَوْ دَمٍ

اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ آزاد ہو گا عین شراب ادا کرنے سے جبکہ مولیٰ نے کہا ہو: "اگر تو نے خمر ادا کیا تو تُو آزاد ہے"؛ کیونکہ اس صورت میں آزادی شرط سے ہو گی نہ کہ عقدِ کتابت سے، اور ہو گا جیسا کہ جب مکاتب کیا ہو مردار یا خون پر،

{5}وَلَا فَصْلَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .وَوَجْهُ الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْمَيْتَةِ أَنَّ الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيرَ مَالٌ فِي الْجُمْلَةِ فَأَمْكَنَ

اور کوئی فرق نہیں ظاہر الروایۃ میں، اور وجہ فرق خمر و خنزیر اور مردار میں یہ ہے کہ خمر اور خنزیر مال ہے فی الجملہ، پس ممکن ہے

اعْتِبَارُ مَعْنَى الْعَقْدِ فِيهِمَا، وَمُوجَبُهُ الْعِتْقُ عِنْدَ أَدَاءِ الْعِوَضِ الْمَشْرُوطِ. وَأَمَّا الْمَيْتَةُ فَلَيْسَتْ بِمَالٍ أَصْلًا فَلَا يُمْكِنُ

معنیٰ عقد کا اعتبار کرنا ان دونوں میں، اور اس کا موجب آزاد ہونا ہے عوض مشروط ادا کرنے کے وقت، رہا مردار تو مال نہیں بالکل، پس ممکن نہیں

اعْتِبَارُ مَعْنَى الْعَقْدِ فِيهِ فَاعْتُبِرَ فِيهِ مَعْنَى الشَّرْطِ وَذَلِكَ بِالتَّنْصِيصِ عَلَيْهِ{6} وَإِذَا عَتَقَ بِأَدَاءِ عَيْنِ الْخَمْرِ

معنیٰ عقد کا اعتبار کرنا اس میں، پس اعتبار کیا گیا اس میں شرط کے معنیٰ کا، اور یہ اس کی تصریح ہی سے ہوگا۔ اور جب وہ آزاد ہو گیا عین خمر ادا کرنے سے،

لَزِمَهُ أَنْ يَسْعَى فِي قِيمَتِهِ؛ لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ رَدُّ رَقَبَتِهِ لِفَسَادِ الْعَقْدِ وَقَدْ تَعَذَّرَ بِالْعِتْقِ

تو لازم ہوگا اس پر کہ کمائی کرے اپنی قیمت میں؛ کیونکہ واجب ہے اس پر اپنا رقبہ واپس کرنا؛ فسادِ عقد کی وجہ سے، اور یہ متعذر ہے عتق کی وجہ سے،

فَيَجِبُ رَدُّ قِيمَتِهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ إِذَا تَلِفَ الْمَبِيعُ .{7} قَالَ: وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسَمَّى وَيُزَادُ عَلَيْهِ؛

پس واجب ہوگا اپنی قیمت واپس کرنا جیسا کہ بیع فاسد میں جب تلف ہو جائے مبیع۔ فرمایا: اور کم نہیں کی جائے گی مسمّٰی سے، اور زائد کی جاسکتی ہے اس پر؛

لِأَنَّهُ عَقْدٌ فَاسِدٌ فَتَجِبُ الْقِيمَةُ عِنْدَ هَلَاكِ الْمُبْدَلِ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَوْلَى

کیونکہ یہ عقدِ فاسد ہے، پس واجب ہوگی قیمت مبدل ہلاک ہونے کے وقت جہاں تک پہنچے جیسا کہ بیع فاسد میں، اور یہ اس لیے کہ مولیٰ

مَا رَضِيَ بِالنُّقْصَانِ وَالْعَبْدُ رَضِيَ بِالزِّيَادَةِ كَيْ لَا يَبْطُلَ حَقُّهُ فِي الْعِتْقِ أَصْلًا فَتَجِبُ قِيمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ،

راضی نہیں ہوا نقصان پر اور غلام راضی ہے زیادتی پر؛ تاکہ باطل نہ ہو جائے اس کا حق عتق میں بالکل، پس واجب ہوگی قیمت جہاں تک پہنچے،

وَفِيمَا إِذَا كَاتَبَهُ عَلَى قِيمَتِهِ يَعْتِقُ بِأَدَاءِ الْقِيمَةِ لِأَنَّهُ هُوَ الْبَدَلُ .وَأَمْكَنَ

اور اس صورت میں جب اس کو مکاتب کر دے اس کی قیمت پر تو آزاد ہوگا قیمت ادا کرنے سے؛ کیونکہ قیمت ہی بدل ہے اور ممکن ہے

اعْتِبَارُ مَعْنَى الْعَقْدِ فِيهِ{8} وَأَثَرُ الْجَهَالَةِ فِي الْفَسَادِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَاتَبَهُ عَلَى ثَوْبٍ حَيْثُ لَا يَعْتِقُ

عقد کے معنیٰ کا اعتبار کرنا اس میں، اور جہالت کا اثر فساد میں ہوگا، برخلاف اس کے جب مکاتب کر دے اس کو کپڑے پر کہ آزاد نہیں ہوگا

بِأَدَاءِ ثَوْبٍ لِأَنَّهُ لَا يُوقَفُ فِيهِ عَلَى مُرَادِ الْعَاقِدِ لِاخْتِلَافِ أَجْنَاسِ الثَّوْبِ فَلَا يَثْبُتُ الْعِتْقُ بِدُونِ إِرَادَتِهِ.

کپڑا ادا کرنے سے؛ کیونکہ آگاہی نہیں ہو سکتی اس میں مرادِ عاقد پر؛ اجناسِ ثوب مختلف ہونے کی وجہ سے، پس ثابت نہ ہوگا عتق اس کے ارادہ کے بغیر۔

**تشریح:۔** {1} اگر مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر پر مکاتب کیا یا غلام کی قیمت پر مکاتب کیا تو کتابت فاسد ہوگی؛ پس امر اول (شراب اور خنزیر پر کتابت) جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شراب اور خنزیر ایسی چیز ہے کہ مسلمان اس کا مستحق نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ مسلمان کے حق میں یہ مال نہیں ہے تو یہ بدلِ کتابت نہیں ہو سکتا ہے پس عقد بلا بدل ہونے کیوجہ سے یہ عقد فاسد ہوگا۔

{2} اور امر دوم (غلام کی قیمت پر کتابت) اس لیے جائز نہیں کہ مقدارِ قیمت، جنسِ قیمت اور وصفِ قیمت مجہول ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ قیمت سو درہم ہیں یا دو سو، اور دراہم ہیں یا دنانیر ہیں، اور جید ہیں یا رڈی ہیں، اور یہ جہالت شدید ہے تو ایسا ہو گیا جیسے ایک جانور یا ایک کپڑے پر مکاتب کیا کہ یہ بالاتفاق فاسد ہے؛ کیونکہ بدلِ کتابت میں جہالت شدید ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ غلام کی قیمت پر مکاتب کرنا عقدِ فاسد کے حکم کی تصریح ہے؛ کیونکہ عقدِ فاسد کا مقتضاء یہی ہے کہ قیمت واجب ہو لہذا یہ کتابت فاسد ہے۔

{3} پھر اگر مکاتب نے شراب ادا کر دی تو آزاد ہو جائے گا یہی ظاہر الروایت ہے۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ شراب ادا کرنے سے آزاد نہ ہو گا البتہ اگر شراب کی قیمت ادا کر دی تو آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ کتابتِ فاسدہ میں عوض ہی قیمت ہے شراب نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ شراب ادا کر کے آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ بظاہر یہی عوض ہے، اور اپنی قیمت ادا کر کے بھی آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ معنیً یہی عوض ہے۔

{4} اور نوادر میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ عین شراب ادا کرنے پر جب ہی آزاد ہو گا کہ جب مولیٰ نے اس سے یوں کہا ہو کہ "جب تو شراب ادا کرے تب تو آزاد ہے"؛ کیونکہ ایسی صورت میں آزاد ہونا شرط کی وجہ سے ہو گا نہ کہ عقدِ کتابت کی وجہ سے اور مشروط بالشرط وجودِ شرط کے وقت موجود ہوتا ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے مردار یا خون پر مکاتب کیا ہو یعنی مردار اور خون پر معلق کرنے کی طرح شراب پر معلق کرنے سے بھی آزاد ہو جاتا ہے اور اس پر اپنی ذات کی قیمت واجب ہوتی ہے۔

{5} اور ظاہر الروایت میں شراب اور خنزیر میں کوئی تفصیل نہیں ہے جبکہ مردار اور خون میں تفصیل ہے۔ پھر مردار میں اور شراب و خنزیر میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شراب اور خنزیر فی الجملہ مال ہیں یعنی کفار کے حق میں مال ہیں اگر چہ مسلمان کے حق میں بالکل مال نہیں ہیں تو ان دونوں میں عقد کے معنی کا اعتبار کرنا ممکن ہے یعنی ان کو بدل بنایا جا سکتا ہے پس اس کا مقتضاء یہ ہے کہ شراب عوض ادا کرنے پر آزاد ہو جائے۔ رہا مردار تو وہ بالکل مال نہیں ہے پس اس میں عقد کے معنی کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے یعنی اس کو بدل نہیں بنایا جا سکتا ہے تو اس میں شرط کے معنی کا اعتبار کیا گیا کہ عتق مردار اور خون کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس نے شرط کی تصریح کی ہو مثلاً کہا ہو کہ "اگر تو مجھے مردار یا خون ادا کر دے تو تو آزاد ہے" پس اگر اس نے مردار یا خون ادا کر دیا تو آزاد ہو گیا۔

فتوی:۔امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: ( فَإِنْ أَدَّى ) الْمُكَاتَبُ ( الْخَمْرَ عَتَقَ ) بِالْأَدَاءِ ( وَكَذَا الْخِنْزِيرُ ) لِمَالِيَّتِهِمَا فِي الْجُمْلَةِ -وقال العلامة ابن عابدين: ( قَوْلُهُ بِالْأَدَاءِ ) أَيْ أَدَاءِ عَيْنِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ ، سَوَاءٌ

قال ان ادیت فانت حر او لا لانهما مال في الجملة بخلاف الميتة والدم فلم ينعقد العقد اصلا ، فاعتبر فيهما معنى الشرط لا غير وذلك بالتعليق صريحا ، وتمامه في المنح (الدر المختار مع رد المحتار: 318/5)

{6} اور جب وہ عین شراب ادا کر کے آزاد ہو گیا تو اس پر لازم ہے کہ اپنی قیمت کے لیے کمائی کرے یعنی اپنی قیمت کما کر کے مولی کو ادا کرے؛ کیونکہ عقد فاسد ہونے کی وجہ سے اس پر اپنا رقبہ واپس کر دینا واجب ہوا حالانکہ رقبہ کا واپس کر دینا آزاد ہونے کی وجہ سے متعذر ہے، لہٰذا اپنی قیمت واپس کرنا واجب ہے جیسے بیع فاسد میں اگر مبیع مشتری نے تلف کر دی تو چونکہ مبیع واپس کرنا متعذر ہے اس لیے اس کی قیمت واپس کرنا واجب ہو گا۔

{7} اور قیمت کی ادائیگی میں اس مقدار سے کمی نہیں کی جائے گی جو بیان ہوئی تھی، البتہ اس پر زیادتی کی جا سکتی ہے؛ کیونکہ یہ عقد فاسد ہے پس مبدل تلف ہونے کے وقت اس کی قیمت واجب ہو گی چاہے جس قدر کو وہ پہنچے جیسے بیع فاسد میں مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہونے کی صورت میں قیمت واجب ہوتی ہے۔ اور مذکورہ بالا حکم اس لیے ہے کہ مولی مقرر کردہ مقدار سے کم پر راضی نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ غلام زیادتی پر راضی ہو گا؛ اس لیے تاکہ عتق میں اس کا حق باطل نہ ہو لہٰذا قیمت جتنی بھی ہو سب واجب ہو گی۔ رہی وہ صورت کہ غلام کو اس کی قیمت پر مکاتب کیا ہو تو وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ قیمت ہی اس کا عوض ہے اور اس میں عقد کے معنی کا اعتبار کرنا ممکن ہے۔

{8} اگر کہا جائے کہ قیمت تو مجہول ہے پھر کیونکر آزاد ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ مجہول ہونے کا اثر یہ ہے کہ عقد فاسد ہو یعنی عقد باطل نہیں ہوتا فاسد ہی ہوتا ہے اور فاسد میں قیمت ہی واجب ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک کپڑے پر آزاد کیا تو ایک کپڑا ادا کرنے سے آزاد نہ ہو گا؛ کیونکہ خالی کپڑا کہنے سے عاقد (مولی) کی مراد معلوم نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ کپڑے کے اجناس مختلف ہیں لہٰذا جب تک مولی کی مراد معلوم نہ ہو تب تک آزادی ثابت نہ ہو گی۔

{1} قال : وكذلك إن كاتبه على شيء بعينه لغيره لم يجز ؛ لأنه لا يقدر على تسليمه . ومراده

فرمایا: اور اسی طرح اگر مکاتب کیا غلام کو معین شی پر جو دوسرے کی ہو، تو جائز نہیں؛ کیونکہ وہ قادر نہیں اس کے سپرد کرنے پر، اور امام محمد کی مراد

شيء يتعين بالتعيين ، حتى لو قال كاتبتك على هذه الألف الدراهم وهي لغيره

ایسی شی ہے جو متعین ہوتی ہو متعین کرنے سے، حتی کہ اگر کہا: میں نے تجھے مکاتب کیا ان ہزار درہم پر، حالانکہ وہ غیر کے ہیں،

جاز لأنها لا تتعين في المعاوضات فيتعلق بدراهم دين في الذمة فيجوز.

تو جائز ہے؛ کیونکہ دراہم متعین نہیں ہوتے ہیں معاوضات میں، پس متعلق ہو گا عقد ایسے دراہم کے ساتھ جو دین ہوں ذمہ میں، پس جائز ہے۔

{2} وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ أَنَّهُ يَجُوزُ ، حَتَّى إِذَا مَلَكَهُ وَسَلَّمَهُ يَعْتِقُ ،
اور امام صاحبؒ سے مروی ہے جس کو حسنؒ نے روایت کیا ہے کہ جائز ہے حتی کہ اگر وہ مالک ہوا اس کا اور دیدیا مولیٰ کو تو آزاد ہو جائے گا،

وَإِنْ عَجَزَ يُرَدُّ فِي الرِّقِّ لِأَنَّ الْمُسَمَّى مَالٌ وَالْقُدْرَةُ عَلَى التَّسْلِيمِ مَوْهُومٌ فَأَشْبَهَ الصَّدَاقَ.
اور اگر وہ عاجز ہوا تو واپس کر دیا جائے گا رقیت میں؛ کیونکہ مسمّٰی مال ہے اور قدرت سپرد کرنے پر موہوم ہے، پس یہ مشابہ ہو گیا مہر کے۔

{3} قُلْنَا: إِنَّ الْعَيْنَ فِي الْمُعَاوَضَاتِ مَعْقُودٌ عَلَيْهِ وَالْقُدْرَةُ عَلَى الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ شَرْطٌ لِلصِّحَّةِ إِذَا كَانَ الْعَقْدُ يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ
ہم کہتے ہیں کہ مالِ عین ہی معاوضات میں معقود علیہ ہے، اور قدرت معقود علیہ پر شرط ہے صحتِ عقد کے لیے جبکہ عقد احتمال رکھتا ہو فسخ

كَمَا فِي الْبَيْعِ، بِخِلَافِ الصَّدَاقِ فِي النِّكَاحِ لِأَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى مَا هُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّكَاحِ لَيْسَ بِشَرْطٍ، فَعَلَى مَا هُوَ تَابِعٌ فِيهِ
جیسا کہ بیع میں، برخلاف مہر کے نکاح میں؛ کیونکہ قدرت اس چیز پر جو مقصود ہے نکاح سے شرط نہیں ہے، تو اس پر جو تابع ہے نکاح میں

أَوْلَى . فَلَوْ أَجَازَ صَاحِبُ الْعَيْنِ ذَلِكَ فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَجُوزُ الْبَيْعُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ
بطریقۂ اولیٰ شرط نہ ہوگی۔ پھر اگر جائز رکھا صاحبِ عین نے اس کو، تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے؛ کیونکہ جائز ہے بیع اجازت کے وقت،

فَالْكِتَابَةُ أَوْلَى . {4} وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ اعْتِبَارًا بِحَالِ عَدَمِ الْإِجَازَةِ عَلَى مَا قَالَ فِي الْكِتَابِ،
تو کتابت بطریقۂ اولیٰ جائز ہو گی۔ اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ جائز نہیں؛ قیاس کرتے ہوئے عدم اجازت کی حالت پر، جیسا کہ کہا ہے کتاب میں،

وَالْجَامِعُ أَنَّهُ لَا يُفِيدُ مِلْكَ الْمَكَاسِبِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ لِأَنَّهَا تَثْبُتُ
اور جامع دونوں میں یہ ہے کہ عقدِ کتابت فائدہ نہیں دیتی ہے کمائیوں کی مِلک کا، حالانکہ یہی مقصود ہے؛ کیونکہ کتابت ثابت ہوئی ہے

لِلْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَاءِ مِنْهَا وَلَا حَاجَةَ فِيمَا إِذَا كَانَ الْبَدَلُ عَيْنًا مُعَيَّنًا ، وَالْمَسْأَلَةُ فِيهِ
کمائیوں سے ادائیگی کی ضرورت کی وجہ سے، اور ضرورت نہیں ہے اس صورت میں کہ جب بدل معین مال ہو، اور مسئلہ اسی صورت میں ہے

عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ . {5} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجُوزُ أَجَازَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يُجِزْ ، غَيْرَ أَنَّهُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ
جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جائز ہے خواہ مالک اجازت دے اس کی یا نہ دے، البتہ اجازت کی صورت میں

يَجِبُ تَسْلِيمُ عَيْنِهِ ، وَعِنْدَ عَدَمِهَا يَجِبُ تَسْلِيمُ قِيمَتِهِ كَمَا فِي النِّكَاحِ
واجب ہوتا ہے سپرد کرنا عین اسی شی کو، اور عدم اجازت کی صورت میں واجب ہوتا ہے سپرد کرنا اس کی قیمت کا جیسا کہ نکاح میں ہے؛

وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا صِحَّةُ التَّسْمِيَةِ لِكَوْنِهِ مَالًا ، {6} وَلَوْ مَلَكَ الْمُكَاتَبُ ذَلِكَ الْعَيْنَ ، فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ
اور جامع ان دونوں میں صحتِ تسمیہ ہے؛ اس کے مال ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر مالک ہوا مکاتب اس عین کا تو امام صاحبؒ سے مروی ہے

رَوَاهُ أَبُو يُوسُفَ أَنَّهُ إِذَا أَدَّاهُ لَا يَعْتِقُ ، وَعَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ لَمْ يَنْعَقِدِ الْعَقْدُ إِلَّا إِذَا قَالَ

جس کو امام ابو یوسفؒ نے روایت کیا ہے کہ جب مکاتب اس کو ادا کردے تو آزاد نہ ہوگا، اور اس روایت کے مطابق منعقد نہ ہوگا مگر جب مولی کہے

لَهُ إِذَا أَدَّيْتَ إِلَيَّ فَأَنْتَ حُرٌّ فَحِينَئِذٍ يَعْتِقُ بِحُكْمِ الشَّرْطِ ، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

اس سے: جب تو ادا کرے مجھے تو تو آزاد ہے، تو اس وقت وہ آزاد ہو جائے گا بحکم شرط، اور اسی طرح مروی ہے امام ابو یوسفؒ سے،

وَعَنْهُ أَنَّهُ يَعْتِقُ قَالَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَقُلْ ، لِأَنَّ الْعَقْدَ يَنْعَقِدُ مَعَ الْفَسَادِ لِكَوْنِ الْمُسَمَّى مَالًا

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ آزاد ہو جائے گا خواہ مولی نے یہ کہا ہو یا نہ کہا ہو؛ کیونکہ عقد منعقد ہوگا؛ مسمّٰی کے مال ہونے کی وجہ سے،

فَيَعْتِقُ بِأَدَاءِ الْمَشْرُوطِ . {7} وَلَوْ كَاتَبَهُ عَلَى عَيْنٍ فِي يَدِ الْمُكَاتَبِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ ، وَهِيَ

پس آزاد ہو جائے گا مشروط کی ادائیگی سے، اور اگر مکاتب کیا ایسے معین مال پر جو مکاتب کے ہاتھ میں ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں، اور یہی

مَسْأَلَةُ الْكِتَابَةِ عَلَى الْأَعْيَانِ ، وَقَدْ عُرِفَ ذَلِكَ فِي الْأَصْلِ ، وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي.

مسئلہ ہے کتابت علی الاعیان کا، اور یہ معلوم ہوا ہے مبسوط میں، اور ہم نے ذکر کی ہے دونوں روایتوں کی وجہ "كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي" میں۔

تشریح:۔{1} اسی طرح اگر غلام کو کسی ایسی معین شی پر مکاتب کیا جو شی دوسرے کی ملک ہے تو یہ کتابت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ غلام اس کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے کہ غیر کی ملک مقدور التسلیم نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں شی سے مراد ایسی چیز ہے جو معین کرنے سے متعین ہو جاتی ہو یعنی جیسے یہ کپڑا یا یہ گھوڑا یا یہ مکان وغیرہ، حتی کہ اگر متعین کرنے سے متعین نہ ہوتی ہو مثلاً کہا کہ "میں نے تجھے ان ہزار درہم پر مکاتب کیا" حالانکہ یہ ہزار درہم کسی غیر کی ملکیت ہیں تو عقد کتابت جائز ہوگا؛ کیونکہ درہم ایسی چیز ہیں جو معاوضات میں متعین نہیں ہوتے ہیں تو عقد ایسے درہموں سے متعلق ہوگا جو غلام کے ذمہ قرضہ ہوں گے اس لیے یہ عقد جائز ہو جائے گا۔

{2} اور حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ یہ عقد جائز ہے حتی کہ اگر غلام نے اس چیز کی ملکیت حاصل کر کے مولی کو دے دی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر وہ اس سے عاجز ہوا تو رقیت میں واپس کر دیا جائے گا؛ کیونکہ جو چیز بیان ہوئی وہ مال ہے اور سپرد کرنے کی قدرت بھی موہوم ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ اس کو ملکیت حاصل ہو جائے پس بدل کتابت مہر کے مشابہ ہو گیا یعنی اگر غیر کے مملوک غلام پر نکاح کیا تو جائز ہے پس اگر غلام سپرد کرنے سے عاجز ہوا تو اس کی قیمت واجب ہوگی اسی طرح یہاں بھی ہے۔

فتوی:۔ گر راجح فساد ہے لما في الهندية: وَإِنْ كَاتَبَهُ عَلَى عَيْنٍ لِغَيْرِهِ مِنْ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ أَوْ عَرَضٍ ، فِيهِ رِوَايَتَانِ ، وَالْأَظْهَرُ الْفَسَادُ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ . (الهندية: 4/5)

{3} ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ معاوضہ میں مالِ عین ہی معقود علیہ ہوتا ہے اور معقود علیہ پر قدرت ہونا عقد صحیح ہونے کی شرط ہے بشرطیکہ عقد قابل فسخ ہو جیسے بیع میں ہوتی ہے کہ اس میں معقود علیہ سپرد کرنے پر قدرت شرط ہے۔باقی نکاح میں مہر کا حکم اس کے بر خلاف ہے کہ وہاں مہر پر قدرت شرط نہیں ہے؛ کیونکہ نکاح میں جو مقصود ہے یعنی توالد و تناسل اس پر قدرت شرط نہیں ہے تو مہر پر جو نکاح میں تابع ہوتا ہے بدرجۂ اولیٰ قدرت شرط نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اگر غیر کے مال معین پر عقد کتابت کیا تو جائز نہیں ہے۔

پھر اگر اس غیر نے جو اس مال معین کا مالک ہے اجازت دیدی تو کیا یہ عقد جائز ہو جائے گا یا نہیں؟ تو امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ غیر کے مال کے عوض کوئی چیز خریدنے کی صورت میں اجازت کے وقت بیع جائز ہو جاتی ہے تو کتابت بدرجۂ اولیٰ جائز ہو جائے گی، یہی راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: و ظاهر كلام صاحب البحر الرائق ترجيح قول محمد حيث فيه قال و لو اجاز صاحب العين ذالك روى عن محمد أنه يجوز و هو ظاهر الرواية كذا في العناية (هامش الهداية: 319/3)

{4} اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ جائز نہ ہو گا عدم اجازت کی صورت پر قیاس کیا جائے گا یعنی جیسے عدم اجازت کے وقت جائز نہیں ہوتا ہے اسی طرح اجازت کے بعد بھی جائز نہ ہو گا جیسا کہ متن (جامع صغیر) میں کہا ہے، اور دونوں (اجازت اور عدم اجازت) میں علتِ مشترکہ یہ ہے کہ ایسی اجازت حاصل ہونے سے یہاں کمائیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے حالانکہ عقدِ کتابت سے فی الحال یہی مقصود ہے کہ کمائیاں حاصل کرے؛ کیونکہ کمائیوں کی ملکیت اس لیے ثابت ہوتی ہے کہ ان سے بدلِ کتابت ادا کرنے کی ضرورت ہے اور جب عوض کوئی مالِ معین ہو تو کمائیوں کی ملکیت کی کوئی حاجت نہیں ہے اور مسئلہ ایسی ہی صورت میں مفروض ہے کہ عوض مال معین ہو چنانچہ ہم نے اوپر بیان کر دیا کہ امام محمدؒ کی مراد ایسی شئی ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو۔

{5} اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یہ عقد جائز ہے خواہ اس چیز کا مالک اجازت دے یا نہ دے، البتہ اتنی بات ہے کہ اگر مالک نے اجازت دیدی تو بعینہ اسی چیز کا سپرد کرنا لازم ہو گا، اور اگر مالک نے اجازت نہ دی تو اس کی قیمت سپرد کرنا واجب ہو گا جیسے نکاح میں ہوتا ہے مثلاً کسی شخص کے متعین غلام پر نکاح کیا تو اگر مالک نے اجازت دی تو عین غلام سپرد کرنا واجب ہو گا ورنہ اس کی قیمت سپرد کرنا واجب ہو گا، کتابت اور نکاح میں علتِ مشترکہ یہ ہے کہ جو چیز بطورِ عوض بیان کی گئی اس کو عوض مقرر کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ یہ بھی مال ہے جیسے نکاح میں جب مہر مسمّٰی غیر کا مال ہو تو صحیح ہوتا ہے۔

{6} اور اگر مکاتب اس معین مال کا مالک ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اگر مکاتب نے اس معین مال کو ادا کیا تو آزاد نہ ہو گا؛ کیونکہ عقد منعقد نہیں ہوا ہے۔ اور اس روایت کے موافق مذکورہ عقد منعقد نہیں ہو گا مگر جب ہی کہ مولیٰ نے اس سے یوں کہا ہو کہ " جب تو نے مجھے یہ مال ادا کیا تو تُو آزاد ہے " تو اس صورت میں ادائیگی کے وقت شرط کے موافق آزاد ہو جائے گا اور ایسا ہی قول خود امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آزاد ہو جائے گا خواہ مولیٰ نے ایسا کہا ہو یا نہ کہا ہو؛ کیونکہ مذکورہ عقد فساد کے ساتھ منعقد ہو گا؛ کیونکہ مسمّٰی مال ہے تو مالِ مشروط ادا کرنے پر آزاد ہو جائے گا۔

{7} اور اگر مولیٰ نے غلام کو ایسے معین مال پر مکاتب کیا جو اس مکاتب کے قبضہ میں ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں یعنی مبسوط کی "کتاب الشرب" میں روایت ہے کہ جائز ہے اور "کتاب المکاتب" میں روایت ہے کہ جائز نہیں ہے۔ واضح رہے کہ مال معین پر مکاتب کرنا یہی کتابت علی الاعیان کا مسئلہ ہے اور یہ "مبسوط" میں معروف ہے اور "کفایۃ المنتہی" میں ہم نے دونوں روایتوں کی وجہ بیان کر دی اور یہاں طوالت سے بچنے کے لیے ہم نے دونوں روایتوں کی وجہ بیان نہیں کی۔

{1} قَالَ: وَإِذَا كَاتَبَهُ عَلَى مِائَةِ دِينَارٍ عَلَى أَنْ يَرُدَّ الْمَوْلَى عَلَيْهِ عَبْدًا بِغَيْرِ عَيْنِهِ فَالْكِتَابَةُ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

فرمایا: اور اگر مکاتب کیا غلام کو سو دینار پر اس شرط پر کہ دیدے گا مولیٰ اس پر ایک غیر معین غلام، تو کتابت فاسد ہے امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: هِيَ جَائِزَةٌ، وَيُقَسَّمُ الْمِائَةُ الدِّينَارِ عَلَى قِيمَةِ الْمُكَاتَبِ وَعَلَى قِيمَةِ عَبْدٍ وَسَطٍ فَيَبْطُلُ

اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: کتابت جائز ہے، اور تقسیم کیا جائے گا سو دینار کو مکاتب کی قیمت اور درمیانی درجے کے غلام کی قیمت پر پس باطل ہو گا

مِنْهَا حِصَّةُ الْعَبْدِ فَيَكُونُ مُكَاتَبًا بِمَا بَقِيَ لِأَنَّ الْعَبْدَ الْمُطْلَقَ يَصْلُحُ بَدَلَ الْكِتَابَةِ وَيَنْصَرِفُ إِلَى الْوَسَطِ،

ان میں سے غلام کا حصہ، اور وہ مکاتب ہو گا باقی کے عوض؛ کیونکہ مطلق غلام قابل ہے بدلِ کتابت ہونے کے، اور پھرے گا درمیانی درجہ کے غلام کی طرف

فَكَذَا يَصْلُحُ مُسْتَثْنًى مِنْهُ وَهُوَ الْأَصْلُ فِي أَبْدَالِ الْعُقُودِ. {2} وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا يُسْتَثْنَى

پس ایسا ہی لائق ہے مستثنیٰ ہونے کا بدل کتابت سے، اور یہی اصل ہے عقود کے معاوضات میں۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا ہے

الْعَبْدُ مِنَ الدَّنَانِيرِ، وَإِنَّمَا تُسْتَثْنَى قِيمَتُهُ وَالْقِيمَةُ لَا تَصْلُحُ بَدَلًا فَكَذَلِكَ مُسْتَثْنًى.

غلام دنانیر سے، بلکہ مستثنیٰ ہو گی اس کی قیمت، اور قیمت لائق نہیں عوض ہونے کے، تو اسی طرح مستثنیٰ ہونے کا لائق بھی نہیں۔

{3} قَالَ: وَإِذَا كَاتَبَهُ عَلَى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ مَعْنَاهُ أَنْ يُبَيِّنَ الْجِنْسَ وَلَا يُبَيِّنَ النَّوْعَ

فرمایا: اور اگر مکاتب کیا حیوان غیر موصوف پر، تو کتابت جائز ہے استحساناً، اور اس کا معنی یہ ہے کہ بیان کرے جنس اور بیان نہ کرے نوع

وَالصِّفَةَ ، وَيَنْصَرِفُ إلى الوَسَطِ وَيُجْبَرُ عَلَى قَبُولِ القِيمَةِ وَقَدْ مَرَّ فِي النِّكَاحِ ، أَمَّا إذَا لَمْ يُبَيِّنْ

اور صفت، اور پھرے گا درمیانی درجے کی طرف، اور مجبور کیا جائے گا قیمت کے قبول کرنے پر، اور یہ گذر چکا نکاح میں، رہا یہ کہ جب بیان نہ کرے

الْجِنْسَ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ دَابَّةً لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَشْمَلُ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً فَتَتَفَاحَشُ الْجَهَالَةُ ، {4} وَإِذَا بَيَّنَ الْجِنْسَ

جنس کو مثلاً کہہ دے: جانور پر، تو جائز نہیں؛ کیونکہ یہ شامل ہے مختلف اجناس کو، پس جہالت بہت زیادہ ہوگی، اور اگر بیان کر دی جنس

كَالْعَبْدِ وَالْوَصِيفِ فَالْجَهَالَةُ يَسِيرَةٌ وَمِثْلُهَا يُتَحَمَّلُ فِي الْكِتَابَةِ فَتُعْتَبَرُ جَهَالَةُ الْبَدَلِ بِجَهَالَةِ الْأَجَلِ فِيهِ

جیسے غلام یا خادم، تو جہالت کم ہے، اور اس جیسی جہالت برداشت کی جاتی ہے کتابت میں، پس قیاس کی جائے گی جہالت بدل جہالت میعاد پر اس میں۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجُوزُ ، وَهُوَ القِيَاسُ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ فَأَشْبَهَ الْبَيْعَ . {5} وَلَنَا أَنَّهُ مُعَاوَضَةُ

اور فرمایا امام شافعیؒ نے: جائز نہیں، اور یہی قیاس ہے؛ کیونکہ یہ معاوضہ ہے پس یہ مشابہ ہو گیا بیع کے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ معاوضہ

مَالٍ بِغَيْرِ مَالٍ أَوْ بِمَالٍ لَكِنْ عَلَى وَجْهٍ يَسْقُطُ الْمِلْكُ فِيهِ فَأَشْبَهَ النِّكَاحَ ، وَالْجَامِعُ أَنَّهُ

مال بغیر المال ہے یا معاوضہ مال بالمال ہے، لیکن اس طرح کہ ساقط ہوتی ہے ملک اس میں، تو مشابہ ہو گیا نکاح کے، اور جامع یہ ہے کہ

يُبْتَنَى عَلَى الْمُسَامَحَةِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى الْمُمَاكَسَةِ . {6} قَالَ : وَإِذَا كَاتَبَ النَّصْرَانِيُّ عَبْدَهُ

نکاح و کتابت مبنی ہوتی ہے مسامحت پر، برخلاف بیع کے؛ کیونکہ اس کی بنیاد سختی اور تنگی پر ہے۔ فرمایا: اور اگر مکاتب کیا نصرانی نے اپنے غلام کو

عَلَى خَمْرٍ فَهُوَ جَائِزٌ مَعْنَاهُ إذَا كَانَ مِقْدَارًا مَعْلُومًا وَالْعَبْدُ كَافِرًا لِأَنَّهَا مَالٌ فِي حَقِّهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْخَلِّ فِي حَقِّنَا

شراب پر، تو یہ جائز ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب مقدار معلوم ہو اور غلام کافر ہو؛ کیونکہ شراب مال ہے ان کے حق میں جیسے سرکہ ہمارے حق میں۔

وَأَيُّهُمَا أَسْلَمَ فَلِلْمَوْلَى قِيمَةُ الْخَمْرِ ؛ لِأَنَّ الْمُسْلِمَ مَمْنُوعٌ عَنْ تَمْلِيكِ الْخَمْرِ وَتَمَلُّكِهَا

اور دونوں میں سے جو بھی اسلام لائے تو مولی کے لیے شراب کی قیمت ہوگی؛ کیونکہ مسلمان ممنوع ہے شراب کا مالک بنانے اور مالک بننے سے،

وَفِي التَّسْلِيمِ ذَلِكَ إذِ الْخَمْرُ غَيْرُ مُعَيَّنٍ فَيَعْجَزُ عَنْ تَسْلِيمِ الْبَدَلِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ قِيمَتُهَا،

اور سپرد کرنے میں یہ بات موجود ہے؛ کیونکہ شراب متعین نہیں ہے، پس وہ عاجز ہوگا بدل سپرد کرنے سے، پس واجب ہوگی اس پر اس کی قیمت

{7} وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا تَبَايَعَ الذِّمِّيَّانِ خَمْرًا ثُمَّ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا حَيْثُ يَفْسُدُ الْبَيْعُ عَلَى مَا قَالَهُ الْبَعْضُ؛

اور یہ برخلاف اس کے ہے جب معاملہ کریں دو ذمی شراب کا، پھر اسلام لائے دونوں میں سے ایک کہ فاسد ہوگی یہ بیع جیسا کہ کہا ہے بعض نے؛

لِأَنَّ الْقِيمَةَ تَصْلُحُ بَدَلًا فِي الْكِتَابَةِ فِي الْجُمْلَةِ ، فَإِنَّهُ لَوْ كَاتَبَ عَلَى وَصِيفٍ وَأَتَى بِالْقِيمَةِ يُجْبَرُ

کیونکہ قیمت بدل بن سکتی ہے کتابت میں فی الجملہ؛ کیونکہ اگر مکاتب کیا خادم پر، اور اس نے قیمت پیش کر دی تو مولی مجبور کیا جائے گا

عَلَى الْقَبُولِ فَجَازَ أَنْ يَبْقَى الْعَقْدُ عَلَى الْقِيمَةِ ، فَأَمَّا الْبَيْعُ فَلَا يَنْعَقِدُ صَحِيحًا عَلَى الْقِيمَةِ فَافْتَرَقَا.

قبول کرنے پر، پس جائز ہے کہ باقی رہے عقد قیمت پر، رہی بیع تو وہ صحیح منعقد نہیں ہوتی ہے قیمت پر، پس دونوں میں فرق ہو گیا۔

{8} قَالَ: وَإِذَا قَبَضَهَا عَتَقَ؛ لِأَنَّ فِي الْكِتَابَةِ مَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ. فَإِذَا وَصَلَ أَحَدُ الْعِوَضَيْنِ

فرمایا: اور اگر اس نے شراب پر قبضہ کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ کتابت میں معاوضہ کا معنی موجود ہے، پس جب پہنچ گیا دونوں عوضوں میں سے ایک

إِلَى الْمَوْلَى سُلِّمَ الْعِوَضُ الْآخَرُ لِلْعَبْدِ وَذَلِكَ بِالْعِتْقِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْعَبْدُ مُسْلِمًا حَيْثُ لَمْ تَجُزِ الْكِتَابَةُ

مولیٰ کو تو سپرد کیا جائے گا دوسرا عوض غلام کو اور یہ عتق سے ہو گا، برخلاف اس کے جب غلام مسلمان ہو کہ جائز نہیں ہے کتابت؛

لِأَنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْتِزَامِ الْخَمْرِ، وَلَوْ أَدَّاهَا عَتَقَ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

کیونکہ مسلمان التزام شراب کا اہل نہیں، اور اگر اس نے ادا کر لی شراب تو آزاد ہو جائے گا، اور ہم بیان کر چکے اس کو سابق میں واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح:۔{1} اگر مولیٰ نے غلام کو سو دینار کے عوض اس شرط سے مکاتب کیا کہ مولیٰ اس کو ایک غیر معین غلام واپس دے گا تو طرفینؒ کے نزدیک یہ کتابت فاسد ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ کتابت جائز ہے، اور سو دینار کو مکاتب کی قیمت پر اور ایک اوسط درجہ کے غلام کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا پس جو کچھ اوسط غلام کے حصہ میں پڑے وہ ان سو دیناروں میں سے مستثنیٰ کر کے باقی کے عوض وہ مکاتب ہو گا؛ کیونکہ مطلق غلام اس لائق ہوتا ہے کہ کتابت کا عوض ہو اور اسے درمیانی درجہ کے غلام کی طرف پھیرا جائے گا پس جس طرح درمیانی درجہ کا غلام بدل کتابت بن سکتا ہے اسی طرح یہ غلام بدل کتابت سے مستثنیٰ بھی ہو سکتا ہے اور عقود کے معاوضات میں یہی اصل ہے کہ جو عوض بن سکتا ہے وہ مستثنیٰ بھی ہو سکتا ہے تو بدل کتابت میں سے مذکورہ غلام کو مستثنیٰ کیا جائے گا باقی کے عوض وہ مکاتب ہو گا۔

{2} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دیناروں میں سے غلام کا استثناء نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ غلام دیناروں کی جنس سے نہیں ہے، بلکہ اس کی قیمت مستثنیٰ کی جائے گی، مگر چونکہ یہ قیمت مجہول ہے اس لیے یہ اس لائق نہیں کہ عقد میں عوض ہو سکے تو وہ مستثنیٰ بھی نہیں ہو سکتی ہے اس لیے ہم نے کہا کہ یہ کتابت فاسد ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: الراجح عند اکثر المشائخ قولہما و ہو ظاہر الروایۃ وبہ اخذ أصحاب المتون و الشروح و الیہ یظہر میل صاحب الہدایۃ و غیرہ کما لایخفی واللہ اعلم بالصواب (ہامش الہدایۃ: 319/3)

ف:۔ واضح رہے کہ جس معاملہ میں دونوں طرف سے معاوضہ مال ہو وہ معاملہ عقد کہلاتا ہے جیسے بیع اور کتابت وغیرہ، اور جس معاملہ میں ایک جانب سے اپنا حق ساقط کرنا اور دوسری جانب سے مال ہو یا نہ ہو تو ایسے معاملات فسوخ کہلاتے ہیں جیسے طلاق وخلع وغیرہ، پس کتابت عقد معاوضہ ہے گویا غلام سے مال لیا اور اس کا رقبہ اس کو دیا اگرچہ وہ اپنے رقبہ کا مالک نہ ہو سکے۔

{3} اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو ایک ایسے حیوان کے عوض مکاتب کیا جس حیوان کا وصف بیان نہیں کیا ہے تو استحساناً کتابت جائز ہے اور اس مسئلہ کا معنی یہ ہے کہ حیوان کی جنس بیان کر دی اور اس کی نوع اور صفت نہیں بیان کی مثلاً کہا کہ تجھے میں نے ایک غلام یا گھوڑے پر مکاتب کیا اور غلام کی قسم (ترکی یا ہندی ہونا) اور اس کی صفت (اعلیٰ یا ادنیٰ یا اوسط ہونا) نہیں بیان کی تو فقط جنس معلوم ہو جانے سے بھی عقدِ کتابت جائز ہو جائے گا۔

اور درمیانی درجہ کے حیوان کی طرف پھرے گا اور اگر اس کی قیمت دی تو بھی مولیٰ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور یہ تفصیل نکاح کے "باب المہر" میں بھی بیان ہو چکی ہے کہ اگر ایسے حیوان پر نکاح کیا جس کی جنس بیان کی گئی ہو مگر اس کی نوع اور صفت بیان نہ کی ہو تو یہ جائز ہے۔ اور اگر اس نے جنس بیان نہ کی مثلاً کہا کہ "میں نے تجھے ایک جانور پر مکاتب کیا" تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جانور بہت سے مختلف اجناس کو شامل ہے تو جہالت بہت شدید ہے پس اس سے جھگڑا پیدا ہو گا اس لیے جائز نہیں ہے۔

{4} اور اگر اس نے جنس بیان کر دی مثلاً کہا کہ مطلق غلام یا خدمت کے غلام کے عوض مکاتب کیا تو اب چونکہ جہالت خفیف ہے اور خفیف قسم کی جہالت کتابت میں برداشت کی جاتی ہے پس عوض میں خفیف جہالت کو عقدِ کتابت میں میعاد مجہول ہونے پر قیاس کیا جائے گا یعنی جیسا کہ عقدِ کتابت میں بدلِ کتابت ادا کرنے کی میعاد میں خفیف جہالت برداشت کی جاتی ہے اسی طرح عوض کا بھی خفیف جہالت برداشت کی جائے گی۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہالت خفیفہ بھی جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے؛ کیونکہ کتابت عقدِ معاوضہ ہے تو بیع کے مشابہ ہو گیا اور بیع میں مطلق جہالت برداشت نہیں کی جاتی ہے اسی طرح عقدِ کتابت میں بھی برداشت نہیں کی جائے گی۔ نمبر3 میں غیر موصوف حیوان کے عوض مکاتب کرنے کا حکم، مسئلہ کی وضاحت، عقد کا درمیانی حیوان کی طرف پھرنا اور مولیٰ کو قبول پر مجبور کرنے کا حکم اور حوالہ، اور بلا بیانِ جنس کی صورت میں حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

{5} ہماری دلیل یہ ہے کہ کتابت ابتداء میں مالی معاوضہ بغیر مال ہے؛ کیونکہ بدلِ کتابت بندش ختم کرنے کا مقابل ہے اور بندش ختم کرنا مال نہیں ہے، اور انتہاء میں مال بعوض مال ہے؛ کیونکہ بدلِ کتابت انتہاءً رقبہ کا عوض ہے البتہ ایسے طور پر مالی معاوضہ واقع ہے کہ اس میں ملکیت ساقط ہوتی ہے؛ کیونکہ غلام اپنی مالیت کا مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ فقط مولیٰ کی ملک ساقط ہو جاتی ہے، برخلاف

بیع کے کہ وہ مبادلۃ المال بالمال ہے اور بیع کی بنیاد سختی اور تنگی پر ہے جبکہ کتابت کی بنیاد چشم پوشی پر ہے اس لیے کتابت کو بیع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{6} اگر نصرانی نے اپنے غلام کو شراب پر مکاتب کیا تو یہ جائز ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ شراب کی مقدار معلوم ہو اور یہ غلام کافر ہو تو یہ عقد جائز ہو گا؛ کیونکہ شراب ان لوگوں کے حق میں ایسا مال ہے جیسا ہمارے حق میں سرکہ ہے تو جیسے ہمارے لیے سرکہ پر عقدِ کتابت جائز ہے اسی طرح ان کے لیے شراب پر عقدِ کتابت جائز ہو گا۔

پھر نصرانی اور مکاتب میں سے جو کوئی مسلمان ہو گیا تو ہر حال میں مولیٰ کو شراب کی قیمت ملے گی؛ کیونکہ مسلمان شراب کے مالک کرنے اور مالک بننے دونوں سے ممنوع ہے اور شراب سپرد کرنے میں یہ بات لازم آتی ہے یعنی اگر مکاتب مسلمان ہوا تو شراب کا مالک کرنا لازم آتا ہے اور اگر نصرانی مسلمان ہوا تو شراب کا مالک ہونا لازم آتا ہے؛ تو چونکہ شراب متعین نہیں ہے تو مکاتب عوض سپرد کرنے سے عاجز ہو گا اس لیے اس پر شراب کی قیمت واجب ہو گی۔

{7} اور مذکورہ حکم ایسی صورت کے برخلاف ہے کہ دو ذمیوں نے شراب کی خرید و فروخت کی پھر ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو یہ بیع فاسد ہو جائے گی جیسا کہ بعض مشائخ نے کہا ہے؛ کیونکہ عقدِ کتابت میں قیمت فی الجملہ عوض ہو سکتی ہے چنانچہ اگر غلام کو ایک وصیف (خدمت کے لیے مقرر غلام) پر مکاتب کیا اور مکاتب نے اس وصیف کی قیمت لا کر کے پیش کر دی تو مولیٰ اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا معلوم ہوا کہ عقدِ کتابت میں قیمت فی الجملہ عوض ہو سکتی ہے، لہٰذا عقدِ کتابت کا قیمت پر باقی رہنا بھی ممکن جائز ہو گا، رہی بیع تو وہ قیمت پر صحیح منعقد نہیں ہو سکتی ہے تو قیمت پر باقی بھی نہیں رہے گی، اس طرح بیع اور کتابت میں فرق ہو گیا۔

{8} اور جب مولیٰ نے شراب پر قبضہ کر لیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ عقدِ کتابت میں معاوضہ کا معنی موجود ہے پس جب دونوں عوضوں میں سے ایک اس کے مولیٰ کو پہنچ گیا تو غلام کو دوسرا عوض ملے گا اور یہ اسی طرح ہو گا کہ وہ آزاد ہو جائے۔ اس کے برخلاف اگر وہ غلام مسلمان ہو تو شراب کے عوض کتابت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مسلمان میں یہ لیاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے ذمہ شراب کا التزام کرے، اور اگر اس مسلمان غلام نے شراب ادا کر دی تو آزاد ہو جائے گا چنانچہ ہم اس کو سابق میں بیان کر چکے کہ اس میں تعلیق کا معنی پایا جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُكَاتَبِ أَنْ يَفْعَلَهُ

یہ باب ان افعال کے بیان میں ہے جن کا کرنا مکاتب کو جائز ہے۔

مصنف کتابتِ صحیحہ اور کتابتِ فاسدہ کے احکام بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو ان احکام کے بیان کو شروع فرمایا جو مکاتب کے لیے جائز ہیں اور جو جائز نہیں ہیں؛ کیونکہ کسی تصرف کا جواز عقدِ صحیح پر بناء ہے۔

{1} قَالَ : وَيَجُوزُ لِلْمُكَاتَبِ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ ؛ لِأَنَّ مُوجَبَ الْكِتَابَةِ أَنْ يَصِيرَ حُرًّا يَدًا ، وَذَلِكَ

فرمایا: اور جائز ہے مکاتب کے لیے خرید و فروخت اور سفر؛ کیونکہ کتابت کا موجب یہ ہے کہ وہ آزاد ہو قبضہ کے اعتبار سے، اور یہ

بِمَالِكِيَّةِ التَّصَرُّفِ مُسْتَبِدًّا بِهِ تَصَرُّفًا يُوصِلُهُ إِلَى مَقْصُودِهِ وَهُوَ نَيْلُ الْحُرِّيَّةِ بِأَدَاءِ الْبَدَلِ،

مستقلاً ہر ایسے تصرف کے مالک ہونے سے ہو گا جو اس کو پہنچائے اس کے مقصود تک، اور مقصود آزادی پانا ہے بدل کی ادائیگی سے،

وَالْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ ، وَكَذَا السَّفَرُ لِأَنَّ التِّجَارَةَ رُبَّمَا لَا تَتَّفِقُ فِي الْحَضَرِ فَتَحْتَاجُ إِلَى الْمُسَافَرَةِ،

اور بیع اور شراء اسی قبیل سے ہیں، اور اسی طرح سفر ہے؛ کیونکہ تجارت بسا اوقات حاصل نہیں ہوتی ہے حضر میں پس ضرورت پڑتی ہے سفر کی،

{2} وَيَمْلِكُ الْبَيْعَ بِالْمُحَابَاةِ لِأَنَّهُ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ ، فَإِنَّ التَّاجِرَ قَدْ يُحَابِي فِي صَفْقَةٍ

اور وہ مالک ہو گا خسارے سے فروخت کرنے کا؛ کیونکہ یہ تجار کی عادت میں سے ہے؛ اس لیے کہ تاجر کبھی خسارہ اٹھاتا ہے ایک معاملہ میں

لِيَرْبَحَ فِي أُخْرَى {3} قَالَ: فَإِنْ شَرَطَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَخْرُجَ مِنَ الْكُوفَةِ فَلَهُ أَنْ يَخْرُجَ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّ هَذَا الشَّرْطَ

تاکہ نفع حاصل کرے دوسرے میں۔ فرمایا: اور اگر شرط کر لی اس پر کہ نہیں نکلے گا کوفہ سے، تو اس کو اختیار ہے کہ نکلے استحساناً؛ کیونکہ یہ شرط

مُخَالِفٌ لِمُقْتَضَى الْعَقْدِ وَهُوَ مَالِكِيَّةُ الْيَدِ مِنْ جِهَةِ الِاسْتِبْدَادِ وَثُبُوتِ الِاخْتِصَاصِ فَبَطَلَ الشَّرْطُ وَصَحَّ الْعَقْدُ لِأَنَّهُ شَرْطٌ

خلاف ہے مقتضاءِ عقد کے اور وہ استقلالاً قبضہ کی مالکیت اور ثبوتِ اختصاص ہے، پس باطل ہو گی شرط، اور صحیح ہو گا عقد؛ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے

لَمْ يَتَمَكَّنْ فِي صُلْبِ الْعَقْدِ ، وَبِمِثْلِهِ لَا تَفْسُدُ الْكِتَابَةُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْكِتَابَةَ تُشْبِهُ الْبَيْعَ

جو صلبِ عقد میں متمکن نہیں ہوتی، اور اس جیسی شرط سے فاسد نہیں ہوتی ہے کتابت، اور یہ اس لیے کہ کتابت مشابہ ہے بیع کے

وَتُشْبِهُ النِّكَاحَ فَأَلْحَقْنَاهُ بِالْبَيْعِ فِي شَرْطٍ تَمَكَّنَ فِي صُلْبِ الْعَقْدِ ، كَمَا إِذَا شَرَطَ خِدْمَةً مَجْهُولَةً

اور مشابہ ہے نکاح کے، پس ہم نے لاحق کیا اس کو بیع کے ساتھ ایسی شرط میں جو متمکن ہو صلبِ عقد میں جیسا کہ جب شرط کرلے مجہول خدمت

لِأَنَّهُ فِي الْبَدَلِ وَبِالنِّكَاحِ فِي شَرْطٍ لَمْ يَتَمَكَّنْ فِي صُلْبِهِ هٰذَاهُوَالْأَصْلُ{4} أَوْنَقُولُ: إِنَّ الْكِتَابَةَ فِي جَانِبِ الْعَبْدِ

کیونکہ یہ بدل میں ہے، اور نکاح کے ساتھ ایسی شرط میں جو متمکن نہ ہو صلبِ عقد میں، یہی اصل ہے، یا ہم کہتے ہیں کہ کتابت جانب غلام میں

إِعْتَاقٌ لِأَنَّهُ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ ، وَهٰذَا الشَّرْطُ يَخُصُّ الْعَبْدَ فَاعْتُبِرَ إِعْتَاقًا فِي حَقِّ هٰذَا الشَّرْطِ،

آزاد کرنا ہے؛ کیونکہ یہ ساقط کرنا ہے ملک کو، اور یہ شرط مخصوص ہے غلام کے ساتھ، پس اس کو اعتاق شمار کیا اس شرط کے حق میں،

وَالْإِعْتَاقُ لَايَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ{5} قَالَ: وَلَايَتَزَوَّجُ إِلَّابِإِذْنِ الْمَوْلٰى لِأَنَّ الْكِتَابَةَفَكُّ الْحَجْرِمَعَ قِيَامِ الْمِلْكِ

اور اعتاق باطل نہیں ہوتا ہے شروطِ فاسدہ سے۔ فرمایا: اور نکاح نہ کرے مگر مولی کی اجازت سے؛ کیونکہ کتابت بندش توڑنا ہے قیام ملک کے ساتھ

ضَرُورَةَ التَّوَسُّلِ إِلَى الْمَقْصُودِ ، وَالتَّزَوُّجُ لَيْسَ وَسِيلَةً إِلَيْهِ ، وَيَجُوزُ بِإِذْنِ الْمَوْلٰى لِأَنَّ الْمِلْكَ لَهُ

مقصود تک رسائی کی ضرورت سے، اور نکاح کرنا وسیلہ نہیں مقصود تک پہنچنے کا، اور جائز ہے مولی کی اجازت سے؛ کیونکہ ملک اسی کی ہے۔

{6} وَلَايَهَبُ وَلَايَتَصَدَّقُ إِلَّابِالشَّيْءِ الْيَسِيرِ؛ لِأَنَّ الْهِبَةَوَالصَّدَقَةَتَبَرُّعٌ وَهُوَغَيْرُ مَالِكٍ لِيُمَلِّكَهُ ، إِلَّا أَنَّ الشَّيْءَ الْيَسِيرَ

اور ہبہ نہ کرے اور صدقہ نہ ہو مگر تھوڑی سی چیز؛ کیونکہ ہبہ اور صدقہ تبرع ہے، اور وہ مالک نہیں کہ دوسرے کو مالک بنائے مگر تھوڑی سی چیز

مِنْ ضَرُورَاتِ التِّجَارَةِ لِأَنَّهُ لَا يَجِدُ بُدًّا مِنْ ضِيَافَةٍ وَإِعَارَةٍ لِيَجْتَمِعَ عَلَيْهِ الْمُجَاهِزُونَ.

تجارت کی ضروریات میں سے ہے؛ کیونکہ اس کو چارہ نہیں مہمانی کرنے اور عاریت دینے سے؛ تاکہ مجتمع ہوں اس پر تجارتی قافلے والے،

وَمَنْ مَلَكَ شَيْئًا يَمْلِكُ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ وَتَوَابِعِهِ{7} وَلَا يَتَكَفَّلُ ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مَحْضٌ،

اور جو شخص مالک ہوتا ہے کسی شی کا وہ مالک ہوتا ہے اس شی کی ضروریات اور توابع کا۔ اور کفالت نہ کرے؛ کیونکہ یہ محض تبرع ہے،

| فَلَيْسَ مِنْ ضَرُوْرَاتِ التِّجَارَةِ وَالِاكْتِسَابِ وَلَا يَمْلِكُهُ بِنَوْعَيْهِ نَفْسًا وَمَالًا |
| --- |
| پس یہ تجارت اور کمائی کی ضروریات میں سے نہیں، پس وہ مالک نہ ہوگا کفالت کی دونوں قسموں یعنی کفالت بالنفس اور کفالت بالمال کا؛ |
| لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ تَبَرُّعٌ ،وَلَا يُقْرِضُ ؛لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ لَيْسَ مِنْ تَوَابِعِ الِاكْتِسَابِ ،فَإِنْ وَهَبَ عَلَى عِوَضٍ لَمْ يَصِحَّ ؛لِأَنَّهُ |
| کیونکہ یہ ہر ایک تبرع ہے۔ اور قرض نہ دے؛ کیونکہ یہ ایسا تبرع ہے جو کمائی کے توابع میں سے نہیں، اور اگر ہبہ کیا بعوض، تو صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ |
| تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً ، وَإِنْ زَوَّجَ أَمَتَهُ جَازَ ؛ لِأَنَّهُ اكْتِسَابٌ لِلْمَالِ فَإِنَّهُ يَتَمَلَّكُ بِهِ الْمَهْرَ فَدَخَلَ تَحْتَ الْعَقْدِ. |
| تبرع ہے ابتداء۔ اور اگر نکاح کر دیا اپنی باندی کا تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ مال کمانا ہے اس لیے کہ وہ مالک ہو جاتا ہے اس سے مہر کا، پس یہ داخل ہوا عقد کے تحت |

تشریح:۔{1} مکاتب کے لیے جائز ہے کہ خرید و فروخت کرے اور سفر کرے ؛کیونکہ مقتضاءِ کتابت یہ ہے کہ وہ تصرفات کے اعتبار سے آزاد ہو اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مستقل طور پر ہر ایسے تصرف کا مالک ہو جو اس کو اپنے مقصود (حریت) تک پہنچائے اور اس کا مقصود یہ ہے کہ عوض ادا کر کے آزاد ہو جائے اور خرید و فروخت کا تصرف اسی طرح کا تصرف ہے جس سے اس کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح سفر بھی ہے ؛کیونکہ بسا اوقات اپنے شہر میں تجارت کا حصول ممکن نہیں ہوتا ہے اس لیے سفر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے مکاتب کو سفر کا بھی اختیار ہوگا۔

{2} اور مکاتب کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ محابات کے ساتھ فروخت کرے یعنی احسان کرتے ہوئے اصل قیمت سے کم پر فروخت کر دے ؛کیونکہ یہ تاجروں کے افعال میں سے ہے ؛کیونکہ تاجر کبھی ایک بیع میں محابات کرتا ہے تاکہ دوسری بیع میں نفع اٹھائے اس لیے مکاتب کے لیے اس کی گنجائش ہے۔

{3} اور اگر مولیٰ نے مکاتب پر یہ شرط لگائی ہو کہ کوفہ سے باہر نہ جائے تو بھی استحساناً اس کے لیے باہر جانا جائز ہے ؛کیونکہ ایسی شرط لگانا مقتضاءِ عقد کے خلاف ہے اور عقدِ کتابت کا مقتضاء یہ ہے کہ مکاتب مستقل طور پر اپنے تصرف کا مالک ہو اور جو کمائے وہ اسی کے لیے خاص ہو، پس مقتضاءِ عقد کے خلاف یہ شرط خود باطل ہے اور عقد صحیح ہوگا ؛کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو صلب عقد میں نہیں پائی گئی ہے اور جو شرط صلب عقد میں نہ ہو اس سے کتابت فاسد نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت کو بیع کے ساتھ بھی مشابہت ہے

کہ عقدِ معاوضہ ہے، اور نکاح کے ساتھ بھی مشابہت ہے کہ مال بعوضِ غیر مال ہے پس ہم نے یہ کہا کہ جو شرطِ فاسد عین عقد کتابت میں پائی جائے تو اس میں عقد کتابت کو بیع کے ساتھ لاحق کیا جائے گا اور اس شرط سے عقدِ کتابت فاسد ہو جائے گا جیسے کسی مجہول خدمت کی شرط لگائی تو یہ ایسی ہی شرط ہے جو عین عقد میں متمکن ہے؛ کیونکہ یہ بدل کے اندر شرط ہے اس لیے اس صورت میں عقدِ کتابت بیع کے ساتھ لاحق ہو گا، اور اگر ایسی شرطِ فاسد لگائی جو عینِ عقد کے اندر متمکن نہ ہو تو اس میں ہم نے عقدِ کتابت کو نکاح کے ساتھ ملحق کیا کہ اس سے عقدِ کتابت فاسد نہ ہو گا، پس اصل یہی ہے کہ دونوں مشابہتوں پر عمل کیا جائے۔

{4} یا ہم کہتے ہیں کہ غلام کی جانب سے عقدِ کتابت بمعنی اعتاق ہے؛ کیونکہ اعتاق کی طرح کتابت بھی اسقاطِ ملک ہے اور یہ شرط غلام کے ساتھ مخصوص ہے تو اس شرط کے حق میں عقدِ کتابت اعتاق اعتبار کیا گیا معاوضہ نہیں قرار دیا ہے اور اعتاق ایسی چیز ہے جو فاسد شرطوں سے باطل نہیں ہوتا ہے۔

{5} مکاتب کو یہ اختیار نہیں ہے کہ نکاح کرے مگر اس صورت میں جائز ہے کہ مولی اس کی اجازت دیدے؛ کیونکہ کتابت یہ ہے کہ مولی کی ملکیت قائم ہونے کے باوجود تصرف کی بندش کو توڑ دے تاکہ وہ اس کو اپنے مقصود کا وسیلہ بنائے یعنی مال کما کر ادا کرے اور آزاد ہو، اور نکاح کرنا اس مقصود کو حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں ہے اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ مولی کی اجازت سے جائز ہے؛ کیونکہ اس کی ملکیت قائم ہے اس لیے اس کو اپنی ملکیت میں تصرف کا اختیار ہے۔

{6} مکاتب کو یہ اختیار نہیں کہ مال ہبہ کرے اور یہ بھی اختیار نہیں کہ مال صدقہ کرے، البتہ تھوڑی سی کوئی چیز ہبہ اور صدقہ کر سکتا ہے؛ کیونکہ ہبہ اور صدقہ دونوں تبرع اور احسان ہیں اور مکاتب خود مالک نہیں ہے تو دوسرے کی ملک میں بھی نہیں اسے سکتا یعنی احسان کے طور پر مال کا تصرف نہیں کر سکتا ہے، البتہ تھوڑی سی کوئی چیز ہبہ اور صدقہ کر سکتا ہے؛ کیونکہ وہ اس کی تجارت کی ضرورت میں سے ہے؛ کیونکہ اس کو اس امر سے چارہ نہیں کہ کسی کی ضیافت کرے یا کچھ عاریت دے تاکہ تاجروں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر دے اور تجارت کے قافلہ والے مجتمع ہوں، اور مکاتب کو تجارت کی اجازت ہے اور جو شخص کسی امر کا مجاز ہوتا ہے تو وہ اس امر کے متعلقات اور توابع کا بھی مجاز ہو جاتا ہے اس لیے مکاتب کو کسی کی ضیافت یا کچھ عاریت دینے کا اختیار ہو گا۔

{7} مکاتب کو یہ اختیار نہیں کہ کسی کا کفیل ہو؛ کیونکہ کفیل ہونا محض احسان ہے پس یہ تجارت اور کمائی کی ضرورت میں سے نہیں ہے تو مکاتب کو کفالت کی دونوں قسموں کا اختیار نہیں یعنی نہ کفالتِ نفس کا اختیار ہے اور نہ کفالتِ مال کا اختیار ہے؛ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک احسان ہے اور مکاتب کو احسان کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اور مکاتب کو نقد قرض دینے کا بھی اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بھی احسان ہے اور کمائی کے توابع میں سے نہیں ہے۔ پھر اگر مکاتب نے عوض پر ہبہ کیا تو بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بھی ابتداء میں احسان اور تبرع ہوتا ہے اور مکاتب کو تبرع کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

اگر اس نے اپنی مملوکہ باندی کا نکاح کر دیا تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ مال حاصل کرنے کا طریقہ ہے؛ کیونکہ مکاتب اس کے ذریعہ سے مہر کا مالک ہو گا تو یہ اس کے عقدِ کتابت کے تحت میں داخل ہے۔

{1}قَالَ : وَكَذَلِكَ إنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ ؛ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ ، لِأَنَّ مَآلَهُ الْعِتْقُ

فرمایا: اور اسی طرح اگر مکاتب کیا غلام کو، اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو، اور یہی قول ہے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا؛ کیونکہ اس کا انجام آزادی ہے،

وَالْمُكَاتَبُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ كَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ .وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ عَقْدُ اكْتِسَابٍ لِلْمَالِ فَيَمْلِكُهُ كَتَزْوِيجِ الْأَمَةِ

اور مکاتب اس کا اہل نہیں ہے جیسے مال پر آزاد کرنا، وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ عقد ہے مال کمانے کا، پس وہ مالک ہو گا اس کا جیسے باندی کا نکاح کرنا،

وَكَالْبَيْعِ .وَقَدْ يَكُونُ هُوَ أَنْفَعَ لَهُ مِنْ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ لَا يُزِيلُ الْمِلْكَ إلَّا بَعْدَ وُصُولِ الْبَدَلِ إلَيْهِ وَالْبَيْعُ يُزِيلُهُ

اور جیسے فروخت کرنا، اور کبھی زیادہ انفع ہوتی ہے بیع سے؛ کیونکہ زائل نہیں ہوتی ہے ملک مگر اس کو وصول بدل کے بعد، اور بیع زائل کر دیتی ہے ملک کو

قَبْلَهُ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الْأَبُ وَالْوَصِيُّ{2}ثُمَّ هُوَ يُوجِبُ لِلْمَمْلُوكِ مِثْلَ مَا هُوَ ثَابِتٌ لَهُ

وصول بدل سے پہلے، اور اسی وجہ سے مالک ہوتا ہے اس کا باپ اور وصی۔ پھر عقدِ کتابت وہی ثابت کرے گا مملوک کے لیے جو ثابت ہے مکاتب کے لیے،

بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ لِأَنَّهُ يُوجِبُ فَوْقَ مَا هُوَ ثَابِتٌ لَهُ .{3}قَالَ : فَإِنْ أَدَّى الثَّانِي قَبْلَ أَنْ

برخلاف مال پر آزاد کرنے کے؛ کہ یہ ثابت کرے گا زیادہ اس سے جو ثابت ہے مکاتب کے لیے۔ فرمایا: پھر اگر ادا کر دیا ثانی نے پہلے اس سے

يَعْتِقَ الْأَوَّلُ فَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلَى ، لِأَنَّ لَهُ فِيهِ نَوْعَ مِلْكٍ .وَتَصِحُّ إضَافَةُ الْإِعْتَاقِ

کہ آزاد ہو اول، تو اس کی ولاء مولیٰ کے لیے ہوگی؛ کیونکہ حاصل ہے اس میں مولیٰ کے لیے ایک طرح کی ملک، اور صحیح ہے اعتاق کی نسبت کرنا

إِلَيْهِ فِي الْجُمْلَةِ ، فَإِذَا تَعَذَّرَ إِضَافَتُهُ إِلَى مُبَاشِرِ الْعَقْدِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ أُضِيفَ إِلَيْهِ

اس کی طرف فی الجملہ، پس جب متعذر ہوگئی اس کی اضافت مباشر کی طرف عدم اہلیت کی وجہ سے تو منسوب کیا جائے گا اسی کی طرف

كَمَا فِي الْعَبْدِ إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا {4} فَلَوْ أَدَّى الْأَوَّلُ بَعْدَ ذَلِكَ وَعَتَقَ لَا يَنْتَقِلُ

جیسے غلام جب خرید لے کوئی چیز تو ثابت ہوگی ملک مولیٰ کے لیے۔ فرمایا: اور اگر ادا کر دیا اول نے اس کے بعد، اور آزاد ہو گیا، تو منتقل نہ ہوگی

الْوَلَاءُ إلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى جُعِلَ مُعْتِقًا وَالْوَلَاءُ لَا يَنْتَقِلُ عَنِ الْمُعْتِقِ {5} وَإِنْ أَدَّى الثَّانِي

ولاء اس کی طرف؛ کیونکہ مولیٰ آزاد کرنے والا قرار دیا گیا اور ولاء منتقل نہیں ہوتی ہے آزاد کرنے والے سے، اور اگر ادا کر دیا ثانی نے

بَعْدَ عِتْقِ الْأَوَّلِ فَوَلَاؤُهُ لَهُ ؛ لِأَنَّ الْعَاقِدَ مِنْ أَهْلِ ثُبُوتِ الْوَلَاءِ وَهُوَ الْأَصْلُ فَيَثْبُتُ لَهُ.

اول کی آزادی کے بعد، تو اس کی ولاء اول کے لیے ہوگی؛ کیونکہ عاقد ثبوتِ ولاء کا اہل ہے، اور وہی اصل ہے، پس ولاء ثابت ہوگی اسی کے لیے۔

{6} قَالَ: وَإِنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ أَوْبَاعَهُ مِنْ نَفْسِهِ أَوْزَوَّجَ عَبْدَهُ لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لَيْسَتْ مِنَ الْكَسْبِ

فرمایا: اور اگر آزاد کر دیا اپنے غلام کو مال پر یا فروخت کر دیا اس کو اپنے ہاتھ یا نکاح کر دیا اپنے غلام کا، تو جائز نہیں؛ کیونکہ یہ اشیاء کمائی

وَلَا مِنْ تَوَابِعِهِ .أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ عَنْ رَقَبَتِهِ وَإِثْبَاتُ الدَّيْنِ فِي ذِمَّةِ الْمُفْلِسِ

اور توابع کمائی کے قبیل سے نہیں، بہر حال اول تو اس لیے کہ ملک ساقط کرنا اس کی گردن سے اور قرضہ ثابت کرنا ہے مفلس کے ذمہ،

فَأَشْبَهَ الزَّوَالَ بِغَيْرِ عِوَضٍ ، وَكَذَا الثَّانِي لِأَنَّهُ إِعْتَاقٌ عَلَى مَالٍ فِي الْحَقِيقَةِ .{7} وَأَمَّا الثَّالِثُ فَلِأَنَّهُ

پس یہ مشابہ ہو گیا زوال بغیر عوض کے، اور اسی طرح ثانی ہے؛ کیونکہ یہ آزاد کرنا ہے مال پر حقیقت میں، رہا ثالث تو وہ اس لیے کہ یہ

تَنْقِيصٌ لِلْعَبْدِ وَتَعْيِيبٌ لَهُ وَشَغْلُ رَقَبَتِهِ بِالْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ ، بِخِلَافِ تَزْوِيجِ الْأَمَةِ لِأَنَّهُ اكْتِسَابٌ

ناقص کرنا اور عیب دار کرنا ہے غلام کو اور مشغول کرنا ہے اس کے رقبہ کو مہر اور نفقہ کے ساتھ، برخلاف باندی کا نکاح کرنے کے؛ کیونکہ وہ کمائی ہے

لِاسْتِفَادَتِهِ الْمَهْرَ عَلَى مَامَرَّ {8} قَالَ : وَكَذَلِكَ الْأَبُ وَالْوَصِيُّ فِي رَقِيقِ الصَّغِيرِ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ ؛ لِأَنَّهُمَا

مہر حاصل کرنے کی وجہ سے جیسا کہ گذر چکا۔ فرمایا: اور اسی طرح باپ اور وصی نابالغ کے غلام میں بمنزلہ مکاتب کے ہیں؛ کیونکہ وہ دونوں

يَمْلِكَانِ الِاكْتِسَابَ كَالْمُكَاتَبِ ، وَلِأَنَّ فِي تَزْوِيجِ الْأَمَةِ وَالْكِتَابَةِ نَظَرًا لَهُ ، وَلَا نَظَرَ

مالک ہیں کمائی کے مکاتب کی طرح، اور اس لیے کہ باندی کے نکاح میں اور مکاتب کرنے میں رعایت ہے صغیر کی، اور کوئی لحاظ نہیں

فِيمَاسِوَاهُمَا وَالْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ . {9} قَالَ : فَأَمَّا الْمَأْذُونُ لَهُ فَلَا يَجُوزُ لَهُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ

ان دو کے علاوہ میں، اور ولایت شفقتی ہے۔ فرمایا: بہر حال ماذون لہ تو جائز نہیں اس کے لیے کچھ ان میں سے امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک،

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَهُ أَنْ يُزَوِّجَ أَمَتَهُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْمُضَارِبُ وَالْمُفَاوِضُ وَالشَّرِيكُ شَرِكَةَ عَنَانٍ

اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: اس کو اختیار ہے کہ نکاح کردے اپنی باندی کا۔ اور اسی اختلاف پر ہے مضارب، مفاوض اور شرکتِ عنان کا شریک؛

هُوَ قَاسَهُ عَلَى الْمُكَاتَبِ وَاعْتَبَرَهُ بِالْإِجَارَةِ . {10} وَلَهُمَا أَنَّ الْمَأْذُونَ لَهُ يَمْلِكُ التِّجَارَةَ وَهَذَا لَيْسَ بِتِجَارَةٍ ،

انہوں نے قیاس کیا ہے ماذون کو مکاتب پر، اور تزویج کو اجارہ پر۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماذون لہ مالک ہوتا ہے تجارت کا اور تزویج اجارہ نہیں

فَأَمَّا الْمُكَاتَبُ يَتَمَلَّكُ الِاكْتِسَابَ وَهَذَا اكْتِسَابٌ ، وَلِأَنَّهُ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ فَيُعْتَبَرُ بِالْكِتَابَةِ دُونَ الْإِجَارَةِ ،

رہا مکاتب تو مالک ہوتا ہے کمائی کا اور یہ کمائی ہے، اور اس لیے کہ تزویج مبادلۃ المال بغیر المال ہے، پس قیاس کیا جائے گا کتابت پر نہ کہ اجارہ پر؛

إِذْ هِيَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ هَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ تَزْوِيجَ الْعَبْدِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

کیونکہ اجارہ مبادلہ مال بالمال ہے، اسی وجہ سے مالک نہیں یہ سب لوگ غلام کا نکاح کرنے کے، واللہ اعلم۔

تشریح: ۔{1} اسی طرح مکاتب کو اختیار ہے کہ اپنے تجارتی غلاموں میں سے کسی غلام کو مکاتب کرے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو اور یہی امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ کتابت کا انجام یہ ہے کہ وہ آزاد ہو جائے حالانکہ مکاتب کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام کو آزاد کردے جیسے اس کو مال کے عوض اپنے غلام کو آزاد کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک استحساناً جائز ہے وجۂ استحسان یہ ہے کہ یہ ایسا عقد ہے جس کے ذریعہ سے مال حاصل ہوتا ہے یعنی مکاتب کا مکاتب کیا ہوا غلام اپنا عوضِ کتابت ادا کرے گا اس لیے مکاتبِ اول ایسے عقد کا مختار ہوگا جیسے اس کو اپنی باندی کا کسی کے ساتھ نکاح کر دینے کا اختیار ہے اور جیسے مکاتب کو اپنا مال فروخت کرنے کا اختیار ہے، بلکہ بیع سے کتابت کبھی زیادہ نافع ہوتی ہے؛ کیونکہ کتابت تو مملوک سے ملکیت زائل نہیں کرتی مگر اس وقت کہ پورا عوض اس کو وصول ہو جائے جبکہ بیع وصولِ ثمن سے پہلے ملکیت زائل کر دیتی ہے لہٰذا اس اعتبار سے کتابت زیادہ نافع ہے، اسی لیے باپ اور وصی کو اختیار ہے کہ نابالغ بچے کا غلام مکاتب کر دے کہ کتابت بچے کے حق میں نافع ہے۔

{2} پھر مکاتب نے جس غلام کو مکاتب کیا اس کے لیے بھی وہی اختیارات ثابت ہوں گے جو مکاتبِ اول کو حاصل ہیں۔ باقی مال پر آزاد کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اعتاق ایسی چیز ہے کہ وہ آزاد شدہ کے لیے ایسے اختیارات ثابت کرے گا جو خود آزاد کرنے والے مکاتب کے لیے ثابت اختیارات سے بڑھ کر ہیں تو لازم آئے گا کہ آزاد کرنے والے مکاتب نے ایک غلام کو ایسے اختیارات دیئے جن کا وہ خود بھی مالک نہیں ہے حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے، لہٰذا مال کے عوض آزاد کرنا جائز نہیں اور مال کے عوض مکاتب کرنا جائز ہے۔

{3} پھر اگر اول مکاتب کے آزاد ہونے سے پہلے دوسرے مکاتب نے اپنا بدلِ کتابت ادا کر دیا تو اس کی ولاء مکاتبِ اول کے مولیٰ کے لیے ثابت ہوگی؛ کیونکہ مکاتبِ اول کے مولیٰ کی بھی اس میں ایک طرح کی ملکیت ہے؛ کیونکہ مکاتبِ ثانی اول کے واسطے سے مولیٰ کا مکاتب ہے اور فی الجملہ آزاد کرنے کی نسبت اس کی جانب صحیح ہے، پھر جب مباشر عقد (مکاتبِ اول) کی طرف مکاتبِ دوم کو آزاد کرنے کی نسبت اس وجہ سے ممکن نہ ہوئی کہ مکاتبِ اول خود ابھی تک غلام ہے اس لیے وہ آزاد کرنے کا اہل نہیں ہے تو مکاتبِ دوم کو آزاد کرنے کی نسبت مکاتبِ اول کے مولیٰ کی طرف کر دی گئی جیسے ماذون غلام نے اگر کوئی چیز خریدی تو خود خریدار غلام میں اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت اس کے مولیٰ کے لیے ثابت ہو جاتی ہے۔

{4} پھر اگر مولیٰ کو ولاء ملنے کے بعد مکاتبِ اول نے اپنا عوض ادا کیا اور آزاد ہو گیا تو اس کے مکاتب کی ولاء اس کی جانب نقل نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کا مولیٰ اس کے مکاتب کو آزاد کرنے والا قرار دیا گیا اور جب وہ آزاد کرنے والا قرار پایا تو قاعدہ یہ ہے کہ آزاد کرنے والے سے ولاء منتقل نہیں ہوتی۔

{5} اور اگر مکاتبِ دوم نے مکاتبِ اول کے آزاد ہو جانے کے بعد اپنا عوض ادا کیا اور آزاد ہو گیا تو مکاتبِ دوم کی ولاء اس کے مکاتب کرنے والے (مکاتبِ اول) کو ملے گی؛ کیونکہ اس صورت میں مباشر (مکاتب کرنے والے) کو ولاء کی اہلیت حاصل ہے اور اصل مکاتب کرنے والا مباشر ہی ہے اس لیے ولاء اسی کے لیے ثابت ہوگی۔

{6} اور اگر مکاتب نے اپنی کمائی کے غلام کو مال پر آزاد کیا، یا غلام کے رقبہ کو خود غلام کے ہاتھ فروخت کر ڈالا، یا غلام کا کسی عورت کے ساتھ نکاح کر دیا، تو یہ تینوں کام جائز نہیں ہیں؛ کیونکہ یہ کام کمائی یا اس کے توابع میں سے نہیں ہیں۔ چنانچہ اول (مال پر آزاد کرنے) کی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس غلام کی گردن سے اپنی ملکیت کو زائل کرنا اور ایک مفلس شخص کے ذمہ اپنا قرضہ ثابت کرنا ہے تو یہ زوالِ ملک بلاعوض کے مشابہ ہوا اور زوالِ ملک بلاعوض جائز نہیں لہٰذا بعوض مال آزاد کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح ثانی (غلام کو خود اسی کے ہاتھ فروخت کرنے) کا بھی یہی حال ہے؛ کیونکہ وہ ظاہر میں اگرچہ بیع ہے مگر در حقیقت مال پر اعتاق ہے اس لیے یہ بھی جائز نہیں۔

{7} رہی تیسری صورت (غلام کا نکاح کرنا) تو یہ اس غلام کو ناقص وعیب دار کر دینا ہے؛ کیونکہ غلام کے حق میں نکاح عیب ہے، اور عورت کے مہر اور اس کے نفقہ میں اس کی گردن کو پھنسانا ہے پس یہ جائز نہیں، اس کے برخلاف اگر اپنی کمائی کی باندی کا کسی سے نکاح کر دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ کمائی کا ایک طریقہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے مہر حاصل کرے گا چنانچہ اوپر بیان ہوا۔

{8} اسی طرح باپ اپنے نابالغ بچے کے مملوک میں اور وصی اپنے نابالغ یتیم کے مملوک میں بمنزلہ مکاتب کے اختیار رکھتے ہیں یعنی جیسے مکاتب کو اپنی کمائی کے غلام میں اختیارات ہیں ایسے ہی اختیارات نابالغ کے غلام میں اس کے باپ اور وصی کو حاصل ہیں اس سے زائد اختیارات حاصل نہیں؛ کیونکہ ان دونوں کو بھی نابالغ کے مال میں کمائی کرنے کا اختیار مکاتب کی طرح حاصل ہے یعنی اس کے غلام کو مکاتب کر سکتے ہیں اور اس کی باندی کا نکاح کر سکتے ہیں مگر اس کے غلام کا نکاح نہیں کر سکتے ہیں؛ کیونکہ مدار کمائی پر ہے اور اس کی باندی کا نکاح کر دینے میں اور اس کے مملوک کو مکاتب کر دینے میں نابالغ کے حق میں بہتری ہے اور ان دونوں تصرف کے سوا دیگر امور مذکورہ میں بہتری نہیں ہے اور یہ ولایت جو باپ یا وصی کو نابالغ کے مال میں حاصل ہوتی ہے وہ ولایت نظری اور شفقت پر مبنی ہوتی ہے پس جس کام میں اس کے حق میں بہتری ہو وہ جائز ہے اور جس میں بہتری نہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔

{9} رہا وہ غلام جس کو تجارت کی اجازت دی گئی ہے تو طرفینؒ کے نزدیک اس کو ان امور (غلام کو مکاتب کرنا، باندی کا نکاح کرنا وغیرہ) میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو تجارتی باندی کا نکاح کر دینے کا اختیار ہے اور ایسا ہی اختلاف مضارب، شرکتِ مفاوضہ اور شرکتِ عنان کے شریک میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کو تجارتی باندی کا نکاح

کر دینے کا اختیار ہے اور طرفینؒ کے نزدیک ان کو یہ اختیار نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے ماذون اور مضارب وغیرہ کو مکاتب پر قیاس کیا ہے کہ مکاتب کی طرح یہ لوگ بھی باندی کا نکاح کر سکتے ہیں، اور نکاح کر دینے کو اجارہ پر قیاس کیا یعنی جیسے اجارہ میں باندی کے منافع سے مال حاصل ہوتا ہے ایسے ہی نکاح کر دینے میں اس کے منافع سے مہر حاصل ہوتا ہے پس جس طرح ان لوگوں کا اجارہ پر دینے کا اختیار ہے اسی طرح باندی کا نکاح کر دینے کا بھی اختیار ہوگا۔

{10} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماذون غلام کو تجارت کا اختیار ہے اور باندی کا نکاح کر دینا تجارت میں سے نہیں ہے؛ کیونکہ تجارت مبادلۃ المال بالمال کو کہتے ہیں جبکہ نکاح میں مبادلۃ المال بالمنافع ہے اس لیے ماذون غلام وغیرہ کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔ رہا مکاتب تو اس کو کمائی کا اختیار ہوتا ہے اور باندی کا نکاح کر دینا بھی کمائی کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے پس دونوں میں فرق ہو گیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح کرنا تو مبادلۃ المال بغیر المال ہے تو اس کو کتابت پر قیاس کرنا چاہیے؛ کیونکہ کتابت بھی ابتداء مبادلۃ المال بغیر المال ہے، نہ کہ اجارہ پر؛ کیونکہ اجارہ تو مبادلۃ المال بالمال ہے یعنی اجارہ میں منافع بھی حکماً مال ہیں اگرچہ حقیقۃً مال نہیں ہیں، اور چونکہ نکاح کر دینا تجارت میں سے نہیں اس لیے یہ سب لوگ غلام کا نکاح کر دینے کے مجاز نہیں ہیں۔

فتویٰ: طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشھید: وجزم بقولھما فی الدّر المختار و شرحہ ردّ المحتار و غیرھما (ھامش الھدایۃ: 323/3)

## فَصْلٌ

یہ فصل ان لوگوں کے بیان میں ہے جو تبعاً کتابت میں داخل ہوتے ہیں، اور ان کے بیان میں ہے جو تبعاً داخل نہیں ہوتے ہیں۔

مصنفؒ ان لوگوں کے مسائل سے فارغ ہو گئے جو کتابت میں بطریق اصالت داخل ہیں تو اس فصل میں ان لوگوں کے مسائل ذکر فرماتے ہیں جو بطریق تبعیت داخل ہیں، چونکہ تابع اصل کے بعد ہی ہوتا ہے اس لیے ان کے مسائل کو مؤخر کر دیا۔

{1} قَالَ: وَإِذَا اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ دَخَلَ فِي كِتَابَتِهِ، لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُكَاتِبَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ

فرمایا: اور اگر خرید لیا مکاتب نے اپنے باپ کو یا اپنے بیٹے کو تو وہ داخل ہوگا اس کی کتابت میں؛ کیونکہ وہ اہل ہے مکاتب بنانے کا اگرچہ اہل نہیں ہے

الْإِعْتَاقِ فَيُجْعَلُ مُكَاتَبًا تَحْقِيقًا لِلصِّلَةِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، أَلَا تَرَى أَنَّ الْحُرَّ مَتَى كَانَ يَمْلِكُ

آزاد کرنے کا، پس بنایا جائے گا مکاتب؛ ثابت کرتے ہوئے صلہ رحمی کو بقدرِ امکان، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ آزاد آدمی جب مالک ہو

الْإِعْتَاقَ يُعْتَقُ عَلَيْهِ {2} وَإِنِ اشْتَرَى ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَا وِلَادَ لَهُ لَمْ يَدْخُلْ

آزاد کرنے کا تو وہ آزاد ہو جاتے ہیں اس پر۔ اور اگر خرید لیا اپنے ایسے ذو رحم محرم کو جس کے ساتھ ولادت کا تعلق نہیں، تو وہ داخل نہ ہوگا

فِي كِتَابَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا : يَدْخُلُ ؛ اعْتِبَارًا بِقَرَابَةِ الْوِلَادِ إذْ وُجُوبُ

اس کی کتابت میں امام صاحب ؒ کے نزدیک، اور صاحبین ؒ فرماتے ہیں: داخل ہوگا؛ قیاس کرتے ہوئے قرابتِ ولادت پر؛ اس لیے کہ وجوب

الصِّلَةِ يَنْتَظِمُهُمَا وَلِهَذَا لَا يَفْتَرِقَانِ فِي الْحُرِّ فِي حَقِّ الْحُرِّيَّةِ .{3}وَلَهُ أَنَّ

صلہ شامل ہے ان دونوں کو، اور اسی وجہ سے دونوں میں فرق نہیں آزاد کی صورت میں آزادی کے حق میں۔ اور امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے

لِلْمُكَاتَبِ كَسْبًا لَا مِلْكًا، غَيْرَ أَنَّ الْكَسْبَ يَكْفِي الصِّلَةَ فِي الْوِلَادِ حَتَّى أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ يُخَاطَبُ بِنَفَقَةِ الْوَالِدِ وَالْوَلَدِ

کہ مکاتب کے لیے کسب ہے نہ کہ ملک، البتہ کسب کافی ہے صلہ کے قرابتِ ولاد میں حتی کہ کمائی پر قادر شخص کو حکم دیا جائے گا والد اور اولاد کے نفقہ کا

وَلَا يَكْفِي فِي غَيْرِهِمَا حَتَّى لَا تَجِبَ نَفَقَةُ الْأَخِ إلَّا عَلَى الْمُوسِرِ ،{4}وَلِأَنَّ هَذِهِ قَرَابَةٌ تَوَسَّطَتْ بَيْنَ بَنِي الْأَعْمَامِ

اور کسب کافی نہیں ہوتا ان دو کے علاوہ میں حتی کہ واجب نہیں بھائی کا نفقہ مگر غنی پر، اور اس لیے کہ یہ قرابت درمیانی ہے چچازاد

وَقَرَابَةِ الْوِلَادِ فَأَلْحَقْنَاهَا بِالثَّانِي فِي الْعِتْقِ ، وَبِالْأَوَّلِ فِي الْكِتَابَةِ وَهَذَا أَوْلَى

اور ولاد کی قرابت میں، پس ہم نے لاحق کر دیا اس کو ثانی کے ساتھ عتق کے حق میں، اور اول کے ساتھ کتابت میں، اور یہ اولیٰ ہے؛

لِأَنَّ الْعِتْقَ أَسْرَعُ نُفُوذًا مِنْ الْكِتَابَةِ ، حَتَّى أَنَّ أَحَدَ الشَّرِيكَيْنِ إذَا كَاتَبَ كَانَ لِلْآخَرِ فَسْخُهُ،

کیونکہ عتق زیادہ تیز ہے نافذ ہونے میں کتابت سے، یہاں تک کہ دو شریکوں میں سے ایک جب مکاتب کر دے تو ثانی کو حق ہے اسے فسخ کرنے کا،

وَإِذَا أَعْتَقَ لَا يَكُونُ لَهُ فَسْخُهُ .{5}قَالَ : "وَإِذَا اشْتَرَى أُمَّ وَلَدِهِ دَخَلَ وَلَدُهَا فِي الْكِتَابَةِ وَلَمْ يَجُزْ

اور اگر آزاد کر دیا تو ثانی کو اختیار نہیں اسے فسخ کرنے کا۔ فرمایا: اور اگر خرید لی اپنی ام ولد تو داخل ہوگا اس کا بچہ کتابت میں، اور جائز نہیں

بَيْعُهَا وَمَعْنَاهُ إذَا كَانَ مَعَهَا وَلَدُهَا ، أَمَّا دُخُولُ الْوَلَدِ فِي الْكِتَابَةِ فَلِمَا

اس کو فروخت کرنا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب ہو اس کے ساتھ اس کا بچہ، بہر حال بچے کا داخل ہونا کتابت میں تو اس دلیل کی وجہ سے

ذَكَرْنَاهُ .{6}وَأَمَّا امْتِنَاعُ بَيْعِهَا فَلِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْوَلَدِ فِي هَذَا الْحُكْمِ ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { أَعْتَقَهَا

جس کو ہم ذکر کر چکے، اور رہا ممتنع ہونا اس کی بیع کا تو وہ اس لیے کہ ماں تابع ہے بچے کا اس حکم میں؛ حضور ﷺ نے فرمایا: "آزاد کیا اس کو

وَلَدُهَا}{7}وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا وَلَدُهَا فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ لِأَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ خِلَافًا لِأَبِي حَنِيفَةَ

اس کے بچے نے" اور اگر نہ ہو اس کے ساتھ بچہ، تو بھی یہی حکم ہے صاحبین ؒ کے قول میں؛ کیونکہ وہ ام ولد ہے، اختلاف ہے امام صاحب ؒ کا؛

وَلَهُ أَنَّ الْقِيَاسَ أَنْ يَجُوزَ بَيْعُهَا وَإِنْ كَانَ مَعَهَا وَلَدٌ لِأَنَّ كَسْبَ الْمُكَاتَبِ مَوْقُوفٌ فَلَا يَتَعَلَّقُ

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیاس یہ ہے کہ جائز ہو اس کی بیع اگرچہ اس کے ساتھ بچہ ہو؛ کیونکہ مکاتب کی کمائی موقوف ہے، پس متعلق نہ ہوگا

بِهِ مَا لَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ ، إلَّا أَنَّهُ يَثْبُتُ بِهِ هَذَا الْحَقُّ فِيمَا إذَا كَانَ مَعَهَا وَلَدٌ تَبَعًا

اس کے ساتھ وہ جو احتمال نہیں رکھتا ہے فسخ کا، مگر یہ کہ ثابت ہوتا ہے یہ حق اس صورت میں جب ہو اس کے ساتھ ولد تبعاً

لِثُبُوتِهِ فِي الْوَلَدِ بِنَاءً عَلَيْهِ ، وَبِدُونِ الْوَلَدِ لَوْ ثَبَتَ ثَبَتَ ابْتِدَاءً وَالْقِيَاسُ يَنْفِيهِ

بچے میں اس حکم کے ثابت ہونے کی بناء پر، اور بچے کے بغیر اگر ثابت ہو جائے تو ثابت ہوگا ابتداء، حالانکہ قیاس اس کی نفی کر رہا ہے۔

{8} وَإِنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ أَمَةٍ لَهُ دَخَلَ فِي كِتَابَتِهِ ، لِمَا بَيَّنَّا

اور اگر مکاتب کی باندی سے اس کا کوئی بچہ پیدا ہو گیا تو داخل ہو جائے گا اس کی کتابت میں؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے

فِي الْمُشْتَرَى ، وَكَانَ حُكْمُهُ كَحُكْمِهِ وَكَسْبُهُ لَهُ ؛ لِأَنَّ كَسْبَ الْوَلَدِ كَسْبُ كَسْبِهِ

خریدے ہوئے کے بارے میں، پس ہوگا بچے کا حکم اس کے حکم کی طرح، اور بچے کی کمائی اس کے لیے ہوگی؛ کیونکہ بچے کی کمائی اس کے کسب کی کمائی ہے،

وَيَكُونُ كَذَلِكَ قَبْلَ الدَّعْوَةِ فَلَا يَنْقَطِعُ بِالدَّعْوَةِ اخْتِصَاصُهُ ،{9} وَكَذَلِكَ إنْ وَلَدَتِ الْمُكَاتَبَةُ وَلَدًا

اور اسی طرح تھا نسب کے دعوی سے پہلے، پس منقطع نہ ہوگا دعوی سے اس کا اختصاص، اور اسی طرح اگر جن لیا مکاتبہ نے کوئی بچہ؛

لِأَنَّ حَقَّ امْتِنَاعِ الْبَيْعِ ثَابِتٌ فِيهَا مُؤَكَّدًا فَيَسْرِي إلَى الْوَلَدِ كَالتَّدْبِيرِ وَالِاسْتِيلَادِ .

کیونکہ امتناع بیع کا حق ثابت ہے اس میں مؤکد طور پر، پس وہ سرایت کرے گا اولاد کی طرف جیسے تدبیر اور استیلاد۔

تشریح:۔{1} اگر مکاتب نے اپنے باپ یا بیٹے کو خرید اتو وہ اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گا یعنی وہ بھی مکاتب ہو جائے گا؛ کیونکہ مذکورہ مکاتب کو یہ اہلیت حاصل ہے کہ وہ دوسرے کو مکاتب کردے اگرچہ دوسرے کو آزاد کرنے کی اہلیت اس میں نہیں ہے تو جہاں تک اس کی جانب سے صلہ رحمی ممکن ہے وہ یہی ہے کہ اس کا باپ، بیٹا اس کے ساتھ مکاتب ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ آزاد جب اعتاق کا مالک ہے تو وہ اگر باپ یا بیٹے کو خرید لے تو اس پر سے آزاد ہو جاتا ہے۔

{2} اگر مکاتب نے اپنے ایسے ذی رحم محرم کو خریدا جس کے ساتھ ولادت کی قرابت نہیں ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ اس کی کتابت میں داخل نہ ہوگا یعنی وہ مکاتب نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائے گا؛ صاحبینؒ اس قسم کی قرابت کو ولادت کی قرابت پر قیاس کرتے ہیں؛ کیونکہ صلہ رحمی کا واجب ہونا ولادت اور غیر ولادت دونوں طرح کی قرابتوں کو شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ مالک آزاد ہونے کی صورت میں دونوں قسموں میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی آزاد شخص خواہ

قرابت ولادت کا مالک ہو جائے یا قرابتِ محرمہ غیر ولادت کا مالک ہو جائے دونوں صورتوں میں قریب آزاد ہو جاتا ہے پس اسی طرح مکاتب کی صورت میں بھی ان دونوں میں فرق نہ ہو گا کہ دونوں مکاتب ہو جائیں گے۔

{3} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مکاتب کے لیے کمائی حاصل ہے مگر حقیقی ملکیت حاصل نہیں ہے لیکن ولادت کی قرابت میں صلہ رحمی کے لیے کمائی کافی ہے چنانچہ جو شخص کمائی پر قادر ہو اس کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے والد اور اولاد کا نفقہ ادا کرے اگرچہ وہ کمائی پر قادر ہو غنی نہ ہو، جبکہ والد اور اولاد کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حق میں فقط کمائی کافی نہیں ہے حتی کہ سگے بھائی کا نفقہ اسی بھائی پر واجب ہوتا ہے جو غنی ہو یعنی فقط کمائی پر قادر پر واجب نہیں ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قرابتِ محرمہ میں ولادت وغیر ولادت میں صلہ رحمی کے اعتبار سے فرق ہے۔

{4} دوسری دلیل یہ ہے کہ ایسا قریب جو ذی رحم محرم ہو مگر اس کے ساتھ ولادت کا تعلق نہ ہو تو یہ چچازاد قرابت اور ولادی قرابت کے درمیان ہے تو آزاد ہو جانے کے حق میں ہم نے ایسے قریب کو قرابتِ ولادت میں ملایا اور مکاتب ہو جانے میں اس کو چچازاد قرابت میں ملایا، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح عمل کرنا اولیٰ ہے اس کے عکس کرنے سے؛ کیونکہ اگر ہم اس قرابت کو کتابت میں ولادت کی قرابت کے ساتھ ملادے تو عتق میں بھی اسے ولادت کی قرابت کے ساتھ ملانا واجب ہو گا؛ کیونکہ کتابت سے عتق زیادہ سرعت کے ساتھ نافذ ہو جاتا ہے حتی کہ اگر دو شریکوں میں سے ایک نے مشترک غلام کو مکاتب کیا تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ اس کتابت کو فسخ کر دے اور اگر ایک نے آزاد کیا تو دوسرے کو اختیار نہیں کہ اس کو فسخ کر دے۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الهندیة: وَإِذَا اشْتَرَى أَخَاهُ أَوْ أُخْتَهُ أَوْ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ سِوَى الْوَالِدَيْنِ وَالْمَوْلُودِينَ نَحْوُ الْعَمِّ وَالْعَمَّةِ وَأَشْبَاهِهِمَا فَفِي الِاسْتِحْسَانِ لَا يَتَكَاتَبُونَ عَلَيْهِ حَتَّى كَانَ لَهُ بَيْعُهُمْ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى (الهندية: 9/5)

{5} اور اگر مکاتب نے اپنی ام ولد کو خرید امثلاً مکاتب کی بیوی کسی غیر کی باندی ہو اور مکاتب کے نطفہ سے اس کا کوئی بچہ ہو اور مکاتب نے اس کو خرید لیا تو اس کا یہ بچہ مکاتب کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور مکاتب اس کی ماں کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس عورت کے ساتھ اس کا بچہ ہو جو مکاتب سے پیدا ہوا ہو یعنی یہاں ام ولد سے مملوکہ مراد نہیں ہے بلکہ مکاتب کی زوجہ مراد ہے جس کے ساتھ مکاتب کا کوئی بچہ ہو تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، البتہ یہ بچہ مکاتب کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائے گا؛ وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی یعنی مکاتب اگر اسے آزاد نہیں کر سکتا ہے تو مکاتب کر سکتا ہے پس وہ بچہ مکاتب ہو جائے گا؛ کیونکہ صلہ رحمی جہاں تک ممکن ہو واجب ہے۔

{6} باقی اپنی اس زوجہ کو اس لیے نہیں فروخت کر سکتا ہے کہ وہ اس حکم (امتناع بیع) میں بچے کی تابع ہے یعنی حق آزادی

میں " بچے کی تابع ہے؛ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے

فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "اس کو اس کے بیٹے نے آزاد کر دیا"(1) معلوم ہوا کہ حق آزادی میں ماں بچے کی تابع ہے۔

{7} اگر مکاتب کی بیوی کے ساتھ مکاتب سے اس کا بچہ موجود نہ ہو یعنی بچہ ہوا تھا مگر ساتھ نہیں ہے تو بھی صاحبینؒ کے

نزدیک یہی جواب ہے یعنی مکاتب اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ عورت در حقیقت اس کی ام ولد ہے اور ام ولد کو فروخت

کرنا جائز نہیں ہے۔ اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے: امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس عورت کی

بیع جائز ہو اگرچہ اس کے ساتھ بچہ ہو؛ کیونکہ مکاتب کی کمائی بالفعل موقوف ہے یعنی ابھی یہ حکم نہیں ہو سکتا کہ مکاتب اپنی کمائی کا مالک

ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کی کمائی اس کے مولیٰ کے لیے ہو جائے گی، پس اس کی کمائی

کے ساتھ ایسا حکم متعلق نہیں ہو سکتا جو قابل فسخ نہ ہو جیسے ام ولد ہونا کہ یہ فسخ کا قابل نہیں ہے۔ البتہ بچہ ساتھ ہونے یا نہ ہونے میں ہم

نے فرق کیا وہ یہ کہ اگر بچہ ساتھ ہو تو ام ولد کے لیے امتناعِ بیع کا حق ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ بچہ میں یہ حکم (امتناع بیع کا حکم) ثابت

ہو کر اس کی بناء پر بالتبع اس کی ماں میں ثابت بھی ہو گا، اور اگر بچہ کے بغیر ام ولد میں امتناعِ بیع کا یہ حق ثابت ہو تو یہ ابتداء سے مستقل

طور پر ثابت ہو گا حالانکہ قیاس اس کی نفی کرتا ہے لہٰذا بچے کے بغیر یہ حکم استحسانی ثابت نہ ہو گا بلکہ حکم قیاس باقی رہے گا کہ مکاتب اس

کو فروخت کر سکتا ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الہندیة: وَأَمَّا إِذَا مَلَكَهَا وَحْدَهَا اخْتَلَفُوا فِيهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

تَعَالَى لَا يُمْتَنَعُ مِنْ بَيْعِهَا كَذَا فِي الْمُحِيطِ وَهُوَ الصَّحِيحُ هَكَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ (الہندیة:9/5)

{8} اگر مکاتب کی خریدی ہوئی باندی سے اس کا کوئی بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گا؛ دلیل وہی ہے

جو ہم نے خریدے ہوئے بچے میں بیان کی یعنی مکاتب اگر اس کو آزاد نہیں کر سکتا تو مکاتب کر سکتا ہے پس جہاں تک ممکن ہو صلہ رحمی

واجب ہے لہٰذا اس بچے کا وہی حکم ہو گا جو مکاتب کا ہے یعنی بچہ بھی مکاتب ہو جائے گا۔

اور یہ بچہ جو کچھ کمائی کرلے وہ اس مکاتب کی ہو گی؛ کیونکہ اس بچے کی کمائی مکاتب کی کمائی کی کمائی ہے یعنی مکاتب نے یہ بچہ

کمایا اور بچے نے مال کمایا اس لیے یہ کمائی مکاتب کی ہو گی؛ کیونکہ جب تک مکاتب نے اس کے نسب کا دعویٰ نہیں کیا تھا تب تک اس کی

کمائی مکاتب کی تھی تو دعویٰ کرنے سے بھی اس کی کمائی کا مکاتب کے ساتھ اختصاص منقطع نہ ہو گا۔

---

(1) أعتقها ولدها للذم في الأشياء، (نصب الراية:353/4)

{9} اسی طرح اگر مکاتبہ باندی کا کوئی بچہ پیدا ہوا خواہ زنا سے ہو یا اپنے شوہر سے ہو تو یہ بچہ اپنی ماں کی کتابت میں داخل ہو جائے گا؛ کیونکہ کتابت کی وجہ سے بیع ممتنع ہونے کا حق اس مکاتبہ میں مؤکد طور پر ثابت ہے یعنی اس کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے تو یہ حق اس کی اولاد کی طرف بھی سرایت کرے گا کہ وہ بھی مکاتب ہو کر فروخت نہیں کی جاسکے گی جیسے مدبر ہونا اور ام ولد ہونا مؤکد طور پر ثابت حق ہے اس لیے یہ اولاد کی طرف پھیل جاتا ہے پس اسی طرح ماں کی کتابت بھی اولاد کی طرف پھیل جائے گی۔

{1} قَالَ : وَمَنْ زَوَّجَ أَمَتَهُ مِنْ عَبْدِهِ ثُمَّ كَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَلَدًا دَخَلَ فِي كِتَابَتِهَا

فرمایا: جو شخص نکاح کر دے اپنی باندی کا اپنے غلام سے، پھر دونوں کو مکاتب کر دے، پھر وہ بچہ جن لے اس سے، تو وہ داخل ہو گا ماں کی کتابت میں

وَكَانَ كَسْبُهُ لَهَا ؛ لِأَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأُمِّ أَرْجَحُ وَلِهَذَا يَتْبَعُهَا فِي الرِّقِّ وَالْحُرِّيَّةِ

اور اس کی کمائی ماں کے لیے ہو گی؛ کیونکہ ماں کی تبعیت زیادہ راجح ہے، اسی وجہ سے وہ ماں کا تابع ہوتا ہے رقیت اور حریت میں۔

{2} قَالَ : وَإِنْ تَزَوَّجَ الْمُكَاتَبُ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ امْرَأَةً زَعَمَتْ أَنَّهَا حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ بِنْتًا

فرمایا: اور اگر نکاح کیا مکاتب نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے ایسی عورت سے جو مدعی ہے کہ میں آزاد ہوں، پس اس نے بچہ جنا اس سے،

ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ فَأَوْلَادُهَا عَبِيدٌ وَلَا يَأْخُذُهُمْ بِالْقِيمَةِ ، وَكَذَلِكَ الْعَبْدُ يَأْذَنُ لَهُ

پھر وہ مستحق نکل آئی، تو اس کی اولاد مملوک ہو گی اور ان کو نہیں لے سکتا ہے قیمت سے، اور اسی طرح غلام کا حکم ہے جس کو اجازت دی ہو

الْمَوْلَى بِالتَّزْوِيجِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ . {3} وَقَالَ مُحَمَّدٌ : أَوْلَادُهَا أَحْرَارٌ بِالْقِيمَةِ؛

مولیٰ نے نکاح کرنے کا، اور یہ امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے: اس کی اولاد آزاد ہے بعوض قیمت؛

لِأَنَّهُ شَارَكَ الْحُرَّ فِي سَبَبِ ثُبُوتِ هَذَا الْحَقِّ وَهُوَ الْغُرُورُ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مَا رَغِبَ

کیونکہ وہ شریک ہے آزاد کے ساتھ اس حق کے ثبوت کے سبب میں، اور وہ سبب دھوکہ ہے، اور یہ اس لیے کہ مکاتب نے رغبت نہیں کی

فِي نِكَاحِهَا إِلَّا لِيَنَالَ حُرِّيَّةَ الْأَوْلَادِ ، {4} وَلَهُمَا أَنَّهُ مَوْلُودٌ بَيْنَ رَقِيقَيْنِ فَيَكُونُ رَقِيقًا،

اس کے نکاح میں مگر اس لیے تاکہ حاصل کرے اولاد کی آزادی۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ اولاد ہے دو رقیقوں کے درمیان، پس رقیق ہو گی،

وَهَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ الْوَلَدَ يَتْبَعُ الْأُمَّ فِي الرِّقِّ وَالْحُرِّيَّةِ، وَخَالَفْنَا هَذَا الْأَصْلَ فِي الْحُرِّ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم، وَهَذَا

اور یہ اس لیے کہ بچہ تابع ہوتا ہے ماں کا رقیت اور حریت میں، اور ہم نے ترک کر دیا اس اصل کو آزاد میں اجماع صحابہؓ سے، اور یہ

لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ لِأَنَّ حَقَّ الْمَوْلَى هُنَاكَ مَجْبُورٌ بِقِيمَةٍ نَاجِزَةٍ وَهَاهُنَا بِقِيمَةٍ مُتَأَخِّرَةٍ إِلَى مَا بَعْدَ الْعِتْقِ

اس کے معنی میں نہیں ہے؛ کیونکہ حق مولیٰ وہاں پورا کیا جاتا ہے نقد قیمت سے، اور یہاں ایسی قیمت سے جو متاخر ہوتی ہے آزادی کے بعد تک،

فَيَبْقَى عَلَى الْأَصْلِ وَلَا يَلْحَقُ بِهِ. {5} قَالَ : وَإِنْ وَطِئَ الْمُكَاتَبُ أَمَةً عَلَى وَجْهِ الْمِلْكِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْلَى

پس باقی رہے گا اصل پر، اور ملحق نہ ہوگا اس کے ساتھ۔ فرمایا: اگر وطی کی مکاتب نے کسی باندی سے ملک کے طور پر مولیٰ کی اجازت کے بغیر،

ثُمَّ اسْتَحَقَّهَا رَجُلٌ فَعَلَيْهِ الْعُقْرُ يُؤْخَذُ بِهِ فِي الْكِتَابَةِ ، وَإِنْ وَطِئَهَا عَلَى وَجْهِ النِّكَاحِ

پھر اس کا مستحق نکل آیا کوئی شخص، تو اس پر عقر واجب ہوگا، ماخوذ ہوگا اس کی وجہ سے کتابت میں، اور اگر وطی کرلی اس سے نکاح کے طور پر،

لَمْ يُؤْخَذْ بِهِ حَتَّى يُعْتَقَ {6} وَكَذَلِكَ الْمَأْذُونُ لَهُ ؛ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ ظَهَرَ

تو ماخوذ نہ ہوگا اس کی وجہ سے یہاں تک کہ آزاد ہو جائے، اور اسی طرح ماذون لہ ہے؛ اور وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ظاہر ہوا

الدَّيْنُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى لِأَنَّ التِّجَارَةَ وَتَوَابِعَهَا دَاخِلَةٌ تَحْتَ الْكِتَابَةِ ، وَهَذَا الْعُقْرُ مِنْ تَوَابِعِهَا ، لِأَنَّهُ

دَین مولیٰ کے حق میں؛ کیونکہ تجارت اور اس کے توابع داخل ہیں کتابت کے تحت، اور یہ عقر توابع تجارت سے ہے؛ اس لیے کہ

لَوْلَا الشِّرَاءُ لَمَا سَقَطَ الْحَدُّ وَمَا لَمْ يَسْقُطِ الْحَدُّ لَا يَجِبُ الْعُقْرُ . أَمَّا لَمْ يَظْهَرْ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي

اگر خرید نہ ہوتی تو ساقط نہ ہوتی حد، اور جب تک کہ ساقط نہ ہو حد واجب نہیں ہوتا ہے عقر، لیکن دَین ظاہر نہیں ہوا دوسری صورت میں؛

لِأَنَّ النِّكَاحَ لَيْسَ مِنَ الِاكْتِسَابِ فِي شَيْءٍ فَلَا تَنْتَظِمُهُ الْكِتَابَةُ كَالْكَفَالَةِ {7} قَالَ : وَإِذَا اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ جَارِيَةً شِرَاءً فَاسِدًا

کیونکہ نکاح کچھ بھی کمائی نہیں ہے پس شامل نہ ہوگی اس کو کتابت کفالت کی طرح۔ فرمایا: اور اگر خرید امکاتب نے باندی شراء فاسد کے طور پر،

ثُمَّ وَطِئَهَا فَرَدَّهَا أُخِذَ بِالْعُقْرِ فِي الْمُكَاتَبَةِ ، وَكَذَلِكَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ التِّجَارَةِ،

پھر وطی کرلی اس سے پھر واپس کر دیا اس کو، تو ماخوذ ہوگا عقر میں حالتِ کتابت میں، اسی طرح ماذون لہ غلام ہے؛ کیونکہ یہ باب تجارت سے ہے؛

فَإِنَّ التَّصَرُّفَ تَارَةً يَقَعُ صَحِيحًا وَمَرَّةً يَقَعُ فَاسِدًا ، وَالْكِتَابَةُ وَالْإِذْنُ يَنْتَظِمَانِهِ بِنَوْعَيْهِ

اس لیے کہ تصرف کبھی صحیح واقع ہوتا ہے، اور کبھی فاسد واقع ہوتا ہے، اور کتابت اور اجازت دونوں شامل ہوتی ہیں شراء کی دونوں قسموں کو،

كَالتَّوْكِيلِ فَكَانَ ظَاهِرًا فِي حَقِّ الْمَوْلَى .

توکیل کی طرح، پس دَین ظاہر ہوگا مولیٰ کے حق میں۔

تشریح:۔ {1} اگر ایک شخص نے اپنی باندی کا اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دیا پھر ان دونوں کو مکاتب کر دیا پھر اس باندی نے اس غلام سے کوئی بچہ جن لیا تو یہ بچہ اس باندی کی کتابت میں داخل ہوگا باپ کی کتابت میں داخل نہ ہوگا، اور یہ بچہ جو کچھ کمائے گا وہ اس کی ماں کے لیے ہوگا؛ کیونکہ ماں کے تابع ہونے کا پلہ بھاری ہے یہی وجہ ہے کہ آزادی یا غلامی میں بچہ اپنی ماں کا تابع ہوتا ہے یعنی اگر ماں

کسی کی مملوکہ ہو تو اس کا بچہ بھی اسی کا مملوک ہوگا اگرچہ باپ آزاد ہو، اور اگر ماں آزاد ہو تو بچہ بھی آزاد ہوگا اگرچہ باپ کسی کا غلام ہو پس آزادی وغلامی میں بچہ اپنی ماں کا تابع ہوتا ہے البتہ نسب میں باپ کا تابع ہوتا ہے۔

{2} اگر مکاتب نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو دعوی کرتی تھی کہ میں آزاد ہوں پھر مکاتب کا اس سے بچہ پیدا ہوا پھر کسی شخص نے اس عورت پر اپنا استحقاق ثابت کیا یعنی ثابت کیا کہ یہ میری باندی ہے تو اس عورت کے بچے سب اس مستحق کے غلام ہوں گے اور مکاتب اس مستحق کو ان بچوں کی قیمت دے کر بچے آزاد نہ ہوں گے۔ اسی طرح اگر غلام کو اس کے مولیٰ نے نکاح کی اجازت دی ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اگر اس نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو اپنی آزادی کا دعوی کرتی ہے پھر اس کے بچے پیدا ہوئے پھر ثابت ہوا کہ وہ کسی کی مملوکہ ہے تو اس کا مالک اس کو ان بچوں کے ساتھ لے لے گا اور مذکورہ غلام اس مستحق کو ان بچوں کی قیمت دے کر بچے آزاد نہ ہوں گے، یہ شیخین ؒ کا قول ہے۔

{3} امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ مکاتب یا غلام ان بچوں کی قیمت دے کر یہ بچے آزاد ہوں گے؛ امام محمد ؒ کی دلیل یہ ہے کہ حق آزادی کے ثابت ہونے کے سبب میں یہ غلام آزاد کا شریک ہے اور حق آزادی کا سبب دھوکا ہے، اور آزاد کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب نے اس عورت سے نکاح کی رغبت صرف اسی وجہ سے کی تھی کہ اولاد کی آزادی کی شرافت حاصل کرے، تو جیسے اگر کسی آزاد نے کسی عورت سے اس دھوکے میں نکاح کیا کہ یہ عورت آزاد ہے اور وہ آزاد ہونے کا دعوی کر رہی تھی پھر ثابت ہوا کہ وہ کسی کی باندی ہے تو اس کی اولاد بعوض قیمت آزاد ہوتی ہے؛ کیونکہ اس مرد کو دھوکا ہوا اسی طرح مکاتب کو بھی دھوکا ہوا تو یہاں آزادی کا سبب فقط دھوکا ہے اور اس سبب میں مکاتب اور آزاد دونوں یکساں شریک ہیں پس جیسے اس سبب سے آزاد کی اولاد بعوض قیمت آزاد ہوتی ہے اسی طرح مکاتب کی اولاد بھی بعوض قیمت آزاد ہوگی۔

{4} شیخین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بچے دو مملوکوں میں سے پیدا ہوئے ہیں پس یہ بچے بھی مملوک ہوں گے اور یہ اس وجہ سے کہ اصل یہ قرار پائی کہ بچہ اپنی آزادی اور غلامی میں اپنی ماں کا تابع ہوتا ہے، البتہ اگر مرد آزاد ہو اور اس نے دھوکہ کھایا تو ہم اس اصل کے خلاف کہتے ہیں یعنی اس صورت میں بچہ ماں کا تابع نہ ہوگا؛ کیونکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے[1]، اور یہاں مکاتب اور غلام کا حال آزاد کی طرح نہیں ہے کہ ان دونوں کو آزاد کے ساتھ اس حکم میں شامل کیا جائے؛ کیونکہ آزاد کی صورت میں باندی کے مولیٰ کا جو کچھ حق اس اولاد میں ہوتا ہے وہ تو نقد قیمت دے کر پورا کر دیا جاتا ہے اور یہاں مکاتب اور غلام کی صورت میں اس حق کے عوض

---

([1]) وإجماع الصحابة على أن ولد المغرور حر بالقيمة، لقدم في الدعوى. (نصب الراية: 353/4)

ایسی قیمت مل سکتی ہے جو مکاتب اور غلام کے آزاد ہو جانے کے بعد ادا ہو گی، پس یہ صورت اس کے معنی میں نہ ہوئی لہٰذا یہاں اصل قیاس کے موافق حکم رہے گا کہ اولاد ماں کی تابع ہو گی لہٰذا یہ بچے دھوکہ شدہ آزاد شخص کے بچوں کے ساتھ لاحق نہ ہوں گے۔

فتویٰ: شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: و اعلم انی لم اجد الترجیح من اہلہ صراحۃً الا أن أكثر المتون اكتفوا بقولهما و ظاهر الشراح أيضاً الميل الى قولهما بالتاخير او بقوة الدليل والله اعلم بالصواب(ہامش الہدایۃ: 324/3)

{5} اگر مکاتب نے صحیح طریقہ سے کوئی باندی خریدی اور اس کا مالک ہو کر اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ وطی کر لی پھر ایک شخص نے اس باندی پر اپنا استحقاق ثابت کر کے لے لی تو مکاتب پر اس وطی کا عقر (عوضِ وطی) واجب ہو گا جس کے ادا کے لیے اسی حالتِ کتابت میں وہ ماخوذ ہو گا یعنی آزادی تک مہلت نہیں دی جائے گی، اور اگر بطورِ نکاح کے مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے وطی کی ہو تو مہر کے لیے فی الحال ماخوذ نہ ہو گا جب تک کہ آزاد نہ ہو۔

{6} اور اگر مکاتب کے بجائے ماذون غلام ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، حاصل یہ کہ خرید کی وطی اور نکاح کی وطی میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ خرید کی وطی کی صورت میں مستحق کا دَین مولیٰ کے حق میں ظاہر ہو گا؛ کیونکہ تجارت اپنے توابع کے ساتھ عقدِ کتابت کے تحت میں داخل ہے اور یہ عقر بھی تجارت کے توابع میں سے ہے؛ کیونکہ اگر خرید نہ ہوتی تو اس کے ذمہ سے حدِ زنا ساقط نہ ہوتی اور جب تک حدِ زنا ساقط نہیں ہوتی تب تک عقر واجب نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہ عقدِ کتابت کے تحت داخل ہے اس لیے مولیٰ کے حق میں ظاہر ہو گا، اور نکاح کی صورت میں دَینِ مہر مولیٰ کے حق میں ظاہر نہ ہو گا؛ کیونکہ نکاح کرنا کمائی میں سے نہیں ہے تو عقدِ کتابت اس کو شامل نہ ہو گا لہٰذا یہ مہر اس کی آزادی تک مؤخر ہو گا، جیسے عقدِ کتابت کفالت کرنے کو شامل نہیں ہے چنانچہ اگر مکاتب نے کسی شخص کی مالی کفالت قبول کر لی تو فی الحال اس سے مال کا مطالبہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آزاد نہ ہو جائے؛ کیونکہ یہ عقدِ کتابت میں داخل نہیں ہے۔

{7} اگر مکاتب نے کوئی باندی فاسد طریقہ پر خرید لی اور اس کے ساتھ وطی کر لی، پھر اس کو واپس کر دیا تو حالتِ کتابت میں اس کے عقر کے لیے وہ ماخوذ ہو گا، اور ماذون غلام کا بھی اس صورت میں یہی حکم ہے یعنی وہ بھی بالفعل ماخوذ ہو گا؛ کیونکہ فاسد خریداری بھی بابِ تجارت میں سے ہے؛ اس لیے کہ تصرف کبھی صحیح واقع ہوتا ہے اور کبھی فاسد ہوتا ہے، اور مکاتب کرنا اور تجارت کی اجازت دینا تصرف کی دونوں قسموں کو شامل ہے یعنی صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہیں جیسے وکیل کرنے میں ہوتا ہے یعنی وکیلِ مطلق کو تصرفِ صحیح اور تصرفِ فاسد دونوں کا اختیار ہوتا ہے تو جب مکاتب اور ماذون غلام دونوں کو فاسد خرید کا بھی اختیار ہے تو گویا مولیٰ نے

اس کی اجازت دی ہے پس یہ تاوان (دَینِ عقر) مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہوگا اس لیے دورانِ کتابت اس عقر کے لیے مکاتب ماخوذ ہوگا۔

## فَصْلٌ

### یہ فصل چند متفرق مسائل کے بیان میں ہے۔

اس فصل کے مسائل چونکہ فصلِ اول کے مسائل کی ایک اور نوع ہے اس لیے مصنفؒ نے اس کو مستقل فصل کا عنوان دیا۔

{1}قَالَ :وَإِذَا وَلَدَتِ الْمُكَاتَبَةُ مِنَ الْمَوْلَى فَهِيَ بِالْخِيَارِ،إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ،وَإِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا،
فرمایا: اور اگر بچہ جن لیا مکاتبہ نے مولیٰ سے، تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری کرے کتابت، اور اگر چاہے تو خود کو عاجز کردے

وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ؛ لِأَنَّهَا تَلَقَّتْهَا جِهَتَا حُرِّيَّةٍ عَاجِلَةٌ بِبَدَلٍ وَآجِلَةٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ فَتُخَيَّرُ بَيْنَهُمَا،
اور ام ولد ہو جائے اس کی؛ کیونکہ اس کو حاصل ہو گئیں دو جہتِ آزادی، فی الفور بدل سے، اور مؤخر بغیر بدل کے، پس وہ مختار ہے دونوں میں،

{2}وَنَسَبُ وَلَدِهَا ثَابِتٌ مِنَ الْمَوْلَى وَهُوَ حُرٌّ؛لِأَنَّ الْمَوْلَى يَمْلِكُ الْإِعْتَاقَ فِي وَلَدِهَا وَمَا لَهُ مِنَ الْمِلْكِ يَكْفِي
اور اس کے بچے کا نسب مولیٰ سے ہوگا، اور وہ آزاد ہوگا؛ کیونکہ مولیٰ مالک ہے اعتاق کا اس کے بچے میں، اور اس کو جو ملک حاصل ہے وہ کافی ہے

لِصِحَّةِ الِاسْتِيلَادِ بِالدَّعْوَةِ .{3}وَإِذَا مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ أَخَذَتِ الْعُقْرَ مِنْ مَوْلَاهَا لِاخْتِصَاصِهَا بِنَفْسِهَا
صحتِ استیلاد کے لیے دعویٰ سے، اور اگر اس نے پوری کی کتابت تو وہ لے لے گی عقر اپنے مولیٰ سے؛ بوجہ اس کے اختصاص کے اپنی ذات

وَبِمَنَافِعِهَا عَلَى مَا قَدَّمْنَا .ثُمَّ إِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ بِالِاسْتِيلَادِ وَسَقَطَ عَنْهَا بَدَلُ الْكِتَابَةِ،
اور اپنے منافع کے ساتھ جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر چکے، پھر اگر مر گیا مولیٰ تو وہ آزاد ہو گی استیلاد سے اور ساقط ہو جائے گا اس سے بدلِ کتابت،

{4}وَإِنْ مَاتَتْ هِيَ وَتَرَكَتْ مَالًا تُؤَدَّى مِنْهُ مُكَاتَبَتُهَا وَمَا بَقِيَ مِيرَاثٌ لِابْنِهَا جَرْيًا
اور اگر وہ مر گئی اور چھوڑ دیا مال کو تو ادا کیا جائے گا اس سے اس کا بدلِ کتابت اور جو باقی بچے وہ میراث ہے اس کے بچے کے لیے؛ چلتے ہوئے

عَلَى مُوجَبِ الْكِتَابَةِ،وَإِنْ لَمْ تَتْرُكْ مَالًا فَلَا سِعَايَةَ عَلَى الْوَلَدِ لِأَنَّهُ حُرٌّ ، وَلَوْ وَلَدَتْ وَلَدًا آخَرَ لَمْ يَلْزَمِ الْمَوْلَى
موجبِ کتابت پر، اور اگر نہیں چھوڑا مال تو سعایت نہیں ہے بچے پر؛ کیونکہ وہ آزاد ہے۔ اور اگر اس نے جن لیا دوسرا بچہ تو وہ لازم نہ ہوگا مولیٰ کو،

إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ لِحُرْمَةِ وَطْئِهَا عَلَيْهِ ، فَلَوْ لَمْ يَدَّعِ وَمَاتَتْ مِنْ غَيْرِ
مگر یہ کہ وہ دعویٰ کرے؛ بوجہ حرام ہونے کے اس سے وطی کرنا اس پر، پس اگر اس نے دعویٰ نہیں کیا، اور وہ مر گئی بغیر اس کے کہ

وَفَاءٍ سَعَى هَذَا الْوَلَدُ لِأَنَّهُ مُكَاتَبٌ تَبَعًا لَهَا ، فَلَوْ مَاتَ الْمَوْلَى بَعْدَ ذَلِكَ

بدلِ کتابت ادا کرنے کے بقدر مال چھوڑدے تو کمائی کرے گا یہ بچہ؛ کیونکہ وہ مکاتب ہے ماں کا تابع ہو کر، پس اگر مر گیا مولیٰ اس کے بعد،

عَتَقَ وَبَطَلَ عَنْهُ السِّعَايَةُ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ أُمِّ الْوَلَدِ إِذْ هُوَ وَلَدُهَا فَيَتْبَعُهَا.

تو وہ آزاد ہو گا اور باطل ہو گی دوسرے بچے سے سعایت؛ کیونکہ وہ بمنزلہ ام ولد کے ہے؛ کیونکہ یہ اس کا بچہ ہے، پس تابع ہو گا اسی کا۔

{5} قَالَ : وَإِذَا كَاتَبَ الْمَوْلَى أُمَّ وَلَدِهِ جَازَ ؛ لِحَاجَتِهَا إِلَى اسْتِفَادَةِ الْحُرِّيَّةِ قَبْلَ مَوْتِ الْمَوْلَى

فرمایا: اور اگر مکاتب بنادیا مولیٰ نے اپنی ام ولد کو، تو یہ جائز ہے؛ بوجہ اس کے محتاج ہونے کے آزادی حاصل کرنے کو مولیٰ کی موت سے پہلے،

وَذَلِكَ بِالْكِتَابَةِ ، وَلَا تَنَافِيَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُ تَلَقَّتْهَا جِهَتَا حُرِّيَّةٍ{6} فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ

اور یہ کتابت سے ہو گا، اور منافات نہیں ان دونوں میں؛ کیونکہ حاصل ہو گئیں اس کو دو جہت آزادی۔ پس اگر اگر مر گیا مولیٰ، تو وہ آزاد ہو گی

بِالِاسْتِيلَادِ ؛ لِتَعَلُّقِ عِتْقِهَا بِمَوْتِ السَّيِّدِ ، وَسَقَطَ عَنْهَا بَدَلُ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّ الْغَرَضَ مِنْ إِيجَابِ الْبَدَلِ

استیلاد سے؛ اس کی آزادی کے متعلق ہونے کی وجہ سے مولیٰ کی موت سے، اور ساقط ہو گیا اس سے بدلِ کتابت؛ کیونکہ بدل واجب کرنے سے غرض

الْعِتْقُ عِنْدَ الْأَدَاءِ ، فَإِذَا عَتَقَتْ قَبْلَهُ لَمْ يُمْكِنْ تَوْفِيرُ الْغَرَضِ عَلَيْهِ فَسَقَطَ

آزادی ہے ادا کرنے کے وقت، پس جب وہ آزاد ہو گئی ادا کرنے سے پہلے تو ممکن نہیں پورا حاصل ہونا غرض کا مولیٰ کو، پس ساقط ہو گیا بدل

وَبَطَلَتِ الْكِتَابَةُ لِامْتِنَاعِ إِبْقَائِهَا بِغَيْرِ فَائِدَةٍ ،{7} غَيْرَ أَنَّهُ تُسَلَّمُ لَهَا الْأَكْسَابُ وَالْأَوْلَادُ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ

اور باطل ہو گئی کتابت بے فائدہ اس کو باقی رکھنے کے امتناع کی وجہ سے، البتہ سپرد کر دی جائے گی اس کو اس کی کمائی اور اولاد؛ کیونکہ کتابت

انْفَسَخَتْ فِي حَقِّ الْبَدَلِ وَبَقِيَتْ فِي حَقِّ الْأَكْسَابِ وَالْأَوْلَادِ ، لِأَنَّ الْفَسْخَ لِنَظَرِهَا وَالنَّظَرُ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ.

فسخ ہو گئی بدل کے حق میں اور باقی ہے اولاد اور کمائی کے حق؛ کیونکہ فسخ ان کی رعایت کے لیے ہے، اور رعایت اس میں ہے جو ہم ذکر کر چکے

{8} وَلَوْ أَدَّتِ الْمُكَاتَبَةُ قَبْلَ مَوْتِ الْمَوْلَى عَتَقَتْ بِالْكِتَابَةِ لِأَنَّهَا بَاقِيَةٌ .قَالَ : وَإِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهُ

اور اگر ادا کر دیا مکاتبہ نے مولیٰ کی موت سے پہلے تو آزاد ہو جائے گی کتابت کی وجہ سے؛ کیونکہ کتابت باقی ہے۔ فرمایا: اور اگر مکاتبہ کیا اپنی مدبرہ کو

جَازَ ؛ لِمَا ذَكَرْنَا مِنَ الْحَاجَةِ وَلَا تَنَافِيَ ، إِذِ الْحُرِّيَّةُ غَيْرُ ثَابِتَةٍ ، وَإِنَّمَا الثَّابِتُ مُجَرَّدُ الِاسْتِحْقَاقِ

تو جائز ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے یعنی حاجت، اور منافات نہیں ہے؛ اس لیے کہ حریت ثابت نہیں، بلکہ ثابت فقط استحقاق ہے۔

تشریح:۔{1} اگر مکاتبہ اپنے مولیٰ سے بچہ جن گئی تو اس کو اختیار ہے چاہے عقدِ کتابت کو پورا کر دے اور چاہے اپنے نفس کو عاجز کر کے اس کی ام ولد ہو جائے؛ کیونکہ اس کو آزاد ہونے کے دو طریقے حاصل ہوئے، ایک کتابت کا طریقہ ہے کہ عوض کتابت

ادا کر کے بالفعل آزاد ہو جائے، اور دوسرا یہ ام ولد ہونے کا طریقہ کہ بغیر عوض کے مولیٰ کی موت پر آزاد ہو جائے تو اس کو ان دونوں طریقوں کا اختیار ہو گا پس وہ جس طریقہ کو چاہے اختیار کر دے۔

{2} مکاتبہ کے بچے کا نسب مولیٰ سے ثابت ہو گا اور وہ آزاد ہو گا؛ کیونکہ مولیٰ نسب کا دعویٰ کیے بغیر قصداً اس کے بچے کو آزاد کر سکتا ہے تو بچے کے نسب کا دعویٰ کر کے دعویٰ نسب کے ضمن میں آزاد کرنے کا بھی مالک ہو گا اس لیے یہ بچہ آزاد ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ مولیٰ کی مِلک تو مکاتبہ میں ناقص ہے لہٰذا دعویٰ نسب صحیح نہ ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ مولیٰ کو مکاتبہ میں جو کچھ ملکیت حاصل ہے وہ دعویٰ کے ذریعہ صحتِ استیلاد کے لیے کافی ہے اس لیے دعویٰ نسب صحیح ہے اور بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

{3} اگر مکاتبہ نے کتابت پوری کرنا چاہی تو اپنے مولیٰ سے اپنا عقر (مہر مثل) وصول کر لے گی؛ کیونکہ مذکورہ مکاتبہ اپنی ذات اور اپنے منافع کے ساتھ مختص ہے چنانچہ ہم سابق میں کتابتِ فاسدہ میں بیان کر چکے کہ مکاتبہ اپنے اجزاء کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ پھر اگر بدلِ کتابت ادا کرنے سے پہلے اس کا مولیٰ مر گیا تو وہ ام ولد ہونے کی بنا پر آزاد ہو جائے گی اور بدلِ کتابت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

{4} اور اگر مولیٰ سے پہلے وہ خود مر گئی اور اس نے کچھ مال چھوڑا تو اس مال سے اس کا بدلِ کتابت ادا کر دیا جائے گا اور جو کچھ باقی بچے وہ اس کے بیٹے کے لیے میراث ہو گا اور اس طرح مقتضاءِ کتابت پر چلنے کے لیے کیا، اور اگر اس نے کچھ مال نہ چھوڑا ہو تو اس کے بیٹے پر کمائی کی مشقت نہ ہو گی؛ کیونکہ وہ آزاد ہے۔

اگر مذکورہ مکاتبہ اس کے بعد دوسرا بچہ جن گئی تو یہ دوسرا بچہ مولیٰ کے ذمہ لازم نہ ہو گا مگر اس صورت میں لازم ہو گا کہ مولیٰ اس کا دعویٰ کرے؛ کیونکہ ام ولد کے بیٹے کا نسب سکوت سے اس وقت ثابت ہوتا ہے کہ مولیٰ پر اس کے ساتھ وطی کرنا حرام نہ ہو جبکہ یہاں بقاءِ کتابت کی وجہ سے مذکورہ مکاتبہ کے ساتھ وطی کرنا مولیٰ پر حرام ہے اس لیے بلا دعویٰ محض سکوت سے اس بچے کا نسب ثابت نہ ہو گا۔ پھر اگر مولیٰ نے اس دوسرے بچے کے نسب کا دعویٰ نہیں کیا اور مذکورہ مکاتبہ اس حالت میں مر گئی کہ اس نے بدلِ کتابت ادا کرنے کے بقدر مال نہیں چھوڑا، تو یہ دوسرا بچہ بدلِ کتابت کے لیے کمائی کرے گا؛ کیونکہ وہ اپنی ماں کی تبعیت میں مکاتب ہے لہٰذا اس کا بدلِ کتابت وہ قسطوں کے مطابق ادا کرے گا۔ پھر اگر مکاتبہ کی موت کے بعد اور بدلِ کتابت ادا کرنے سے پہلے مولیٰ مر گیا تو یہ بچہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے ذمہ سے کمائی کی مشقت ساقط ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ بچہ بمنزلہ ام ولد ہے؛ کیونکہ وہ ام ولد کا بچہ ہے تو اسی کا تابع ہو گا یعنی جیسا کہ ام ولد پر مولیٰ کی موت کے بعد سعایت نہیں ہے تو اس کے بچے پر بھی نہ ہو گی۔

{5} اگر مولی نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ مولی کی موت سے پہلے آزادی حاصل ہونے کی وہ محتاج ہے یعنی اگر وہ مولی کی موت سے پہلے بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جائے تو اس کے حق میں بہتر ہے اور یہ بات کتابت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، اور ام ولد ہونے اور مکاتبہ ہونے میں منافات بھی نہیں ہے؛ کیونکہ یہ آزادی کی دو طریقے ہیں ایک فی الحال بدل کتابت کے عوض اور دوسرا مولی کی موت کے بعد بلا عوض ہے، پس اس نے ان دونوں طریقوں کو پالیا اس لیے ہر ایک صحیح ہے۔

{6} پھر اگر مولی مر گیا تو وہ ام ولد ہونے کی وجہ سے آزاد ہو جائے گی؛ کیونکہ مولی کے مرنے پر اس کی آزادی معلق تھی اس لیے مولی کے مرنے پر وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور بدلِ کتابت اس کے ذمہ سے ساقط ہو گا؛ کیونکہ عوض واجب کرنے سے غرض یہ تھی کہ اس کے ادا کرنے کے وقت آزادی حاصل ہو جائے اور جب اس کے ادا کرنے سے پہلے آزادی حاصل ہو گئی تو اب مال کی ادائیگی سے اس غرض کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے بدلِ کتابت ساقط ہو گا، اور کتابت باطل ہو گئی؛ کیونکہ بے فائدہ اس کو باقی رکھنا ممکن نہیں ہے۔

{7} البتہ اتنی بات ہے کہ مذکورہ ام ولد کو اس کی کمائیاں اور اس کی وہ اولاد جو اس نے حالتِ کتابت میں خریدی ہے اس کو ہبہ کر دی جائے گی؛ کیونکہ بدل کے حق میں ام ولد کی کتابت فسخ ہو گئی ہے اور اس کی خریدی ہوئی اولاد اور اس کی کمائی کے حق میں باقی ہے؛ کیونکہ کتابت کا فسخ کر دینا تو مذکورہ ام ولد کی رعایت کے لیے تھا اور اس کی رعایت اسی میں ہے جو ہم نے بیان کیا یعنی ام ولد کے حق میں کتابت فسخ ہو جائے اور اس کی اولاد اور کمائی کے حق میں باقی رہے؛ کیونکہ اگر اولاد اور کمائی کے حق میں بھی کتابت فسخ ہو جائے تو یہ اولاد اور کمائی مولی کے وارثوں کی ملک میں چلی جائے گی جس میں ان کی کوئی رعایت نہیں ہے اس لیے اولاد اور کمائی کے حق میں کتابت نافذ ہو گی۔

{8} اگر مولی کی موت سے پہلے اس نے مال کتابت ادا کر دیا تو کتابت کی راہ سے وہ آزاد ہو جائے گی؛ کیونکہ کتابت ابھی تک باقی ہے۔ اور اگر مولی نے اپنی مدبرہ باندی کو مکاتبہ کر دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ ہم نے بیان کر دیا کہ اس کو آزادی حاصل ہونے کی حاجت ہے اور کتابت آزادی کی ایک راہ ہے اس لیے یہ جائز ہے، اور مدبرہ اور مکاتبہ ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے؛ کیونکہ مدبرہ ہونے سے اس کو آزادی بالفعل حاصل نہیں ہے بلکہ فقط استحقاقِ آزادی ہے کہ مولی کی موت کے بعد آزاد ہو گی، لہذا مدبرہ مکاتبہ ہو سکتی ہے۔

{1} وَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهَا فَهِيَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ أَنْ تَسْعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا

اور اگر مر گیا مولی حالانکہ اس کا کوئی مال نہیں مدبرہ کے علاوہ، تو اس کو اختیار ہے اس میں کہ سعایت کرے اپنی دو ثلث قیمت میں

أَوْ جَمِيعِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: تَسْعَى فِي أَقَلِّ مِنْهُمَا.

یا پورے مال کتابت میں، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: سعایت کرے گی دونوں میں سے کم میں،

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : تَسْعَى فِي الْأَقَلِّ مِنْ ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا وَثُلُثَيْ بَدَلِ الْكِتَابَةِ ،{2} فَالْخِلَافُ فِي الْخِيَارِ
اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ سعایت کرے گی اپنی قیمت کے دو ثلث اور بدل کتابت کے دو ثلث میں سے کم میں، پس اختلاف اختیار

وَالْمِقْدَارِ ، فَأَبُو يُوسُفَ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْمِقْدَارِ ، وَمَعَ مُحَمَّدٍ فِي نَفْيِ الْخِيَارِ .{3} أَمَّا الْخِيَارُ
اور مقدار دونوں میں ہے، پس امام ابو یوسفؒ امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں مقدار میں، اور امام محمدؒ کے ساتھ ہیں نفی خیار میں۔ بہر حال اختیار

فَفَرْعُ تَجَزُّؤِ الْإِعْتَاقِ عِنْدَهُ لَمَّا تَجَزَّأَ بَقِيَ الثُّلُثَانِ رَقِيقًا وَقَدْ تَلَقَّتْهَا
تو وہ فرع ہے اعتاق کے متجزی ہونے کی، اور اعتاق امام صاحبؒ کے نزدیک جب ٹکڑے ہوتا ہے تو باقی رہے دو ثلث رقیق، اور اس کو حاصل ہیں

جِهَتَا حُرِّيَّةٍ بِبَدَلَيْنِ مُعَجَّلٌ بِالتَّدْبِيرِ وَمُؤَجَّلٌ بِالْكِتَابَةِ فَتُخَيَّرُ .{4} وَعِنْدَهُمَا
دو جہت حریت کی دو بدلوں کے عوض، ایک معجل تدبیر سے، اور دوسری مؤجل کتابت سے، پس اسے اختیار ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک

لَمَّا عَتَقَ كُلُّهَا بِعِتْقِ بَعْضِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ وَجَبَ عَلَيْهَا أَحَدُ الْمَالَيْنِ فَتَخْتَارُ الْأَقَلَّ لَا مَحَالَةَ
جب آزاد ہوا اس کا کل اس کے بعض کی آزادی سے، تو وہ آزاد ہوگی، اور واجب ہوگا اس پر دو بدلوں میں سے ایک، تو وہ اختیار کرے گی اقل لامحالہ،

فَلَا مَعْنَى لِلتَّخْيِيرِ .وَأَمَّا الْمِقْدَارُ فَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ قَابَلَ الْبَدَلَ بِالْكُلِّ وَقَدْ سُلِّمَ لَهَا الثُّلُثُ بِالتَّدْبِيرِ
پس کوئی معنی نہیں اختیار دینے کا۔ رہی مقدار تو امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے مقابل کیا بدل کو کل کے، حالانکہ مل گیا اس کو ایک ثلث تدبیر سے،

فَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَجِبَ الْبَدَلُ بِمُقَابَلَتِهِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ سُلِّمَ لَهَا الْكُلُّ بِأَنْ خَرَجَتْ مِنَ الثُّلُثِ
تو محال ہے واجب ہونا بدل کا اس کے مقابلے میں، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اگر حاصل ہوتا اس کو کل، بایں طور کہ وہ نکل آتی ثلث سے،

يَسْقُطُ كُلُّ بَدَلِ الْكِتَابَةِ فَهُنَا يَسْقُطُ الثُّلُثُ وَصَارَ كَمَا إِذَا تَأَخَّرَ التَّدْبِيرُ عَنِ الْكِتَابَةِ .{5} وَلَهُمَا أَنَّ
تو ساقط ہوتا کل بدل کتابت، پس یہاں ساقط ہو جائے گا ثلث، پس ہو گیا جیسا کہ جب مؤخر ہو تدبیر کتابت سے۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے

جَمِيعَ الْبَدَلِ مُقَابَلٌ بِثُلُثَيْ رَقَبَتِهَا فَلَا يَسْقُطُ مِنْهُ شَيْءٌ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْبَدَلَ وَإِنْ قُوبِلَ بِالْكُلِّ
کہ کل بدل مقابل ہے اس کے دو ثلث رقبہ کے، پس ساقط نہ ہوگا اس میں سے کچھ، اور یہ اس لیے کہ بدل اگرچہ مقابل کیا گیا ہے کل کے

صُورَةً وَصِيغَةً لَكِنَّهُ مُقَيَّدٌ بِمَا ذَكَرْنَا مَعْنًى وَإِرَادَةً لِأَنَّهَا اسْتَحَقَّتْ حُرِّيَّةَ الثُّلُثِ ظَاهِرًا ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ
صورۃً اور لفظاً، لیکن وہ مقید ہے اس کے ساتھ جو ہم ذکر کر چکے معنیً اور ارادۃً؛ کیونکہ وہ مستحق ہو چکی حریت ثلث کی ظاہراً، اور ظاہر ہے کہ

الْإِنْسَانَ لَا يَلْتَزِمُ الْمَالَ بِمُقَابَلَةِ مَا يَسْتَحِقُّ حُرِّيَّتَهُ وَصَارَ كَمَا إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثِنْتَيْنِ

نہیں کرتا ہے مال کا اس کے مقابلے میں جس کی حریت کا مستحق ہو چکا ہے، اور ہو گیا یہ جیسا کہ جب طلاق دے اپنی بیوی کو دو،
ثُمَّ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا عَلَى أَلْفٍ كَانَ جَمِيعُ الْأَلْفِ بِمُقَابَلَةِ الْوَاحِدَةِ الْبَاقِيَةِ لِدَلَالَةِ الْإِرَادَةِ ، كَذَا هَاهُنَا ، بِخِلَافِ مَا
پھر تین طلاق دے اس کو ہزار پر تو ہوں گے پورے ہزار باقی ایک کے مقابلے میں: بدلالت ارادہ، اسی طرح یہاں ہے، برخلاف اس کے
إِذَا تَقَدَّمَتِ الْكِتَابَةُ وَهِيَ الْمَسْأَلَةُ الَّتِي تَلِيهِ لِأَنَّ الْبَدَلَ مُقَابَلٌ بِالْكُلِّ إِذْ لَا اسْتِحْقَاقَ
جب مقدم ہو کتابت، اور یہی وہ مسئلہ ہے جو اس کے متصل آرہا ہے؛ کیونکہ بدل مقابل ہے کل کے؛ اس لیے کہ استحقاق نہیں ہے
عِنْدَهُ فِي شَيْءٍ فَافْتَرَقَا{6} قَالَ : وَإِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهُ صَحَّ التَّدْبِيرُ ، لِمَا
کتابت کے وقت میں کسی شئی میں، پس دونوں میں فرق ہو گیا۔ فرمایا: اور اگر مدبر کیا اپنی مکاتبہ کو، تو صحیح ہے تدبیر؛ اس دلیل کی وجہ سے
بَيَّنَّا، وَلَهَا الْخِيَارُ ، إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ ، وَإِنْ شَاءَتْ عَجَزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً ؛ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ
جو ہم بیان کر چکے، اور اس کا اختیار ہے، اگر چاہے تو چلے کتابت پر، اور اگر چاہے تو عاجز کر دے خود کو، اور ہو جائے مدبرہ؛ کیونکہ کتابت
لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ فِي جَانِبِ الْمَمْلُوكِ ،{7} فَإِنْ مَضَتْ عَلَى كِتَابَتِهَا فَمَاتَ الْمَوْلَى وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهَا
لازم نہیں ہے مملوک کی جانب میں، پس اگر وہ چلی اپنی کتابت پر، اور مر گیا مولیٰ، اور اس کے لیے کوئی مال نہیں اس کے علاوہ،
فَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِي ثُلُثَيْ مَالِ الْكِتَابَةِ أَوْ ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا:
تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو سعایت کرے دو ثلث مال کتابت میں، یا اپنی دو ثلث قیمت میں امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں:
تَسْعَى فِي الْأَقَلِّ مِنْهُمَا ، فَالْخِلَافُ فِي هَذَا الْفَصْلِ فِي الْخِيَارِ بِنَاءً عَلَى مَا ذَكَرْنَا .أَمَّا الْمِقْدَارُ فَمُتَّفَقٌ عَلَيْهِ،
سعایت کرے دونوں میں سے اقل میں، پس اختلاف اس صورت میں خیار میں ہے اس بناء پر جو ہم ذکر کر چکے ہیں، مقدار تو وہ متفق علیہ ہے،

وَوَجْهُهُ مَا بَيَّنَّا .

اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے۔

تشریح: {1} اگر مولیٰ مر گیا اور اس مدبرہ کے علاوہ جس کو اس نے مکاتبہ کیا ہے اس کا اور کوئی مال نہیں ہے تو اس مدبرہ مکاتبہ کو اختیار ہے کہ چاہے اپنی دو تہائی قیمت کے لیے سعایت کرے، اور چاہے پورا مالِ کتابت کما کے دیدے، یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو کم ہو اسی کو کما کر کے دیدے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اپنی قیمت کی دو تہائی سے اور بدلِ کتابت کی دو تہائی میں سے جو کم ہو اسی کو کما کر کے دیدے۔

{2} پس تینوں ائمہ کے درمیان اختلاف مدبرہ کے مختار ہونے اور مقدار دونوں باتوں میں ہے، پس مقدار کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے یعنی امام ابو یوسفؒ نے بھی پورا مال کتابت کمانے کا کہا ہے۔ اور مختار نہ ہونے میں امام ابو یوسفؒ کا قول امام محمدؒ کے ساتھ ہے کہ تہائی دے گی جو کم ہو دونوں میں سے کسی ایک کا اختیار نہیں ہے۔

{3} پس خیار کے بارے میں کلام تو اس بات کی فرع ہے کہ اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں تو مدبرہ کا ایک تہائی رقبہ تو آزاد ہوا اور دو تہائی رقبہ مملوک رہ گیا اور اس کو آزادی کی دو راہیں اور دونوں کے عوض حاصل ہیں، ایک راہ فی الحال مدبرہ ہونے کے ذریعہ سے ہے؛ کیونکہ اس کا مولی مر چکا ہے، اور دوسری راہ میعادی ہے یعنی ہونے کے ذریعہ سے ہے کہ بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو، پس اس کو ان دونوں راہوں کا اختیار حاصل ہوگا۔

{4} اور صاحبینؒ کے نزدیک جب اعتاق کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں تو بعض حصہ (ایک ثلث) کے آزاد ہونے سے وہ کل آزاد ہو گئی اس لیے اب وہ ایک آزاد عورت ہے اور اس پر دونوں عوضوں (بدلِ کتابت اور قیمت) میں سے ایک واجب ہے تو وہ لازمی طور پر دونوں میں سے کم مقدار کو اختیار کرے گی تو یہاں اسے اختیار دینے کا کوئی معنی نہیں ہے اس لیے صاحبینؒ کے نزدیک وہ مختار نہ ہوگی۔

باقی مقدار کے بارے میں امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولی نے پورے بدلِ کتابت کو کل مدبرہ کے مقابل کیا اور حال یہ کہ مدبرہ کو ایک تہائی بدل مدبرہ ہونے کی وجہ سے مفت مل گیا تو اس تہائی کے مقابلہ میں عوض واجب ہونا محال ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا کل رقبہ اس کو مل جاتا بایں طور کہ مولی کے ترکہ کے ثلث سے مذکورہ مدبرہ کل آتی تو کل بدلِ کتابت ساقط ہو جاتا، تو یہاں جب مولی کا کل ترکہ بھی باندی ہے تو اس کا تہائی بدلِ کتابت ساقط ہو جائے گا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے مدبرہ کرنا مکاتبہ کرنے کے بعد واقع ہو کہ اس صورت میں بالاتفاق یہی ہوتا ہے کہ تہائی بدلِ کتابت ساقط ہو جائے گا چنانچہ آئندہ مسئلہ آتا ہے۔

{5} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تمام بدلِ کتابت اس کے دو تہائی رقبہ کے مقابلے میں ہے لہٰذا اس میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اور یہ جو ہم نے کہا کہ تمام بدلِ کتابت اس کے دو تہائی رقبہ کے مقابلے میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بدلِ کتابت کا مقابلہ اگرچہ صورت اور صیغہ کے اعتبار سے کل رقبہ کے ساتھ واقع ہوا ہے؛ کیونکہ اس نے "كَاتَبْتُكِ" کہا ہے جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ بدلِ کتابت کل رقبہ کے مقابلہ میں ہے، لیکن معنی اور ارادہ کے اعتبار سے وہ اسی مقدار کے ساتھ مقید ہے جو ہم نے کہا یعنی کہ بدلِ کتابت دو تہائی رقبہ کے مقابلہ میں ہے؛ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ وہ مدبرہ ہونے کی وجہ سے ایک تہائی آزادی کی مفت مستحق ہو چکی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس قدر حصہ کی آزادی کا استحقاق ہو جائے اس کے مقابلہ میں آدمی اپنے اوپر مال لازم نہیں کرتا ہے اس لیے تمام بدلِ

کتابت اس کے دو تہائی رقبہ کے مقابلہ میں ہو گا، اور یہ معاملہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں پھر اس کے بعد ہزار درہم پر اس کو تین طلاقیں دیدیں تو پورے ہزار درہم باقی ایک طلاق کے مقابلے میں ہوں گے؛ کیونکہ اس کا ارادہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ پورے ہزار درہم اس ایک طلاق کے مقابلے میں ہیں ایسا ہی یہاں پر بھی پورا بدلِ کتابت اس کے دو تہائی رقبہ کے مقابلے میں ہو گا۔ باقی امام محمدؒ کا اس کو اس صورت پر قیاس کرنا کہ کتابت تدبیر سے پہلے واقع ہو درست نہیں ہے اور یہی آئندہ مسئلہ ہے جو متصل آرہا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں پورا بدل کل رقبہ کے مقابلے میں ہے اس لیے کہ اس کے لیے کتابت کے وقت تدبیر سے پہلے آزادی کا کچھ استحقاق ثابت نہیں ہے یوں دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہو گیا پس اگر کتابت بعد میں واقع ہو تو اس کو متقدم کتابت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الھندیة: وَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى ، وَلَا مَالَ غَيْرُهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ أَنْ تَسْعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا أَوْ جَمِيعِ مَالِ الْكِتَابَةِ ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الصَّحِيحُ (الھندیة: 11/5)

{6} اگر مولیٰ نے اپنی مکاتبہ کو مدبرہ کر دیا تو مدبر کرنا صحیح ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ اس کو آزادی کی دو راہیں حاصل ہو گئیں اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے صحیح ہے۔ پھر اس کو اختیار ہے چاہے اپنا عقدِ کتابت پورا کرے اور چاہے اپنے آپ کو عاجز کر کے مدبرہ ہو جائے؛ کیونکہ عقدِ کتابت مملوک کی جانب میں لازمی نہیں ہوتا ہے لہٰذا وہ کتابت سے خود کو عاجز کر سکتی ہے۔

{7} پھر اگر اس نے عقدِ کتابت پورا کرنا اختیار کیا اور اس کے پورا ہونے سے پہلے مولیٰ مر گیا اور اس باندی کے علاوہ اس کا اور کوئی مال نہیں ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس مکاتبہ مدبرہ کو اختیار ہو گا چاہے دو تہائی مالِ کتابت کے لیے سعی کرے، اور چاہے اپنی دو تہائی قیمت کے لیے سعی کرے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دو تہائی مالِ کتابت اور دو تہائی قیمت میں سے جو کم ہو اسی کو کما کر دینے کی سعی کرے یعنی اس کو اختیار نہیں ہے بلکہ متعین ہے کہ جو کم ہو اسی کے لیے سعی کرے گی، پس اس صورت میں صرف مختار ہونے میں اختلاف ہے یہ اس بناء پر جو ہم نے سابق میں بیان کیا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ہو سکتے ہیں، اور رہی مقدار تو اس میں سب کا اتفاق ہے یعنی دو تہائی سب کے نزدیک متعین ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے سابق میں بیان کی یعنی پورا بدل کل رقبہ کے مقابلے میں ہے تو اس کے لیے آزادی کا کوئی استحقاق ثابت نہ ہوا؛ کیونکہ مدبرہ اس کے بعد ہوئی ہے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى مُكَاتَبَهُ عَتَقَ بِإِعْتَاقِهِ ؛ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِيهِ
فرمایا: اور اگر آزاد کیا مولیٰ نے اپنے مکاتب کو، تو آزاد ہو جائے گا اس کے آزاد کرنے سے؛ اس کی مِلک قائم ہونے کی وجہ سے اس میں،

{2} وَسَقَطَ بَدَلُ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّهُ مَا الْتَزَمَهُ إِلَّا مُقَابَلًا بِالْعِتْقِ وَقَدْ حَصَلَ لَهُ دُونَهُ فَلَا يَلْزَمُهُ،
اور ساقط ہو جائے گا بدلِ کتابت؛ کیونکہ اس کا التزام نہیں کیا ہے مگر عتق کے مقابلے میں اور وہ اس کو حاصل ہوا اس کے بغیر، پس لازم نہ ہو گا اس کو،

وَالْكِتَابَةُ وَإِنْ كَانَتْ لَازِمَةً فِي جَانِبِ الْمَوْلَى وَلَكِنَّهُ يُفْسَخُ بِرِضَا الْعَبْدِ وَالظَّاهِرُ رِضَاهُ تَوَسُّلًا إِلَى عِتْقِهِ
اور کتابت اگرچہ لازم ہے جانبِ مولیٰ میں، لیکن وہ فسخ ہو جاتی ہے غلام کی رضا سے، اور ظاہر اس کی رضا ہے؛ وسیلہ بناتے ہوئے اس کی آزادی کو

بِغَيْرِ بَدَلٍ مَعَ سَلَامَةِ الْأَكْسَابِ لَهُ لِأَنَّا نُبْقِي الْكِتَابَةَ فِي حَقِّهِ. {3} قَالَ : وَإِنْ كَاتَبَهُ
بغیر بدل کے کمائی کی سلامتی کے ساتھ اس کے لیے؛ کیونکہ ہم نے باقی رکھا ہے کتابت کو کمائی کے حق میں۔ فرمایا: اور اگر مکاتب کیا اس کو

عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ إِلَى سَنَةٍ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ مُعَجَّلَةٍ فَهُوَ جَائِزٌ اسْتِحْسَانًا. وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ اعْتِيَاضٌ
ہزار درہم پر ایک سال تک، پس اس نے صلح کرلی اس سے فوری پانچ سو پر، تو یہ جائز ہے استحساناً، اور قیاس میں جائز نہیں؛ کیونکہ یہ عوض لینا ہے

عَنِ الْأَجَلِ وَهُوَ لَيْسَ بِمَالٍ وَالدَّيْنُ مَالٌ فَكَانَ رِبًا، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ مِثْلُهُ فِي الْحُرِّ وَمُكَاتَبِ الْغَيْرِ {4} وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ
میعاد کا، اور میعاد مال نہیں ہے، اور دَین مال ہے، پس یہ ربا ہو گا، اسی وجہ سے جائز نہیں اس طرح آزاد اور مکاتبِ غیر میں، وجہ استحسان یہ ہے

أَنَّ الْأَجَلَ فِي حَقِّ الْمُكَاتَبِ مَالٌ مِنْ وَجْهٍ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى الْأَدَاءِ إِلَّا بِهِ فَأُعْطِيَ لَهُ حُكْمُ الْمَالِ، وَبَدَلُ الْكِتَابَةِ مَالٌ
کہ میعاد مکاتب کے حق میں مال ہے من وجہ؛ کیونکہ وہ قادر نہیں ادائیگی پر مگر میعاد سے، پس دیدیا گیا اس کو حکمِ مال، اور بدلِ کتابت مال ہے

مِنْ وَجْهٍ حَتَّى لَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهِ فَاعْتَدَلَا فَلَا يَكُونُ رِبًا ، {5} وَلِأَنَّ عَقْدَ الْكِتَابَةِ عَقْدٌ مِنْ وَجْهٍ
من وجہ حتی کہ صحیح نہیں ہے اس کی کفالت، پس دونوں برابر ہو گئے، پس نہ ہو گا سود، اور اس لیے کہ عقدِ کتابت عقد ہے ایک وجہ سے

دُونَ وَجْهٍ وَالْأَجَلُ رِبًا مِنْ وَجْهٍ فَيَكُونُ شُبْهَةَ الشُّبْهَةِ ، {6} بِخِلَافِ الْعَقْدِ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ
اور دوسری وجہ سے نہیں، اور میعاد سود ہے من وجہ، پس یہ شبہۃ الشبہہ ہے، برخلاف اس عقد کے جو دو آزاد شخصوں میں ہو؛ کیونکہ یہ عقد ہے

مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَكَانَ رِبًا وَالْأَجَلُ فِيهِ شُبْهَةٌ {7} قَالَ: وَإِذَا كَاتَبَ الْمَرِيضُ عَبْدَهُ عَلَى أَلْفَيْ دِرْهَمٍ إِلَى سَنَةٍ وَقِيمَتُهُ
ہر طرح سے، پس ربا ہو گا، اور میعاد میں شبہہ ہے۔ فرمایا: اور اگر مکاتب کیا مریض نے اپنے غلام کو دو ہزار درہم پر سال تک، حالانکہ اس کی قیمت

أَلْفٌ ثُمَّ مَاتَ وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَإِنَّهُ يُؤَدِّي ثُلُثَيِ الْأَلْفَيْنِ حَالًّا
ہزار ہو، پھر وہ مر گیا اور کوئی مال نہیں اس کے پاس اس کے علاوہ، اور اجازت نہ دی ورثہ نے، تو وہ ادا کرے دو ثلث دو ہزار کے فی الحال،

وَالْبَاقِي إِلَى أَجَلِهِ أَوْ يُرَدُّ رَقِيقًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. {8} وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُؤَدِّي ثُلُثَيْ الْأَلْفِ

اور باقی اپنی میعاد پر یا واپس کیا جائے گا رقیق بنا کر امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور امام محمدؒ کے نزدیک ادا کرے دو ثلث ہزار کے

حَالًا وَالْبَاقِيَ إِلَى أَجَلِهِ؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَتْرُكَ الزِّيَادَةَ بِأَنْ يُكَاتِبَهُ عَلَى قِيمَتِهِ

فی الحال، اور باقی اپنی مدت تک؛ کیونکہ مولیٰ کو اختیار ہے کہ ترک کر دے زیادتی کو بایں طور کہ مکاتب کر دے غلام کو اس کی قیمت پر،

فَلَهُ أَنْ يُؤَخِّرَهَا وَصَارَ كَمَا إِذَا خَالَعَ الْمَرِيضُ امْرَأَتَهُ عَلَى أَلْفٍ إِلَى سَنَةٍ جَازَ، لِأَنَّ لَهُ أَنْ

تو اس کو اختیار ہو گا کہ اس کو مؤخر کر دے پس ہو گیا جیسا کہ جب خلع کر دے مریض اپنی بیوی سے ہزار پر سال تک، تو جائز ہے؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے کہ

يُطَلِّقَهَا بِغَيْرِ بَدَلٍ، {9} وَلَهُمَا أَنَّ جَمِيعَ الْمُسَمَّى بَدَلُ الرَّقَبَةِ حَتَّى أُجْرِيَ عَلَيْهَا أَحْكَامُ الْأَبْدَالِ

طلاق دے اس کو بغیر بدل کے۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل مسمّٰی رقبہ کا بدل ہے حتیٰ کہ جاری کیے گئے ہیں کل مسمّٰی پر عوضوں کے احکام

وَحَقُّ الْوَرَثَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْمُبْدَلِ فَكَذَا بِالْبَدَلِ، وَالتَّأْجِيلُ إِسْقَاطٌ مَعْنًى فَيُعْتَبَرُ مِنْ ثُلُثِ الْجَمِيعِ،

اور ورثہ کا حق متعلق ہے مبدل کے ساتھ تو ایسا ہی بدل کے ساتھ بھی متعلق ہو گا، اور میعاد دینا اسقاط ہے معنیً، پس معتبر ہو گا کل کے ثلث سے،

{10} بِخِلَافِ الْخُلْعِ لِأَنَّ الْبَدَلَ فِيهِ لَا يُقَابِلُ الْمَالَ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّ الْوَرَثَةِ بِالْمُبْدَلِ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِالْبَدَلِ،

برخلاف خلع کے؛ کہ نہیں ہے بدل اس میں مال کے مقابلے میں، پس متعلق نہ ہو گا ورثہ کا حق مبدل سے، پس متعلق نہ ہو گا بدل سے بھی،

وَنَظِيرُ هَذَا إِذَا بَاعَ الْمَرِيضُ دَارَهُ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ إِلَى سَنَةٍ وَقِيمَتُهَا أَلْفٌ ثُمَّ مَاتَ وَلَمْ تُجِزِ

اور نظیر اس کی یہ ہے کہ جب فروخت کر دے مریض اپنا مکان تین ہزار کے عوض سال تک، اور اس کی قیمت ایک ہزار ہے، پھر وہ مر گیا،

الْوَرَثَةُ فَعِنْدَهُمَا يُقَالُ لِلْمُشْتَرِي أَدِّ ثُلُثَيْ جَمِيعِ الثَّمَنِ حَالًا وَالثُّلُثَ إِلَى أَجَلِهِ

اور اجازت نہیں دی ورثہ نے، تو صاحبینؒ کے نزدیک کہا جائے گا مشتری سے: ادا کر دو ثلث کل ثمن کے فی الحال، اور ایک ثلث اپنی میعاد تک،

وَإِلَّا فَانْقُضِ الْبَيْعَ، وَعِنْدَهُ يُعْتَبَرُ الثُّلُثُ بِقَدْرِ الْقِيمَةِ لَا فِيمَا زَادَ عَلَيْهِ لِمَا بَيَّنَّا مِنَ الْمَعْنَى، {11} قَالَ

ورنہ توڑ دو بیع، اور امام محمدؒ کے نزدیک معتبر ہو گا قدرِ قیمت کا ثلث نہ کہ اس سے زیادہ کی؛ اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ فرمایا:

وَإِنْ كَاتَبَهُ عَلَى أَلْفٍ إِلَى سَنَةٍ وَقِيمَتُهُ أَلْفَانِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ يُقَالُ لَهُ أَدِّ ثُلُثَيْ الْقِيمَةِ

اور اگر مکاتب کیا ہزار پر ایک سال تک، اور اس کی قیمت دو ہزار ہو، اور اجازت نہیں دی ... ورثہ نے، تو کہا جائے گا اس سے: ادا کر قیمت کے دو ثلث

حَالًا أَوْ تُرَدُّ رَقِيقًا فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا؛ لِأَنَّ الْمُحَابَاةَ هَاهُنَا فِي الْقَدْرِ وَالتَّأْخِيرِ فَاعْتُبِرَ الثُّلُثُ فِيهِمَا.

فی الحال، یا توڑ کر دیا جائے گا غلام بنا کر، سب کے قول میں؛ کیونکہ محابات یہاں مقدار اور میعاد دونوں میں ہے، پس معتبر ہو گا ثلث دونوں میں۔

تشریح:۔{1} اگر مولیٰ نے اپنے مکاتب کو آزاد کر دیا تو وہ اس کے آزاد کرنے سے آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ اس میں مولیٰ کی ملکیت قائم ہے؛ کیونکہ سابق میں معلوم ہو چکا کہ مکاتب جب تک کل بدلِ کتابت ادا نہ کرے آزاد نہیں ہوتا حتی کہ اگر ایک درہم بھی باقی رہا تو وہ غلام رہے گا۔

{2} اور جب مکاتب کو آزاد کر دیا تو اس کے ذمہ سے بدلِ کتابت ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ اس نے اپنے ذمہ مال کا التزام اس طرح کیا تھا کہ مال کے مقابلہ میں اس کو آزادی حاصل ہو حالانکہ اس کو مال کے بغیر آزادی حاصل ہو گئی تو اب مال اس کے ذمہ لازم نہ ہو گا اور عقدِ کتابت اگرچہ مولیٰ کی جانب لازم ہوتا ہے یعنی مولیٰ اس کو توڑ نہیں سکتا، لیکن غلام کی رضامندی سے فسخ ہو جاتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ فسخ کتابت پر راضی ہے؛ کیونکہ اس طرح وہ اپنی آزادی تک بلا بدل پہنچ جاتا ہے اور اس کی کمائیاں بھی اس کے لیے سالم رہیں گی؛ کیونکہ ہم نے کمائی کے حق میں اس کی کتابت کو باقی رکھا ہے یعنی ہم کتابت کو اس طرح نہیں توڑتے ہیں کہ اس کی کمائی اس کے مولیٰ کی ہو جائے بلکہ جو کچھ اس نے کمایا وہ اسی کا ہے گویا کمائیوں کے حق میں عقدِ کتابت باقی ہے تو جب کمائی اس کو ملتی ہے اور وہ آزاد ہو جاتا ہے تو وہ ضرور وہ اس بات پر راضی ہو گا کہ عقد کتابت ٹوٹ جائے۔

{3} اگر مولیٰ نے مملوک کو ایک سال تک کے وعدہ پر ہزار درہم کے عوض مکاتب کیا پھر نقد پانچ سو درہم پر اس سے صلح کر لی تو استحساناً یہ جائز ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو گا؛ کیونکہ یہ میعاد کا عوض لینا ہو جائے گا اور میعاد کوئی مال نہیں ہے اور مذکورہ دَین مال ہے اور غیر مال کے عوض میں مال لینا سود ہے؛ کیونکہ سود اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو، یہی وجہ ہے کہ آزاد کی صورت میں اور غیر کے مکاتب کی صورت میں ایسا جائز نہیں ہوتا ہے مثلاً ایک آزاد پر ہزرار درہم ادھار ہوں یا زید کے مکاتب پر ہزار درہم ادھار ہوں جن کی میعاد ایک سال ہے اور نقد پانچ سو درہم پر اس سے صلح کر لے تو یہ جائز نہیں ہے۔

{4} استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب کے حق میں میعاد بھی ایک طرح کا مال ہے؛ کیونکہ وہ میعاد کے بغیر بدل کتابت ادا نہیں کر سکتا ہے تو میعاد کے لیے بھی مالیت کا حکم حاصل ہو گیا اور بدلِ کتابت بھی من وجہ مال اور من وجہ غیر مال ہے حتی کہ بدلِ کتابت کا کفالت صحیح نہیں ہوتی حالانکہ اگر بدلِ کتابت مال ہوتا تو اس کی کفالت صحیح ہوتی، تو دونوں برابر ہو گئے یعنی بدلِ کتابت اور میعاد میں سے ہر ایک من وجہ مال ہے تو دونوں برابر ہو گئے پس میعاد نصف مال کتابت کے مساوی ہے اس لیے سود نہ ہو گا۔

{5} دوسری دلیل یہ ہے کہ عقدِ کتابت ایک اعتبار سے عقد ہے؛ کیونکہ مالی معاوضہ ہے اور دوسرے اعتبار سے عقد نہیں ہے؛ کیونکہ پہلے گذر چکا کہ عقدِ کتابت کو تعلیق بالشرط کے ساتھ مشابہت حاصل ہے پس اس اعتبار سے یہ یمین ہے اور میعاد بھی من وجہ

مال نہیں ہے اس لیے میعاد من وجہ سود ہے من وجہ سود نہیں ہے؛ کیونکہ حقیقۃً سود دو مالوں میں ہوتا ہے یہاں میعاد حقیقۃً مال نہیں ہے تو یہاں سود کا شبہ نہ ہوا بلکہ شبہ کا شبہ ہوا اور باب سود میں شبہ تو معتبر ہے مگر شبہ کا شبہ معتبر نہیں ہے اس لیے یہ سود نہیں ہے۔

{6} باقی دو آزاد لوگوں کے درمیان اس طرح کا عقد جائز نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دو آزاد لوگوں کے درمیان اس طرح کا عقد ہر طرح سے عقدِ مالی ہے اور میعاد میں سود کا شبہ ہے اور باب سود میں شبہ معتبر ہے لہٰذا یہ سود ہوگا اس لیے یہ عقد صحیح نہیں ہے۔

{7} اگر مرض الموت کے مریض نے اپنے غلام کو دو ہزار درہم کے عوض ایک سال کی مدت کی شرط پر مکاتب کیا حالانکہ اس غلام کی قیمت ایک ہزار درہم ہے پھر مولیٰ مر گیا اور اُس کا اس مکاتب کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے اور مولیٰ کے وارثوں نے میعاد کی اجازت نہ دی تو شیخین ؒ کے نزدیک مذکورہ مکاتب دو ہزار درہم کے دو ثلث فی الحال ادا کرے اور باقی ایک ثلث اپنی میعاد (ایک سال میعاد) پر ہوگا، اور یا وہ کتابت توڑ کر رقیق کر دیا جائے گا۔

{8} اور امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کے دو ثلث فی الحال ادا کرے اور باقی مال کی ادائیگی اپنی میعاد تک مؤخر ہوگی؛ کیونکہ مریض مولیٰ کو یہ اختیار تھا کہ ایک ہزار قیمت سے زائد مقدار کو ترک کر دے بایں طور کہ صرف اس کی قیمت ایک ہزار درہم پر اس کو مکاتب کرے تو اس کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ ایک ہزار سے زائد مقدار (بقیہ ہزار) میں میعاد دیدے پس یہ ایسا ہے جیسے کوئی مریض اپنی بیوی کو ہزار درہم کے عوض ایک سال کی میعاد کی شرط پر خلع دیدے تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ مریض کو یہ اختیار ہے کہ بیوی کو بلا عوض طلاق دیدے تو اس کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ میعادی عوض پر طلاق (خلع) دیدے۔

{9} شیخین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل مسمّٰی (دو ہزار درہم) اس کے رقبہ کے مقابلہ میں ہیں حتیٰ کہ عوض کے احکام پورے دو ہزار درہم پر جاری ہوتے ہیں یوں کہ پورے دو ہزار ادا کئے بغیر آزاد نہ ہوگا، اور وارثوں کا حق مبدل (غلام کے رقبہ) سے متعلق ہے تو اس کے بدل (دو ہزار درہم) سے بھی متعلق ہوگا اور میعاد دینا معنیً اسقاطِ حق ہے یعنی گویا حق میں سے کچھ ساقط کر دیا تو اس کا اعتبار تمام مال کی تہائی سے ہوگا یعنی مریض کا اختیار صرف تہائی ترکہ میں رہتا ہے تو میعاد دے کر گھٹانا پورے عوض مسمّٰی (دو ہزار درہم) کی تہائی سے معتبر ہوگا، حاصل یہ کہ کل مسمّٰی رقبہ کا بدل ہے اور رقبہ کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہے تو کل مسمّٰی کے ساتھ بھی ورثہ کا حق متعلق ہوگا اور جس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہو مریض کے لیے اس کے فقط ایک ثلث کا اسقاط جائز ہے لہٰذا فقط ایک ثلث کی میعاد جائز ہے؛ کیونکہ میعاد دینا معنیً اسقاط ہے۔

{10} بخلاف خلع کے کہ خلع میں جو عوض ٹھہرا ہے وہ مال کے مقابلہ میں نہیں ہے؛ کیونکہ بضع ملک سے نکلنے کے وقت مال نہیں ہے تو مبدل سے وارثوں کا حق متعلق نہیں ہوا ہے تو اسی طرح اس کے بدل سے بھی متعلق نہ ہو گا اس لیے مریض کے خلع دینے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اور اس اختلاف کی نظیر یہ ہے کہ مرض الموت کے مریض نے اپنا ایسا گھر جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے تین ہزار درہم کے عوض ایک سال کی میعاد کی شرط پر فروخت کیا پھر مریض مر گیا اور وارثوں نے میعاد کی اجازت نہ دی تو اس میں بھی اختلاف ہے چنانچہ شیخینؒ کے نزدیک مشتری سے کہا جائے گا کہ پورے ثمن کی دو تہائی فی الحال ادا کر دو اور ایک تہائی اپنی میعاد پر ادا کر دو، ورنہ بیع توڑ دی جائے گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف مقدار قیمت (ایک ہزار) کی تہائی معتبر ہو گی اس سے زیادہ کی تہائی معتبر نہ ہو گی؛ ہر ایک فریق کی دلیل وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کی۔

{11} اگر مریض نے اس غلام کو ایک ہزار درہم کے عوض ایک سال کی میعاد کی شرط پر مکاتب کیا حالانکہ اس کی قیمت دو ہزار درہم ہیں اور مریض کے مرنے کے بعد وارثوں نے اجازت نہ دی یعنی اس عقد کی اجازت نہ دی؛ اس لیے کہ مریض نے اصل قیمت سے کم پر مکاتب کیا تو مکاتب سے کہا جائے گا کہ "اپنی دو تہائی قیمت فی الحال ادا کر، ورنہ تجھے رقیت کی طرف واپس کر دیا جائے گا" اور اس حکم پر تینوں اماموں کا اتفاق ہے؛ کیونکہ یہاں مریض نے مقدار میں بھی محابات (کمی) کر دی ہے اور ایک سال کی میعاد دے کر بھی محابات کی ہے پس تہائی کا اعتبار دونوں (مقدار اور میعاد) میں ہو گا، لیکن جب میعاد میں اعتبار ہوا تو میعاد ساقط ہو گئی اس لیے دو تہائی قیمت فی الحال ادا کرنے کا حکم دیا۔

## بَابُ مَنْ يُكَاتِبُ عَنِ الْعَبْدِ

یہ باب ایسے شخص کے بیان میں ہے جو غلام کی طرف سے عقد کتابت کرے۔

مصنفؒ ان احکام کے بیان سے فارغ ہو گئے جو باب کتابت میں اصل کے ساتھ متعلق ہیں تو ان احکام کے بیان کو شروع فرمایا جو اس باب میں نائب کے ساتھ متعلق ہیں چونکہ اصل احق بالتقدیم ہے اس لیے پہلے اصل کے احکام کو بیان فرمایا۔

{1} قَالَ: وَإِذَا كَاتَبَ الْحُرُّ عَنْ عَبْدٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ، فَإِنْ أَدَّى عَنْهُ عَتَقَ
فرمایا: اور اگر کتابت کی آزاد نے غلام کی طرف سے ہزار درہم کے عوض، تو اگر ادا کر دیا اس کی طرف سے، تو وہ آزاد ہو جائے گا،
وَإِنْ بَلَغَ الْعَبْدَ فَقَبِلَ فَهُوَ مُكَاتَبٌ وَصُورَةُ الْمَسْأَلَةِ أَنْ يَقُولَ الْحُرُّ لِمَوْلَى الْعَبْدِ كَاتِبْ
اور اگر خبر پہنچی غلام کو، اور اس نے قبول کر لی تو وہ مکاتب ہے، اور صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ آزاد کا یہ کہنا غلام کے مولیٰ سے: مکاتب کر
عَبْدَكَ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنِّي إِنْ أَدَّيْتُ إِلَيْكَ أَلْفًا فَهُوَ حُرٌّ فَكَاتَبَهُ الْمَوْلَى عَلَى هَذَا يَعْتِقُ بِأَدَائِهِ

اپنا غلام ہزار درہم پر کہ اگر میں ادا کرلوں تجھ کو ہزار تو وہ آزاد ہے، پس مکاتب کیا اس کو مولی نے اس شرط پر، تو وہ آزاد ہو جائے گا اس کے ادا کرنے سے

بِحُكْمِ الشَّرْطِ ، وَإِذَا قَبِلَ الْعَبْدُ صَارَ مُكَاتَبًا ، لِأَنَّ الْكِتَابَةَ كَانَتْ مَوْقُوفَةً عَلَى إِجَازَتِهِ وَقَبُولُهُ إِجَازَةٌ،

بحکم شرط۔ اور اگر قبول کیا غلام نے، تو ہو جائے گا مکاتب؛ کیونکہ کتابت موقوف تھی اس کی اجازت پر، اور اس کا قبول کرنا اس کو اجازت ہے،

{2} وَلَوْ لَمْ يَقُلْ عَلَى أَنِّي إِنْ أَدَّيْتُ إِلَيْكَ أَلْفًا فَهُوَ حُرٌّ فَأَدَّى لَا يَعْتِقُ قِيَاسًا لِأَنَّهُ لَا شَرْطَ

اور اگر اس نے یہ نہ کہا: کہ اگر میں نے ادا کر دیا تجھ کو ہزار تو وہ آزاد ہے، پھر اس نے ادا کر دیا، تو آزاد نہ ہو گا قیاساً؛ کیونکہ کوئی شرط نہیں ہے،

وَالْعَقْدُ مَوْقُوفٌ عَلَى إِجَازَةِ الْعَبْدِ. وَفِي الِاسْتِحْسَانِ يَعْتِقُ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ لِلْعَبْدِ الْغَائِبِ فِي تَعْلِيقِ الْعِتْقِ بِأَدَاءِ الْقَائِلِ

اور عقد موقوف ہے اجازتِ عبد پر، اور استحسان میں آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ کوئی ضرر نہیں غائب غلام کا اس کی آزادی کو معلق کرنے میں قائل کی ادائیگی پر

فَيَصِحُّ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ وَيَتَوَقَّفُ فِي حَقِّ لُزُومِ الْأَلْفِ عَلَى الْعَبْدِ. وَقِيلَ هَذِهِ هِيَ صُورَةُ مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ

پس صحیح ہے اس حکم کے حق میں، اور موقوف ہو گا لزوم ہزار کے حق غلام پر، اور کہا گیا ہے کہ یہی صورت ہے کتاب کے مسئلہ کی۔

{3} وَلَوْ أَدَّى الْحُرُّ الْبَدَلَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ. {4} قَالَ : وَإِذَا كَاتَبَ الْعَبْدُ عَنْ نَفْسِهِ

اور اگر ادا کر دیا آزاد نے بدل، تو رجوع نہیں کر سکتا ہے غلام پر؛ کیونکہ وہ متبرع ہے۔ فرمایا: اور اگر مکاتبت ٹھہرائی غلام نے اپنی طرف سے

وَعَنْ عَبْدٍ آخَرَ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ غَائِبٌ ، فَإِنْ أَدَّى الشَّاهِدُ أَوِ الْغَائِبُ عَتَقَا

اور اس کے مولی کے ایک اور غلام کی طرف سے حالانکہ وہ غائب ہے، پس اگر ادا کر دیا حاضر یا غائب نے، تو وہ دونوں آزاد ہوں گے،

وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ أَنْ يَقُولَ الْعَبْدُ كَاتِبْنِي بِأَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى نَفْسِي وَعَلَى فُلَانٍ الْغَائِبِ، وَهَذِهِ كِتَابَةٌ جَائِزَةٌ اسْتِحْسَانًا.

اور مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ غلام کہے: کتابت کر مجھ سے ہزار درہم پر میری اور فلاں غائب کی ذات پر، اور یہ کتابت جائز ہے استحساناً،

وَفِي الْقِيَاسِ : يَصِحُّ عَلَى نَفْسِهِ لِوِلَايَتِهِ عَلَيْهَا وَيَتَوَقَّفُ فِي حَقِّ الْغَائِبِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ.

اور قیاس میں صحیح ہے اس کی ذات پر؛ اس کی ولایت کی وجہ سے اس پر، اور موقوف ہو گی غائب کے حق میں؛ ولایت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر،

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْحَاضِرَ بِإِضَافَةِ الْعَقْدِ إِلَى نَفْسِهِ ابْتِدَاءً جَعَلَ نَفْسَهُ فِيهِ أَصْلًا وَالْغَائِبَ تَبَعًا، وَالْكِتَابَةُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ

وجہ استحسان یہ ہے کہ حاضر نے عقد کی اضافت سے اپنی ذات کی طرف کر دیا اپنی ذات کو اس میں اصل، اور غائب کو تابع، اور اس طرح کی کتابت

مَشْرُوعَةٌ كَالْأَمَةِ إِذَا كُوتِبَتْ دَخَلَ أَوْلَادُهَا فِي كِتَابَتِهَا تَبَعًا حَتَّى عَتَقُوا بِأَدَائِهَا

مشروع ہے جیسے باندی اگر مکاتب کی گئی تو داخل ہو گی اس کی اولاد اس کی کتابت میں تبعاً، حتی کہ وہ آزاد ہو جائیں گے اس کی ادائیگی سے،

وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَدَلِ شَيْءٌ وَإِذَا أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ يَنْفَرِدُ بِهِ الْحَاضِرُ فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ

اور نہ ہو گا ان پر بدل میں سے کچھ، اور جب ممکن ہے اس کی تصحیح اس طور پر، تو منفرد ہو گا اس کے ساتھ حاضر، تو مولی کو اختیار ہے کہ لے لے

بِكُلِّ الْبَدَلِ لِأَنَّ الْبَدَلَ عَلَيْهِ لِكَوْنِهِ أَصْلًا فِيهِ ، وَلَا يَكُونُ عَلَى الْغَائِبِ مِنَ الْبَدَلِ شَيْءٌ لِأَنَّهُ تَبَعٌ فِيهِ

حاضر سے کل بدل؛ کیونکہ بدل اسی پر ہے؛ اس کے اصیل ہونے کی وجہ سے اس میں، اور نہیں ہوگا غائب پر بدل میں سے کچھ؛ کیونکہ وہ تابع ہے اس میں۔

{5} قَالَ : وَأَيُّهُمَا أَدَّى عَتَقَا وَيُجْبَرُ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ ؛ أَمَّا الْحَاضِرُ فَلِأَنَّ الْبَدَلَ عَلَيْهِ

فرمایا: اور دونوں میں سے جو بھی ادا کرے دونوں آزاد ہوں گے اور مجبور کیا جائے گا مولی قبول کرنے پر، بہر حال حاضر تو اس لیے کہ بدل اسی پر ہے،

وَأَمَّا الْغَائِبُ فَلِأَنَّهُ يَنَالُ بِهِ شَرَفَ الْحُرِّيَّةِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْبَدَلُ عَلَيْهِ وَصَارَ كَمُعِيرِ الرَّهْنِ إِذَا أَدَّى

رہا غائب تو وہ اس لیے کہ وہ پائے گا اس سے آزادی کا شرف اگرچہ بدل نہیں ہے اس پر، اور ہو گیا جیسے رہن عاریۃً دینے والا جب ادا کرے

الدَّيْنَ يُجْبَرُ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الْقَبُولِ لِحَاجَتِهِ إِلَى اسْتِخْلَاصِ عَيْنِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّيْنُ عَلَيْهِ.

دَین تو مجبور کیا جائے گا مرتہن قبول کرنے پر؛ بوجہ اس کی حاجت کے اپنے عین کو چھڑانے کی، اگرچہ نہیں ہے دَین اس پر۔ فرمایا:

{6} قَالَ : وَأَيُّهُمَا أَدَّى لَا يَرْجِعُ عَلَى صَاحِبِهِ ؛ لِأَنَّ الْحَاضِرَ قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِ وَالْغَائِبُ مُتَبَرِّعٌ

اور دونوں میں سے جو ادا کرے وہ رجوع نہیں کر سکتا ہے اپنے ساتھی پر؛ کیونکہ حاضر نے ادا کر دیا اس پر واجب دَین کو، اور غائب احسان کرنے والا ہے

بِهِ غَيْرُ مُضْطَرٍّ إِلَيْهِ. قَالَ : وَلَيْسَ لِلْمَوْلَى أَنْ يَأْخُذَ الْغَائِبَ بِشَيْءٍ ؛ لِمَا بَيَّنَّا

اس میں، مجبور نہیں ہے اس میں۔ فرمایا: اور نہیں ہے اختیار مولی کو کہ لے لے غائب غلام سے کوئی چیز؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

{7} فَإِنْ قَبِلَ الْعَبْدُ الْغَائِبُ أَوْ لَمْ يَقْبَلْ فَلَيْسَ ذَلِكَ مِنْهُ بِشَيْءٍ ، وَالْكِتَابَةُ لَازِمَةٌ لِلشَّاهِدِ ؛ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ

پھر اگر قبول کیا غائب غلام نے یا قبول نہیں کیا، تو یہ کچھ نہیں ہے اس کی طرف سے، اور کتابت لازم ہے حاضر کے ذمہ؛ کیونکہ کتابت

نَافِذَةٌ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ قَبُولِ الْغَائِبِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِقَبُولِهِ ، كَمَنْ كَفَلَ عَنْ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ

نافذ ہے اس پر غائب کے قبول کرنے کے بغیر، پس متغیر نہ ہو گا اس کے قبول کرنے سے جیسے کوئی کفیل بنے غیر کا اس کے حکم کے بغیر،

فَبَلَغَهُ فَأَجَازَهُ لَا يَتَغَيَّرُ حُكْمُهُ، حَتَّى لَوْ أَدَّى لَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ،

پھر اس کو خبر پہنچی اور اس نے اجازت دی اس کی تو نہیں بدلے گا اس کا حکم حتی کہ اگر کفیل نے ادا کر دیا تو رجوع نہیں کر سکتا ہے اس پر،

كَذَا هَذَا. {8} قَالَ : وَإِذَا كَاتَبَتِ الْأَمَةُ عَنْ نَفْسِهَا وَعَنِ ابْنَيْنِ لَهَا صَغِيرَيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ ، وَأَيُّهُمْ أَدَّى

اسی طرح یہ ہے۔ فرمایا: اور اگر کتابت کی باندی نے اپنی ذات اور اپنے دو چھوٹے بچوں کی طرف سے، تو یہ جائز ہے اور ان میں سے جو بھی ادا کرے

لَمْ يَرْجِعْ عَلَى صَاحِبِهِ وَيُجْبَرُ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ وَيَعْتِقُونَ ؛ لِأَنَّهَا جَعَلَتْ نَفْسَهَا

وہ رجوع نہیں کر سکتا اپنے ساتھی پر، اور مجبور کیا جائے گا مولی قبول کرنے پر، اور وہ سب آزاد ہوں گے؛ کیونکہ باندی نے اپنی ذات کو

أَصْلًا فِي الْكِتَابَةِ وَأَوْلَادَهَا تَبَعًا عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى وَهِيَ أَوْلَى بِذَلِكَ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ.

اصل بنا یا کتابت میں اور اپنی اولاد کو تابع، جیسا کہ ہم بیان کر چکے سابقہ مسئلہ میں، اور باندی اولیٰ ہے اس کے ساتھ اجنبی سے۔

تشریح۔ {1} ایک آزاد شخص نے ایک غلام کی طرف سے اس کے مالک کے ساتھ ہزار درہم پر کتابت ٹھہرائی پس اگر آزاد شخص نے اس غلام کی طرف سے مال ادا کر دیا، تو غلام آزاد ہو گیا، اور اگر غلام کو کتابت کی یہ خبر پہنچی اور اس نے اس کو قبول کیا، تو غلام مکاتب ہو گا۔ اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک آزاد شخص نے غلام کے مولیٰ سے کہا کہ "تو اپنے اس غلام کو ہزار درہم کے عوض اس شرط پر مکاتب کر دو کہ اگر میں نے تجھے ہزار درہم ادا کر دیئے تو وہ آزاد ہے"، پس مولیٰ نے اس کو اسی شرط پر مکاتب کر دیا تو اس آزاد شخص کے ادا کرنے پر وہ غلام شرط کی بناء پر آزاد ہو جائے گا یعنی بوجہ کتابت آزاد نہ ہو گا بلکہ بوجہ شرط آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ عتق ہزار درہم کی ادائیگی پر معلق ہے۔ اور اگر غلام نے اس کو خود قبول کر لیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا؛ کیونکہ مذکورہ کتابت اس غلام کی اجازت پر موقوف تھی اس لیے کہ یہ عقد فضولی اور مالک کے درمیان ہوا تھا تو صاحبِ اجازت کی اجازت پر موقوف ہو گا، اور غلام کا قبول کرنا اس کی طرف سے اجازت ہے۔

{2} اور اگر آزاد شخص نے مولیٰ سے یہ نہ کہا ہو کہ "اس شرط پر کہ اگر میں تجھے ہزار درہم ادا کر دوں تو وہ آزاد ہے" پھر اس نے یہ مال ادا کر دیا تو قیاساً غلام آزاد نہ ہو گا؛ کیونکہ یہاں کوئی شرط نہیں ہے کہ اس کے پائے جانے پر غلام آزاد ہو، اور عقد ابھی تک غلام کی اجازت پر موقوف ہے۔ اور استحساناً آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ قائل کے ادا کرنے پر غلام کی آزادی معلق اور موقوف ہونے میں غائب غلام کا کوئی ضرر نہیں ہے اور فضولی کا ایسا تصرف جس میں ضرر نہ ہو نافذ ہوتا ہے پس یہ عقد صحیح ہے اس حکم کے حق میں یعنی قائل کی ادائیگی پر غلام کی آزادی کے حق میں یہ عقد صحیح ہے، ہاں غلام کی رعایت کے پیش نظر غلام پر ہزار درہم لازم ہونے کے حق میں یہ عقد موقوف ہو گا۔

اور بعض نے کہا کہ مسئلہ کتاب کی صورت بھی یہی ہے کہ اس نے مولیٰ سے کہا کہ "اپنے غلام کو ہزار درہم کے عوض مکاتب کر دو" یوں نہیں کہا کہ "اگر میں نے تجھے ہزار درہم ادا کر دیئے تو غلام آزاد ہے" تو اگر اس نے ہزار درہم ادا کر دیئے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر غلام پہنچ گیا اور اس نے عقد کو قبول کیا تو مکاتب ہو جائے گا۔

{3} اور اگر اس آزاد شخص نے بدلِ کتابت ادا کر دیا تو وہ غلام سے واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ اس نے بطور احسان ایسا کیا اس لیے کہ غلام نے اس کو بدلِ کتابت ادا کرنے کا امر نہیں کیا ہے اور نہ فضولی شخص اس کی ادائیگی پر مجبور ہے اس لیے اس کو واپس لینے کا حق نہ ہو گا۔

{4} اگر ایک شخص کے دو غلاموں میں سے ایک غلام نے اپنی طرف سے اور مولیٰ کے دوسرے غلام کی طرف سے جو اس وقت غائب ہے عقدِ کتابت کیا تو یہ استحساناً جائز ہے، پھر اگر حاضر یا غائب نے مالِ کتابت ادا کر دیا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اور اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ حاضر غلام نے مولیٰ سے اس طرح کہا کہ "مجھے ہزار درہم پر میری اور فلاں غائب کی ذات پر مکاتب کر" تو یہ کتابت استحساناً جائز ہے اور قیاس یہ ہے کہ صرف اس کے نفس پر جائز ہو؛ کیونکہ اس کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے، اور غائب کے حق میں موقوف ہو؛ کیونکہ غائب پر اس کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔ وجہِ استحسان یہ ہے کہ غلام حاضر نے ابتداءً اپنے نفس کی جانب عقد کو مضاف کرنے میں اپنے آپ کو اصل اور غائب کو تابع ٹھہرایا اور ایسے طریقہ پر کتابت مشروع ہے چنانچہ اگر باندی مکاتبہ کی گئی تو اس کی اولاد تابع ہو کر اس کی کتابت میں داخل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ باندی کے بدلِ کتابت ادا کرنے پر اس کی اولاد بھی آزاد ہو جاتی ہے اور اولاد پر بدلِ کتابت میں سے کچھ واجب نہیں ہوتا، حاصل یہ کہ بالتبع کتابت مشروع ہے تو مذکورہ مسئلہ میں جب اس طریقہ پر عقد کو صحیح ٹھہرانا ممکن ہوا تو حاضر غلام تنہا اس عقد کو پورا کرنے والا ہوا لہذا مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ پورے بدل کا مواخذہ اسی حاضر غلام سے کرے اور غائب غلام پر کتابت کے معاوضہ میں سے کچھ نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ اس عقد میں تابع ہے اور عقد میں بالتبع داخل ہونے والے پر بدلِ عقد واجب نہیں ہوتا ہے۔

{5} پھر ان دونوں میں سے جس نے عوض ادا کر دیا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور مولیٰ کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پس حاضر کی ادائیگی کی صورت میں مولیٰ کو اس لیے مجبور کیا جائے گا کہ بدلِ کتابت اسی پر واجب ہے، اور غائب کی ادائیگی کی صورت میں یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے آزادی کی شرافت پائے گا تو وہ اجنبی کی طرح نہ ہوگا اگرچہ مذکورہ بدل اس پر واجب نہیں ہے، اور ایسا ہو گیا جیسے رہن کا عاریت دینے والا جب قرضہ ادا کر دے تو مرتہن اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی کوئی چیز دوسرے کو عاریۃً دیدی تاکہ وہ اس کو اپنے قرضخواہ کے پاس بطورِ رہن رکھ دے پھر عاریت دینے والے مالک نے مرتہن کو اس کا قرضہ دے کر مرہون چیز چھڑانی چاہی تو مرتہن اس کے قبول پر مجبور کیا جائے گا؛ کیونکہ عاریت دینے والے کو اپنا مالِ عین چھڑانے کی ضرورت ہے اگرچہ دَین اس پر واجب نہیں ہے، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی غائب کی طرف سے ادائیگی کی صورت میں مولیٰ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگرچہ غائب پر بدل نہیں ہے؛ کیونکہ وہ آزادی حاصل کرنے کو محتاج ہے۔

{6} اور ان دونوں غلاموں میں سے جس نے بدلِ کتابت ادا کیا وہ دوسرے سے واپس نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ غلام حاضر جو اصل عاقد ہے اس نے تو ایسا قرضہ ادا کیا جو اس پر واجب تھا اور اپنے اوپر واجب قرضہ ادا کرنے کی صورت میں غیر سے رجوع

نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور غائب نے اگر ادا کیا تو وہ چونکہ ادا کرنے پر مجبور نہیں بلکہ متبرع ہے اور تبرع کرنے والا دوسرے سے ادا کردہ مال واپس نہیں لے سکتا ہے۔ اور مولیٰ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ غائب غلام سے مال کتابت میں سے کچھ مطالبہ کرے؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہ اس میں تابع ہے۔

{7} پھر اگر غائب غلام نے یہ عقد قبول کرلیا یا قبول نہ کیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور یہ فعل اس کی طرف سے کچھ نہ ہوگا یعنی قبول کرنے سے بدل اس پر لازم نہ ہوگا، اور رد کرنے سے حاضر سے عقد رد نہ ہوگا بلکہ حاضر غلام کے ذمہ عقد کتابت باقی رہے گا؛ کیونکہ کتابت تو غائب کے قبول کرنے کے بغیر اس کے ذمہ نافذ ہو چکی تو غائب کے قبول کرنے سے متغیر نہ ہوگا اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کے حکم کے بغیر کفالت کرلی پھر مکفول عنہ کو خبر پہنچی اور اس نے کفالت کی اجازت دیدی تو حکم متغیر نہیں ہوتا ہے یعنی کفیل متبرع ہی رہے گا حتیٰ کہ اگر کفیل نے مالِ کفالت ادا کردیا تو وہ مکفول عنہ سے واپس نہیں لے سکتا ہے اسی طرح عقدِ کتابت میں بھی غائب کے قبول کرنے یا رد کرنے سے حکم متغیر نہ ہوگا۔

{8} اگر کسی باندی نے اپنی ذات اور اپنے دو نابالغ بیٹوں کی طرف سے کتابت کی تو یہ جائز ہے اور ان میں سے جس نے مال کتابت ادا کیا وہ دوسرے سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور مولیٰ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور یہ سب آزاد ہو جائیں گے؛ کیونکہ اس باندی نے اپنی ذات کو اس عقد کتابت میں اصیل ٹھہرایا اور اپنی اولاد کو تابع قرار دیا اور اس طرح کی کتابت مشروع ہے جیسا کہ ہم نے سابقہ مسئلہ میں بیان کیا بلکہ اجنبی کی بنسبت ماں اس جواز کی زیادہ لائق ہے؛ کیونکہ کسی اجنبی سے باندی کی اپنی اولاد اس کے زیادہ قریب ہے۔

## بَابُ كِتَابَةِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ

یہ باب غلام مشترک کے مکاتب کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنف غیر مشترک غلام کی کتابت کے بیان سے فارغ ہوگئے تو مشترک غلام کی کتابت کے احکام کو شروع فرمایا، چونکہ عدم اشتراک اصل ہے اس لیے اشتراک کے احکام سے عدم اشتراک کے احکام کو مقدم کردیا۔

{1} قَالَ : وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَذِنَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُكَاتِبَ نَصِيبَهُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ
فرمایا: اور جب ہو غلام دو آدمیوں میں مشترک، اجازت دی دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو کہ مکاتب کرا اپنا حصہ ہزار درہم کے عوض،

وَيَقْبِضَ بَدَلَ الْكِتَابَةِ فَكَاتَبَ وَقَبَضَ بَعْضَ الْأَلْفِ ثُمَّ عَجَزَ فَالْمَالُ لِلَّذِي قَبَضَ

اور قبض کر بدلِ کتابت، پس اس نے مکاتب کیا اور قبضہ کیا ہزار کے بعض پر، پھر وہ عاجز ہو گیا، تو مال اسی کے لیے ہو گا جس نے قبضہ کیا

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : هُوَ مُكَاتَبٌ بَيْنَهُمَا وَمَا أَدَّى فَهُوَ بَيْنَهُمَا

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: کہ وہ مکاتب ہے دونوں کے درمیان، اور جو کچھ اس نے ادا کیا تو وہ دونوں میں مشترک ہو گا،

وَأَصْلُهُ أَنَّ الْكِتَابَةَ تَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ ، لِأَنَّهَا تُفِيدُ الْحُرِّيَّةَ

اور اس کی اصل یہ ہے کہ کتابت متجزی ہوتی ہے امام صاحبؒ کے نزدیک برخلاف صاحبینؒ کے اعتاق کی طرح؛ کیونکہ کتابت مفید حریت ہے

مِنْ وَجْهٍ فَتَقْتَصِرُ عَلَى نَصِيبِهِ عِنْدَهُ لِلتَّجَزُّؤِ ،{2}وَفَائِدَةُ الْإِذْنِ أَنْ لَا يَكُونَ

من وجہ، پس وہ مقصور ہو گی اس کے حصہ پر امام صاحبؒ کے نزدیک تجزی ہونے کی وجہ سے۔ اور اجازت کا فائدہ یہ ہے تاکہ نہ رہے

لَهُ حَقُّ الْفَسْخِ كَمَا يَكُونُ لَهُ إذَا لَمْ يَأْذَنْ ، وَإِذْنُهُ لَهُ بِقَبْضِ الْبَدَلِ إذْنٌ لِلْعَبْدِ بِالْأَدَاءِ

شریک کو حق فسخ جیسا کہ ہو گا اس کے لیے جب اجازت نہ دے، اور اجازت دینا اس کو بدل قبض کرنے کی اجازت ہے غلام کے لیے ادائیگی کی،

فَيَكُونُ مُتَبَرِّعًا بِنَصِيبِهِ عَلَيْهِ فَلِهَذَا كَانَ كُلُّ الْمَقْبُوضِ لَهُ .{3}وَعِنْدَهُمَا الْإِذْنُ بِكِتَابَةِ نَصِيبِهِ

پس ہو گا احسان کرنے والا اپنے حصہ کا اس پر، اسی لیے کل مقبوض اسی کے لیے ہو گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اجازت دینا اپنے حصے کی کتابت کی،

إذْنٌ بِكِتَابَةِ الْكُلِّ لِعَدَمِ التَّجَزُّؤِ ، فَهُوَ أَصِيلٌ فِي النِّصْفِ وَكِيلٌ فِي النِّصْفِ فَهُوَ بَيْنَهُمَا

اجازت ہے کل کو مکاتب کرنے کی؛ تجزی نہ ہونے کی وجہ سے، پس وہ اصیل ہے نصف میں وکیل ہے نصف میں، پس وہ دونوں میں مکاتب ہوا

وَالْمَقْبُوضُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا فَيَبْقَى كَذَلِكَ بَعْدَ الْعَجْزِ .{4}قَالَ : وَإِذَا كَانَتْ جَارِيَةٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَاتَبَاهَا

اور مقبوض مشترک ہو گا دونوں میں، پس باقی رہے گا اسی طرح عجز کے بعد۔ فرمایا: اور ایک باندی مشترک ہو دو آدمیوں میں، دونوں نے اس کو مکاتبہ کر دیا،

فَوَطِئَهَا أَحَدُهُمَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثُمَّ وَطِئَهَا الْآخَرُ

پھر وطی کی اس سے دونوں میں سے ایک نے، پس اس نے جن لیا بچہ، اور اس نے دعوی کیا اس کا، پھر وطی کر لی اس سے دوسرے نے،

فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثُمَّ عَجَزَتْ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ادَّعَى أَحَدُهُمَا

پس اس نے جن لیا بچہ، اور واطی نے دعوی کیا اس کا، پھر وہ عاجز ہو گئی تو وہ ام ولد ہو گی اول کی؛ اس لیے کہ جب دعوی کیا دونوں میں سے ایک نے

الْوَلَدَ صَحَّتْ دِعْوَتُهُ لِقِيَامِ الْمِلْكِ لَهُ فِيهَا وَصَارَ نَصِيبُهُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ، لِأَنَّ الْمُكَاتَبَةَ

بچے کا تو صحیح ہوا اس کا دعوی؛ بوجہ قائم ہونے مِلک کے اس کے لیے باندی میں، اور ہو گیا اس کا حصہ ام ولد اس کے لیے؛ کیونکہ مکاتبت

لَا تَقْبَلُ النَّقْلَ مِنْ مِلْكٍ إلَى مِلْكٍ فَتَقْتَصِرُ أُمُومِيَّةُ الْوَلَدِ عَلَى نَصِيبِهِ كَمَا فِي الْمُدَبَّرَةِ الْمُشْتَرَكَةِ،

قبول نہیں کرتی ہے منتقل ہونا ایک مِلک سے دوسری مِلک کی طرف، پس متصور ہو گا ام ولد ہونا اس کے حصے پر، جیسا کہ مدبرہ مشترکہ میں ہے۔

{5} وَإِذَا ادَّعَى الثَّانِي وَلَدَهَا الْأَخِيرَ صَحَّتْ دِعْوَتُهُ لِقِيَامِ مِلْكِهِ ظَاهِرًا ، ثُمَّ إِذَا عَجَزَتْ

اور اگر دعویٰ کیا دوسرے نے اس کے دوسرے بچے کا تو صحیح ہے اس کا دعویٰ؛ اس کی مِلک قائم ہونے کی وجہ سے ظاہراً، پھر جب وہ عاجز ہو گئی

بَعْدَ ذَلِكَ جُعِلَتِ الْكِتَابَةُ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ وَتَبَيَّنَ أَنَّ الْجَارِيَةَ كُلَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ لِأَنَّهُ زَالَ الْمَانِعُ مِنَ الِانْتِقَالِ

اس کے بعد تو قرار دی جائے گی کتابت گویا کہ معدوم ہے اور ظاہر ہو گیا کہ کل باندی ام ولد ہے اول کے لیے؛ کیونکہ زائل ہو امانع انتقال سے،

وَوَطْؤُهُ سَابِقٌ {6} وَيَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهَا ؛ لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَهُ لَمَّا اسْتَكْمَلَ

اور اس کی وطی سابق ہے۔ فرمایا: اور ضامن ہو گا اپنے شریک کے لیے باندی کی نصف قیمت کا؛ کیونکہ اس نے ملکیت حاصل کر لی جب کمل کر دیا

الِاسْتِيلَادَ ، وَنِصْفَ عُقْرِهَا ؛ لِوَطْئِهِ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً . وَيَضْمَنُ شَرِيكُهُ كَمَالَ عُقْرِهَا وَقِيمَةَ الْوَلَدِ

استیلاد، اور نصف عقر کا؛ بوجہ اس کے وطی کرنے کے مشترکہ باندی سے، اور ضامن ہو گا اس کا شریک کامل عقر کا اور بچے کی قیمت کا،

وَيَكُونُ ابْنَهُ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَغْرُورِ ، لِأَنَّهُ حِينَ وَطِئَهَا كَانَ مِلْكُهُ قَائِمًا ظَاهِرًا.

اور وہ اس کا بیٹا ہو گا؛ کیونکہ وہ بمنزلہ دھوکہ شدہ کے ہے؛ اس لیے کہ جب اس نے وطی کر لی اس سے تو اس کی مِلک قائم تھی ظاہراً،

وَوَلَدُ الْمَغْرُورِ ثَابِتُ النَّسَبِ مِنْهُ حُرٌّ بِالْقِيمَةِ عَلَى مَا عُرِفَ لَكِنَّهُ وَطِئَ أُمَّ وَلَدِ الْغَيْرِ حَقِيقَةً فَيَلْزَمُهُ

اور مغرور کا بچہ ثابت النسب ہے اس سے، آزاد ہے قیمت سے جیسا کہ معلوم ہے، لیکن اس نے وطی کی ہے غیر کی ام ولد سے حقیقۃً، پس لازم ہو گا اس پر

كَمَالُ الْعُقْرِ {7} وَأَيُّهُمَا دَفَعَ الْعُقْرَ إِلَى الْمُكَاتَبَةِ جَازَ ؛ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ مَا دَامَتْ بَاقِيَةً فَحَقُّ الْقَبْضِ لَهَا

کامل مہر، اور دونوں میں سے جو بھی دیدے عقر مکاتبہ کو، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ کتابت جب تک کہ باقی ہو تو حق قبض مکاتبہ کو ہو گا؛

لِاخْتِصَاصِهَا بِمَنَافِعِهَا وَأَبْدَالِهَا ، وَإِذَا عَجَزَتْ تَرُدُّ الْعُقْرَ إِلَى الْمَوْلَى لِظُهُورِ اخْتِصَاصِهِ

اس کے مختص ہونے کی وجہ سے اپنے منافع اور ان کے بدلوں کے ساتھ، اور جب وہ عاجز ہو گئی تو لوٹادے گی عقر مولی کو؛ بوجہ ظاہر ہونے اس کے اختصاص کے،

وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ . {8} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : هِيَ أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ

اور یہ جو ہم نے ذکر کیا یہ سب امام صاحب کا قول ہے۔ اور فرمایا امام ابو یوسف اور امام محمد نے: کہ وہ ام ولد ہے اول کے لیے،

وَلَا يَجُوزُ وَطْءُ الْآخَرِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ادَّعَى الْأَوَّلُ الْوَلَدَ صَارَتْ كُلُّهَا أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لِأَنَّ أُمُومِيَّةَ الْوَلَدِ يَجِبُ تَكْمِيلُهَا

اور جائز نہیں ہے دوسرے کی وطی؛ کیونکہ جب دعویٰ کیا اول نے بچے کا تو وہ کل ام ولد ہو گئی اس کے لیے؛ کیونکہ ام ولد ہونے کی تکمیل واجب ہے

بِالْإِجْمَاعِ مَا أَمْكَنَ ، وَقَدْ أَمْكَنَ بِفَسْخِ الْكِتَابَةِ لِأَنَّهَا قَابِلَةٌ لِلْفَسْخِ فَتُفْسَخُ فِيمَا لَا تَتَضَرَّرُ بِهِ

بالاتفاق جہاں تک ممکن ہو، اور یہاں ممکن ہے فسخ کتابت سے؛ کیونکہ کتابت قابل فسخ ہے، پس فسخ کر دی جائے گی اس میں جس سے ضرر نہیں اٹھاتی ہے

الْمُكَاتَبَةُ وَتَبْقَى الْكِتَابَةُ فِيمَا وَرَاءَهُ ، بِخِلَافِ التَّدْبِيرِ لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ ،{9}وَبِخِلَافِ بَيْعِ الْمُكَاتَبِ
مکاتبہ، اور باقی رہے گی کتابت اس کے علاوہ میں، بر خلاف تدبیر کے؛ کیونکہ وہ قبول نہیں کرتی ہے فسخ کو، اور بر خلاف بیع المکاتب کے؛

لِأَنَّ فِي تَجْوِيزِهِ إِبْطَالَ الْكِتَابَةِ إِذِ الْمُشْتَرِي لَا يَرْضَى بِبَقَائِهِ مُكَاتَبًا .وَإِذَا صَارَتْ كُلُّهَا أُمَّ وَلَدٍ
کیونکہ اس کو جائز قرار دینے میں ابطال کتابت ہے؛ اس لیے کہ مشتری راضی نہیں اس کے مکاتب رہنے پر، اور جب وہ کل ام ولد ہو گئی

لَهُ فَالثَّانِي وَطِئَ أُمَّ وَلَدِ الْغَيْرِ فَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ وَلَا يَكُونُ حُرًّا عَلَيْهِ بِالْقِيمَةِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَجِبُ
اول کے لیے تو ثانی وطی کرنے والا ہے غیر کی ام ولد سے، پس ثابت نہ ہو گا بچے کا نسب اس سے، اور نہ ہو گا آزاد اس پر قیمت سے، البتہ واجب نہ ہو گی

الْحَدُّ عَلَيْهِ لِلشُّبْهَةِ وَيَلْزَمُهُ جَمِيعُ الْعُقْرِ ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ لَا يَعْرَى عَنْ إِحْدَى الْغَرَامَتَيْنِ ،{10}وَإِذَا بَقِيَتِ
حد اس پر شبہہ کی وجہ سے، اور لازم ہو گا اس پر پورا عقر؛ کیونکہ وطی خالی نہیں ہوتی دو تاوانوں میں سے ایک سے، اور جب باقی رہی

الْكِتَابَةُ وَصَارَتْ كُلُّهَا مُكَاتَبَةً لَهُ ، قِيلَ يَجِبُ عَلَيْهَا نِصْفُ بَدَلِ الْكِتَابَةِ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ انْفَسَخَتْ فِيمَا لَا تَتَضَرَّرُ بِهِ
کتابت اور وہ کل مکاتبہ ہو گئی اس کی، تو کہا گیا ہے کہ واجب ہے اس پر نصف بدل کتابت؛ کیونکہ کتابت فسخ ہوئی ایسے امر میں جس میں ضرر نہیں اٹھایا

الْمُكَاتَبَةُ وَلَا تَتَضَرَّرُ بِسُقُوطِ نِصْفِ الْبَدَلِ .وَقِيلَ يَجِبُ كُلُّ الْبَدَلِ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ لَمْ تَنْفَسِخْ
مکاتبہ نے۔ اور اداس کا کوئی ضرر نہیں نصف بدل کے سقوط میں، اور کہا گیا ہے کہ واجب ہو گا کل بدل؛ کیونکہ کتابت فسخ نہیں ہوئی

إِلَّا فِي حَقِّ التَّمَلُّكِ ضَرُورَةً فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ سُقُوطِ نِصْفِ الْبَدَلِ وَفِي إِبْقَائِهِ فِي حَقِّهِ نَظَرٌ لِلْمَوْلَى
مگر تملک کے حق میں ضرورۃً۔ پس ظاہر نہ ہو گا نصف بدل ساقط ہونے کے حق میں، اور عقد کو باقی رکھنے میں نصف بدل کے حق میں رعایت ہے مولی کی،

وَإِنْ كَانَ لَا تَتَضَرَّرُ الْمُكَاتَبَةُ بِسُقُوطِهِ ، وَالْمُكَاتَبَةُ هِيَ الَّتِي تُعْطِي الْعُقْرَ لِاخْتِصَاصِهَا بِأَبْدَالِ مَنَافِعِهَا.
اگرچہ ضرر نہیں اٹھاتی ہے مکاتبہ اس کے سقوط سے، اور مکاتبہ ہی وہ ہے جس کو دیا جاتا ہے عقر؛ اس کے اختصاص کی وجہ سے اپنے منافع کے ابدال کے ساتھ،

وَلَوْ عَجَزَتْ وَرُدَّتْ فِي الرِّقِّ تُرَدُّ إِلَى الْمَوْلَى لِظُهُورِ اخْتِصَاصِهِ عَلَى مَا بَيَّنَّا.
اور اگر وہ عاجز ہو گئی اور واپس کر دی گئی رقیت میں تو رد کیا جائے گا مولی کی طرف؛ اس کے اختصاص کے ظہور کی وجہ سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔

تشریح:۔{1} اگر ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو اجازت دی کہ اس غلام میں سے تیرا حصہ ہزار درہم کے عوض مکاتب کر دو، اور بدلِ کتابت وصول کر لو، پس اس نے مکاتب کر دیا اور ہزار میں سے کچھ حصہ وصول کیا، پھر وہ غلام بقیہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقبوض مال اسی شریک کا ہو گا جس نے وصول کیا ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں کے درمیان مکاتب ہو گا اور جو کچھ اس نے ادا کیا وہ دونوں میں مشترک ہو گا۔

اور اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک کتابت کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ہو سکتے جیسے اعتاق میں ایسا ہی اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ہو سکتے ہیں، پس امام صاحبؒ کے نزدیک کتابت بمنزلۂ اعتاق کے ہے؛ کیونکہ کتابت بھی من وجہ آزادی کا فائدہ دیتی ہے کہ مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد شمار ہوتا ہے لہذا امام صاحبؒ کے نزدیک کتابت اسی شریک کے حصہ پر رہے گی جس نے مکاتب کیا ہے؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک کتابت کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔

{2} اور اول شریک نے جو اجازت دی ہے اس اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ اس شریک کو پھر فسخ کتابت کا اختیار حاصل نہ ہوگا جیسے بغیر اجازت کی صورت میں اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اپنے شریک کو عوض وصول کرنے کی اجازت دینا غلام کو ادا کرنے کی اجازت ہے تو بدل میں سے اپنے حصہ کے بارے میں غلام پر احسان کرانے والا ہوا اسی لیے اس کے شریک نے جو کچھ وصول کیا وہ سب اسی کا ہوگا۔

{3} اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے حصہ کی کتابت کی اجازت دینا کل غلام مکاتب کرنے کی اجازت ہے؛ کیونکہ کتابت کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں پس مکاتب کرنے والا شریک نصف غلام مکاتب کرنے میں اصیل ہے اور دوسرا نصف مکاتب کرنے میں شریک کی طرف سے وکیل ہے اس لیے غلام دونوں کے درمیان مکاتب ہوگا اور جو کچھ بدل وصول کیا ہے وہ ان دونوں میں مشترک ہوگا، اسی طرح جب غلام بقیہ بدلِ کتابت سے عاجز ہوا تو بھی مقبوض مقدار دونوں میں مشترک ہوگی۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے مولانا عبد الحکیم شاو لیکوٹیؒ نے بنیادِ اختلاف کو ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: و اعلم أن الخلاف فی مثل هذه المسائل مبنی علی الاختلاف الواقع بین الامام و الصاحبین فی مسألة اعتاق بعض العبد كما مرّ فی كتاب العتاق و قد صرحوا بأن الصحیح هناک قول الامام صرح به بدر المنتقی شرح الملتقی نقلاً عن القهستانی وغیره فعلی هذا لایخفی الترجیح فی كثیر من مسائل هذا الكتاب أعنی كتاب المكاتب فان كثیراً منها مبنیة علی هذا الاصل كما هو المصرح (هامش الهداية: 330/3)

{4} اگر ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کو مکاتب کر دیا پھر دونوں میں سے ایک نے اس کے ساتھ وطی کرلی پس وہ بچہ جن گئی جس کا واطی نے دعوی کیا، پھر دوسرے نے اس کے ساتھ وطی کرلی اور وہ بچہ جن گئی جس کا دوسرے واطی نے دعوی کیا پھر یہ مکاتبہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گئی تو یہ اول واطی کی ام ولد ہو گی؛ کیونکہ جب دونوں شریکوں میں سے ایک نے بچے کا دعوی کیا تو اس کا دعوی صحیح ہوا؛ کیونکہ باندی میں اس مدعی کی ملک قائم ہے اس لیے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا

اور اس کا حصہ ام ولد ہو گیا؛ کیونکہ مکاتبہ اس قابل نہیں ہوتی ہے کہ ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہو پس دوسرے کا حصہ اس کا ام ولد نہ ہوگا اس لیے ام ولد ہونا فقط اسی کے حصہ پر منحصر رہے گا جیسے مدبرہ مشترکہ میں ہوتا ہے مثلاً ایک باندی دو شریکوں میں مشترک ہے اور ان دونوں نے اس کو مدبرہ بنا دیا پھر ایک نے اس کے ساتھ وطی کرلی جس سے اس کا بچہ پیدا ہوا تو ام ولد ہونا فقط اسی کے حصہ پر منحصر رہے گا۔

{5} اور جب دوسرے شریک نے اس کے دوسرے بچے کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ بھی صحیح ہے؛ کیونکہ بظاہر اس کی ملکیت قائم ہے، پھر اس کے بعد جب وہ عاجز ہوگئی تو کتابت کالعدم قرار دی جائے گی اور یہ ظاہر ہوا کہ پوری باندی پہلے مدعی کی ام ولد ہے؛ کیونکہ اب کتابت نہ رہی اس لیے دوسرے شریک کی ملک اس کی طرف منتقل ہونے سے کوئی بات مانع نہیں ہے اور چونکہ اول کی وطی مقدم ہے اس لیے باندی اسی اول مدعی کی ام ولد ہوگی اور اول کی ام ولد ہو جانے کے بعد اب دوسرے کی ملک کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔

{6} اور اول واطی اس باندی کی نصف قیمت اپنے شریک کو تاوان دے؛ کیونکہ جب اس کا باندی کو ام ولد بنانا پورا ہوا تو اس نے دوسرے کے حصہ کی ملکیت حاصل کرلی اس لیے اس کے حصہ کی قیمت تاوان دیدے۔ اور باندی کے نصف عقر کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے مشترکہ باندی کے ساتھ وطی کرلی۔ اور دوسرا واطی بھی اپنے شریک (اول واطی) کو پورا عقر اور بچے کی قیمت تاوان دے گا اور یہ بچہ اسی کا بیٹا ہوگا؛ دوسرے واطی پر بچے کی قیمت کا تاوان اس لیے کہ دوسرا واطی بمنزلہ دھوکہ کھائے ہوئے کے ہے؛ کیونکہ جس وقت اس نے باندی کے ساتھ وطی کرلی تھی تو بظاہر اس کی ملکیت قائم تھی اور قاعدہ ہے کہ دھوکہ کھائے ہوئے کے بچے کا نسب اس سے ثابت ہوتا ہے اور بعوض قیمت آزاد ہوتا ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔ لیکن اس نے چونکہ ایسی عورت کے ساتھ وطی کرلی ہے جو در حقیقت دوسرے (اول واطی) کی ام ولد ہے لہٰذا اس پر پورا عقر واجب ہوگا۔

{7} اور دونوں شریکوں میں سے جس نے مکاتبہ کے عاجز ہونے سے پہلے مکاتبہ کو عقر دیدیا تو جائز ہے؛ کیونکہ کتابت جب تک باقی رہے تب تک عقر وصول کرنے کا حق خود مکاتبہ کو حاصل ہے؛ کیونکہ دوران کتابت وہ اپنی ذات کے منافع اور معاوضات کے ساتھ مختص ہوتی ہے اس لیے عقر اسے دینا جائز ہے۔ اور جب وہ کتابت سے عاجز ہوگئی تو وہ یہ عقر اپنے مولیٰ کو واپس کردے گی؛ کیونکہ اب ظاہر ہو گیا کہ مولیٰ اس کے منافع اور معاوضات کے ساتھ مختص ہے۔ اور یہ سب تفصیل جو ہم نے ذکر کی یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔

{8} اور صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ مکاتبہ پہلے مدعی کی ام ولد ہے اور دوسرے کا وطی کرنا حلال نہ تھا؛ کیونکہ شریکِ اول نے جب بچہ کا دعوی کیا تو مذکورہ مکاتبہ پوری اس کی ام ولد ہو گئی؛ کیونکہ ام ولد ہونا بالاجماع مکمل ہوتا ہے یعنی جہاں تک ممکن ہو اس کی تکمیل واجب ہوتی ہے، اور یہاں کتابت فسخ کر کے پوری ام ولد بنانا ممکن ہے؛ کیونکہ کتابت ایسا عقد ہے جو قابلِ فسخ ہوتا ہے پس جس امر میں مکاتبہ کو ضرر نہ پہنچے کتابت فسخ کر دی جائے گی اور ام ولد ہونے میں مکاتبہ کا کوئی ضرر نہیں ہے لہٰذا کتابت فسخ کر دی جائے گی، اور اس امر (ام ولد ہونے) کے علاوہ میں کتابت باقی رہے گی اور ام ولد ہونے کے علاوہ امور اس کی کمائیاں اور اس کی اولاد کی کمائیاں ہیں۔

باقی امام صاحبؒ کا مشترکہ مدبرہ پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ مدبرہ کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ تدبیر فسخ کے قابل نہیں ہوتی ہے تو جب اس کو اول کے ام ولدہ بنانے کے بعد دوسرے شریک نے ام ولدہ بنایا تو اس کا استیلاد صحیح ہے۔

{9} سوال یہ ہے کہ جب مکاتب کو فروخت کیا جائے تو صحتِ بیع کے ضمن میں کتابت کو فسخ قرار دیا جائے جیسا کہ صحتِ استیلاد کے ضمن میں کتابت کو فسخ قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مکاتب کی بیع کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ بیع جائز قرار دینے کی صورت میں کتابت باطل کرنا لازم ہوگا؛ کیونکہ مشتری اس امر پر راضی نہ ہوگا کہ مبیع مکاتب باقی رہے اس لیے کتابت باطل ہو جائے گی جس میں مکاتب کا ضرر ظاہر ہے اور کتابت کو اس طرح باطل کرنا جس میں مکاتب کا ضرر ہو جائز نہیں ہے اس لیے بیع کا حکم اس کے برخلاف ہے۔

{10} اور جب ام ولد ہونے کے علاوہ میں کتابت باقی ہے اور پوری مکاتبہ اول واطی کی ہو گئی تو ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر مال کتابت کا نصف واجب ہوگا یعنی دوسرے شریک کا حصہ واجب ہوگا اول کا حصہ ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ کتابت ایسی چیز میں فسخ ہوتی ہے جس میں مکاتبہ کا ضرر نہ ہو اور شریکِ اول کے حصہ کا نصف عوض ساقط ہونے میں مکاتبہ کا کوئی ضرر نہیں ہے اس لیے اس کے ذمہ سے یہ نصف ساقط ہوگا اور دوسرے شریک کے حصے کا نصف مال کتابت واجب ہوگا۔ اور عام مشائخ فرماتے ہیں کہ پورا عوض واجب ہوگا؛ کیونکہ کتابت تو فسخ نہیں ہوئی مگر ضرورۃً اول شریک کے دوسرے شریک کے نصف حصے کے مالک ہونے کے حق میں کہ اس میں کتابت فسخ ہو گئی ہے تاکہ استیلاد مکمل ہو تو نصف عوض ساقط ہونے کے حق میں فسخ کتابت کا اثر ظاہر نہ ہوگا؛ کیونکہ ضرورت کی بنا پر ثابت امر غیر کی طرف متعدی نہیں ہوتا ہے۔ اور عقدِ کتابت کو نصف کے حق میں باقی رکھنے میں مولی کی رعایت ہے کہ اسے بدلِ کتابت حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس نصف کے سقوط میں مکاتبہ کا ضرر نہیں ہے پس ہم نے مولی کی جانب کو ترجیح دی ؛کیونکہ اصل کتابت میں عدم فسخ ہے۔ اور مکاتبہ کا عقر خود مکاتبہ کو دیا جائے گا؛ کیونکہ وہ اپنے ابدال [illegible] منافع کے ساتھ مختص

ہے، اور اگر وہ عاجز ہو کر رقیق کر دی گئی تو اس کا عقر اس کے مولیٰ کو دیا جائے گا؛ کیونکہ اب اس کے مولیٰ کا اختصاص ظاہر ہوا جیسا کہ ہم نے سابق میں امام ابو حنیفہؒ کے قول میں بیان کیا۔

فتوی:۔ عام مشائخ کا قول راجح ہے لما فی الہندیۃ: وَصَارَ كُلُّهَا مُكَاتَبَةً لَهُ قِيلَ يَجِبُ عَلَيْهَا نِصْفُ بَدَلِ الْكِتَابَةِ ، وَقِيلَ يَجِبُ كُلُّ الْبَدَلِ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ .وَعَلَيْهِ الْجُمْهُورُ هَكَذَا فِي الْكَافِي (الہندیۃ: 16/5)

{1}قَالَ : وَيَضْمَنُ الْأَوَّلُ لِشَرِيكِهِ فِي قِيَاسِ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ نِصْفَ قِيمَتِهَا مُكَاتَبَةً

فرمایا: اور ضامن ہو گا اول اپنے شریک کے لیے امام ابو یوسفؒ کے قول کے قیاس میں اس کی نصف قیمت کا مکاتبہ ہونے کی حالت کی؛

لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَ شَرِيكِهِ وَهِيَ مُكَاتَبَةٌ فَيَضْمَنُهُ مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا لِأَنَّهُ

کیونکہ وہ مالک ہوا اپنے شریک کے حصے کا حالانکہ باندی مکاتبہ ہے، پس وہ ضامن ہو گا نصف کا، خواہ وہ غنی ہو یا تنگدست ہو؛ کیونکہ یہ

ضَمَانُ التَّمَلُّكِ {2}وَفِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ : يَضْمَنُ الْأَقَلَّ مِنْ نِصْفِ قِيمَتِهَا وَمِنْ نِصْفِ مَا بَقِيَ مِنْ بَدَلِ الْكِتَابَةِ؛

ملک حاصل کرنے کا ضمان ہے، اور امام محمدؒ کے قول میں ضامن ہو گا اس کی نصف قیمت اور باقی ماندہ بدل کتابت کے نصف میں سے اقل کا؛

لِأَنَّ حَقَّ شَرِيكِهِ فِي نِصْفِ الرَّقَبَةِ عَلَى اعْتِبَارِ الْعَجْزِ ، وَفِي نِصْفِ الْبَدَلِ عَلَى اعْتِبَارِ الْأَدَاءِ فَلِتَرَدُّدِ بَيْنَهُمَا

کیونکہ اس کے شریک کا حق نصف رقبہ میں ہے عاجز ہونے کے اعتبار پر، اور نصف بدل میں ہے ادا کرنے کے اعتبار پر، پس دونوں میں تردد کی وجہ سے

يَجِبُ أَقَلُّهُمَا .{3}قَالَ : وَإِذَا كَانَ الثَّانِي لَمْ يَطَأْهَا وَلَكِنْ دَبَّرَهَا ثُمَّ عَجَزَتْ بَطَلَ التَّدْبِيرُ؛

واجب ہو گا دونوں میں سے اقل۔ فرمایا: اور اگر ثانی نے وطی نہیں کی اس سے، لیکن مدبر بنایا اس کو، پھر وہ عاجز ہو گئی، تو باطل ہو گی تدبیر؛

لِأَنَّهُ لَمْ يُصَادِفِ الْمِلْكَ .أَمَّا عِنْدَهُمَا فَظَاهِرٌ لِأَنَّ الْمُسْتَوْلِدَ تَمَلَّكَهَا قَبْلَ الْعَجْزِ

کیونکہ اس نے نہیں پایا ملک کو، بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ ام ولد بنانے والا مالک ہو گیا اس کا عاجز ہونے سے پہلے،

{4}وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلِأَنَّهُ بِالْعَجْزِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَهُ مِنْ وَقْتِ الْوَطْءِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ

رہا امام صاحبؒ کے نزدیک تو وہ اس لیے کہ عجز سے ظاہر ہو گیا کہ وہ مالک ہوا ہے ثانی کے حصے کا وطی کے وقت سے، پس ظاہر ہوا کہ تدبیر

مُصَادِفٌ مِلْكَ غَيْرِهِ وَالتَّدْبِيرُ يَعْتَمِدُ الْمِلْكَ ، بِخِلَافِ النَّسَبِ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْغُرُورَ عَلَى مَا مَرَّ.

متصل ہوئی ہے ملکِ غیر کے ساتھ، اور تدبیر ملک پر موقوف ہوتی ہے، بر خلافِ نسب کے؛ کیونکہ اس کا مدار فریب پر ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا۔

{5}قَالَ : وَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَ شَرِيكِهِ وَكَمَّلَ الِاسْتِيلَادَ عَلَى مَا بَيَّنَّا ، وَيَضْمَنُ

فرمایا: اور وہ ام ولد ہو گی اول کے لیے؛ کیونکہ وہ مالک ہوا اپنے شریک کے حصے کا، اور پورا ہو چکا استیلاد جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور ضامن ہو گا

لِشَرِيكِهِ نِصْفَ عُقْرِهَا ؛ لِوَطْئِهِ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً ، وَنِصْفَ قِيمَتِهَا ؛ لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ

اپنے شریک کے لیے اس کے نصف عقر کا؛ بوجہ اس کے وطی کرنے کے مشترکہ باندی سے، اور اس کی نصف قیمت کا؛ کیونکہ وہ مالک ہوا

نِصْفَهَا بِالِاسْتِيلَادِ وَهُوَ تَمَلُّكٌ بِالْقِيمَةِ ، وَالْوَلَدُ وَلَدُ الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ صَحَّتْ دِعْوَتُهُ

اس کے نصف کا ام ولد بنانے سے، اور یہ مالک ہونا ہے قیمت سے، اور بچہ پہلے مدعی کا ہے؛ کیونکہ صحیح ہو چکا ہے اس کا دعویٰ نسب؛

لِقِيَامِ الْمُصَحِّحِ ، وَهَذَا قَوْلُهُمْ جَمِيعًا . وَوَجْهُهُ مَا بَيَّنَّا . {6} قَالَ : وَإِنْ كَانَا كَاتَبَاهَا

بوجہ قائم ہونے صحیح کرنے والے امر کے، اور یہ سب کا قول ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور اگر ان دونوں نے اس کو مکاتبہ بنایا،

ثُمَّ أَعْتَقَهَا أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ ثُمَّ عَجَزَتْ يَضْمَنُ الْمُعْتِقُ لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا

پھر آزاد کیا اس کو دونوں میں سے ایک نے، حالانکہ وہ غنی ہے، پھر وہ عاجز ہو گئی، تو ضامن ہو گا آزاد کرنے والا اپنے شریک کے لیے اس کی نصف قیمت کا،

وَيَرْجِعُ بِذَلِكَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يَرْجِعُ عَلَيْهَا ؛ لِأَنَّهَا لَمَّا عَجَزَتْ

اور واپس لے گا یہ آزاد شدہ باندی سے امام صاحب ؒ کے نزدیک، اور صاحبین ؒ فرماتے ہیں: واپس نہیں لے سکتا اس سے؛ کیونکہ جب وہ عاجز ہو گئی

وَرُدَّتْ فِي الرِّقِّ تَصِيرُ كَأَنَّهَا لَمْ تَزَلْ قِنَّةً ، وَالْجَوَابُ فِيهِ عَلَى الْخِلَافِ فِي الرُّجُوعِ

اور دو کر دی گئی رقیت میں تو ہو گئی گویا وہ برابر باندی رہی۔ اور جو حکم اس صورت میں دیا گیا ہے وہ اسی اختلاف پر مبنی ہے جو ایک شریک کے واپس لینے

وَفِي الْخِيَارَاتِ وَغَيْرِهَا كَمَا هُوَ مَسْأَلَةُ تَجَزُّؤِ الْإِعْتَاقِ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ فِي الْإِعْتَاقِ . {7} فَأَمَّا قَبْلَ الْعَجْزِ

اور اختیارات وغیرہ میں ہے جیسا کہ اعتاق کے ٹکڑے ہونے کا مسئلہ ہے، اور ہم بیان کر چکے اس کو کتاب الاعتاق میں۔ رہا عجز سے پہلے

فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ لَمَّا كَانَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ

تو اس کو اختیار نہیں کہ ضمان لے آزاد کرنے والے سے امام صاحب ؒ کے نزدیک؛ کیونکہ اعتاق کے جب ٹکڑے ہوتے ہیں امام صاحب ؒ کے نزدیک

كَانَ أَثَرُهُ أَنْ يُجْعَلَ نَصِيبُ غَيْرِ الْمُعْتِقِ كَالْمُكَاتَبِ فَلَا يَتَغَيَّرُ بِهِ نَصِيبُ صَاحِبِهِ لِأَنَّهَا مُكَاتَبَةٌ

تو اس کا اثر یہ ہو گا کہ قرار دیا جائے غیر معتق کا حصہ مکاتب کی طرح، پس متغیر نہ ہو گا اس سے اس کے شریک کا حصہ؛ کیونکہ وہ مکاتبہ ہے

قَبْلَ ذَلِكَ وَعِنْدَهُمَا لَمَّا كَانَ لَا يَتَجَزَّأُ بِعِتْقِ الْكُلِّ فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ

اس سے پہلے۔ اور صاحبین ؒ کے نزدیک جب اعتاق متجزی نہیں، تو آزاد ہو جائے گا کل، تو اس کو اختیار ہو گا کہ ضامن بنائے معتق کو اپنے حصے کی قیمت کا

مُكَاتَبًا إنْ كَانَ مُوسِرًا ، وَيُسْتَسْعَى الْعَبْدُ إنْ كَانَ مُعْسِرًا لِأَنَّهُ ضَمَانُ إعْتَاقٍ فَيَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ .

مکاتب ہونے کے حساب سے اگر معتق غنی ہو، اور کمائی کرائی جائے غلام سے اگر معتق تنگدست ہو؛ کیونکہ یہ ضمان ہے آزاد کرنے

کا، پس مختلف ہو گا اغناء اور تنگدستی سے۔

تشریح:۔{1} شریکِ اول اپنے شریک کے لیے امام ابویوسفؒ کے قول کے قیاس کے مطابق مکاتبہ کی نصف قیمت کا اس حساب سے کہ وہ مکاتبہ ہے ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے اپنے شریک کے حصہ کی ملکیت حاصل کرلی اس حال میں کہ وہ مکاتبہ ہے تو اس کے مکاتب حصہ کی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ اول شریک تنگدست ہو یا وسعت والا ہو؛ کیونکہ یہ مالک ہو جانے کا تاوان ہے جو تنگدستی اور وسعت سے مختلف نہیں ہوتا ہے، کسی کی مِلک فاسد کرنے کا تاوان نہیں ہے جو تنگدستی اور وسعت سے مختلف ہوتا ہے۔

{2} اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق دیکھا جائے گا کہ اس کی نصف قیمت اور باقی نصف بدلِ کتابت میں سے جو کم ہو اسی کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ شریک کا حق دو اعتبار سے ہے، ایک یہ کہ اگر مکاتبہ ادائے کتابت سے عاجز ہو جائے تو نصف رقبہ میں اس کا حق ہے اور اگر وہ بدلِ کتابت ادا کردے تو نصف بدل میں ہے پس دونوں میں متردد ہونے کی وجہ سے جو کم ہے وہی واجب ہوگا؛ کیونکہ کم متیقن ہے۔

فتوی:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: و اعلم ان الظاهر من صنیع الهدایة وغیرها من کتب الشروح و المتون ترجیح قول محمد و الا فلم أجد من یصرح بالترجیح و التصحیح و الله اعلم(هامش الهدایة:331/3)

{3} اور اگر دوسرے شریک نے اس کے ساتھ وطی نہ کی البتہ اول کے ام ولد بنانے کے بعد اس کو مدبر کردیا پھر وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گئی تو مدبر کرنا باطل ہو گیا؛ کیونکہ مدبر کرنا ملکیت سے متصل نہیں ہوا حالانکہ تدبیر ملک میں ہوتی ہے، اور یہ امر صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ جس شریک نے اس کو ام ولد بنایا وہ اس کے عاجز ہونے سے پہلے اس کا مالک ہو گیا پس جب دوسرے نے اس کو مدبر کردیا تو وہ اس کا مالک نہیں ہے اس لیے تدبیر باطل ہے۔

{4} اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس وجہ سے تدبیر باطل ہوگی کہ اس کے عاجز ہونے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ وطی کے وقت سے واطی اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہو گیا، پس ظاہر ہو گیا کہ مدبر کرنا غیر کی مِلک سے متصل ہوا حالانکہ مدبر کرنا مِلک پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا مِلک کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ باقی نسب کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اگر ثانی کی طرف سے وطی پائی گئی تو ثانی سے نسب ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ نسب کا مدار واطی کے دعوی کرنے پر ہے مِلک پر نہیں ہے لہٰذا بلا مِلک بھی اس کا نسب ثابت ہو جائے گا جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ بچہ دوسرے شریک کا بیٹا ہوگا؛ کیونکہ وہ بمنزلہ مغرور کے ہے۔

{5} اور مذکورہ باندی پہلے مدعی کی ام ولد ہوگی؛ کیونکہ وہ اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہو گیا اور استیلاد پورا ہو چکا جیسا کہ ہم نے اوپر امام صاحبؒ کی دلیل میں بیان کیا کہ اس کے عاجز ہونے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ وطی کے وقت سے واطی اپنے شریک کے حصہ

کامالک ہو گیا۔ اور اپنے شریک کے لیے نصف عقر کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ اس نے مشترک باندی سے وطی کرلی۔ اور اس کی نصف قیمت کا بھی ضامن ہو گا؛ کیونکہ وہ استیلاد کے ذریعہ سے نصف باندی کا مالک ہو گیا اور یہ مالک ہونا بعوض قیمت ہوتا ہے لہٰذا تنگدستی اور وسعت سے اس میں فرق نہیں آتا ہے۔ اور جو بچہ پیدا ہوا وہ اول مدعی کا بچہ ہے؛ کیونکہ اس کا دعویٰ نسب صحیح ہو چکا؛ کیونکہ دعویٰ نسب صحیح ہونے کا سبب موجود ہے اور وہ مکاتبہ میں اس کی مِلک کا موجود ہونا ہے اس لیے اس کا دعویٰ نسب صحیح ہے اور جب دعویٰ صحیح ہے تو بچے کا نسب اسی سے ثابت ہو گا اور یہ بالاجماع سب کا قول ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے سابق میں بیان کی یعنی اوپر جو صاحبینؒ اور امام صاحبؒ میں سے ہر ایک فریق کی دلیل الگ بیان کی۔

{6} اور اگر دونوں شریکوں نے باندی کو مکاتبہ کیا پھر دونوں میں سے ایک نے اس کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ مالدار ہے پھر مکاتبہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گئی، تو آزاد کرنے والا اپنے شریک کے لیے اس کی نصف قیمت کا ضامن ہو گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آزاد کرنے والا یہ قیمت اس عورت سے واپس لے گا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس سے واپس نہیں لے سکتا ہے ؛کیونکہ جب وہ عاجز ہو کر دوبارہ رقیت کی طرف رد کر دی گئی تو گویا وہ برابر رقیق ہی تھی۔ اور اس صورت میں حکم اسی اختلاف پر مبنی ہے جو ایک شریک کے واپس لینے اور اختیارات وغیرہ میں ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک جب ساکت معتق سے ضمان لے تو معتق غلام سے واپس لے گا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غلام سے رجوع نہیں کر سکتا ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک ساکت کو تین خیارات حاصل ہیں اگر چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے، چاہے تو غلام سے کمائی کرائے اور چاہے تو شریک سے اپنے حصہ کی قیمت لے لے جیسا کہ اعتاق کے ٹکڑے ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے اور ہم اس کو "کتاب الاعتاق" کے "باب العبد یعتق بعضہ" میں بیان کر چکے ہیں۔

{7} اور اس کے عاجز ہونے سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شریک کو یہ اختیار نہیں ہے کہ آزاد کرنے والے سے تاوان لے؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک جبکہ اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں تو آزاد کرنے کا اثر یہی ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ مکاتب کی طرح ہو جائے اور چونکہ وہ مکاتبہ موجود ہے تو اس کے فعل (اعتاق) سے دوسرے کے حصہ میں کوئی تغیر اور ضرر نہیں پہنچا؛ کیونکہ وہ پہلے سے مکاتبہ ہے اس لیے آزاد کرنے والے سے تاوان نہیں لے سکتا ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ اعتاق کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں تو اس کے آزاد کرنے سے کل مکاتبہ آزاد ہو جائے گی اس لیے دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ اپنے حصہ کی قیمت کا مکاتب ہونے کے حساب سے تاوان لے بشرطیکہ آزاد کرنے والا مالدار ہو اور اگر وہ تنگدست ہو تو مملوک سے اس قیمت کے لیے سعایت کرائے؛ کیونکہ یہ اعتاق کا تاوان ہے تو آزاد کرنے والے کی تنگدستی اور مالداری سے مختلف ہو گا۔

{1} قَالَ : وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ دَبَّرَهُ أَحَدُهُمَا ثُمَّ أَعْتَقَهُ الْآخَرُ وَهُوَ مُوسِرٌ،
فرمایا: اور اگر غلام مشترک ہو دو آدمیوں میں، مدبر بنایا اس کو دونوں میں سے ایک نے، پھر آزاد کیا اس کو دوسرے نے، حالانکہ وہ غنی ہے
فَإِنْ شَاءَ الَّذِي دَبَّرَهُ ضَمَّنَ الْمُعْتِقَ نِصْفَ قِيمَتِهِ مُدَبَّرًا ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ،
تو اگر چاہے وہ جس نے مدبر بنایا اس کو ضامن بنائے معتق کو اس کی نصف قیمت کا مدبر ہونے کے حساب سے، اور اگر چاہے تو کمائی کرائے غلام سے،
وَإِنْ شَاءَ أَعْتَقَ ، وَإِنْ أَعْتَقَهُ أَحَدُهُمَا ثُمَّ دَبَّرَهُ الْآخَرُ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ
اور اگر چاہے تو آزاد کردے، اور اگر آزاد کیا اس کو دونوں میں سے ایک نے، پھر مدبر بنایا اس کو دوسرے نے تو مدبر کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ ضمان لے
الْمُعْتِقَ وَيَسْتَسْعِي أَوْ يُعْتِقُ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ وَوَجْهُهُ أَنَّ التَّدْبِيرَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ
معتق سے، اور وہ کمائی کرائے غلام سے یا آزاد کردے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تدبیر کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک،
فَتَدْبِيرُ أَحَدِهِمَا يَقْتَصِرُ عَلَى نَصِيبِهِ لَكِنْ يَفْسُدُ بِهِ نَصِيبُ الْآخَرِ فَيَثْبُتُ لَهُ خِيَارُ
پس مدبر کرنا دونوں میں سے ایک کا منحصر ہوگا اس کے حصے پر، لیکن خراب ہوگا اس سے دوسرے کا حصہ پس ثابت ہوگا اس کے لیے اختیار
الْإِعْتَاقِ وَالتَّضْمِينِ وَالِاسْتِسْعَاءِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ ، {2} فَإِذَا أَعْتَقَ لَمْ يَبْقَ لَهُ خِيَارُ
آزاد کرنے، ضمان لینے اور سعایت کرانے کا جیسا کہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے، پھر اگر اس نے آزاد کردیا تو نہ رہے گا اس کے لیے اختیار
التَّضْمِينِ وَالِاسْتِسْعَاءِ ، وَإِعْتَاقُهُ يَقْتَصِرُ عَلَى نَصِيبِهِ لِأَنَّهُ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ،
ضمان لینے اور سعایت کرانے کا، اور اس کا آزاد کرنا منحصر ہوگا اس کے حصے پر؛ کیونکہ اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک،
وَلَكِنْ يَفْسُدُ بِهِ نَصِيبُ شَرِيكِهِ فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ ، وَلَهُ خِيَارُ الْعِتْقِ
لیکن خراب ہوگا اس سے اس کے شریک کا حصہ، پس اس کو اختیار ہے کہ ضمان لے اس سے اپنے حصے کی قیمت کا، اور اس کو اختیار ہے عتق
وَالِاسْتِسْعَاءِ أَيْضًا كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ وَيُضَمِّنُهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ مُدَبَّرًا
اور سعایت کرانے کا بھی جیسا کہ یہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے، اور تاوان لے گا اس سے اپنے حصے کی قیمت کا مدبر ہونے کے حساب سے؛
لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ صَادَفَ الْمُدَبَّرَ . {3} ثُمَّ قِيلَ : قِيمَةُ الْمُدَبَّرِ تُعْرَفُ بِتَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ ، وَقِيلَ يَجِبُ
کیونکہ اعتاق ملا ہے مدبر سے۔ پھر کہا گیا ہے کہ مدبر کی قیمت معلوم ہوگی اندازہ کرنے والوں کے اندازہ سے، اور کہا گیا ہے کہ واجب ہوگی
ثُلُثَا قِيمَتِهِ وَهُوَ قِنٌّ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ أَنْوَاعٌ ثَلَاثَةٌ : الْبَيْعُ وَأَشْبَاهُهُ ، وَالِاسْتِخْدَامُ وَأَمْثَالُهُ،
اس کی دو ثلث قیمت درانحالیکہ وہ محض غلام ہو؛ کیونکہ منافع تین قسم کے ہوتے ہیں، بیع اور اس کے مانند، خدمت لینا اور اس کے مثل،
وَالْإِعْتَاقُ وَتَوَابِعُهُ ، وَالْفَائِتُ الْبَيْعُ فَيَسْقُطُ الثُّلُثُ . وَإِذَا ضَمَّنَهُ لَا يَتَمَلَّكُهُ

اور آزاد کرنا اور اس کے توابع، اور فوت شدہ یہاں بیع کا فائدہ ہے، پس ساقط ہو گا ایک ثلث، اور جب ضمان دیدے مدبر کا تو وہ مالک نہ ہو گا اس کا

بِالضَّمَانِ لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ الِانْتِقَالَ مِنْ مِلْكٍ إِلَى مِلْكٍ ، كَمَا إِذَا غَصَبَ مُدَبَّرًا فَأَبَقَ.

ضمان دینے سے؛ کیونکہ مدبر قبول نہیں کرتا ہے انتقال کو ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف جیسا کہ جب کسی مدبر کو غصب کرلے اور وہ بھاگ جائے۔

{4} وَإِنْ أَعْتَقَهُ أَحَدُهُمَا أَوَّلًا كَانَ لِلْآخَرِ الْخِيَارَاتُ الثَّلَاثُ عِنْدَهُ ، فَإِذَا دَبَّرَهُ

اور اگر آزاد کیا اس کو دونوں میں سے ایک نے اول، تو دوسرے کے لیے ہوں گے تینوں خیارات امام صاحبؒ کے نزدیک، پھر اگر اس نے مدبر کیا اس کو

لَمْ يَبْقَ لَهُ خِيَارُ التَّضْمِينِ وَبَقِيَ خِيَارُ الْإِعْتَاقِ وَالِاسْتِسْعَاءِ لِأَنَّ الْمُدَبَّرَ يُعْتَقُ

تو باقی نہیں رہے گا اس کے لیے ضمان لینے کا خیار، اور باقی رہے گا آزاد کرنے اور سعایت کرانے کا اختیار؛ کیونکہ مدبر آزاد کیا جا سکتا ہے

وَيُسْتَسْعَى {5} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : إِذَا دَبَّرَهُ أَحَدُهُمَا فَعِتْقُ الْآخَرِ بَاطِلٌ

اور اس سے کمائی کرائی جا سکتی ہے۔ اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے: جب اس کو مدبر کر دے دونوں میں سے ایک تو دوسرے کا آزاد کرنا باطل ہے؛

لِأَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُمَا فَيَتَمَلَّكُ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالتَّدْبِيرِ وَيَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهِ

کیونکہ مدبر کرنا متجزی نہیں صاحبینؒ کے نزدیک، پس وہ مالک ہو گا اپنے ساتھی کے حصے کا مدبر کرنے سے، اور ضامن ہو گا اس کی نصف قیمت کا،

مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا ؛ لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ فَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ ، وَيَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهِ

خواہ غنی ہو یا تنگدست ہو؛ کیونکہ یہ مالک ہونے کا ضمان ہے پس یہ مختلف نہ ہو گا غنا اور تنگدستی سے، اور ضامن ہو گا اس کی نصف قیمت کا

قِنًّا لِأَنَّهُ صَادَفَهُ التَّدْبِيرُ وَهُوَ قِنٌّ {6} وَإِنْ أَعْتَقَهُ أَحَدُهُمَا

محض غلام ہونے کے حساب سے؛ کیونکہ ملی ہے اس کے ساتھ تدبیر درانحالیکہ وہ محض غلام تھا، اور اگر آزاد کر دیا اس کو دونوں میں سے ایک نے

فَتَدْبِيرُ الْآخَرِ بَاطِلٌ ؛ لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ لَا يَتَجَزَّأُ فَعَتَقَ كُلُّهُ فَلَمْ يُصَادِفِ التَّدْبِيرُ الْمِلْكَ وَهُوَ يَعْتَمِدُهُ

تو دوسرے کی تدبیر باطل ہے؛ کیونکہ اعتاق متجزی نہیں، پس آزاد ہو گا کل غلام، پس نہیں ملی تدبیر ملک کے ساتھ، اور تدبیر ملک پر موقوف ہوتی ہے،

وَيَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا وَيَسْعَى الْعَبْدُ فِي ذَلِكَ إِنْ كَانَ مُعْسِرًا لِأَنَّ هَذَا ضَمَانُ الْإِعْتَاقِ

اور ضامن ہو گا اس کی نصف قیمت کا اگر وہ غنی ہے، اور کمائی کرے گا غلام اس میں اگر معتق تنگدست ہے؛ کیونکہ یہ اعتاق کا ضمان ہے،

فَيَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ عِنْدَهُمَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

پس یہ مختلف ہو گا غنا اور تنگدستی سے صاحبینؒ کے نزدیک۔

تشریح:۔ {1} اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اس کو مدبر کر دیا، پھر دوسرے نے اس کو آزاد کر دیا اور حال یہ کہ وہ مالدار ہے تو مدبر کرنے والا اگر چاہے تو آزاد کرنے والے سے مدبر ہونے کے حساب سے اس کی نصف قیمت

تاوان لے، اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے، اور اگر چاہے تو غلام کو آزاد کر دے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک نے اس کو آزاد کر دیا پھر دوسرے نے مدبر کیا تو مدبر کرنے والے کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ آزاد کرنے والے سے تاوان لے بلکہ غلام سے کمائی کرائے یا اسے آزاد کر دے، اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے؛ دلیل یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مدبر کرنے کے ٹکڑے ہوسکتے ہیں تو ایک کا مدبر کرنا اسی کے حصہ تک رہے گا دوسرے کا حصہ مدبر نہ ہوگا البتہ اس سے دوسرے کا حصہ خراب ہو جائے گا؛ کیونکہ اب یہ مدبر کسی دوسرے شخص کی ملک میں نہیں جاسکتا ہے، پس دوسرے شریک کو تین طرح کا اختیار حاصل ہوگا یعنی اگر چاہے تو اسے آزاد کر دے، یا مدبر کرنے والے سے تاوان لے، یا غلام سے کمائی کرائے جیسا کہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے۔

{2} پس جب دوسرے نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کو تاوان لینے یا غلام سے کمائی کرانے کا اختیار نہیں رہے گا اور اس کا آزاد کرنا اپنے ہی حصہ تک رہے گا دوسرے کے حصہ تک متعدی نہ ہو؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہوسکتے ہیں۔ البتہ اس کے آزاد کرنے سے مدبر کرنے والے کا حصہ خراب ہو جائے گا؛ کیونکہ اب اس سے خدمت نہیں لی جاسکتی ہے، لہٰذا مدبر کرنے والے کو اختیار ہوگا کہ اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان لے اور یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے اپنے حصہ کو آزاد کر دے یا غلام سے اپنے حصہ کے بقدر کمائی کرائے جیسا کہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے، اور اگر مدبر کرنے والا اپنے شریک سے تاوان لینا چاہے تو مدبر ہونے کے حساب سے تاوان لے گا؛ کیونکہ شریک کا آزاد کرنا ایک مدبر سے متصل ہوا ہے لہٰذا مدبر کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

{3} پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ مدبر کی قیمت دو اندازہ کرنے والوں کے اندازہ کرنے سے معلوم ہو جائے گی، اور بعض نے کہا ہے کہ محض مملوک ہونے کی صورت میں اس کی جو قیمت ہے اس کی دو تہائی واجب ہوگی؛ کیونکہ رقیق کے منافع تین قسم کے ہوتے ہیں ایک اسے فروخت کرنا یا جو بیع کے مشابہ ہو جیسے ہبہ کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ، دوم اس سے خدمت لینا اور جو اس کے مشابہ ہو جیسے اجارہ پر دینا، عاریۃً دینا اور وطی کرنا، سوم آزاد کرنا اور اس کے توابع جیسے مکاتب کرنا، ام ولد بنانا، مدبر بنانا اور بعوض مال آزاد کرنا، پس یہاں اسے مدبر کرنے سے صرف بیع کا فائدہ فوت ہو جاتا ہے کہ اسے اب فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے باقی دو قسم کے منافع برقرار ہیں اس لیے ایک تہائی قیمت ساقط ہو جائے گی۔ بہر حال جب آزاد کرنے والے نے اس مدبر کی قیمت کا تاوان دے دیا تو وہ اس مدبرہ حصے کا مالک نہ ہوگا؛ کیونکہ مدبر ہونے کی وجہ سے یہ اس لائق نہیں ہے کہ ایک ملک (مدبر کرنے والے کی ملک) سے دوسری ملک (آزاد کرنے والے کی ملک) کی طرف منتقل ہوسکے جیسے کسی غاصب نے مدبر کو غصب کیا اور وہ بھاگ گیا تو غاصب پر اسی حساب سے تاوان واجب ہوتا ہے، مگر تاوان ادا کرنے کے بعد غاصب اس کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

{4} اور اگر ان دونوں میں سے ایک نے اس کو پہلے آزاد کر دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دوسرے کو تین طرح کا اختیار ہوگا یعنی چاہے اپنے حصہ کو بھی آزاد کر دے، اور چاہے تو آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کا تاوان لے، اور چاہے تو اپنے حصہ کے بقدر غلام سے کمائی کرا دے۔ پھر اگر ایک کے آزاد کرنے کے بعد دوسرے نے اپنے حصہ کو مدبر کر دیا تو اس کو آزاد کرنے والے سے تاوان لینے کا اختیار نہیں رہے گا، البتہ اپنے حصہ کو بھی آزاد کرنے یا اپنے حصہ کے بقدر غلام سے کمائی کرانے کا اختیار باقی رہے گا؛ کیونکہ مدبر کو آزاد کیا جا سکتا ہے اور اس سے کمائی کرایا جا سکتا ہے۔

{5} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں میں سے ایک نے اس کو مدبر کر دیا تو دوسرے کا اس کو آزاد کرنا باطل ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک مدبر کرنے کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں پس ایک حصہ مدبر کرنے سے وہ کل مدبر ہو جائے گا اس طرح وہ مدبر کرنے سے اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہو جائے گا اور اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا خواہ مالدار ہو یا تنگدست ہو؛ کیونکہ یہ مالک ہو جانے کا تاوان ہے ملک کو فاسد کرنے کا تاوان نہیں ہے لہٰذا یہ تنگدستی اور مالداری سے مختلف نہیں ہوتا ہے۔

اور تاوان میں نصف قیمت کا محض مملوک ہونے کے حساب سے ضامن ہوگا؛ کیونکہ مدبر کرنا ایسی حالت میں متصل ہوا کہ وہ محض مملوک تھا اس لیے محض مملوک ہونے کے حساب سے ضامن ہوگا۔

{6} اور اگر ایک نے اس کو آزاد کیا تو دوسرے کا مدبر کرنا باطل ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک آزاد کرنے کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں پس پورا غلام آزاد ہو جائے گا تو مدبر کرنا ملکیت سے متصل نہ ہوا حالانکہ تدبیر ملکیت پر موقوف ہوتی ہے یعنی ملکیت قائم ہو تب مدبر کرنا ٹھیک ہوتا ہے۔ اور اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا بشرطیکہ آزاد کرنے والا مالدار ہو اور اگر تنگدست ہو تو مذکورہ غلام اپنی نصف قیمت کما کر کے دوسرے کو ادا کرے؛ کیونکہ یہ آزاد کرنے کی وجہ سے ملک کو فاسد کرنے کا تاوان ہے اور آزاد کرنے کا تاوان صاحبینؒ کے نزدیک تنگدستی اور مالداری سے مختلف ہوتا ہے۔

## بَابُ مَوْتِ الْمُكَاتَبِ وَعَجْزِهِ وَمَوْتِ الْمَوْلَى

یہ باب مکاتب کے مرنے یا اس کے بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہونے اور مولیٰ کے مرنے کے بیان میں ہے۔

چونکہ مکاتب کی موت اور اس کا عجز وغیرہ عقدِ کتابت کے بعد ہوتے ہیں اس لیے ان امور کے احکام کو عقدِ کتابت کے بعد بیان کیا ہے۔

{1} قَالَ: وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَنْ نَجْمٍ نَظَرَ الْحَاكِمُ فِي حَالِهِ، فَإِنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ يَقْبِضُهُ

فرمایا: اور جب عاجز ہو جائے مکاتب کسی قسط سے، تو غور کرے حاکم اس کے حال میں، پس اگر اس کا کچھ قرض ہو جو وہ وصول کرے گا اس کو،

أَوْ مَالٌ يَقْدُمُ عَلَيْهِ لَمْ يَعْجَلْ بِتَعْجِيزِهِ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ الْيَوْمَيْنِ أَوِ الثَّلَاثَةَ ؛ نَظَرًا لِلْجَانِبَيْنِ،

یا غائب مال ہو جو آئے گا اس کے پاس، تو جلدی نہ کرے اس کو عاجز ٹھہرانے میں، اور انتظار کرے دو یا تین دن؛ رعایت کرتے ہوئے دونوں جانبوں کی

وَالثَّلَاثُ هِيَ الْمُدَّةُ الَّتِي ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ كَإِمْهَالِ الْخَصْمِ لِلدَّفْعِ وَالْمَدْيُونِ لِلْقَضَاءِ فَلَا يُزَادُ

اور تین دن ہی وہ مدت ہے جو مقرر کی گئی ہے عذروں کے اظہار کے لیے جیسے مہلت دینا خصم کو دفع کی اور مقروض کو ادا کرنے کی، پس اضافہ نہیں کیا جائے گا

عَلَيْهِ {2} فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَجْهٌ وَطَلَبَ الْمَوْلَى تَعْجِيزَهُ عَجَّزَهُ وَفَسَخَ الْكِتَابَةَ،

اس پر، اور اگر نہ ہو اس کے لیے کوئی راہ، اور مطالبہ کیا مولیٰ نے اس کو عاجز کر دینے کا، تو حاکم عاجز قرار دے اس کو اور فسخ کر دے کتابت کو،

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يُعَجِّزُهُ حَتَّى يَتَوَالَى عَلَيْهِ نَجْمَانِ؛

اور یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: عاجز نہ ٹھہرائے اس کو یہاں تک کہ پے در پے آئیں اس پر دو قسطیں؛

لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : إِذَا تَوَالَى عَلَى الْمُكَاتَبِ نَجْمَانِ رُدَّ فِي الرِّقِّ عَلَّقَهُ بِهَذَا الشَّرْطِ،

کیونکہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: جب پے در پے آئیں مکاتب پر دو قسط تو اس کو واپس کر دیا جائے گا رقیت میں، آپؓ نے معلق کر دیا اس شرط کے ساتھ،

{3} وَلِأَنَّهُ عَقْدُ إِرْفَاقٍ حَتَّى كَانَ أَحْسَنُهُ مُؤَجَّلَهُ وَحَالَةُ الْوُجُوبِ بَعْدَ حُلُولِ نَجْمٍ فَلَا بُدَّ

اور اس لیے کہ کتابت آسانی کا عقد ہے حتیٰ کہ اس کا احسن وہ ہے جو میعادی ہو، اور حالتِ وجوب قسط کی میعاد آنے پر ہوتی ہے، پس ضروری ہے

مِنْ إِمْهَالِ مُدَّةٍ اسْتِيسَارًا ، وَأَوْلَى الْمُدَدِ مَا تَوَافَقَ عَلَيْهِ الْعَاقِدَانِ . {4} وَلَهُمَا أَنَّ

کچھ مہلت دینا آسانی دینے کے لیے اور بہتر مدت وہ ہے جس پر دونوں عقد کرنے والے اتفاق کریں۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ

سَبَبَ الْفَسْخِ قَدْ تَحَقَّقَ وَهُوَ الْعَجْزُ، لِأَنَّ مَنْ عَجَزَ عَنْ أَدَاءِ نَجْمٍ وَاحِدٍ يَكُونُ أَعْجَزَ عَنْ أَدَاءِ نَجْمَيْنِ، وَهَذَا لِأَنَّ

سببِ فسخ متحقق ہو چکا اور وہ عجز ہے؛ کیونکہ جو عاجز ہو جائے ایک قسط ادا کرنے سے تو وہ زیادہ عاجز ہو گا دو قسطیں ادا کرنے سے، اور یہ اس لیے کہ

مَقْصُودَ الْمَوْلَى الْوُصُولُ إِلَى الْمَالِ عِنْدَ حُلُولِ نَجْمٍ وَقَدْ فَاتَ فَيُفْسَخُ إِذَا لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا

مولیٰ کا مقصود مال تک پہنچنا ہے قسط کی میعاد آنے پر، اور یہ مقصد فوت ہو چکا، پس عقد فسخ کیا جائے گا جب مولیٰ راضی نہ ہو بقاءِ کتابت پر

بِدُونِهِ ، بِخِلَافِ الْيَوْمَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْهَا لِإِمْكَانِ الْأَدَاءِ فَلَمْ يَكُنْ تَأْخِيرًا ، {5} وَالْآثَارُ مُتَعَارِضَةٌ،

ادائیگی قسط کے بغیر، برخلاف دو تین دن کے؛ کیونکہ یہ ضروری ہے امکانِ ادائیگی کے لیے، پس یہ تاخیر نہیں ہے، اور آثار باہم متعارض ہیں؛

فَإِنَّ الْمَرْوِيَّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ مُكَاتَبَةً لَهُ عَجَزَتْ عَنْ أَدَاءِ نَجْمٍ وَاحِدٍ فَرَدَّهَا فَسَقَطَ

کیونکہ مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ان کی ایک مکاتبہ عاجز ہو گئی قسط ادا کرنے سے، تو آپؓ نے اس کو واپس کر دیا، پس ساقط ہوا

الِاحْتِجَاجُ بِهَا .{6}قَالَ : فَإِنْ أَخَلَّ بِنَجْمٍ عِنْدَ غَيْرِ السُّلْطَانِ فَعَجَزَ فَرَدَّهُ مَوْلَاهُ

استدلال کرنا ان آثار سے۔ فرمایا: پس اگر خلل ظاہر کیا کسی قسط میں غیر سلطان کے پاس، پس عاجز ہو گیا، اور واپس کر دیا اس کے مولیٰ نے

بِرِضَاهُ فَهُوَ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ تُفْسَخُ بِالتَّرَاضِي مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَبِالْعُذْرِ أَوْلَى{7} وَلَوْ لَمْ يَرْضَ

اس کی رضا سے، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ کتابت فسخ ہوتی ہے باہمی رضامندی سے بغیر عذر کے، تو عذر سے بطریقۂ اولیٰ فسخ ہوگی۔ اور اگر راضی نہ ہو

بِهِ الْعَبْدُ لَابُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ بِالْفَسْخِ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ لَازِمٌ تَامٌّ فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ أَوِ الرِّضَا كَالرَّدِّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ.

اس پر غلام، تو ضروری ہے قاضی کا حکم فسخ کا؛ کیونکہ یہ عقد لازم تام ہے، پس ضروری ہے قضاء یا رضاء جیسے رد کرنا عیب کی وجہ سے قبضہ کے بعد۔

{8}قَالَ :وَإِذَاعَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَادَ إِلَى أَحْكَامِ الرِّقِّ ؛ لِانْفِسَاخِ الْكِتَابَةِ ، وَمَا كَانَ فِي يَدِهِ مِنَ الْأَكْسَابِ فَهُوَ

فرمایا: اور اگر عاجز ہوا غلام، تو لوٹ آئے گا احکام رقیت کی طرف؛ کتابت فسخ ہونے کی وجہ سے، اور جو کچھ اس کے ہاتھ کمائی ہے تو وہ

لِمَوْلَاهُ ؛ لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ كَسْبُ عَبْدِهِ ، .وَهَذَا لِأَنَّهُ كَانَ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ أَوْ عَلَى مَوْلَاهُ وَقَدْ زَالَ التَّوَقُّفُ.

اس کے مولیٰ کے لیے ہوگی؛ کیونکہ یہ کمائی ہے اس کے غلام کی، اور یہ اس لیے کہ یہ کمائی موقوف تھی اس پر یا اس کے مولیٰ پر، اور اب زائل ہو گیا توقف۔

تشریح:۔{1} اگر مکاتب بدلِ کتابت کی کسی قسط کو ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو قاضی اس کی حالت کو دیکھے پس اگر اس کا کسی پر کچھ قرضہ ہو جس کو وہ وصول کرے گا یا اس کا کوئی اور ایسا مال ہو جو اس کو حاصل ہونے والا ہو تو قاضی اس کو عاجز ٹھہرانے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو یا تین دن تک اس کو مہلت دے؛ کیونکہ اس میں مولیٰ اور مکاتب دونوں کی رعایت ہے۔ اور تین دن کی مدت اس لیے مقرر کی ہے کہ تین دن کی مدت ایسی مدت ہے جو عذروں کے ظاہر کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے چنانچہ مدعاعلیہ کو مدعی کا دعویٰ دفع کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے، اور قرضدار کو قرض کی ادائیگی کے لیے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے، لہٰذا تین دن سے زیادہ مہلت نہیں دی جائے گی۔

{2} اگر مکاتب کے لیے کوئی صورت مال حاصل ہونے کی نہ ہو اور مولیٰ نے درخواست کی کہ اسے عاجز قرار دے کر دوبارہ رقیت کی طرف لوٹا دیا جائے تو قاضی اس کو عاجز قرار دے کر اس کی کتابت کو فسخ کر دے، یہ طرفینؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قاضی اس کو عاجز نہ قرار دے یہاں تک کہ پے در پے اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں؛ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

کا ارشاد ہے کہ "جب مکاتب پر پے درپے دو قسطیں چڑھ جائیں تو اسے رقیت کی طرف لوٹا دیا جائے"[1] پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رقیت کی طرف لوٹانے کو دو قسط چڑھ جانے کی شرط کے ساتھ معلق کر دیا لہٰذا دو قسط چڑھ جانے تک مہلت دی جائے گی۔

{3} دوسری دلیل یہ ہے کہ عقد کتابت تو آسانی کے لیے ہے جس کی بنیاد چشم پوشی پر ہے حتیٰ کہ بہتر عقدِ کتابت وہی ہے جس میں مہلت ہو اور ادائیگی کے وجوب کی حالت بھی ایک قسط مدت گذرنے کے بعد ہے پس اسی وقت اس کو عاجز قرار دینے کا مطالبہ کرنے میں کوئی نرمی نہیں ہے، لہٰذا اتنی مدت دینا ضروری ہے جس میں وہ کچھ مالدار ہو سکے تا کہ اس کے لیے ادائیگی ممکن ہو اور مدتوں میں سے اولیٰ وہ ہے جس پر دونوں عاقدوں نے اتفاق کیا ہو اور وہ دوسری قسط ہے، پھر اگر دوسری قسط بھی ادا نہ کر سکا تو اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں گی اس لیے اب اسے رقیق کر دیا جائے گا۔

{4} طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ فسخ کرنے کا سبب متحقق ہوا اور وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے اس کا عاجز ہونا ہے لہٰذا جب وہ ادا کرنے سے عاجز ہوا تو عقدِ کتابت فسخ کیا جائے گا؛ کیونکہ جو غلام ایک قسط ادا کرنے سے عاجز ہوا وہ دو قسطوں سے بدرجہ اولیٰ عاجز ہوگا اس لیے عقد فسخ کرنا لازم ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ کا مقصود یہ تھا کہ قسط کا وقت آنے پر مال وصول ہو اور یہ مقصود فوت ہو گیا تو جب وہ مشروط قسط کی ادائیگی کے بغیر راضی نہیں تو عقد فسخ کر دیا جائے گا۔ البتہ دو تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے تا کہ اس کے لیے بدلِ کتابت ادا کرنا ممکن ہو پس یہ تاخیر میں داخل نہیں ہے اس لیے دو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔

{5} باقی امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم باہم متعارض ہیں چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی ایک مکاتبہ ایک قسط ادا کرنے سے عاجز ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے عقدِ کتابت کو فسخ کر کے مکاتبہ کو رقیت کی طرف لوٹا دیا[2]، لہٰذا آثار سے استدلال کرنا ساقط ہو گیا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: و ظاهر الشروح و المتون ترجيح قول الامام ،أما المتون فلاقتصارهم على قوله و أما الشروح فلتأخيرهم او اقتصارهم و كذا كتب الفتاوى و الا فلم اره التصريح بالترجيح و الله أعلم بالصحيح عنده (هامش الهداية: 335/3)

---

([1]) رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي الْبُيُوعِ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ حُصَيْنٍ الْحَارِثِيِّ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: إذَا تَتَابَعَ عَلَى الْمُكَاتَبِ نَجْمَانِ فَلَمْ يُؤَدِّ نُجُومَهُ، رُدَّ فِي الرِّقِّ، انْتَهَى.(نصب الراية: 360/4)

([2]) علامہ زیلعی فرماتے ہیں: قلت: غَرِيبٌ، وَرَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَاتَبَ غُلَامًا لَهُ عَلَى أَلْفِ دِينَارٍ، فَأَدَّاهَا إلَّا مِائَةً، فَرَدَّهُ فِي الرِّقِّ، انْتَهَى. (نصب الراية: 360/4)

{6} اگر مکاتب نے قاضی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے پاس اداءِ قسط میں خلل ظاہر کیا یعنی وقتِ مقررہ پر ادا نہ کر سکا پس وہ عاجز ہوا اور مولیٰ نے مکاتب کی رضامندی سے اس کو رقیت کی طرف لوٹا دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ کتابت ایسا عقد ہے جو باہمی رضامندی سے عذر کے بغیر فسخ کیا جا سکتا ہے تو عذر کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ فسخ کیا جا سکتا ہے۔

{7} اگر مذکورہ غلام فسخ پر راضی نہ ہوا تو فسخ کے لیے حکم قاضی ضروری ہے؛ کیونکہ کتابت مولیٰ کی جانب ایک لازم اور تام عقد ہے یعنی اس میں خیارِ شرط نہیں ہے تو اس کے توڑنے کے لیے حکم قاضی یا باہمی رضامندی کی ضرورت ہے جیسے قبضہ کے بعد عیب کی وجہ سے واپسی کے لیے حکم قاضی یا باہمی رضامندی ضروری ہے۔

{8} اور جس وقت مکاتب کو اپنی کتابت سے عاجز قرار دیا گیا تو وہ رقیت کے احکام کی طرف لوٹ آئے گا؛ کیونکہ کتابت فسخ ہو گئی تو لازمی طور پر رقیق ہو گا۔ اور رقیت کی طرف لوٹ آنے کے بعد جو کمائیاں اس کے قبضہ میں ہوں وہ اس کے مولیٰ کی ہوں گی؛ کیونکہ رقیت کی طرف لوٹ آنے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ کمائی اس کے غلام کی کمائی ہے، اور اس ظہور کی وجہ یہ ہے کہ یہ کمائی اس طرح موقوف تھی کہ یا یہ مکاتب کی ہے اگر اس نے بدلِ کتابت ادا کر دیا، یا اس کے مولیٰ کی ہے اگر وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوا، اب جبکہ وہ عاجز ہوا تو یہ توقف نہیں رہا اس لیے کمائی مولیٰ کی ہو جائے گی۔

{1} قَالَ : فَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهُ مَالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَقُضِيَ مَا عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ وَحُكِمَ
فرمایا: پس اگر مر گیا مکاتب اور اس کے لیے مال ہے، تو فسخ نہ ہو گی کتابت، اور ادا کیا جائے گا وہ جو اس پر ہے اس کے مال سے اور حکم کیا جائے گا

بِعِتْقِهِ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ مِيرَاثٌ لِوَرَثَتِهِ وَيَعْتِقُ أَوْلَادُهُ ؛ وَهَذَا قَوْلُ
اس کی آزادی کا اس کی زندگی کے آخری جزء میں، اور جو بچے وہ میراث ہے اس کے ورثہ کے لیے، اور آزاد ہو گی اس کی اولاد، اور یہ قول ہے

عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہما، وَبِهِ أَخَذَ عُلَمَاؤُنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ {2} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : تَبْطُلُ الْكِتَابَةُ وَيَمُوتُ
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا، اور اسی کو لے لیا ہے ہمارے علماء نے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: باطل ہو گی کتابت اور وہ مرا ہے

عَبْدًا وَمَا تَرَكَهُ لِمَوْلَاهُ ، وَإِمَامُهُ فِي ذَلِكَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ {3} وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ
غلام ہو کر، اور جو اس نے چھوڑا وہ اس کے مولیٰ کا ہے، اور ان کا مقتداء اس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس لیے کہ مقصود

مِنَ الْكِتَابَةِ عِتْقُهُ وَقَدْ تَعَذَّرَ إِثْبَاتُهُ فَتَبْطُلُ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو إِمَّا أَنْ يَثْبُتَ بَعْدَ الْمَمَاتِ
کتابت سے اس کی آزادی ہے، اور متعذر ہو گیا اس کو ثابت کرنا، پس باطل ہو گی، اور یہ اس لیے کہ آزادی خالی نہیں یا تو ثابت ہو گی موت کے بعد

مَقْصُودًا أَوْ يَثْبُتَ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ مُسْتَنِدًا ، لَا وَجْهَ إِلَى الْأَوَّلِ لِعَدَمِ الْمَحَلِّيَّةِ،

مقصود ہو کر یا ثابت ہوگی موت سے پہلے یا موت کے بعد زندگی کی طرف منسوب ہو کر، اول کی تو کوئی وجہ نہیں؛ عدم محلیت کی وجہ سے،

وَلَا إِلَى الثَّانِي لِفَقْدِ الشَّرْطِ وَهُوَ الْأَدَاءُ ، وَلَا إِلَى الثَّالِثِ لِتَعَذُّرِ الثُّبُوتِ فِي الْحَالِ

اور نہ ثانی کی کوئی وجہ ہے؛ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے، اور وہ ادا کرنا ہے، اور نہ ثالث کی کوئی وجہ ہے؛ فی الحال ثبوت کے متعذر ہونے کی وجہ سے،

وَالشَّيْءُ يَثْبُتُ ثُمَّ يَسْتَنِدُ .{4} وَلَنَا أَنَّهُ عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ ، وَلَا يَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ

حالانکہ شی پہلے ثابت ہوتی ہے پھر منسوب ہوتی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے، اور باطل نہیں ہوتا ہے متعاقدین میں سے ایک کی موت سے

وَهُوَ الْمَوْلَى فَكَذَا بِمَوْتِ الْآخَرِ ، وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا الْحَاجَةُ إِلَى إِبْقَاءِ الْعَقْدِ لِإِحْيَاءِ الْحَقِّ،

اور وہ مولیٰ ہے، پس اسی طرح دوسرے کی موت سے بھی باطل نہ ہوگا، اور جامع دونوں میں حاجت ہے عقد باقی رکھنے کو حق کو زندہ کرنے کے لیے،

بَلْ أَوْلَى لِأَنَّ حَقَّهُ آكَدُ مِنْ حَقِّ الْمَوْلَى حَتَّى لَزِمَ الْعَقْدُ فِي جَانِبِهِ ،{5} وَالْمَوْتُ أَنْفَى

بلکہ بطریقہ اولیٰ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ غلام کا حق مؤکد ہے مولیٰ کے حق سے، حتی کہ لازم ہوتا ہے عقد مولیٰ کی جانب میں، اور موت زیادہ نفی کرتی ہے

لِلْمَالِكِيَّةِ مِنْهُ لِلْمَمْلُوكِيَّةِ{6} فَيُنَزَّلُ حَيًّا تَقْدِيرًا ، أَوْ تَسْتَنِدُ الْحُرِّيَّةُ بِاسْتِنَادِ سَبَبِ الْأَدَاءِ

مالکیت کی مملوکیت کی بنسبت، پس قرار دیا جائے زندہ فرض کر کے، یا آزادی منسوب ہوگی سبب یعنی ادائیگی کے منسوب ہونے کی وجہ سے

إِلَى مَا قَبْلَ الْمَوْتِ وَيَكُونُ أَدَاءُ خَلَفِهِ كَأَدَائِهِ ، وَكُلُّ ذَلِكَ مُمْكِنٌ عَلَى مَا عُرِفَ تَمَامُهُ فِي الْخِلَافِيَّاتِ.

موت سے پہلے کی طرف، اور ہوگا خلیفہ کا ادا کرنا خود اس کے ادا کرنے کی طرح، اور یہ سب ممکن ہے جیسا کہ معلوم ہے اس کی پوری بحث خلافیات میں

{7} قَالَ : وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً وَتَرَكَ وَلَدًا مَوْلُودًا فِي الْكِتَابَةِ سَعَى فِي كِتَابَةِ أَبِيهِ عَلَى نُجُومِهِ

فرمایا: اور اگر نہیں چھوڑا کافی مال، اور چھوڑ دیا کتابت میں پیدا ہونے والا ولد، تو وہ سعایت کرے گا اپنے باپ کی کتابت میں اس کی قسطوں کے مطابق،

فَإِذَا أَدَّى حَكَمْنَا بِعِتْقِ أَبِيهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَعِتْقِ الْوَلَدِ ؛ لِأَنَّ الْوَلَدَ دَاخِلٌ فِي كِتَابَتِهِ

پس جب وہ ادا کر دے، تو ہم حکم دیں گے اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے، اور آزاد ہو جائے گا بچہ؛ کیونکہ بچہ داخل ہے اس کی کتابت میں،

وَكَسْبُهُ كَكَسْبِهِ فَيَخْلُفُهُ فِي الْأَدَاءِ وَصَارَ كَمَا إِذَا تَرَكَ وَفَاءً{8} وَإِنْ تَرَكَ وَلَدًا

اور بچے کی کمائی باپ کی کمائی کی طرح ہے، پس بچہ اس کا خلیفہ ہوگا ادائیگی میں، اور ہوگا جیسا کہ اس نے پورا مال چھوڑا ہو۔ اور اگر چھوڑا ایسا بیٹا

مُشْتَرًى فِي الْكِتَابَةِ قِيلَ لَهُ إِمَّا أَنْ تُؤَدِّيَ الْكِتَابَةَ حَالَّةً أَوْ تُرَدَّ رَقِيقًا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.

جو خرید ا ہوا ہو کتابت میں، تو کہا جائے گا اس سے کہ یا تو ادا کر بدل کتابت فی الحال، یا تجھے رد کیا جائے گا رقیت کی طرف اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے

وَأَمَّا عِنْدَهُمَا يُؤَدِّيهِ إِلَى أَجَلِهِ اعْتِبَارًا بِالْوَلَدِ الْمَوْلُودِ فِي الْكِتَابَةِ ، وَالْجَامِعُ أَنَّهُ يُكَاتَبُ

رہا صاحبینؒ کے نزدیک تو ادا کرے گا اس کو باپ کی میعاد تک؛ قیاس کرتے ہوئے کتابت میں پیدا شدہ بیٹے پر، اور جامع یہ ہے کہ وہ مکاتب ہے

عَلَيْهِ تَبَعًا لَهُ وَلِهَذَا يَمْلِكُ الْمَوْلَى إِعْتَاقَهُ بِخِلَافِ سَائِرِ أَكْسَابِهِ. {9} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْفَرْقُ

اس پر اس کا تابع ہو کر، اور اسی وجہ سے مالک ہے مولیٰ اس کو آزاد کرنے کا، برخلاف اس کی دیگر کمائیوں کے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل اور وہ فرق ہے

بَيْنَ الْفَصْلَيْنِ أَنَّ الْأَجَلَ يَثْبُتُ شَرْطًا فِي الْعَقْدِ فَيَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ دَخَلَ تَحْتَ الْعَقْدِ

دونوں صورتوں کے درمیان، وہ یہ کہ میعاد ثابت ہوتی ہے بطورِ شرط عقد میں، پس یہ ثابت ہوگی ہر اس کے حق میں جو داخل ہو عقد کے تحت،

وَالْمُشْتَرَى لَمْ يَدْخُلْ لِأَنَّهُ لَمْ يُضِفْ إِلَيْهِ الْعَقْدَ وَلَا يَسْرِي حُكْمُهُ إِلَيْهِ لِانْفِصَالِهِ،

اور خریدا ہوا داخل نہیں؛ کیونکہ مضاف نہیں اس کی طرف عقد اور نہ پہنچتا ہے حکم عقد اس تک؛ اس کے الگ ہونے کی وجہ سے،

بِخِلَافِ الْمَوْلُودِ فِي الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ وَقْتَ الْكِتَابَةِ فَيَسْرِي الْحُكْمُ إِلَيْهِ وَحَيْثُ دَخَلَ فِي حُكْمِهِ سَعَى فِي نُجُومِهِ

برخلافِ کتابت میں پیدا شدہ کے؛ کیونکہ وہ متصل ہے کتابت کے وقت، پس پہنچ گیا حکم اس تک، اور جب وہ داخل ہوا اس کے حکم میں

تو وہ سعایت کرے گا باپ کی قسطوں میں۔

تشریح:۔ {1} اگر مکاتب مر گیا اور اس نے مال چھوڑ کر مرا تو کتابت فسخ نہ ہوگی اور حکم دیا جائے گا کہ جو بدلِ کتابت اس پر ہے وہ اس کے متروکہ مال سے ادا کیا جائے، اور حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کے آخری جزء میں آزاد ہو کر مرا ہے، اور بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد جو کچھ اس کا ترکہ باقی رہا وہ اس کے وارثوں میں میراث ہوگا اور اس کی اولاد آزاد ہوگی اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے[1] اور اسی کو ہمارے علماء نے لیا ہے۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتابت باطل ہو جائے گی اور مذکورہ مکاتب غلام ہو کر مرے گا اور جو کچھ مال وہ چھوڑے گا وہ اس کے مولیٰ کا ہوگا، اور امام شافعیؒ کے پیشوا اس بارے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ بیہقی میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "مکاتب غلام مرے گا اگر اس پر ایک درہم باقی رہے اور نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا"۔

{3} دوسری دلیل یہ ہے کہ کتابت سے مقصود یہ تھا کہ مکاتب آزاد ہو جائے اور اس کے مرنے کی وجہ سے آزادی ثابت کرنا محال ہو گیا اس لیے کتابت باطل ہو جائے گی۔

اور آزادی اس لیے متعذر ہے کہ آزادی اگر ثابت ہو تو تین حال سے خالی نہیں ہے، ایک یہ کہ موت کے بعد مقصوداً ثابت ہو یعنی ثبوت اس کا صرف موت کے بعد متصور رہے پہلے سے ثابت نہ ہو اور نہ پہلے کسی وقت کی جانب منسوب ہو۔ دوم یہ کہ موت سے

---

([1]) أخرج البيهقي عن الشعبي، قال: كان زيد بن ثابت يقول: المكاتب عبد ما بقي عليه درهم، لا يرث ولا يورث، وكان علي يقول: إذا مات المكاتب وترك مالا، قسم ما ترك على ما أدى، وعلى ما بقي، فما أصاب ما أدى فللورثة، وما أصاب ما بقي فلمواليه، وكان عبد الله يقول: يؤدى إلى مواليه ما بقي من مكاتبته، ولورثته ما بقي. (نصب الراية: 360/4)

پہلے ثابت ہو، سوم یہ کہ موت کے بعد کسی سابقہ وقت کی جانب منسوب ثابت ہو یعنی موت کے بعد مثلاً حکم دیا جائے کہ زندگی کے فلاں وقت سے یہ آزاد ہوا ہے، حالانکہ یہ سب صورتیں باطل ہیں چنانچہ پہلی صورت کی تو کوئی وجہ اس لیے نہیں ہے کہ وہ موت کے بعد وہ آزادی کا محل نہیں ہے؛ کیونکہ آزادی سے غلام میں مالکیت کی قوت پیدا ہوتی ہے حالانکہ مالکیت کی قوت موت کے بعد متصور نہیں ہے۔ اور دوسری صورت کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ شرط فوت ہوگئی یعنی آزادی بدلِ کتابت کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے اور ادائیگی نہیں پائی گئی تو آزادی بھی نہیں پائی جائے گی۔ اور تیسری صورت کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ موت کی وجہ سے فی الحال آزادی ثابت ہونا متعذر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک چیز پہلے ثابت ہوتی ہے پھر کسی وقت کی جانب منسوب ہوتی ہے تو جب فی الحال آزادی ثابت نہیں تو سابقہ وقت کی جانب بھی منسوب نہیں ہو سکتی ہے، تو جب سب صورتیں محال ہوئیں تو اس مکاتب کے آزاد ہونے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے وہ غلام مرا ہے۔

{4} ہماری دلیل یہ ہے کہ عقدِ کتابت ایک عقدِ معاوضہ ہے کہ مکاتب کو تصرف کی مالکیت حاصل ہوتی ہے اور مولیٰ کو بدلِ کتابت کے مطالبہ کی مالکیت حاصل ہوتی ہے، اور حال یہ کہ مذکورہ عقد دونوں متعاقدین میں سے ایک کے مرنے پر باطل نہیں ہوتا اور وہ مولیٰ ہے یعنی اگر مولیٰ مر جائے تو بالاتفاق عقدِ کتابت باقی رہتا ہے تو اسی طرح دوسرے کے مرنے سے بھی باطل نہ ہوگا یعنی مکاتب کے مرنے سے بھی باطل نہ ہوگا، اور مولیٰ اور غلام میں علتِ مشترکہ یہ ہے کہ احیاءِ حق کے لیے عقد باقی رکھنے کی حاجت ہے تو جس طرح مولیٰ کے حق کے احیاء کی ضرورت کی وجہ سے مولیٰ کے مرنے پر عقد باقی رکھا جاتا ہے ایسے ہی غلام کے مرنے پر بھی باقی رکھا جائے گا بلکہ بدرجہ اولیٰ باقی رکھا جائے گا؛ کیونکہ غلام کا حق مولیٰ کے حق کی بنسبت زیادہ مؤکد ہے حتیٰ کہ غلام کی جانب سے یہ عقد لازم ہوا کرتا ہے؛ کیونکہ غلام کے علاوہ کسی اور شخص کو اسے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے جبکہ مولیٰ کی جانب سے لازم نہیں؛ کیونکہ غلام اسے فسخ کر سکتا ہے پس غلام کا حق مولیٰ کے حق سے زیادہ مؤکد ہوگا اس لیے غلام کے مرنے پر عقد کو باقی رکھا جائے گا۔

{5} دوسری وجہ یہ ہے کہ موت بنسبت مملوکیت کے مالکیت کی زیادہ نفی کرنے والی ہے یعنی موتِ مولیٰ کی وجہ سے عقد باقی رکھا گیا حالانکہ موت سے مولیٰ کی مالکیت ختم ہو جاتی ہے تو مکاتب کی موت سے بدرجہ اولیٰ باقی رکھا جائے گا کہ یہاں مملوکیت ختم ہو جاتی ہے؛ کیونکہ موت بنسبت مملوکیت کے مالکیت کی زیادہ نفی کرنے والی ہے۔

{6} پس اس عقد کے لیے غلام کو زندہ فرض کر لیا جائے گا یا موت سے پہلے کی طرف اس کا سبب یعنی ادائیگی منسوب کرنے کی وجہ سے اس کی آزادی بھی موت سے پہلے کی طرف منسوب ہوگی اور مکاتب کے خلیفہ کا ادا کرنا بذاتِ خود مکاتب کے ادا کرنے کی

طرح ہوگا اور یہ سب ممکن ہے جیسا کہ خلافیات میں اس کی پوری بحث مذکور ہے، خلافیات سے مراد وہ کتابیں ہیں جو مختلف فیہ فقہی مسائل کو جمع کرکے ترتیب دی گئیں ہیں۔

{7} اور اگر مذکورہ مکاتب نے اداءِ کتابت کے لیے کافی مال نہ چھوڑا اور ایسا بیٹا چھوڑا جو کتابت کی حالت میں پیدا ہوا ہے تو وہ اپنے باپ کی کتابت کے لیے اس کی اقساط کے مطابق کمائی کرے یعنی کمائی کرکے انہیں قسطوں پر ادا کرے جو اس کے باپ کے لیے قرار پائی تھیں پھر جب اس نے کما کر ادا کر دیا تو ہم حکم دیں گے کہ اس کا باپ اپنی موت سے پہلے آزاد ہو گیا اور بیٹا بھی آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ بیٹا باپ کی کتابت میں داخل ہے اور بیٹے کی کمائی باپ کی کمائی کی طرح ہے تو بیٹا بدلِ کتابت ادا کرنے میں اپنے باپ کا خلیفہ ہوگا اور ایسا ہو گیا گویا مکاتب نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ جس سے بدلِ کتابت ادا ہو جاتا ہے۔

{8} اور اگر مذکورہ مکاتب نے اپنے پیچھے ایسا بیٹا چھوڑا جو اس نے کتابت کی حالت میں خریدا تھا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس بیٹے سے کہا جائے گا کہ تم یا تو فی الحال بدلِ کتابت ادا کر دو ورنہ تجھے رقیت کی طرف واپس کر دیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ بیٹا بدلِ کتابت کو اپنی میعاد پر ادا کرے گا؛ صاحبینؒ خریدے ہوئے بیٹے کو ایسے بیٹے پر قیاس کرتے ہیں جو باپ کی کتابت کی حالت میں پیدا ہوا ہو جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور اس قیاس کی علتِ مشترکہ یہ ہے کہ دونوں تبعاً مکاتب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مولیٰ حالتِ کتابت میں خریدے ہوئے بیٹے کو آزاد کر سکتا ہے جیسا کہ حالتِ کتابت میں پیدا شدہ بیٹے کو آزاد کر سکتا ہے، باقی مذکورہ مکاتب کی دیگر کمائیوں کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ مولیٰ ان میں تصرف نہیں کر سکتا حتیٰ کہ مکاتب کے خریدے ہوئے غلاموں کو مولیٰ آزاد نہیں کر سکتا۔

{9} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حالتِ کتابت میں پیدا شدہ بیٹے اور خریدے ہوئے بیٹے میں فرق ہے وہ یہ کہ عقدِ کتابت میں میعاد بطورِ شرط ثابت ہوتی ہے تو یہ میعاد ہر ایسے شخص کے حق میں ثابت ہوگی جو عقد کے تحت میں داخل ہوا ہو اور حال یہ ہے کہ خریدا ہوا بیٹا اس کے عقد کے تحت میں داخل نہیں ہوا؛ کیونکہ مذکورہ عقد اس کی جانب مضاف نہیں ہوا اور نہ عقد کا حکم اس کی جانب سرایت کر چکا ہے؛ کیونکہ عقد کے وقت وہ مکاتب سے الگ تھا، برخلاف ایسے بیٹے کے جو کتابت کی حالت میں پیدا ہوا ہو؛ کیونکہ وہ کتابت کے وقت مکاتب کے ساتھ متصل ہے تو عقدِ کتابت کا حکم اس تک سرایت کر جائے گا اور جب وہ کتابت کے حکم میں داخل ہوا تو اپنے باپ کی اقساط کے لیے کمائی کرے گا، اور خریدا ہوا جب داخل عقد نہیں ہوا تو وہ اقساط کے موافق سعایت نہیں کر سکتا، البتہ چونکہ باپ کے ذمہ مکاتب ہو چکا ہے تو کتابت فی الحال ادا کر سکتا ہے اگرچہ میعاد اس کے حق میں ثابت نہ ہوگی۔

{1} فَإِنِ اشْتَرَى ابْنَهُ ثُمَّ مَاتَ وَتَرَكَ وَفَاءً وَرِثَهُ ابْنُهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا حُكِمَ بِحُرِّيَّتِهِ

اور اگر مکاتب نے خرید لیا اپنا بیٹا پھر مر گیا، اور چھوڑ دیا بدل کے بقدر مال، تو وارث ہوگا اس کا اس کا بیٹا؛ کیونکہ جب حکم کیا گیا اس کی آزادی کا

فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ يُحْكَمُ بِحُرِّيَّةِ ابْنِهِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِأَبِيهِ فِي الْكِتَابَةِ فَيَكُونُ هَذَا حُرًّا

اس کی زندگی کے آخری جزء میں تو حکم دیا جائے اس کے بیٹے کی حریت کا اسی وقت میں؛ کیونکہ بیٹا تابع ہے اپنے باپ کا کتابت میں، پس یہ آزاد ہوگا

يَرِثُ عَنْ حُرٍّ {2} وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَ هُوَ وَابْنُهُ مُكَاتَبَيْنِ كِتَابَةً وَاحِدَةً ؛ لِأَنَّ الْوَلَدَ إِنْ كَانَ صَغِيرًا فَهُوَ تَبَعٌ لِأَبِيهِ،

میراث پاتا ہے آزاد سے۔ اسی طرح اگر باپ اور اس کا بیٹا دونوں مکاتب ہوں ایک کتابت کے ساتھ؛ کیونکہ بیٹا اگر صغیر ہو تو وہ تابع ہے اپنے باپ کا،

وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا جُعِلَا كَشَخْصٍ وَاحِدٍ، فَإِذَا حُكِمَ بِحُرِّيَّةِ الْأَبِ يُحْكَمُ بِحُرِّيَّتِهِ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ عَلَى مَا مَرَّ.

اور اگر وہ بالغ ہو تو قرار دیا جائیں گے ایک شخص کی طرح، پس جب حکم کیا گیا باپ کی حریت کا تو حکم کیا جائے گا بیٹے کی حریت کا اسی حالت میں جیسا کہ گذر چکا۔

{3} قَالَ : وَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهُ وَلَدٌ مِنْ حُرَّةٍ وَتَرَكَ دَيْنًا وَفَاءً بِمُكَاتَبَتِهِ فَجَنَى الْوَلَدُ

فرمایا: اور اگر مر گیا مکاتب اور اس کا بیٹا ہے آزاد عورت سے، اور چھوڑ دیا اس نے ایسا دین جو کافی ہے اس کی کتابت کے لیے، پھر کوئی جرم کیا بیٹے نے،

فَقُضِيَ بِهِ عَلَى عَاقِلَةِ الْأُمِّ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ قَضَاءً بِعَجْزِ الْمُكَاتَبِ ؛ لِأَنَّ هَذَا الْقَضَاءَ يُقَرِّرُ حُكْمَ الْكِتَابَةِ ، لِأَنَّ

اور حکم دیا گیا اس کی ماں کے عاقلہ پر، تو نہ ہوگا یہ فیصلہ مکاتب کے عجز کا حکم؛ کیونکہ یہ فیصلہ مضبوط کرتا ہے حکم کتابت کو؛ اس لیے کہ

مِنْ قَضِيَّتِهَا إِلْحَاقُ الْوَلَدِ بِمَوَالِي الْأُمِّ وَإِيجَابُ الْعَقْلِ عَلَيْهِمْ ، لَكِنْ عَلَى وَجْهٍ يَحْتَمِلُ أَنْ يُعْتَقَ

اس کا تقاضا لاحق کرنا ہے ولد کو ماں کے موالی کے ساتھ اور واجب کرنا ہے دیت کو ان پر، لیکن اس طور پر کہ احتمال رکھتا ہے کہ آزاد ہو جائے مکاتب

فَيَنْجَرَّ الْوَلَاءُ إِلَى مَوَالِي الْأَبِ ، وَالْقَضَاءُ بِمَا يُقَرِّرُ حُكْمَهُ لَا يَكُونُ تَعْجِيزًا {4} وَإِنِ اخْتَصَمَ

اور کھینچ آئے ولاء باپ کے موالی کی طرف، اور ایسا فیصلہ جو مضبوط کر دے حکم کتابت کو عاجز ٹھہرانا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر جھگڑا کیا

مَوَالِي الْأُمِّ وَمَوَالِي الْأَبِ فِي وَلَائِهِ فَقَضَى بِهِ لِمَوَالِي الْأُمِّ فَهُوَ قَضَاءٌ بِالْعَجْزِ ؛ لِأَنَّ هَذَا اخْتِلَافٌ

ماں کے موالی اور باپ کے موالی نے ولد کی ولاء میں، اور حکم دیا گیا اس کا ماں کے موالی کے لیے، تو یہ حکم ہے عجز کا؛ کیونکہ یہ اختلاف ہے

فِي الْوَلَاءِ مَقْصُودًا، وَذَلِكَ يَبْتَنِي عَلَى بَقَاءِ الْكِتَابَةِ وَانْتِقَاضِهَا ، فَإِنَّهَا إِذَا فُسِخَتْ مَاتَ عَبْدًا وَاسْتَقَرَّ الْوَلَاءُ

ولاء میں مقصوداً، اور ولاء مبنی ہے کتابت کی بقاء اور اس کے ٹوٹنے پر؛ اس لیے کہ اگر کتابت فسخ ہو جائے تو ولد غلام ہو کر مرا، تو لازم ہوگی ولاء

عَلَى مَوَالِي الْأُمِّ ، وَإِذَا بَقِيَتْ وَاتَّصَلَ بِهَا الْأَدَاءُ مَاتَ حُرًّا وَانْتَقَلَ الْوَلَاءُ إِلَى مَوَالِي الْأَبِ،

ماں کے موالی پر، اور اگر کتابت باقی رہی اور متصل ہوا اس کے ساتھ ادا، تو ولد مرے گا آزاد ہو کر، اور منتقل ہو جائے گی ولاء باپ کے موالی کی طرف،

وَهَذَا فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيهِ فَيَنْفُذُ مَا يُلَاقِيهِ مِنَ الْقَضَاءِ فَلِهَذَا كَانَ تَعْجِيزًا . {5} قَالَ : وَمَا أَدَّى

اور یہ صورت مختلف فیہ ہے پس نافذ ہوگا وہ جس کے ساتھ متصل ہو قضاء، اسی لیے یہ قضاء عاجز قرار دینا ہے۔ فرمایا: اور جو کچھ ادا کیا

الْمُكَاتَبُ مِنَ الصَّدَقَاتِ إِلَى مَوْلَاهُ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ طَيِّبٌ لِلْمَوْلَى لِتَبَدُّلِ الْمِلْكِ ؛ فَإِنَّ الْعَبْدَ يَتَمَلَّكُهُ

مکاتب نے صدقات میں سے اپنے مولیٰ کو، پھر عاجز ہو گیا، تو یہ حلال ہے مولیٰ کے لیے؛ تبدلِ ملک کی وجہ سے؛ اس لیے کہ غلام مالک ہوا اس کا

صَدَقَةً وَالْمَوْلَى عِوَضًا عَنِ الْعِتْقِ ، وَإِلَيْهِ وَقَعَتِ الْإِشَارَةُ النَّبَوِيَّةُ فِي حَدِيثِ بَرِيرَةَ {هِيَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ}

بطورِ صدقہ اور مولیٰ بطورِ عوضِ عتق، اور اسی کی طرف واقع ہوا ہے اشارۂ نبوی حدیثِ بریرہؓ میں "وہ بریرہؓ کے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے"۔

{6} وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَبَاحَ لِلْغَنِيِّ وَالْهَاشِمِيِّ ، لِأَنَّ الْمُبَاحَ لَهُ يَتَنَاوَلُهُ عَلَى مِلْكِ الْمُبِيحِ،

اور یہ برخلاف اس کے ہے جب مباح کر دے غنی اور ہاشمی کے لیے؛ کیونکہ جس کے لیے مباح کیا ہے وہ کھاتا ہے اس کو مباح کرنے والے کی ملک پر،

فَلَم يَتَبَدَّلِ الْمِلْكُ، فَلَا تَطِيبُ، وَنَظِيرُهُ الْمُشْتَرِي شِرَاءً فَاسِدًا إِذَا أَبَاحَ لِغَيْرِهِ

پس نہیں بدلی ملکیت، پس اس کو حلال بھی نہیں کرے گا، اور اس کی نظیر فاسد خرید سے خریدی ہوئی چیز ہے جب اس کو مباح کر دے غیر کے لیے

لَا يَطِيبُ لَهُ وَلَوْ مَلَكَهُ يَطِيبُ ، {7} وَلَوْ عَجَزَ قَبْلَ الْأَدَاءِ إِلَى الْمَوْلَى فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ،

تو وہ حلال نہ ہو گی اس کے لیے، اور اگر ملکیت میں دیدے تو حلال ہو گی، اور اگر عاجز ہوا مولیٰ کو ادا کرنے سے پہلے تو بھی یہی جواب ہے۔

وَهَذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ ظَاهِرٌ لِأَنَّ بِالْعَجْزِ يَتَبَدَّلُ الْمِلْكُ عِنْدَهُ ، وَكَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ،

اور یہ امام محمدؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ عجز سے بدل جاتی ہے ملک ان کے نزدیک، اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے

وَإِنْ كَانَ بِالْعَجْزِ يَتَقَرَّرُ مِلْكُ الْمَوْلَى عِنْدَهُ لِأَنَّهُ لَا خُبْثَ فِي نَفْسِ الصَّدَقَةِ، وَإِنَّمَا الْخُبْثُ فِي فِعْلِ الْأَخْذِ لِكَوْنِهِ

اگرچہ عجز سے مضبوط ہوتی ہے ملکِ مولیٰ ان کے نزدیک؛ کیونکہ خبث نہیں ہے نفسِ صدقہ میں، بلکہ خبث تو لینے میں ہے؛ اس لیے کہ لینا

إِذْلَالًا بِهِ . وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ لِلْغَنِيِّ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ وَلِلْهَاشِمِيِّ لِزِيَادَةِ حُرْمَتِهِ وَالْأَخْذُ لَمْ يُوجَدْ

ذلت ہے اس کے لیے، پس جائز نہ ہو گا لینا غنی کے لیے بلا حاجت، اور ہاشمی کے لیے اس کے زائد احترام کی وجہ سے، اور لینا نہیں پایا گیا

مِنَ الْمَوْلَى فَصَارَ كَابْنِ السَّبِيلِ إِذَا وَصَلَ إِلَى وَطَنِهِ وَالْفَقِيرِ إِذَا اسْتَغْنَى وَقَدْ بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمَا مَا

مولیٰ کی طرف سے، پس ہو گیا جیسے مسافر جب پہنچ جائے اپنے وطن کو اور فقیر جب غنی ہو جائے حالانکہ باقی ہے ان دونوں کے قبضہ میں وہ

أَخَذَا مِنَ الصَّدَقَةِ فَإِنَّهُ يَطِيبُ لَهُمَا، وَعَلَى هَذَا إِذَا أُعْتِقَ الْمُكَاتَبُ وَاسْتَغْنَى يَطِيبُ لَهُ مَا بَقِيَ مِنَ الصَّدَقَةِ فِي يَدِهِ.

جو انہوں نے لیا ہے صدقہ میں سے، کہ یہ حلال ہے ان دونوں کے لیے، اور اسی حکم پر ہے جب آزاد کر دیا گیا مکاتب اور وہ مستغنی

ہو گیا تو حلال ہے وہ جو باقی ہے صدقہ میں سے اس کے ہاتھ۔

تشریح: {1} اگر مکاتب نے اپنے بیٹے کو خریدا پھر مر گیا اور مال کتابت ادا کرنے کے بقدر مال چھوڑ گیا تو بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد باقی مال کا وارث اس کا بیٹا ہو گا؛ کیونکہ جب مکاتب کے آخری جزءِ زندگی میں اس کے آزاد ہونے کا حکم دیا گیا تو اسی وقت سے اس

کے بیٹے کے آزاد ہونے کا بھی حکم دیا جائے گا؛ کیونکہ وہ کتابت میں اپنے باپ کا تابع ہے تو یہ آزاد بیٹا آزاد باپ سے میراث پانے والا ہو گا اس لیے بقیہ مال کا وارث اس کا بیٹا ہو گا۔

{2} اسی طرح اگر مکاتب اور اس کا بیٹا دونوں ایک ہی کتابت میں مکاتب ہوں تو بھی یہی حکم ہے کہ اگر باپ مر گیا اور اس نے بدلِ کتابت کے بقدر مال چھوڑا تو بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کا وارث اس کا بیٹا ہو گا؛ کیونکہ بیٹا اگر نابالغ ہو تو وہ اپنے باپ کا تابع ہوا یعنی دونوں بمنزلہ ایک کے ہیں اور تابع کا وہی حکم ہے جو اصل کا ہے۔

اور اگر بیٹا بالغ ہو تو ان دونوں کو ایک شخص کی طرح قرار دیا جائے گا؛ کیونکہ عقد ایک ہے اقساط ادا کرنے سے دونوں یکجا آزاد ہو جاتے ہیں اور عاجز ہونے سے دونوں یکجا رقیق ہو جائیں گے پھر جب باپ کی زندگی کے آخری حصہ میں اس کی آزادی کا حکم دیا گیا تو اسی وقت اس کے بیٹے کی آزادی کا بھی حکم ہو گا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

{3} اگر مکاتب مر گیا اور اس کا ایک آزاد عورت سے بیٹا ہو اور مذکورہ مکاتب نے لوگوں پر ایسا قرضہ چھوڑا جس سے اس کا بدلِ کتابت ادا ہو سکتا ہے پھر مذکورہ بیٹے نے کوئی جرم کیا مثلاً کسی کو خطاءً قتل کر دیا تو اس جنایت کی وجہ سے جو دیت اس پر واجب ہوئی اس کا حکم اس کی آزاد ماں کے عاقلہ (مددگار برادری) پر دیا گیا تو یہ حکم اس مکاتب کے عاجز ہونے اور عقدِ کتابت فسخ ہونے کا حکم نہ ہو گا؛ اس لیے کہ یہ حکم قضاء تو حکم کتابت کو مضبوط کرتا ہے؛ کیونکہ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ مذکورہ بیٹا اپنی ماں کے موالی سے لاحق ہو اور انہیں پر دیت واجب کی جائے لیکن یہ ایسے طور پر ہے جس میں یہ احتمال ہے کہ یہ بچہ آزاد ہو کر اپنی ولاء کو اپنے باپ کے موالی کی جانب کھینچ لائے، بہر حال ایسے امر کے ساتھ حکم قضاء جاری ہونا جو حکم کتابت کو مضبوط کرتا ہے اس مکاتب کے عاجز ٹھہرانے کا حکم نہیں ہے۔

{4} اگر اس کی آزاد ماں کے موالی اور اس کے باپ کے موالی نے اس لڑکے کی ولاء میں جھگڑا کیا پس قاضی نے اس کی ولاء کا اس کی ماں کے موالی کے لیے حکم دیدیا تو یہ مکاتب کے عاجز ہونے کا حکم ہے؛ کیونکہ یہ اختلاف مقصوداً ولاء میں واقع ہوا ہے اور یہ کتابت کے باقی رہنے یا ٹوٹ جانے پر مبنی ہے؛ کیونکہ اگر کتابت فسخ ہو جائے تو مذکورہ مکاتب غلامی کی حالت میں مرا اور اس کے بیٹے کی ولاء اس کی ماں کے موالی کے لیے ثابت ہو گی اور اگر کتابت باقی رہے تو مال کتابت کی ادائیگی اس کے ساتھ متصل ہو گی تو وہ آزاد مرا اور بیٹے کی ولاء اس کے باپ کے موالی کی جانب منتقل ہو گی اور چونکہ مکاتب کی موت کے بعد کتابت کا باقی رہنا اور ٹوٹنا مختلف فیہ ہے تو ان دونوں حکموں میں سے جس کے ساتھ قاضی کا حکم ملاقی ہو جائے وہی نافذ ہو جائے گا لہذا یہ حکم اس مکاتب کے عاجز ہونے کا حکم ہے۔

{5} اور مکاتب نے جو کچھ زکوۃ وغیرہ وصول کر کے مولیٰ کو ادا کیے پھر وہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوا تو یہ مال مولیٰ کے لیے حلال ہے؛ کیونکہ ملکیت مکاتب سے مولیٰ کی طرف بدل گئی؛ کیونکہ غلام تو بطورِ صدقہ اس کا مالک ہوا تھا اور وہ فقیر ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق تھا اور مولیٰ بدلِ عتق کے طور پر اس کا مالک ہوا تھا لہٰذا ملکیت بدل گئی ہے اور تبدلِ مِلک تبدلِ عین کی طرح ہے گویا یہ وہی چیز نہیں ہے جو مکاتب نے وصول کی تھی اس لیے مولیٰ کے لیے حلال ہے، اسی کی طرف حدیث نبوی ﷺ میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اشارہ واقع ہوا تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے لیے صدقہ کیے گئے گوشت کے بارے میں فرمایا کہ "وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے"[1]۔

{6} اور مذکورہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ کوئی فقیر مالِ زکوۃ کو کسی غنی یا ہاشمی کے لیے مباح کردے تو وہ ان کے لیے مباح نہ ہوگا مثلاً فقیر نے زکوۃ کا کھانا غنی یا ہاشمی کے سامنے رکھ کر کہا کہ اسے کھاؤ تو اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے جس کھانے کو ان کے لیے مباح کیا وہ کھانا مباح کرنے والے فقیر ہی کی مِلک ہے اور غنی اور ہاشمی اسی فقیر ہی کی مِلک پر اس کو کھاتا ہے تو ملک نہیں بدلی ہے؛ کیونکہ مباح کرنے کا معنی یہ ہے کہ میری مِلک میں سے جو کچھ چاہو کھالو، اس لیے ان کے لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ اور اس کی نظیر وہ چیز ہے جو مشتری نے بطورِ بیع فاسد خریدی ہو تو وہ اگر دوسرے شخص کو یہ چیز مباح کردے تو اس کے لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے البتہ اگر اس کو اس چیز کا مالک کردے تو اس کے لیے اس کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

{7} اگر مکاتب مذکورہ مالِ زکوۃ اپنے مولیٰ کو دینے سے پہلے عاجز ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے کہ مولیٰ کے لیے حلال ہے، اور یہ امام محمدؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ عاجز ہونے سے امام محمدؒ کے نزدیک ملکیت بدل جاتی ہے اور تبدلِ مِلک تبدلِ عین کی طرح ہے اس لیے مالک کے لیے حلال ہے، اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی ظاہر ہے اگرچہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عاجزی سے تبدلِ ملک لازم نہیں آتا ہے بلکہ مولیٰ کی ملکیت متقرر ہو جاتی ہے پھر بھی مولیٰ کے لیے حلال ہے؛ کیونکہ خود زکوۃ کی ذات میں کوئی خبث نہیں ہے بلکہ خباثت تو اس کے لینے میں ہے؛ کیونکہ غنی اور شرف کے ساتھ اس کے لینے میں لینے والے کے لیے ذلت ہے لہٰذا غنی کے لیے بغیر حاجت جائز نہیں ہے اور ہاشمی کے لیے اس کی زیادہ شرافت کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور چونکہ زکوۃ کا یہ لینا مولیٰ کی طرف سے نہیں پایا گیا ہے لہٰذا مولیٰ کے حق میں خبث نہیں پایا گیا پس مولیٰ اس بارے میں ایسا ہے جیسے مسافر حالتِ سفر میں محتاجی کی وجہ سے زکوۃ لے اور پھر اپنے وطن کو پہنچ جائے اور مذکورہ مال میں سے کچھ باقی ہو یا فقیر نے مالِ زکوۃ لے لیا پھر وہ غنی ہو گیا اور مذکورہ مال میں

---

(1) أخرجه البخاري، ومسلم عن عائشة قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الولاء لمن أعتق"، ودخل النبي صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز، وإدام من أدم البيت، فقال: "ألم أر البرمة"؟ فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو لها صدقة، ولنا هدية"، انتهى. (نصب الراية: 363/4)

سے کچھ باقی ہو تو یہ بچا ہوا مال اس حالت میں ان کے لیے حلال ہے، اسی طرح اگر مکاتب آزاد ہو گیا اور غنی ہو گیا تو جو کچھ مالِ زکوٰۃ اس کے پاس باقی ہے وہ اس کے لیے حلال ہے۔

{1}قَالَ : وَإِذَا جَنَى الْعَبْدُ فَكَاتَبَهُ مَوْلَاهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْجِنَايَةِ ثُمَّ عَجَزَ فَإِنَّهُ يَدْفَعُ

فرمایا: اور اگر جنایت کی غلام نے، پس مکاتب کیا اس کو اس کے مولیٰ نے، اور اس کو خبر نہ ہو جنایت کی، پھر وہ عاجز ہو گیا، تو مولیٰ غلام دیدے

أَوْ يَفْدِي ؛ لِأَنَّ هَذَا مُوجِبُ جِنَايَةِ الْعَبْدِ فِي الْأَصْلِ وَلَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِالْجِنَايَةِ عِنْدَ الْكِتَابَةِ حَتَّى يَصِيرَ

یا فدیہ دیدے؛ کیونکہ یہ موجب ہے غلام کی جنایت کا اصل میں، اور مولیٰ باخبر نہیں تھا جنایت سے کتابت کے وقت حتی کہ ہو جائے

مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ إلَّا أَنَّ الْكِتَابَةَ مَانِعَةٌ مِنْ الدَّفْعِ ، فَإِذَا زَالَ عَادَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ{2} وَكَذَلِكَ إذَا جَنَى

اختیار کرنے والا فدیہ کو، مگر یہ کہ کتابت مانع ہے غلام دینے سے، پس جب مانع زائل ہوا، تو لوٹ آیا اصل حکم۔ اور اسی طرح جب جنایت کرے

الْمُكَاتَبُ وَلَمْ يَقْضِ بِهِ حَتَّى عَجَزَ ؛ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ زَوَالِ الْمَانِعِ{3} وَإِنْ قُضِيَ

مکاتب اور ابھی تک حکم نہ کیا گیا ہو موجب جنایت کا کہ وہ عاجز ہو گیا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے یعنی زوالِ مانع۔ اور اگر حکم کیا گیا

بِهِ عَلَيْهِ فِي كِتَابَتِهِ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ دَيْنٌ يُبَاعُ فِيهِ ؛ لِانْتِقَالِ الْحَقِّ مِنْ الرَّقَبَةِ

اس کا مکاتب پر اس کی کتابت کی حالت میں پھر وہ عاجز ہو گیا، تو یہ دَین ہے، فروخت کیا جائے گا اس میں؛ بوجہ منتقل ہونے حق کے رقبہ سے

إلَى قِيمَتِهِ بِالْقَضَاءِ ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَقَدْ رَجَعَ أَبُو يُوسُفَ إلَيْهِ ، وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا

اس کی قیمت کی طرف قضاء کی وجہ سے، یہ قول ہے امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا، اور رجوع کیا امام ابو یوسفؒ نے اسی کی طرف، اور وہ پہلے کہا کرتے تھے

يُبَاعُ فِيهِ وَإِنْ عَجَزَ قَبْلَ الْقَضَاءِ ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّ الْمَانِعَ مِنَ الدَّفْعِ وَهُوَ الْكِتَابَةُ

کہ فروخت کیا جائے گا اس میں اگرچہ وہ عاجز ہو جائے قضاء سے پہلے، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ مانع غلام دینے سے جو کہ کتابت ہے

قَائِمٌ وَقْتَ الْجِنَايَةِ ، فَكَمَا وَقَعَتْ انْعَقَدَتْ مُوجِبَةً لِلْقِيمَةِ كَمَا فِي جِنَايَةِ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ

موجود ہے جنایت کے وقت، پس جیسے ہی جنایت واقع ہوئی تو منعقد ہو گئی قیمت کو واجب کرنے والی جیسے مدبر اور ام ولد کی جنایت میں ہوتا ہے۔

{4}وَلَنَا أَنَّ الْمَانِعَ قَابِلٌ لِلزَّوَالِ لِلتَّرَدُّدِ وَلَمْ يَثْبُتْ الِانْتِقَالُ فِي الْحَالِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَضَاءِ أَوِ الرِّضَا

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مانع قابلِ زوال ہے تردد کی وجہ سے، اور ثابت نہیں ہوا انتقال فی الحال، پس موقوف ہو گا قضاء یا رضا پر،

وَصَارَ كَالْعَبْدِ الْمَبِيعِ إذَا أَبَقَ قَبْلَ الْقَبْضِ يَتَوَقَّفُ الْفَسْخُ عَلَى الْقَضَاءِ لِتَرَدُّدِهِ وَاحْتِمَالِ عَوْدِهِ،

اور ہو گیا جیسے فروخت کیا ہوا غلام جب بھاگ جائے قبضہ سے پہلے، تو موقوف ہو گا فسخ قضاء پر؛ اس کے تردد اور لوٹ آنے کے احتمال کی وجہ سے،

كَذَا هَذَا ، بِخِلَافِ التَّدْبِيرِ وَالِاسْتِيلَادِ لِأَنَّهُمَا لَا يَقْبَلَانِ الزَّوَالَ بِحَالٍ{5} قَالَ : وَإِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ

اسی طرح یہ ہے، برخلاف تدبیر اور استیلاد کے؛ کیونکہ یہ دونوں قبول نہیں کرتے زوال کو کسی حال میں۔ فرمایا: اور اگر مر جائے مکاتب کا مولیٰ،

لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ؛ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إلَى إبْطَالِ حَقِّ الْمُكَاتَبِ ، إذِ الْكِتَابَةُ سَبَبُ الْحُرِّيَّةِ وَسَبَبُ حَقِّ الْمَرْءِ حَقُّهُ

تو فسخ نہ ہوگی کتابت؛ تاکہ مفضی نہ ہو حق مکاتب کے ابطال کو؛ اس لیے کہ کتابت سببِ حریت ہے، اور آدمی کے حق کا سبب اس کا حق ہے۔

وَقِيلَ لَهُ أَدِّ الْمَالَ إلَى وَرَثَةِ الْمَوْلَى عَلَى نُجُومِهِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِحْقَاقُ الْحُرِّيَّةِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ وَالسَّبَبُ انْعَقَدَ

اور کہا جائے گا اس سے: کہ ادا کر مال مولیٰ کے ورثہ کو اپنی قسطوں کے مطابق؛ کیونکہ وہ مستحق ہو گیا ہے حریت کا اسی طریقہ پر، اور سبب منعقد ہوا تھا

كَذَلِكَ فَيَبْقَى بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَلَا يَتَغَيَّرُ ، إلَّا أَنَّ الْوَرَثَةَ يَخْلُفُونَهُ فِي الِاسْتِيفَاءِ{6} فَإِنْ أَعْتَقَهُ

اسی طور پر، پس باقی رہے گی اسی صفت پر، اور متغیر نہ ہوگی، البتہ ورثہ اس کے خلیفہ ہوں گے وصول کرنے میں۔ پھر اگر آزاد کیا اس کو

أَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ لَا يُمْلَكُ بِسَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ

ورثہ میں سے ایک نے، تو نافذ نہ ہوگا اس کا عتق؛ کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے، اور یہ اس لیے کہ مکاتب مالک نہیں ہوتا ہے دیگر اسبابِ ملک سے

فَكَذَا بِسَبَبِ الْوِرَاثَةِ .وَإِنْ أَعْتَقُوهُ جَمِيعًا عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ بَدَلُ الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ إبْرَاءً

پس اسی طرح بسبب وراثت بھی۔ اور اگر ان سب نے آزاد کیا اس کو تو آزاد ہوگا اور ساقط ہو جائے گا اس سے بدلِ کتابت؛ کیونکہ ہوگا یہ بری کرنا

عَنْ بَدَلِ الْكِتَابَةِ فَإِنَّهُ حَقُّهُمْ وَقَدْ جَرَى فِيهِ الْإِرْثُ ، وَإِذَا بَرِئَ الْمُكَاتَبُ عَنْ بَدَلِ الْكِتَابَةِ يَعْتِقُ

بدلِ کتابت سے اور بدلِ کتابت ان سب کا حق ہے، اور جاری ہو گئی ہے اس میں میراث، پس جب بری ہوا مکاتب بدلِ کتابت سے تو آزاد ہو جائے گا

كَمَا إذَا أَبْرَأَهُ الْمَوْلَى ،{7} إلَّا أَنَّهُ إذَا أَعْتَقَهُ أَحَدُ الْوَرَثَةِ لَا يَصِيرُ إبْرَاءً عَنْ نَصِيبِهِ ، لِأَنَّا

جیسا کہ جب بری کر دے اس کو مولیٰ۔ مگر جب آزاد کر دے اس کو ورثہ میں سے ایک تو یہ بری کرنا نہ ہوگا اپنے حصے سے؛ کیونکہ ہم

نَجْعَلُهُ إبْرَاءً اقْتِضَاءً تَصْحِيحًا لِعِتْقِهِ .وَالْعِتْقُ لَا يَثْبُتُ بِإِبْرَاءِ الْبَعْضِ أَوْ أَدَائِهِ

تو اعتاق کو ابراء قرار دیتے ہیں اقتضاءً، صحیح کرتے ہوئے اس کے عتق کو، اور اعتاق ثابت نہیں ہوتا ہے بعض کے ابراء یا بعض کے ادا کرنے سے

فِي الْمُكَاتَبِ لَا فِي بَعْضِهِ وَلَا فِي كُلِّهِ ، وَلَا وَجْهَ إلَى إبْرَاءِ الْكُلِّ لِحَقِّ بَقِيَّةِ الْوَرَثَةِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ.

مکاتب میں، نہ اس کے بعض میں اور نہ اس کے کل میں، اور کوئی وجہ نہیں کل کے بری کرنے کی؛ بقیہ ورثہ کے حق کی وجہ سے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح:۔{1} اگر غلام کوئی جنایت کرے تو اس کا حکم یہ ہے کہ مولیٰ یہ غلام دیدے یا اس کا فدیہ دیدے، اب اگر غلام نے ایسا ہی کوئی جنایت کی پھر مولیٰ نے اس کو مکاتب کر دیا حالانکہ مولیٰ کو اس کی جنایت کا علم نہیں تھا پھر غلام بدلِ کتابت ادا کرنے

سے عاجز ہو گیا تو مولیٰ کو اختیار ہو گا اگر چاہے تو مجنی علیہ کو یہ غلام دیدے اور چاہے تو اس کا فدیہ دے؛ کیونکہ اصل میں غلام کے جرم کا حکم یہی ہے کہ مولیٰ کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے فدیہ دینا متعین نہیں ہے اور چونکہ مولیٰ کو کتابت کے وقت اس کے جرم کا حال معلوم نہ تھا اس لیے وہ اس کو مکاتب کرنے سے اس کا فدیہ دینے کو اختیار کرنے والا نہ ہو گا، البتہ اتنی بات ہے کہ مکاتب کرنا اسے مجنی علیہ کو دیدینے سے مانع ہے؛ کیونکہ مکاتب ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہونے کو قبول نہیں کرتا ہے، اب جبکہ یہ عذر (مکاتب ہونا) دور ہو اتو اصل حکم لوٹ آئے گا وہ یہ کہ مولیٰ کو غلام دینے اور اس کا فدیہ دینے میں اختیار ہے۔

{2} اسی طرح اگر مکاتب نے کوئی جرم کیا اور ابھی تک اس پر موجبِ جنایت کا حکم نہیں دیا تھا کہ وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو بھی مولیٰ کو اختیار ہے کہ مجنی علیہ کو یہ غلام دیدے یا اس کا فدیہ دیدے؛ کیونکہ جو امر غلام دینے سے مانع تھا یعنی اس کا مکاتب ہونا وہ دور ہو گیا اس لیے مولیٰ کو دونوں باتوں کا اختیار ہو گا۔

{3} اگر مکاتب پر اس کی حالتِ کتابت میں جرمانہ کا حکم دیدیا گیا پھر وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو مکاتب کی قیمت کے بقدر مکاتب پر قرضہ ہے جس کے لیے اس کو فروخت کیا جائے گا؛ کیونکہ زوالِ مانع سے پہلے حکم قاضی کی وجہ سے حق جرم موجبِ اصلی یعنی اس کے رقبہ سے اس کے قیمت کی جانب منتقل ہوا اور یہ امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کا قول ہے اور اسی قول کی طرف امام ابو یوسفؒ نے بھی رجوع کیا ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ پہلے کہا کرتے تھے کہ مذکورہ غلام اس حق کے لیے فروخت کیا جائے گا اگر چہ حکم قاضی سے پہلے وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ صاحبِ جرم کو دینے سے جو امر مانع ہے وہ کتابت ہے جو جرم کرنے کے وقت موجود ہے تو جرم جیسا ہی واقع ہوا تو وہ قیمت کو واجب کرنے والا واقع ہوا خود غلام دینے سے کتابت مانع ہے، جیسے مدبر اور ام ولد کے جرم کرنے میں ہوتا ہے کہ مولیٰ پر ان کی قیمت اور تاوانِ جنایت میں سے جو کم ہو وہی واجب ہوتا ہے۔

{4} ہماری دلیل یہ ہے کہ جو امر مانع ہے یعنی کتابت وہ بوجہ تردد کے قابل زوال ہے یعنی ابھی تردد ہے کہ شاید مکاتب بدلِ کتابت ادا کر کے آزاد ہو جائے یا عاجز ہو کر دوبارہ رقیق ہو جائے اور کتابت زائل ہو جائے، پس فی الحال مذکورہ حق اس کے رقبہ سے اس کی قیمت کی جانب منتقل نہیں ہوا اس لیے موجبِ اصلی سے یہ انتقال حکم قاضی یا باہمی رضامندی پر موقوف رہے گا جیسے اس غلام کا حال ہے جو فروخت کیا گیا اور قبضہ سے پہلے وہ بھاگ گیا تو بیع کا فسخ ہونا حکم قاضی پر موقوف رہتا ہے؛ کیونکہ اس کی واپسی کے احتمال کی وجہ سے تردد ہے پس یہی حکم یہاں ہو گا، اس کے برخلاف مدبر اور ام ولد کا حکم ہے؛ کیونکہ تدبیر واستیلاد اس قابل نہیں کہ کسی حال میں زائل ہوں لہٰذا ان میں ابتداء ہی سے قیمت واجب ہو گی۔

{5} اگر مکاتب کا مولیٰ مر گیا تو کتابت فسخ نہ ہوگی تا کہ اس کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ مکاتب کا حقِ کتابت باطل ہو جائے؛ کیونکہ کتابت آزادی کا سبب ہے اور کسی شخص کے حق کا جو سبب ہوتا ہے وہ بھی اس کا حق ہو جاتا ہے اور غیر کے حق کا ابطال جائز نہیں ہے۔ اور مکاتب سے کہا جائے گا کہ مولیٰ کے وارثوں کو مالِ کتابت اپنی اقساط پر ادا کردے؛ کیونکہ وہ اسی طریقہ (اقساط پر ادائیگی) پر آزادی کا مستحق ہوا تھا اور اسی طریقہ پر سبب منعقد ہوا تھا پس کتابت اسی صفت (ادائیگی اقساط) پر باقی رہے گی اور اس میں تغیر نہ ہوگا البتہ اتنی بات ہے کہ مالِ کتابت وصول کرنے میں میت مولیٰ کے وارث اس کے خلیفہ ہو جائیں گے جس سے مکاتب کے حق میں تغیر نہیں آئے گا۔

{6} پھر اگر وارثوں میں سے کسی وارث نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی آزادی نافذ نہ ہوگی؛ کیونکہ وارث اس کا مالک نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب ملکیت کے اسباب میں سے کسی سبب سے مملوک نہیں ہوتا ہے مثلاً بیع وغیرہ سے وہ مملوک نہیں ہوتا پس اسی طرح وراثت سے بھی مملوک نہ ہوگا۔ اور اگر سب وارثوں نے اس کو آزاد کر دیا تو استحساناً وہ آزاد ہو جائے گا اگرچہ قیاساً آزاد نہیں ہوتا ہے، اور بدلِ کتابت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور سب کے آزاد کرنے سے اس لیے آزاد ہو جاتا ہے کہ سب کا آزاد کرنا بدلِ کتابت سے بری کرنا ہے؛ کیونکہ بدلِ کتابت ان وارثوں کا حق ہے اور اس میں میراث جاری ہو چکی پھر جب مکاتب بدلِ کتابت سے بری ہو گیا تو وہ آزاد ہو جائے گا جیسے اگر مولیٰ اس کو بری کرتا تو وہ آزاد ہو جاتا۔

{7} لیکن اگر وارثوں میں سے کسی ایک نے اس کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا اپنے حصہ سے بری کرنا نہیں ہے؛ کیونکہ ہم تو اس کا عتق صحیح کرنے کے لیے اعتاق کو اقتضاء کے طور پر ابراء ثابت کرتے ہیں اور بعض کے بری کرنے یا ادا کرنے سے مکاتب میں اعتاق ثابت نہیں ہوتا نہ اس کے جزء میں اور نہ اس کے کل میں اور اس بعض کو کل کا ابراء قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے ساتھ باقی وارثوں کا حق متعلق ہے واللہ تعالیٰ أعلم۔

## كِتَابُ الْوَلَاءِ

یہ کتاب ولاء کے بیان میں ہے۔

وَلاء یا تو ولی بمعنی قرب سے مشتق ہے؛ کیونکہ کسی غلام پر آزادی کا احسان کرنے سے ایسا رشتہ تعلق قوی ہوتا ہے کہ گویا حکمی قرابت ہے، یا "وَلِيَ الشَّيْءُ الشَّيْءَ" سے ہے اس کو کہتے ہیں کہ جب دوسری چیز اول کے بعد بلا فصل حاصل ہو، تو وَلاء کو ولاء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حکم (ارث) وجودِ شرط کے وقت بلا فصل حاصل ہوتا ہے۔

اور وَلاء کی صورت یہ ہے کہ اگر آزاد کیا ہوا شخص اس طرح فوت ہو گیا کہ اس نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا تو آزاد کرنے والے شخص کو اس کا متروکہ مال ملے گا، اور اگر آزاد کنندہ کا انتقال ہو گیا تو اس کی مذکر اولاد عصبہ قرار پائے گی اور اسے میراث ملے گی، البتہ اس کی بیٹی میراث نہیں پائے گی۔

"کتاب الوَلاء" کو "کتاب المکاتب" کے بعد اس لیے ذکر کیا ہے کہ وَلاء کتابت کے آثار میں سے ہے کہ بدلِ کتابت ادا کرنے کے وقت مِلکِ رقبہ زائل ہو جاتی ہے تو وَلاء ثابت ہوتی ہے۔

{1}الْوَلَاءُ نَوْعَانِ : وَلَاءُ عَتَاقَةٍ وَيُسَمَّى وَلَاءَ نِعْمَةٍوَسَبَبُهُ الْعِتْقُ عَلَى مِلْكِهِ فِي الصَّحِيحِ ، حَتَّى

فرمایا: ولاء کی دو قسمیں ہیں، ولاء عتاقہ جس کو ولاءِ نعمت کہتے ہیں، اور اس کا سبب آزادی ہے اپنی مِلک پر صحیح قول کے مطابق حتیٰ کہ

لَوْعَتَقَ قَرِيبُهُ عَلَيْهِ بِالْوِرَاثَةِ كَانَ الْوَلَاءُ لَهُ.وَوَلَاءُ مُوَالَاةٍ ، وَسَبَبُهُ الْعَقْدُ وَلِهَذَا يُقَالُ

اگر آزاد ہوا اس کا قریب اس پر وراثت کی وجہ سے تو ولاء اسی کے لیے ہوگی۔ اور ولاء موالات، اور اس کا سبب عقد ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے

وَلَاءُ الْعَتَاقَةِ وَوَلَاءُ الْمُوَالَاةِ وَالْحُكْمُ يُضَافُ إلَى سَبَبِهِ ،{2}وَالْمَعْنَى فِيهِمَا التَّنَاصُرُ ، وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَتَنَاصَرُ

ولاء عتاقہ اور ولاء موالات، اور حکم منسوب ہوتا ہے اپنے سبب کی طرف، اور معنیٰ ان دونوں میں باہمی نصرت ہے، اور عرب باہمی نصرت کرتے تھے

بِأَشْيَاءَ ، وَقَرَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَاصُرَهُمْ بِالْوَلَاءِ بِنَوْعَيْهِ فَقَالَ : { إنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ

بہت سی چیزوں سے، اور برقرار رکھا حضور ﷺ نے ان کی باہمی نصرت کو ولاء کی دونوں قسموں سے، چنانچہ فرمایا: "قوم کا مولیٰ ان ہی میں سے ہے،

وَحَلِيفُهُمْ مِنْهُمْ } وَالْمُرَادُ بِالْحَلِيفِ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يُؤَكِّدُونَ الْمُوَالَاةَ بِالْحِلْفِ .{3}قَالَ

اور قوم کا حلیف انہیں میں سے ہے" اور حلیف سے مراد مولیٰ الموالات ہے؛ کیونکہ وہ مؤکد کرتے تھے موالات حلف سے۔ فرمایا

وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى مَمْلُوكَهُ فَوَلَاؤُهُ لَهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ }،

اور جب آزاد کر دے مولیٰ اپنے مملوک کو، تو اس کی ولاء اسی کے لیے ہوگی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ولاء اسی کے لیے ہے جو آزاد کر دے"

وَلِأَنَّ التَّنَاصُرَ بِهِ فَيَعْقِلُهُ وَقَدْ أَحْيَاهُ مَعْنًى بِإِزَالَةِ الرِّقِّ عَنْهُ
اور اس لیے کہ باہمی نصرت اعتاق سے ہے تو تاوان بھی بھرے گا اس کا، اور مولیٰ نے اس کو زندہ کیا ہے معنی رقیت دور کر کے غلام سے،

فَيَرِثُهُ وَيَصِيرُ الْوَلَاءُ كَالْوِلَادِ ، وَلِأَنَّ الْغُنْمَ بِالْغُرْمِ ، {4} وَكَذَا الْمَرْأَةُ تُعْتِقُ
پس وہ اس کا وارث ہوگا اور ہوگی ولاء ولاد کی طرح، اور اس لیے کہ نفع بقدرِ نقصان ہوتا ہے، اور اسی طرح عورت ہے جو آزاد کر دی جائے

لِمَا رَوَيْنَا {وَمَاتَ مُعْتَقٌ لِابْنَةِ حَمْزَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْهَا وَعَنْ بِنْتٍ فَجَعَلَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْمَالَ بَيْنَهُمَا
اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور مر گیا بنتِ حمزہؓ کا آزاد کردہ اس سے اور ایک بیٹی سے تو حضورؐ نے کر دیا مال ان دونوں کے درمیان

نِصْفَيْنِ } .وَيَسْتَوِي فِيهِ الْإِعْتَاقُ بِمَالٍ وَبِغَيْرِهِ لِإِطْلَاقِ مَا ذَكَرْنَاهُ .{5} قَالَ : فَإِنْ شَرَطَ
نصفا نصف، اور برابر ہے اس میں آزاد کرنا بعوض مال اور بغیر عوض مال کے؛ بوجہ مطلق ہونے اس کے جو ہم ذکر کر چکے۔ فرمایا: اور اگر شرط کر لی

أَنَّهُ سَائِبَةٌ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ مُخَالِفٌ لِلنَّصِّ فَلَا يَصِحُّ.
ولاء نہ ہونے کی، تو شرط باطل ہے، اور ولاء اسی کے لیے ہوگی جس نے آزاد کیا ہے؛ کیونکہ یہ شرط نص کے خلاف ہے، پس صحیح نہ ہوگی۔

{6} قَالَ : وَإِذَا أَدَّى الْمُكَاتَبُ عَتَقَ وَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلَى وَإِنْ عَتَقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ عَتَقَ
فرمایا: اور اگر ادا کیا مکاتب نے، تو آزاد ہو جائے گا، اور ولاء مولیٰ کے لیے ہوگی اگرچہ وہ آزاد ہوا ہو موتِ مولیٰ کے بعد؛ کیونکہ وہ آزاد ہوا ہے

عَلَيْهِ بِمَا بَاشَرَ مِنَ السَّبَبِ وَهُوَ الْكِتَابَةُ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ فِي الْمُكَاتَبِ {7} وَكَذَا الْعَبْدُ الْمُوصَى بِعِتْقِهِ
مولیٰ پر اس سبب سے جو مولیٰ نے کیا تھا اور وہ کتابت ہے، اور ہم بیان کر چکے اس کو کتاب المکاتب میں، اور اسی طرح وہ غلام جس کی آزادی کی وصیت کی گئی ہو

أَوْ بِشِرَائِهِ وَعِتْقِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْوَصِيِّ بَعْدَ مَوْتِهِ كَفِعْلِهِ وَالتَّرِكَةُ عَلَى حُكْمِ مِلْكِهِ
یا اس کی خرید اور آزادی کی مولیٰ کی موت کے بعد؛ کیونکہ وصی کا فعل موصی کی موت کے بعد موصی کے فعل کی طرح ہے، اور ترکہ اس کے حکم ملک پر ہے۔

{8} وَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ مُدَبَّرُوهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ ؛ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْعَتَاقِ ، وَوَلَاؤُهُمْ

اور اگر مر گیا مولیٰ تو آزاد ہوں گے اس کے مدبر اور اس کی امہاتِ اولاد؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے عتاق میں، اور ان کی ولاء

لَهُ ؛ لِأَنَّهُ أَعْتَقَهُمْ بِالتَّدْبِيرِ وَالِاسْتِيلَادِ{9} وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ

اسی کے لیے ہوگی؛ کیونکہ اس نے ان کو آزاد کیا تدبیر اور استیلاد کے ذریعہ، اور جو شخص مالک ہو جائے اپنی ذو رحم محرم کا، تو وہ آزاد ہو جائے گا

عَلَيْهِ ؛ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْعَتَاقِ ، وَوَلَاؤُهُ لَهُ ؛ لِوُجُودِ السَّبَبِ وَهُوَ الْعِتْقُ عَلَيْهِ

اس پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے عتاق میں، اور اس کی ولاء اسی کے لیے ہوگی؛ سبب موجود ہونے کی وجہ سے، اور وہ آزاد ہونا ہے اس پر۔

{10} وَإِذَا تَزَوَّجَ عَبْدُ رَجُلٍ أَمَةً لِآخَرَ فَأَعْتَقَ مَوْلَى الْأَمَةِ الْأَمَةَ وَهِيَ حَامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ

اور اگر نکاح کیا کسی شخص کے غلام نے دوسرے کی باندی سے، پھر آزاد کر دیا باندی کے مولیٰ نے باندی کو، حالانکہ وہ حاملہ ہے غلام سے،

عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا ، وَوَلَاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلَى الْأُمِّ لَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ أَبَدًا ؛ لِأَنَّهُ عَتَقَ

تو وہ آزاد ہو جائے گی، اور آزاد ہو جائے گا اس کا حمل، اور حمل کی ولاء ماں کے مولیٰ کے لیے ہوگی منتقل نہ ہوگی اس سے کبھی؛ کیونکہ وہ آزاد ہوا

عَلَى مُعْتِقِ الْأُمِّ مَقْصُودًا إِذْ هُوَ جُزْءٌ مِنْهَا يَقْبَلُ الْإِعْتَاقَ مَقْصُودًا فَلَا يَنْتَقِلُ وَلَاؤُهُ عَنْهُ عَمَلًا

ماں کے معتِق پر مقصوداً؛ اس لیے کہ وہ جزء ہے ماں کا قبول کرتا ہے اعتاق کو مقصوداً، پس منتقل نہ ہوگی اس کی ولاء اس سے؛ عمل کرتے ہوئے

بِمَا رَوَيْنَا{11} وَكَذَلِكَ إِذَا وَلَدَتْ وَلَدًا لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ؛ لِلتَّيَقُّنِ بِقِيَامِ الْحَمْلِ وَقْتَ الْإِعْتَاقِ

اس حدیث پر جو ہم روایت کر چکے، اور اسی طرح اگر اس نے جن لیا بچہ چھ ماہ سے کم میں؛ قیام حمل متیقن ہونے کی وجہ سے اعتاق کے وقت۔

{12} أَوْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ أَحَدُهُمَا لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ؛ لِأَنَّهُمَا تَوْأَمَانِ يَتَعَلَّقَانِ مَعًا .وَهَذَا

یا اس نے جن لیے دو بچے، دونوں میں سے ایک چھ ماہ سے کم میں؛ کیونکہ یہ دونوں جڑواں ہیں دونوں کا علوق ایک ساتھ رہا، اور یہ

بِخِلَافِ مَا إِذَا وَالَتْ رَجُلًا وَهِيَ حُبْلَى وَالزَّوْجُ وَالَى غَيْرَهُ حَيْثُ يَكُونُ وَلَاءُ الْوَلَدِ

برخلاف اس کے ہے جب وہ موالات کرے شخص سے حالانکہ وہ حاملہ ہے اور شوہر موالات کرے دوسرے سے، کہ ہوگی بچے کی ولاء

لِمَوْلَى الْأَبِ لِأَنَّ الْجَنِينَ غَيْرُ قَابِلٍ لِهَذَا الْوَلَاءِ مَقْصُودًا ، لِأَنَّ تَمَامَهُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ وَهُوَ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لَهُ.

باپ کے موالی کے لیے؛ کیونکہ جنین قابل نہیں ایسی موالات کا مقصوداً؛ کیونکہ اس کا پورا ہونا ایجاب اور قبول سے ہوتا ہے اور پیٹ کا بچہ محل نہیں اس کا۔

تشریح:۔ {1} وَلاء کی دو قسمیں ہیں، ولاءِ عتاقہ اور ولاءِ موالات۔ ولاءِ عتاقہ کو وَلاءِ نعمت بھی کہتے ہیں۔ اور وَلاءِ عتاقہ کا سبب صحیح قول کے مطابق اپنی مِلک پر آزادی ہے یعنی جس کی ملکیت پر غلام آزاد ہو جائے خواہ وہ اس کو آزاد کرے یا نہ کرے تو اس کو اس غلام کی وَلاء حاصل ہوگی حتی کہ اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا اگرچہ اس نے میراث میں پایا ہو تو اگرچہ اس نے اس کو آزاد نہیں کیا ہے بلکہ یہ غیر اختیاری عتق ہے پھر بھی اس کی وَلاء اس کو حاصل ہوگی۔ اور دوسری قسم وَلاءِ موالات ہے اور اس کا سبب عقد ہے یعنی باہم موالات کا عقد کرنا اس کا سبب ہے، اور وَلاءِ عتاقہ کا سبب عتق اور وَلاءِ موالات کا سبب عقد اس لیے ہے کہ وَلاء کو اپنے سبب کی طرف مضاف کر کے وَلاءِ عتاقہ اور وَلاءِ موالات کہتے ہیں اور حکم اپنے سبب کی جانب مضاف ہوا کرتا ہے اس لیے عتق اور عقدِ موالات ان کے سبب ہیں۔

{2} اور ان دونوں قسموں سے مقصود تناصر ہے یعنی باہم ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنا ہے اور یہ دونوں باہمی نصرت کی وجوہ اس لیے ہیں کہ حضور ﷺ سے پہلے اہل عرب بہت سی چیزوں سے باہمی نصرت کرتے تھے مثلاً نسبی رشتے اور باہمی حلف وغیرہ سے ایک دوسرے کی نصرت کرتے تھے جن میں سے وَلاء کی یہ دو صورتیں بھی تھیں اور حضور ﷺ نے وَلاء کی ان دونوں قسموں سے ان کا تناصر جاری رکھا چنانچہ فرمایا کہ "قوم کا مولیٰ اسی قوم میں سے ہے اور قوم کا حلیف اسی قوم میں سے ہے"[1] جس میں قوم کے مولیٰ سے قوم کا آزاد کردہ مراد ہے اور حلیف سے مولی الموالات مراد ہے حلیف سے مولی الموالات مراد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب موالات کو حلف سے مؤکد کرتے تھے۔

---

[1] رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي كِتَابِ الْأَدَبِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خثيم عن اسماعيل عن عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ، وَابْنُ أُخْتِهِمْ مِنْهُمْ، وَحَلِيفُهُمْ مِنْهُمْ" ، انتهى.(نصب الراية:365/4)

{3} اگر مولیٰ نے اپنے مملوک کو آزاد کر دیا تو آزاد شدہ کی وَلاء اسی مولیٰ کو ملے گی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ"[1] (وَلاء اسی شخص کے لیے ہے جس نے آزاد کیا ہو)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اعتاق کے سبب سے باہمی نصرت ہوتی ہے پس اگر مولیٰ نے اس سے مدد لی تو مولیٰ اس کی خطاء کا جرمانہ بھی برداشت کرتا ہے یعنی اگر آزاد کیا ہوا کسی کو خطاءً قتل کر دے تو مولیٰ مع اپنی برادری کے اس کی دیت برداشت کرے گا، اور پہلے اس کی رقیت کو دور کر کے معنوی لحاظ سے اس کو زندہ کر چکا ہے لہٰذا مولیٰ اس کا وارث ہوتا ہے اور وَلاء ولادتی رشتہ کی طرح ہو جاتی ہے کہ جیسے ولادتی رشتہ میں باپ بیٹے کا وارث ہوتا ہے اسی طرح مولیٰ اپنے آزاد کردہ کا وارث ہوگا۔ تیسری دلیل یہ ہے نفع بمقابلۂ تاوان ہوتا ہے یعنی جب مولیٰ اس کی وجہ سے دیت کا تاوان برداشت کرتا ہے تو اس کی میراث کا بھی مستحق ہوگا۔

{4} اسی طرح اگر کسی عورت نے کسی مملوک کو آزاد کیا تو یہ عورت اس کی وَلاء کی مستحق ہوگی؛ دلیل وہی حدیث ہے جو ہم نے اوپر روایت کی یعنی "اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" جس میں لفظ "مَنْ" عام ہے عورت اور مرد دونوں کو شامل ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے ایک غلام کو آزاد کیا پھر وہ غلام مر گیا اور ایک بیٹی اور اپنی اس مولی کو چھوڑ دیا تو حضور ﷺ نے اس کے مال کے دو ٹکڑے کر دیئے نصف اس کی بیٹی کو دیا اور نصف اُس کی مولیٰ یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو دیا[2]، لہٰذا ثابت ہوا کہ عورت وَلاء کی مستحق ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ آزاد کرنا خواہ بعوضِ مال ہو یا مفت ہو، بہر دو صورت آزاد کرنے والا وَلاء کا مستحق ہوتا ہے؛ کیونکہ جو حدیث اوپر ہم نے ذکر کی وہ اپنے اطلاق کی وجہ سے ان دونوں صورتوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں مولیٰ وَلاء کا مستحق ہوگا۔

---

(1) أخرجه الأئمة الستة عن عائشة أنها لما اشترت بريرة اشترط أهلها أن ولاءها لهم، فسألت عائشة النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "أعتقيها، فإنما الولاء لمن أعتق"، انتهى. (نصب الراية: 366/4)

(2) أخرجه النسائي وابن ماجة في سننيهما في الفرائض عن محمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن الحكم بن عتيبة عن عبد الله بن شداد عن ابنة حمزة بن عبد المطلب، قالت: مات مولى لي، وترك ابنة له، فقسم رسول الله صلى الله عليه وسلم ماله بيني وبين ابنته، فجعل لي النصف ولها النصف، انتهى. (نصب الراية: 367/4)

{5} اگر اعتاق میں یہ شرط کرلی کہ یہ مملوک سائبہ ہوگا یعنی آزادی کے بعد اس کی وَلاء اس کے مولیٰ کو نہیں ملے گی تو یہ شرط باطل ہے اور وَلاء اس شخص کی ہوگی جس نے اس کو آزاد کیا ہے؛ کیونکہ مذکورہ شرط نصِ حدیث کے مخالف ہے اس لیے یہ شرط صحیح نہیں ہے۔

{6} جب مکاتب عوضِ کتابت ادا کردے تو وہ آزاد ہوگا اور اس کی وَلاء اس کے مولیٰ کی ہوگی اگرچہ وہ مولیٰ کی موت کے بعد آزاد ہوا ہو؛ کیونکہ مکاتب اسی پر آزاد ہوا ہے بایں وجہ کہ اسی نے سببِ عتق یعنی کتابت کی مباشرت کی ہے اور ہم اس کو "کتاب المکاتب" میں بیان کرچکے۔

{7} اسی طرح وہ غلام جس کے آزاد کرنے کی وصیت کی گئی ہو اس کی وَلاء بھی اس کے مولیٰ کو ملے گی یعنی میت کے لیے ہوگی، اسی طرح وہ غلام جس کو مولیٰ نے اپنی موت کے بعد خرید کر آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہوا ہو تو اس کی ولاء بھی میت کے لیے ہوگی؛ کیونکہ اس کی موت کے بعد اس کے وصی کا فعل (آزاد کرنا) بمنزلہ اس کے فعل کے ہے اور ترکہ وصیت کرنے والے کی ملک کے حکم پر ہے حتیٰ کہ ترکہ سے اس کے قرضے ادا کیے جاتے ہیں اور اس کی تجہیز و تکفین کی جاتی ہے۔

{8} اگر مولیٰ مرگیا تو اس کے مدبر غلام اور اس کی امہاتِ اولاد (ایسی باندیاں جن سے اس کی کوئی اولاد ہوئی ہو) آزاد ہوجائیں گے جیسا کہ ہم نے "کتاب العتاق" کے "باب التدبیر" اور "باب الاستیلاد" میں بیان کرچکے۔ اور ہر ایک کی ولاء اسی میت مولیٰ کے لیے ہوگی؛ کیونکہ اسی نے مدبر کرنے اور ام ولد بنانے سے اس کو آزاد کیا ہے۔

{9} اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا؛ اس دلیل کی وجہ سے جس کو ہم "کتاب الاعتاق" میں بیان کرچکے ہیں یعنی حضور ﷺ کا ارشاد کہ جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوجائے وہ اس پر آزاد ہوجائے گا، اور اس ذی رحم محرم کی وَلاء بھی اسی کو ملے گی؛ کیونکہ سببِ آزادی اسی کی طرف سے پایا گیا کہ وہ اس پر آزاد ہوگیا۔

{10} اگر زید کے غلام نے بکر کی باندی سے نکاح کیا پھر بکر نے اپنی باندی کو اس حالت میں کہ وہ غلام سے حاملہ ہے آزاد کردیا، تو باندی آزاد ہوئی اور اس کا حمل بھی آزاد ہوگیا، اور حمل کی وَلاء اپنی ماں کے مولیٰ کو ملے گی اور اس سے کبھی منتقل نہیں ہوگی ؛کیونکہ وہ ماں کے آزاد کرنے والے کی طرف سے بالقصد آزاد ہوا ہے؛ کیونکہ حمل بھی باندی کا ایک جزء ہے جو بالقصد اعتاق کے قابل ہے پس مولیٰ نے باندی کو اپنے تمام اجزاء کے ساتھ آزاد کرنے کا قصد کیا ہے جن میں حمل بھی شامل ہے اس لیے مولیٰ سے اس کی ولاء منتقل نہ ہوگی؛ کیونکہ آزاد کرنے والے کے لیے وَلاء کا ہونا اس نص سے ثابت ہے جس کو ہم اوپر روایت کرچکے یعنی "اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ"۔

{11} اسی طرح اگر آزادی کے بعد وہ چھ مہینے سے کم میں بچہ جن گئی تو بھی اس بچہ کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لیے ہوگی ؛کیونکہ آزاد کرنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ جننے سے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ اعتاق کے وقت حمل قائم تھا لہٰذا باندی کے مولیٰ کی طرف سے یہ حمل مقصود آزاد ہوا ہے اس لیے اس کی وَلاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لیے ہوگی۔

{12} اسی طرح اگر مذکورہ باندی دو بچے جن گئی جن میں سے ایک اعتاق کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو بھی ان دونوں کی ولاء اپنی ماں کے مولیٰ کے لیے ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں بچے جڑواں ہیں کہ ایک ساتھ ان کا حمل ٹھہرا ہے یعنی آزاد کرنے کے وقت دونوں کا حمل ہونا یقینی ہے اس لیے ان کی ولاء ماں کے مولیٰ سے منتقل نہ ہوگی۔ اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ باندی کسی شخص کے ساتھ عقدِ موالات کرے حالانکہ وہ حاملہ ہے اور اس کا شوہر کسی دوسرے شخص سے موالات کرلے تو اس صورت میں بچے کی وَلاء اس شخص کے لیے ہوگی جس سے باپ نے موالات کی ہے؛ کیونکہ جو بچہ پیٹ میں ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ بالقصد اس سے عقدِ موالات کردے؛ کیونکہ عقدِ موالات ایجاب اور قبول سے تام ہوتا ہے اور بچہ ایجاب وقبول کا قابل نہیں ہے لہٰذا بچہ ولاء میں تابع ہوگا تو باپ کا تابع قرار دیا جائے گا؛ کیونکہ ولاء میں اصل باپ ہے اس لیے کہ ولاء بمنزلۂ نسب کے ہے، لہٰذا اس بچے کی ولاء باپ کے مولیٰ کے لیے ہوگی۔

{1} قَالَ : فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَلَدًا فَوَلَاؤُهُ لِمَوَالِي الْأُمِّ ؛ لِأَنَّهُ عَتَقَ تَبَعًا لِلْأُمِّ

فرمایا: پھر اگر باندی نے بچہ جنا اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ سے زائد پر، تو اس کی ولاء ماں کے موالی کے لیے ہوگی؛ کیونکہ وہ آزاد ہوا ہے ماں کا تابع ہو کر

لِاتِّصَالِهِ بِهَا بَعْدَ عِتْقِهَا فَيَتْبَعُهَا فِي الْوَلَاءِ وَلَمْ يَتَيَقَّنْ بِقِيَامِهِ وَقْتَ الْإِعْتَاقِ

بوجہ اس کے متصل ہونے کے اس کے ساتھ اس کی آزادی کے بعد، پس وہ ماں کا تابع ہوگا ولاء میں، اور متیقن نہیں قیام حمل اعتاق کے وقت

حَتَّى يَعْتِقَ مَقْصُودًا{2} فَإِنْ أَعْتِقَ الْأَبُ جَرَّ وَلَاءَ ابْنِهِ وَانْتَقَلَ عَنْ مَوَالِي الْأُمِّ إِلَى مَوَالِي الْأَبِ؛

حتی کہ آزاد ہو مقصوداً۔ پھر اگر آزاد کر دیا گیا باپ، تو کھینچ لے گا باپ ولاء اپنے بیٹے کی اور منتقل ہوگی ماں کے موالی سے باپ کے موالی کی طرف؛

لِأَنَّ الْعِتْقَ هَاهُنَا فِي الْوَلَدِ يَثْبُتُ تَبَعًا لِلْأُمِّ ، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ ،{3} وَهَذَا لِأَنَّ الْوَلَاءَ بِمَنْزِلَةِ النَّسَبِ قَالَ ﷺ

کیونکہ عتق یہاں ثابت ہوتا ہے بیٹے میں ماں کا تابع ہو کر، برخلاف اول کے، اور یہ اس لیے کہ ولاء بمنزلہ نسب کے ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

{ الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ } ثُمَّ النَّسَبُ إِلَى الْآبَاءِ

"ولاء قرابت ہے جیسے نسب کی قرابت، نہ فروخت کی جائے گی اور نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں میراث جاری ہوگی" پھر نسب آباء کی جانب ہوتا ہے،

فَكَذَلِكَ الْوَلَاءُ وَالنِّسْبَةُ إِلَى مَوَالِي الْأُمِّ كَانَتْ لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْأَبِ ضَرُورَةً ، فَإِذَا صَارَ أَهْلًا عَادَ الْوَلَاءُ

پس اسی طرح ولاء ہوگی، اور نسبت ماں کے موالی کی طرف باپ میں اہلیت نہ ہونے کی ضرورت سے تھی، پس جب وہ اہل ہو گیا تو لوٹ آئی ولاء

إِلَيْهِ ؛ كَوَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ يُنْسَبُ إِلَى قَوْمِ الْأُمِّ ضَرُورَةً ، فَإِذَا أَكْذَبَ الْمُلَاعِنُ نَفْسَهُ يُنْسَبُ

اسی کی طرف، بمنزلہ ملاعنہ کے بچے کے جو منسوب ہوتا ہے قوم ماں کی طرف ضرورۃً، پھر جب جھٹلائے ملاعن اپنے آپ کو تو منسوب ہوگا

إِلَيْهِ {4} بِخِلَافِ مَا إِذَا أُعْتِقَتِ الْمُعْتَدَّةُ عَنْ مَوْتٍ أَوْ طَلَاقٍ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْمَوْتِ أَوِ الطَّلَاقِ

اسی کی طرف۔ برخلاف اس کے جب آزاد کی گئی موت یا طلاق کی معتدہ، پھر وہ بچہ جن لے دو سال سے کم میں موت یا طلاق کے وقت سے

حَيْثُ يَكُونُ الْوَلَدُ مَوْلًى لِمَوَالِي الْأُمِّ وَإِنْ أُعْتِقَ الْأَبُ لِتَعَذُّرِ إِضَافَةِ الْعُلُوقِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالطَّلَاقِ الْبَائِنِ

کہ یہ بچہ معتق ہوگا ماں کے موالی کا اگرچہ باپ آزاد کر دیا جائے؛ بوجہ متعذر ہونے اضافتِ علوق کے موت اور طلاق بائن کے بعد کی طرف؛

لِحُرْمَةِ الْوَطْءِ وَبَعْدَ الطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ لِمَا أَنَّهُ يَصِيرُ مُرَاجِعًا بِالشَّكِّ فَأُسْنِدَ إلَى حَالَةِ النِّكَاحِ

حرمتِ وطی کی وجہ سے، اور طلاقِ رجعی کے مابعد کی طرف؛ اس لیے کہ وہ رجوع کرنے والا ہوگا شک سے، پس منسوب ہوا حالتِ نکاح کی طرف،

فَكَانَ الْوَلَدُ مَوْجُودًا عِنْدَ الْإِعْتَاقِ فَعَتَقَ مَقْصُودًا{5} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَإِذَا تَزَوَّجَتْ مُعْتَقَةٌ بِعَبْدٍ فَوَلَدَتْ أَوْلَادًا

پس ولد موجود ہوگا اعتاق کے وقت، اس لیے آزاد ہوگا مقصوداً۔ اور جامع صغیر میں ہے: پس اگر نکاح کیا آزاد شدہ نے غلام سے، پھر اس نے جن لی اولاد،

فَجَنَى الْأَوْلَادُ فَعَقْلُهُمْ عَلَى مَوَالِي الْأُمِّ ؛ لِأَنَّهُمْ عَتَقُوا تَبَعًا لِأُمِّهِمْ وَلَا عَاقِلَةَ لِأَبِيهِمْ وَلَا مَوْلَى،

پس جنایت کی اولاد نے، تو اس کا تاوان ماں کے موالی پر ہوگا؛ کیونکہ وہ آزاد ہیں ماں کے تابع ہو کر، اور نہ عاقلہ ہے ان کے باپ کا اور نہ موالی،

فَأُلْحِقُوا بِمَوَالِي الْأُمِّ ضَرُورَةً كَمَا فِي وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا{6} فَإِنْ أَعْتَقَ الْأَبُ

پس لاحق کر دئے گئے ماں کے موالی کے ساتھ ضرورۃً، جیسا کہ ملاعنہ کے بیٹے کی طرح جیسا کہ ہم ذکر کر چکے، پھر اگر آزاد کر دیا گیا باپ

جَرَّ وَلَاءَ الْأَوْلَادِ إلَى نَفْسِهِ ؛ لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَا يَرْجِعُونَ عَلَى عَاقِلَةِ الْأَبِ بِمَا عَقَلُوا:

تو وہ کھینچ لے گا اولاد کی ولاء اپنی طرف؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور واپس نہیں لے سکتے وہ جو انہوں نے ادا کیا باپ کے عاقلہ سے؛

لِأَنَّهُمْ حِينَ عَقَلُوهُ كَانَ الْوَلَاءُ ثَابِتًا لَهُمْ ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ لِلْأَبِ مَقْصُورًا

کیونکہ جس وقت انہوں نے ادا کیا اس کو اس وقت ولاء ثابت تھی ان کے لیے، اور باپ کے لیے ثابت ہوگی وقتِ عتق پر مقصور ہو کر؛

لِأَنَّ سَبَبَهُ مَقْصُورٌ وَهُوَ الْعِتْقُ ،{7} بِخِلَافِ وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ إذَا عَقَلَ عَنْهُ قَوْمُ الْأُمِّ ثُمَّ أَكْذَبَ الْمُلَاعِنُ نَفْسَهُ

اس لیے کہ سبب مقصور ہے اور وہ عتق ہے، برخلاف ولدِ ملاعنہ کے جب ادا کر دے اس کی طرف ماں کی قوم، پھر جھٹلائے ملاعن اپنے آپ کو،

حَيْثُ يَرْجِعُونَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ النَّسَبَ هُنَالِكَ يَثْبُتُ مُسْتَنِدًا إلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ وَكَانُوا مَجْبُورِينَ عَلَى ذَلِكَ فَيَرْجِعُونَ

کہ وہ رجوع کریں گے باپ پر؛ کیونکہ نسب یہاں ثابت ہوتا ہے منسوب ہو کر وقتِ علوق کی طرف، اور وہ مجبور تھے ادائیگی دیت

پر، پس رجوع کریں گے۔

تشریح:۔{1} پھر اگر مذکورہ باندی اپنے آزاد ہو جانے سے چھ ماہ سے زیادہ مدت پر بچہ جن گئی تو اس کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لیے ہوگی؛ کیونکہ وہ اپنی ماں کی تبعیت میں آزاد ہو گیا؛ کیونکہ ماں کی آزادی کے بعد وہ ماں کے ساتھ متصل ہے لہذا اولاد میں بھی ماں کا تابع ہوگا، اور چونکہ اعتاق کے وقت حمل قائم ہونے کا یقین نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اعتاق کے وقت سے چھ ماہ سے زیادہ مدت گذرنے پر پیدا ہوا حتی کہ وہ بالقصد آزاد نہیں ہوا ہے۔

{2} پھر اگر اس کا باپ آزاد کر دیا گیا تو باپ اپنے بیٹے کی وَلاء اپنی طرف کھینچے گا اور ماں کے موالی سے منتقل ہو کر باپ کے موالی کی طرف منتقل ہو جائے گی؛ اس صورت میں یہ ولاء باپ کی طرف کھنچ جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بچہ میں عتق اپنی ماں کی تبعیت میں ثابت ہوا تھا اور جس کا عتق تبعاً ثابت ہو اس کی ولاء منتقل ہو جاتی ہے، برخلافِ اول صورت کے کہ وہاں بچے میں عتق مقصوداً ثابت ہوا ہے؛ کیونکہ وہ اپنی ماں کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

{3} اس صورت میں ولاء باپ کی طرف کھنچ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ولاء بمنزلہ نسب کے ہے چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ولاء ایک رشتہ ہے نسب کے رشتہ کی طرح کہ فروخت نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ہبہ ہو سکتی ہے اور نہ اس میں میراث جاری ہوتی ہے [1]" پھر جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ وَلاء بمنزلہ نسب کے ہے اور نسب باپ کی جانب ہوتا ہے تو ولاء بھی باپ کی طرف ہو گی لہذا بچہ کی ولاء اس کے باپ کے موالی کی طرف کھنچ جائے گی۔ اور ماں کے موالی کی طرف نسبت اس ضرورت سے واقع ہوئی تھی کہ باپ میں اس کے غلام ہونے کی وجہ سے اہلیت نہیں تھی پھر جب وہ بھی آزاد ہو کر اہل ہو گیا تو ولاء اس کی طرف لوٹ کر آئے گی، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جس عورت نے شوہر سے لعان کیا پھر اس کا بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ ضرورت کی بنا پر ماں کی قوم کی طرف منسوب ہوگا، لیکن اگر لعان کرنے والے باپ نے اپنے آپ کو جھوٹا بتلایا یعنی کہا کہ میں اس عورت پر زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا تھا تو یہ بچہ پھر اپنے باپ کی طرف منسوب ہو جائے گا۔

---

([1]) أخرجه ابن حبان في صحيحه في القسم الثاني عن بشر بن الوليد عن يعقوب بن إبراهيم عن عبيد الله بن عمر عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الولاء لحمة كلحمة النسب، لا يباع، ولا يوهب"، انتهى. (نصب الراية: 370/4)

{4} اس کے برخلاف اگر موت یا طلاق سے عدت میں بیٹھنے والی باندی آزاد کر دی گئی پھر وہ موت یا طلاق کے وقت سے دو برس سے کم میں بچہ جن گئی تو یہ بچہ اپنی ماں کے موالی کا آزاد کردہ شمار ہو گا اگرچہ باپ آزاد کر دیا جائے؛ کیونکہ اس صورت میں موت یا طلاق بائن کے بعد نطفہ ٹھہر جانے کا حکم متعذر ہے؛ کیونکہ موت کے بعد میت سے نطفہ کا ٹھہر جانا محال ہے اور طلاق بائن کے بعد وطی حرام ہے اس لیے موت اور طلاق بائن کے بعد نطفہ ٹھہر جانا متعذر ہے، اور طلاق رجعی کے بعد بھی متعذر ہے؛ کیونکہ وہ شک کے ساتھ رجعت کرنے والا ہو جاتا ہے حالانکہ شک سے رجعت ثابت نہیں ہوتی ہے تو لا محالہ حالتِ نکاح کی طرف منسوب ہو گا کہ عدت کے دوران نطفہ ٹھہر گیا ہے لہٰذا آزاد کرنے کے وقت بچہ موجود ہو گا اس لیے اس کا اعتاق بالقصد واقع ہو گا اور جو مقصوداً آزاد ہو اس کی ولاء منتقل نہیں ہوتی ہے۔

{5} جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر ایک قوم کی آزاد کی ہوئی عورت نے دوسری قوم کے غلام سے نکاح کیا پھر اس کی اولاد پیدا ہوئی پھر اس اولاد نے جرم کیا مثلاً کسی کو خطاءً قتل کیا تو ان کی دیت ان کی ماں کے موالی پر ہو گی؛ کیونکہ یہ اولاد تو اپنی ماں کی تبعیت میں آزاد ہوئی ہیں اور ان کے باپ کی کوئی عاقلہ (مددگار برادری) اور موالی نہیں ہیں تو اس صورت میں یہ ضرورۃً اپنی ماں کے موالی کے ساتھ ملحق ہو گی جیسے اس عورت کا بچہ ہوتا ہے جس نے اپنے شوہر کے ساتھ لعان کیا جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ ملاعنہ کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ ملحق ہو گا۔

{6} پھر اگر غلام باپ بھی آزاد کیا گیا تو وہ اولاد کی ولاء اپنی جانب کھینچ لائے گا؛ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ اب باپ میں اہلیت پیدا ہو گئی اس لیے وہ ان کی ولاء اپنی طرف کھینچ لائے گا۔ پھر ماں کی قوم والوں نے جو کچھ دیت میں ادا کیا ہے وہ باپ کے موالی سے نہیں لے سکتے ہیں؛ کیونکہ جس زمانہ میں انہوں نے عاقلہ ہو کر دیت ادا کی تھی تو ولاء ان کے لیے ثابت تھی اس لیے دیت بھی انہی کے ذمہ تھی، اور باپ کے لیے تو ولاء ایک خاص وقت پر مقصور ثابت ہو گی یعنی جس وقت کہ وہ آزاد کیا گیا۔

{7} باقی لعان کرنے والی عورت کی قوم اگر اس کے بچے کی طرف سے دیت ادا کرے پھر شوہر اپنے آپ کی تکذیب کرے کہ میں نے بیوی پر تہمت لگا کر جھوٹ کہا تھا تو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ ماں کی قوم نے جو عاقلہ ہو کر دیت ادا کی تھی وہ باپ کے

موالی سے واپس لی جائے گی؛ کیونکہ یہاں اس بچہ کا نسب اس وقت سے ثابت ہوگا جس وقت سے نطفہ قرار پایا ہے اور ماں کے موالی نے مجبور ہو کر دیت ادا کی تھی بطورِ تبرع نہیں دی تھی اس لیے وہ اب وَلاء باپ کے موالی سے واپس لیں گے۔

{1}قَالَ: وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةٍ مِنَ الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَوَلَاءُ أَوْلَادِهَا لِمَوَالِيهَا

فرمایا: اور جس نے نکاح کیا عجمیوں میں سے آزاد کی ہوئی عربی سے، پس وہ جن گئی اس سے اولاد، تو اس کی اولاد کی ولاء اس کے موالی کے لیے ہوگی

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : حُكْمُهُ حُكْمُ أَبِيهِ،

امام صاحبؒ کے نزدیک، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہی قول ہے امام محمدؒ کا، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: اس کا حکم اس کے باپ کا حکم ہے؛

لِأَنَّ النَّسَبَ إِلَى الْأَبِ كَمَا إِذَا كَانَ الْأَبُ عَرَبِيًّا، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْأَبُ عَبْدًا لِأَنَّهُ هَالِكٌ مَعْنًى .{2} وَلَهُمَا أَنَّ

کیونکہ نسب باپ کی جانب ہوتا ہے جیسا کہ ہو باپ عربی، برخلاف اس کے جب باپ غلام ہو؛ اس لیے کہ وہ مردہ ہے معنًی۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے

وَلَاءَ الْعَتَاقَةِ قَوِيٌّ مُعْتَبَرٌ فِي حَقِّ الْأَحْكَامِ حَتَّى اُعْتُبِرَتِ الْكَفَاءَةُ فِيهِ ، وَالنَّسَبُ فِي حَقِّ الْعَجَمِ ضَعِيفٌ فَإِنَّهُمْ

کہ ولاءِ عتاقہ قوی احکام کے حق میں معتبر ہے حتی کہ اعتبار کیا گیا ہے کفو کا اس میں، اور نسب عجم کے حق میں ضعیف ہے؛ اس لیے کہ انہوں نے

ضَيَّعُوا أَنْسَابَهُمْ وَلِهَذَا لَمْ تُعْتَبَرِ الْكَفَاءَةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ بِالنَّسَبِ ، وَالْقَوِيُّ لَا يُعَارِضُهُ الضَّعِيفُ،

ضائع کیے ہیں اپنے نسبوں کو، اسی لیے اعتبار نہیں کیا گیا ہے ان کے درمیان کفاءتِ نسب کا، اور قوی کا معارضہ نہیں کر سکتا ہے ضعیف،

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْأَبُ عَرَبِيًّا لِأَنَّ أَنْسَابَ الْعَرَبِ قَوِيَّةٌ مُعْتَبَرَةٌ فِي حُكْمِ الْكَفَاءَةِ وَالْعَقْلِ ، كَمَا أَنَّ تَنَاصُرَهُمْ

برخلاف اس کے جب باپ عربی ہو؛ کیونکہ عربوں کے انساب قوی معتبر ہیں احکام کفاءت اور دیت میں؛ اس لیے کہ ان کی باہمی نصرت

بِهَا فَأَغْنَتْ عَنِ الْوَلَاءِ .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : الْخِلَافُ فِي مُطْلَقِ الْمُعْتَقَةِ وَالْوَضْعُ فِي مُعْتَقَةِ الْعَرَبِ وَقَعَ

انہی سے ہے، تو اس نے بے نیاز کر دیا ولاء سے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف مطلق معتقہ میں ہے، اور مسئلہ کی وضع معتقۃ العرب میں واقع ہوئی ہے

اتِّفَاقًا {3} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : نَبَطِيٌّ كَافِرٌ تَزَوَّجَ بِمُعْتَقَةٍ كَافِرَةٍ ثُمَّ أَسْلَمَ النَّبَطِيُّ وَوَالَى رَجُلًا

اتفاقی طور پر۔ اور جامع صغیر میں ہے: ایک نبطی کافر نے نکاح کیا کسی قوم کی معتقہ سے، پھر اسلام لایا نبطی نے اور موالات کی کسی شخص سے،

ثُمَّ وَلَدَتْ أَوْلَادًا .قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ : مَوَالِيهِمْ مَوَالِي أُمِّهِمْ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : مَوَالِيهِمْ

پھر اس نے جن لی اولاد، تو فرمایا امام صاحبؒ اور امام محمدؒ نے کہ ان کے موالی ان کی ماں کے موالی ہیں، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: ان کے موالی

مَوَالِي أَبِيهِمْ؛ لِأَنَّ الْوَلَاءَ وَإِنْ كَانَ أَضْعَفَ فَهُوَ مِنْ جَانِبِ الْأَبِ فَصَارَ كَالْمَوْلُودِ بَيْنَ وَاحِدٍ مِنَ الْمَوَالِي وَبَيْنَ الْعَرَبِيَّةِ

ان کے باپ کے موالی ہیں؛ کیونکہ ولاء اگرچہ کمزور ہے تاہم باپ کی جانب سے ہے، پس ہو گیا جیسے مولود آزاد عجمی اور آزاد عربیہ کے درمیان۔

{4}وَلَهُمَا أَنَّ وَلَاءَ الْمُوَالَاةِ أَضْعَفُ حَتَّى يَقْبَلَ الْفَسْخَ ، وَوَلَاءُ الْعَتَاقَةِ لَا يَقْبَلُهُ ، وَالضَّعِيفُ لَا يَظْهَرُ
اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ولاء موالات کمزور ہے حتی کہ قبول کرتی ہے فسخ کو، اور ولاء عتاق قبول نہیں کرتی ہے فسخ کو، اور ضعیف ظاہر نہیں ہوتا ہے
فِي مُقَابَلَةِ الْقَوِيِّ ، {5}وَإِنْ كَانَ الْأَبَوَانِ مُعْتَقَيْنِ فَالنِّسْبَةُ إِلَى قَوْمِ الْأَبِ لِأَنَّهُمَا اسْتَوَيَا ، وَالتَّرْجِيحُ
قوی کے مقابلے میں۔ اور اگر ماں باپ دونوں آزاد کردہ ہوں تو نسبت باپ کی قوم کی طرف ہوگی؛ کیونکہ وہ دونوں برابر ہیں، اور ترجیح
لِجَانِبِهِ لِشَبَهِهِ بِالنَّسَبِ أَوْ لِأَنَّ النُّصْرَةَ بِهِ أَكْثَرُ . {6}قَالَ : وَوَلَاءُ الْعَتَاقَةِ
باپ کی جانب کو ہے؛ نسب کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے یا اس لیے کہ نصرت باپ کی جانب سے زیادہ ہے۔ فرمایا: اور ولاء عتاقہ
تَعْصِيبٌ وَهُوَ أَحَقُّ بِالْمِيرَاثِ مِنَ الْعَمَّةِ وَالْخَالَةِ ؛ { لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِي اشْتَرَى عَبْدًا
ایک تعصیب ہے، اور مولیٰ عتاقہ زیادہ حقدار ہے میراث کی عمہ اور خالہ سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اس کو جس نے خرید اغلام کو
فَأَعْتَقَهُ هُوَ أَخُوكَ وَمَوْلَاكَ ، إِنْ شَكَرَكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَشَرٌّ لَكَ ،
پھر آزاد کر دیا اس کو "وہ تیرا بھائی اور تیرا مولیٰ ہے اگر اس نے تیری شکر گزاری کی تو وہ بہتر ہے اس کے لیے اور برا ہے تیرے حق میں،
وَإِنْ كَفَرَكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ وَشَرٌّ لَهُ ، وَلَوْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا كُنْتَ أَنْتَ عَصَبَتَهُ}
اور اگر اس نے تیری ناشکری کی تو وہ بہتر ہے تیرے لیے اور برا ہے اس کے لیے، اور اگر وہ مر گیا اور نہیں چھوڑا وارث تو تُو اس کا عصبہ ہے"
{وَوَرَّثَ ابْنَةَ حَمْزَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَلَى سَبِيلِ الْعُصُوبَةِ مَعَ قِيَامِ وَارِثٍ} وَإِذَا كَانَ عَصَبَةً تَقَدَّمَ عَلَى ذَوِي الْأَرْحَامِ
اور آپ نے وارث قرار دیا حمزہؓ کی بیٹی کو بطور عصبہ ہونے کے وارث کے ہوتے ہوئے، اور جب مولیٰ عتاقہ عصبہ ہے، تو مقدم ہوگا ذوی الارحام پر،
وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ {7} فَإِنْ كَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَهُوَ أَوْلَى مِنَ الْمُعْتِقِ ؛ لِأَنَّ الْمُعْتِقَ
اور یہی مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، پس اگر ہو معتق کے لیے عصبہ نسب سے تو وہ مقدم ہوگا معتِق سے؛ کیونکہ آزاد کرنے والا
آخِرُ الْعَصَبَاتِ ، وَهَذَا لِأَنَّ قَوْلَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { وَلَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا } قَالُوا : الْمُرَادُ مِنْهُ وَارِثٌ هُوَ
آخری عصبہ ہے، اور یہ اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد "اور نہیں چھوڑا وارث" مشائخ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ وارث ہے
عَصَبَةٌ بِدَلِيلِ الْحَدِيثِ الثَّانِي فَتَأَخَّرَ عَنِ الْعَصَبَةِ دُونَ ذَوِي الْأَرْحَامِ .
جو عصبہ ہو بدلیل حدیث ثانی، پس وہ مؤخر ہوگا عصبہ سے نہ کہ ذوی الارحام سے۔

تشریح:۔{1} اگر عربی شخص کی آزاد کی ہوئی باندی سے کسی عجمی شخص نے نکاح کیا جس سے وہ اولاد جن چکی، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی اولاد کی ولاء اس عورت کے موالی کے لیے ہوگی، اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اولاد کا عجمی

حکم ہے جو ان کے باپ کا ہے یعنی ان کی وَلاء نہ ہوگی بلکہ ان کا ترکہ ان کے ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ نسب تو باپ کی جانب ہوتا ہے جیسے اگر باپ عربی ہوتا تو اولاد کا یہی حکم ہوتا کہ ان کی ولاء نہ ہوتی اور ترکہ ان کے ذوی الارحام میں تقسیم کیا جاتا۔ اس کے برخلاف اگر باپ غلام ہو تو وہ بمنزلہ مردہ کے ہوتا ہے؛ کیونکہ غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں گویا اولاد کا باپ نہیں اس لیے ان کی وَلاء ان کی ماں کے موالی کو ملے گی۔

{2} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولاء عتاقہ قوی ہے احکام کے حق میں معتبر ہے حتیٰ کہ اس میں کفو کا اعتبار کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عربی کی آزاد کردہ عجمی کے آزاد کردہ کی کفو نہیں ہے اور عجمیوں کے حق میں نسب ضعیف ہے؛ کیونکہ اہل عجم نے اپنے انساب ضائع کر دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں نسب کے اعتبار سے کفو ہونا معتبر نہیں ہوتا ہے اور ضعیف قوی کا معارض نہیں ہو سکتا ہے پس جب باپ کی جانب میں ضعف ثابت ہوا تو وہ اور غلام برابر ہیں اس لیے اس صورت میں اولاد کی وَلاء ماں کے موالی کے لیے ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر باپ عربی ہو تو اولاد کی وَلاء نہ ہوگی؛ کیونکہ عرب کے انساب قوی ہیں اور کفو ہونے اور عاقلہ ہونے میں معتبر ہیں؛ کیونکہ نسب ہی کی راہ سے ان میں باہمی نصرت جاری ہے تو ان کے انساب ان کو وَلاء سے بے پروا کر دیتے ہیں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف مطلق آزاد کی ہوئی باندی میں ہے اور امام قدوریؒ نے جو عرب کی آزاد کی ہوئی کی قید لگائی ہے یہ صرف اتفاقاً واقع ہوئی ہے۔

{3} اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ایک نبطی کافر (یعنی رزیل کافر) نے کسی قوم کی آزاد کی ہوئی عورت سے نکاح کیا پھر نبطی مسلمان ہو گیا اور اس نے کسی شخص سے عقدِ موالات کر لیا پھر اس کی کافرہ بیوی (نصرانیہ یا یہودیہ) سے اولاد ہوئی تو طرفینؒ فرماتے ہیں کہ اس اولاد کے موالی ان کی ماں کے موالی ہوں گے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ باپ کے ساتھ عقدِ موالات کرنے والے موالی ہوں گے؛ کیونکہ وَلاء اگرچہ کمزور ہے لیکن باپ کی جانب سے موجود ہے تو یہ ایسا ہو گیا کہ جیسے ایک عجمی آزاد اور ایک عربیہ آزاد عورت سے اولاد ہوئی تو اس صورت میں بالاتفاق نسب باپ کی جانب ہوتا ہے؛ کیونکہ نسب باپ کی طرف ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

{4} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وَلاءِ موالات بنسبت وَلاءِ عتاقہ کے کمزور ہے حتی کہ وَلاءِ موالات فسخ ہو سکتی ہے اور وَلاءِ عتاقہ قابل فسخ نہیں ہے اور قوی کے مقابلہ میں ضعیف کا ظہور نہیں ہوتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں اولاد کے موالی وہی ہوں گے جو ماں کے موالی ہیں۔

{5} اور اگر اولاد کے ماں وباپ دونوں آزاد کیے ہوئے ہوں تو بالاتفاق باپ کی قوم کی جانب نسبت ہوگی؛ کیونکہ آزاد ہونے میں دونوں برابر ہیں اور باپ کی جانب کو ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ وَلاء کو نسب سے مشابہت ہے۔ یا اس لیے کہ نصرت باپ کی جانب سے زیادہ پہنچتی ہے۔

فتوی:۔ طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: الراجح عند أکثر المشائخ قولهما و انتصر علیه فی الکافی وغیره واللہ أعلم بالصواب (هامش الهدایة: 340/3)

{6} وَلاءِ عتاقہ انسان کو عصبہ بنادیتی ہے یہی وجہ ہے کہ مولی اپنے آزاد کیے ہوئے کی میراث کا زیادہ حقدار ہے بنسبت اس کی خالہ اور اس کی پھوپھی کے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے اس شخص کو جس نے غلام خرید کر آزاد کیا تھا یوں فرمایا کہ "یہ تیرا دینی بھائی اور آزاد کیا ہوا ہے اگر اس نے تیری شکر گزاری کی تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے اور تیرے حق میں برا ہے اور اگر اس نے تیری ناشکری کی تو وہ تیرے حق میں بہتر ہے اور اس کے حق میں بدتر ہے اور اگر یہ مرا اور اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا تو تو اس کا عصبہ ہوگا[1]" اور حضور ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اس کے آزاد کیے ہوئے غلام سے بطور عصبہ ہونے کے میراث دلوائی باوجودیکہ اس آزاد شدہ کی ایک لڑکی موجود تھی، لہٰذا آزاد کرنے والا عصبہ ہے اور جب آزاد کرنے والا عصبہ ٹھہرا تو ذوی الارحام پر مقدم ہوگا اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[2]۔

---

(1) رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ فِي مُسْنَدِهِ أخبرنا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ الْأَشْعَثِ عَنْ الْحَسَنِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ، فَقَالَ: إنِّي اشْتَرَيْت هَذَا فَأَعْتَقْته، فَمَا تَرَى فِيهِ؟ قَالَ: "أَخُوك وَمَوْلَاك، إنْ شَكَرَك فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَشَرٌّ لَك، وَإِنْ كَفَرَك فَهُوَ شَرٌّ لَهُ، وَخَيْرٌ لَك"، قَالَ: فَمَا تَرَى فِي مَالِهِ؟ قَالَ: "إنْ مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا فَلَك مَالُهُ"، انتهى. (نصب الراية: 372/4)

(2) تَقَدَّمَ قَرِيبًا.

{7} پس اگر آزاد شدہ کا نسبی عصبہ موجود ہو تو وہ آزاد کرنے والے سے مقدم ہوگا؛ کیونکہ آزاد کرنے والا آخری عصبہ ہے وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "وَلَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا[1]" (اور اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو اس کا وارث ہے) مشائخ نے کہا ہے کہ دوسری حدیث (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی والی حدیث) کی وجہ سے اس وارث سے مراد نسبی عصبہ ہے لہٰذا آزاد کرنے والا نسبی عصبہ سے مؤخر ہوگا اور ذوی الارحام سے مقدم ہوگا۔

{1} قَالَ : فَإِنْ كَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَهُوَ أَوْلَى ؛ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ

فرمایا: اور اگر ہو آزاد شدہ کے لیے نسبی عصبہ، تو وہ مقدم ہوگا اس سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور اگر نہ ہو اس کا نسبی عصبہ،

فَمِيرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ تَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ صَاحِبُ فَرْضٍ ذُو حَالٍ ، أَمَّا إِذَا كَانَ فَلَهُ الْبَاقِي

تو اس کی میراث معتِق کے لیے ہوگی، اس کی تاویل یہ ہے کہ نہ ہو وہاں ایسا صاحبِ فرض جو ذو حال ہو، اور اگر ہو تو اس کے لیے باقی ہے

بَعْدَ فَرْضٍ لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ عَلَى مَا رَوَيْنَا ، {2} وَهَذَا لِأَنَّ الْعَصَبَةَ مَنْ يَكُونُ التَّنَاصُرُ بِهِ

اس کے فرض کے بعد؛ کیونکہ وہ عصبہ ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور یہ اس لیے کہ عصبہ وہ ہوتا ہے جس سے باہمی نصرت ہو

لِبَيْتِ النِّسْبَةِ وَبِالْمَوَالِي الِانْتِصَارُ عَلَى مَا مَرَّ وَالْعَصَبَةُ تَأْخُذُ مَا بَقِيَ {3} فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ

قبیلہ کی وجہ سے، اور موالی سے نصرت ہوتی ہے جیسا کہ گذر چکا، اور عصبہ لے لیتا ہے باقی ماندہ۔ پس اگر مر گیا مولیٰ، پھر مر گیا معتَق،

فَمِيرَاثُهُ لِبَنِي الْمَوْلَى دُونَ بَنَاتِهِ ، وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ

تو اس کی میراث مولیٰ کے بیٹوں کے لیے ہوگی نہ کہ اس کی بیٹیوں کے لیے؛ کیونکہ نہیں ہے عورتوں کے لیے ولاء مگر وہ جس کو انہوں نے آزاد کیا

أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ أَوْ كَاتَبْنَ أَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ بِهَذَا اللَّفْظِ وَرَدَ الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یا آزاد کیا ان کے آزاد کردہ نے یا جس کو انہوں نے مکاتب کیا یا مکاتب کیا ان کے مکاتب کیے نے، اسی لفظ کے ساتھ وارد ہے حدیث حضور ﷺ سے،

وَفِي آخِرِهِ { أَوْ جَرَّ وَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ } وَصُورَةُ الْجَرِّ قَدَّمْنَاهَا ، {4} وَلِأَنَّ

اور اس کے آخر میں ہے "یا ولاء کھینچ لائے ان کے آزاد کیے ہوئے کی" اور کھینچ لانے کی صورت ہم پہلے ذکر کر چکے، اور اس لیے کہ

ثُبُوتَ الْمَالِكِيَّةِ وَالْقُوَّةِ فِي الْعِتْقِ مِنْ جِهَتِهَا فَيُنْسَبُ بِالْوَلَاءِ إِلَيْهَا وَيُنْسَبُ إِلَيْهَا مَنْ

---

([1]) رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: أَرَادَ رَجُلٌ أَنْ يَشْتَرِيَ عَبْدًا، فَلَمْ يَقْضِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ صَاحِبِهِ بَيْعٌ، وَحَلَفَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِعِتْقِهِ، فَاشْتَرَاهُ، فَأَعْتَقَهُ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "إِنْ شَكَرَكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَشَرٌّ لَكَ، وَإِنْ كَفَرَكَ فَهُوَ شَرٌّ لَهُ، وَخَيْرٌ لَكَ" ، قَالَ: فَكَيْفَ بِمِيرَاثِهِ؟ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَصَبَةٌ، فَهُوَ لَكَ" ، انْتَهَى.(نصب الراية:373/4)

ثبوتِ مالکیت اور قوت معتق میں معتقہ کی جانب سے ہوتا ہے پس منسوب کی جائے گی ولاء اسی کی طرف، اور منسوب کیا جائے گا اس کی طرف،

يُنْسَبُ إِلَى مَوْلَاهَا ،{5} بِخِلَافِ النَّسَبِ لِأَنَّ سَبَبَ النِّسْبَةِ فِيهِ الْفِرَاشُ ، وَصَاحِبُ الْفِرَاشِ إِنَّمَا هُوَ الزَّوْجُ ،

جو منسوب ہو اس کے مولیٰ کی طرف۔ برخلاف نسب کے؛ کیونکہ سببِ نسبت نسب میں فراش ہے، اور صاحبِ فراش شوہر ہی ہوتا ہے،

وَالْمَرْأَةُ مَمْلُوكَةٌ لَا مَالِكَةٌ ، وَلَيْسَ حُكْمُ مِيرَاثِ الْمُعْتَقِ مَقْصُورًا عَلَى بَنِي الْمَوْلَى بَلْ هُوَ لِعَصَبَتِهِ الْأَقْرَبُ

اور عورت مملوکہ ہے نہ کہ مالکہ، اور معتق کی میراث کا حکم مقصور نہیں مولیٰ کے بیٹوں پر بلکہ وہ اس کے عصبہ کے لیے قریب

فَالْأَقْرَبُ ، لِأَنَّ الْوَلَاءَ لَا يُورَثُ وَيَخْلُفُهُ فِيهِ مَنْ تَكُونُ النُّصْرَةُ بِهِ ، حَتَّى

پھر قریب کے لیے ہے؛ کیونکہ ولاء میراث نہیں ہوتی ہے اور خلیفہ ہوتا ہے مولیٰ کا اس میں وہ جس کی ذات سے نصرت ہو حتیٰ کہ

لَوْ تَرَكَ الْمَوْلَى أَبًا وَابْنًا فَالْوَلَاءُ لِلِابْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ أَقْرَبُهُمَا

اگر پیچھے چھوڑ دیا مولیٰ باپ اور بیٹا، تو ولاء بیٹے کے لیے ہوگی امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک؛ کیونکہ بیٹا دونوں میں سے زیادہ قریب ہے

عُصُوبَةً ، وَكَذَلِكَ الْوَلَاءُ لِلْجَدِّ دُونَ الْأَخِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ فِي الْعُصُوبَةِ

عصوبت کے اعتبار سے، اور اسی طرح ولاء جد کے لیے ہوگی نہ کہ بھائی کے لیے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ جد زیادہ قریب ہے عصوبت میں

عِنْدَهُ .وَكَذَا الْوَلَاءُ لِابْنِ الْمُعْتِقَةِ حَتَّى يَرِثَهُ دُونَ أَخِيهَا لِمَا

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور اسی طرح ولاء معتقہ کے بیٹے کے لیے ہوگی اور وہ وارث ہوگا اس کا نہ کہ معتقہ کے بھائی کے لیے؛ اس دلیل کی وجہ سے

ذَكَرْنَا ،{6} إِلَّا أَنَّ عَقْلَ جِنَايَةِ الْمُعْتَقِ عَلَى أَخِيهَا لِأَنَّهُ مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا

جو ہم ذکر کر چکے، مگر یہ کہ معتق کے جرم کی دیت اس عورت کے بھائی پر ہوگی؛ کیونکہ بھائی اس عورت کے باپ کی قوم سے ہے،

وَجِنَايَتُهُ كَجِنَايَتِهَا{7} وَلَوْ تَرَكَ الْمَوْلَى ابْنًا وَأَوْلَادَ ابْنٍ آخَرَ ، مَعْنَاهُ بَنِي ابْنٍ آخَرَ

اور معتق کی جنایت عورت کی جنایت کی طرح ہے، اور اگر پیچھے چھوڑا مولیٰ نے بیٹا اور دوسرے بیٹے کی اولاد، مطلب یہ کہ دوسرے بیٹے کے لڑکے چھوڑے،

فَمِيرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلِابْنِ دُونَ بَنِي الِابْنِ لِأَنَّ الْوَلَاءَ لِلْكُبْرِ؛هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

تو معتق کی میراث بیٹے کے لیے ہوگی نہ کہ پوتوں کے لیے؛ کیونکہ ولاء سب سے بڑے کے لیے ہوتی ہے یہی مروی ہے کئی صحابہ کرامؓ سے

مِنْهُمْ عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ وَغَيْرُهُمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، وَمَعْنَاهُ الْقُرْبُ عَلَى مَا قَالُوا، وَالصُّلْبِيُّ أَقْرَبُ.

جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں، اور بڑے کا معنی ہے قرب جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے اور صلبی ہی زیادہ قریب ہے۔

تشریح:۔{1} پھر اگر آزاد شدہ کا کوئی نسبی عصبہ موجود ہو تو وہ آزاد کرنے والے سے مقدم ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ آزاد کرنے والا آخری عصبہ ہے۔ اور اگر عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ امام قدوریؒ کے اس قول کی تاویل یہ ہے کہ وہاں کوئی صاحبِ فرض بھی ایسا نہ ہو جو عصبہ بھی ہو مثلاً باپ ہے کہ وہ حق فرض بھی لیتا ہے اور باقی کو بطورِ عصبہ بھی لیتا ہے تو ایسا صاحب فرض بھی نہ ہو؛ کیونکہ اگر ایسا صاحبِ فرض موجود ہو تو وہ اپنے اس مفروض حصہ کے بعد باقی بھی لے لے گا؛ کیونکہ وہ عصبہ ہے جیسا کہ ہم روایت کر چکے کہ عصبہ نسبی مقدم ہے۔

{2} اور موالی کے عصبہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عصبہ وہ شخص ہوتا ہے کہ جس سے ایسے قبیلہ کی وجہ سے باہمی نصرت ہوتی ہے جس کی طرف وہ منسوب ہے اور موالی کی ذات سے نصرت حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ شروعِ کتابت میں گذر چکا اس لیے آزاد کرنے والا عصبہ ہے، اور عصبہ وہی ہے جو باقی بچا ہوا لے لے یعنی اصحاب فرائض کا حصہ دے کر جو باقی بچے وہ سب لے لیتا ہے۔

{3} اگر مولیٰ مر گیا پھر آزاد شدہ مرا اور اس کے نسبی عصبہ نہ ہوں تو مولیٰ کی اولاد میں سے لڑکیوں کو آزاد شدہ کی میراث نہیں ملے گی بلکہ فقط لڑکوں کو ملے گی؛ اس کی دو دلیل ہیں اول یہ کہ عورتوں کے لیے وَلاء نہیں ہے مگر اس کی وَلاء ملے گی کہ جس کو عورتوں نے آزاد کیا ہو یا ان کے آزاد کئے ہوئے نے آزاد کیا ہو یا جس کو عورتوں نے مکاتب کیا ہو یا ان کے مکاتب کئے ہوئے نے مکاتب کیا ہو تو ان کی وَلاء عورتوں کو بھی ملے گی، انہیں الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ سے حدیث وارد ہوئی ہے جس کے آخر میں ہے "یا وَلاء کھینچ لائے ان کے آزاد کئے ہوئے کی"[1] اور ولاء کھینچ لانے کی صورت ہم نے سابق میں بیان کر دی یعنی ان کے غلام نے کسی شخص کی باندی سے نکاح کیا پھر باندی کو اس کے مولیٰ نے آزاد کیا پھر وہ آزادی سے چھ مہینہ سے زیادہ مدت پر بچہ جنی تو بچہ کی ولاء ابھی ماں کے مولیٰ کے لیے ہے پھر جب مذکورہ غلام کو آزاد کیا گیا تو وہ بچہ کی ولاء اپنے مولیٰ کی طرف کھینچ لائے گا۔

{4} اور دوسری دلیل عورتوں کی ولاء کی یہ ہے کہ آزاد شدہ میں مالکیت اور قوت حاصل ہونا آزاد کرنے والی عورت ہی کی طرف سے ہوتا ہے پس وَلاء میں یہ آزاد شدہ اسی عورت کی طرف منسوب ہوگا اور آزاد شدہ نے جس کو آزاد کیا ہو وہ بھی اس عورت کی طرف منسوب ہوگا؛ کیونکہ دوم آزاد شدہ اپنے آزاد کرنے والے کی طرف منسوب ہے اور اس کا آزاد کرنے والا اس آزاد کنندہ عورت کی طرف منسوب ہے تو دوم بھی اسی عورت کی طرف منسوب ہوا۔

---

(1) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْت: غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيّ عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَجْعَلُونَ الْوَلَاءَ لِلْكُبْرِ مِنْ الْعَصَبَةِ، وَلَا يُوَرِّثُونَ النِّسَاءَ مِنْ الْوَلَاءِ إلَّا مَا أَعْتَقْنَ، أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ. انْتَهَى. وَأَخْرَجَ أَيْضًا عَنْ إبْرَاهِيمَ. قَالَ: كَانَ عُمَرُ، وَعَلِيٌّ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ لَا يُوَرِّثُونَ النِّسَاءَ مِنْ الْوَلَاءِ، إلَّا مَا أَعْتَقْنَ. (نصب الرایۃ: 4/373)

باقی نسب کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں بچہ کی نسبت ماں کی جانب نہیں ہوتی؛ کیونکہ نسب میں نسب کا سبب تو فراش ہے اور فراش والا شوہر ہوتا ہے اور عورت اس کی مملوکہ ہے نہ کہ مالکہ۔

{5} واضح رہے کہ آزاد شدہ کی ولاء کا حکم صرف اس قدر نہیں ہے کہ مولیٰ کے لڑکوں کو ملے گی بلکہ مولیٰ کے عصبات میں سے جو سب سے اقرب ہے خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں پھر اگر وہ نہ ہو یا محروم ہو تو جو اس کے بعد سب سے اقرب ہے وہی ولاء پائے گا؛ کیونکہ ولاء ایسی چیز نہیں ہے کہ اس میں میراث جاری ہو کہ مولیٰ کے وارثوں میں مال کی طرح حصہ رسد پہنچے بلکہ مولیٰ کے قائم مقام کو بطور استحقاق کے ملتا ہے اور اس میں مولیٰ کا خلیفہ وہ ہوتا ہے جس کی ذات سے نصرت حاصل کی جاتی ہو اور وہ بیٹے ہیں نہ کہ بیٹیاں، حتیٰ کہ اگر مولیٰ مر گیا اور بطورِ وارث باپ اور بیٹا چھوڑ دیا تو طرفین ؒ کے نزدیک وَلاء اس کے بیٹے کے لیے ہوگی؛ کیونکہ عصبہ ہونے میں باپ سے بیٹا زیادہ قریب ہے اور اگر دادا اور بھائی چھوڑ دیا تو امام صاحب ؒ کے نزدیک وَلاء اس کے دادا کے لیے ہوگی بھائی کے لیے نہ ہوگی ؛کیونکہ امام صاحب ؒ کے نزدیک بھائی سے دادا کی عصوبت اقرب ہے۔اسی طرح اگر آزاد کرنے والی عورت مر گئی اور بطورِ وارث بیٹا اور بھائی کو چھوڑ دیا پھر اس کا آزاد کیا ہوا بغیر عصبہ وارث کے مرا تو اس کی مولیٰ کا بیٹا وارث ہوگا بھائی وارث نہ ہوگا؛ کیونکہ عصبہ ہونے میں بیٹا اقرب ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: و المأخوذ عند المشائخ قولهما،قال في الكافي أما العصبة السببية فالمعتق ثم الترتيب فيها الترتيب الذي مرّ في العصبات انتهى كلامه (هامش الهداية:342/3)

{6} لیکن اگر آزاد شدہ اپنی زندگی میں کوئی جرم کرے جس کا جرمانہ اور دیت اس کے بھائی کی عاقلہ پر واجب ہوتی ہے ؛کیونکہ بھائی اس عورت کے باپ کی قوم سے ہے جیسے اگر عورت خود ایسا جرم کرتی تو اس کی دیت اس کے بھائی کی عاقلہ پر ہوتی؛ کیونکہ بھائی اس عورت کے باپ کی قوم سے ہے اسی طرح جب اس کے آزاد کیے ہوئے نے جرم کیا تو بھی یہی حکم ہے۔

{7} اگر مولیٰ نے ایک بیٹا اور دوسرے بیٹے کی نرینہ اولاد چھوڑی یعنی ایسے پوتے چھوڑے کہ جن کا باپ مر گیا ہے مراد دوسرے بیٹے کے بیٹے ہیں بیٹیاں مراد نہیں ہیں، پھر آزاد کیا ہوا مرا اور اس کا کوئی نسبی عصبہ وارث نہ ہو تو آزاد شدہ کی ولاء مولیٰ کے بیٹے کو ملے گی اور دوسرے بیٹے کے لڑکوں کو نہیں ملے گی اس لیے کہ ولاء تو سب سے بڑے کے لیے ہے یعنی جس کا نسب مولیٰ کی طرف سب سے اقرب عصبہ کا ہو وہ مستحق وَلاء ہے اور یہی ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن میں حضرت عمر، حضرت علی

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں [1]، اور مشائخ کے قول کی بنا پر یہاں بڑائی سے قرب مراد ہے یعنی جو سب سے اقرب ہو اور مولی کی نسبت سے جو بیٹا ہے وہ پوتوں سے زیادہ قریب ہے اس لیے بیٹا ولاء کا مستحق ہوگا۔

## فَصْلٌ فِي وَلَاءِ الْمُوَالَاةِ

یہ فصل ولاء موالات کے بیان میں ہے۔

ولاء الموالات کی صورت یہ ہے کہ ایک مجہول النسب شخص اس شخص سے کہے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام لایا ہے یا کسی اور شخص سے کہے کہ میں تیرے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر میں مر گیا تو میری میراث تیرے لیے ہوگی، اور اگر میں نے کوئی جنایت کی تو اس کی دیت تجھ پر اور تیرے عاقلہ پر ہوگی، اور وہ دوسرا شخص اس کو قبول کرلے، تو قبول کرنے والا شخص اس کا مولی الموالات ہے پس اگر مجہول النسب مر گیا تو وہ اس کا وارث ہوگا اور اگر اس نے کوئی جنایت کی تو اس کی دیت ادا کرے گا۔

مصنف ؒ نے ولاء الموالات کو ولاء العتاقہ سے اس لیے مؤخر کر دیا کہ ولاء العتاقہ ولاء الموالات سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ ولاء العتاقہ کسی بھی حالت میں منتقل ہونے کا قابل نہیں ہے جبکہ ولاء الموالات مولی کے منتقل کرنے سے منتقل ہو جاتی ہے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا أَسْلَمَ رَجُلٌ عَلَى يَدِ رَجُلٍ وَوَالَاهُ عَلَى أَنْ يَرِثَهُ وَيَعْقِلَ عَنْهُ

فرمایا: اور جب اسلام لائے ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر، اور موالات کی اس سے کہ وہ اس کا وارث ہوگا، اور دیت دے گا اس کی طرف سے

إِذَا جَنَى أَوْ أَسْلَمَ عَلَى يَدِ غَيْرِهِ وَوَالَاهُ فَالْوَلَاءُ صَحِيحٌ وَعَقْلُهُ عَلَى مَوْلَاهُ،

اگر اس نے جنایت کی، یا اسلام لایا دوسرے کے ہاتھ پر اور موالات کی اس سے، تو ولاء صحیح ہے اور اس کی دیت اس کے مولی پر ہوگی،

فَإِنْ مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ غَيْرُهُ فَمِيرَاثُهُ لِلْمَوْلَى {2} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : الْمُوَالَاةُ لَيْسَ بِشَيْءٍ

پس اگر وہ مر گیا اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اس کے علاوہ، تو اس کی میراث مولی کے لیے ہوگی، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: موالات کچھ نہیں؛

لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ حَقِّ بَيْتِ الْمَالِ وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ فِي حَقِّ وَارِثٍ آخَرَ وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ عِنْدَهُ

کیونکہ اس میں ابطال ہے حق بیت المال کا، اسی لیے یہ صحیح نہیں ہوتی دوسرے وارث کے حق میں، اور اسی لیے صحیح نہیں ہے ان کے نزدیک

الْوَصِيَّةُ بِجَمِيعِ الْمَالِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمُوصِي وَارِثٌ لِحَقِّ بَيْتِ الْمَالِ وَإِنَّمَا يَصِحُّ فِي الثُّلُثِ {3} وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى

---

([1]) قُلْتُ: تَقَدَّمَ قَرِيبًا لِلْبَيْهَقِيِّ عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَجْعَلُونَ الْوَلَاءَ لِلْكُبْرِ مِنَ الْعَصَبَةِ، وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ أَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إبْرَاهِيمَ أَنَّ عُمَرَ، وَعَلِيًّا، وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ كَانُوا يَجْعَلُونَ الْوَلَاءَ لِلْكُبْرِ، انْتَهَى (نصب الرایۃ: 374/4)

وصیت کل مال کی اگر چہ نہ ہو موصی کا کوئی وارث؛ بیت المال کے حق کی وجہ سے، بلکہ صحیح ہے ثلث میں۔ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

{وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ} وَالْآيَةُ فِي الْمُوَالَاةِ {وَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ

"اور وہ لوگ جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دیدو ان کا حصہ" اور یہ آیت موالات کے بارے میں ہے، اور دریافت کیا گیا حضورؐ سے اس شخص کے بارے میں

أَسْلَمَ عَلَى يَدِ رَجُلٍ آخَرَ وَوَالَاهُ فَقَالَ : هُوَ أَحَقُّ النَّاسِ بِهِ

جس نے اسلام لایا تھا دوسرے کے ہاتھ پر اور موالات کی تھی اس سے، تو آپؐ نے فرمایا: وہ زیادہ حقدار ہے لوگوں سے اس کے ساتھ

مَحْيَاهُ وَمَمَاتَهُ } وَهَذَا يُشِيرُ إلَى الْعَقْلِ وَالْإِرْثِ فِي الْحَالَتَيْنِ هَاتَيْنِ ، وَلِأَنَّ مَالَهُ حَقُّهُ

اس کی زندگی اور اس کی موت میں، اور یہ مشیر ہے عاقلہ اور میراث کی طرف ان دونوں حالتوں میں، اور اس لیے کہ اس کا مال اس کا حق ہے،

فَيَصْرِفُهُ إلَى حَيْثُ شَاءَ ، وَالصَّرْفُ إلَى بَيْتِ الْمَالِ ضَرُورَةُ عَدَمِ الْمُسْتَحِقِّ لَا أَنَّهُ مُسْتَحِقٌّ

پس وہ صرف کر دے اس کو جہاں چاہے اور صرف کرنا بیت المال کی طرف تو مستحق نہ ہونے کی ضرورت سے ہے نہ یہ کہ وہ مستحق ہے۔

{4} قَالَ: وَإِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ فَهُوَ أَوْلَى مِنْهُ، وَإِنْ كَانَتْ عَمَّةً أَوْ خَالَةً أَوْ غَيْرَهُمَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ ؛ لِأَنَّ الْمُوَالَاةَ

فرمایا: اور اگر اس کا وارث ہو تو وہ اولیٰ ہے اس سے اگر چہ وہ پھوپھی یا خالہ اور ان دو کے علاوہ کوئی ہو ذوی الارحام میں سے؛ کیونکہ موالات

عَقْدُهُمَا فَلَا يَلْزَمُ غَيْرَهُمَا ، وَذُو الرَّحِمِ وَارِثٌ ، {5} وَلَا بُدَّ مِنْ شَرْطِ الْإِرْثِ وَالْعَقْلِ كَمَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ لِأَنَّهُ

تو ان دونوں کا عقد ہے، پس لازم نہ ہوگی دوسروں پر، اور ذی رحم وارث ہے، اور ضروری ہے میراث اور عاقلہ کی شرط، جیسا کہ ذکر کیا ہے کتاب میں؛ کیونکہ یہ

بِالِالْتِزَامِ وَهُوَ بِالشَّرْطِ ، وَمِنْ شَرْطِهِ أَنْ لَا يَكُونَ الْمَوْلَى مِنْ الْعَرَبِ لِأَنَّ تَنَاصُرَهُمْ

ہر ایک التزام سے ہوتا ہے، اور وہ شرط سے ہوگا، اور اس کی شرط میں سے یہ بھی ہے کہ نہ ہو مولیٰ عرب سے؛ اس لیے کہ ان کی باہمی نصرت

بِالْقَبَائِلِ فَأَغْنَى عَنْ الْمُوَالَاةِ . {6} قَالَ : وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَنْتَقِلَ عَنْهُ بِوَلَائِهِ إلَى غَيْرِهِ

قبائل سے ہوتی ہے، پس وہ مستغنی ہو گیا موالات سے۔ فرمایا: اور مولیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ منتقل کر دے اپنی ولاء اس سے غیر کی طرف،

مَا لَمْ يَعْقِلْ عَنْهُ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ ، وَكَذَا لِلْأَعْلَى أَنْ يَتَبَرَّأَ

جب تک کہ وہ کچھ ادا نہ کرے اس کی طرف سے؛ کیونکہ یہ عقد غیر لازم ہے بمنزلہ وصیت کے ہے، اور اسی طرح اعلیٰ کو اختیار ہے کہ براءت اختیار کرے

عَنْ وَلَائِهِ لِعَدَمِ اللُّزُومِ ، إلَّا أَنَّهُ يُشْتَرَطُ فِي هَذَا أَنْ يَكُونَ بِمَحْضَرٍ مِنْ الْآخَرِ كَمَا فِي عَزْلِ الْوَكِيلِ قَصْدًا،

اس کی ولاء سے؛ عدم لزوم کی وجہ سے، مگر یہ شرط ہے اس میں کہ دوسرے کی موجودگی میں ہو جیسے قصداً وکیل معزول کرنے میں ہوتا ہے،

{7} بِخِلَافِ مَا إذَا عَقَدَ الْأَسْفَلُ مَعَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنْ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ فَسْخٌ حُكْمِيٌّ بِمَنْزِلَةِ الْعَزْلِ الْحُكْمِيِّ فِي الْوَكَالَةِ.

برخلاف اس کے جب عقد کر لے اسفل اس کے علاوہ کے ساتھ اول کی غیر موجودگی میں؛ کیونکہ یہ حکمی فسخ ہے بمنزلہ عزل حکمی کے وکالت میں۔

{8}قَالَ : وَإِذَا عَقَلَ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهِ إِلَى غَيْرِهِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ

فرمایا: اور اگر وہ کچھ ادا کرے اس کی طرف سے تو اس کو اختیار نہ ہوگا کہ پھیر دے اپنی ولاء کو غیر کی طرف؛ کیونکہ متعلق ہو گیا اس کے ساتھ

حَقُّ الْغَيْرِ ، وَلِأَنَّهُ قَضَى بِهِ الْقَاضِي ، وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ عِوَضٍ نَالَهُ كَالْعِوَضِ فِي الْهِبَةِ ،{9} وَكَذَا

غیر کا حق، اور اس لیے کہ حکم کیا اس کے ساتھ قاضی نے، اور اس لیے کہ بمنزلہ عوض کے ہے جو اس نے پالیا جیسے عوض ہبہ میں، اور اسی طرح

لَا يَتَحَوَّلُ وَلَدُهُ ، وَكَذَا إِذَا عَقَلَ عَنْ وَلَدِهِ لَمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

نہیں پھر سکتی ہے اس کی اولاد، اور اسی طرح اگر مولیٰ نے کچھ ادا کر دیا اس کے بچے کی طرف سے، تو اختیار نہ ہوگا ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے

أَنْ يَتَحَوَّلَ لِأَنَّهُمْ فِي حَقِّ الْوَلَاءِ كَشَخْصٍ وَاحِدٍ .{10} قَالَ : وَلَيْسَ لِمَوْلَى الْعَتَاقَةِ أَنْ يُوَالِيَ أَحَدًا ؛

کہ پھر جائے؛ کیونکہ یہ دونوں ولاء کے حق میں شخص واحد کی طرح ہیں۔ فرمایا: اور مولیٰ عتاقہ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ موالات کرے کسی سے؛

لِأَنَّهُ لَازِمٌ ، وَمَعَ بَقَائِهِ لَا يَظْهَرُ الْأَدْنَى .

کیونکہ ولاء عتاقہ لازم ہے، اور اس کی بقاء کے ساتھ ظاہر نہ ہوگی ادنیٰ۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا پھر اس کے ساتھ اس شرط پر عقد موالات کیا کہ جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے وہ اس کا وارث ہو اور اگر میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا جرم کیا جس کو عاقلہ مدد کر کے برداشت کرتی ہے تو مولیٰ اس کی دیت ادا کرے، یا مذکورہ شخص کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لایا پھر اس نے ایک اور شخص کے ساتھ اس طرح عقد موالات کیا تو یہ ولاء صحیح ہے اور اس کی جنایت کی صورت میں اس کی دیت اس کے مولیٰ پر ہوگی، اور اگر وہ مر گیا اور اس کا کوئی وارث اس مولیٰ کے علاوہ نہ ہو تو یہی مولیٰ اس کا وارث ہوگا۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موالات کچھ نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں حق بیت المال کا ابطال لازم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ دوسرے موجود وارث کے حق میں یہ موالات جاری نہیں ہوتی ہے لہذا بیت المال کے حق میں بھی جاری نہ ہوگی۔ اور اسی حق بیت المال کی وجہ سے امام شافعیؒ کے نزدیک کل مال کی وصیت جائز نہیں ہے اگرچہ وصیت کرنے والے کا کوئی وارث موجود نہ ہو بلکہ صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے۔

{3} ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾[1] (اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دیدو ان کا حصہ) یہ آیت موالات کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ موالات سبب ارث ہے۔ دوسری دلیل یہ

[1] النساء: 33.

ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اس سے موالات کرلی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ "یہی اس کی حالتِ زندگی اور موت میں زیادہ حقدار ہے"[1]۔ اور یہ حدیث اشارہ کرتی ہے زندگی میں عاقلہ ہونے کی طرف اور موت کی صورت میں میراث کی طرف، لہٰذا موالات کی صورت میں میراث ثابت ہوتی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مال تو اس شخص کا حق ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے صرف کرے اور بیت المال کی جانب صرف کرنا اس ضرورت سے ہوتا ہے کہ کوئی مستحق نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ بیت المال کو استحقاق ہوتا ہے۔

{4} اگر اس نو مسلم موالات کرنے والے کا مولیٰ الموالات کے علاوہ کوئی اور وارث ہو تو وہ اس کے مولیٰ سے مقدم ہوگا اگرچہ وہ وارث اس کی پھوپھی یا خالہ یا کوئی دوسرا ذوی الارحام میں سے ہو یعنی ذوی الارحام میں سے کوئی موجود ہو تو وہی وارث ہوگا اس صورت میں مولیٰ کو میراث نہیں ملے گی؛ کیونکہ موالات میں ان دونوں نے اپنے اپنے طور پر عقد کیا ہے تو ان کا عقد کرنا دوسروں پر لازم نہ ہوگا یعنی دوسرے وارثوں کا حق باطل نہیں کر سکتے ہیں، اور ذوی الارحام بھی وارث ہوا کرتے ہیں اس لیے عقدِ موالات کے ذریعہ ان کا حق باطل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

{5} عقد موالات میں میراث کی اور عاقلہ ہونے کی شرط ضروری ہے جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے؛ کیونکہ عقدِ موالات میراث اور عاقلہ ہی پر منعقد ہوتا ہے اس لیے ان کا ذکر ضروری ہے؛ کیونکہ یہ ہر ایک اس وقت لازم ہوگا کہ جب اپنے اوپر ان کو لازم کیا جائے اور لازم کرنا شرط سے حاصل ہوگا اس لیے ان کا اشتراط ضروری ہے۔ اور موالات کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ نو مسلم جو موالات کرنا چاہتا ہے اہل عرب میں سے نہ ہو؛ کیونکہ اہل عرب کی باہمی نصرت اپنے اپنے قبائل کے ذریعہ ہوتی ہے تو وہاں عقدِ موالات کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

{6} اور نو مسلم موالات کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ جس مولیٰ سے موالات کی ہے، اس کی موالات سے پھر کر دوسرے شخص سے موالات کرلے بشرطیکہ مولائے اول نے اس وقت تک اس کی طرف سے عاقلہ ہو کر کچھ ادا نہ کیا ہو؛ کیونکہ عقدِ موالات ایسا عقد ہے جو وصیت کی طرح لازمی نہیں ہے۔ اسی طرح مولائے اعلیٰ (جس کے ساتھ اس نو مسلم نے موالات کی ہے) کو بھی اختیار ہے کہ اس کی ولاء کو ترک کردے؛ کیونکہ عقدِ موالات لازم نہیں ہے۔ لیکن اس معاملہ کو فسخ کرنے کی شرط یہ ہے کہ دوسرے کی موجودگی (یعنی علم) میں فسخ کردے جیسے قصداً وکیل کے معزول کرنے کی صورت میں وکیل کا علم ضروری ہوتا ہے۔

(1) أخرجه أصحاب السنن الأربعة في كتبهم 3 في الفرائض، فأبو داود عن يحيى بن حمزة عن عبد العزيز بن عمر بن عبد العزيز، قال: سمعت عبد الله بن موهب يحدث عمر بن عبد العزيز عن قبيصة بن ذؤيب عن تميم الداري، قال: يا رسول الله ما السنة في الرجل يسلم على يد رجل من المسلمين؟ قال: هو أولى الناس بمحياه ومماته، انتهى. (نصب الراية: 375/4)

{7} اس کے برخلاف اگر نو مسلم نے مولائے اعلیٰ کے علم کے بغیر کسی دوسرے شخص کے ساتھ عقدِ موالات کرلیا تو یہ جائز ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ حکماً فسخ ہے جیسے وکالت میں حکماً معزول کرنا ہوتا ہے مثلاً بیع کے لیے وکیل تھا پھر یہ مال موکل نے خود فروخت کیا تو وکیل مذکور بلا علم حکماً معزول ہو گا اسی طرح یہاں عقدِ موالات حکماً بلا علم فسخ ہو جاتا ہے۔

{8} اگر مولائے اعلیٰ نے اس کی طرف سے عاقلہ ہو کر جرمانہ ادا کیا ہو تو اب اس کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اس کی موالات سے دوسرے کی موالات کی طرف منتقل ہو؛ کیونکہ اس کے ساتھ غیر (مولیٰ اعلیٰ) کا حق متعلق ہو گیا اس لیے اس کو نہیں توڑ سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ حکمِ قاضی متعلق ہو چکا یعنی قاضی نے اس کے مولیٰ کو عاقلہ قرار دے کر اس پر دیت کا حکم دیا اس لیے اس کو موالات توڑنے کا اختیار نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ بمنزلہ ایک عوض کے ہے جو اس نے حاصل کرلیا جیسے ہبہ میں عوض لینے کے بعد واہب ہبہ سے رجوع نہیں کر سکتا ہے اسی طرح اس کو بھی موالات توڑنے کا اختیار نہ ہو گا۔

{9} اسی طرح دیت ادا کرنے کے بعد آئندہ اس کی اولاد بھی اس وَلاء سے نہیں پھر سکتی ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ اعلیٰ نے مولیٰ اسفل کے بیٹے کی جانب سے عاقلہ ہو کر مال ادا کیا ہو تو بھی ان دونوں (باپ اور بیٹے) میں سے کوئی اس کی موالات سے نہیں پھر سکتا ہے؛ کیونکہ حقِ وَلاء میں یہ دونوں بمنزلہ ایک شخص کے ہیں۔

{10} اور مولی العتاقہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے مولیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے ساتھ عقدِ موالات کرلے؛ کیونکہ ولاء عتاقہ لازم ہے ٹوٹنے کا احتمال نہیں رکھتا ہے؛ کیونکہ اس کا سبب یعنی عتق فسخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتا ہے تو جب تک وَلاء عتاقہ باقی رہے جو اقوی ہے تو اس کے ہوتے ہوئے عقدِ موالات کا اثر ظاہر نہ ہو گا جو ادنیٰ ہے۔

## كِتَابُ الْإِكْرَاهِ

یہ کتاب اکراہ کے بیان میں ہے۔

اکراہ لغت میں انسان کو ایسی شی پر مجبور کرنا جس کو وہ پسند نہیں کرتا ہے، اور شریعت میں اکراہ ایسا فعل ہے جسے دوسرے کے ڈر سے انسان انجام دیتا ہے اور اس انجام دہی میں اس کی رضامندی نہیں ہوتی ہے یا اس کا اختیار خراب ہو جاتا ہے، لیکن اس میں اختیار کی اہلیت موجود رہتی ہے۔ جو شخص دوسرے پر زبردستی اور جبر کرے وہ مکرِہ، اور جس پر زبردستی کی جائے وہ مکرَہ ہے۔

"كِتَابُ الْإِكْرَاهِ" کی "كتاب الوَلاء" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اکراہ اور وَلاء دونوں میں تبدل پایا جاتا ہے چنانچہ ولاء میں اسفل کی موت کے بعد اعلیٰ کے لیے اس کے مال کو کھانا حلال ہو جاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے حلال نہیں تھا تو حرمت سے حلت کی

طرف تبدل پایا گیا، اسی طرح اکراہ میں مکرَہ کی مرضی مجبوری میں بدل جاتی ہے، البتہ ولاء چونکہ مشروع ہے اور اکراہ غیر مشروع ہے اس لیے ولاء کو پہلے بیان کیا۔

{1}قَالَ : الْإِكْرَاهُ يَثْبُتُ حُكْمُهُ إِذَا حَصَلَ مِمَّنْ يَقْدِرُ عَلَى إِيقَاعِ مَا تَوَعَّدَ بِهِ سُلْطَانًا كَانَ أَوْ لِصًّا،
اکراہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے جب حاصل ہو ایسے شخص سے کہ وہ قادر ہو اس چیز کے واقع کرنے پر جس کی دھمکی دی ہے خواہ سلطان ہو یا چور؛

لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ اسْمٌ لِفِعْلٍ يَفْعَلُهُ الْمَرْءُ بِغَيْرِهِ فَيَنْتَفِي بِهِ رِضَاهُ أَوْ يَفْسُدُ بِهِ اخْتِيَارُهُ
کیونکہ اکراہ ایسے فعل کا نام ہے جس کو کرے آدمی غیر کے ساتھ پس منتفی ہو جائے اس سے اس کی رضامندی، یا فاسد ہو جائے اس سے اس کا اختیار،

مَعَ بَقَاءِ أَهْلِيَّتِهِ ، وَهَذَا إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ إِذَا خَافَ الْمُكْرَهُ تَحْقِيقَ مَا تَوَعَّدَ بِهِ،
اس کی اہلیت کی بقاء کے ساتھ۔ اور یہ بات متحقق ہوتی ہے جبکہ خوف ہو مکرَہ کو اس بات کو متحقق کرنے کا جس کی دھمکی دی جا رہی ہے

وَذَلِكَ إِنَّمَا يَكُونُ مِنَ الْقَادِرِ وَالسُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ سِيَّانِ عِنْدَ تَحَقُّقِ الْقُدْرَةِ {2} وَالَّذِي قَالَهُ أَبُو حَنِيفَةَ إِنَّ الْإِكْرَاهَ لَا يَتَحَقَّقُ
اور یہ ہوگا قادر سے، اور بادشاہ اور غیر دونوں برابر ہیں تحقق قدرت کے وقت، اور وہ جو امام صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اکراہ متحقق نہیں ہوتا ہے

إِلَّا مِنَ السُّلْطَانِ لِمَا أَنَّ الْمَنَعَةَ لَهُ وَالْقُدْرَةَ لَا تَتَحَقَّقُ بِدُونِ الْمَنَعَةِ .فَقَدْ قَالُوا هَذَا اخْتِلَافُ عَصْرٍ وَزَمَانٍ
مگر بادشاہ سے؛ کیونکہ قوت اسی کو حاصل ہے اور قدرت متحقق نہیں ہوتی ہے مگر قوت سے، تو مشائخ نے کہا ہے کہ یہ وقت اور زمانے کا اختلاف ہے،

لَا اخْتِلَافُ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ ، وَلَمْ تَكُنِ الْقُدْرَةُ فِي زَمَنِهِ إِلَّا لِلسُّلْطَانِ ، ثُمَّ بَعْدَ ذَلِكَ تَغَيَّرَ الزَّمَانُ وَأَهْلُهُ،
نہ کہ حجت اور دلیل کا اختلاف، نہیں ہوتی تھی قدرت آپؒ کے زمانے میں مگر بادشاہ کو، پھر اس کے بعد متغیر ہو گیا زمانہ اور اہل زمانہ،

{3}ثُمَّ كَمَا تُشْتَرَطُ قُدْرَةُ الْمُكْرِهِ لِتَحَقُّقِ الْإِكْرَاهِ يُشْتَرَطُ خَوْفُ الْمُكْرَهِ وُقُوعَ مَا يُهَدِّدُ بِهِ،
پھر جس طرح کہ شرط مکرِہ کی قدرت تحقق اکراہ کے لیے اسی طرح شرط ہے مکرَہ کا خوف اس بات کے واقع ہونے کا جس کی دھمکی دی جا رہی ہے

وَذَلِكَ بِأَنْ يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ يَفْعَلُهُ لِيَصِيرَ بِهِ مَحْمُولًا عَلَى مَا دُعِيَ إِلَيْهِ مِنَ الْفِعْلِ.
اور یہ اس طرح کہ غالب ہو اس کے گمان پر کہ مکرِہ اس کو کر گذرے گا تاکہ ہو جائے وہ مجبور اس کام پر جس کے کرنے کا اسے کہا ہے۔

{4}قَالَ : وَإِذَا أُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ مَا لَهُ أَوْ عَلَى شِرَاءِ سِلْعَةٍ أَوْ عَلَى أَنْ يُقِرَّ لِرَجُلٍ بِأَلْفٍ أَوْ يُؤَاجِرَ دَارَهُ
فرمایا: اور اگر مجبور کیا گیا آدمی اپنا مال فروخت کرنے پر یا سامان خریدنے پر، یا اس پر کہ اقرار کرے کسی کے لیے ہزار کا، یا کرایہ پر دے اپنا مکان،

فَأُكْرِهَ عَلَى ذَلِكَ بِالْقَتْلِ أَوْ بِالضَّرْبِ الشَّدِيدِ أَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ أَوِ اشْتَرَى فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ
اور مجبور کرے اس کو قتل کی دھمکی دے کر یا شدید مارنے کی یا قید کرنے کی، پس اس نے فروخت کیا یا خرید لیا، تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے

انتفی البیع وإن شاء فسخه ورجع بالمبیع ؛ لأن من شرط صحة هذه العقود التراضي ، قال الله تعالى
زر قرار رکھے بیع اور اگر چاہے تو فسخ کر دے بیع کو اور واپس لے مبیع؛ کیونکہ ان عقود کی صحت کی شرط باہمی رضامندی ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

{ إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم } والإكراه بهذه الأشياء يعدم الرضا فيفسد،
مگر یہ کہ ہو تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے" اور مجبور کرنا مذکورہ اشیاء کے ساتھ ختم کر دیتا ہے رضامندی کو، پس عقد فاسد ہو جائے گا،

{5} بخلاف ما إذا أكره بضرب سوط أو حبس يوم أو قيد يوم لأنه لا يبالي به بالنظر إلى العادة فلا يتحقق به الإكراه
برخلاف اس کے کہ دھمکی دے ایک کوڑا مارنے یا ایک دن قید کرنے کی؛ کیونکہ پرواہ نہیں کی جاتی ہے اس کی بنظر عادت، پس متحقق نہ ہوگا اکراہ،

إلا إذا كان الرجل صاحب منصب يعلم أنه يستضر به لفوات الرضا ، {6} وكذا الإقرار حجة
مگر یہ کہ آدمی صاحبِ منصب ہو معلوم ہو کہ اس کو ضرر ہوگا اس سے؛ رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے، اور اسی طرح اقرار حجت ہے؛

لترجح جنبة الصدق فيه على جنبة الكذب، وعند الإكراه يحتمل أنه يكذب لدفع المضرة ، {7} ثم إذا باع
بوجہ راجح ہونے جہتِ صدق کے جہتِ کذب پر، اور اکراہ کے وقت احتمال ہے کہ اس نے جھوٹ کہا ہو دفع مضرت کے لیے۔ پھر جب فروخت کر دے

مكرها وسلم مكرها يثبت به الملك عندنا ، وعند زفر لا يثبت لأنه بيع
مکرہ ہو کر اور سپرد کر دے حالتِ اکراہ میں تو ثابت ہوگی اس سے ملک ہمارے نزدیک، اور امام زفرؒ کے نزدیک ثابت نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ بیع موقوف ہے

موقوف على الإجازة ؛ ألا ترى أنه لو أجاز جاز والموقوف قبل الإجازة لا يفيد الملك،
اجازت پر، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اگر وہ اجازت دے تو جائز ہو جائے گی، اور موقوف اجازت سے پہلے فائدہ نہیں دیتی ہے ملک کا۔

{8} ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محله والفساد لفقد شرطه
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رکن بیع صادر ہوا ہے اس کے اہل سے منسوب ہو کر محل کی طرف، اور فساد شرطِ بیع مفقود ہونے کی وجہ سے ہے

وهو التراضي فصار كسائر الشروط المفسدة فيثبت الملك عند القبض ، حتى لو قبضه
اور وہ باہمی رضامندی ہے، پس ہو گئی دیگر شروطِ مفسدہ کی طرح، پس ثابت ہوگی ملک قبضہ کے وقت، حتی کہ اگر قبض کیا اس کو

وأعتقه أو تصرف فيه تصرفا لا يمكن نقضه جاز ، ويلزمه القيمة كما في سائر البياعات الفاسدة
اور آزاد کر دیا یا ایسا تصرف کیا اس میں کہ ممکن نہ ہو اس کا توڑنا، تو جائز ہے، اور لازم ہوگی اس کو قیمت، جیسا کہ دیگر فاسد بیوع میں،

وبإجازة المالك يرتفع المفسد وهو الإكراه وعدم الرضا فيجوز {9} إلا أنه لا ينقطع به حق استرداد البائع
اور مالک کی اجازت سے دور ہو جاتا ہے مفسد، اور وہ اکراہ اور عدم رضا ہے، پس جائز ہے، مگر یہ کہ منقطع نہیں ہوتا ہے اس سے بائع کی واپسی کا حق

وإن تداولته الأيدي ولم يرض البائع بذلك بخلاف سائر البياعات الفاسدة لأن الفساد فيها لحق الشرع

اگرچہ ہاتھوں نے لے لی ہو مبیع، اور راضی نہ ہوا ہو بائع اس سے، برخلاف دیگر بیوعات فاسدہ کے؛ کیونکہ فساد ان میں حق شرع کی وجہ سے ہے،

وَقَدْ تَعَلَّقَ بِالْبَيْعِ الثَّانِي حَقُّ الْعَبْدِ وَحَقُّهُ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهِ ، أَمَّا هَاهُنَا الرَّدُّ لِحَقِّ الْعَبْدِ

اور متعلق ہو گیا بیع ثانی کی وجہ سے بندہ کا حق، اور بندہ کا حق مقدم ہے اس کی حاجت کی وجہ سے، رہی یہاں واپسی تو وہ بندہ کے حق کی وجہ سے ہے

وَهُمَا سَوَاءٌ فَلَا يَبْطُلُ حَقُّ الْأَوَّلِ لِحَقِّ الثَّانِي .{10}قَالَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ : وَمَنْ جَعَلَ الْبَيْعَ الْجَائِزَ

اور وہ دونوں برابر ہیں، پس باطل نہ ہوگا اول کا حق ثانی کے حق کی وجہ سے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ جس نے قرار دیا ہے بیع جائز

الْمُعْتَادَ بَيْعًا فَاسِدًا يَجْعَلُهُ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ حَتَّى يُنْقَضَ بَيْعُ الْمُشْتَرِي مِنْ غَيْرِهِ ، لِأَنَّ الْفَسَادَ

معتاد کو بیع فاسد، وہ قرار دیتا ہے اس کو بیع مکرہ کی طرح، حتی کہ توڑ دی جائے گی مشتری کی بیع دوسرے کے ہاتھ؛ اس لیے کہ فساد

لِفَوَاتِ الرِّضَا ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ رَهْنًا لِقَصْدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ ،{11}وَمِنْهُمْ مَنْ

رضامندی فوت ہونے کی وجہ سے ہے، اور بعض نے ان میں سے قرار دیا ہے اس کو رہن قصدِ متعاقدین کی وجہ سے، اور بعض نے ان میں سے

جَعَلَهُ بَاطِلًا اعْتِبَارًا بِالْهَازِلِ وَمَشَايِخُ سَمَرْقَنْدَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ جَعَلُوهُ بَيْعًا جَائِزًا مُفِيدًا

قرار دیا ہے اس کو باطل؛ قیاس کرتے ہوئے مذاق کرنے والے پر، اور مشائخ سمرقند نے اس کو قرار دیا ہے ایسی جائز بیع جو فائدہ دیتی ہے

بَعْضَ الْأَحْكَامِ عَلَى مَا هُوَ الْمُعْتَادُ لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ

بعض احکام کا جیسا کہ معتاد ہے؛ بوجہ حاجت کے اس کی طرف۔

تشریح:۔ {1} اکراہ کا حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اکراہ ایسے شخص سے پایا جائے کہ وہ جس بات کی دھمکی دے رہا ہے اس کو کر سکتا ہو خواہ وہ حاکم اور صاحبِ سلطنت ہو یا چور ہو؛ کیونکہ اکراہ ایسے فعل کا نام ہے جو آدمی اپنے غیر کے ساتھ عمل میں لائے کہ جس سے اس غیر کی رضامندی ختم ہو جائے یا اس کا اختیار باطل ہو جائے باوجود اس کے کہ اس میں اہلیت باقی رہتی ہے، اور یہ بات جب ہی متحقق ہوگی کہ مجبور کو یہ خوف ہو کہ مکرِہ جس بات کی دھمکی دیتا ہے اس کو واقع کر سکتا ہے اور یہ ایسے شخص سے ہو سکتا ہے جس کو قدرت حاصل ہو اور اس میں سلطان اور غیر سلطان دونوں برابر ہیں جبکہ اس کو قدرت حاصل ہو۔

{2} اور امام ابو حنیفہ سے جو قول روایت کیا جاتا ہے کہ اکراہ سلطان کے علاوہ کسی اور شخص سے متحقق نہیں ہوتا؛ کیونکہ طاقت اسی کو حاصل ہے اور قدرت بغیر طاقت کے نہیں متحقق ہوتی ہے لہٰذا قدرت سلطان کے علاوہ کو حاصل نہیں ہوتی ہے اس لیے اکراہ فقط سلطان سے متحقق ہوگا۔ مشائخ نے امام صاحب کے اس قول کی تاویل میں کہا ہے کہ یہ عصر اور زمان کا اختلاف ہے دلیل

اور برہان کا اختلاف نہیں ہے یعنی امام ابو حنیفہ ؒ کے زمانے میں سلطان کے علاوہ کسی اور کو قدرت نہ تھی، پھر اس کے بعد زمانہ بدل گیا اور اس کے لوگ بدل گئے اس لیے اکراہ سلطان کے ساتھ مختص نہیں رہا۔

{3} پھر جیسے اکراہ متحقق ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مکرِہ کو قدرت حاصل ہو اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ جس کو مجبور کیا جارہا ہے اس کو بھی یہ خوف ہو کہ جس امر کی اس کو دھمکی دیتا ہے وہ اس کو واقع کر سکتا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے گمان میں یہ جم جائے کہ یہ ظالم ایسا ہی کرے گا، یہ اس لیے تاکہ وہ مضطر ہو کر وہ فعل کرلے جس فعل کی اس کو دعوت دی جارہی ہے۔

{4} اگر کسی شخص کو اپنا مال بیچنے کے لیے یا کوئی مال خریدنے کے لیے مجبور کیا گیا، یا اسے مجبور کیا گیا کہ فلاں شخص کے لیے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کرلو یا اپنا گھر فلاں شخص کو کرایہ پر دو، اور ان کاموں پر وہ مجبور کیا گیا قتل کی دھمکی سے یا شدید مار کی دھمکی سے یا قید کرنے کی دھمکی سے، پس اس نے مجبور ہو کر وہ مال فروخت کیا یا خرید لیا تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے اس بیع کو برقرار رکھے یا چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور مبیع کو واپس لے لے؛ کیونکہ ان عقود کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ باہمی رضامندی ہو باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ[1]﴾ (اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں) پس باہمی رضامندی شرط ہے حالانکہ ان کاموں کے ساتھ اکراہ کرنے سے رضامندی نہیں رہے گی اس لیے ایسا عقد فاسد ہوگا۔

{5} اس کے برخلاف اگر ایک کوڑا مارنے یا ایک دن قید کرنے یا ایک دن بیڑیاں ڈالنے کی دھمکی دی ہو تو یہ اکراہ نہیں ہے؛ کیونکہ عادۃً ان چیزوں کے ساتھ دھمکی دینے کی پروا نہیں کی جاتی ہے اس لیے اس سے اکراہ متحقق نہ ہوگا۔ اگر یہ شخص (مکرَہ) صاحبِ منصب ہو یعنی کوئی وجیہ اور معزز شخص ہو جس کے حال سے یہ ظاہر ہو کہ اس کو اس قدر سزا دینے سے بھی ضرر پہنچے گا تو اکراہ متحقق ہو جائے گا؛ کیونکہ علتِ اکراہ پائی گئی یعنی مکرَہ کی رضامندی نہ رہی، حاصل یہ اگر مکرَہ کوئی وجیہ اور معزز شخص ہو جیسے قاضی وغیرہ کہ جس کے حق میں ایک دن کی قید یا ایک کوڑا بھی بے عزتی ہے حتی کہ مجلس و مجمع میں اس کی کان گوشی بھی بے عزتی ہے تو ان معاملات میں اس قدر سزا بھی اس کے حق میں اکراہ ہے پس اکراہ میں لوگوں کے مختلف حالات کا اعتبار ہے۔

{6} اسی طرح اکراہ کی صورت میں اقرار بھی حجت نہیں ہے؛ کیونکہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے لیے مال کا اقرار کیا تو یہ اقرار اس وجہ سے حجت ہوتا ہے کہ اس میں جھوٹ کی جانب سے سچ کا پلہ بھاری ہوتا ہے، مگر اکراہ کے وقت اگر کسی نے دوسرے کے

[1] النساء: 29.

لیے مال کا اقرار کیا تو چونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید اس نے اکراہ کا ضرر دور کرنے کے لیے جھوٹا اقرار کیا ہو اس لیے اس صورت کا اقرار حجت نہیں ہے۔

{7} پھر جب کسی نے مجبور ہو کر بیع کر لی اور مجبور ہو کر مبیع بھی سپرد کر لی تو ہمارے نزدیک اس سے مشتری کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک مشتری کی ملک ثابت نہ ہو گی؛ کیونکہ یہ بیع اجازت پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مجبور نے اجازت دے دی تو جائز ہو جاتی ہے اور جو بیع موقوف ہو وہ اجازت سے پہلے ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی ہے اس لیے اس بیع سے مشتری کی ملک ثابت نہ ہو گی۔

{8} ہماری دلیل یہ ہے کہ رکن بیع (ایجاب اور قبول) ایسے شخص سے صادر ہوا جو اس کی اہلیت رکھتا ہے یعنی عاقل بالغ ہے اور ایسے طور پر صادر ہوا کہ محل بیع (مال) کی جانب مضاف ہے تو رکن بیع صحیح ہو گا، البتہ اس میں فساد شرطِ بیع نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے اور یہاں فساد شرطِ بیع مفقود ہونے کی وجہ سے ہے اور شرطِ بیع باہمی رضامندی ہے تو یہ شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے فساد ایسا ہے جیسا کہ دیگر شروطِ مفسدہ کی وجہ سے فساد پیدا ہو پس مشتری کے قبضہ کر لینے کے وقت ملکیت ثابت ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور وہ مثلاً غلام تھا اور اس نے اس کو آزاد کر دیا، یا مبیع میں کوئی ایسا تصرف کیا جو ٹوٹ نہیں سکتا ہے مثلاً مبیع غلام تھا اس نے مدبر کر دیا یا باندی کو حاملہ کر دیا جس سے بچہ پیدا ہوا تو تصرف جائز ہے اور اس پر قیمت لازم ہو گی جیسے دیگر بیوع فاسدہ میں یہی حکم ہوتا ہے، اور مجبور کیے ہوئے مالک کی اجازت دینے سے امر مفسد دور ہو جائے گا امر مفسد اکراہ اور عدم رضامندی ہے جو اجازت دینے سے اکراہ ختم ہو کر رضامندی حاصل ہو جاتی ہے اس لیے یہ بیع جائز ہو جائے گی۔

{9} البتہ مکرَہ کی بیع اور دیگر بیوع فاسدہ میں یہ فرق ہے کہ اکراہ کی بیع کی صورت میں بائع کا مبیع واپس لینے کا حق کبھی ساقط نہیں ہوتا ہے بشرطیکہ بائع راضی نہ ہوا اگرچہ مبیع کئی ہاتھوں میں ہوتی چلی گئی ہو، جبکہ دیگر بیوعاتِ فاسدہ کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ ان میں اگر مشتری نے مبیع دوسرے کے ہاتھ بطورِ بیع صحیح فروخت کر دی تو بائع اول کا حقِ واپسی ساقط ہو جاتا ہے؛ کیونکہ ان میں فساد حقِ شرع کی وجہ سے ہے اور دوسری بیع کی وجہ سے دوسرے مشتری کا حق متعلق ہو جاتا ہے پس حقِ شرع تو چاہتا ہے کہ مبیع واپس کر دی جائے اور بندہ (دوسرے مشتری) کا حق چاہتا ہے کہ مبیع واپس نہ کی جائے اور ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حق سے بندہ کے حق کو مقدم کیا جاتا ہے؛ کیونکہ بندہ محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں اس لیے بیع کو توڑ کر مبیع واپس نہیں کی جائے گی۔ اور یہاں بیع اکراہ کی صورت میں مبیع واپس نہ کرنا بندہ (دوسرے مشتری) کے حق کی وجہ سے ہے اور واپس کرنا بھی بندہ کے حق کی وجہ سے ہے یعنی اس

مجبور کے حق کی وجہ سے واپس کی جائے گی جس پر اکراہ کیا گیا اور بندے سب باہم یکساں محتاج ہیں تو دوسرے بندے (دوسرے مشتری) کے حق کی وجہ سے پہلے بندے (مکرَہ) کا حق ساقط نہ ہو گا۔

فائدہ: خرید و فروخت کی ایک صورت کو بیع الوفاء کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے ہاتھ ایک ہزار روپیہ میں کوئی شئ فروخت کر لے اور یہ بات طے پائے کہ بیچنے والے کے پاس اگر ایک ہزار روپیہ ہو جائیں اور وہ یہ رقم خریدار (زید) کو ادا کر دے تو خریدار وہ سامان اسے واپس کر دے گا، گویا اس شخص کا اصل مقصد زید سے ایک ہزار روپیہ بطور قرض حاصل کرنا ہے، لیکن اگر یہ رقم قرض کے عنوان سے حاصل کی جاتی ہے اور اس کے بدلے میں وہ شئ اس کے پاس رہن رکھی جاتی تو زید کے لیے اس شئ سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہوتا؛ کیونکہ قرض دہندہ رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا، ورنہ یہ سود میں شمار ہو گا اس لیے اس معاملہ کو بیع کے عنوان سے کیا جاتا تھا، اسی لیے اس معاملہ کو "بیع بالوفاء" کہا گیا ہے یعنی ایسی خرید و فروخت جس میں خریدار کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ جب فروخت کنندہ اسے پیسہ ادا کرے گا تو وہ اسے یہ شئ واپس کر دے گا اور اپنے وعدہ کو وفا کرے گا (قاموس الفقہ: 2/366)

{10} مصنف فرماتے ہیں کہ بیع الجائز جو سمرقند وغیرہ میں معتاد ہے جس کو بیع الوفاء کہتے ہیں کو جن علماء نے بیع فاسد ٹھہرایا ہے تو وہ اس کو بیع اکراہ کی طرح قرار دیتے ہیں اس لیے اس کو فاسد کہتے ہیں حتی کہ بیع الوفاء میں اگر مشتری نے مبیع دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دی تو یہ بیع توڑ دی جائے گی؛ کیونکہ ابھی اول بائع کی رضامندی پائی نہیں گئی جیسے بیع اکراہ میں ہوتا ہے اور رضامندی نہ پائے جانے کی وجہ سے فاسد ہے۔ اور بعض مشائخ نے بیع الوفاء میں مبیع کو رہن قرار دیا؛ کیونکہ دونوں عقد کرنے والوں نے یہی قصد کیا ہے یعنی ان کا قصد یہ ہے کہ مبیع ثمن کے عوض مشتری کے پاس رُکی رہے اور یہی رہن ہوتا ہے کہ قرضہ کے عوض مرتہن کے پاس مرہون رُکی رہے۔

{11} اور بعض مشائخ نے بیع الوفاء کو بیع باطل قرار دیا ہے یہ حضرات بیع الوفاء کو قیاس کرتے ہیں مذاق میں کی جانے والی بیع پر، مذاق میں کی جانے والی بیع باطل ہے اس لیے بیع الوفاء بھی باطل ہو گی۔ اور مشائخ سمرقند نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے جو بعض احکام کا فائدہ دیتی ہے یعنی مبیع کو فروخت یا ہبہ نہیں کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اس سے انتفاع حاصل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس کا رواج جاری ہے؛ کیونکہ ایسی بیع کو حاجت پڑتی ہے یعنی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے؛ کیونکہ اس زمانہ میں قرضِ حسنہ نہیں ملتا ہے تو اس بیع کو جائز قرار دیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

{1} قَالَ ( فَإِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ أَجَازَ الْبَيْعَ ) لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِجَازَةِ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْمَوْقُوفِ وَكَذَا

ترجمہ: {1} فرمایا: پس اگر قبض کیا ثمن کو خوشی سے، تو اس نے اجازت دیدی بیع کی؛ کیونکہ یہ دلیل اجازت ہے جیسا کہ بیع موقوف میں، اور اسی طرح

إِذَا سَلَّمَ طَائِعًا ، بِأَنْ كَانَ الْإِكْرَاهُ عَلَى الْبَيْعِ لَا عَلَى الدَّفْعِ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِجَازَةِ ،{2} بِخِلَافِ مَا إِذَا أُكْرِهَ
اگر سپرد کردی خوشی سے بایں طور کہ اکراہ بیع پر ہو نہ کہ سپرد کرنے پر؛ کیونکہ یہ دلیل اجازت ہے، برخلاف اس کے جب مجبور کردے اس کو
عَلَى الْهِبَةِ وَلَمْ يَذْكُرِ الدَّفْعَ فَوَهَبَ وَدَفَعَ حَيْثُ يَكُونُ بَاطِلًا، لِأَنَّ مَقْصُودَ الْمُكْرِهِ الِاسْتِحْقَاقُ لَا مُجَرَّدُ اللَّفْظِ، وَذَلِكَ
ہبہ پر، اور ذکر نہیں کیا سپرد کرنا، پس اس نے ہبہ کیا اور دیدیا تو یہ باطل ہوگا؛ کیونکہ مکرِہ کا مقصد استحقاق ہے نہ کہ خالی لفظ، اور یہ
فِي الْهِبَةِ بِالدَّفْعِ وَفِي الْبَيْعِ بِالْعَقْدِ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ ، فَدَخَلَ الدَّفْعُ فِي الْإِكْرَاهِ عَلَى الْهِبَةِ دُونَ الْبَيْعِ
ہبہ میں سپرد کرنے سے اور بیع میں عقد سے ہوتا ہے جیسا کہ یہی اصل ہے، پس داخل ہوا سپرد کرنا ہبہ پر مجبور کرنے میں نہ کہ بیع میں۔

{3} قَالَ : وَإِنْ قَبَضَهُ مُكْرَهًا فَلَيْسَ ذَلِكَ بِإِجَازَةٍ وَعَلَيْهِ رَدُّهُ إِنْ كَانَ قَائِمًا فِي يَدِهِ
فرمایا: اور اگر اس نے ثمن قبض کیا مجبور ہو کر، تو یہ اجازت نہیں ہے، اور بائع پر واجب ہے اسے واپس کرنا اگر وہ موجود ہو اس کے ہاتھ میں
لِفَسَادِ الْعَقْدِ . قَالَ : وَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيمَتَهُ لِلْبَائِعِ
فسادِ عقد کی وجہ سے۔ فرمایا: اور اگر ہلاک ہوگئی مبیع مشتری کے ہاتھ میں حالانکہ وہ مکرَہ نہیں ہے تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا بائع کے لیے،
مَعْنَاهُ وَالْبَائِعُ مُكْرَهٌ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ بِحُكْمِ عَقْدٍ فَاسِدٍ{4} وَلِلْمُكْرَهِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ إِنْ شَاءَ
اس کا معنی یہ ہے کہ بائع مکرَہ ہو؛ کیونکہ مبیع مضمون ہے اس پر بحکم عقدِ فاسد۔ اور مکرَہ کو اختیار ہے کہ ضمان لے مکرِہ سے اگر چاہے؛
لِأَنَّهُ آلَةٌ لَهُ فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى الْإِتْلَافِ ، فَكَأَنَّهُ دَفَعَ مَالَ الْبَائِعِ إِلَى الْمُشْتَرِي فَيُضَمِّنُ
کیونکہ مکرَہ آلہ ہے مکرِہ کے لیے اس امر میں جو پھرتا ہے اتلاف کی طرف، پس گویا مکرِہ نے دیدیا بائع کا مال مشتری کو، پس وہ ضمان لے
أَيَّهُمَا شَاءَ كَالْغَاصِبِ وَغَاصِبِ الْغَاصِبِ ،{5} فَلَوْ ضَمِنَ الْمُكْرِهُ رَجَعَ عَلَى الْمُشْتَرِي بِالْقِيمَةِ
دونوں میں سے جس سے چاہے جیسے غاصب اور غاصب الغاصب، پس اگر اس نے ضمان لیا مکرِہ سے تو وہ رجوع کرے مشتری پر قیمت کے بارے میں
لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْبَائِعِ ، وَإِنْ ضَمِنَ الْمُشْتَرِي نَفَذَ كُلُّ شِرَاءٍ كَانَ بَعْدَ شِرَائِهِ لَوْ تَنَاسَخَتْهُ
بائع کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے، اور اگر ضمان لیا مشتری سے تو نافذ ہوگی ہر وہ خرید جو اس کی خرید کے بعد ہو اگر دوسرے ہاتھوں نے لیا ہو اس کو
الْعُقُودُ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ أَنَّهُ بَاعَ مِلْكَهُ ، وَلَا يَنْفُذُ مَا
عقود سے؛ کیونکہ مشتری مالک ہو گیا اس کا تاوان دینے سے، پس ظاہر ہوا کہ اس نے فروخت کی ہے اپنی ملک، اور نافذ نہ ہوگی وہ بیع
كَانَ لَهُ قَبْلَهُ لِأَنَّ الِاسْتِنَادَ إِلَى وَقْتِ قَبْضِهِ ،{6} بِخِلَافِ مَا إِذَا أَجَازَ الْمَالِكُ الْمُكْرَهُ عَقْدًا مِنْهَا
جو اس سے پہلے ہوئی ہو؛ کیونکہ یہ مستند ہے اس کے قبضہ کے وقت کی طرف، برخلاف اس کے جب اجازت دے مکرَہ مالک ان عقود میں سے کسی عقد کی
حَيْثُ يَجُوزُ مَا قَبْلَهُ وَمَا بَعْدَهُ لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حَقَّهُ وَهُوَ الْمَانِعُ فَعَادَ الْكُلُّ إِلَى الْجَوَازِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

کہ جائز ہوں گے اس کے ماقبل اور مابعد؛ کیونکہ اس نے ساقط کر دیا اپنا حق، اور یہی مانع تھا، پس سب لوٹ آئیں گے جواز کی طرف، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح:۔ {1} پھر اگر مکرَہ اور مجبور شخص نے خوشی سے ثمن قبول کر لیا تو اس نے بیع کی اجازت دیدی؛ کیونکہ خوشی سے ثمن قبض کرنا اجازت کی دلیل ہے جیسے موقوف بیع میں ثمن پر خوشی سے قبضہ کرنا بیع کی اجازت ہے۔ اور اگر خوشی سے مبیع سپرد کر دی تو یہ بھی اس کی طرف سے بیع کی اجازت ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اکراہ فقط بیع پر ہوا اور سپرد کرنے پر نہ ہو یعنی اسے فقط فروخت کرنے پر مجبور کیا ہو مبیع سپرد کرنے پر مجبور نہ کیا ہو تو یہ بیع کی اجازت ہے اس لیے کہ اس صورت میں مبیع سپرد کرنا بیع کی اجازت کی دلیل ہے۔

{2} اس کے برخلاف اگر ہبہ کرنے پر اکراہ کیا اور سپرد کرنے کا ذکر نہ کیا پس اس نے مجبور ہو کر ہبہ کیا اور خوشی سے سپرد کیا تو یہ باطل ہے اگرچہ اس نے خوشی سے سپرد کیا ہے؛ کیونکہ یہاں اکراہ کرنے والے کا مقصود یہ ہے کہ موہوب لہ کا استحقاق ثابت ہو نہ یہ کہ خالی لفظِ ہبہ ہو اور مکرِہ کا یہ مقصود جب ہو گا کہ ہبہ سپردگی کے ساتھ واقع ہو جبکہ بیع میں صرف عقد پر استحقاق واقع ہوتا ہے جیسا کہ اصل یہی ہے کہ بغیر قبضہ کے فقط عقد سے استحقاق ثابت ہوتا ہے پس ہبہ پر مجبور کرنے میں سپرد کرنا بھی داخل ہو گا اور بیع پر مجبور کرنے میں سپرد کرنا داخل نہ ہو گا۔

{3} اگر مشتری نے زبردستی مبیع پر قبضہ کر لیا تو یہ بیع کی اجازت نہیں ہے اور اس پر مبیع واپس کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس موجود ہو؛ کیونکہ اکراہ کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہے۔ اور اگر مشتری کے پاس مبیع تلف ہو گئی حالانکہ وہ مجبور نہیں کیا گیا ہے تو مشتری بائع کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہو گا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ بائع پر اکراہ کر کے اسے فروخت پر مجبور کیا گیا ہو پھر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو مشتری ثمن کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ عقد فاسد ہونے کی وجہ سے مبیع اس کی ضمانت میں ہے اور مضمون چیز کی ہلاکت ضمان کو واجب کرتی ہے۔

{4} اگر کسی پر زبردستی کر لی کہ اپنا مال فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کر دو اس نے مجبور ہو کر فروخت کر دیا تو مجبور شخص کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے مجبور کرنے والے سے تاوان لے لے؛ کیونکہ جہاں تلف کرنے کا معنی پایا جاتا ہے وہاں مجبور اس اکراہ کرنے والے کا آلہ ہے تو گویا اکراہ کرنے والے نے بائع کا مال مشتری کو دیدیا اس لیے مجبور کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس سے

چاہے تاوان لے خواہ مکرہ سے لے یا مشتری سے لے جیسے غاصب اور غاصب سے غصب کرنے والے میں ہوتا ہے کہ مغصوب منہ چاہے تو غاصب سے تاوان لے اور چاہے تو غاصب کے غاصب سے لے لے۔

{5} پھر اگر مجبور بائع نے اکراہ کرنے والے سے تاوان لیا تو وہ مشتری سے قیمت واپس لے گا؛ کیونکہ اکراہ کرنے والا ضمان ادا کرنے سے مجبور بائع کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ اور اگر مجبور بائع نے مشتری سے تاوان لے لیا تو اکراہ والی خرید کے بعد آگے جتنی بھی خرید واقع ہوئی ہوں یعنی جتنے لوگوں نے اس مال کو خریدا ہو وہ سب خرید نافذ ہو جائیں گی بشرطیکہ دوسرے ہاتھوں نے بھی اور خرید کے ذریعہ یہ مال لیا ہو؛ کیونکہ اول مشتری تاوان دے کر اس مال کا مالک ہو گیا پس یہ ظاہر ہو گیا کہ اس نے اپنی ملک فروخت کی ہے، البتہ ضامن مشتری کی خرید سے پہلے جو خرید واقع ہوئی ہوں وہ نافذ نہ ہوں گی؛ کیونکہ ضامن مشتری کی ملک اس کے قبضہ کے وقت کی جانب منسوب ہے اس سے پہلے اس کی ملک نہیں پائی جا رہی ہے اس لیے اس سے پہلے کی خرید نافذ نہ ہوں گی۔

{6} اس کے برخلاف اگر مجبور مالک نے ان عقود میں سے کسی عقد کی اجازت دیدی تو اس سے پہلے اور اس کے بعد سب خرید نافذ ہو جائیں گی؛ کیونکہ مجبور مالک نے اپنا حق ساقط کر دیا اور نفاذ سے مانع اسی کا حق تھا جو اس نے ساقط کر دیا اس لیے سب عقود جواز کی طرف لوٹ آئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## فَصْلٌ

اس سے پہلے ان افعال کا ذکر تھا جو اکراہ سے پہلے حلال تھے اور اس فصل میں ایسے افعال کا ذکر ہے جو اکراہ سے پہلے حالت وسعت میں ممنوع ہیں پس دونوں طرح کے افعال میں اس فرق کی وجہ سے یہاں مستقل فصل کا عنوان دیا ہے۔

{1} وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى أَنْ يَأْكُلَ الْمَيْتَةَ أَوْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ، إِنْ أُكْرِهَ عَلَى ذَلِكَ بِحَبْسٍ أَوْ ضَرْبٍ أَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ لَهُ
اور اگر مجبور کیا گیا اس پر کہ کھائے مردار، یا پیے شراب، پس مجبور کیا گیا اس پر قید کرنے یا مارنے یا بیڑی ڈالنے سے، تو حلال نہیں اس کے لیے

إِلَّا أَنْ يُكْرَهَ بِمَا يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ، فَإِذَا خَافَ عَلَى ذَلِكَ وَسِعَهُ
مگر یہ کہ دھمکی دے اس طرح کہ اس سے خوف ہو اپنی جان یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کا، پس جب اس کو خوف ہو اس پر تو اس کے لیے گنجائش ہے

أَنْ يُقْدِمَ عَلَى مَا أُكْرِهَ عَلَيْهِ {2} وَكَذَا عَلَى هَذَا الدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ، لِأَنَّ تَنَاوُلَ هَذِهِ الْمُحَرَّمَاتِ إِنَّمَا يُبَاحُ

کہ اقدام کرے اس پر جس پر مجبور کیا گیا ہے، اور اسی حکم پر ہے خون اور خنزیر کا گوشت؛ کیونکہ کھانا ان حرام چیزوں کا مباح ہے

عِنْدَ الضَّرُورَةِ كَمَا فِي الْمَخْمَصَةِ لِقِيَامِ الْمُحَرِّمِ فِيمَا وَرَاءَهَا ، وَلَا ضَرُورَةَ إِلَّا إِذَا خَافَ
ضرورت کے وقت جیسا کہ حالتِ مخمصہ میں؛ محرم دلیل قائم ہونے کی وجہ سے ضرورت کے علاوہ میں، اور ضرورت نہیں مگر یہ کہ اس کو خوف ہو

عَلَى النَّفْسِ أَوْ عَلَى الْعُضْوِ ، حَتَّى لَوْ خِيفَ عَلَى ذَلِكَ بِالضَّرْبِ وَغَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ يُبَاحُ لَهُ ذَلِكَ
نفس پر یا عضو پر، حتی کہ اگر خوف دلایا گیا اس پر ضربِ شدید سے، اور غالب ہو اس کے گمان پر یہ، تو مباح ہوگا اس کے لیے ایسا کرنا،

{3} وَلَا يَسَعُهُ أَنْ يَصْبِرَ عَلَى مَا تُوُعِّدَ بِهِ ، فَإِنْ صَبَرَ حَتَّى أَوْقَعُوا بِهِ
اور اس کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ صبر کرے اس پر جس کی اسے دھمکی دی گئی ہے، پس اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے یہ کام کرلیا اس کے ساتھ،

وَلَمْ يَأْكُلْ فَهُوَ آثِمٌ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أُبِيحَ كَانَ بِالِامْتِنَاعِ عَنْهُ مُعَاوِنًا لِغَيْرِهِ عَلَى هَلَاكِ نَفْسِهِ
اور اس نے نہیں کھایا تو وہ گنہگار ہوگا؛ کیونکہ جب وہ چیز مباح کی گئی تو اس سے باز رہنے سے وہ معاون ہوا غیر کا اپنی جان ہلاک کرنے پر،

فَيَأْثَمُ كَمَا فِي حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ . {4} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَأْثَمُ لِأَنَّهُ رُخْصَةٌ إِذِ الْحُرْمَةُ
اس لیے گنہگار ہوگا جیسا کہ حالتِ مخمصہ میں۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ گنہگار نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ تو رخصت ہے؛ اس لیے کہ حرمت

قَائِمَةٌ فَكَانَ آخِذًا بِالْعَزِيمَةِ . {5} قُلْنَا : حَالَةُ الِاضْطِرَارِ مُسْتَثْنَاةٌ بِالنَّصِّ وَهُوَ تَكَلُّمٌ بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الثُّنْيَا
ابھی قائم ہے پس وہ عزیمت پر عمل کرنے والا ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ حالتِ اضطرار مستثنیٰ ہے نص سے اور وہ تکلم ہے مستثنیٰ کا استثناء کے بعد،

فَلَا مُحَرِّمَ فَكَانَ إِبَاحَةً لَا رُخْصَةً إِلَّا أَنَّهُ إِنَّمَا يَأْثَمُ إِذَا عَلِمَ بِالْإِبَاحَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ ، لِأَنَّ فِي انْكِشَافِ الْحُرْمَةِ
پس محرم موجود نہ ہوا پس یہ اباحت ہے نہ کہ رخصت، مگر یہ کہ وہ گنہگار ہوگا اگر وہ جانتا ہو اباحت کو اس حالت میں؛ کیونکہ حرمت کے منکشف ہونے میں

خَفَاءً فَيُعْذَرُ بِالْجَهْلِ فِيهِ كَالْجَهْلِ بِالْخِطَابِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ أَوْ فِي دَارِ الْحَرْبِ . {6} قَالَ : وَإِنْ
پوشیدگی ہے پس معذور قرار دیا جائے گا جہل کی وجہ سے اس میں، جیسا کہ حکم نہ جاننا ابتداءِ اسلام میں یا دار الحرب میں۔ فرمایا: اور اگر

أُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللَّهِ تَعَالَى وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ أَوْ سَبِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِقَيْدٍ أَوْ حَبْسٍ أَوْ ضَرْبٍ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ إِكْرَاهًا
مجبور کیا گیا اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے پر العیاذ باللہ، یا حضور ﷺ کو برا کہنے پر بیڑی ڈالنے یا قید کرنے یا مارنے سے، تو یہ نہ ہوگا اکراہ

حَتَّى يُكْرَهَ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ ؛ لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ لَيْسَ بِإِكْرَاهٍ
یہاں تک کہ مجبور کر دے ایسے امر سے جس سے اس کو خوف اپنی جان یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو پر؛ کیونکہ مجبور کرنا ان اشیاء سے اکراہ نہیں ہے

فِي شُرْبِ الْخَمْرِ لِمَا مَرَّ ، فَفِي الْكُفْرِ وَحُرْمَتُهُ أَشَدُّ أَوْلَى وَأَحْرَى . {7} قَالَ : وَإِذَا

شراب پینے میں جیسا کہ گذر چکا تو کفر میں حالانکہ اس کی حرمت زیادہ سخت ہے، بطریقہ اولیٰ اور زیادہ لائق ہے کہ اکراہ نہ ہو۔ فرمایا اور اگر

خَافَ عَلَى ذَلِكَ وَسِعَهُ أَنْ يُظْهِرَ مَا أَمَرُوهُ بِهِ وَيُوَرِّيَ ، فَإِنْ أَظْهَرَ

اس کو خوف ہو اس پر تو گنجائش ہے اس کے لیے کہ ظاہر کر دے وہ جس کا انہوں نے اس کو امر کیا ہے، اور توریہ کرے، پس اگر اس نے ظاہر کر دیا

ذَلِكَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ؛ لِحَدِيثِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَيْثُ ابْتُلِيَ بِهِ،

اس کو حالانکہ اس کا دل مطمئن ہے ایمان سے، تو کوئی گناہ اس پر؛ حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے جس وقت کہ وہ مبتلی ہوئے اس میں،

وَقَدْ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ { كَيْفَ وَجَدْتَ قَلْبَكَ؟ قَالَ مُطْمَئِنًّا بِالْإِيمَانِ ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : فَإِنْ عَادُوا

اور فرمایا اس سے حضورؐ نے: کیسا پایا تو نے اپنا دل؟ انہوں نے کہا: مطمئن ایمان کے ساتھ، پس آپؐ نے فرمایا: اگر وہ پھر اس کام کی طرف لوٹے

فَعُدْ ، وَفِيهِ نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالَى { إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ } " الْآيَةَ .

تو آپ بھی اس جواب کی طرف لوٹ جا، اور اسی بارے میں نازل ہوا باری تعالیٰ کا ارشاد "مگر جو مجبور کیا گیا حالانکہ اس کا دل مطمئن ہے ایمان سے"

وَلِأَنَّ بِهَذَا الْإِظْهَارِ لَا يَفُوتُ الْإِيمَانُ حَقِيقَةً لِقِيَامِ التَّصْدِيقِ، وَفِي الِامْتِنَاعِ فَوْتُ النَّفْسِ حَقِيقَةً فَيَسَعُهُ الْمَيْلُ إِلَيْهِ.

اور اس لیے کہ اس اظہار سے فوت نہیں ہوتا ہے ایمان حقیقۃً؛ تصدیق قائم ہونے کی وجہ سے، اور رُکنے میں جان کا فوت ہونا ہے حقیقۃً، پس گنجائش ہے اس کے لیے مائل ہونے کی اس کی طرف۔

تشریح:۔ {1} اگر ایک شخص نے دوسرے کو مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور یہ اکراہ حبس یا مار یا قید کے ذریعہ ہو قتل یا عضو تلف ہونے کے ذریعہ نہ ہو تو اس کے لیے مردار کھانا یا شراب پینا حلال نہ ہوگا، البتہ اگر اس کو ایسی چیز کے ساتھ مجبور کیا جس سے اس کو اپنی جان کا خوف ہو یا اعضاء میں سے کوئی عضو تلف ہونے کا خوف ہو تو اگر اس کو اس کا خوف ہو تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ جس چیز پر اس کو مجبور کیا گیا اس پر اقدام کرے۔

{2} یہی تفصیل اور حکم اس صورت میں بھی ہے کہ اگر خون یا خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور کیا گیا؛ کیونکہ ان حرام چیزوں کا کھانا پینا جب ہی مباح ہوتا ہے کہ ضرورت قائم ہو جیسے مخمصہ (شدید بھوک) کی حالت ہوتی ہے؛ کیونکہ ضرورت کے علاوہ حالت میں حرام کرنے والی دلیل قائم ہے اور ضرورت کوئی نہیں ہے اس لیے بلا ضرورت ان چیزوں کا کھانا پینا مباح نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کو اپنی جان یا عضو کا خوف ہو تو مباح ہے حتی کہ اگر ضرب شدید کے ساتھ اس کام پر مجبور کیا گیا اور مجبور کے گمان میں بھی یہ بات غالب ہو جائے کہ اس سے اس کی جان یا عضو تلف ہو جائے گا تو اس کے لیے یہ کام کرنا مباح ہو جائے گا۔

{3} جس شخص پر اکراہ کیا گیا اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسی دھمکی پر صبر کرے کہ جس سے جان یا عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو کہ اگر اس نے نہ کھایا یہاں تک کہ اکراہ والوں نے جس امر کی دھمکی دی تھی وہ واقع کر دیا مثلاً اس کو قتل کر دیا تو ظاہر الروایت میں مجبور کیا ہوا شخص گنہگار ہوگا؛ کیونکہ جب اس کو یہ چیز مباح کر دی گئی تھی تو اس سے انکار کرنے سے اپنی ہلاکت پر غیر (اکراہ کرنے والے) کی معاونت کرنے والا ہو گیا اس لیے گنہگار ہوگا جیسے مخمصہ (شدید بھوک) میں حرام چیز کھانے سے صبر کر کے مرجانے سے بندہ گنہگار ہوتا ہے۔

{4} اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ گنہگار نہ ہوگا یہی امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ہے؛ کیونکہ کھانے کی تو ضرورت کی بنا پر صرف رخصت دی گئی اس لیے کہ حرمت تو اب بھی موجود ہے تو اس نے عزیمت کو اختیار کیا یعنی جو افضل تھا وہی اختیار کیا اس لیے گنہگار نہ ہوگا۔

{5} ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حالتِ اضطرار تو نص میں حرمت سے مستثنیٰ ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ[1]﴾ (اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اس جانور میں سے کہ جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا گیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جاوے تو حلال ہے) جس میں حالتِ اضطرار کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے؛ کیونکہ مستثنیٰ تو استثناء کے بعد باقی ماندہ کے تکلم کا نام ہے پس استثناء اس بات کو بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے کہ مستثنیٰ شروع کلام کے حکم میں داخل نہیں اس لیے حالتِ اضطرار میں حرام کرنے والا حکم موجود نہ رہے گا تو یہ اباحت ہے نہ کہ رخصت، لہٰذا اس سے رُکنا ایسا ہے جیسے حلال کھانے سے رُکنا اس لیے گنہگار ہوگا، البتہ گنہگار جب ہی ہوگا کہ اس حالت میں اس کو حرام چیز کے مباح ہونے کا علم ہو اس لیے کہ حرمت کے دور ہونے میں پوشیدگی ہے لہٰذا نہ جاننے کی صورت میں معذور ہوگا جیسے ابتداءِ اسلام میں یا دار الحرب میں کسی کام کا حکم نہ جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرنے کی صورت میں معذور ہوتا ہے۔

فتویٰ:۔ راجح اور ظاہر الروایت یہی ہے کہ گنہگار ہو جائے گا لما في الهندية: لِسُلْطَانٍ إِذَا أَخَذَ رَجُلًا وَقَالَ: لَأَقْتُلَنَّكَ أَوْ لَتَشْرَبَنَّ هَذَا الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ هَذِهِ الْمَيْتَةَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ لَحْمَ هَذَا الْخِنْزِيرِ كَانَ فِي سَعَةٍ مِنْ تَنَاوُلِهِ ، بَلْ يُفْتَرَضُ عَلَيْهِ التَّنَاوُلُ إِذَا كَانَ فِي غَالِبِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَتَنَاوَلْ يُقْتَلُ ، فَإِنْ لَمْ يَتَنَاوَلْ حَتَّى قُتِلَ كَانَ آثِمًا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَصْحَابِنَا ، (الهندية:5/38)

---

[1] الانعام:119.

{6} اگر کسی نے مسلمان پر العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے، یا رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنے کے لیے بیڑیاں ڈالنے یا قید کرنے یا مارنے کے ذریعہ اکراہ کیا تو یہ اکراہ نہیں ہے یہاں تک کہ ایسے امر کے ساتھ اس پر زبر دستی کرے جس سے اس کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو؛ کیونکہ قید وغیرہ جب شراب پینے میں اکراہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا تو کفر جو اس سے حرمت میں زیادہ سخت ہے وہ زیادہ اولیٰ اور لائق ہے کہ قید وغیرہ اس کے حق میں اکراہ نہ ہو۔

{7} پس اگر اس کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو تو اس کو یہ گنجائش ہے کہ جو کچھ یہ کفار اس سے کہتے ہیں اس کو ظاہر کر دے اور توریہ کرے یعنی ظاہر میں ایک لفظ کہے اور اس سے دوسرا معنی مراد لے پس اگر اس نے کفار کے کہنے کے مطابق بات ظاہر کی حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے تو اس پر گناہ نہ ہوگا؛ دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ اس طرح کی حالت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ کفار نے ان کو حضور ﷺ کو برا بھلا کہنے اور بتوں کی تعریف کرنے پر مجبور کیا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا، یہاں آکر حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "تونے اپنا دل کو کس حال میں پایا تھا" انہوں نے عرض کیا کہ "وہ ایمان کے ساتھ مطمئن تھا" پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کفار دوبارہ ایسا کریں تو تو دوبارہ ایسا کر لو[1]" اور اسی کے بارے میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ[2]﴾ (جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا، الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو یہ معاف ہے)۔ اور اس دلیل سے کہ ایسا ظاہر کرنے سے ایمان در حقیقت فوت نہیں ہوتا؛ کیونکہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق قائم ہے اور انکار کرنے میں در حقیقت جان جاتی ہے پس اس کو اختیار دیا گیا کہ اظہار کی جانب میلان کرے۔

{1} قَالَ: فَإِنْ صَبَرَ حَتَّى قُتِلَ وَلَمْ يُظْهِرِ الْكُفْرَ كَانَ مَأْجُورًا ؛ لِأَنَّ { خُبَيْبًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَبَرَ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى صُلِبَ وَسَمَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَ الشُّهَدَاءِ ، وَقَالَ فِي مِثْلِهِ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ } وَلِأَنَّ الْحُرْمَةَ بَاقِيَةٌ ، وَالِامْتِنَاعُ لِإِعْزَازِ الدِّينِ عَزِيمَةٌ ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِلِاسْتِثْنَاءِ . {2} قَالَ : وَإِنْ أُكْرِهَ

فرمایا: پس اگر صبر کیا حتی کہ قتل کیا گیا، اور اس نے ظاہر نہیں کیا کفر کو، تو وہ ماجور ہوگا؛ کیونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے صبر کیا اس پر حتی کہ اس کو سولی دی گئی، اور نامزد کیا اس کو حضور ﷺ نے سید الشہداء، اور فرمایا اس کے بارے میں "وہ میرا ساتھی ہے جنت میں" اور اس لیے

(1) رواه الحاكم في المستدرك في تفسير سورة النحل من حديث عبيد الله بن عمرو الرقي عن عبد الكريم بن مالك الجزري عن أبي عبيدة بن محمد بن عمار بن ياسر عن أبيه، قال: أخذ المشركون عمار بن ياسر، فلم يتركوه حتى سب النبي صلى الله عليه وسلم، وذكر آلهتهم بخير، ثم تركوه، فلما أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال له عليه السلام: "ما وراءك"؟ قال: شر يا رسول الله، ما تركت حتى نلت منك، وذكرت آلهتهم بخير، قال: "فكيف تجد قلبك"؟ قال: مطمئنا بالإيمان، قال: "فإن عادوا فعد"، انتهى. وقال: حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه، (نصب الراية: 4/381)

(2) النحل: 106.

کہ حرمت باقی ہے، اور رکنا اعزازِ دین کے لیے عزیمت ہے، برخلاف سابقہ مسئلہ کے؛ استثناء کی وجہ سے۔ فرمایا: اور اگر مجبور کیا گیا

عَلَى إِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِأَمْرٍ يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ وَسِعَهُ أَنْ

کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر ایسے امر سے جس سے اس کو خوف ہو اپنی جان یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو پر، تو گنجائش ہے اس کے لیے کہ

يَفْعَلَ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ مَالَ الْغَيْرِ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُورَةِ كَمَا فِي حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ ، وَلِصَاحِبِ الْمَالِ أَنْ

کرلے یہ کام؛ کیونکہ مالِ غیر مباح ہو جاتا ہے ضرورت کی وجہ سے جیسا کہ حالتِ مخمصہ میں، اور ضرورت متحقق ہو چکی، اور صاحب مال کو اختیار ہے

يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ ؛ لِأَنَّ الْمُكْرَهَ آلَةٌ لِلْمُكْرِهِ فِيمَا يَصْلُحُ آلَةً لَهُ وَالْإِتْلَافُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ

کہ ضمان لے مکرِہ سے؛ اس لیے کہ مکرَہ تو آلہ ہے مکرِہ کا ان چیزوں میں جن میں وہ آلہ ہو سکتا ہے، اور مال تلف کرنا اسی قبیل سے ہے۔

{3} وَإِنْ أَكْرَهَهُ بِقَتْلِهِ عَلَى قَتْلِ غَيْرِهِ لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يُقْدِمَ عَلَيْهِ وَيَصْبِرُ حَتَّى يُقْتَلَ،

اور اگر مجبور کیا گیا قتل کی دھمکی سے غیر کو قتل کرنے پر تو اس کے لیے گنجائش نہیں کہ اقدام کرے اس پر، اور صبر کرے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے،

فَإِنْ قَتَلَهُ كَانَ آثِمًا ؛ لِأَنَّ قَتْلَ الْمُسْلِمِ مِمَّا لَا يُسْتَبَاحُ لِضَرُورَةٍ مَّا فَكَذَا بِهَذِهِ الضَّرُورَةِ.

پس اگر قتل کر دیا اس کو تو گنہگار ہو گا؛ کیونکہ مسلمان کا قتل مباح نہیں ہوتا ہے کسی بھی ضرورت سے، پس اسی طرح اس ضرورت سے بھی۔

{4} قَالَ: وَالْقِصَاصُ عَلَى الْمُكْرِهِ إنْ كَانَ الْقَتْلُ عَمْدًا، قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ : وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَقَالَ زُفَرُ:

اور قصاص مکرِہ پر ہو گا اگر قتل عمداً ہو۔ مصنف فرماتے ہیں: اور یہ امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام زفر نے:

يَجِبُ عَلَى الْمُكْرَهِ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يَجِبُ عَلَيْهِمَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجِبُ عَلَيْهِمَا .{5} لِزُفَرَ أَنَّ

واجب ہے مکرَہ پر، اور فرمایا امام ابو یوسف نے: واجب نہیں ہے دونوں پر، اور فرمایا امام شافعی نے: واجب ہے دونوں پر۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے

الْفِعْلَ مِنَ الْمُكْرَهِ حَقِيقَةً وَحِسًّا ، وَقَرَّرَ الشَّرْعُ حُكْمَهُ عَلَيْهِ وَهُوَ الْإِثْمُ ، بِخِلَافِ الْإِكْرَاهِ

کہ فعل کا صدور مکرَہ کی طرف سے ہوا ہے حقیقۃً اور حسًّا، اور برقرار رکھا ہے شریعت نے اس کا حکم اسی پر، اور وہ گناہ ہے، برخلافِ اکراہ

عَلَى إتْلَافِ مَالِ الْغَيْرِ لِأَنَّهُ سَقَطَ حُكْمُهُ وَهُوَ الْإِثْمُ فَأُضِيفَ إلَى غَيْرِهِ ،{6} وَبِهَذَا يَتَمَسَّكُ الشَّافِعِيُّ

مالِ غیر کو تلف کرنے پر؛ کیونکہ ساقط ہوا اس کا حکم اور وہ گناہ ہے، پس منسوب ہو گا غیر مکرَہ کی طرف، اور اسی سے استدلال کیا ہے امام شافعی نے

فِي جَانِبِ الْمُكْرَهِ ، وَيُوجِبُهُ عَلَى الْمُكْرِهِ أَيْضًا لِوُجُودِ التَّسْبِيبِ إلَى الْقَتْلِ مِنْهُ ، وَلِلتَّسْبِيبِ

جانب مکرَہ میں، اور وہ واجب سمجھتے ہیں قصاص مکرِہ پر بھی؛ بوجہ موجود ہونا قتل کی طرف سبب بنانا اسی کی طرف سے، اور تسبیب کے لیے

فِي هَذَا حُكْمُ الْمُبَاشَرَةِ عِنْدَهُ كَمَا فِي شُهُودِ الْقِصَاصِ ،{7} وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْقَتْلَ بَقِيَ مَقْصُورًا

اس میں مباشرت کا حکم ہے ان کے نزدیک جیسا کہ قصاص کے گواہوں میں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قتل مقصور ہوا

عَلَى الْمُكْرَهِ مِنْ وَجْهٍ نَظَرًا إِلَى التَّأْثِيمِ، وَأُضِيفَ إِلَى الْمُكْرِهِ مِنْ وَجْهٍ نَظَرًا إِلَى الْحَمْلِ فَدَخَلَتِ الشُّبْهَةُ فِي كُلِّ جَانِبٍ

مکرَہ پر من وجہ گنہگار ہونے کے پیش نظر، اور منسوب ہوا مکرِہ کی طرف من وجہ باعث ہونے کے پیش نظر، پس داخل ہوا شبہ ہر جانب میں۔

{8} وَلَهُمَا أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْقَتْلِ بِطَبْعِهِ إِيثَارًا لِحَيَاتِهِ فَيَصِيرُ آلَةً لِلْمُكْرِهِ فِيمَا

اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ آمادہ ہوا ہے قتل کرنے پر بمقتضاء طبع، ترجیح دیتے ہوئے اپنی زندگی کو، پس ہو گا آلہ مکرِہ کے لیے ان چیزوں میں

يَصْلُحُ آلَةً لَهُ وَهُوَ الْقَتْلُ بِأَنْ يُلْقِيَهُ عَلَيْهِ وَلَا يَصْلُحُ آلَةً لَهُ فِي الْجِنَايَةِ عَلَى دِينِهِ

جن میں آلہ ہو سکتا ہے، اور وہ قتل ہے بایں طور کہ اس کو ڈال دے اس پر، اور نہیں آلہ ہو سکتا ہے اس کے لیے اپنے دین پر جنایت کرنے میں،

فَيَبْقَى الْفِعْلُ مَقْصُورًا عَلَيْهِ فِي حَقِّ الْإِثْمِ كَمَا نَقُولُ فِي الْإِكْرَاهِ عَلَى الْإِعْتَاقِ، وَفِي إِكْرَاهِ الْمَجُوسِيِّ عَلَى ذَبْحِ شَاةِ الْغَيْرِ

پس باقی رہا فعل مکرَہ پر مقصور گناہ کے حق میں جیسا ہم کہتے ہو آزاد کرنے پر اکراہ کرنے میں، اور مجوسی کو مجبور کرنا غیر کی بکری ذبح کرنے پر

يَنْتَقِلُ الْفِعْلُ إِلَى الْمُكْرِهِ فِي الْإِتْلَافِ دُونَ الذَّكَاةِ حَتَّى يَحْرُمَ كَذَا هَذَا .

منتقل ہوتا ہے فعل مکرِہ کی طرف اتلاف میں نہ ذبح میں، حتی کہ کھانا حرام ہو گا، اسی طرح یہ ہے۔

تشریح:۔ {1} پھر اگر کلمہ کفر کہلوانے کی صورت میں اس نے صبر کیا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا مگر اس نے کفر ظاہر نہ کیا تو اس کو ثواب حاصل ہو گا؛ کیونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس پر صبر کیا یہاں تک کہ سولی دیدی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام سید الشہداء رکھا اور اسی شخص کے حق میں فرمایا کہ جنت میں میرا رفیق ہے[1]۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کفر کا کلمہ کہنے کی حرمت باقی ہے اور اعزاز دین

---

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْت: غَرِيبٌ، وَقَتْلُ خُبَيْبٍ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ فِي مَوَاضِعَ، وَلَيْسَ فِيهِ أَنَّهُ صُلِبَ، وَلَا أَنَّهُ أُكْرِهَ، وَلَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمَّاهُ سَيِّدَ الشُّهَدَاءِ، وَلَا قَالَ فِيهِ: هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ، أَخْرَجَهُ فِي الْجِهَادِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً عَيْنًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ، فَانْطَلَقُوا حَتَّى إذَا كَانُوا بَيْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ، ذُكِرُوا لِحَيٍّ مِنْ هُذَيْلٍ: يُقَالُ لَهُمْ بَنُو لِحْيَانَ فَتَبِعُوهُمْ بِقَرِيبٍ مِنْ مِائَةِ رَجُلٍ رَامٍ، فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ حَتَّى أَتَوْا مَنْزِلًا نَزَلُوهُ، فَوَجَدُوا فِيهِ نَوَى تَمْرٍ تَزَوَّدُوهُ مِنْ الْمَدِينَةِ، فَقَالُوا: هَذَا تَمْرُ يَثْرِبَ، فَتَبِعُوا آثَارَهُمْ حَتَّى لَحِقُوهُمْ، فَلَمَّا انْتَهَى عَاصِمٌ، وَأَصْحَابُهُ لَجَأُوا إلَى فَدْفَدٍ، وَجَاءَ الْقَوْمُ فَأَحَاطُوا بِهِمْ، فَقَالُوا: لَكُمْ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ إنْ نَزَلْتُمْ إلَيْنَا أَنْ لَا نَقْتُلَ مِنْكُمْ رَجُلًا، قَالَ عَاصِمٌ: أَمَّا أَنَا فَلَا أَنْزِلُ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ، اللَّهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّك، فَقَاتَلُوهُمْ فَرَمَوْهُمْ، حَتَّى قَتَلُوا عَاصِمًا فِي سَبْعَةِ نَفَرٍ بِالنَّبْلِ، وَبَقِيَ خُبَيْبٌ، وَزَيْدُ بْنُ الدَّثِنَةِ، وَرَجُلٌ آخَرُ، فَأَعْطَوْهُمْ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ، فَنَزَلُوا إلَيْهِمْ، فَلَمَّا اسْتَمْكَنُوا مِنْهُمْ حَلُّوا أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ فَرَبَطُوهُمْ بِهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ الَّذِي مَعَهُمَا: هَذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ، فَأَبَى أَنْ يَصْحَبَهُمْ، فَجَرَّرُوهُ، وَعَالَجُوهُ عَلَى أَنْ يَصْحَبَهُمْ، فَلَمْ يَفْعَلْ، فَقَتَلُوهُ، وَانْطَلَقُوا بِخُبَيْبٍ، وَزَيْدٍ حَتَّى بَاعُوهُمَا بِمَكَّةَ، فَاشْتَرَى خُبَيْبًا بَنُو الْحَارِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلٍ، وَكَانَ خُبَيْبٌ قَتَلَ الْحَارِثَ يَوْمَ بَدْرٍ، فَمَكَثَ عِنْدَهُمْ أَسِيرًا حَتَّى إذَا أَجْمَعُوا عَلَى قَتْلِهِ اسْتَعَارَ مُوسَى مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ لِيَسْتَحِدَّ بِهَا، فَأَعَارَتْهُ، قَالَتْ: فَغَفَلْت عَنْ صَبِيٍّ لِي فَدَرَجَ إلَيْهِ، حَتَّى أَتَاهُ، فَوَضَعَهُ عَلَى فَخِذِهِ، فَلَمَّا رَأَيْته فَزِعْت فَزْعَةً عَرَفَ ذَلِكَ مِنِّي، وَفِي يَدِهِ الْمُوسَى، فَقَالَ: أَتَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ مَا كُنْت لِأَفْعَلَ ذَلِكَ إنْ شَاءَ اللَّهُ، وَكَانَتْ تَقُولُ: مَا رَأَيْت أَسِيرًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ خُبَيْبٍ، لَقَدْ رَأَيْته يَوْمًا يَأْكُلُ مِنْ قِطْفِ عِنَبٍ، وَمَا بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ ثَمَرَةٌ، وَإِنَّهُ لَمُوثَقٌ فِي الْحَدِيدِ، وَمَا كَانَ إلَّا رِزْقًا رَزَقَهُ اللَّهُ، فَخَرَجُوا بِهِ مِنْ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ، فَقَالَ: دَعُونِي أُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى، ثُمَّ رَجَعَ إلَيْهِمْ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ تَرَوْا أَنَّ مَا بِي جَزَعٌ مِنْ الْمَوْتِ لَزِدْت، فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ هُوَ، ثُمَّ قَالَ: "اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا، ثُمَّ قَالَ: وَلَسْت أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا ... عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلَّهِ مَصْرَعِي وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ يَشَأْ ... يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ، ثُمَّ قَامَ إلَيْهِ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ

کے لیے کلمۂ کفر کہنے سے انکار کرنا عزم قوی کا کام ہے اس لیے اس صورت میں اس کو ثواب ملے گا۔ باقی سابقہ مسئلہ (جس میں شراب وخنزیر وغیرہ کھانے پر مجبور کیا گیا) کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہاں صبر کرنے پر گنہگار ہوگا؛ کیونکہ وہاں تو استثناء کی وجہ سے حرام چیز مباح ہو گئی تھی اور ایسی صورت میں مباح چیز سے رُکنے سے گنہگار ہو گا۔

{2} اگر کسی شخص پر کسی مسلمان کا مال تلف کرنے کے لیے ایسے امر کے ساتھ اکراہ کیا گیا کہ جس سے اس کو اپنی جان یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہے تو اس کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے یعنی مسلمان کا مال تلف کر دے؛ کیونکہ ضرورت کے وقت غیر کا مال مباح ہو جاتا ہے جیسے حالتِ مخمصہ (شدید بھوک کی حالت) میں حرام چیز مباح ہو جاتی ہے اور یہاں بھی چونکہ ضرورت متحقق ہوئی اس لیے مال غیر مباح ہو گا۔ اور مال کے مالک کو اختیار ہو گا کہ چاہے اکراہ کرنے والے سے تاوان لے لے؛ کیونکہ اکراہ کرنے والے نے جس کو مجبور کیا وہ بمنزلہ اس کے آلہ کے ہو گیا اور یہ ایسی چیزوں میں ہے جن میں وہ آلہ ہو سکتا ہو اور مال تلف کرنا بھی اسی قسم سے ہے کہ جس میں آلہ ہو سکتا ہے یعنی گویا اکراہ کرنے والے نے مکرَہ کو مالک کا مال تلف کرنے کا آلہ بنا دیا تو وہ اکراہ کرنے والے سے تاوان لے سکتا ہے جیسے مجبور شخص سے بھی تاوان لے سکتا ہے۔

{3} اور اگر کسی پر دوسرے کے قتل کرنے کا اس طرح اکراہ کیا گیا کہ اگر تو اس کو قتل نہ کرے گا تو میں تجھ کو قتل کروں گا تو اس کو گنجائش نہیں ہے کہ دوسرے کے قتل پر اقدام کرے بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ خود قتل کر دیا جائے اور اگر اس نے غیر کو قتل کر دیا تو گنہگار ہو گا؛ کیونکہ کسی مسلمان کو قتل کرنا کسی ضرورت کی وجہ سے مباح نہیں ہو سکتا ہے تو جان یا عضو کے تلف ہونے کے خوف کی وجہ سے بھی مباح نہیں ہو گا۔

{4} اگر مذکورہ صورت میں مجبور شخص نے غیر کو قتل کر دیا تو مقتول کا قصاص اکراہ کرنے والے پر واجب ہو گا بشرطیکہ عمداً قتل کیا ہو۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ طرفینؒ کا قول ہے۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس مجبور نے اکراہ کی وجہ سے کسی کو قتل کیا ہے قصاص اسی پر واجب ہو گا۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں پر واجب نہ ہو گا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں پر واجب ہو گا۔

{5} امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ قتل کا فعل حقیقۃً اور حساً اسی شخص سے صادر ہوا جس نے مجبور ہو کر قتل کا ارتکاب کیا یعنی آنکھوں نے اسی سے فعلِ قتل کا صدور دیکھا ہے اور شریعت نے اس قتل کا حکم اسی پر برقرار رکھا اور قتل کا حکم گناہ ہے یعنی شریعت

فَقَتَلَهُ، وَبَعَثَتْ قُرَيْشٌ إلَى عَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ لِيَأْتُوا بِشَيْءٍ مِنْ جَسَدِهِ يَعْرِفُونَهُ، وَكَانَ عَاصِمٌ قَتَلَ عَظِيمًا مِنْ عُظَمَائِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ، فَبَعَثَ اللَّهُ عَلَيْهِ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنْ الدَّبْرِ، فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ، فَلَمْ يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ، انْتَهَى. قَالَ عَبْدُ الْحَقِّ: وَقِصَّةُ خُبَيْبٍ كَانَتْ فِي غَزْوَةِ الرَّجِيعِ، وَغَزْوَةُ الرَّجِيعِ كَانَتْ بَعْدَ أُحُدٍ. (نصب الرایۃ: 383/4)

نے مجبور شخص کو گنہگار ٹھہرایا ہے تو قصاص بھی اسی پر واجب ہوگا۔اس کے برخلاف اگر غیر کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا اور مجبور شخص نے اس کو تلف کر دیا تو اس کا تاوان مجبور پر نہ ہوگا؛ کیونکہ مال تلف کرنے کا حکم (گناہ) مجبور شخص سے ساقط ہے تو یہ فعل دوسرے کی جانب مضاف ہوگا یعنی اکراہ کرنے والے کی جانب مضاف ہوا اس لیے تاوان اکراہ کرنے والے پر ہوگا۔

{6} پھر امام شافعیؒ مجبور قاتل کی جانب میں اسی دلیل سے استدلال کرتے ہیں جس سے امام زفرؒ نے استدلال کیا ہے کہ حقیقۃ وحساً فعل قتل کا صدور مجبور قاتل سے ہوا ہے اس لیے قصاص اسی پر واجب ہوگا۔اور اکراہ کرنے والے پر بھی قصاص اسی دلیل سے واجب کرتے ہیں؛ کیونکہ قتل کرنے کا سبب (مجبور کرنا) اسی کی جانب سے پایا جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک قتل کے حکم میں سبب پیدا کرنے کو ارتکابِ فعل کا حکم حاصل ہے جیسا قصاص کے گواہوں میں یہی ہوتا ہے مثلاً دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے بکر کو عمداً قتل کیا پس زید سے قصاص لیا گیا پھر ثابت ہوا کہ بکر تو زندہ ہے تو امام شافعیؒ کے نزدیک گواہوں سے قصاص لیا جائے گا۔

{7} امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قتل ایک اعتبار سے اسی شخص پر مقصور رہا جس نے مجبور ہو کر قتل کیا؛ کیونکہ گناہ اسی کے ذمہ رہتا ہے، اور دوسرے اعتبار سے اکراہ کرنے والے کی جانب منسوب ہے؛ کیونکہ قتل کا باعث وہی ہوا ہے پس دونوں کی جانب شبہہ پیدا ہو گیا اور قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے اس لیے دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں ہے۔

{8} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل طبعیت کے مقتضاء کی بناء پر قتل کرنے پر آمادہ ہے تاکہ وہ مقتول کو قتل کرنے کے ذریعے اپنی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو باقی رکھے اور بمقتضاءِ طبعیت کسی کام پر آمادہ کیا گیا شخص آلہ ہوتا ہے پس مجبور شخص اکراہ کرنے والے کا ایسی چیز میں آلہ ہو جائے گا کہ جس میں وہ آلہ ہو سکتا ہے اور وہ قتل ہے بایں طور کہ اس کو قتل پر مجبور کر دے، باقی اپنے دین میں گناہ کرنے پر اس کا آلہ نہیں ہو سکتا ہے یعنی قتل میں دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مقتول کو قتل کر دیا تو اس میں اکراہ کرنے والے نے مجبور شخص کو اپنا آلہ بنایا اور وہ آلہ ہو سکتا ہے، اور دوم یہ کہ قتل سے گناہ ہوتا ہے تو مجبور شخص اس میں اکراہ کرنے والے کا آلہ نہیں ہو سکتا بلکہ خود گنہگار ہوگا پس فعل قتل فعل ہونے کے اعتبار سے اکراہ کرنے والے کی جانب مضاف ہوگا اور گناہ ہونے کے اعتبار سے مجبور شخص پر مقصور رہے گا جیسے تم آزاد کرنے پر مجبور کرنے کی صورت میں کہتے ہو یعنی مثلاً زید نے خالد کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا تو کہتے ہو کہ مال تلف کرنا اکراہ کرنے والے کے ذمہ ہے حتی کہ زید ضامن ہے اور غلام کی وَلاء خالد کے لیے ہوگی؛ کیونکہ اعتاق تلفظ کے اعتبار سے مجبور شخص پر مقصور ہوگا اس لیے وَلاء اسی کے لیے ہوگی اس لیے کہ اس اعتبار سے وہ اکراہ کرنے والے کے لیے آلہ نہیں ہو سکتا ہے، اور اتلافِ مال کے اعتبار سے اکراہ کرنے والے کی طرف منسوب ہوگا اس لیے وہ

ضامن ہوگا، اور جیسے مجوسی کو خالد کی بکری ذبح کرنے پر مجبور کرنے میں کہتے ہو کہ تلف کرنے کا فعل تو اکراہ کرنے والے (زید) کی جانب مضاف ہوگا اور ذبح اکراہ کرنے والے کی طرف مضاف نہ ہوگا بلکہ مجوسی کی طرف منسوب ہوگا اس لیے اس کا کھانا حرام ہوگا پس اسی طرح یہاں بھی ہے۔

فتوی: طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: و اکثر المشائخ علی قولهما فلهذا اقتصر اصحاب المتون بقولهما و الشروح أظهروا ترجیح دلیلهما، و الله أعلم بالصواب (هامش الهداية: 3/347)

{1} قَالَ : وَإِنْ أَكْرَهَهُ عَلَى طَلَاقِ امْرَأَتِهِ أَوْ عِتْقِ عَبْدِهِ فَفَعَلَ وَقَعَ مَا أُكْرِهَ عَلَيْهِ عِنْدَنَا

فرمایا: اور اگر مجبور کیا گیا اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر، پس اس نے کر لیا، تو واقع ہوگا وہ جس پر مجبور کیا گیا ہے ہمارے نزدیک،

خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ . {2} قَالَ : وَيَرْجِعُ عَلَى الَّذِي أَكْرَهَهُ بِقِيمَةِ الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّهُ صَلُحَ آلَةً

اختلاف ہے امام شافعی کا، اور یہ گذر چکا طلاق میں۔ فرمایا: اور لے اس سے جس نے مجبور کیا اس کو غلام کی قیمت؛ کیونکہ وہ آلہ ہو سکتا ہے

لَهُ فِيهِ مِنْ حَيْثُ الْإِتْلَافُ فَيُضَافُ إِلَيْهِ ، فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ مُوسِرًا كَانَ

اس کا اس کام میں اتلاف کی حیثیت سے، پس منسوب ہوگا اتلاف اسی کی طرف، اور اس کو اختیار ہے کہ تاوان لے اس سے خواہ غنی ہو

أَوْ مُعْسِرًا ، وَلَا سِعَايَةَ عَلَى الْعَبْدِ لِأَنَّ السِّعَايَةَ إِنَّمَا تَجِبُ لِلتَّخْرِيجِ إِلَى الْحُرِّيَّةِ أَوْ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْغَيْرِ

یا تنگدست ہو، اور سعایت نہیں ہے غلام پر؛ کیونکہ سعایت واجب ہوتی ہے آزادی کی طرف نکالنے سے یا غیر کا حق متعلق ہونے سے،

وَلَمْ يُوجَدْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُكْرَهُ عَلَى الْعَبْدِ بِالضَّمَانِ لِأَنَّهُ مُؤَاخَذٌ بِإِتْلَافِهِ.

اور نہیں پایا گیا ایک ان دونوں میں سے، اور رجوع نہیں کر سکتا ہے مکرہ غلام پر ضمان کے بارے میں؛ کیونکہ وہ ماخوذ ہے اس کو تلف کرنے میں۔

{3} قَالَ: وَيَرْجِعُ بِنِصْفِ مَهْرِ الْمَرْأَةِ إِنْ كَانَ قَبْلَ الدُّخُولِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْعَقْدِ مُسَمًّى يَرْجِعُ عَلَى الْمُكْرِهِ بِمَا لَزِمَهُ

فرمایا: اور لے عورت کا نصف مہر اگر طلاق قبل الدخول ہو، اور اگر نہ ہو عقد میں مہر مسمّٰی تو لے لے مکرہ سے وہ جو اس پر لازم ہے

مِنَ الْمُتْعَةِ ؛ لِأَنَّ مَا عَلَيْهِ كَانَ عَلَى شَرَفِ السُّقُوطِ بِأَنْ جَاءَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا ، وَإِنَّمَا يَتَأَكَّدُ بِالطَّلَاقِ

یعنی متعہ؛ کیونکہ جو مہر اس کے ذمہ ہے وہ سقوط کے کنارے پر تھا بایں طور کہ فرقت عورت کی طرف سے آجاتی، اور مؤکد ہو گیا طلاق کی وجہ سے

فَكَانَ إِتْلَافًا لِلْمَالِ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ فَيُضَافُ إِلَى الْمُكْرِهِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ إِتْلَافٌ .بِخِلَافِ مَا إِذَا دَخَلَ بِهَا

پھر یہ اتلاف ہے مال کا اس وجہ سے، پس منسوب ہوگا مکرہ کی طرف اس حیثیت سے کہ یہ اتلاف ہے، بر خلاف اس کے جب دخول کیا ہو اس سے

لِأَنَّ الْمَهْرَ قَدْ تَقَرَّرَ بِالدُّخُولِ لَا بِالطَّلَاقِ . {4} وَلَوْ أُكْرِهَ عَلَى التَّوْكِيلِ بِالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ فَفَعَلَ الْوَكِيلُ

کیونکہ مہر مؤکد ہوا دخول کی وجہ سے نہ کہ طلاق کی وجہ سے۔ اور اگر مجبور کیا گیا وکیل بنانے پر طلاق دینے کے لیے یا آزاد کرنے کے لیے،

جَازَ اسْتِحْسَانًا، لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ مُؤَثِّرٌ فِي فَسَادِ الْعَقْدِ، وَالْوَكَالَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، وَيَرْجِعُ عَلَى الْمُكْرِهِ اسْتِحْسَانًا

تو جائز ہے استحساناً؛ کیونکہ اکراہ موثر ہے فسادِ عقد میں، اور وکالت باطل نہیں ہوتی ہے شروطِ فاسدہ سے، اور رجوع کرے گا مکرِہ پر استحساناً؛

لِأَنَّ مَقْصُودَ الْمُكْرِهِ زَوَالُ مِلْكِهِ إذَا بَاشَرَ الْوَكِيلُ، {5} وَالنَّذْرُ لَا يَعْمَلُ فِيهِ الْإِكْرَاهُ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ،

کیونکہ مکرِہ کا مقصود مکرَہ کی ملک کا زوال ہے جب مباشر ہو وکیل، اور نذر میں اثر نہیں کرتا ہے اکراہ؛ کیونکہ وہ احتمال نہیں رکھتی ہے فسخ کا،

وَلَا رُجُوعَ عَلَى الْمُكْرِهِ بِمَا لَزِمَهُ لِأَنَّهُ لَا مُطَالِبَ لَهُ فِي الدُّنْيَا فَلَا يُطَالَبُ بِهِ فِيهَا،

اور رجوع نہیں مکرِہ پر اس میں جو لازم ہوا اس پر؛ کیونکہ کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے اس کا دنیا میں، پس مطالبہ نہ ہو گا اس کا دنیا میں،

{6} وَكَذَا الْيَمِينُ، وَالظِّهَارُ لَا يَعْمَلُ فِيهِمَا الْإِكْرَاهُ لِعَدَمِ احْتِمَالِهِمَا الْفَسْخَ، وَكَذَا الرَّجْعَةُ

اور اسی طرح یمین اور ظہار ہے اثر نہیں کرتا ہے ان دونوں میں اکراہ؛ دونوں کا فسخ کا احتمال نہ رکھنے کی وجہ سے، اور اسی طرح رجعت،

وَالْإِيلَاءُ وَالْفَيْءُ فِيهِ بِاللِّسَانِ لِأَنَّهَا تَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ، وَالْخُلْعُ مِنْ جَانِبِهِ طَلَاقٌ أَوْ يَمِينٌ لَا يَعْمَلُ فِيهِ الْإِكْرَاهُ،

ایلاء اور فئی ہے اس میں زبان سے؛ کیونکہ یہ صحیح ہے ہزل کے ساتھ، اور خلع مرد کی جانب سے طلاق ہے یا یمین ہے، عمل نہیں کرتا اس میں اکراہ،

فَلَوْ كَانَ هُوَ مُكْرَهًا عَلَى الْخُلْعِ دُونَهَا لَزِمَهَا الْبَدَلُ لِرِضَاهَا بِالِالْتِزَامِ. {7} قَالَ: وَإِنْ أَكْرَهَهُ عَلَى الزِّنَا

پس اگر شوہر مجبور کیا گیا ہو خلع پر نہ کہ عورت، تو لازم ہو گا عورت پر بدل؛ اس کی رضا کی وجہ سے التزام پر۔ فرمایا: اور اگر مجبور کیا کسی کو زنا پر

وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، إلَّا أَنْ يُكْرِهَهُ السُّلْطَانُ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ

تو واجب ہو گی اس پر حد امام صاحب ؒ کے نزدیک، مگر یہ کہ مجبور کر دے اس کو سلطان، اور فرمایا امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد ؒ نے:

لَا يَلْزَمُهُ الْحَدُّ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْحُدُودِ.

اس پر لازم نہ ہو گی حد، اور ہم ذکر کر چکے اس کو حدود میں۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے مثلاً زید کو مجبور کیا اپنی بیوی کو طلاق دینے پر یا اپنا غلام آزاد کرنے پر پس اس نے ایسا کیا تو جس چیز پر مجبور کیا ہے وہ واقع ہو جائے گی، یہ ہمارا مذہب ہے، اور امام شافعی ؒ کے نزدیک واقع نہ ہو گی چنانچہ "کتاب الطلاق" میں گذر چکا کہ ان کے نزدیک مجبور شخص کے تصرفات باطل ہیں۔

{2} اور مذکورہ مجبور شخص اپنے غلام کی قیمت اکراہ کرنے والے سے واپس لے گا؛ کیونکہ تلف کرنے کے حق میں مجبور شخص اکراہ کرنے والے کا آلہ ہو سکتا ہے تو تلف کرنا اسی (مکرِہ) کی جانب مضاف ہو گا اس لیے مجبور شخص کو اختیار ہو گا کہ وہ اکراہ کرنے والے سے تاوان لے خواہ وہ مالدار ہو یا تنگدست ہو اور غلام پر سعایت واجب نہ ہو گی؛ کیونکہ امام صاحب ؒ کے نزدیک غلام

پر سعایت اس لیے واجب ہوتی ہے کہ غلام اس حالت سے نکل کر آزادی کی طرف چلا جائے حالانکہ وہ غلامی سے نکل چکا ہے اس لیے دوبارہ نکالنا ممکن نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام پر سعایت اس لیے واجب ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہوتا ہے اور یہاں ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی اس لیے غلام پر سعایت واجب نہیں۔ اور اکراہ کرنے والا اس غلام سے اپنا تاوان واپس نہیں لے سکتا؛ کیونکہ مکرِہ خود اپنے فعلِ اتلاف کی وجہ سے ماخوذ ہے اور اپنے فعل کی وجہ سے ماخوذ شخص غیر سے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔

{3} اگر کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا تو وہ اپنی مطلقہ بیوی کا نصف مہر بھی اکراہ کرنے والے سے واپس لے گا بشرطیکہ طلاق قبل الدخول ہو، اور یہ اس صورت میں ہے کہ مہر مقرر ہوا ہو، اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو طلاق پر مجبور شخص پر جو کچھ متعہ لازم آئے گا وہ اکراہ کرنے والے سے واپس لے گا؛ کیونکہ دخول سے پہلے جو نصف مہر یا متعہ اس کے ذمہ تھا وہ ساقط ہونے کے کنارے پر تھا چنانچہ اگر عورت کی جانب سے جدائی واقع ہوتی مثلاً وہ مرتدہ ہو جاتی تو سب ساقط ہو جاتا تو اکراہ کے نتیجے میں جو اس نے طلاق دی تو اس طلاق ہی کی وجہ سے یہ متعہ اس کے ذمہ متقرر ہو گیا پس اس اعتبار سے یہ مال کا تلف کرنا ہے تو مال کو تلف کرنے کی حیثیت سے اکراہ کرنے والے کی جانب مضاف ہو گا اس لیے وہ اسے اکراہ کرنے والے سے واپس لے گا۔ اور یہ اس وقت ہے کہ دخول سے پہلے طلاق پر اکراہ ہوا اور اگر دخول کے بعد اکراہ کیا گیا تو مکرِہ مالِ مہر کا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ مہر کا تقرر خود شوہر کے دخول کی وجہ سے ہو چکا ہے نہ کہ اکراہ کے نتیجے میں واقع کردہ طلاق کی وجہ سے اس لیے اکراہ کرنے والا ضامن نہ ہو گا۔

{4} اگر کسی کو طلاق یا اعتاق کے لیے وکیل مقرر کرنے پر مجبور کیا گیا یعنی مجبور کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے کے لیے فلاں شخص کو وکیل بنا دو پس اس نے اس کو وکیل بنا دیا، پھر وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دی یا اس کے غلام کو آزاد کیا تو قیاساً طلاق یا عتاق واقع نہ ہو گی، اور استحساناً جائز ہے اس لیے وکیل کا تصرف نافذ ہو جائے گا؛ کیونکہ اکراہ انعقادِ عقد کے لیے مانع نہیں ہے البتہ عقد کے فاسد ہونے میں اس کا اثر ہوتا ہے تو انتہائی بات یہ ہو گی کہ عقدِ وکالت میں شرطاً اکراہ فاسد ہو گی حالانکہ وکالت ایسا عقد ہے جو شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے لہٰذا اکراہ سے وکالت باطل نہ ہو گی اس لیے وکیل کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ اور مجبور شخص پر جو تاوان لازم آئے وہ اکراہ کرنے والے سے استحساناً واپس لے گا؛ کیونکہ اکراہ کرنے والے کا مقصود یہ ہے کہ مجبور شخص کی ملکیت اس کے وکیل کے فعل سے زائل ہو جائے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کی مِلک کو زائل کر دے تاوان کے بارے میں اسی سے رجوع کیا جاتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں مکرِہ سے رجوع کیا جائے گا۔

{5} البتہ جو چیز فسخ کا احتمال نہیں رکھتی ہے اس میں اکراہ عمل نہیں کرتا ہے اور نذر چونکہ فسخ کا احتمال نہیں رکھتی ہے اس لیے اس میں اکراہ اثر نہیں کرے گا مثلاً کسی پر زبردستی کی گئی کہ روزہ یا حج کو اپنے اوپر لازم کر دو، اس نے لازم کر دیا تو لازم ہو جائے گا، اور جو کچھ مجبور شخص پر لازم آئے وہ اکراہ کرنے والے سے واپس نہیں لے سکتا؛ کیونکہ دنیا میں ناذر سے نذر کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تو اکراہ کرنے والے سے بھی دنیا میں اس تاوان کا مطالبہ نہ ہوگا؛ کیونکہ جو کچھ اس نے ناذر پر لازم کیا ہے یہ تاوان اس سے زائد چیز ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

{6} یہی حال قسم اور ظہار کا ہے مثلاً کسی کو قسم کھانے پر مجبور کیا گیا یا اپنی بیوی سے ظہار کرنے پر مجبور کیا گیا تو ان میں بھی اکراہ مؤثر نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ دونوں بھی قابل فسخ نہیں ہیں اور جو قابلِ فسخ نہ ہو اس میں اکراہ اثر نہیں کرتا ہے لہٰذا اکراہ کے ساتھ قسم اور ظہار دونوں صحیح ہوں گے۔ اور یہی حکم طلاق سے رجوع کرنے، اپنی بیوی سے ایلاء کرنے، اور ایلاء میں بیوی کی جانب زبانی رجوع کرنے کا ہے کہ اکراہ کے ساتھ یہ صحیح ہیں؛ کیونکہ ان میں بھی اکراہ مؤثر نہیں ہے؛ کیونکہ یہ چیزیں بطورِ ہزل و مذاق صحیح ہو جاتی ہیں اور جو چیز ہزل کے ساتھ صحیح ہو وہ فسخ کا احتمال نہیں رکھتی ہے اس لیے ایسی چیز اکراہ کے ساتھ صحیح ہوگی۔ اور خلع دینا بھی شوہر کی جانب فی المآل طلاق ہے یا فی الحال شرط و جزاء موجود ہونے کی وجہ سے قسم ہے تو اس میں بھی اکراہ مؤثر نہ ہوگا لہٰذا اکراہ کے ساتھ صحیح ہوگا، پس اگر شوہر کو خلع دینے پر مجبور کیا گیا نہ کہ عورت کو تو عورت کے ذمہ بدلِ خلع لازم ہوگا؛ کیونکہ اس نے اپنی رضامندی سے اپنے اوپر بدلِ خلع لازم کیا۔

{7} اگر ایک مرد کو زنا کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے مجبور ہو کر زنا کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زنا کرنے والے مرد پر حد واجب ہوگی، البتہ اس صورت میں حد واجب نہ ہوگی کہ بادشاہ اس کو زنا کرنے پر مجبور کر دے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اکراہ کی صورت میں مطلقاً حد واجب نہ ہوگی اور ہم نے اس کی تفصیل "کتاب الحدود" میں بیان کر دی ہے۔

فتویٰ: صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی: (و لو أكره على الزناء ففعل) أثم (و حد ما لم يكرهه السلطان) فلا يحل لانه المقيم للحد، وهو الحامل له عليه أو بناء على مذهبه (و عندهما لا حد عليه وبه يفتى) و هو استحسان و اليه رجع الامام، و اليه اشار القهستاني وغيره (الدّر المنتقى تحت مجمع الانهر: 48/4)

{1} قَالَ : وَإِذَا أَكْرَهَهُ عَلَى الرِّدَّةِ لَمْ تَبِنْ امْرَأَتُهُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الرِّدَّةَ تَتَعَلَّقُ بِالِاعْتِقَادِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ

فرمایا: اور اگر مجبور کیا گیا ردّت پر تو بائنہ نہ ہوگی اس کی بیوی اس سے؛ کیونکہ ردّت متعلق ہوتی ہے اعتقاد سے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ

لَوْ كَانَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنًّا بِالْإِيمَانِ لَا يَكْفُرُ وَفِي اعْتِقَادِهِ الْكُفْرَ شَكٌّ فَلَا تَثْبُتُ الْبَيْنُونَةُ بِالشَّكِّ ، فَإِنْ قَالَتْ

اگر اس کا دل مطمئن ہو ایمان کے ساتھ تو کافر نہ ہو گا، اور اس کے کفر کے اعتقاد میں شک ہے، پس ثابت نہ ہو گی بینونت شک سے، پس اگر کہا

الْمَرْأَةُ قَدْ بِنْتُ مِنْكَ وَقَالَ هُوَ قَدْ أَظْهَرْتُ ذَلِكَ وَقَلْبِي مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ

عورت نے: کہ میں بائنہ ہو گئی تجھ سے، اور شوہر نے کہا: کہ میں نے ظاہر کیا اس کو حالانکہ میرا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ، تو قول شوہر کا معتبر ہو گا

اسْتِحْسَانًا، لِأَنَّ اللَّفْظَ غَيْرُ مَوْضُوعٍ لِلْفُرْقَةِ وَهِيَ بِتَبَدُّلِ الِاعْتِقَادِ وَمَعَ الْإِكْرَاهِ لَا يَدُلُّ

استحساناً؛ کیونکہ یہ لفظ موضوع نہیں ہے فرقت کے لیے، اور فرقت تبدلِ اعتقاد سے آتی ہے اور اکراہ کے ساتھ یہ لفظ دلالت نہیں کرتا ہے

عَلَى التَّبَدُّلِ فَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ، {2} بِخِلَافِ الْإِكْرَاهِ عَلَى الْإِسْلَامِ حَيْثُ يَصِيرُ بِهِ مُسْلِمًا، لِأَنَّهُ لَمَّا احْتَمَلَ

تبدل پر، پس قول شوہر کا معتبر ہو گا، برخلافِ اسلام پر مجبور کرنے کے کہ وہ ہو جاتا ہے اس سے مسلمان؛ کیونکہ جب اس کا بھی احتمال ہے

وَاحْتَمَلَ رَجَّحْنَا الْإِسْلَامَ فِي الْحَالَيْنِ لِأَنَّهُ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى، وَهَذَا بَيَانُ الْحُكْمِ، أَمَّا فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى

اور اس کا بھی، تو ہم نے ترجیح دی دونوں حالتوں میں؛ کیونکہ اسلام بلند رہتا ہے زیر نہیں ہوتا، اور یہ بیان ہے حکم کا، رہا اس کا اور اللہ کا معاملہ

إِذَا لَمْ يَعْتَقِدْهُ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ، وَلَوْ أُكْرِهَ عَلَى الْإِسْلَامِ حَتَّى حُكِمَ بِإِسْلَامِهِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُقْتَلْ

جب وہ اعتقاد نہ رکھے اس کا تو وہ مسلمان نہیں ہے، اور اگر مجبور کیا گیا اسلام پر حتی کہ حکم دیدیا گیا اس کے اسلام کا پھر وہ پھر گیا، تو قتل نہیں کیا جائے گا

لِتَمَكُّنِ الشُّبْهَةِ وَهِيَ دَارِئَةٌ لِلْقَتْلِ. {3} وَلَوْ قَالَ الَّذِي أُكْرِهَ عَلَى إِجْرَاءِ كَلِمَةِ الْكُفْرِ أَخْبَرْتُ عَنْ أَمْرٍ مَاضٍ

شبہہ پائے جانے کی وجہ سے اور شبہہ دور کرنے والا ہے قتل کو۔ اور اگر کہا اس نے جس کو مجبور کیا گیا کلمۂ کفر کہنے پر: میں نے خبر دی تھی گذشتہ امر کی،

وَلَمْ أَكُنْ فَعَلْتُ بَانَتْ مِنْهُ حُكْمًا لَا دِيَانَةً. لِأَنَّهُ أَقَرَّ أَنَّهُ طَائِعٌ بِإِتْيَانِ مَا لَمْ يُكْرَهْ عَلَيْهِ،

حالانکہ میں نے ایسا نہیں کیا تھا، تو بائنہ ہو جائے گی اس سے حکماً نہ دیانۃً؛ کیونکہ اس نے اقرار کیا کہ وہ خوش دل تھا اس کام پر جس پر مجبور نہیں کیا گیا

وَحُكْمُ هَذَا الطَّائِعِ مَا ذَكَرْنَاهُ. {4} وَلَوْ قَالَ أَرَدْتُ مَا طُلِبَ مِنِّي وَقَدْ خَطَرَ بِبَالِي

اور حکم اس طرح کے خوش دل کا وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے، اور اگر کہا: میں نے ارادہ کیا اسی کا جو طلب کیا گیا مجھ سے، حالانکہ میرے دل میں آئی

الْخَبَرُ عَمَّا مَضَى بَانَتْ دِيَانَةً وَقَضَاءً، لِأَنَّهُ أَقَرَّ أَنَّهُ مُبْتَدِئٌ بِالْكُفْرِ هَازِلٌ بِهِ

امر گذشتہ کی خبر تو بائنہ ہو جائے گی اس کی بیوی دیانۃً اور قضاءً؛ کیونکہ اس نے اقرار کیا کہ وہ کفر کا ابتداء کرنے والا ہے ہازل ہے اس کے ساتھ

حَيْثُ عَلِمَ لِنَفْسِهِ مَخْلَصًا غَيْرَهُ. {5} وَعَلَى هَذَا إِذَا أُكْرِهَ عَلَى الصَّلَاةِ لِلصَّلِيبِ وَسَبِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ

کہ اس نے جان لیا اپنے لیے اس کے علاوہ مخلص۔ اور اسی پر ہے اگر مجبور کیا گیا صلیب کے لیے نماز پڑھنے اور محمد النبی ﷺ کو برا کہنے پر،

فَفَعَلَ وَقَالَ نَوَيْتُ بِهِ الصَّلَاةَ لِلَّهِ تَعَالَى وَمُحَمَّدًا آخَرَ غَيْرَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَانَتْ مِنْهُ قَضَاءً

پس اس نے کر لیا، اور کہا: کہ میں نے نیت کی تھی اللہ کے لیے نماز پڑھنے اور نبی ﷺ کے علاوہ دوسرے محمد کی، تو بائنہ ہو جائے گی اس سے قضاءً

لَا دِيَانَةً، وَلَوْ صَلَّى لِلصَّلِيبِ وَسَبَّ مُحَمَّدًا النَّبِيَّ ﷺ وَقَدْ خَطَرَ بِبَالِهِ الصَّلَاةُ لِلَّهِ تَعَالَى وَسَبَّ غَيْرِ النَّبِيِّ ﷺ

نہ دیانۃً، اور اگر اس نے نماز پڑھی صلیب کے لیے اور برا کہا نبی کو حالانکہ خیال آیا اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نماز پڑھنے اور غیر النبی کو برا کہنے کا

بَانَتْ مِنْهُ دِيَانَةً وَقَضَاءً لِمَا مَرَّ ، وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ زِيَادَةً عَلَى هَذَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تو بائنہ ہو جائے گی اس سے دیانۃً اور قضاءً؛ اس دلیل کی وجہ سے جو گذر چکی۔ اور ہم نے وضاحت کی ہے اس سے زیادہ "کفایۃ المنتہی" میں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**تشریح:۔** {1} اگر ایک شخص نے دوسرے کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا اس نے مجبور ہو کر کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اس کی بیوی اس سے بائنہ نہ ہو گی؛ کیونکہ مرتد ہو جانا تو اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو کافر نہیں ہوتا ہے، اور یہاں اس کے اعتقادِ کفر میں شک ہے کہ واقعی اس کا عقیدہ کفر کا ہے یا نہیں ہے، تو شک کی وجہ سے بینونت ثابت نہ ہو گی اس لیے اس کی بیوی بائنہ نہ ہو گی۔ پھر اگر اس کی بیوی نے کہا کہ میں تجھ سے بائنہ ہو گئی یعنی تیرے دل میں بھی ایسا ہی اعتقاد تھا جیسا تو نے منہ سے کہا تھا لہٰذا تو مرتد ہوا اور میں بائنہ ہو گئی، اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے صرف زبان سے اظہار کیا تھا اس لیے میرا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا تو استحساناً شوہر کا قول قبول ہو گا؛ کیونکہ یہ لفظ (کفر کا کلمہ) زوجین میں فرقت اور جدائی کے لیے موضوع نہیں ہے بلکہ فرقت تو اعتقاد بدل جانے سے لازم آتی ہے اور اکراہ وزبردستی کے ساتھ یہ لفظ کہنا دلیل نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کا اعتقاد بدل گیا لہٰذا شوہر ہی کا قول قبول ہو گا۔

{2} اس کے برخلاف اگر کسی کافر کو مسلمان ہو جانے پر مجبور کیا گیا اور اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو وہ اس سے مسلمان ہو جائے گا؛ کیونکہ جب احتمال ہے کہ وہ دل سے مسلمان ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دل سے مسلمان نہیں ہوا تو ہم نے دونوں حالتوں میں سے اس کے اسلام کو ترجیح دی؛ کیونکہ اسلام بالا رہتا ہے زیر نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کے مقابل پر اس کو ترجیح حاصل ہو گی۔ اور یہ صرف حکم قضاء کا بیان ہے یعنی قاضی اس کے اسلام کا حکم دیدے گا باقی فی مابینہ وبین اللہ وہ مسلمان ہے یا نہیں ہے؟ تو اگر اس نے اسلام کا اعتقاد نہ رکھا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور اگر اسلام پر مجبور کیا گیا حتیٰ کہ اس کے مسلمان ہونے کا حکم دیا گیا پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو ارتداد کی بنا پر اسے قتل نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہاں مرتد نہ ہونے کا شبہہ قائم ہے یعنی ممکن ہے کہ وہ مسلمان نہ ہوا اس لیے مرتد بھی شمار نہ ہو گا، اور شبہہ ایسی چیز ہے جس سے قتل دفع کیا جاتا ہے اس لیے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

{3} اور اگر اس شخص نے جس پر کفر کا کلمہ کہنے کے لیے اکراہ کیا گیا کہا کہ میں نے ایک امر گذشتہ کی خبر دی تھی کہ گذشتہ زمانے میں نے کفر کیا تھا حالانکہ میں نے گذشتہ زمانے میں بھی کفر نہیں کیا تھا تو میری مراد یہ تھی کہ میں گذشتہ زمانے کے بارے میں

ایک جھوٹی خبر دوں تو اس صورت میں قاضی حکم کرے گا کہ اس کی بیوی بائنہ ہو گئی لیکن دیانۃً فیما بینہ و بین اللہ یہ حکم نہ ہوگا؛ اور حکم قاضی کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس امر کا اقرار کیا کہ اس نے خوشی سے ایسا لفظ بولا جس پر اسے مجبور نہیں کیا گیا تھا یعنی اپنے کفر کی خبر دی جس پر اسے مجبور نہیں کیا ہے تو یہ اپنے کفر کا اقرار ہے اور اس کا اپنا جھوٹا ہونے کا دعوی قبول نہ ہوگا لہذا جو شخص اس طرح بخوشی کہے اس کا یہی حکم ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ قاضی اس کی بیوی کے بائنہ ہونے کا حکم کرے گا البتہ دیانۃً بائنہ نہ ہوگی۔

{4} اور اگر اس نے کہا کہ اکراہ کرنے والے نے جو کچھ مجھ سے مطالبہ کیا میں نے اسی کا ارادہ کیا یعنی انشاء کفر کا ارادہ کیا البتہ میرے دل میں گذشتہ زمانہ کی خبر آئی تو اس کی بیوی قضاءً اور دیانۃً ہر دو اعتبار سے بائنہ ہو جائے گا؛ کیونکہ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ہزل کے طور پر ابتداءً کفر کیا؛ کیونکہ اس نے اپنی ذات کے لیے ابتداءً کفر کرنے کے علاوہ بھی ایک راہ پائی تھی وہ یہ کہ اپنے گذشتہ زمانے کے کفر کی خبر دینے کا ارادہ کر لیتا تو کفر سے بچ جاتا مگر پھر بھی اس نے وہی ارادہ کیا جو مکرِہ کی مراد تھی تو اس کی بیوی دیانۃً بھی بائنہ ہو جائے گی۔

{5} اسی طرح اگر کسی مسلمان کو صلیب (عیسائیوں کے عقیدہ میں وہ لکڑی جس پر حضرت عیسی علیہ السلام کو سولی دی گئی) کے لیے نماز پڑھنے پر مجبور کیا گیا، یا محمد ﷺ کو برا بھلا کہنے کے لیے مجبور کیا گیا پس اس نے ایسا کیا، اور پھر کہا کہ میں نے نماز میں اللہ کے لیے نیت کی تھی اور بدگوئی میں سوائے محمد ﷺ کے دوسرے محمد نامی شخص کی نیت کی تھی، تو قضاءً (حکم قاضی میں) اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی مگر دیانۃً بائنہ نہیں ہوگی۔ اور اگر اس نے صلیب کے لیے نماز پڑھی اور محمد ﷺ کو برا بھلا کہا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی نماز کا اور حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے بدگوئی کا فقط خیال آیا تو اس کی بیوی قضاءً اور دیانۃً ہر دو اعتبار سے بائنہ ہو جائے گی؛ دلیل وہی ہے جو اوپر گذر چکی۔ صاحبِ ہدایہ "فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی تصنیف "کفایۃ المنتہی" میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کو لکھا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## كِتَابُ الْحَجْرِ

یہ کتاب حجر کے بیان میں ہے۔

حجر کا لغوی معنی روکنا اور منع کرنا ہے اور اصطلاح میں منع کے تین اسباب (صغر، رقیت اور جنون) میں سے کسی سبب سے تصرفات کو کسی حد پر رکھ کر زائد اختیارات سے منع کرنے کو کہتے ہیں۔ محجور وہ شخص ہے جس کو تصرف سے منع کیا گیا ہو اور اس کے مقابل ماذون ہے جس کو تصرف کی اجازت دی گئی ہو۔

"کتاب الحجر" کی "کتاب الاکراہ" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ حجر اور اکراہ دونوں میں ولایتِ تصرف کو سلب کیا جاتا ہے، البتہ اکراہ میں قادر شخص کی ولایت سلب کی جاتی ہے جبکہ حجر میں ناقص القدرت شخص کی ولایت سلب کی جاتی ہے لہٰذا اکراہ کا سلب حجر کے سلب سے قوی ہے اور قوی تقدیم کا حقدار ہوتا ہے اس لیے اکراہ کو پہلے بیان کیا۔

{1}قَالَ :الْأَسْبَابُ الْمُوجِبَةُ لِلْحَجْرِ ثلاثة: الصِّغَرُ، وَالرِّقُّ ، وَالْجُنُونُ ، فَلا يَجُوزُ تَصرُّفُ الصَّغِيرِ إلَّا بِإِذْنِ وَلِيِّهِ

فرمایا: اور حجر کو واجب کرنے والے اسباب تین ہیں، صغر سنی، رقیت اور جنون، پس جائز نہیں بچے کا تصرف مگر اس کے ولی کی اجازت سے،

وَلَا تَصَرُّفُ الْعَبْدِ إلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ ، وَلَا تَصَرُّفُ الْمَجْنُونِ الْمَغْلُوبِ بِحَالٍ ؛ .أَمَّا الصَّغِيرُ

اور نہ غلام کا تصرف مگر اس کے مولیٰ کی اجازت سے، اور جائز نہیں ہے مجنون مغلوب العقل کا تصرف کسی حال میں، بہر حال صغیر تو

فَلِنُقْصَانِ عَقْلِهِ ، غَيْرَ أَنَّ إذْنَ الْوَلِيِّ آيَةُ أَهْلِيَّتِهِ ،{2}وَالرِّقُّ لِرِعَايَةِ حَقِّ الْمَوْلَى

اس کی عقل کے نقصان کی وجہ سے، البتہ ولی کی اجازت علامت ہے اس کی اہلیت کی، اور رقیت تو مولیٰ کے حق کی رعایت کی وجہ سے؛

كَيْ لَا يَتَعَطَّلَ مَنَافِعُ عَبْدِهِ .وَلَا يَمْلِكُ رَقَبَتَهُ بِتَعَلُّقِ الدَّيْنِ بِهِ ، غَيْرَ أَنَّ الْمَوْلَى بِالْإِذْنِ رَضِيَ

تاکہ بے کار نہ ہو جائیں اس کے غلام کے منافع، اور مالک نہیں رہے گا اس کے رقبہ کا تعلق دَین کی وجہ سے اس کے ساتھ، البتہ مولیٰ راضی ہوا اجازت دینے سے

بِفَوَاتِ حَقِّهِ ،{3}وَالْجُنُونُ لَا تُجَامِعُهُ الْأَهْلِيَّةُ فَلَا يَجُوزُ تَصَرُّفُهُ بِحَالٍ ، أَمَّا الْعَبْدُ فَأَهْلٌ فِي نَفْسِهِ

اس کے حق کے فوت ہونے پر، اور جنون کے ساتھ جمع نہیں ہوتی ہے اہلیت، پس جائز نہیں اس کا تصرف کسی حال میں، رہا غلام تو وہ اہل ہے فی نفسہ،

وَالصَّبِيُّ تُرْتَقَبُ أَهْلِيَّتُهُ فَلِهَذَا وَقَعَ الْفَرْقُ . {4}قَالَ : وَمَنْ بَاعَ مِنْ هَؤُلَاءِ شَيْئًا أَوْ اشْتَرَى وَهُوَ يَعْقِلُ

اور بچے کی اہلیت کا انتظار کیا جائے گا، پس اسی لیے واقع ہو فرق۔ فرمایا: جو کوئی فروخت کر دے ان میں سے کوئی چیز یا خرید لے، اور وہ جانتا ہو

الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ أَجَازَهُ إذَا كَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَهُ؛

بیع کو اور اس کا قصد کرتا ہو، تو ولی کو اختیار ہے اگر چاہے تو اجازت دے اس کو اگر ہو اس میں مصلحت، اور اگر چاہے تو فسخ کر دے اس کو؛

لِأَنَّ التَّوَقُّفَ فِي الْعَبْدِ لِحَقِّ الْمَوْلَى فَيَتَخَيَّرُ فِيهِ ، وَفِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ نَظَرًا لَهُمَا

کیونکہ توقف غلام میں تو حق مولیٰ کی وجہ سے ہے، پس اس کو اختیار ہے اس میں، اور بچہ اور مجنون میں ان دونوں کی رعایت سے ہے؛

فَيَتَحَرَّى مَصْلَحَتَهُمَا فِيهِ ،{5}وَلَا بُدَّ أَنْ يَعْقِلَا الْبَيْعَ لِيُوجَدَ رُكْنُ الْعَقْدِ فَيَنْعَقِدُ مَوْقُوفًا

تو دیکھی جائے گی ان دونوں کی مصلحت اس میں، اور ضروری ہے کہ وہ دونوں بیع کو جانتے ہوں تاکہ پایا جائے رکن عقد، اور منعقد ہو جائے موقوف

عَلَى الْإِجَازَةِ ، وَالْمَجْنُونُ قَدْ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يُرَجِّحُ الْمَصْلَحَةَ عَلَى الْمَفْسَدَةِ وَهُوَ الْمَعْتُوهُ

اجازت پر، اور مجنون کبھی بیع کو جانتا ہے اور قصد کرتا ہے اس کا اگرچہ ترجیح نہیں دے سکتا ہے مصلحت کو خرابی پر، اور یہی وہ معتوہ ہے

الَّذِي يَصْلُحُ وَكِيلًا عَنْ غَيْرِهِ كَمَا بَيَّنَّا فِي الْوَكَالَةِ .فَإِنْ قِيلَ : التَّوَقُّفُ عِنْدَكُمْ فِي الْبَيْعِ .أَمَّا الشِّرَاءُ

جو وکیل ہو سکتا ہے غیر کی طرف سے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے وکالت میں۔ اگر کہا جائے کہ توقف تو تمہارے نزدیک بیع میں ہے، رہی خرید

فَالْأَصْلُ فِيهِ النَّفَاذُ عَلَى الْمُبَاشِرِ .قُلْنَا :نَعَمْ إِذَا وُجِدَ نَفَاذًا عَلَيْهِ كَمَا فِي شِرَاءِ الْفُضُولِيِّ ، وَهَاهُنَا لَمْ نَجِدْ نَفَاذًا

تو اصل اس میں نفاذ ہے مباشر پر؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ ہاں اجب پایا جائے نفاذ اس پر جیسا کہ فضولی کی خرید میں، اور یہاں نہیں پایا ہم نے نفاذ کو؛

لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ أَوْ لِضَرَرِ الْمَوْلَى فَوَقَّفْنَاهُ. {6} قَالَ :وَهَذِهِ الْمَعَانِي الثَّلَاثَةُ تُوجِبُ الْحَجْرَ فِي الْأَقْوَالِ دُونَ الْأَفْعَالِ؛

عدم اہلیت یا ضرورتِ مولیٰ کی وجہ سے، تو ہم نے موقوف کر دیا اس کو۔ فرمایا: اور یہ تینوں باتیں واجب کرتی ہیں حجر کو اقوال میں نہ کہ افعال میں؛

لِأَنَّهُ لَا مَرَدَّ لَهَا لِوُجُودِهَا حِسًّا وَمُشَاهَدَةً ، بِخِلَافِ الْأَقْوَالِ ، لِأَنَّ اعْتِبَارَهَا مَوْجُودَةً بِالشَّرْعِ

کیونکہ چارہ نہیں ان سے، ان کے موجود ہونے کی وجہ سے حسًّا اور مشاہدۃً، برخلافِ اقوال کے؛ کیونکہ ان کا اعتبار موجود ہے بذریعہ شرع

وَالْقَصْدُ مِنْ شَرْطِهِ {7} إِلَّا إِذَا كَانَ فِعْلًا يَتَعَلَّقُ بِهِ حُكْمٌ يَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ كَالْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ فَيُجْعَلُ

اور قصد اس کی شرط ہے، مگر یہ کہ وہ فعل ایسا ہو کہ متعلق ہو اس سے ایسا حکم جو دور ہوتا ہو شبہات سے جیسے حدود اور قصاص، پس قرار دیا جائے گا

عَدَمُ الْقَصْدِ فِي ذَلِكَ شُبْهَةً فِي حَقِّ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ {8} قَالَ :وَالصَّبِيُّ وَالْمَجْنُونُ لَا تَصِحُّ عُقُودُهُمَا وَلَا إِقْرَارُهُمَا؛ لِمَا

عدم قصد کو شبہ بچے اور مجنون کے حق میں۔ فرمایا: اور بچے و مجنون دونوں کے عقود نافذ نہیں ہوتے اور نہ ان دونوں کا اقرار؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا ، وَلَا يَقَعُ طَلَاقُهُمَا وَلَا عَتَاقُهُمَا ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { كُلُّ طَلَاقٍ وَاقِعٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ

جو ہم بیان کر چکے، اور نہ واقع ہوگی ان دونوں کی طلاق اور نہ ان دونوں کا اعتاق؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ہر طلاق واقع ہے مگر بچے

وَالْمَعْتُوهِ } وَالْإِعْتَاقُ يَتَمَحَّضُ مَضَرَّةً ، وَلَا وُقُوفَ لِلصَّبِيِّ عَلَى الْمَصْلَحَةِ فِي الطَّلَاقِ بِحَالٍ لِعَدَمِ الشَّهْوَةِ،

اور معتوہ کی طلاق" اور اعتاق خالص مضرت ہے، اور آگاہی نہیں بچے کو مصلحت پر طلاق میں کسی حال میں؛ شہوت نہ ہونے کی وجہ سے،

وَلَا وُقُوفَ لِلْوَلِيِّ عَلَى عَدَمِ التَّوَافُقِ عَلَى اعْتِبَارِ بُلُوغِهِ حَدَّ الشَّهْوَةِ ، فَلِهَذَا لَا يَتَوَقَّفَانِ عَلَى إِجَازَتِهِ

اور نہ ولی کو آگاہی ہے عدم موافقت پر اس کے حدِ شہوت کو پہنچ جانے کے اعتبار پر، پس اسی لیے یہ دونوں موقوف نہیں ہوتے ولی کی اجازت پر،

وَلَا يَنْفُذَانِ بِمُبَاشَرَتِهِ ، بِخِلَافِ سَائِرِ الْعُقُودِ .{9} قَالَ : وَإِنْ أَتْلَفَا شَيْئًا لَزِمَهُمَا ضَمَانُهُ؛

اور نہ یہ دونوں نافذ ہوتے ہیں ولی کی مباشرت سے، برخلاف دیگر عقود کے۔ اور اگر ان دونوں نے تلف کر دی کوئی چیز، تو دونوں پر لازم ہوگا اس کا ضمان:

إِحْيَاءً لِحَقِّ الْمُتْلَفِ عَلَيْهِ ، وَهَذَا لِأَنَّ كَوْنَ الْإِتْلَافِ مُوجِبًا لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَصْدِ كَالَّذِي يَتْلَفُ

زندہ کرتے ہوئے متلف علیہ کے حق کو، اور یہ اس لیے کہ اتلاف کا موجب ہونا موقوف نہیں ہے قصد پر جیسے وہ جو تلف ہو جائے

بِانْقِلَابِ النَّائِمِ عَلَيْهِ وَالْحَائِطِ الْمَائِلِ بَعْدَ الْإِشْهَادِ ، بِخِلَافِ الْقَوْلِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ. {10} قَالَ:

سوئے ہوئے کے کروٹ لینے سے اس پر، اور جھکی دیوار اشہاد کے بعد، بر خلاف قولی تصرف کے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو۔ فرمایا:

فَأَمَّا الْعَبْدُ فَإِقْرَارُهُ نَافِذٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ ؛ لِقِيَامِ أَهْلِيَّتِهِ غَيْرُ نَافِذٍ فِي حَقِّ مَوْلَاهُ ؛ رِعَايَةً لِجَانِبِهِ ،

رہا غلام تو اس کا اقرار نافذ ہے اپنے حق میں؛ اہلیت موجود ہونے کی وجہ سے، نافذ نہیں اس کے مولیٰ کے حق میں؛ اس کی جانب کی رعایت کی وجہ سے؛

لِأَنَّ نَفَاذَهُ لَا يَعْرَى عَنْ تَعَلُّقِ الدَّيْنِ بِرَقَبَتِهِ أَوْ كَسْبِهِ ، وَكُلُّ ذَلِكَ إِتْلَافُ مَالِهِ . قَالَ : فَإِنْ

اس لیے کہ اس کا نفاذ خالی نہیں تعلق دین سے اس کے رقبہ کے ساتھ یا اس کی کمائی کے ساتھ اور یہ سب اتلاف ہے اس کے مال کا، پس اگر

أَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهُ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ ؛ لِوُجُودِ الْأَهْلِيَّةِ وَزَوَالِ الْمَانِعِ وَلَمْ يَلْزَمْهُ فِي الْحَالِ لِقِيَامِ الْمَانِعِ

اس نے اقرار کیا مال کا تو لازم ہوگا اس پر آزادی کے بعد؛ وجود اہلیت اور زوال مانع کی وجہ سے، اور اس پر لازم نہ ہوگا فی الحال؛ قیام مانع کی وجہ سے،

{11} وَإِنْ أَقَرَّ بِحَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهُ فِي الْحَالِ ؛ لِأَنَّهُ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّ الدَّمِ حَتَّى لَا يَصِحُّ

اور اگر اس نے اقرار کیا حد یا قصاص کا، تو لازم ہوگا اس پر فی الحال؛ کیونکہ وہ باقی رکھا گیا ہے اصل حریت پر خون کے حق میں حتی کہ صحیح نہیں ہے

إِقْرَارُ الْمَوْلَى عَلَيْهِ بِذَلِكَ {12} وَيَنْفُذُ طَلَاقُهُ ؛ لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ

مولیٰ کا اقرار اس پر حد یا قصاص کا؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور حضور ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے: "مالک نہیں غلام

وَالْمُكَاتَبُ شَيْئًا إِلَّا الطَّلَاقَ } وَلِأَنَّهُ عَارِفٌ بِوَجْهِ الْمَصْلَحَةِ فِيهِ فَكَانَ أَهْلًا ، وَلَيْسَ فِيهِ

اور مکاتب کسی شئ کے سوائے طلاق کے" اور اس لیے کہ وہ جانتا ہے وجہ مصلحت کو طلاق میں، پس وہ اہل ہے، اور نہیں ہے اس میں

إِبْطَالُ مِلْكِ الْمَوْلَى وَلَا تَفْوِيتُ مَنَافِعِهِ فَيَنْفُذُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ملک مولیٰ کا ابطال، اور نہ فوت کرنا ہے اس کے منافع کو، پس نافذ ہو جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح: ۔ {1} وہ اسباب جو تصرف سے حجر اور منع کو واجب کرتے ہیں وہ تین ہیں صغر سنی، رقیت اور جنون، پس نابالغ کا تصرف منعقد نہیں ہوتا ہے مگر جبکہ اس کا ولی اس کو اجازت دے آج کل جو محلہ کی دوکانوں سے بچے ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں تو وہ چونکہ ولیوں کی اجازت سے ہے اس لیے جائز ہے۔ اور غلام کا تصرف منعقد نہیں ہوتا ہے مگر جبکہ اس کا مولیٰ اس کو اجازت دے۔ اور مجنون مغلوب العقل کا تصرف کسی حال میں منعقد نہیں ہوتا ہے۔ پس نابالغ کا تصرف تو نقصان عقل کی وجہ سے منعقد نہیں ہوتا، البتہ اگر ولی نے اجازت دیدی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں اہلیت تصرف موجود ہے اس لیے اب اس کا تصرف منعقد ہو جاتا ہے۔

{2} اور رقیق میں تصرف سے ممانعت مولیٰ کے حق کی رعایت کی وجہ سے ہے تاکہ اس کے غلام کے منافع معطل اور ضائع نہ ہوجائیں یعنی اگر غلام کو تصرف سے نہ روکا جائے تو وہ خرید وفروخت کرکے مقروض ہوجائے گا جس میں مولیٰ کو اس غلام سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچے گا کہ غلام کی گردن قرضوں میں پھنس کر دوسروں کی ملک میں چلی جائے گی اس کی ملک سے نکل جائے گی، البتہ اگر مولیٰ نے اس کو خود اجازت دیدی تو وہ اپنے حق ضائع ہونے پر خود راضی ہوگیا اس لیے اب اس کو تصرف کا اختیار ہوگا۔

{3} اور جنون ایسی چیز ہے کہ اس کے ساتھ تصرف کی اہلیت جمع نہیں ہوتی ہے یعنی مجنون کسی حال میں عقلی تصرف کا اہل نہیں رہتا ہے اس لیے اس کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ رہا غلام تو وہ بذاتِ خود فی الحال تصرف کا اہل ہے، اور نابالغ میں فی الحال تصرف کی اہلیت نہیں ہے البتہ مستقبل میں اس کی اہلیت کا انتظار ہے پس اس تفصیل سے غلام، نابالغ اور مجنون میں فرق ظاہر ہوگیا

{4} اگر ان تینوں (نابالغ، غلام اور وہ مجنون جس کو کبھی افاقہ بھی ہوجاتا ہے) میں سے کسی نے کوئی چیز فروخت کردی یا کوئی چیز خریدلی حالانکہ وہ بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہے تو اس کے ولی کو اختیار ہے چاہے تو اس کی خرید وفروخت کی اجازت دیدے بشرطیکہ اس میں بہتری ہو اور اگر چاہے تو اس کی خرید وفروخت کو فسخ کردے؛ کیونکہ غلام کے تصرف میں حق مولیٰ کی وجہ سے توقف تھا تو مولیٰ کو اختیار دیا گیا کہ اس کے تصرف کو جائز رکھے یا فسخ کردے۔ اور نابالغ اور مجنون کی صورت میں ان کی رعایت کے لیے توقف تھا تو ولی ان کے حق میں تصرف کی بہتری دیکھے گا اگر ان کے حق میں بہتر ہو تو جائز رکھے ورنہ فسخ کردے۔

{5} پھر یہ شرط ہے کہ عقد کے وقت یہ لوگ (بچہ اور مجنون) بیع کو سمجھتے ہوں تاکہ عقد کا رکن (تملیک) پایا جائے پس اس عقد کا انعقاد ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور مجنون جو کبھی کبھار تندرست ہوتا ہو وہ بھی کبھی بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہے اگرچہ بہتری کو برائی پر ترجیح نہیں دے سکتا ہے اور یہی وہ معتوہ (ناقص العقل) ہے جو غیر کی طرف سے وکیل ہوسکتا ہے جیسا کہ ہم نے وکالت میں بیان کیا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ توقف تو تمہارے نزدیک بیع میں ہے اور رہی خرید تو اس میں اصل یہ ہے کہ خریدار مباشر پر نافذ ہوجائے گی اس میں توقف نہیں ہے حالانکہ آپ نے شراء کو بھی موقوف قرار دیا ہے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ جی ہاں ضابطہ یہی ہے مگر شرط یہ ہے کہ مباشر پر وہ نفاذ پایا جائے جیسے فضولی کی خرید میں خرید فضولی پر نافذ ہوتی ہے موقوف نہیں ہوتی ہے یعنی شراء کا نفاذ اس مباشر کے حق میں پایا جاتا ہے جس میں عقد کرنے کی اہلیت موجود ہو جبکہ یہاں نابالغ اور مجنون میں عقد کی اہلیت نہیں ہے اور غلام کے حق میں شراء کو نافذ کرنے میں اس کے مولیٰ کا ضرر ہے لہٰذا ہم نے ان کے عقد کو موقوف رکھا۔

{6} پھر یہ تینوں باتیں (صغر، رقیت اور جنون) صرف اقوال میں حجر کو واجب کرتی ہیں افعال میں حجر واجب نہیں کرتی لہٰذا؛ کیونکہ افعال سے چارہ نہیں ہے پس ان کے موجود کو معدوم نہیں فرض کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ وہ محسوس ومشاہد کے

طور پر موجود ہوتے ہیں حتی اگر بچہ، یا غلام یا مجنون کسی کا مال تلف کردے تو فی الحال تاوان واجب ہوگا۔ بخلاف اقوال کے؛ کیونکہ ان کے اقوال کے موجود ہونے کا اعتبار شریعت کے ذریعہ ہوتا ہے مثلاً طلاق دینے سے محل میں کوئی اثر محسوس نہیں کیا جاتا ہے مگر شریعت کا حکم ہے کہ محل حرام ہوجاتا ہے، حالانکہ شریعت نے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا ہے؛ کیونکہ وجودِ اقوال کے اعتبار کے لیے قصد شرط ہے جبکہ بچے اور مجنون کا قصد قصورِ عقل کی وجہ سے نہیں ہے اور غلام میں اگرچہ قصد ہے لیکن مولیٰ پر بے اختیار ضرر لازم آنے کی وجہ سے اس کا قصد معتبر نہیں ہے، پس ان کے موجود قول کو معدوم قرار دیا جائے گا جبکہ افعال میں سے موجود کو معدوم نہیں قرار دیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ وہ محسوس اور مشاہد ہیں۔

{7} بہر حال مذکورہ تینوں اسباب سے افعال میں حجر لازم نہیں آتا ہے یعنی ان کے افعال معتبر ہیں البتہ اگر ان سے ایسا فعل صادر ہو جس سے ایسا حکم متعلق ہو جو شبہات سے دور کیا جاتا ہے جیسے حدود اور قصاص تو ایسے فعل میں قصد نہ ہونا بچے اور مجنون کے حق میں شبہہ قرار دیا جائے گا لہٰذا اس پر جو حکم (حد اور قصاص) مرتب ہوتا ہے اس کو دور کیا جائے گا یعنی ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

{8} بچے یا مجنون کا کوئی عقد یا اقرار منعقد نہیں ہوتا ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کرچکے کہ ان میں عقل اور قصد نہیں ہے، اور ان دونوں کا اپنی بیوی کو طلاق دینا یا اپنے غلام کو آزاد کرنا واقع نہ ہوگا؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ہر طلاق واقع ہوتی ہے سوائے بچے اور معتوہ کی طلاق کے [1]"۔ اور غلام کو آزاد کرنا محض ضرر ہے اس لیے ان کا غلام آزاد نہ ہوگا۔ اور بچہ طلاق میں کسی حال میں مصلحت پر مطلع نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اس میں شہوت نہیں ہے تو وہ نہیں جان سکتا ہے کہ طلاق دینے میں مصلحت ہے یا ضرر ہے۔ اور بچے کا ولی بھی اس بات پر مطلع نہیں ہوسکتا کہ بچے اور اس کی بیوی میں موافقت نہ ہوگی بچے کے حدِ شہوت کو پہنچنے کے اعتبار پر یعنی بالغ ہونے کے بعد دونوں میں موافقت نہ ہونا اس کے ولی کو بھی معلوم نہیں ہوسکتا لہٰذا ولی کی اجازت پر طلاق یا اعتاق موقوف نہیں ہوتا اسی وجہ سے ولی کے خود کرنے سے بھی بچے اور مجنون کی بیوی کی طلاق اور غلام کی آزادی نافذ نہ ہوگی، برخلاف دیگر عقود کے یعنی خرید و فروخت وغیرہ کا حکم طلاق اور عتاق کے برخلاف ہے؛ کیونکہ ان میں ولی کا مصلحت پر مطلع ہونا ممکن ہے۔

---

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَأَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ فِي الطَّلَاقِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ، إلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ"، انْتَهَى. وَقَالَ: حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ، ذَاهِبُ الْحَدِيثِ، انْتَهَى.........وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، وَجَرِيرٍ كِلَاهُمَا عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، قَالَ: أُتِيَ عُمَرُ بِامْرَأَةٍ قَدْ فَجَرَتْ، فَأَمَرَ بِرَجْمِهَا، فَأَتَى عَلِيٌّ، فَأَخَذَهَا، فَخَلَّى سَبِيلَهَا، فَأُخْبِرَ عُمَرُ، فَقَالَ: اُدْعُوا لِي عَلِيًّا، فَجَاءَ، فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ: عَنْ الصَّبِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ، وَعَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنْ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَبْرَأَ"، وَأَنَّ هَذِهِ مَعْتُوهَةُ بَنِي فُلَانٍ، لَعَلَّ الَّذِي أَتَاهَا أَتَاهَا وَهِيَ فِي بَلَائِهَا، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: لَا أَدْرِي، فَقَالَ عَلِيٌّ: وَأَنَا أَدْرِي، (نصب الراية: 288/4)

{9} اگر بچے یا مجنون نے کسی کی کوئی چیز تلف کر دی تو دونوں پر اس کا ضمان واجب ہو گا یہ اس لیے تا کہ جس کا مال تلف ہوا ہے اس کا حق ضائع نہ ہو اور اس کی وجہ یہ کہ اتلاف کا موجبِ ضمان ہونا قصد پر موقوف نہیں ہے جیسے سوتا ہوا شخص اگر کسی چیز پر گر پڑے اور اس کو تلف کر دے تو سوتا شخص اس کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح جس شخص کی دیوار جھکی ہوئی ہو اگر اس کو گواہوں کے سامنے اطلاع دیدی گئی اور اس نے بندوبست نہ کیا یہاں تک کہ وہ گر گئی اور کوئی چیز اس سے تلف ہو گئی تو دیوار کا مالک ضامن ہوتا ہے حالانکہ اس اتلاف میں اس کا قصد نہیں ہے معلوم ہوا کہ تلف کرنا قصد پر موقوف نہیں، باقی قولی تصرف اس کے برخلاف ہے کہ اس میں قصد شرط ہے چنانچہ ہم نے سابق میں بیان کر دیا ہے۔

{10} رہا غلام تو اس نے اگر کسی کے حق کا اقرار کیا تو اس کا اقرار اپنے حق میں نافذ ہے؛ کیونکہ اس میں اقرار کی اہلیت موجود ہے اس لیے کہ وہ عاقل بالغ ہے، اور غلام کا اقرار اپنے مولیٰ کے حق میں نافذ نہیں ہے یعنی اگر غلام نے اقرار کیا کہ میں نے زید کا ہزار روپیہ کا مال تلف کر دیا تو مذکورہ غلام سے آزاد ہونے کے بعد مواخذہ ہو گا فی الحال جانبِ مولیٰ کی رعایت کی وجہ سے اس کا مواخذہ نہ ہو گا؛ کیونکہ اس اقرار کا نافذ ہونا غلام کے رقبہ یا اس کی کمائی سے قرضہ متعلق ہو جانے سے خالی نہیں ہے اور ان دونوں صورتوں میں مولیٰ کے مال کا اتلاف لازم آتا ہے اس لیے غلام کا اقرار اپنے مولیٰ کے حق میں نافذ نہیں ہے۔

پس اگر غلام نے کسی کے لیے مال کا اقرار کیا تو یہ مال اس کے آزاد ہونے کے بعد اس پر لازم ہو گا؛ کیونکہ اس میں اقرار کی اہلیت موجود ہے اور آزادی کے بعد مانع (حقِ مولیٰ) زائل ہو گیا اور فی الحال اس پر لازم نہ ہو گا؛ کیونکہ مانع (مولیٰ کا حق) موجود ہے۔

{11} اور اگر غلام نے اپنے اوپر حد یا قصاص کا اقرار کیا تو فی الحال لازم ہو گا؛ کیونکہ قصاص کے حق میں غلام کو اپنی اصل آزادی پر باقی رکھا گیا ہے یعنی وہ آزاد شمار ہے؛ کیونکہ حد اور قصاص آدمیت کے خواص میں سے ہیں اور آدمیت کے اعتبار سے وہ مملوک نہیں ہے بلکہ مال کے اعتبار سے مملوک ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام پر حد یا قصاص کا اقرار کیا تو صحیح نہ ہو گا۔

{12} اور غلام کا طلاق دینا نافذ ہو جائے گا؛ بدلیل اس حدیث کے جو ہم نے روایت کی کہ بچے اور معتوہ کے علاوہ ہر کسی کی طلاق واقع ہوتی ہے لہٰذا غلام کی طلاق بھی نافذ ہو گی۔ دوسری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "غلام اور مکاتب کو کسی شی کی ملکیت حاصل نہیں ہے سوائے طلاق کے"[1] لہٰذا غلام کی طلاق نافذ ہو گی۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ طلاق میں غلام اپنی مصلحت کو پہچانتا ہے تو اس

---

(1) علامہ زیلعی فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَ ابْنُ مَاجَهْ فِي سُنَنِهِ فِي الطَّلَاقِ عَنْ ابْنِ لَهِيعَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَيُّوبَ الْغَافِقِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إنَّ سَيِّدِي زَوَّجَنِي أَمَتَهُ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا، قَالَ: فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ، وَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا بَالُ أَحَدِكُمْ يُزَوِّجُ عَبْدَهُ أَمَتَهُ، ثُمَّ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا، إنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ" ، انْتَهَى. وَابْنُ لَهِيعَةَ ضَعِيفٌ، وَأَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ بَقِيَّةَ عَنْ

کو طلاق کی اہلیت حاصل ہے اور اس میں مِلک مولیٰ یا اس کے منافع کا ابطال بھی نہیں ہے اس لیے اس کی طلاق نافذ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بَابُ الْحَجْرِ لِلْفَسَادِ

یہ باب فساد کی وجہ سے مجور کرنے کے بیان میں ہے۔

اس باب کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ باب میں حجر متفق علیہ ہے جبکہ اس باب کے حجر میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فساد کی وجہ سے کسی کو تصرف سے نہیں روکا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک روکا جائے گا، بہر حال متفق علیہ امر تقدیم کا زیادہ حقدار ہے اس لیے "بابُ الحجر للفساد" کو اس سے مؤخر کر دیا۔

{1}قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يُحْجَرُ عَلَى الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ السَّفِيهِ، وَتَصَرُّفُهُ فِي مَالِهِ جَائِزٌ وَإِنْ كَانَ مُبَذِّرًا مُفْسِدًا
امام صاحبؒ فرماتے ہیں: حجر نہیں کیا جائے گا حر، عاقل، بالغ سفیہ پر، اور اس کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگر چہ وہ فضول خرچ مفسد ہو

يُتْلِفُ مَالَهُ فِيمَا لَا غَرَضَ لَهُ فِيهِ وَلَا مَصْلَحَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ
تلف کرتا ہو اپنا مال ان چیزوں میں جن میں نہ کوئی غرض ہو اس کی اور نہ مصلحت، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے:

يُحْجَرُ عَلَى السَّفِيهِ وَيُمْنَعُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِي مَالِهِ؛ لِأَنَّهُ مُبَذِّرٌ مَالَهُ بِصَرْفِهِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي
حجر کیا جائے گا سفیہ پر اور روکا جائے گا تصرف سے اپنے مال میں؛ کیونکہ وہ فضول خرچ ہے اپنے مال میں نہیں خرچ کرتا ہے اس کو اس راہ پر

يَقْتَضِيهِ الْعَقْلُ فَيُحْجَرُ عَلَيْهِ نَظَرًا لَهُ اعْتِبَارًا بِالصَّبِيِّ بَلْ أَوْلَى، لِأَنَّ
جس کا تقاضا کرتی ہے عقل، پس حجر کیا جائے گا اس پر اس کی رعایت کے لیے قیاس کرتے ہوئے بچے پر بلکہ بطریقہ اولیٰ؛ اس لیے کہ

الثَّابِتَ فِي حَقِّ الصَّبِيِّ احْتِمَالُ التَّبْذِيرِ وَفِي حَقِّهِ حَقِيقَتُهُ وَلِهَذَا مُنِعَ عَنْهُ الْمَالُ،
بچے کے حق میں ثابت احتمالِ فضول خرچی ہے، اور اس کے حق میں حقیقۃً فضول خرچی ثابت ہے، اور اسی لیے روک دیا گیا ہے اس سے اس کا مال،

ثُمَّ هُوَ لَا يُفِيدُ بِدُونِ الْحَجْرِ لِأَنَّهُ يُتْلِفُ بِلِسَانِهِ مَا مُنِعَ مِنْ يَدِهِ. {2}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ
پھر ممانعت مفید نہیں بغیر حجر کے؛ کیونکہ تلف کر دے گا اپنی زبان سے وہ چیز جو روکی گئی ہے اس کے ہاتھ سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

---

أَبِي الْحَجَّاجِ الْمَهْرِيُّ، وَبَقِيَّةُ غَالِبِ شُيُوخِهِ مَجَاهِيلُ، وَهَذَا مِنْهُمْ، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ عَنْ عِصْمَةَ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: جَاءَ مَمْلُوكٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ سَيِّدِي زَوَّجَنِي أَمَتَهُ، الْحَدِيثَ.(نصب الراية:4/390)

مُخَاطَبٌ عَاقِلٌ فَلَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ اعْتِبَارًا بِالرَّشِيدِ ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي سَلْبِ وِلَايَتِهِ
کہ وہ مخاطب اور عاقل ہے پس حجر نہیں کیا جائے گا اس پر؛ قیاس کرتے ہوئے راہ یاب پر، اور یہ اس لیے کہ اس کی ولایت سلب کرنے میں

إِهْدَارُ آدَمِيَّتِهِ وَإِلْحَاقُهُ بِالْبَهَائِمِ وَهُوَ أَشَدُّ ضَرَرًا مِنَ التَّبْذِيرِ فَلَا يَتَحَمَّلُ الْأَعْلَى لِدَفْعِ الْأَدْنَى ، حَتَّى لَوْ كَانَ
مٹانا ہے اس کی آدمیت، اور ملا دینا ہے اس کو جانور کے ساتھ پس نہیں اٹھایا جائے گا اعلیٰ ضرر ادنیٰ ضرر دور کرنے کے لیے، حتی کہ اگر ہو

فِي الْحَجْرِ دَفْعُ ضَرَرٍ عَامٍّ كَالْحَجْرِ عَلَى الْمُتَطَبِّبِ الْجَاهِلِ وَالْمُفْتِي الْمَاجِنِ وَالْمُكَارِي الْمُفْلِسِ جَازَ فِيمَا
حجر میں دفع کرنا ضرر عام کا جیسے حجر جاہل طبیب پر، اور بے پرواہ مفتی پر، اور کرایہ پر دینے والا مفلس، تو جائز ہے اس روایت کے مطابق جو مروی ہے

يُرْوَى عَنْهُ، إِذْ هُوَ دَفْعُ ضَرَرِ الْأَعْلَى بِالْأَدْنَى {3} وَلَا يَصِحُّ الْقِيَاسُ عَلَى مَنْعِ الْمَالِ لِأَنَّ الْحَجْرَ أَبْلَغُ مِنْهُ فِي الْعُقُوبَةِ،
امام صاحبؒ سے؛ کیونکہ یہ ضرر اعلیٰ کو دفع کرنا ہے ادنیٰ سے۔ اور صحیح نہیں ہے قیاس کرنا مال روکنے پر؛ کیونکہ مجور کرنا بڑھ کر ہے اس سے سزا میں،

وَلَا عَلَى الصَّبِيِّ لِأَنَّهُ عَاجِزٌ عَنِ النَّظَرِ لِنَفْسِهِ ، وَهَذَا قَادِرٌ عَلَيْهِ نَظَرَ لَهُ الشَّرْعُ مَرَّةً بِإِعْطَاءِ آلَةِ الْقُدْرَةِ
اور نہ بچے پر؛ کیونکہ وہ عاجز ہے اپنے لیے بہتری کی فکر سے، اور یہ قادر ہے اس پر، رعایت کی ہے اس پر شرع نے آلاتِ قدرت دے کر،

وَالْجَرْيُ عَلَى خِلَافِهِ لِسُوءِ اخْتِيَارِهِ ، {4} وَمَنْعُ الْمَالِ مُفِيدٌ لِأَنَّ غَالِبَ السَّفَهِ فِي الْهِبَاتِ وَالصَّدَقَاتِ
اور اس کے خلاف چلنا اس کی بد اختیاری کی وجہ سے ہے، اور مال روکنا مفید ہے؛ کیونکہ اکثر بے وقوفی ہوں، تبرعات اور صدقات میں ہوتی ہے،

وَذَلِكَ يَقِفُ عَلَى الْيَدِ . {5} قَالَ : وَإِذَا حَجَرَ الْقَاضِي عَلَيْهِ ثُمَّ رُفِعَ إِلَى قَاضٍ آخَرَ فَأَبْطَلَ حَجْرَهُ
اور یہ موقوف ہے قبضہ پر۔ فرمایا: اور اگر حجر کیا قاضی نے اس پر، پھر رفع کیا دوسرے قاضی کی طرف، پس اس نے ختم کر دیا اس کے حجر کو،

وَأَطْلَقَ عَنْهُ جَازَ ؛ لِأَنَّ الْحَجْرَ مِنْهُ فَتْوَى وَلَيْسَ بِقَضَاءٍ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ الْمَقْضِيُّ لَهُ وَالْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ،
اور اجازت دیدی اس کو، تو جائز ہے؛ کیونکہ حجر قاضی کی طرف سے فتویٰ ہے، اور قضاء نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ نہیں پایا گیا مدعی اور مدعی علیہ،

وَلَوْ كَانَ قَضَاءً فَنَفْسُ الْقَضَاءِ مُخْتَلَفٌ فِيهِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِمْضَاءِ، حَتَّى لَوْ رُفِعَ تَصَرُّفُهُ بَعْدَ الْحَجْرِ إِلَى الْقَاضِي الْحَاجِرِ
اور اگر قضاء ہی ہو تو نفسِ قضاء مختلف فیہ ہے، پس ضروری ہے نافذ کرنا حتی کہ اگر مرافعہ کیا گیا اس کے کسی تصرف کا حجر کے بعد حاجر قاضی

أَوْ إِلَى غَيْرِهِ فَقَضَى بِبُطْلَانِ تَصَرُّفِهِ ثُمَّ رُفِعَ إِلَى قَاضٍ آخَرَ نَفَذَ إِبْطَالُهُ
یا دوسرے قاضی کے پاس، اور اس نے حکم کیا اس کے تصرف کے بطلان کا، پھر مرافعہ کیا گیا دوسرے قاضی کے پاس، تو وہ نافذ ہو گا اس کا ابطال؛

لِاتِّصَالِ الْإِمْضَاءِ بِهِ فَلَا يَقْبَلُ النَّقْضَ بَعْدَ ذَلِكَ {6} ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ
بوجہ اتصال امضاء قاضی کا اس کے ساتھ، پس قبول نہیں کرے گا وہ ٹوٹنے کو اس کے بعد۔ پھر امام صاحبؒ کے نزدیک جب بالغ ہو جائے لڑکا

غَيْرَ رَشِيدٍ لَمْ يُسَلَّمْ إِلَيْهِ مَالُهُ حَتَّى يَبْلُغَ خَمْسًا وَعِشْرِينَ سَنَةً ، فَإِنْ تَصَرَّفَ فِيهِ قَبْلَ ذَلِكَ

بے وقوفی کی حالت میں، تو نہیں دیا جائے گا اس کو اس کا مال حتی کہ وہ پہنچ جائے پچیس سال کو، پس اگر اس نے تصرف کیا اس میں اس سے پہلے

نَفَذَ تَصَرُّفُهُ ، فَإِذَا بَلَغَ خَمْسًا وَعِشْرِينَ سَنَةً يُسَلَّمُ إِلَيْهِ مَالُهُ وَإِنْ لَمْ يُؤْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ .وَقَالَا:

تو نافذ ہوگا اس کا تصرف، پس جب پہنچ جائے پچیس سال کو، تو دیدیا جائے گا اس کو اس کا مال اگرچہ ظاہر نہ ہو اس سے سمجھداری۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں

لَا يُدْفَعُ إِلَيْهِ مَالُهُ أَبَدًا حَتَّى يُؤْنَسَ مِنْهُ رُشْدُهُ ، وَلَا يَجُوزُ تَصَرُّفُهُ فِيهِ ؛ لِأَنَّ عِلَّةَ الْمَنْعِ

کہ نہیں دیا جائے گا اس کو اس کا مال کبھی، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے اس کی سمجھداری، اور جائز نہیں ہے اس کا تصرف اس میں؛ کیونکہ منع کی علت

السَّفَهُ فَيَبْقَى مَا بَقِيَ الْعِلَّةُ وَصَارَ كَالصِّبَا .{7}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ مَنْعَ الْمَالِ عَنْهُ بِطَرِيقِ التَّأْدِيبِ،

بے وقوفی ہے، پس باقی رہے گا جب تک کہ علت باقی ہو، اور ہو گا بچپن کی طرح۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال روکنا اس سے بطورِ تادیب ہے،

وَلَا يَتَأَدَّبُ بَعْدَ هَذَا ظَاهِرًا وَغَالِبًا ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ قَدْ يَصِيرُ جَدًّا فِي هَذَا السِّنِّ فَلَا فَائِدَةَ فِي الْمَنْعِ

اور ادب نہیں حاصل کرتا اس مدت کے بعد ظاہراً وغالباً، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کبھی وہ دادا بن جاتا ہے اس عمر میں، پس فائدہ نہیں روکنے کا،

فَلَزِمَ الدَّفْعُ ، وَلِأَنَّ الْمَنْعَ بِاعْتِبَارِ أَثَرِ الصِّبَا وَهُوَ فِي أَوَائِلِ الْبُلُوغِ وَيَنْقَطِعُ بِتَطَاوُلِ الزَّمَانِ

اس لیے دینا لازم ہوا، اور اس لیے کہ منع اثرِ بچپن کے اعتبار سے ہے، اور وہ شروعِ بلوغ میں ہوتا ہے، اور منقطع ہو جاتا ہے زمانہ گذرنے سے،

فَلَا يَبْقَى الْمَنْعُ ، وَلِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : لَوْ بَلَغَ رَشِيدًا ثُمَّ صَارَ سَفِيهًا لَا يُمْنَعُ

پس باقی نہیں رہے گا منع، اور اسی لیے کہا ہے امام صاحبؒ نے: اگر بالغ ہوا حالتِ سمجھداری میں پھر ہو گیا بے وقوف، تو نہیں روکا جائے گا

الْمَالُ عَنْهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَثَرِ الصِّبَا .{8}ثُمَّ لَا يَتَأَتَّى التَّفْرِيعُ عَلَى قَوْلِهِ وَإِنَّمَا التَّفْرِيعُ عَلَى قَوْلِ مَنْ يَرَى الْحَجْرَ.

مال اس سے؛ کیونکہ یہ اثر نہیں ہے بچپن کا، پھر تفریع نہیں ہو سکتی ہے امام صاحبؒ کے قول پر، بلکہ تفریع اسی کے قول پر ہے جو حجر کو جائز سمجھتا ہے،

فَعِنْدَهُمَا لَمَّا صَحَّ الْحَجْرُ لَا يَنْفُذُ بَيْعُهُ إِذَا بَاعَ تَوْفِيرًا لِفَائِدَةِ الْحَجْرِ عَلَيْهِ،

پس صاحبینؒ کے نزدیک جب صحیح ہے حجر تو نافذ نہ ہو گی اس کی بیع جب وہ فروخت کر دے پورا فائدہ حاصل کرنے کے لیے اس پر حجر کا،

وَإِنْ كَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ أَجَازَهُ الْحَاكِمُ لِأَنَّ رُكْنَ التَّصَرُّفِ قَدْ وُجِدَ وَالتَّوَقُّفُ لِلنَّظَرِ لَهُ وَقَدْ نُصِّبَ الْحَاكِمُ

اور اگر ہو اس میں مصلحت تو اجازت دے اس کی حاکم؛ کیونکہ رکنِ تصرف پایا گیا، اور توقف اس کی رعایت کے لیے تھا، اور حاکم مقرر کیا گیا ہے

نَاظِرًا لَهُ فَيَتَحَرَّى الْمَصْلَحَةَ فِيهِ ، كَمَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَيَقْصِدُهُ .{9}وَلَوْ بَاعَ

رعایت کرنے والا اس کی، پس وہ دیکھے گا مصلحت کو اس میں جیسا کہ اس بچے میں جو جانتا ہے بیع کو اور قصد کرتا ہے اس کا۔ اور اگر اس نے فروخت کیا

قَبْلَ حَجْرِ الْقَاضِي جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حَجْرِ الْقَاضِي عِنْدَهُ ، لِأَنَّ الْحَجْرَ دَائِرٌ

حجر قاضی سے پہلے تو جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک؛ کیونکہ ضروری ہے قاضی کا حجر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک؛ کیونکہ حجر دائر ہے

بَيْنَ الضَّرَرِ وَالنَّظَرِ وَالْحَجْرُ لِنَظَرِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ فِعْلِ الْقَاضِي . {10} وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَجُوزُ

ضرر اور نظر کے درمیان، اور حجر کرنا اس کی رعایت کے لیے ہے، پس ضروری ہے قاضی کا فعل، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے؛

لِأَنَّهُ يَبْلُغُ مَحْجُورًا عِنْدَهُ، إِذِ الْعِلَّةُ هِيَ السَّفَهُ بِمَنْزِلَةِ الصِّبَا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا بَلَغَ رَشِيدًا ثُمَّ صَارَ سَفِيهًا

کیونکہ وہ بالغ ہوا ہے مجور ہی امام محمدؒ کے نزدیک؛ اس لیے کہ علت تو بے وقوفی ہی ہونا ہے بچپن کی طرح، اور اسی اختلاف پر ہے جب وہ بالغ ہو جائے حالتِ سمجھداری میں، پھر ہو جائے بے وقوف۔

تشریح:۔ {1} امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آزاد عاقل بالغ بے وقوف کو تصرف سے نہیں روکا جائے گا بلکہ اس کا تصرف اپنے مال میں جائز ہے اگرچہ وہ ایسا فضول خرچ ہو کہ اپنا مال ایسے کاموں میں صرف کر رہا ہو جس میں اس کی کوئی صحیح غرض اور مصلحت نہ ہو۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ بے وقوف آدمی پر حجر کیا جائے گا اور اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے منع کر دیا جائے گا؛ کیونکہ وہ اپنے مال میں فضول خرچ ہے کہ وہ اپنے مال کو ایسی راہ سے خرچ کرتا ہے جس کا عقل تقاضا نہیں کر رہی ہے پس خود اس کی رعایت کے لیے اس کو مجور کر دیا جائے گا جیسے نابالغ بچے کو مجور کیا جاتا ہے بلکہ بے وقوف کا حجر بچے کے حجر سے اولیٰ ہے؛ اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے حق میں فضول خرچی اور اسراف کا فقط احتمال ثابت ہے جبکہ بے وقوف کے حق میں حقیقۃً فضول خرچی ثابت ہے اور فقط احتمال سے شی کی حقیقت کا اعتبار کرنا اولیٰ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا اس سے اس کا مال بالاتفاق روک دیا جائے گا پھر فقط ممانعت مجور کرنے کے بغیر نافع نہ ہوگی؛ کیونکہ جس چیز سے اس کا ہاتھ روکا گیا اس کو وہ زبان سے تلف کرے گا لہٰذا مجور کیا جائے گا۔

{2} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اس قدر عقل موجود ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو مخاطب کیا یعنی اگر بچے کی طرح بے عقل ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور شرائع کا مخاطب نہ ہوتا اس لیے اس کو تصرفات سے نہیں روکا جائے گا جیسے صحیح تصرفات کرنے والے کو منع نہیں کیا جاتا ہے۔ اور عدم حجر کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ولایت چھین لینا گویا اس کو آدمیت سے گرا کر جانوروں میں ملا دینا ہے حالانکہ اس کا ضرر بنسبت فضول خرچی کے زیادہ ہے تو ادنیٰ ضرر کو دفع کرنے کے لیے اعلیٰ ضرر کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر مجور کرنے میں عام ضرر دفع ہوتا ہو جیسے ایک جاہل شخص طبیب بن بیٹھا جس سے عام انسانوں کی جان کو خطرہ ہے، یا جاہل بے پرواہ آدمی مفتی بن بیٹھا جس سے عام لوگوں کے دین کو خطرہ ہے تو اس کو مجور کر دیا جائے گا، یا ایک مفلس آدمی جس کے پاس جانور وغیرہ کچھ نہیں ہیں وہ کرایہ پر دینے کے لیے بیٹھ گیا تو ان سب کو مجور کر دینا جائز ہے اس روایت کے مطابق جو امام ابو حنیفہ سے مروی ہے؛ کیونکہ یہ ادنیٰ ضرر کے ذریعہ سے اعلیٰ ضرر کو دفع کرنا ہے۔

{3} صاحبین کا یہ کہنا کہ "جو بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو اس سے اس کا مال بالاتفاق روک دیا جائے گا" تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال روکنے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مال روکنے کی سزا سے مجبور کرنے کی سزا بڑھ کر ہے اور اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اور صاحبین کا بچے پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بچے کو اپنے معاملہ میں بہتری کی فکر کرنے کی اہلیت حاصل نہیں ہے جبکہ مفسد شخص اپنی بہتری کی فکر کرنے پر قدرت رکھتا ہے شریعت نے اس کو ایک مرتبہ یہ رعایت دی ہے کہ اس کو آلاتِ قدرت دیئے ہیں یعنی آزادی، عقل اور بلوغ دیا ہے، باقی اگر وہ اپنی بد چلنی سے اس کے خلاف راہ پر چلتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے اس لیے بچے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

{4} اور صاحبین کا یہ کہنا کہ "فقط ممانعت مجور کرنے کے بغیر نافع نہ ہوگی" تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال کا روک دینا مفید ہے؛ کیونکہ اکثر بیوقوفیاں ہبہ، تبرع اور صدقات میں ہوتی ہیں اور یہ مال کے قبضہ پر موقوف ہے یعنی جب اس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو تو کچھ نہیں کر سکتا ہے اگر وہ کچھ کرے گا تو نافذ نہ ہوگا۔

فتوی:۔ صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: ( قَوْلُهُ : بِهِ ) أَيْ بِقَوْلِهِمَا يُفْتَى بِهِ صَرَّحَ قَاضِي خَانْ فِي كِتَابِ الْحِيطَانِ ، وَهُوَ صَرِيحٌ فَيَكُونُ أَقْوَى مِنَ الِالْتِزَامِ كَذَا قَالَ الشَّيْخُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ : وَمُرَادُهُ أَنَّ مَا وَقَعَ فِي الْمُتُونِ مِنَ الْقَوْلِ بِعَدَمِ الْحَجْرِ عَلَى الْحُرِّ مُصَحَّحٌ بِالِالْتِزَامِ وَمَا وَقَعَ فِي قَاضِي خَانْ مِنَ التَّصْرِيحِ بِأَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا تَصْرِيحٌ بِالتَّصْحِيحِ فَيَكُونُ هُوَ الْمُعْتَمَدَ ، وَجَعَلَ عَلَيْهِ الْفَتْوَى مَوْلَانَا فِي فَوَائِدِهِ مِنَحٌ ، وَفِي حَاشِيَةِ الشَّيْخِ صَالِحٍ ، وَقَدْ صَرَّحَ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمُعْتَبَرَاتِ بِأَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ التَّوْضِيحِ أَنَّهُ الْمُخْتَارُ ا هـ وَأَفْتَى بِهِ الْبَلْخِيّ وَأَبُو الْقَاسِمِ كَمَا ذَكَرَهُ فِي الْمِنَحِ عَنِ الْخَانِيَّةِ قُبَيْلَ قَوْلِهِ الْآتِي " وَالْقَاضِي يَحْبِسُ الْحُرَّ الْمَدْيُونَ " . (ردّ المحتار:5/103)

{5} اگر قاضی نے سفیہ کو مجور کر دیا پھر اس کا حکم دوسرے قاضی کے پاس پیش کیا گیا اور دوسرے قاضی نے اول کے حجر کو باطل کر دیا اور اس کو مختار کر کے تصرفات کی اجازت دیدی تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ اول قاضی کی طرف سے مجور کرنا ایک فتوی ہے حکم قضاء نہیں ہے؛ کیونکہ قضاء کے لیے دعوی، مدعی اور مدعی علیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں دعوی، مدعی اور مدعا علیہ نہیں پایا گیا اس لیے قاضی کا مجور کرنا قضاء نہیں فتوی ہے لہٰذا دوسرا قاضی اس کو توڑ سکتا ہے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ یہ حکم قضاء تھا اور سفیہ کو اس حیثیت سے مقضی لہ قرار دیا جائے کہ قضاء اسی کی رعایت کے لیے ہے اور قضاء اس پر واقع ہونے کے اعتبار سے اسے مقضی علیہ قرار دیا جائے تو یہ حکم قضاء ہو جائے گا اور ایک قاضی کی قضاء دوسرا قاضی بے شک نہیں توڑ سکتا ہے، مگر چونکہ یہاں نفس قضاء مختلف فیہ ہے اور قاضی کی قضاء مختلف فیہ صورت میں خلاف اس وقت رفع کرتی ہے کہ نفس قضاء میں اختلاف نہ ہو، اور یہاں نفس قضاء مختلف

نیہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ اول قضاء کے لیے ایک اور قضاء ہو؛ کیونکہ مختلف فیہ قضاء امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں اس لیے اس فیصلہ کو نافذ کرنے کے لیے مزید ایک قضاء کی ضرورت ہوگی یہی وجہ ہے کہ ایک قاضی کے فیصلۂ حجر کے بعد اگر مجور کے تصرف کو حاجر یا دوسرے قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا اور اس نے بھی حجر پر مہر لگا کر سفیہ کے تصرف کو باطل قرار دیدیا اور حجر کو صحیح قرار دیا تو گویا اس کے ساتھ تنفیذ کا اتصال ہو گیا اب اگر کسی تیسرے قاضی کی خدمت میں یہ مقدمہ جاتا ہے تو وہ اس میں ترمیم نہیں کر سکتا یعنی اسے چاہیئے کہ قاضی اول اور قاضی ثانی کے فیصلۂ ابطال کو برقرار رکھے اور اس میں کوئی جدید فیصلہ نہ کرے؛ کیونکہ اس کے ساتھ قضاء کا اتصال لاحق ہو چکا ہے لہذا اب یہ نقض اور رد کو قبول نہیں کرے گا۔

{6} پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر بچہ حالت بے وقوفی میں بالغ ہوا کہ اس کو تصرفات کا ٹھیک ڈھنگ نہیں ہے تو اس کو اس کا مال نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ پچیس سال کا ہو جائے، پھر اگر اس نے اس سے پہلے مال میں تصرف کیا تو یہ تصرف نافذ ہوگا؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر حجر نہیں کیا جائے گا، پھر جب وہ پچیس برس کا ہو گیا تو اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا اگرچہ اس سے ٹھیک ڈھنگ ظاہر نہ ہو۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اس کا مال کبھی نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس سے ٹھیک ڈھنگ ظاہر نہ ہو اور اس سے پہلے اس کا تصرف اس مال میں جائز نہیں ہے؛ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ممانعت کی علت تو بے وقوفی ہے تو جب تک علت باقی رہے گی ممانعت بھی باقی رہے گی اور یہ بچپن کی طرح ہوگا کہ جب تک بچپن باقی رہتا ہے تب تک بچے کو اجازت نہیں ہوتی ہے اسی طرح اس کو بھی اجازت نہ ہوگی۔

{7} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال اس سے روکنا بطریق تادیب ہے تاکہ وہ فضول خرچی سے رُک جائے اور پچیس برس کے بعد بظاہر اور غالب احوال کے اعتبار سے وہ ادب حاصل نہیں کرتا ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کبھی وہ اس سن میں دادا ہو جاتا ہے ؛کیونکہ ادنیٰ مدتِ بلوغ بارہ برس ہیں اور بلوغ سے چھ ماہ میں اس کا بچہ پیدا ہو سکتا ہے پھر بارہ برس کے بعد اس کا لڑکا بالغ ہو سکتا ہے اور چھ ماہ میں اس کا لڑکا پیدا ہو سکتا اس طرح وہ پچیس برس کی عمر میں دادا ہو سکتا ہے اور دادا ادب حاصل نہیں کرتا ہے تو اس سے مال روکنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا، پس لازم آیا کہ اس کو اس کا مال دیدیا جائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مال روکنا طفولیت کے اثر کے اعتبار سے تھا اور وہ ابتداءِ بلوغ کا زمانہ ہے پھر زمانہ دراز گذرنے سے یہ اثر منقطع ہو جاتا ہے تو ممانعت باقی نہیں رہی، اسی لیے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بالغ ہونے کے وقت اگر وہ نیک ڈھنگ تھا پھر بے وقوف ہو گیا تو اس سے مال نہیں روکا جائے گا؛ کیونکہ طفولیت کا اثر اب نہیں ہے۔

{8} پھر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر مسائل حجر کی تفریع نہیں ہو سکتی ہے اس لیے کہ امام صاحبؒ حجر کو جائز ہی نہیں کہتے ہیں لہذا مسائل کی تفریع اسی امام کے قول پر ہے جو حجر کو جائز کہتا ہے، پس صاحبینؒ کے نزدیک جب حجر صحیح ہے تو مجور اگر کوئی چیز فروخت کرے گا تو اس کی بیع نافذ نہ ہوگی تا کہ حجر کا فائدہ بھرپور حاصل ہو، اور اگر اس کی بیع میں بہتری ہو مثلاً بیع رائج ہو یا مثل قیمت کے عوض ہو تو حاکم اجازت دے سکتا ہے یعنی اگر حاکم اجازت دے تو بیع جائز ہو جائے گی؛ کیونکہ تصرف کا رکن (ایجاب اور قبول) پایا گیا اور بیع کا موقوف ہونا خود اسی شخص کی رعایت کے لیے تھا اور حاکم ایسی رعایات ہی کا خیال رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو وہ اس کے حق میں بہتری کو دیکھ لے گا جیسے اس بچے کے حق میں بہتری کو دیکھا جاتا ہے جو بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہے تو ولی اس کی بہتری دیکھ کر اجازت دے گا۔

{9} اور اگر بے وقوف شخص نے قاضی کے مجور کرنے سے پہلے کوئی چیز فروخت کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے ؛ اس لیے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قاضی کا مجور کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ حجر تو ضرر اور بہتری کے درمیان دائر ہے بایں طور کہ اس کی مِلک برقرار رہے گی جس میں اس کی رعایت ہے اور اس کا قول باطل ہو جائے گا جس میں اس کا ضرر ہے اور دو احتمالوں کے درمیان دائر چیز کی ایک جانب کو ترجیح دینے کے لیے قضاءِ قاضی ضروری ہے پس حجر کرنا چونکہ اس کی بہتری کی رعایت کے لیے ہے اس لیے قاضی کا فعل حجر یہاں ہونا ضروری ہے۔

{10} امام محمدؒ کے نزدیک مجور کرنے سے پہلے کی گئی بیع جائز نہیں ہے؛ کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک وہ مجور ہی بالغ ہوتا ہے ؛ کیونکہ حجر کی علت بے وقوفی ہے اور وہ قضاءِ قاضی سے پہلے موجود ہے پس یہ بمنزلہ صغر سنی کے ہے اس لیے قضاءِ قاضی کی حاجت نہیں۔ یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ وہ ٹھیک ڈھنگ پر بالغ ہوا پھر بے وقوف ہو گیا یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب تک قاضی حکم نہ دے وہ مجور نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک حکم قاضی سے پہلے مجور ہو جائے گا۔

فتوی:۔ امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد:وقال في الشامية :و ظاهر كلامهم ترجيحه على قول محمد يعني ترجيح قول ابي يوسف على قول محمد (هامش الهداية:3/353)

{1} وَإِنْ أَعْتَقَ عَبْدًا نَفَذَ عِتْقُهُ عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَا يَنْفُذُ .وَالْأَصْلُ عِنْدَهُمَا أَنَّ

اور اگر مجور نے آزاد کیا غلام کو، تو نافذ ہوگا اس کا عتق صاحبینؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے نزدیک نافذ نہ ہو، اور اصل صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے

كُلُّ تَصَرُّفٍ يُؤَثِّرُ فِيهِ الْهَزْلُ يُؤَثِّرُ فِيهِ الْحَجْرُ ,وَمَا لَا فَلَا ، لِأَنَّ السَّفِيهَ فِي مَعْنَى الْهَازِلِ مِنْ حَيْثُ

کہ جس میں مؤثر ہو ہزل مؤثر ہوگا اس میں حجر، اور جس میں ہزل مؤثر نہ ہو حجر بھی مؤثر نہ ہوگا؛ کیونکہ سفیہ ہازل کے معنی میں ہے اس حیثیت سے

إنَّ الْهَازِلَ يُخْرِجُ كَلَامَهُ لَا عَلَى نَهْجِ كَلَامِ الْعُقَلَاءِ لِاتِّبَاعِ الْهَوَى وَمُكَابَرَةِ الْعَقْلِ لَا لِنُقْصَانٍ

کہ صادر ہوتا ہے ہازل کا کلام عقلاء کے اسلوب کے خلاف؛ خواہش کی پیروی اور مخالفت عقل کی وجہ سے نہ کہ کسی نقصان کی وجہ سے

فِي عَقْلِهِ ، فَكَذَلِكَ السَّفِيهُ وَالْعِتْقُ مِمَّا لَا يُؤَثِّرُ فِيهِ الْهَزْلُ فَيَصِحُّ مِنْهُ. {2} وَالْأَصْلُ

اس کی عقل میں، پس اسی طرح سفیہ ہے، اور عتق ایسی چیز ہے جس میں اثر نہیں کرتا ہے ہزل، پس صحیح ہوگا سفیہ کی طرف سے، اور اصل

عِنْدَهُ أَنَّ الْحَجْرَ بِسَبَبِ السَّفَهِ بِمَنْزِلَةِ الْحَجْرِ بِسَبَبِ الرِّقِّ حَتَّى لَا يَنْفُذُ بَعْدَهُ

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ بے وقوفی کی وجہ سے حجر رقیت کی وجہ سے حجر کے درجہ میں ہے، حتی کہ نافذ نہیں ہوتا ہے اس کے بعد

شَيْءٌ مِنْ تَصَرُّفَاتِهِ إِلَّا الطَّلَاقَ كَالْمَرْقُوقِ ، وَالْإِعْتَاقُ لَا يَصِحُّ مِنَ الرَّقِيقِ فَكَذَا مِنَ السَّفِيهِ{3} وَ إِذَا صَحَّ

کچھ اس کے تصرفات میں سے مگر طلاق، جیسے غلام، اور اعتاق صحیح نہیں ہے غلام کا پس اسی طرح بے وقوف کا ہے۔ اور جب صحیح ہے اعتاق

عِنْدَهُمَا كَانَ عَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَسْعَى فِي قِيمَتِهِ ؛ لِأَنَّ الْحَجْرَ لِمَعْنَى النَّظَرِ وَذَلِكَ فِي رَدِّ الْعِتْقِ

صاحبینؒ کے نزدیک تو غلام پر لازم ہے کہ کمائی کرے اپنی قیمت میں؛ کیونکہ حجر تو رعایت کے پیش نظر ہے، اور رعایت عتق رد کرنے میں ہے،

إِلَّا أَنَّهُ مُتَعَذِّرٌ فَيَجِبُ رَدُّهُ بِرَدِّ الْقِيمَةِ كَمَا فِي الْحَجْرِ عَلَى الْمَرِيضِ .وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا تَجِبُ

مگر یہ متعذر ہے، پس واجب ہے اس کو رد کرنا قیمت کے رد کرنے سے جیسا کہ مریض پر حجر میں ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ واجب نہیں ہے

السِّعَايَةُ لِأَنَّهَا لَوْ وَجَبَتْ إِنَّمَا تَجِبُ حَقًّا لِمُعْتِقِهِ وَالسِّعَايَةُ مَا عُهِدَ وُجُوبُهَا فِي الشَّرْعِ

سعایت؛ کیونکہ اگر وہ واجب ہو جائے تو واجب ہوگی معتق کے حق کے طور پر، حالانکہ سعایت کا وجوب معہود نہیں شریعت میں

إِلَّا لِحَقِّ غَيْرِ الْمُعْتِقِ{4} وَلَوْ دَبَّرَ عَبْدَهُ جَازَ ؛ لِأَنَّهُ يُوجِبُ حَقَّ الْعِتْقِ فَيُعْتَبَرُ بِحَقِيقَتِهِ

مگر غیر معتق کے حق کی وجہ سے۔ اور اگر مدبر کیا اپنے غلام کو تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ واجب کرتا ہے حق عتق کو تو قیاس کیا جائے گا حقیقی عتق پر،

إِلَّا أَنَّهُ لَا تَجِبُ السِّعَايَةُ مَا دَامَ الْمَوْلَى حَيًّا لِأَنَّهُ بَاقٍ عَلَى مِلْكِهِ وَإِذَا مَاتَ وَلَمْ يُؤْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ

مگر یہ کہ واجب نہیں سعایت جب تک کہ مولی زندہ ہو؛ کیونکہ وہ باقی ہے مولی کی ملک پر، اور جب وہ مر گیا اور ظاہر نہ ہوئی اس سے سمجھداری

سَعَى فِي قِيمَتِهِ مُدَبَّرًا لِأَنَّهُ عَتَقَ بِمَوْتِهِ وَهُوَ مُدَبَّرٌ ، فَصَارَ

تو وہ سعایت کرے گا اپنی قیمت میں مدبر ہونے کے حساب سے؛ کیونکہ وہ آزاد ہوا مولی کے مرنے سے اس حال میں کہ وہ مدبر ہے، پس ہو گیا

كَمَا إِذَا أَعْتَقَهُ بَعْدَ التَّدْبِيرِ{5} وَلَوْ جَاءَتْ جَارِيَتُهُ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ

جیسا کہ جب آزاد کیا ہو تدبیر کے بعد۔ اور اگر جن لیا مجور کی باندی نے بچہ، پس اس نے دعوی کیا اس کا، تو ثابت ہوگا اس کا نسب اس سے،

وَكَانَ الْوَلَدُ حُرًّا وَالْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ مُحْتَاجٌ إِلَى ذَلِكَ لِإِبْقَاءِ نَسْلِهِ فَأُلْحِقَ بِالْمُصْلِحِ

اور بچہ آزاد ہوگا، اور باندی ام ولد ہوگی اس کی؛ کیونکہ وہ محتاج ہے اس کی طرف: اپنی نسل کو باقی رکھنے کے لیے، تو لاحق کیا گیا مصلح کے ساتھ

فِي حَقِّهِ{6} وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا وَلَدٌ وَقَالَ هَذِهِ أُمُّ وَلَدِي كَانَتْ بِمَنْزِلَةِ أُمِّ الْوَلَدِ لَا يَقْدِرُ

نسل کے حق میں۔ اور اگر نہ ہو باندی کے ساتھ بچہ، اور اس نے کہا یہ میری ام ولد ہے تو وہ بمنزلہ ام ولد کے ہو جائے گی، وہ قادر نہ ہوگا

عَلَى بَيْعِهَا ، وَإِنْ مَاتَ سَعَتْ فِي جَمِيعِ قِيمَتِهَا ؛ لِأَنَّهُ كَالْإِقْرَارِ بِالْحُرِّيَّةِ إِذْ

اس کو فروخت کرنے پر، اور اگر وہ مر گیا تو باندی سعایت کرے گی اپنی پوری قیمت میں؛ کیونکہ یہ آزادی کے اقرار کی طرح ہے، اس لیے کہ

لَيْسَ لَهُ شَهَادَةُ الْوَلَدِ ، بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الْوَلَدَ شَاهِدٌ لَهَا .وَنَظِيرُهُ الْمَرِيضُ إِذَا ادَّعَى

نہیں ہے باندی کے لیے بچے کی شہادت، بر خلاف پہلی صورت کے؛ کیونکہ بچہ شاہد ہے اس کے لیے، اور اس کی نظیر مریض ہے جب دعویٰ کرے

وَلَدَ جَارِيَتِهِ فَهُوَ عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ .{7} قَالَ : وَإِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً جَازَ نِكَاحُهَا ؛ لِأَنَّهُ لَا يُؤَثِّرُ فِيهِ الْهَزْلُ،

اپنی باندی کے بچے کا، تو وہ اسی تفصیل پر ہے۔ فرمایا: اور اگر مجور نے نکاح کیا کسی عورت سے، تو جائز ہے اس کا نکاح؛ کیونکہ نکاح میں مؤثر نہیں ہوتا ہے ہزل،

وَلِأَنَّهُ مِنْ حَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ{8} وَإِنْ سَمَّى لَهَا مَهْرًا جَازَ مِنْهُ مِقْدَارُ مَهْرِ مِثْلِهَا؛

اور اس لیے کہ نکاح اس کی اصلی ضرورتوں میں سے ہے، اور اگر مقرر کیا اس کے لیے کچھ مہر تو جائز ہوگا اس سے اس کے مہر مثل کے بقدر؛

لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ النِّكَاحِ وَبَطَلَ الْفَضْلُ ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ فِيهِ ، وَهَذَا الْتِزَامٌ بِالتَّسْمِيَةِ

کیونکہ مہر مثل نکاح کی ضروریات میں سے ہے، اور باطل ہوگی زائد مقدار؛ کیونکہ ضرورت نہیں ہے اس کی، اور وہ لازم کرنا ہے بیان کرنے سے

وَلَا نَظَرَ لَهُ فِيهِ فَلَمْ تَصِحَّ الزِّيَادَةُ وَصَارَ كَالْمَرِيضِ مَرَضَ الْمَوْتِ{9} وَلَوْ طَلَّقَهَا

اور کوئی رعایت نہیں اس کی اس میں، پس صحیح نہ ہوگی زیادتی پس ہو گیا مرض الموت کے مریض کی طرح۔ اور اگر طلاق دی اس کو

قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَجَبَ لَهَا النِّصْفُ فِي مَالِهِ ؛ لِأَنَّ التَّسْمِيَةَ صَحِيحَةٌ إِلَى مِقْدَارِ مَهْرِ الْمِثْلِ ، وَكَذَا

اس کے ساتھ دخول سے پہلے تو واجب ہوگا اس کے لیے نصف اس کے مال میں؛ کیونکہ تسمیہ صحیح ہے مہر مثل کی مقدار تک، اور اسی طرح

إِذَا تَزَوَّجَ بِأَرْبَعِ نِسْوَةٍ أَوْ كُلَّ يَوْمٍ وَاحِدَةً؛ لِمَا بَيَّنَّا .

اگر وہ نکاح کرے چار عورتوں سے یا ہر روز ایک عورت سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

تشریح:۔ {1} اگر بے وقوف مجور شخص نے اپنا کوئی غلام آزاد کر دیا تو صاحبین ؒ کے نزدیک اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک نافذ نہ ہوگا۔ اور صاحبین ؒ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جس میں ہزل مؤثر ہوتا ہے اس میں حجر بھی

مؤثر ہوگا اور جو ایسا نہیں ہے اس میں حجر بھی مؤثر نہیں ہوگا؛ کیونکہ بے وقوف بھی بے جا مذاق کرنے والے کے معنی میں ہے اس اعتبار سے کہ ہزل کرنے والے کا کلام بھی خواہش نفس اور مخالفتِ عقل کی وجہ سے ایسے طور پر منہ سے نکلتا ہے کہ اہل عقل اس طرح نہیں بولتے ہیں مگر وہ عمداً ہوتا ہے نقصانِ عقل کی وجہ سے نہیں ہوتا اور یہی بے وقوف کا حال ہے یعنی بوجہ بے وقوفی کے اس کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے، اور عتق ایسی چیز ہے جس میں ہزل مؤثر نہیں ہوتا ہے بلکہ ہازل کا اعتاق صحیح ہے تو عتق بے وقوف کی طرف سے بھی صحیح ہو جائے گا۔

{2} اور امام شافعیؒ کی اصل یہ ہے کہ بے وقوفی کی وجہ سے مجور ہونا ایسا ہے جیسے رقیت کی وجہ سے مجور ہونا حتی کہ مجور ہونے کے بعد اس کے تصرفات میں سے طلاق کے علاوہ کچھ نافذ نہ ہوگا جیسے رقیق کا حکم ہے اور رقیق کی طرف سے آزاد کرنا صحیح نہیں ہے تو اسی طرح سفیہ کی طرف سے بھی آزاد کرنا صحیح نہ ہوگا۔

{3} اور جب صاحبینؒ کے نزدیک آزاد کرنا صحیح ہوا تو غلام پر واجب ہوگا کہ اپنی قیمت کے لیے کمائی کرے؛ کیونکہ مجور کرنا خود اسی کی رعایت کے لیے تھا اور اس کی رعایت تو اس میں ہے کہ عتق کو رد کر دیا جائے، مگر چونکہ عتق کا رد کرنا متعذر ہے تو اس کو اس طور پر رد کیا جائے گا کہ اس کی قیمت واپس کی جائے جیسے مرض الموت کے مریض پر حجر کرنے میں ہوتا ہے یعنی اگر اس نے غلام کو آزاد کیا اور اس پر نہ قرضہ ہے اور نہ اور مال ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اپنی دو ثلث قیمت میں ورثہ کے لیے کمائی کرے گا۔ اور امام محمدؒ سے یہ بھی روایت آئی ہے کہ غلام پر سعایت واجب نہیں ہے؛ کیونکہ اگر سعایت واجب ہو تو اپنے آزاد کرنے والے ہی کے حق کی وجہ سے واجب ہوگی حالانکہ شریعت میں ہم کو اس کی نظیر معلوم نہیں کہ سعایت آزاد کرنے والے کے حق کی وجہ سے واجب ہو بلکہ آزاد کرنے والے کے غیر کے حق کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔

فتوی:۔ وجوبِ سعایت کا قول راجح ہے لما فی تکملۃ البحر الرائق: وَإِذَا نَفَذَ عِنْدَهُمَا فَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَسْعَى فِي قِيمَتِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَلَوْ جَوَّزَ فِي الظِّهَارِ نَفَذَ وَيَسْعَى الْعَبْدُ فِي قِيمَتِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا وَفِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ الْأَخِيرِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ لَيْسَ عَلَيْهِ سِعَايَةٌ ، لِأَنَّهُ لَوْ سَعَى يَسْعَى لِمُعْتِقِهِ ، وَالْمُعْتِقُ لَا يَلْزَمُهُ السِّعَايَةُ لِحَقِّ مُعْتِقِهِ بِحَالٍ مَا ، (تکملۃ البحر الرائق:8/81)

{4} اگر مذکورہ سفیہ نے اپنے غلام کو مدبر کر دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ مدبر کرنا آزادی کے حق کو واجب کرتا ہے تو حقیقی عتق پر اس کو قیاس کیا جائے گا یعنی جیسا کہ اس کا حقیقۃً آزاد کرنا صحیح ہے تو اس کی طرف سے حقِ آزادی ثابت کرنا بھی صحیح ہے۔ لیکن اس صورت میں جب تک مولیٰ زندہ ہے غلام پر سعایت واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ اس کی ملکیت پر ابھی تک باقی ہے اور جب وہ مر گیا حالانکہ

اس وقت تک اس سے ٹھیک طور پر کام کرنے کے آثار ظاہر نہیں ہوئے تو مذکورہ غلام اپنی ایسی قیمت کے لیے سعایت کرے
گا جو مدبر ہونے کے حساب سے ہو؛ کیونکہ وہ مولیٰ کے مرنے پر اس حال میں آزاد ہو گیا کہ وہ مدبر ہے تو ایسا ہو گیا جیسے مدبر کرنے کے
بعد وہ اس کو آزاد کر دیتا تو مدبر کے حساب سے اس کی قیمت کے بقدر سعایت واجب ہوتی۔

{5} اگر سفیہ مجور کی باندی کا بچہ پیدا ہوا پس مجور نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے
گا اور یہ بچہ آزاد ہو گا اور باندی اس کی ام ولد ہو گی؛ کیونکہ وہ اپنی نسل کو باقی رکھنے کے لیے استیلاد کا محتاج ہے تو استیلاد کے حق میں سفیہ
کا تصرف بمنزلہ مصلح اور سمجھدار کے قرار دیا گیا اس لیے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔

{6} اگر اس کی باندی کے ساتھ کوئی بچہ نہ ہو اور مجور نے کہا کہ یہ میری ام ولد ہے تو وہ بمنزلہ اس کی ام ولد کے ہو جائے گی
کہ اب وہ اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے اور اگر سفیہ مر گیا تو یہ باندی اپنی پوری قیمت کے لیے سعایت کرے گی؛ کیونکہ اس کو ام
ولد کہنا ایسا ہے جیسے اس نے اس باندی کی آزادی کا اقرار کیا ہو؛ کیونکہ اس باندی کے لیے ام ولد ہونے کا گواہ اس کا بچہ موجود نہیں
ہے پس گویا اس نے اس باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے اس لیے اس کی فروخت جائز نہیں ہے۔ برخلافِ پہلی صورت کے جس میں اس کے
ساتھ بچہ ہو کہ اس میں بچہ خود اس کے لیے بطورِ گواہ موجود ہے کہ یہ ام ولد ہے۔ اور اس کی نظیر مرض الموت کا مریض ہے چنانچہ
اگر ایک مقروض مریض نے اپنی باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اس کے ساتھ بچہ ہو گا یا نہ ہو گا اور ہر ایک
صورت کا یہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔

{7} اگر مجور نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کا نکاح جائز ہے؛ کیونکہ نکاح میں ہزل مؤثر نہیں ہوتا ہے یعنی مذاق میں
کیا ہوا نکاح بھی نکاح ہے تو جب نکاح میں ہزل مؤثر نہیں تو حجر بھی مؤثر نہ ہو گا لہذا حجر کے باوجود نکاح ہو جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے
کہ نکاح اس کی اصلی ضرورتوں میں سے ہے اور حجر اصلی ضرورتوں میں مؤثر نہیں ہے اس لیے حجر کے باوجود نکاح صحیح ہے۔

{8} اگر مجور نے اس عورت کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو تو اس میں سے اس عورت کے مہر المثل کے بقدر ثابت ہو گا؛ کیونکہ
اس قدر مہر ضروریاتِ نکاح میں سے ہے اور جو شخص کسی شئ کا مالک ہو گا وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک ہو گا۔ اور مہر مثل سے جس
قدر زیادہ ہو وہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مجور نے بیان کر کے اس کو اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے حالانکہ اس
میں اس کی کوئی بہتری اور خیر نہیں ہے تو زیادتی صحیح نہ ہو گی، پس مجور ایسا ہو گیا جیسے مرض الموت کا مرض ہوتا ہے یعنی اگر اس نے اس
حالت میں نکاح کیا تو مہر مثل کے بقدر لازم ہو گا اور زائد مقدار ساقط ہو گا۔

{9} اگر مجور نے دخول سے پہلے اس کو طلاق دیدی تو مجور کے مال سے مہر مثل کے بقدر مہر مسمّٰی کا نصف واجب ہوگا؛ کیونکہ جو مہر بیان کیا گیا تھا وہ مہر مثل تک صحیح تھا اس لیے دخول سے پہلے ہونے کی وجہ سے اس کا نصف واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مجور نے یکجا چار عورتوں سے نکاح کیا تو مہر مثل کے بقدر مہر جائز ہے، یا اس نے ان چار میں سے ہر روز ایک عورت سے نکاح کیا تو بھی جائز ہے اور مہر مثل تک بیانِ مہر صحیح ہوگا اور اس سے زائد باطل ہوگا؛ کیونکہ نکاح اس کی ضروریات میں سے ہے اور مہر نکاح کی ضروریات میں سے ہے۔

{1} قَالَ : وَتُخْرَجُ الزَّكَاةُ مِنْ مَالِ السَّفِيهِ ؛ لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ ، وَيُنْفِقُ عَلَى أَوْلَادِهِ وَزَوْجَتِهِ

فرمایا: اور زکوۃ نکالی جائے گی بے وقوف کے مال سے؛ کیونکہ زکوۃ واجب ہے اس پر، اور اس کا مال خرچ کیا جائے گا اس کی اولاد، اس کی بیوی

وَمَنْ تَجِبُ نَفَقَتُهُ مِنْ ذَوِي أَرْحَامِهِ ؛ لِأَنَّ إِحْيَاءَ وَلَدِهِ وَزَوْجَتِهِ مِنْ حَوَائِجِهِ،

اور اس پر جس کا نفقہ واجب ہو اس پر اس کے ذوی الارحام میں سے؛ کیونکہ اپنی اولاد اور بیوی کو زندہ رکھنا اس کی ضروریات میں سے ہے،

وَالْإِنْفَاقُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ وَاجِبٌ عَلَيْهِ لِقَرَابَتِهِ ، وَالسَّفَهُ لَا يُبْطِلُ حُقُوقَ النَّاسِ،

اور خرچ کرنا ذی رحم پر واجب ہے اس پر اس کی قرابت کے حق کے طور پر، اور بے وقوفی باطل نہیں کرتی ہے لوگوں کے حقوق کو،

{2} إِلَّا أَنَّ الْقَاضِيَ يَدْفَعُ الزَّكَاةَ إِلَيْهِ لِيَصْرِفَهَا إِلَى مَصْرِفِهَا ، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ نِيَّتِهِ لِكَوْنِهَا عِبَادَةً،

مگر یہ کہ قاضی دیدے گا بقدر زکوۃ اس کو؛ تاکہ وہ خرچ کر دے اس کو اپنے مصرف میں؛ کیونکہ ضروری ہے اس کی نیت کا ہونا؛ اس لیے کہ زکوۃ عبادت ہے

لَكِنْ يَبْعَثُ أَمِينًا مَعَهُ كَيْ لَا يَصْرِفَهُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ .وَفِي النَّفَقَةِ يَدْفَعُ إِلَى أَمِينِهِ لِيَصْرِفَهُ

لیکن بھیج دے ایک امین شخص اس کے ساتھ؛ تاکہ صرف نہ کرے اس کو بے محل، اور نفقہ میں دیدیا جائے گا اس کے امین کو تاکہ وہ اس کو خرچ کرے؛

لِأَنَّهُ لَيْسَ بِعِبَادَةٍ فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى نِيَّتِهِ ،{3} وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ أَوْ نَذَرَ أَوْ ظَاهَرَ

کیونکہ نفقہ عبادت نہیں، پس وہ محتاج نہیں اس کی نیت کو۔ اور یہ برخلاف اس کے ہے جب وہ قسم کھائے، یا نذر مانے یا ظہار کرے کہ

حَيْثُ لَا يَلْزَمُهُ الْمَالُ بَلْ يُكَفِّرُ يَمِينَهُ وَظِهَارَهُ / بِالصَّوْمِ لِأَنَّهُ مِمَّا يَجِبُ بِفِعْلِهِ،

اس پر لازم نہ ہوگا مال، بلکہ کفارہ ادا کرے گا اپنی قسم اور ظہار کا صوم سے؛ کیونکہ وجوبِ کفارہ ان چیزوں سے ہے جو واجب ہوتا ہے اس کے فعل سے

فَلَوْ فَتَحْنَا هَذَا الْبَابَ يُبَذِّرُ أَمْوَالَهُ بِهَذَا الطَّرِيقِ ، وَلَا كَذَلِكَ مَا يَجِبُ ابْتِدَاءً بِغَيْرِ فِعْلِهِ.

تو اگر ہم کھول دے یہ دروازہ تو وہ فضول خرچ کرے گا اپنے اموال کو اس راہ سے، اور اس طرح نہیں ہے وہ جو واجب ہو ابتداءً اس کے فعل کے بغیر۔

{4} قَالَ : فَإِنْ أَرَادَ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْهَا ؛ لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ بِإِيجَابِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ صُنْعِهِ

فرمایا: اور اگر اس نے ارادہ کیا حج اسلام کا، تو نہیں روکا جائے گا اس سے؛ کیونکہ حج واجب ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے اس کے فعل کے بغیر،

وَلَا يُسَلِّمُ الْقَاضِي النَّفَقَةَ إلَيْهِ وَيُسَلِّمُهَا إلَى ثِقَةٍ مِنَ الْحَاجِّ يُنْفِقُهَا عَلَيْهِ فِي طَرِيقِ الْحَجِّ ؛ كَيْ لَا يُتْلِفَهَا

اور سپرد نہ کرے قاضی نفقہ اس کو، اور دیدے کسی ثقہ حاجی کو وہ خرچ کرے گا نفقہ کو اس پر طریق حج میں؛ تاکہ وہ تلف نہ کردے نفقہ کو

فِي غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ{5} وَلَوْ أَرَادَ عُمْرَةً وَاحِدَةً لَمْ يُمْنَعْ مِنْهَا ؛ اسْتِحْسَانًا لِاخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ فِي وُجُوبِهَا،

اس راہ کے علاوہ میں، اور اگر اس نے ارادہ کیا ایک عمرہ کا، تو نہیں روکا جائے گا اس سے استحسانا؛ اختلاف علماء کی وجہ سے اس کے وجوب میں

بِخِلَافِ مَا زَادَ عَلَى مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ مِنَ الْحَجِّ ( وَلَا يُمْنَعُ مِنَ الْقِرَانِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْنَعُ مِنْ إفْرَادِ السَّفَرِ لِكُلِّ وَاحِدٍ

برخلاف اس کے کہ زائد ہو ایک بار حج سے، اور نہیں روکا جائے گا قران سے؛ کیونکہ نہیں روکا جائے گا تنہا سفر کرنے سے ہر ایک کے لیے

مِنْهُمَا فَلَا يُمْنَعُ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا{6} وَلَا يُمْنَعُ مِنْ أَنْ يَسُوقَ بَدَنَةً ؛ تَحَرُّزًا عَنْ مَوْضِعِ الْخِلَافِ ، إذْ

ان دونوں میں، تو نہیں روکا جائے گا دونوں کو جمع کرنے سے، اور نہیں روکا جائے گا کہ وہ لے چلے بدنہ محل خلاف سے بچنے کے لیے؛ اس لیے کہ

عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ لَا يُجْزِئُهُ غَيْرُهَا وَهِيَ جَزُورٌ أَوْ بَقَرَةٌ . {7} قَالَ : فَإِنْ مَرِضَ وَأَوْصَى بِوَصَايَا فِي الْقُرَبِ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جائز نہیں سمجھتے ہیں اس کے علاوہ، اور بدنہ اونٹ یا گائے ہے۔ اور اگر وہ بیمار ہوا اور وصیتیں کیں قربتوں

وَأَبْوَابِ الْخَيْرِ جَازَ ذَلِكَ فِي ثُلُثِهِ ؛ لِأَنَّ نَظَرَهُ فِيهِ إذْ هِيَ حَالَةُ انْقِطَاعِهِ

اور ابواب خیر میں، تو جائز ہے یہ اس کے ثلث میں؛ کیونکہ اس کی رعایت اسی میں ہے: اس لیے کہ یہ اس کے منقطع ہونے کی حالت ہے

عَنْ أَمْوَالِهِ وَالْوَصِيَّةُ تَخْلُفُ ثَنَاءً أَوْ ثَوَابًا ، وَقَدْ ذَكَرْنَا مِنَ التَّفْرِيعَاتِ أَكْثَرَ مِنْ هَذَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى.

اپنے اموال سے، اور وصیت کے پیچھے تعریف ہوتی ہے یا ثواب، اور اور ہم نے ذکر کی ہیں زیادہ تفریعات اس سے "کفایۃ المنتہی" میں۔

{8} قَالَ : وَلَا يُحْجَرُ عَلَى الْفَاسِقِ إذَا كَانَ مُصْلِحًا لِمَالِهِ عِنْدَنَا وَالْفِسْقُ الْأَصْلِيُّ وَالطَّارِئُ سَوَاءٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:

فرمایا: اور حجر نہیں کیا جائے گا فاسق پر جب کہ وہ مصلح ہو اپنے مال کے لیے ہمارے نزدیک، اور فسق اصلی اور طاری برابر ہیں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے:

يُحْجَرُ عَلَيْهِ زَجْرًا لَهُ وَعُقُوبَةً عَلَيْهِ كَمَا فِي السَّفِيهِ وَلِهَذَا لَمْ يُجْعَلْ أَهْلًا لِلْوِلَايَةِ وَالشَّهَادَةِ عِنْدَهُ.

حجر کیا جائے گا اس پر بطور زجر اور بطور عقوبت کے اس پر جیسا کہ بے وقوف میں ہوتا ہے اسی لیے نہیں ہے وہ اہل ولایت و شہادت امام شافعیؒ کے نزدیک۔

{9} وَلَنَا قَوْلُه تَعَالَى { فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ } الْآيَةَ .وَقَدْ أُونِسَ مِنْهُ نَوْعُ رُشْدٍ

اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "پھر اگر تم ان میں اہلیت معلوم کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو" اور دیکھی گئی ایک طرح کی راہ روی،

فَيَتَنَاوَلُهُ النَّكِرَةُ الْمُطْلَقَةُ ، وَلِأَنَّ الْفَاسِقَ مِنْ أَهْلِ الْوِلَايَةِ عِنْدَنَا لِإِسْلَامِهِ فَيَكُونُ وَالِيًا لِلتَّصَرُّفِ،

تو شامل ہو گا اس کو نکرہ مطلقہ، اور اس لیے کہ فاسق اہل ولایت ہے ہمارے نزدیک؛ اس کے اسلام کی وجہ سے، تو وہ لائق ہو گا تصرف کا،

وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ فِيمَا تَقَدَّمَ ،{10}وَيَحْجُرُ الْقَاضِي عِنْدَهُمَا أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ بِسَبَبِ الْغَفْلَةِ

اور ہم ثابت کر چکے اس کو سابق میں، اور حجر کرے گا قاضی صاحبینؒ کے نزدیک بھی، اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا؛ اس کی غفلت کے سبب سے،

وَهُوَ أَنْ يُغْبَنَ فِي التِّجَارَاتِ وَلَا يَصْبِرُ عَنْهَا لِسَلَامَةِ قَلْبِهِ لِمَا فِي الْحَجْرِ مِنَ النَّظَرِ لَهُ.

اور وہ یہ کہ خسارہ اٹھائے تجارتوں میں، اور صبر نہ کر سکے تجارت سے اپنے بھولے پن کی وجہ سے؛ کیونکہ حجر میں اس کی رعایت ہے۔

تشریح:۔{1} اور سفیہ محجور کے مال سے زکوۃ نکالی جائے گی؛ کیونکہ زکوۃ اس پر واجب ہوتی ہے پس اس میں وہ سمجھدار شخص کی طرح ہے۔ اور اس کا مال اس کی اولاد، اسکی بیوی اور اس کے ذوی الارحام رشتہ داروں میں سے ہر ایسے شخص پر جس کا نفقہ محجور پر واجب ہے خرچ کیا جائے گا؛ کیونکہ اس کی اولاد اور اس کی بیوی کو زندہ رکھنا اس کی ضروریات میں سے ہے اس لیے ان پر اس کے مال میں سے خرچ کیا جائے گا، اور اپنے ذی رحم کو نفقہ دینا حقِ قرابت کی وجہ سے اس پر واجب ہے اور سفیہ کے بے وقوف ہونے سے لوگوں کے حقوق باطل نہیں ہوتے ہیں اس لیے ان پر اس کے مال میں سے خرچ کیا جائے گا۔

{2} لیکن اس کے مال میں سے زکوۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی زکوۃ کے بقدر مال لے کر اس محجور کو دیدے گا تاکہ وہ زکوۃ کے مصارف میں اس کو صرف کردے اور محجور کو دینا اس لیے ضروری ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے محجور کی نیت ضروری ہے؛ کیونکہ زکوۃ ایک عبادت ہے جس کی ادائیگی کے لیے نیت ضروری ہے۔ البتہ قاضی اس کے ساتھ اپنا ایک امین بھیج دے گا تاکہ سفیہ محجور اس مال کو بے جا صرف نہ کر ڈالے۔ اور نفقہ کی صورت میں قاضی نفقہ اپنے امین کو دیدے تاکہ وہ اس کو سفیہ کے رشتہ داروں پر صرف کرے؛ کیونکہ نفقہ عبادت مفروضہ نہیں ہے، تو اس کی نیت کی ضرورت نہیں ہے اس لیے خود سفیہ کو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

{3} اس کے برخلاف اگر سفیہ نے قسم کھا کر توڑ دی یا کوئی مالی نذر مانی یا اپنی بیوی سے ظہار کیا تو اس پر مال لازم نہیں ہوگا بلکہ وہ قسم اور ظہار کا کفارہ روزہ سے ادا کرے؛ کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو خود اس کے فعل سے واجب ہوئی ہے پس اگر ہم مال سے ادا کرنے کا دروازہ کھول دیں تو وہ اسی راہ سے اپنا مال فضول خرچ کرے گا، اس کے برخلاف وہ واجبات ہیں جو اس کے فعل کے بغیر ابتداء سے واجب ہوئے ہوں جیسے زکوۃ اور نفقہ وغیرہ کہ وہ اس کے اختیار میں نہیں ہے تو ان کو اس کے مال سے ادا کیا جائے گا۔

{4} اگر محجور نے فرض حج کا قصد کیا تو اسے منع نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ خود محجور کے فعل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہے اس لیے اس میں اس کا مال خرچ کرنا صحیح ہے، البتہ قاضی حج کا خرچہ اس کو سپرد نہ کرے گا بلکہ حاجیوں میں

سے کسی معتمد آدمی کے سپرد کرے گا کہ وہ حج کے راستہ میں اس پر خرچ کرتا جائے تا کہ سفیہ اس کو حج کے خرچہ کے علاوہ میں خرچ نہ کر ڈالے۔

{5} اگر سفیہ نے ایک عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے استحساناً منع نہ کیا جائے گا؛ کیونکہ علماء اسلام میں وجوبِ عمرہ کے بارے میں اختلاف ہے یعنی ایک جماعت کے نزدیک عمرہ بھی واجب ہے اس لیے اس راہ میں خرچ کرنے سے نہیں روکا جائے گا، پھر یہ ایک بار کے لیے ہے اس کے برخلاف اگر ایک بار سے زیادہ حج کا ارادہ کیا تو اس سے منع کیا جائے گا۔

اور قران کے طور پر حج ادا کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا اور قران یہ ہے کہ حج وعمرہ کو ایک احرام سے ادا کرے تو اس سے سفیہ کو نہیں روکا جائے گا؛ کیونکہ جب اس کو حج اور عمرہ میں سے ہر ایک کے لیے تنہا سفر کرنے سے منع نہیں کیا گیا تو دونوں کو جمع کرنے سے بدرجہ اولیٰ نہیں منع کیا جائے گا۔

{6} سفیہ کو بدنہ ساتھ لے جانے سے منع نہیں کیا جائے گا یعنی اونٹ یا گائے۔ قربانی کے لیے لے جانے سے منع نہیں کیا جائے گا تا کہ محلِ اختلاف سے بچ جائے؛ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ہدیہ کے طور پر اونٹ یا گائے جائز ہے بکری جائز نہیں ہے[1] پس اونٹ یا گائے لے جانے میں محلِ اختلاف سے بچ جائے گا تو بدنہ لے جانے سے اس نے ایک دینی معاملہ میں احتیاط سے کام لیا اس لیے اس سے نہیں روکا جائے گا۔ اور بدنہ اونٹ یا گائے کو کہتے ہیں۔

{7} اگر مذکورہ مجور بیمار ہوا اور اس نے چند وصیتیں کیں جو قربِ الٰہی اور خیر کے ابواب سے متعلق ہیں تو یہ اس کے تہائی مال سے جائز ہے؛ کیونکہ اسی میں اس کے حق میں بھلائی ہے اس لیے کہ اب اس کا یہ وقت ہے کہ اپنے مال سے منقطع ہو رہا ہے اور وصیت کے پیچھے تعریف ہوتی ہے یا ثواب ہوتا ہے یعنی اگر وصیت اس نے غنی کے لیے کی ہو تو یہ اس کے لیے نیک یادگار ہوتی ہے اور اگر وصیت فقیر کے لیے کی ہو تو یہ اس کے لیے ثواب کا ذریعہ ہے اور ہم نے "کفایۃ المنتہی" میں اس سے زیادہ تفریعات بیان کی ہیں۔

{8} فاسق کو تصرفات سے نہیں روکا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنے مال کے لیے مصلح ہو اور یہ ہمارے نزدیک ہے، اور فسقِ اصلی اور طاری ہمارے نزدیک برابر ہیں یعنی خواہ فاسق ہی بالغ ہوا ہو یا بلوغ کے بعد فاسق ہو گیا ہو دونوں برابر ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

---

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَرَوَى الطَّبَرَانِيُّ فِي كِتَابِ مُسْنَدِ الشَّامِيِّينَ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ ثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنِي شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ: لَا أَعْلَمُ الْهَدْيَ إلَّا مِنْ الْإِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَنْحَرُ فِي الْحَجِّ إلَّا الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَمْ يَذْبَحْ لِذَلِكَ شَيْئًا. انْتَهَى. وَرَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّإِ فِي الْحَجِّ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنْ الْهَدْيِ، بَدَنَةٌ، أَوْ بَقَرَةٌ، انْتَهَى. (نصب الرایۃ: 393/4)

اس عمل سے روکنے اور سزا کے طور پر اس کو مجور کیا جائے گا جیسے سفیہ کو مجور کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق کو نکاح کرانے کا ولی اور گواہی کا اہل نہیں قرار دیا گیا ہے۔

{9} ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ[1]﴾ (پھر اگر تم ان میں البتہ معلوم کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو) یہاں حال یہ کہ ایک قسم کی نیک چلنی دیکھی گئی یعنی دینی اعتبار سے اگرچہ فاسق ہے مگر اپنے مال میں نیک چلن ہے تو "رُشْدًا" جو نکرہ مطلقہ ہے اس کو شامل ہے یعنی آیت میں کوئی نیک چلنی مراد ہے تو جب ہم نے ایک قسم کی نیک چلنی (مال میں درستی) دیکھ لی تو لازم ہوا کہ اس کو اس کا مال دیدیا جائے۔ اور ہمارے نزدیک فاسق کو بھی ولایت حاصل ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے تو وہ مالی تصرف کا بھی متولی ہو سکتا ہے اور ہم اس کو سابق میں "کتاب النکاح" میں بیان کر چکے ہیں۔

{10} پھر صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کسی پر غفلت کے سبب بھی حجر کرنا جائز ہے اور غفلت یہ ہے کہ تجارات میں خسارہ اٹھائے اور بغیر خرید و فروخت کے بھی رہ نہیں سکتا؛ کیونکہ دل سے بھولا ہے یعنی اپنے بھولے پن کی وجہ سے یہ بھی نہیں کرے گا کہ خرید و فروخت نہ کرے پس مجور کر دیا جائے گا؛ کیونکہ مجور کرنے میں اس کے حق میں بہتری ہے۔

## فَصْلٌ فِي حَدِّ الْبُلُوغِ

یہ فصل حدِ بلوغ کے بیان میں ہے۔

بلوغ لغت میں بمعنی وصول ہے اور اصطلاح میں نابالغی کی انتہا کو کہتے ہیں۔ چونکہ حجر کے اسباب میں سے نابالغ ہونا بھی ہے اس لیے اس کی انتہا بیان کرنا ضروری ہوا تو مصنفؒ نے اس فصل میں یہی صغر سنی کی انتہا بیان کی ہے۔

{1} قَالَ : بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْإِحْبَالِ وَالْإِنْزَالِ إذَا وَطِئَ ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فَحَتَّى يَتِمَّ لَهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً ، وَبُلُوغُ الْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ وَالِاحْتِلَامِ وَالْحَبَلِ ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فَحَتَّى يَتِمَّ لَهَا سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا : إذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ

فرمایا: لڑکے کا بالغ ہونا احتلام، حاملہ کر دینے اور انزال سے ہے جب وطی کرلے، پس اگر نہ پائی گئی ایک بات ان میں سے تو یہاں تک پورے ہو جائیں اس کے اٹھارہ سال امام صاحبؒ کے نزدیک، اور لڑکی کا بلوغ حیض، احتلام اور حمل سے ہے، پس اگر نہ پائی گئی ایک بات ان میں سے تو یہاں تک کہ پورے ہو جائیں اس کے سترہ سال، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب پورے ہو جائیں لڑکے

[1] النساء: 6.

وَالْجَارِيَةِ خَمْسُ عَشْرَةَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ، وَعَنْهُ

اور لڑکی کے پندرہ سال تو وہ بالغ ہوگئے، اور یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے، اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا، اور امام صاحبؒ سے ایک روایت

فِي الْغُلَامِ تِسْعَ عَشْرَةَ سَنَةً .{2}وَقِيلَ الْمُرَادُ أَنْ يَطْعَنَ فِي التَّاسِعِ عَشْرَةَ سَنَةً وَيَتِمَّ لَهُ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً

لڑکے کے بارے میں انیس سال کی ہے، اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ شروع ہو جائے انیسویں سال میں اور پورے ہو جائیں اس کے اٹھارہ سال،

فَلَا اخْتِلَافَ .وَقِيلَ فِيهِ اخْتِلَافُ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُ ذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ حَتَّى يَسْتَكْمِلَ تِسْعَ عَشْرَةَ سَنَةً،

پس کوئی اختلاف نہیں، اور کہا گیا ہے کہ اس میں اختلافِ روایت ہے؛ کیونکہ مذکور ہے بعض نسخوں میں: یہاں تک کہ پورے ہو جائیں انیس سال۔

{3}أَمَّا الْعَلَامَةُ فَلِأَنَّ الْبُلُوغَ بِالْإِنْزَالِ حَقِيقَةً وَالْحَبَلُ وَالْإِحْبَالُ لَا يَكُونُ إلَّا مَعَ الْإِنْزَالِ ، وَكَذَا

بہر حال علامت تو اس لیے کہ بالغ ہونا انزال سے ہوتا ہے حقیقت میں، اور حاملہ ہونا یا حاملہ کرنا نہیں ہوتا ہے مگر انزال سے، اور اسی طرح

الْحَيْضُ فِي أَوَانِ الْحَبَلِ،فَجُعِلَ كُلُّ ذَلِكَ عَلَامَةَ الْبُلُوغِ،وَأَدْنَى الْمُدَّةِ لِذَلِكَ فِي حَقِّ الْغُلَامِ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً،وَفِي حَقِّ الْجَارِيَةِ

حیض ہے حمل کے زمانہ میں، پس قرار دیا گیا ہر ایک کو علامتِ بلوغ۔ اور ادنیٰ مدت بلوغ کی لڑکے کے حق میں بارہ سال ہے اور لڑکی کے حق میں

تِسْعُ سِنِينَ .وَأَمَّا السِّنُّ فَلَهُمُ الْعَادَةُ الْفَاشِيَةُ أَنَّ الْبُلُوغَ لَا يَتَأَخَّرُ فِيهِمَا عَنْ هَذِهِ الْمُدَّةِ .{4}وَلَهُ

نو سال ہے، رہا سن تو ان حضرات کی دلیل عام عادت ہے کہ بلوغ مؤخر نہیں ہوتا ہے ان دونوں میں اس مدت سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل

قَوْله تَعَالَى { حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ } وَأَشُدُّ الصَّبِيِّ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً ، هَكَذَا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی قوت کو" اور اشد بچے کی اٹھارہ سال ہے اسی طرح کہا ہے حضرت ابن عباسؓ نے،

وَتَابَعَهُ الْقُتَبِيُّ ، وَهَذَا أَقَلُّ مَا قِيلَ فِيهِ فَيُبْنَى الْحُكْمُ عَلَيْهِ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ،

اور متابعت کی ہے ان کی قتبی نے، اور یہ سب سے اقل ہے جو کہا گیا ہے اشد کے بارے میں تو مدار رکھا گیا حکم کا اس پر اس کے متیقن ہونے کی وجہ،

غَيْرَ أَنَّ الْإِنَاثَ نُشُوءُهُنَّ وَإِدْرَاكُهُنَّ أَسْرَعُ فَنَقَصْنَا فِي حَقِّهِنَّ سَنَةً لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُولِ الْأَرْبَعَةِ

البتہ عورتوں کی نشو نما اور بالغ ہونا جلدی ہوتا ہے پس ہم نے کم کر دیا ان کے حق میں ایک سال؛ بوجہ اس کے مشتمل ہونے کے چاروں فصلوں پر

الَّتِي يُوَافِقُ وَاحِدٌ مِنْهَا الْمِزَاجَ لَا مَحَالَةَ .{5}قَالَ : وَإِذَا رَاهَقَ الْغُلَامُ أَوْ الْجَارِيَةُ الْحُلُمَ وَأَشْكَلَ أَمْرُهُ

جو موافق ہوتی ہے کوئی ایک ان میں سے مزاج کے لامحالہ۔ فرمایا: اور جب قریب ہو جائے لڑکا یا لڑکی بلوغ کے اور دشوار ہو جائے اس کا معاملہ

فِي الْبُلُوغِ فَقَالَ قَدْ بَلَغْتُ ، فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ وَأَحْكَامُهُ أَحْكَامُ الْبَالِغِينَ ؛ لِأَنَّهُ مَعْنًى

بلوغ کے بارے میں، پس اس نے کہا: میں بالغ ہو گیا تو قول اس کا معتبر ہوگا، اور اس کے احکام بالغوں جیسے ہوں گے؛ کیونکہ یہ ایسی بات ہے

لَايُعْرَفُ إلَّامِنْ جِهَتِهِمَاظَاهِرًا، فَإِذَاأَخْبَرَابِهِ وَلَمْ يُكَذِّبْهُمَاالظَّاهِرُقُبِلَ قَوْلُهُمَافِيهِ، كَمَايُقْبَلُ قَوْلُ الْمَرْأَةِفِي الْحَيْضِ.

جو معلوم نہیں ہو سکتی ہے مگر ان دونوں کی جانب سے ظاہراً، پس جب انہوں نے خبر دی اس کی، تو تکذیب نہیں کی ان دونوں کی ظاہر حال نے، تو قبول کیا جائے گا ان کا قول اس میں جیسا کہ قبول کیا جاتا ہے عورت کا قول حیض کے بارے میں۔

تشریح:۔ {1} لڑکا بالغ اس وقت ہوتا ہے کہ احتلام ہو یا وطی کر کے عورت کو حاملہ کر دے یا انزال ہو، پس اگر ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ بالغ نہ ہو گا یہاں تک کہ اس کے اٹھارہ برس پورے ہو جائیں، اور لڑکی اس وقت بالغہ ہوتی ہے کہ اس کو حیض آئے یا احتلام ہو یا اس کو حمل ٹھہر جائے، اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی گئی تو پھر سترہ سال پورے ہونے پر بالغہ شمار ہو گی، اور یہ بھی امام صاحبؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی دونوں کے جب پندرہ برس پورے ہو جائیں تب دونوں بالغ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب انیس برس ہو جائیں تب لڑکا بالغ ہوتا ہے۔

{2} بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ امام صاحبؒ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ انیسویں سال میں داخل ہو جائے اور اٹھارہ برس پورے ہو جائیں تو بالغ ہو گا، اس تطبیق کے مطابق امام صاحبؒ کی دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ نہیں بلکہ یہ امام صاحبؒ سے دو مختلف روایتیں ہیں؛ کیونکہ مبسوط کے بعض نسخوں میں یوں مذکور ہے کہ یہاں تک کہ انیس برس پورے ہو جائیں، جس سے اختلافِ روایت معلوم ہوتا ہے۔

{3} رہا علامت سے بلوغ کا ثبوت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ در حقیقت بالغ ہونا انزال سے ہوتا ہے اور حمل ٹھہر جانا یا حاملہ کرنا بغیر انزال نہیں ہو سکتا اس لیے وہ در حقیقت انزال کی وجہ سے بلوغ ہے۔ اسی طرح حیض بھی زمانہ حمل میں بلوغ کی علامت ہے پس ان میں سے ہر ایک کو بلوغ کی علامت قرار دیدیا گیا۔ اور بلوغ کی ادنیٰ مدت لڑکے کے حق میں بارہ برس ہیں اور لڑکی کے حق میں نو برس ہیں۔ اور رہا سن سے بلوغ تو صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہت غالب عادت یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی میں بلوغ پندرہ برس کی مدت سے متاخر نہیں ہوتا ہے اس لیے ہم نے کہا کہ لڑکا اور لڑکی جب پندرہ برس کے ہو جائیں تو بالغ ہیں۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ[1]﴾ (اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو، یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو) اور لڑکے کا "اَشُدّ" اٹھارہ برس میں ہوتا ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے[2] اور علامہ قتبی نے انہیں کا اتباع کیا ہے، اور "اَشُدّ" کے معنی میں

---

([1]) الانعام: 152

([2]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَنُقِلَ عَنِ الْبَغَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ} نِهَايَةَ قُوَّتِهِ، وَغَايَةَ شَبَابِهِ، وَاسْتِوَائِهِ، وَهُوَ مَا بَيْنَ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً إِلَى أَرْبَعِينَ، وَرَوَى الطَّبَرَانِيُّ فِي مُعْجَمِهِ الْوَسَطِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ لَبِيدٍ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ ثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ

جو مقداریں بیان کی گئی ہیں سب سے کم مقدار یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے تو متیقن ہونے کی وجہ سے اسی پر حکم مبنی ہو گا، صرف اتنا فرق ہے کہ عورتوں کا بڑھنا اور بالغ ہونا بہت جلد ہوتا ہے تو ان کے حق میں ہم نے ایک سال کم کر دیا؛ کیونکہ سال چار موسموں پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سے کوئی ایک لازمی طور پر مزاج کے موافق ہوتا ہے جس سے مزاج میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور بلوغ کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

**فتوی:**۔ صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: ( فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا ) شَيْءٌ ( فَحَتَّى يَتِمَّ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً بِهِ يُفْتَى ) لِقِصَرِ أَعْمَارِ أَهْلِ زَمَانِنَا ( وَأَدْنَى مُدَّتِهِ لَهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَلَهَا تِسْعُ سِنِينَ ) هُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي أَحْكَامِ الصِّغَارِ ۔وقال العلامة ابن عابدين: ( قَوْلُهُ : بِهِ يُفْتَى ) هَذَا عِنْدَهُمَا وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ الْإِمَامِ وَبِهِ قَالَتْ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ ، وَعِنْدَ الْإِمَامِ حَتَّى يَتِمَّ لَهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَهَا سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً . (الدّرالمختار مع ردّ المحتار: 107/5)

{5} اگر لڑکا یا لڑکی بلوغ کے قریب پہنچے اور بلوغ میں ان کی حالت مشتبہ ہو گئی پس اس نے کہا کہ میں بالغ ہوں تو اسی کا قول قبول ہو گا اور اب اس کے احکام وہی ہوں گے جو بالغوں کے ہیں؛ کیونکہ بلوغ ایک ایسی بات ہے جو سوائے ان دونوں کے اور کسی طرح سے بظاہر معلوم نہیں ہوتی تو جب ان دونوں نے بلوغ کی خبر دی اور ظاہر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کو جھٹلائے تو اس بارے میں ان دونوں کا قول قبول ہو گا جیسے عورت نے حیض کی خبر دی تو اس کا قول قبول ہوتا ہے یعنی قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو امر صرف عورت ہی کی طرف سے معلوم ہوتا ہو اس میں عورت کا قول قبول ہو گا اسی طرح جو بات فقط لڑکے اور لڑکی کی طرف سے معلوم ہو سکتی ہے اس میں اسی کا قول قبول ہو گا۔

## بَابُ الْحَجْرِ بِسَبَبِ الدَّيْنِ

یہ باب قرضہ کی وجہ سے مجور کرنے کے بیان میں ہے۔

چونکہ قرض کی وجہ قرضدار کو مجور کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ قرضخواہ اس کے مجور کرنے کا مطالبہ کرے پس اس میں ایک زائد وصف ہے اس لیے یہ سابقہ ابواب کی بنسبت مرکب ہے اور مرکب مفرد سے مؤخر ہوتا ہے اس لیے اس باب کو مؤخر کر کے ذکر کیا ہے۔

---

خيثم عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قوله تعالى: {حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ} قَالَ: ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ سَنَةً، وَهُوَ الَّذِي رُفِعَ عَلَيْهِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، انْتَهَى. وَرَوَاهُ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ فِي تَفْسِيرِهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بن خيثم عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عباس فِي قوله: {حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ} قَالَ: تِسْعًا وَثَلَاثِينَ سَنَةً.(نصب الراية:394/4)

{1} قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : لَا أَحْجُرُ فِي الدَّيْنِ ، وَإِذَا وَجَبَتْ دُيُونٌ عَلَى رَجُلٍ وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ
امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں حجر نہیں کروں گا دَین کی وجہ سے، اور جب ہو جائیں قرضے کسی شخص پر، اور طلب کیا اس کے قرضخواہوں نے
حَبْسَهُ وَالْحَجْرَ عَلَيْهِ لَمْ أَحْجُرْ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ فِي الْحَجْرِ إِهْدَارَ أَهْلِيَّتِهِ فَلَا يَجُوزُ لِدَفْعِ ضَرَرٍ خَاصٍّ.
اس کو قید کرنا اور حجر کرنا اس پر، تو میں حجر نہیں کروں گا اس پر؛ کیونکہ حجر میں مٹانا ہے اس کی اہلیت کو، پس جائز نہیں؛ ضررِ خاص کو دور کرنے کے لیے
{2} فَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ لَمْ يَتَصَرَّفْ فِيهِ الْحَاكِمُ ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ حَجْرٍ ، وَلِأَنَّهُ تِجَارَةٌ
پس اگر ہو اس کے لیے مال، تو تصرف نہیں کرے گا اس میں حاکم؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا حجر ہے، اور اس لیے کہ یہ تجارت ہے
لَا عَنْ تَرَاضٍ فَيَكُونُ بَاطِلًا بِالنَّصِّ وَلَكِنْ يَحْبِسُهُ أَبَدًا حَتَّى يَبِيعَهُ فِي دَيْنِهِ؛
بلا رضامندی، تو یہ باطل ہے بحکم نص، لیکن حاکم قید کرے گا اس کو ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ وہ فروخت کر دے اس کو اپنے دَین میں؛
إِيفَاءً لِحَقِّ الْغُرَمَاءِ وَدَفْعًا لِظُلْمِهِ{3} وَقَالَا : إِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُفْلِسِ الْحَجْرَ عَلَيْهِ
حق غرماء پورا کرنے کے لیے، اور اس کا ظلم دفع کرنے کے لیے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: جب طلب کرے مفلس کے قرضخواہ حجر اس پر،
حَجَرَ الْقَاضِي عَلَيْهِ ، وَمَنَعَهُ مِنَ الْبَيْعِ وَالتَّصَرُّفِ وَالْإِقْرَارِ حَتَّى لَا يَضُرَّ بِالْغُرَمَاءِ ؛ لِأَنَّ الْحَجْرَ عَلَى السَّفِيهِ
تو حجر کرے گا قاضی اس پر، اور روک دے گا اس کو بیع، تصرف اور اقرار سے؛ تاکہ ضرر نہ پہنچائے قرضخواہوں کو؛ کیونکہ بے وقوف پر حجر کو
إِنَّمَا جَوَّزْنَاهُ نَظَرًا لَهُ ، وَفِي هَذَا الْحَجْرِ نَظَرٌ لِلْغُرَمَاءِ لِأَنَّهُ عَسَاهُ يُلْجِئُ
ہم نے جائز قرار دیا تھا اس کی رعایت کے لیے، اور اس حجر میں رعایت ہے قرضخواہوں کی؛ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بطورِ تلجیہ فروخت کر دے
مَالَهُ فَيَفُوتُ حَقُّهُمْ ،{4} وَمَعْنَى قَوْلِهِمَا وَمَنَعَهُ مِنَ الْبَيْعِ أَنْ يَكُونَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الْمِثْلِ،
اپنا مال، پس فوت ہو جائے قرضخواہوں کا حق، اور صاحبینؒ کے قول "حاکم منع کر دے گا اس کو بیع سے" کا معنی یہ ہے کہ بیع ثمن مثل سے کم پر ہو،
أَمَّا الْبَيْعُ بِثَمَنِ الْمِثْلِ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الْغُرَمَاءِ وَالْمَنْعُ لِحَقِّهِمْ فَلَا يُمْنَعُ مِنْهُ.
رہی بیع ثمن مثل کے عوض تو وہ باطل نہیں کرتی ہے قرضخواہوں کے حق کو، اور منع کرنا ان کے حق کی وجہ سے ہے، پس نہیں روکا جائے گا وہ اس سے۔
{5} قَالَ : وَبَاعَ مَالَهُ إِنِ امْتَنَعَ الْمُفْلِسُ مِنْ بَيْعِهِ وَقَسَمَهُ بَيْنَ غُرَمَائِهِ بِالْحِصَصِ
فرمایا: اور قاضی فروخت کر دے اس کا مال اگر رُک گیا مفلس اس کو فروخت کرنے سے، اور تقسیم کر دے اس کو قرضخواہوں کے درمیان حصوں کے مطابق
عِنْدَهُمَا ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ لِإِيفَاءِ دَيْنِهِ حَتَّى يُحْبَسَ لِأَجْلِهِ ، فَإِذَا
صاحبینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ فروخت کرنا واجب ہے اس پر؛ اس کا دَین پورا کرنے کے لیے حتیٰ کہ قید کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے، پس جب
امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِي مَنَابَهُ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ .{6} قُلْنَا : التَّلْجِئَةُ مَوْهُومَةٌ ، وَالْمُسْتَحَقُّ قَضَاءُ الدَّيْنِ،

وہ ترک کیا تو قائم مقام ہوا قاضی اس کا جیسا کہ مجبوب اور عنین میں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تلجئہ فقط موہوم ہے، اور واجب دَین ادا کرنا ہے،

وَالْبَيْعُ لَيْسَ بِطَرِيقٍ مُتَعَيَّنٍ لِذَلِكَ ، {7} بِخِلَافِ الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ وَالْحَبْسُ لِقَضَاءِ الدَّيْنِ بِمَا يَخْتَارُهُ مِنَ الطُّرُقِ،

اور فروخت کرنا نہیں ہے متعین طریق اس کے لیے، برخلاف مجبوب اور عنین کے، اور قید کرنا قضاءِ دَین کے لیے اس طریقہ پر جس کو وہ اختیار کرے،

كَيْفَ وَلَوْ صَحَّ الْبَيْعُ كَانَ الْحَبْسُ إِضْرَارًا بِهِمَا بِتَأْخِيرِ حَقِّ الدَّائِنِ وَتَعْذِيبِ الْمَدْيُونِ

کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اگر صحیح ہو جائے بیع تو قید کرنا ضرر پہنچانا ہے ان دونوں کو دائن کے حق کی تاخیر اور مدیون کو تکلیف دینے کے ساتھ،

فَلَا يَكُونُ مَشْرُوعًا . {8} قَالَ : وَإِنْ كَانَ دَيْنُهُ دَرَاهِمَ وَلَهُ دَرَاهِمُ قَضَى الْقَاضِي بِغَيْرِ أَمْرِهِ،

پس یہ مشروع نہ ہوگا۔ فرمایا: اور اگر اس کا دَین دراہم ہوں اور اس کے پاس دراہم ہوں، تو ادا کردے قاضی اس کی اجازت کے بغیر،

وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ ، لِأَنَّ لِلدَّائِنِ حَقَّ الْأَخْذِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ فَلِلْقَاضِي أَنْ يُعِينَهُ {9} وَإِنْ كَانَ دَيْنُهُ دَرَاهِمَ

اور یہ بالاجماع ہے؛ کیونکہ دائن کو حق ہے لینے کا اس کی رضا کے بغیر، تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ اس کی مدد کرے، اور اگر اس کا دَین دراہم ہوں

وَلَهُ دَنَانِيرُ أَوْ عَلَى ضِدِّ ذَلِكَ بَاعَهَا الْقَاضِي فِي دَيْنِهِ ؛ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ اسْتِحْسَانٌ.

اور اس کے پاس دنانیر ہوں یا اس کے برعکس ہو تو فروخت کردے اس کو قاضی اس کے دَین میں، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک استحسان ہے،

وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَبِيعَهُ كَمَا فِي الْعُرُوضِ ، وَلِهَذَا لَمْ يَكُنْ لِصَاحِبِ الدَّيْنِ أَنْ يَأْخُذَهُ جَبْرًا . وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ

اور قیاس یہ ہے کہ فروخت نہ کرے اس کو جیسا کہ اسباب میں ہوتا ہے، اسی لیے دائن کو یہ اختیار نہیں کہ لے لے اس کو جبراً، وجہ استحسان یہ ہے

أَنَّهُمَا مُتَّحِدَانِ فِي الثَّمَنِيَّةِ وَالْمَالِيَّةِ مُخْتَلِفَانِ فِي الصُّورَةِ ، فَبِالنَّظَرِ إِلَى الِاتِّحَادِ يَثْبُتُ لِلْقَاضِي وِلَايَةُ التَّصَرُّفِ،

کہ یہ دونوں متحد ہیں ثمنیت اور مالیت میں، مختلف ہیں صورت میں، تو اتحاد کے پیش نظر ثابت ہوگی قاضی کے لیے ولایتِ تصرف،

وَبِالنَّظَرِ إِلَى الِاخْتِلَافِ يُسْلَبُ عَنِ الدَّائِنِ وِلَايَةُ الْأَخْذِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ ، {10} بِخِلَافِ الْعُرُوضِ لِأَنَّ الْغَرَضَ

اور اختلاف کے پیش نظر مسلوب ہوگی دائن سے لینے کی ولایت؛ عمل کرتے ہوئے دونوں مشابہتوں پر، برخلاف سامان کے؛ کیونکہ غرض

يَتَعَلَّقُ بِصُوَرِهَا وَأَعْيَانِهَا ، أَمَّا النُّقُودُ فَوَسَائِلُ فَافْتَرَقَا {11} وَيُبَاعُ

متعلق ہوتی ہے ان کی صورتوں اور ان کے اعیان کے ساتھ، رہے نقود تو وہ وسائل ہیں، پس دونوں میں فرق ہوگیا۔ اور فروخت کیے جائیں گے

فِي الدَّيْنِ النُّقُودُ ثُمَّ الْعُرُوضُ ثُمَّ الْعَقَارُ يُبْدَأُ بِالْأَيْسَرِ فَالْأَيْسَرِ ؛ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمُسَارَعَةِ إِلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ

دَین میں پہلے نقود، پھر سامان، پھر عقار، اور شروع کیا جائے گا آسان پھر آسان سے؛ کیونکہ اس میں مسارعت ہے اداءِ دَین کی طرف

مَعَ مُرَاعَاةِ جَانِبِ الْمَدْيُونِ {12} . وَيُتْرَكُ عَلَيْهِ دَسْتٌ مِنْ ثِيَابِ بَدَنِهِ وَيُبَاعُ الْبَاقِي ؛ لِأَنَّ

جانب مدیون کی رعایت کے ساتھ، اور چھوڑا جائے گا اس پر ایک جوڑا اس کے بدن کے کپڑوں کا، اور فروخت کیا جائے گا باقی؛ کیونکہ

بِهِ كِفَايَةً وَقِيلَ دَسْتَانِ وَهُوَ اخْتِيَارُ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيِّ ، لِأَنَّهُ إِذَا غَسَلَ ثِيَابَهُ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مَلْبَسٍ

اسی سے کفایت ہے، اور کہا گیا ہے: دو جوڑے؛ کیونکہ جب وہ دھوئے اپنے کپڑے تو ضروری ہے اس کے پہننے کے لیے کچھ۔

تشریح:۔ {1} امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قرضہ کی وجہ سے میں کسی کو مجور نہیں کروں گا، اور جب کسی شخص پر بہت سے قرضے چڑھ جائیں اور اس کے قرضخواہوں نے درخواست کی کہ اس کو محبوس کیا جائے اور اس کو مجور کیا جائے تو میں اس پر حجر نہیں کروں گا؛ کیونکہ حجر میں اس کی اہلیت باطل کرنا لازم آتا ہے جو بہت زیادہ ضرر ہے تو ایک خاص ضرر (قرضخواہوں کا ضرر) دفع کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضرر کو برداشت نہیں کیا جائے گا، اور صاحبینؒ و دیگر ائمہ کے نزدیک مجور کیا جائے گا۔

{2} پھر اگر اس کا کچھ مال ہو تو اس میں حاکم کچھ تصرف نہیں کرے گا مثلاً حاکم اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا حجر ہے اور مقروض کا حجر جائز نہیں۔ دوسری وجہ ہے کہ یہ مالک کی رضامندی کے بغیر تجارت ہے تو بحکم نص باطل ہے نص سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾[1] (اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں) جس سے معلوم ہوا کہ مالک کی رضامندی کے بغیر خرید و فروخت باطل ہے۔

لیکن قاضی اس قرضدار کو برابر قید میں رکھے گا یہاں تک کہ وہ خود اپنا مال اپنے قرضہ میں فروخت کر دے تاکہ اس سے قرضخواہوں کا حق ادا کر دے اور قرضدار کا ظلم دور ہو؛ کیونکہ مال کے ہوتے ہوئے قرضہ ادا نہ کرنا ظلم ہے۔

{3} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب مفلس کے قرضخواہوں نے درخواست کی کہ اس پر حجر کر دیا جائے تو قاضی اس کو مجور کر دے اور اس کو فروخت کرنے اور ہر طرح کے تصرف کرنے اور کسی کے لیے مال کے اقرار کرنے سے منع کر دے تاکہ قرضخواہوں کو ضرر نہ پہنچے؛ کیونکہ سفیہ بیوقوف پر حجر ہم نے اسی لیے جائز رکھا کہ اس کے حق میں بہتری ہو اور مفلس پر حجر کرنے میں بھی قرضخواہوں کی بہتری اور رعایت ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ مفلس اپنے مال کا تلجیہ کرے یعنی اپنے مال کو کسی بڑے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے جس کے قبضہ سے پھر مال نکالنا ممکن نہ ہو تو اس طرح قرضخواہوں کا حق باطل ہو جائے گا۔

[1] النساء: 29۔

{4} اور یہ جو صاحبین ؒ نے فرمایا کہ "حاکم اس کو بیع سے منع کر دے گا" اس کا معنی یہ ہے کہ ثمنِ مثل سے کم کے عوض فروخت کرنے سے منع کر دے گا، باقی ثمنِ مثل کے عوض فروخت کرنے سے چونکہ قرضخواہوں کا حق باطل نہیں ہوتا ہے حالانکہ منع کرنا قرضخواہوں ہی کے حق کی وجہ سے تھا لہذا ثمنِ مثل کے عوض فروخت کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔

فتوی:۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما فی تکملۃ البحر الرائق: ( وَدَيْنٍ ، وَإِنْ طَلَبَ غُرَمَاؤُهُ ) يَعْنِي لَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ بِسَبَبِ الدَّيْنِ وَلَوْ طَلَبَ غُرَمَاؤُهُ الْحَجْرَ عَلَيْهِ وَهَذَا عِنْدَ الْإِمَامِ ؛ لِأَنَّ فِي الْحَجْرِ عَلَيْهِ إهْدَارَ أَهْلِيَّتِهِ وَإِلْحَاقَهُ بِالْبَهَائِمِ وَذَلِكَ ضَرَرٌ عَظِيمٌ فَلَا يَجُوزُ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ عَلَيْهِ بِسَبَبِ الدَّيْنِ وَعَلَى قَوْلِهِمَا الْفَتْوَى كَذَا فِي قَاضِي خان مِنْ بَابِ الْحِيطَانِ وَفِي الْكَافِي ، (تکملۃ البحر الرائق: 83/8)

{5} پھر صاحبین ؒ کے نزدیک اگر مفلس نے اپنا مال فروخت کرنے سے انکار کیا تو قاضی اس کو فروخت کر کے اس کا ثمن اس کے قرضخواہوں کے درمیان حصہ رسد کے حساب سے تقسیم کر دے؛ کیونکہ مقروض پر قرض کی ادائیگی کے لیے مال فروخت کرنا واجب ہے حتی کہ وہ مال فروخت کرنے سے انکار کی صورت میں قید خانہ میں ڈالا جائے گا، پھر جب اس نے فروخت کرنے سے انکار کیا تو قاضی اس کا قائم مقام ہو گا پس قاضی اس کا مال فروخت کر کے قرضخواہوں میں تقسیم کر دے، جیسے مجبوب (ذکر کٹے شخص) اور عنین کی صورت میں ہوتا ہے یعنی جب مجبوب اور عنین پر اپنی زوجہ کو جدا کرنا واجب ہوا اور اگر اس نے جدا کرنے سے انکار کیا تو قاضی قائم مقام ہو کر طلاق دے دیتا ہے اسی طرح یہاں بھی قاضی مفلس کا قائم مقام ہو کر اس کا مال فروخت کرے گا۔

{6} ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ایک موہوم امر ہے کہ مدیون اپنے مال کو بطور تلجیہ فروخت کر دے گا لہذا اس کی وجہ سے مقروض کو مجور کر کے اس کی اہلیت کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ اور مقروض شخص پر لازم یہ ہے کہ اپنا قرضہ ادا کر دے اور اس کے ادا کرنے کا صرف یہی طریقہ متعین نہیں ہے کہ اس کا مال فروخت کیا جائے بلکہ اس کو قید کر کے اس کے ذریعہ سے اس کا مال فروخت کرانا بھی ممکن ہے لہذا قاضی کے لیے اس ایک طریقہ کو متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

{7} باقی مجبوب اور عنین کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کہ اس میں قاضی کے نائب ہونے کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں ہے اس لیے یہی متعین ہے کہ قاضی اس کا نائب ہو کر اس کی بیوی کو طلاق دے۔ رہا قرضہ کی وجہ سے اسے قید کیا جانا تو یہ تسلیم ہے مگر اس کو اس لیے قید کیا جاتا ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی کا جو طریقہ چاہے اختیار کرے اس لیے نہیں کہ وہ لازمی طور پر اپنا مال فروخت کر دے؛ کیونکہ اگر فقط فروخت کرنا ہی جائز ہو تو پھر مدیون کو قید کرنا دائن و مدیون دونوں کے لیے ضرر ہو گا؛ کیونکہ فروخت

کے وقت تک دائن کے حق کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی ہے اور مقروض کو بے فائدہ تکلیف ہوتی ہے تو قید کرنا مشروع نہ ہوا، حالانکہ مدیون کو محبوس کرنا مشروع ہے۔

{8} اگر مقروض پر دراہم قرض ہوں اور اس کا مال بھی دراہم ہوں تو قاضی بغیر اس کی اجازت کے اس کا قرضہ ادا کر دے گا اور یہ حکم بالاجماع ہے یعنی ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے؛ کیونکہ قرضخواہ کو مقروض کی رضامندی کے بغیر اس کا مال لے لینے کا حق ہوتا ہے تو قاضی کے لیے جائز ہو گا کہ اس کی مدد کرے یعنی شرع میں اگر قرضخواہ اپنے قرضدار کے اسی جنس کے مال پر قابو پائے جس جنس کا قرضہ ہے تو وہ اپنے قرضہ کے بقدر لے سکتا ہے تو اس کو صورتِ مذکورہ میں لینے کا حق پہلے سے حاصل ہے پس قاضی صرف مددگار ہو جائے گا اس لیے قاضی کا مقروض کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے اس کا قرضہ ادا کرنا جائز ہے۔

{9} اگر مقروض پر دراہم قرضہ ہوں اور اس کا مال دنانیر ہوں یا اس کے برعکس ہو یعنی قرضہ دنانیر ہوں اور اس کا مال دراہم ہوں تو اس کے اس نقد کو قاضی فروخت کر کے اس کا قرضہ ادا کرے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استحسان ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ قاضی اس کو فروخت نہیں کر سکے گا جیسے اگر مقروض کے پاس اسباب ہوں تو قاضی اس کے اسباب کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اختلافِ جنس کی صورت میں قرضخواہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جبراً اس خلافِ جنس نقد کو لے لے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ دراہم اور دنانیر دونوں ثمن ہونے اور مالیت میں متحد ہیں البتہ صورت میں مختلف ہیں پس متحد ہونے کے اعتبار سے قاضی کو ولایت تصرف حاصل ہے اور اختلافِ صورت کے اعتبار سے قرضخواہ کو مقروض کی رضامندی کے بغیر لینے کا اختیار نہیں ہے تاکہ دونوں مشابہتوں پر عمل ہو جائے۔

{10} برخلاف اسباب کے؛ کیونکہ اسباب کی صورت اور ذات دونوں کے ساتھ غرض متعلق ہوتی ہے لہٰذا قاضی اسباب کو فروخت نہیں کرے گا، باقی نقود (دراہم اور دنانیر) تو صرف اسباب حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں لہٰذا ان کی صورت کے ساتھ غرض متعلق نہیں ہوتی ہے پس نقود اور اسباب میں فرق ظاہر ہو گیا لہٰذا قاضی نقود میں تصرف کر سکتا ہے اور اسباب میں تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

{11} مدیون کے قرضہ کی ادائیگی کے لیے پہلے اس کے نقود فروخت کئے جائیں پھر اس کے اسباب کو فروخت کیا جائے گا پھر عقار یعنی زمین و مکان وغیرہ. غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کیا جائے گا بالجملہ جو سب سے آسان ہو اس سے شروع کیا جائے گا پھر درجہ بدرجہ آسان فروخت کیا جائے گا؛ کیونکہ اس میں قرض کی ادائیگی میں جلدی ہے اور اس کے ساتھ مقروض کی جانب کی بھی رعایت ہے۔

{12} اور مقروض کے کپڑوں میں سے ایک جوڑا چھوڑ دیا جائے گا اور باقی فروخت کر دیئے جائیں گے یعنی ایک جوڑے کے علاوہ باقی فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا جائے گا؛ کیونکہ ایک جوڑا چھوڑنے سے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ دو جوڑے چھوڑے جائیں گے؛ کیونکہ جب وہ اپنے کپڑے دھوئے گا تو ضروری ہے کہ اس کے لیے پہننے کے لیے ایک اور جوڑا ہو۔

{1} قَالَ: فَإِنْ أَقَرَّ فِي حَالِ الْحَجْرِ بِإِقْرَارٍ لَزِمَهُ ذَلِكَ بَعْدَ قَضَاءِ الدُّيُونِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهَذَا الْمَالِ حَقُّ الْأَوَّلِينَ

فرمایا: پس اگر اس نے کوئی اقرار کیا حالتِ حجر میں تو لازم ہو گا اس پر یہ قرضے ادا کرنے کے بعد؛ کیونکہ متعلق ہو چکا اس مال کے ساتھ پہلوں کا حق،

فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّهِمْ بِالْإِقْرَارِ لِغَيْرِهِمْ ، بِخِلَافِ الِاسْتِهْلَاكِ لِأَنَّهُ مُشَاهَدٌ

پس اس کو قدرت نہیں ان کا حق باطل کرنے کا ان کے غیر کے لیے اقرار کرنے سے، برخلافِ استہلاک کے؛ کیونکہ وہ مشاہد ہے

لَا مَرَدَّ لَهُ ، وَلَوِ اسْتَفَادَ مَالًا آخَرَ بَعْدَ الْحَجْرِ نَفَذَ إِقْرَارُهُ فِيهِ ؛ لِأَنَّ حَقَّهُمْ لَمْ يَتَعَلَّقْ

جس کا کچھ دفعیہ نہیں ہو سکتا، اور اگر اس نے حاصل کیا دوسرا مال حجر کے بعد، تو نافذ ہو گا اس کا اقرار اس میں؛ کیونکہ ان کا حق متعلق نہیں ہوا ہے

بِهِ لِعَدَمِهِ وَقْتَ الْحَجْرِ . {2} قَالَ : وَيُنْفِقُ عَلَى الْمُفْلِسِ مِنْ مَالِهِ وَعَلَى زَوْجَتِهِ

اس کے ساتھ؛ بوقتِ حجر اس کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ فرمایا: اور خرچ کیا جائے گا مفلس پر اس کے مال سے، اور اس کی بیوی پر

وَوَلَدِهِ الصِّغَارِ وَذَوِي أَرْحَامِهِ مِمَّنْ يَجِبُ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ حَاجَتَهُ الْأَصْلِيَّةَ مُقَدَّمَةٌ

اور اس کی نابالغ اولاد پر اور اس کے ان ذوی الارحام پر جن کا نفقہ واجب ہوتا ہے اس پر؛ کیونکہ اس کی حاجتِ اصلیہ مقدم ہے

عَلَى حَقِّ الْغُرَمَاءِ ، وَلِأَنَّهُ حَقٌّ ثَابِتٌ لِغَيْرِهِ فَلَا يُبْطِلُهُ الْحَجْرُ ، وَلِهَذَا لَوْ تَزَوَّجَ

قرضخواہوں کے حق پر، اور اس لیے کہ یہ حق ثابت ہے اس کے غیر کے لیے پس باطل نہیں کرے گا اس کو حجر، اور اسی لیے اگر نکاح کیا

امْرَأَةً كَانَتْ فِي مِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا أُسْوَةً لِلْغُرَمَاءِ . {3} قَالَ : فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُفْلِسِ مَالٌ

کسی عورت سے تو وہ اپنے مہر مثل کی مقدار میں برابر ہو گی قرضخواہوں کے ساتھ۔ فرمایا: اور اگر معلوم نہ ہو مفلس کے لیے مال،

وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهُ وَهُوَ يَقُولُ لَا مَالَ لِي حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فِي كُلِّ دَيْنٍ

اور طلب کیا اس کے قرضخواہوں نے اس کو قید کرنا، اور وہ یہی کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو قید کر دے اس کو حاکم ہر اس دَین میں

الْتَزَمَهُ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ ؛ وَقَدْ ذَكَرْنَا هَذَا الْفَصْلَ بِوُجُوهِهِ فِي كِتَابِ أَدَبِ الْقَاضِي مِنْ هَذَا الْكِتَابِ

جس کا اس نے التزام کیا ہو عقد سے جیسے مہر اور کفالہ، اور ہم ذکر کر چکے اس مسئلہ کو اس کی وجوہ کے ساتھ اسی کتاب کی کتاب ادب القاضی میں،

فَلَا نُعِيدُهَا ، إلَى أَنْ قَالَ : وَكَذَلِكَ إنْ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ لَا مَالَ لَهُ : يَعْنِي خَلَّى سَبِيلَهُ

پس ہم اعادہ نہیں کریں گے ان کا، یہاں تک کہ کہا: اور اسی طرح! اگر اس نے قائم کیا بینہ کہ مال نہیں ہے اس کے لیے، یعنی چھوڑ دے اس کی راہ؛

لِوُجُوبِ النَّظِرَةِ إلَى الْمَيْسَرَةِ ، {4}وَلَوْ مَرِضَ فِي الْحَبْسِ يَبْقَى فِيهِ إنْ كَانَ لَهُ خَادِمٌ يَقُومُ

وجوب رعایت کی وجہ سے آسانی کے وقت تک۔ اور اگر وہ بیمار ہوا قید خانہ میں تو باقی رہے گا اسی میں اگر ہو اس کا کوئی خادم جو نگرانی کر سکے

بِمُعَالَجَتِهِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَخْرَجَهُ تَحَرُّزًا عَنْ هَلَاكِهِ ، وَالْمُحْتَرِفُ فِيهِ لَا يُمَكَّنُ

اس کے علاج کی، اور اگر خادم نہ ہو تو نکال دے اس کو؛ بچتے ہوئے اس کی ہلاکت سے، اور پیشہ ور کو قید خانہ میں قدرت نہیں دی جائے گی

مِنْ الِاشْتِغَالِ بِعَمَلِهِ هُوَ الصَّحِيحُ لِيَضْجَرَ قَلْبُهُ فَيَنْبَعِثَ عَلَى قَضَاءِ دَيْنِهِ ،{5}بِخِلَافِ مَا إذَا

مشغول ہونے کی اپنے عمل کے ساتھ، یہی صحیح ہے؛ تاکہ مضطرب ہو اس کا دل پس وہ تیار ہو جائے دین کی ادائیگی پر، برخلاف اس کے کہ

كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ وَفِيهِ مَوْضِعٌ يُمْكِنُهُ فِيهِ وَطْؤُهَا لَا يُمْنَعُ عَنْهُ لِأَنَّهُ قَضَاءُ

اس کی باندی ہو، اور قید خانہ میں ایسی جگہ ہو کہ ممکن ہو اس میں اس سے وطی کرنا، تو نہیں روکا جائے گا اس سے؛ کیونکہ یہ پورا کرنا ہے

إحْدَى الشَّهْوَتَيْنِ فَيُعْتَبَرُ بِقَضَاءِ الْأُخْرَى .{6}قَالَ : وَلَا يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ

دو شہوتوں میں سے ایک کو، پس قیاس کی جائے گی دوسری شہوت پر۔ فرمایا: اور قاضی حائل نہ بنے اس کے اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان

بَعْدَ خُرُوجِهِ مِنَ الْحَبْسِ يُلَازِمُونَهُ وَلَا يَمْنَعُونَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

اس کے نکلنے کے بعد قید خانہ سے، بلکہ وہ اس کے پیچھے لگے رہیں، اور وہ اس کو نہ روکیں تصرف اور سفر سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ لِصَاحِبِ الْحَقِّ يَدٌ وَلِسَانٌ } أَرَادَ بِالْيَدِ الْمُلَازَمَةَ وَبِاللِّسَانِ التَّقَاضِيَ .

"صاحبِ حق کے لیے ہاتھ اور زبان ہے"، مراد لیا ہے ید سے پیچھا کرنا، اور زبان سے تقاضا کرنا۔

تشریح:۔{1} پھر اگر مذکورہ مقروض نے حالتِ حجر میں کسی کے لیے کوئی اقرار کیا تو قرض کی ادائیگی کے بعد یہ اقرار اس پر لازم ہوگا یعنی فی الحال یہ اقرار اس پر لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ مالِ موجود کے ساتھ پہلے قرضخواہوں کا حق متعلق ہو چکا ہے تو وہ غیر کے لیے اقرار کرنے سے ان کے حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر مذکورہ مقروض نے حالتِ حجر میں کسی کا مال تلف کر دیا تو یہ فی الحال اس پر لازم ہوگا یعنی جس کا مال تلف کر دیا وہ قرضخواہوں کے ساتھ شریک ہو جائے گا؛ کیونکہ اس مقروض کا کسی کا مال تلف کرنا مشاہد اور محسوس ہے اس لیے اس کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے لہٰذا مال کا مالک قرضخواہوں کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔

اور اگر مذکورہ مجور نے حجر کے بعد کوئی مال کمایا تو اس مال میں مجور کا اقرار نافذ ہوگا؛ کیونکہ بوقتِ حجر یہ مال موجود نہیں تھا لہٰذا اس کے ساتھ قرضخواہوں کا حق متعلق نہیں ہوا ہے اس لیے اس میں مجور کا اقرار نافذ ہوگا۔

{2} پھر مفلس مجور کے مال میں سے خود مفلس اور اس کی بیوی اور نابالغ اولاد کو نفقہ دیا جائے گا اور اس کے ذوی الارحام میں سے ان لوگوں کو نفقہ دیا جائے گا جن کا نفقہ اس پر واجب ہے؛ کیونکہ قرضخواہوں کے حق پر اس کی اصلی حاجت مقدم ہے اور ان لوگوں پر خرچ کرنا اس کی اصلی حاجت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حقِ نفقہ تو دوسروں کے لیے ثابت حق ہے لہٰذا حجر اس کو باطل نہیں کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے کسی عورت سے نکاح کیا تو وہ اپنے مہرِ مثل تک قرضخواہوں کی یکساں شریک ہوگی؛ کیونکہ حجر کی وجہ سے کسی کا ثابت حق باطل نہیں ہوتا ہے۔

{3} پھر اگر مفلس کا کچھ مال ظاہر نہ ہو اور قرضخواہوں نے درخواست کی کہ اس کو قید کیا جائے حالانکہ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس کچھ مال نہیں ہے، تو حاکم اس کو ہر ایسے قرضہ کے لیے قید کرے گا جو قرضہ اس نے بذریعہ عقد اپنے اوپر لازم کیا ہو جیسے مہر اور کفالت وغیرہ کہ یہ قرضے اس نے عقدِ نکاح اور عقدِ کفالت کر کے اپنے اوپر لازم کئے ہیں اور ہم نے اس صورت کو اس کی وجوہ کے ساتھ ہدایہ کی "کتاب ادب القاضی" میں ذکر کیا ہے اس لیے یہاں ہم اس کا اعادہ نہیں کریں گے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے مذکورہ مسئلہ ذکر کر کے آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ اسی طرح اگر اس نے گواہ قائم کئے کہ اس کے پاس کچھ مال نہیں ہے تو بھی اس کی راہ چھوڑ دی جائے گی اسے قید نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ آسانی کے وقت تک انتظار کرنا واجب ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ[1]﴾ (اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک)۔

{4} اور اگر مذکورہ مقروض قید خانہ میں بیمار ہو گیا تو قید خانہ ہی میں چھوڑ دیا جائے گا بشرطیکہ اس کا کوئی خادم ہو جو اس کے معالجہ کی نگہداشت کر سکے، اور اگر اس کا کوئی خادم نہ ہو تو اس کو قید خانہ سے نکال لیا جائے گا؛ تاکہ وہ ہلاک نہ ہو جائے؛ کیونکہ دَین کی وجہ سے اسے ہلاک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر مذکورہ مقروض حرفت وصنعت کا کام کرتا ہو تو اس کو اپنے کام کرنے پر قدرت نہیں دی جائے گی اور یہی قول اصح ہے تاکہ اس کا دل تنگ ہو کر قرض کی ادائیگی پر آمادہ ہو جائے۔

{5} اس کے برخلاف اگر مذکورہ مقروض کی کوئی باندی ہو اور قید خانہ میں کوئی ایسی جگہ ہو جہاں وہ اس کے ساتھ وطی کر سکتا ہو تو وطی سے منع نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ بندہ کی دو خواہشوں (پیٹ کی خواہش اور شرمگاہ کی خواہش) میں سے ایک ہے تو جیسے وہ پیٹ کی خواہش سے نہیں روکا جاتا ہے یعنی کھانے سے نہیں روکا جاتا ہے اسی طرح شرمگاہ کی خواہش سے بھی نہیں روکا جائے گا۔

---

([1]) البقرة: 280۔

{6} قید خانہ سے نکلنے کے بعد قاضی مقروض اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان حائل نہیں بنے گا بلکہ قرضخواہ اس کے ساتھ لگے رہیں، البتہ قرضخواہ اس کو اس کے تصرف اور سفر سے منع نہ کریں؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "حقدار کے لیے ہاتھ اور زبان ہے[1]" جس میں ہاتھ سے مراد یہ ہے کہ ساتھ رہے اور زبان سے مراد یہ ہے کہ مطالبہ کرے یعنی اس کے ساتھ لگا رہے اور جو کچھ اس کی کمائی سے بچے اس کا مطالبہ کر کے وصول کر لے۔

{1} قَالَ: وَيَأْخُذُونَ فَضْلَ كَسْبِهِ يُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ؛ لِاسْتِوَاءِ حُقُوقِهِمْ فِي الْقُوَّةِ

فرمایا: اور قرضخواہ لے لیں گے اس کی زائد کمائی اور تقسیم کی جائے گی ان کے درمیان حصوں کے مطابق؛ برابری کی وجہ سے ان کے حقوق کی قوت میں،

وَقَالَا: إذَا فَلَّسَهُ الْحَاكِمُ حَالَ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ وَبَيْنَهُ إلَّا أَنْ يُقِيمُوا الْبَيِّنَةَ أَنَّ لَهُ مَالًا؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ بِالْإِفْلَاسِ عِنْدَهُمَا يَصِحُّ فَتَثْبُتُ الْعُسْرَةُ وَيَسْتَحِقُّ النَّظِرَةَ إلَى الْمَيْسَرَةِ.

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب مفلس قرار دے اس کو حاکم تو حائل بنے اس کے اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان، مگر یہ کہ وہ گواہ قائم کر دیں کہ اس کے لیے مال ہے؛ کیونکہ افلاس کا حکم صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے پس ثابت ہو جائے گی تنگدستی اور وہ مستحق ہو گا رعایت کا فراخی تک۔

{2} وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَتَحَقَّقُ الْقَضَاءُ بِالْإِفْلَاسِ، لِأَنَّ مَالَ اللَّهِ تَعَالَى غَادٍ وَرَائِحٌ، وَلِأَنَّ وُقُوفَ الشُّهُودِ عَلَى عَدَمِ الْمَالِ لَا يَتَحَقَّقُ إلَّا ظَاهِرًا فَيَصْلُحُ لِلدَّفْعِ لَا لِإِبْطَالِ حَقِّ الْمُلَازَمَةِ. {3} وَقَوْلُهُ إلَّا أَنْ يُقِيمُوا الْبَيِّنَةَ إشَارَةٌ إلَى أَنَّ بَيِّنَةَ الْيَسَارِ تَتَرَجَّحُ عَلَى بَيِّنَةِ الْإِعْسَارِ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ إثْبَاتًا، إذِ الْأَصْلُ هُوَ الْعُسْرَةُ. {4} وَقَوْلُهُ فِي الْمُلَازَمَةِ لَا يَمْنَعُونَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ يَدُورُ مَعَهُ أَيْنَمَا دَارَ وَلَا يُجْلِسُهُ فِي مَوْضِعٍ لِأَنَّهُ حَبْسٌ. {5} وَلَوْ دَخَلَ دَارَهُ

اور امام صاحبؒ کے نزدیک متحقق نہیں ہوتا ہے افلاس کا حکم کرنا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مال صبح کو آتا ہے اور شام کو چلا جاتا ہے، اور اس لیے کہ گواہوں کا مطلع ہونا عدم مال پر متحقق نہیں ہوتا ہے مگر ظاہراً، پس وہ لائق ہے دفع کرنے کا نہ کہ ابطال حق کا پیچھا کرنے کے۔ اور ماتنؒ کا قول "مگر یہ کہ وہ قائم کریں بینہ" اشارہ ہے کہ مالداری کا بینہ راجح ہوگا تنگدستی کے بینہ پر؛ کیونکہ وہ زیادہ ثابت کرنے والے ہیں؛ اس لیے کہ اصل تو تنگدستی ہی ہے، اور ماتنؒ کا قول پیچھا کرنے میں "نہ روکیں وہ اس کو تصرف اور سفر سے" دلیل ہے اس پر کہ قرضخواہ پھرے گا

[1] رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي سُنَنِهِ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الصَّفَّارُ ثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا أَبُو عَاصِمٍ ثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ مَكْحُولٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ يَدٌ وَلِسَانٌ"، انْتَهَى. وَهُوَ مُرْسَلٌ، وَرَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ أَبِي مُعَاوِيَةَ النَّيْسَابُورِيِّ ثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي عِنَبَةَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِصَاحِبِ الْحَقِّ الْيَدُ وَاللِّسَانُ"، انْتَهَى. وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ فِي الِاسْتِقْرَاضِ، وَمُسْلِمٌ فِي الْبُيُوعِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يَتَقَاضَاهُ، فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ: "دَعُوهُ، فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا"، انْتَهَى. (نصب الراية: 397/4)

اس کے ساتھ جہاں وہ جائے، اور نہیں بٹھاسکتا اس کو خاص جگہ میں؛ کیونکہ یہ قید کرنا ہے اس جگہ میں۔ اور اگر وہ داخل ہوا اپنے گھر میں

لِحَاجَتِهِ لَا يَتْبَعُهُ بَلْ يَجْلِسُ عَلَى بَابِ دَارِهِ إلَى أَنْ يَخْرُجَ ؛ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ

اپنی حاجت کے لیے تو اس کے پیچھے نہ چلے بلکہ بیٹھ جائے اس کے گھر کے دروازے پر یہاں تک کہ وہ نکلے؛ کیونکہ انسان کے لیے ضروری ہے

مَوْضِعُ خَلْوَةٍ ، وَلَوِ اخْتَارَ الْمَطْلُوبُ الْحَبْسَ وَالطَّالِبُ الْمُلَازَمَةَ فَالْخِيَارُ إلَى الطَّالِبِ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ

خلوت کی جگہ، اور اگر اختیار کیا مقروض نے قید کرنے کو، اور قرضخواہ نے پیچھا کرنے کو، تو اختیار قرضخواہ کو ہوگا؛ کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے

فِي حُصُولِ الْمَقْصُودِ لِاخْتِيَارِهِ الْأَضْيَقَ عَلَيْهِ ، إلَّا إذَا عَلِمَ الْقَاضِي أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ بِالْمُلَازَمَةِ

حصولِ مقصود میں؛ بوجہ اس کے اختیار کرنے کے زیادہ تنگ بات کو مقروض پر، مگر یہ کہ معلوم ہو قاضی کو کہ آئے گا اس کا پیچھا کرنے سے

ضَرَرٌ بَيِّنٌ بِأَنْ لَا يُمَكِّنَهُ مِنْ دُخُولِهِ دَارَهُ فَحِينَئِذٍ يَحْبِسُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ

کھلا ضرر بایں طور کہ وہ اس کو قدرت نہ دے اپنے گھر میں داخل ہونے کی، تو اس وقت قید کرلے اس کو؛ دفع کرتے ہوئے ضرر کو اس سے۔

{6}( وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ لِلرَّجُلِ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا يُلَازِمُهَا ) لِمَا فِيهَا مِنَ الْخَلْوَةِ بِالْأَجْنَبِيَّةِ وَلَكِنْ يَبْعَثُ امْرَأَةً أَمِينَةً

اور اگر قرضہ مرد کا ہو عورت پر، تو اس کے ساتھ نہ رہے؛ کیونکہ اس میں خلوت پائی جاتی ہے اجنبیہ کے ساتھ، لیکن بھیج دے کسی امینہ عورت کو

تُلَازِمُهَا .{7}قَالَ : وَمَنْ أَفْلَسَ وَعِنْدَهُ مَتَاعٌ لِرَجُلٍ بِعَيْنِهِ ابْتَاعَهُ مِنْهُ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ

وہ اس کے ساتھ رہے۔ فرمایا: اور جو شخص مفلس ہوگیا اور اس کے پاس سامان ہو کسی متعین شخص کا جو اس نے خریدا ہو اس شخص سے، تو سامان کا مالک

أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَحْجُرُ الْقَاضِي عَلَى الْمُشْتَرِي بِطَلَبِهِ .ثُمَّ لِلْبَائِعِ خِيَارُ الْفَسْخِ

برابر ہے قرضخواہوں کے ساتھ اس میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: حجر کرے قاضی مشتری پر بائع کے طلب کرنے پر، پھر بائع کو خیارِ فسخ ہے؛

لِأَنَّهُ عَجَزَ الْمُشْتَرِي عَنْ إيفَاءِ الثَّمَنِ فَيُوجِبُ ذَلِكَ حَقَّ الْفَسْخِ كَعَجْزِ الْبَائِعِ عَنْ تَسْلِيمِ الْمَبِيعِ وَهَذَا لِأَنَّهُ

کیونکہ عاجز ہوا مشتری ثمن ادا کرنے سے، پس واجب کرے گا یہ حق فسخ کو جیسے بائع کا عاجز ہونا مبیع سپرد کرنے سے، اور یہ اس لیے کہ بیع

عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ ، وَمِنْ قَضِيَّتِهِ الْمُسَاوَاةُ وَصَارَ كَالسَّلَمِ .{8}وَلَنَا أَنَّ الْإِفْلَاسَ يُوجِبُ الْعَجْزَ عَنْ تَسْلِيمِ الْعَيْنِ

عقدِ معاوضہ ہے، اور اس کا تقاضا مساوات ہے، اور ہوگیا سلم کی طرح۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ افلاس واجب کر دیتا ہے تسلیم عین سے عاجز ہونے کو

وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ بِالْعَقْدِ فَلَا يَثْبُتُ حَقُّ الْفَسْخِ بِاعْتِبَارِهِ وَإِنَّمَا الْمُسْتَحَقُّ وَصْفٌ فِي الذِّمَّةِ : أَعْنِي الدَّيْنَ،

حالانکہ وہ واجب نہیں ہوا ہے عقد سے، پس واجب نہ ہوگا حق فسخ اس کے اعتبار سے، البتہ واجب وصف ہے ذمہ میں یعنی دَین،

وَبِقَبْضِ الْعَيْنِ تَتَحَقَّقُ بَيْنَهُمَا مُبَادَلَةٌ ، هَذَا هُوَ الْحَقِيقَةُ فَيَجِبُ اعْتِبَارُهَا ، إلَّا فِي مَوْضِعِ التَّعَذُّرِ

اور عین کے قبضہ کرنے سے محقق ہوتا ہے ان دونوں کے درمیان مبادلہ، یہی حقیقت ہے، پس واجب ہے اس کا اعتبار کرنا مگر تعذر کے موقع پر

كَالسَّلَمِ لِأَنَّ الِاسْتِبْدَالَ مُمْتَنِعٌ فَأُعْطِيَ لِلْعَيْنِ حُكْمَ الدَّيْنِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

جیسے سلم میں؛ کیونکہ استبدال ممتنع ہے پس دیدیا گیا عین کو دَین کا حکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح:۔{1} قرضخواہ لوگ جو مقروض کے ساتھ لگے ہیں اس کی بچی ہوئی کمائی لے کر اپنے درمیان قرضوں کی مقدار کے حساب سے تقسیم کرلیں؛ کیونکہ قوت میں ان سب کے حقوق برابر ہیں لہذا ہر ایک کو اس کے قرضہ کے بقدر دیا جائے گا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب مقروض کو حاکم نے مفلس قرار دیا تو اس کے اور قرضخواہوں کے درمیان اب حائل بنے، البتہ اس صورت میں کہ قرضخواہوں نے گواہ قائم کیے کہ اس کی ملک میں کچھ مال ہے تو پھر حاکم حائل نہ بنے؛ اس لیے کہ صاحبینؒ کے نزدیک حاکم کا کسی کے افلاس کا حکم کرنا صحیح ہوتا ہے اس لیے حاکم کے حکم سے اس کی تنگدستی ثابت ہو جائے گی اور آسانی کے وقت تک انتظار کا مستحق ہو جائے گا۔

{2} اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ حاکم کا افلاس کا حکم کرنا محقق نہیں ہوتا ہے یعنی کسی کو مفلس قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مال تو صبح کو آتا اور شام کو جاتا ہے تو جس کو حاکم مفلس قرار دیدے ممکن ہے کہ اس کے پاس مال آجائے اس لیے کسی کے افلاس کا حکم کرنا درست نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مال نہ ہونے پر گواہوں کی واقفیت محقق نہیں ہو سکتی مگر ظاہری طور پر یعنی ظاہری طور پر گواہ دریافت کر کے مال نہ ہونا معلوم کر سکتے ہیں تو اس گواہی میں صرف دفع قید کی صلاحیت ہے کہ قرضدار کو قید نہیں کیا جائے گا اور قرضخواہوں کو جو ساتھ لگے رہنے کا حق حاصل تھا اس کو باطل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے لہذا افلاس کا حکم کر کے ان کے اس حق کو باطل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

{3} اور صاحبینؒ کے استدلال میں جو یہ ذکر کیا کہ "مگر اس صورت میں کہ قرضخواہ لوگ گواہ قائم کریں کہ اس کے پاس مال ہے تو پھر حاکم حائل نہ بنے" تو اس میں اشارہ ہے کہ مفلسی کے گواہوں پر مالداری کے گواہوں کو ترجیح حاصل ہے؛ کیونکہ مالداری کے گواہ زیادتی کو ثابت کرتے ہیں؛ کیونکہ تنگدستی اصل ہے پس تنگدستی کے گواہوں نے صرف یہی اصل ثابت کی اور مالداری کے گواہوں نے اس سے زیادہ اس کا مالدار ہونا ثابت کیا اس لیے مالداری کے گواہوں کو ترجیح حاصل ہوگی۔

{4} اصل مسئلہ میں جو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے موافق قرضخواہوں کا ساتھ لگا رہنا ذکر کیا اس میں یہ فرمایا کہ "مقروض کو تصرف اور سفر سے منع نہیں کر سکتے ہیں" اس قول میں دلیل ہے کہ قرضخواہ اس کے ساتھ جہاں وہ جائے پھرا کرے گا اور اس کو کسی خاص جگہ نہیں بٹھا سکتا ہے؛ کیونکہ خاص جگہ میں بٹھلانا مقروض کو اس خاص جگہ میں قید کرنا ہے حالانکہ قرضخواہ کو اسے قید کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

{5} اگر مقروض کسی ضرورت سے اپنے گھر میں داخل ہوا تو قرضخواہ جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کے پیچھے نہیں جا سکتا بلکہ اس کے گھر کے دروازہ پر بیٹھا رہے یہاں تک کہ وہ باہر نکلے؛ کیونکہ آدمی کے لیے کوئی مقام خلوت ہونا ضروری ہے لہٰذا قرضخواہ اس کی یہ ضرورت باطل نہیں کر سکتا ہے۔ اور اگر مقروض نے اپنا محبوس ہونا اختیار کیا اور قرضخواہ نے قید کے بجائے اس کے ساتھ رہنا چاہا تو اس بارے میں قرضخواہ کو اختیار ہو گا مقروض کو اختیار نہ ہو گا؛ کیونکہ قرضخواہ کا مقصود حاصل ہونے میں اس کے اختیار کو زیادہ قوت حاصل ہے؛ کیونکہ وہ ایسی بات اختیار کرے گا جو مقروض پر زیادہ تنگی پیدا کرے گی تو قرضخواہ ہی کو اختیار دیا جائے گا۔ البتہ اگر قاضی کو یہ بات معلوم ہو کہ مقروض کے ساتھ لگے رہنے میں مقروض کا کھلا ہوا ضرر ہے مثلاً قرضخواہ اس کو گھر میں نہیں جانے دیتا ہے تو ایسی صورت میں اس کو قید میں رکھا جائے گا تاکہ اس سے ضرر دور ہو۔

{6} اگر کسی مرد کا قرضہ کسی عورت پر ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ عورت کے ساتھ لگا رہے؛ کیونکہ ایسا کرنے میں اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہائی لازم آتی ہے جو کہ جائز نہیں ہے، البتہ قرضخواہ ایک امینہ عورت کو بھیج دے گا جو مقروض عورت کے ساتھ لگی رہے گی۔

{7} جس شخص کو حاکم نے مفلس قرار دیا حالانکہ اس کے پاس کسی شخص معین کا سامان ہے جس کو اس مفلس نے اس معین شخص سے خریدا تھا تو اس سامان کا مالک بھی قرضخواہوں کے ساتھ برابر شریک ہو گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بائع کی درخواست سے قاضی اس مشتری کو مجبور کر دے گا یعنی وہ اس مبیع میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا ہے پھر بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہو گا؛ کیونکہ مشتری ثمن کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو یہ حجر بائع کے لیے حق فسخ ثابت کرتا ہے جیسے بائع اگر مبیع سپرد کرنے سے عاجز ہو تو مشتری کو حق فسخ حاصل ہوتا ہے، اور اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ بیع ایک عقدِ معاوضہ ہے اور یہ مقتضی ہے کہ دونوں جانب سے مساوات ہو یعنی جیسے مشتری کو حق فسخ ہوتا ہے جب بائع عاجز ہو تو اسی کے مقابلہ میں بائع کو بھی حق فسخ ہو گا جب مشتری عاجز ہو، تو یہ ایسا ہو گیا جیسے عقدِ سلم میں ہوتا ہے یعنی اگر عقد سلم میں مسلم فیہ بازار سے منقطع ہو جائے تو مسلم الیہ مبیع سپرد کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اس لیے رب السلم کو عقد فسخ کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی بائع کو حقِ فسخ حاصل ہو گا۔

{8} ہماری دلیل یہ ہے کہ افلاس اس امر کو واجب کرتا ہے کہ مفلس عین مال (دراہم ودنانیر) سپرد کرنے سے عاجز ہو حالانکہ یہاں کوئی مالِ عین عقد کے ذریعہ سے واجب نہیں ہوا، اور غیر واجب بالعقد سے عاجز ہونا فسخ کو واجب نہیں کرتا ہے پس اس افلاس کی وجہ سے بائع کو فسخ کا حق حاصل نہ ہو گا، اور عقد کی وجہ سے صرف ایسی چیز مشتری کے ذمہ واجب ہوئی ہے جو وصف ہے اور وہ دَین ہے اور جب بائع نے مالِ عین پر قبضہ کیا تو بائع و مشتری کے درمیان حکماً مبادلہ متحقق ہو جائے گا اور حقیقی معنی بھی مبادلہ

ہے تو اس کا اعتبار واجب ہوا سوائے ایسے موقع کے جہاں یہ مبادلہ محال ہو جیسے عقد سلم میں ہوتا ہے؛ کیونکہ وہاں مسلم فیہ کا استبدال ممتنع ہے تو مالِ عین کو دَین کا حکم دیا گیا، واللہ تعالیٰ أعلم۔

## كِتَابُ الْمَأْذُونِ

یہ کتاب ماذون کے بیان میں ہے۔

"ماذون" ماخوذ ہے "اذن" سے، لغۃً بمعنی اجازت دینا ہے۔ اور شریعت میں "فَکُّ الحَجرِ وَ اِسقاطُ الحَقِ" کو کہتے ہیں یعنی غلام (بوجہ رقیت) اور بچہ (بوجہ صغر سنی کے) جو ممنوع عن التجارۃ تھے مولیٰ اور ولی کی طرف سے اس پابندی کو ختم کرنے اور مولیٰ وولی کو جو پابندی لگانے کا حق حاصل تھا اس کو ساقط کرنے کو اذن کہتے ہیں۔ اور جس پر سے پابندی ختم ہو جائے اسکو "ماذون" کہتے ہیں۔

"کتاب الحجر" اور "کتاب الماذون" میں مناسبت ظاہر ہے؛ کیونکہ اذن مقتضی ہے کہ پہلے حجر ہو پس وجود میں حجر اذن سے مقدم ہے تو ذکر میں بھی حجر کو اذن سے مقدم کر دیا۔

{1} الْإِذْنُ : الْإِعْلَامُ لُغَةً ، وَفِي الشَّرْعِ : فَكُّ الْحَجْرِ وَإِسْقَاطُ الْحَقِّ عِنْدَنَا ، وَالْعَبْدُ بَعْدَ ذَلِكَ يَتَصَرَّفُ

اذن خبر دینا ہے لغت میں، اور شرع میں دور کرنا ہے حجر کو، اور حق ساقط کرنا ہے ہمارے نزدیک۔ اور غلام اس اجازت کے بعد تصرف کرتا ہے

لِنَفْسِهِ بِأَهْلِيَّتِهِ ؛ لِأَنَّهُ بَعْدَ الرِّقِّ بَقِيَ أَهْلًا لِلتَّصَرُّفِ بِلِسَانِهِ النَّاطِقِ وَعَقْلِهِ الْمُمَيِّزِ وَانْحِجَارُهُ

اپنے لیے اپنی اہلیت سے؛ کیونکہ رقیت کے بعد وہ اہل رہا تصرف کا اپنی بولنے والی زبان اور ممیز عقل کی وجہ سے، اور اس کا مجبور ہونا

عَنِ التَّصَرُّفِ لِحَقِّ الْمَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ مَا عَهِدَ تَصَرُّفَهُ إِلَّا مُوجِبًا تَعَلُّقَ الدَّيْنِ بِرَقَبَتِهِ وَكَسْبِهِ،

تصرف سے حق مولیٰ کی وجہ سے تھا؛ کیونکہ معہود نہیں اس کا تصرف، مگر موجب بن کر تعلق دَین کا اس کی گردن اور اس کی کمائی کے ساتھ،

وَذَلِكَ مَالُ الْمَوْلَى فَلَا بُدَّ مِنْ إِذْنِهِ كَيْ لَا يَبْطُلَ حَقُّهُ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ ، {2} وَلِهَذَا لَا يَرْجِعُ

حالانکہ یہ مولیٰ کا مال ہے پس ضروری ہے مولیٰ کی اجازت تاکہ باطل نہ ہو جائے اس کا حق اس کی رضا کے بغیر۔ اور اسی لیے عائد نہیں ہوتی

بِمَا لَزِمَهُ مِنَ الْعُهْدَةِ عَلَى الْمَوْلَى ، وَلِهَذَا لَا يَقْبَلُ التَّأْقِيتَ ، حَتَّى لَوْ أَذِنَ لِعَبْدِهِ يَوْمًا

وہ ذمہ داری جو اس کو لاحق ہو مولیٰ پر، اور اسی لیے اجازت قبول نہیں کرتی ہے توقیت کو حتی کہ اگر اجازت دی اپنے غلام کو ایک دن

أَوْ شَهْرًا كَانَ مَأْذُونًا أَبَدًا حَتَّى يَحْجُرَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْإِسْقَاطَاتِ لَا تَتَوَقَّتُ {3}ثُمَّ الْإِذْنُ كَمَا يَثْبُتُ
یا ایک ماہ تو ماذون ہوگا ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ مجور کردے اس کو؛ کیونکہ اسقاطات موقت نہیں ہوتے ہیں، پھر اجازت جیسے ثابت ہوتی ہے
بِالصَّرِيحِ يَثْبُتُ بِالدَّلَالَةِ ، كَمَا إذَا رَأَى عَبْدَهُ يَبِيعُ وَيَشْتَرِي فَسَكَتَ يَصِيرُ مَأْذُونًا
صریح سے اسی طرح ثابت ہوتی ہے دلالت سے جیسا کہ جب دیکھے اپنے غلام کو کہ خرید و فروخت کر رہا ہے، پس وہ خاموش رہا تو وہ ماذون ہو جائے گا
عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَبِيعَ عَيْنًا مَمْلُوكًا أَوْ لِأَجْنَبِيٍّ
ہمارے نزدیک، اختلاف ہے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا، اور فرق نہیں اس میں کہ فروخت کردے ایسا عین جو مولی کا مملوک ہو یا کسی اجنبی کا
بِإِذْنِهِ أَوْ بِغَيْرِ إذْنِهِ بَيْعًا صَحِيحًا أَوْ فَاسِدًا ؛ لِأَنَّ كُلَّ مَنْ رَآهُ يَظُنُّهُ مَأْذُونًا لَهُ فِيهَا
اس کی اجازت سے یا بغیر اجازت کے، بیع صحیح ہو یا فاسد ہو؛ کیونکہ اس کو جو بھی دیکھے گا وہ خیال کرے گا اس کو ماذون لہ تجارت میں،
فَيُعَاقِدُهُ فَيَتَضَرَّرُ بِهِ لَوْ لَمْ يَكُنْ مَأْذُونًا لَهُ ، وَلَوْ لَمْ يَكُنِ الْمَوْلَى رَاضِيًا بِهِ لَمَنَعَهُ
پس وہ اس سے عقد کرے گا، اور ضرر اٹھائے گا اس سے اگر نہ ہو وہ ماذون لہ، اور اگر مولی راضی نہ ہوتا اس پر تو روک دیتا اس کو؛
دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُمْ .{4}قَالَ : وَإِذَا أَذِنَ الْمَوْلَى لِعَبْدِهِ فِي التِّجَارَةِ إذْنًا عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهُ
دفع کرتے ہوئے ضرر کو لوگوں سے۔ فرمایا: اور جب اجازت دے مولی اپنے غلام کو تجارت میں عام اجازت تو جائز ہوگا اس کا تصرف
فِي سَائِرِ التِّجَارَاتِ وَمَعْنَى هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَنْ يَقُولَ لَهُ أَذِنْتُ لَك فِي التِّجَارَةِ وَلَا يُقَيِّدُهُ.
تمام تجارتوں میں، اور معنی اس مسئلہ کا یہ ہے کہ کہہ دے اس سے: میں نے تجھے اجازت دی ہے تجارت کی، اور اس کو مقید نہ کرے،
وَوَجْهُهُ أَنَّ التِّجَارَةَ اسْمٌ عَامٌّ يَتَنَاوَلُ الْجِنْسَ فَيَبِيعُ وَيَشْتَرِي مَا بَدَا لَهُ مِنْ أَنْوَاعِ الْأَعْيَانِ؛
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تجارت اسم عام ہے جو شامل ہوگا جنس کو، پس وہ فروخت کرے گا اور خریدے گا جو اس کا جی چاہے انواع اعیان میں سے؛
لِأَنَّهُ أَصْلُ التِّجَارَةِ . {5} وَلَوْ بَاعَ أَوِ اشْتَرَى بِالْغَبْنِ الْيَسِيرِ فَهُوَ جَائِزٌ ؛ لِتَعَذُّرِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ
کیونکہ یہی اصل تجارت ہے۔ اور اگر اس نے خرید و فروخت کی معمولی خسارہ کے ساتھ، تو یہ جائز ہے؛ بوجہ متعذر ہونے اس سے بچنے کے۔
وَكَذَا بِالْفَاحِشِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا هُمَا يَقُولَانِ إنَّ الْبَيْعَ بِالْفَاحِشِ مِنْهُ
اور اسی طرح زیادہ خسارے کے ساتھ امام صاحبؒ کے نزدیک، اختلاف ہے صاحبینؒ کا، صاحبینؒ کہتے ہیں کہ زیادہ خسارے کے ساتھ اس کا
بِمَنْزِلَةِ التَّبَرُّعِ ، حَتَّى اُعْتُبِرَ مِنَ الْمَرِيضِ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ فَلَا يَنْتَظِمُهُ الْإِذْنُ كَالْهِبَةِ.
تبرع کے درجہ میں ہے حتی کہ معتبر ہوگا مریض کی طرف سے اس کے ثلث مال سے، پس شامل نہ ہوگی اس کو اجازت جیسے ہبہ میں۔

{6}وَلَهُ أَنَّهُ تِجَارَةٌ وَالْعَبْدُ مُتَصَرِّفٌ بِأَهْلِيَّةِ نَفْسِهِ فَصَارَ كَالْحُرِّ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ تجارت ہے اور غلام تصرف کرتا ہے اپنی ذاتی اہلیت سے پس ہو گیا آزاد کی طرح، اور اسی اختلاف پر

الصَّبِيُّ الْمَأْذُونُ .{7} وَلَوْ حَابَى فِي مَرَضِ مَوْتِهِ يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ مَالِهِ إذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ وَإِنْ كَانَ

ماذون بچہ ہے۔ اور اگر محابات کی اپنے مرض الموت میں، تو معتبر ہو گی اس کے تمام مال سے جبکہ نہ ہو اس کے ذمہ دَین، اور اگر دَین ہو

فَمِنْ جَمِيعِ مَا بَقِيَ؛ لِأَنَّ الِاقْتِصَارَ فِي الْحُرِّ عَلَى الثُّلُثِ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلَا وَارِثَ لِلْعَبْدِ .{8} وَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ مُحِيطًا

تو پورے باقی ماندہ سے؛ کیونکہ اقتصار آزاد کے حق میں ثلث پر ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے، اور کوئی وارث نہیں غلام کا، اور اگر دَین محیط ہو

بِمَا فِي يَدِهِ يُقَالُ لِلْمُشْتَرِي أَدِّ جَمِيعَ الْمُحَابَاةِ وَإِلَّا فَارْدُدِ الْبَيْعَ كَمَا فِي الْحُرِّ .{9} وَلَهُ

اس کے تمام مقبوضہ مال کو، تو کہا جائے گا مشتری سے: کہ ادا کر تمام محابات ورنہ واپس کر بیع کو جیسا کہ حر میں ہے۔ اور اس کے لیے جائز ہے

أَنْ يُسَلِّمَ وَيَقْبَلَ السَّلَمَ ؛ لِأَنَّهُ تِجَارَةٌ . وَلَهُ أَنْ يُوَكِّلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ لَا يَتَفَرَّغُ بِنَفْسِهِ

کہ سلم کے لیے مال دیدے اور قبول کرے سلم کو؛ کیونکہ یہ تجارت ہے، اور اس کو اختیار ہے کہ وہ وکیل کر دے بیع اور شراء کے لیے؛ کیونکہ وہ کبھی فارغ نہیں ہوتا ہے بذاتِ خود۔

تشریح:۔{1} لغت میں اذن کا معنی آگاہ کرنا اور شریعت میں ہمارے نزدیک اذن کا معنی مولیٰ کی طرف سے غلام پر سے حجر دور کرنا اور مولیٰ کا حق ساقط کرنا ہے، اور اجازت کے بعد غلام اپنے لیے اپنی ذاتی اہلیت سے تصرف کرتا ہے؛ کیونکہ رقیق ہو جانے کے بعد غلام میں اپنی بولنے والی زبان اور تمیز رکھنے والی عقل کے ساتھ تصرف کی اہلیت باقی رہی تھی، تو جب رقیت کا حجر اس سے دور ہو اتو وہ اپنی اہلیت سے تصرف کرے گا، اور اذن سے پہلے تصرف سے مجور ہونا حقِ مولیٰ کی وجہ سے تھا؛ کیونکہ غلام کا تصرف معلوم نہیں ہوا ہے مگر اس طریقہ پر کہ وہ ثابت کر رہا ہے کہ دَین اس کے رقبہ یا اس کی کمائی کے ساتھ متعلق ہو اور اس کا رقبہ اور کمائی دونوں اس کے مولیٰ کا مال ہیں لہٰذا مولیٰ کی اجازت ضروری ہے تاکہ مولیٰ کی رضامندی کے بغیر مولیٰ کا حق باطل نہ ہو جائے۔

{2} چونکہ ہمارے نزدیک اجازت کے بعد غلام اپنے لیے تصرف کرتا ہے اس لیے غلام ماذون کو جو ذمہ داری لاحق ہوتی ہے وہ مولیٰ کی طرف نہیں لوٹے گی یعنی مولیٰ اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے۔ اور چونکہ اذن مولیٰ کی طرف سے اسقاطِ حق ہے اس لیے مذکورہ اجازت اس بات کو قبول نہیں کرتی ہے کہ کسی وقت تک محدود ہو حتی کہ اگر غلام کو ایک دن کے لیے تجارت کی اجازت دیدی گئی تو وہ ہمیشہ کے لیے ماذون ہو جائے گا جب تک کہ مولیٰ اس کو مجور نہ کر دے؛ کیونکہ اسقاطات کسی وقت تک محدود نہیں ہوتے ہیں۔

{3} پھر واضح ہو کہ اجازت جیسے صراحۃً اجازت دینے سے ثابت ہوتی ہے ویسے ہی دلالۃً اجازت دینے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسے اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر خاموش ہوا تو وہ ہمارے نزدیک ماذون ہو جائے گا۔ امام زفرؒ و امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مولیٰ کا سکوت اجازت نہیں ہے۔ اور اس میں فرق نہیں کہ وہ مولیٰ کا مملوک مال بیچتا ہو یا کسی اجنبی کا مال بیچتا ہو خواہ اجنبی کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت ہو خواہ بیع صحیح ہو یا فاسد ہو سب صورتوں میں وہ ماذون ہو جائے گا؛ کیونکہ جو بھی شخص اس کو دیکھے گا وہ اس کو تجارت میں ماذون سمجھے گا پس اس کے ساتھ معاملہ کرے گا تو اگر وہ مذکورہ خرید و فروخت سے غلام ماذون نہ ہو تو اس پر قرضہ آنے کی صورت میں اس کے ساتھ معاملہ کرنے والا ضرر اٹھائے گا پس لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے غلام ماذون شمار ہوگا۔ اور مولیٰ اگر اس پر راضی نہ ہوتا تو اس کو منع کر دیتا تاکہ لوگوں سے ضرر دور ہو تو جب اس کو منع نہیں کیا تو اس کی طرف سے اجازت ہے۔

{4} جب مولیٰ نے اپنے غلام کو تجارت کی عام اجازت دی تو ہر قسم کی تجارتوں میں اس کا تصرف جائز ہوگا، اور اس مسئلہ میں عام اجازت کا معنی یہ ہے کہ مولیٰ اس سے کہے کہ "میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی" اور کسی خاص نوع تجارت کے ساتھ اجازت خاص نہ کرے تو اس کو عام اجازت ہو جائے گی؛ وجہ یہ ہے کہ تجارت اسم عام ہے؛ کیونکہ الف لام استغراقی کے ساتھ معرفہ ہے لہٰذا پوری جنس تجارت کو شامل ہوگا تو اعیان اشیاء میں سے جو اس کا جی چاہے خرید لے اور فروخت کر دے؛ کیونکہ تجارت کی اصل اعیان کی خرید و فروخت ہی ہے منافع تو اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

{5} اگر اس نے معمولی خسارہ کے ساتھ خرید و فروخت کی تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ تجارت میں معمولی خسارہ سے بچنا متعذر ہے، اسی طرح اگر اس نے فحش خسارہ کے ساتھ خرید یا فروخت کی تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک فحش خسارہ کے ساتھ خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ ماذون کی طرف سے فحش خسارہ کے ساتھ بیع کرنا بمنزلہ تبرع کے ہے یعنی سو روپیہ کی چیز پچاس میں فروخت کرنے کی صورت میں گویا اس نے تبرعاً مشتری کو پچاس روپیہ دیدیے، یہی وجہ ہے کہ اگر مرض الموت کا مریض فحش خسارہ کے ساتھ کوئی چیز فروخت کر دے تو اس کی تہائی مال سے معتبر ہوگی تو جب فحش خسارہ کے ساتھ فروخت بمنزلہ تبرع ہے تو مولیٰ کی اجازت اس کو شامل نہ ہوگی جیسے مولیٰ کی اجازت اس کو شامل نہیں کہ ماذون کوئی چیز کسی کو ہبہ کر دے۔

{6} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فحش خسارہ کے ساتھ فروخت کرنا بھی تجارت ہے اور غلام اپنی ذاتی لیاقت کی وجہ سے تصرف کرتا ہے تو اذن کے بعد اس کا وہی حکم ہے جو آزاد کا ہے۔ اور جس بچے کو ماں باپ تجارت کی اجازت دے تو اس میں بھی یہی

اختلاف ہے کہ معمولی خسارہ کے ساتھ بالاتفاق اس کی تجارت جائز ہے اور فحش خسارہ کے ساتھ امام صاحبؒ کے نزدیک جائز اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔

فتویٰ:۔ مولانا مفتی غلام قادر نعمانی صاحب نے امام صاحبؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: القول الراجح هو قول ابی حنیفة، قال العلامة فخر الدين: العبد المأذون او الصبی المأذون و المعتوه المأذون اذا بايعوا بالغبن الفاحش يجوز بيعهم فی قول ابی حنیفة الخ (القول الراجح: 254/2)

{7} اگر ماذون غلام نے اپنے مرض الموت میں محابات کی یعنی زیادہ قیمت کی چیز کو حالتِ مرض الموت میں انتہائی کم قیمت پر فروخت کیا، یا فروخت کرنے کی وصیت کی تاکہ مشتری کو کچھ عطیہ پہنچ جائے تو اگر مذکورہ ماذون پر قرضہ نہ ہو تو یہ محابات اس کے تمام مال سے معتبر ہوگی یعنی اگرچہ یہ محابات اس کے کل مال کے ثلث سے زیادہ سے نکلے تو بھی یہ بیع جائز ہوگی۔ اور اگر اس پر قرضہ ہو تو قرضہ کے بعد جو باقی رہے اس سب مال سے معتبر ہوگی؛ کیونکہ آزاد شخص کی صورت میں تہائی ترکہ پر مقصور ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے یعنی وارثوں کے حق کی وجہ سے محابات صرف تہائی مال سے معتبر ہوتی ہے اور غلام کا کوئی وارث نہیں ہے تو کل مال سے معتبر ہوگی۔

{8} اور اگر مذکورہ صورت میں ماذون غلام پر اس قدر قرضہ ہو جو اس کے تمام مقبوضہ مال کو محیط ہے تو مشتری سے کہا جائے گا کہ "پوری مقدارِ محابات ادا کر دو ورنہ بیع کو رد کر دیا جائے گا" جیسے آزاد شخص اپنے مرض الموت میں محابات کرلے تو اس کا یہی حکم ہے۔

{9} ماذون کو اختیار ہے کہ بیع سلم کے لیے مال دیدے یا خود سلم کو قبول کر کے مال لے لے مثلاً دو سو درہم اس نے گندم کی سلم میں دیئے یا خود گندم دینے کے لیے دو سو درہم لیے تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ بھی تجارت میں سے ہے۔ اور اس کو اختیار ہے کہ خرید و فروخت کے لیے کسی کو وکیل بنائے؛ کیونکہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ اس کام کے لیے بذات خود فارغ نہیں ہوتا ہے تو دوسرے شخص کو وکیل بنا سکتا ہے۔

{1} قَالَ: وَيَرْهَنُ وَيَرْتَهِنُ، لِأَنَّهُمَا مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ فَإِنَّهُ إِيفَاءٌ وَاسْتِيفَاءٌ.

فرمایا: اور رہن دے سکتا ہے اور رہن رکھ سکتا ہے؛ کیونکہ یہ دونوں توابع تجارت میں سے ہیں، کیونکہ یہ دونوں ادا کرنا اور وصول کرنا ہے،

وَيَمْلِكُ أَنْ يَتَقَبَّلَ الْأَرْضَ وَيَسْتَأْجِرَ الْأُجَرَاءَ وَالْبُيُوتَ، لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ، وَيَأْخُذ

اور اس کو اختیار ہے کہ زمین اجارہ پر لے، اور مزدوروں اور گھروں کو کرایہ پر لے؛ کیونکہ یہ سب تاجروں کی عادات میں سے ہیں، اور لے سکتا ہے

الْأَرْضَ مُزَارَعَةً ؛ لِأَنَّ فِيهِ تَحْصِيلَ الرِّبْحِ ، وَيَشْتَرِي طَعَامًا فَيَزْرَعُهُ فِي أَرْضِهِ ؛ لِأَنَّهُ يَقْصِدُ
زمین مزارعت پر؛ کیونکہ اس میں تحصیل منافع ہے، اور خرید سکتا ہے اناج، پس کاشت کر سکتا ہے اس کو اپنے زمین میں؛ کیونکہ قصد کیا جاتا ہے
بِهِ الرِّبْحَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ" { الزَّارِعُ يُتَاجِرُ رَبَّهُ } .{2} وَلَهُ أَنْ يُشَارِكَ شَرِكَةَ عِنَانٍ وَيَدْفَعَ الْمَالَ
اس سے نفع کا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کاشت کار تجارت کرتا ہے اپنے رب سے"۔ اور اس کو اختیار ہے کہ شرکت عنان کرے اور دیدے مال
مُضَارَبَةً وَيَأْخُذَهَا ؛ لِأَنَّهُ مِنْ عَادَةِ التُّجَّارِ ، وَلَهُ أَنْ يُؤَاجِرَ نَفْسَهُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ
مضاربت پر اور لے لے؛ کیونکہ یہ تاجروں کی عادت میں سے ہے، اور اس کو اختیار ہے کہ خود کو اجارہ پر دے ہمارے نزدیک، اختلاف ہے امام شافعیؒ کا،
وَهُوَ يَقُولُ : لَا يَمْلِكُ الْعَقْدَ عَلَى نَفْسِهِ فَكَذَا عَلَى مَنَافِعِهَا ؛ لِأَنَّهَا تَابِعَةٌ لَهَا .{3} وَلَنَا أَنَّ
وہ فرماتے ہیں: کہ وہ مالک نہیں عقد کا اپنے اوپر، پس اسی طرح اپنے منافع پر؛ کیونکہ منافع اس کے تابع ہیں، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ
نَفْسَهُ رَأْسُ مَالِهِ فَيَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِيهِ ، إلَّا إذَا كَانَ يَتَضَمَّنُ إبْطَالَ الْإِذْنِ كَالْبَيْعِ ؛ لِأَنَّهُ
اس کی ذات اس کا راس المال ہے پس وہ مالک ہے تصرف کا اس میں، مگر یہ کہ وہ متضمن ہو ابطال اذن کو جیسے فروخت کرنا؛ کیونکہ اس سے
يَنْحَجِرُ بِهِ ، وَالرَّهْنُ ؛ لِأَنَّهُ يُحْبَسُ بِهِ فَلَا يَحْصُلُ مَقْصُودُ الْمَوْلَى .أَمَّا الْإِجَارَةُ فَلَا يَنْحَجِرُ بِهِ
وہ مجور ہو جائے گا، اور رہن کرنا؛ کیونکہ وہ محبوس ہو جائے گا اس سے، پس حاصل نہ ہو گا مولیٰ کا مقصود، رہا اجارہ تو وہ مجور نہ ہو گا اس سے
وَيَحْصُلُ بِهِ الْمَقْصُودُ وَهُوَ الرِّبْحُ فَيَمْلِكُهُ .{4} قَالَ : فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فِي نَوْعٍ مِنْهَا دُونَ
اور حاصل ہوتا ہے اس سے مقصود اور وہ نفع ہے، پس وہ اس کا مالک ہو گا۔ فرمایا: اگر اجازت دی اس کو تجارت کی کسی خاص نوع کی نہ کہ
غَيْرِهِ فَهُوَ مَأْذُونٌ فِي جَمِيعِهَا، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ :لَا يَكُونُ مَأْذُونًا إلَّا فِي ذَلِكَ النَّوْعِ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ
اس کے علاوہ کی، تو وہ ماذون ہو گا تمام انواع تجارت میں۔ اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے: وہ ماذون نہ ہو گا مگر اسی نوع میں، اور اسی اختلاف پر ہے
إذَا نَهَاهُ عَنِ التَّصَرُّفِ فِي نَوْعٍ آخَرَ .لَهُمَا أَنَّ الْإِذْنَ تَوْكِيلٌ وَإِنَابَةٌ مِنَ الْمَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَفِيدُ
جب روک دے اس کو تصرف سے دوسری قسم میں۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ اذن وکیل کرنا اور نائب بنانا ہے مولیٰ کا؛ کیونکہ وہ حاصل کرتا ہے
الْوِلَايَةَ مِنْ جِهَتِهِ وَيَثْبُتُ الْحُكْمُ وَهُوَ الْمِلْكُ لَهُ دُونَ الْعَبْدِ ، وَلِهَذَا يَمْلِكُ حَجْرَهُ
ولایت مولیٰ کی طرف سے، اور ثابت ہوتا ہے حکم یعنی ملک اسی کے لیے نہ کہ غلام کے لیے، اسی لیے وہ مالک ہوتا ہے اس کو مجور کرنے کا
فَيَتَخَصَّصُ بِمَا خَصَّهُ بِهِ كَالْمُضَارِبِ .{5} وَلَنَا أَنَّهُ إسْقَاطُ الْحَقِّ وَفَكُّ
پس اجازت خاص ہو گی اس سے جس سے اس کو مولیٰ خاص کر دے جیسے مضارب۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ اسقاط حق ہے اور دور کرنا ہے
الْحَجْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَعِنْدَ ذَلِكَ تَظْهَرُ مَالِكِيَّةُ الْعَبْدِ فَلَا يَتَخَصَّصُ بِنَوْعٍ دُونَ نَوْعٍ ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ ؛

حجر کو، اور اس وقت ظاہر ہو جاتی ہے غلام کی مالکیت، پس یہ مخصوص نہ ہو گی ایک نوع کے ساتھ نہ کہ دوسری نوع کے ساتھ، برخلاف وکیل کے؛

لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِي مَالِ غَيْرِهِ فَيَثْبُتُ لَهُ الْوِلَايَةُ مِنْ جِهَتِهِ ، وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ وَهُوَ الْمِلْكُ وَاقِعٌ
کیونکہ یہ تصرف کرتا ہے غیر کے مال میں پس ثابت ہو گی اس کے لیے ولایت اسی کی طرف سے، اور حکم تصرف یعنی ملک واقع ہوتی ہے

لِلْعَبْدِ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ وَالنَّفَقَةِ ، وَمَا اسْتَغْنَى عَنْهُ يَخْلُفُهُ الْمَالِكُ
غلام کے لیے حتی کہ اس کو اختیار ہوتا ہے کہ صرف کر دے اس کو دَین کی ادائیگی اور نفقہ میں، اور جو بچ رہے اس میں سے مالک اس کا خلیفہ ہوتا ہے

فِيهِ .{6}قَالَ : وَإِنْ أَذِنَ لَهُ فِي شَيْءٍ بِعَيْنِهِ فَلَيْسَ بِمَأْذُونٍ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِخْدَامٌ ، وَمَعْنَاهُ أَنْ
اس میں۔ فرمایا: اور اگر اجازت دی اس کو کسی متعین شئ میں، تو یہ ماذون نہیں ہے؛ کیونکہ یہ خدمت لینا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ

يَأْمُرَهُ بِشِرَاءِ ثَوْبٍ مُعَيَّنٍ لِلْكِسْوَةِ أَوْ طَعَامٍ رِزْقًا لِأَهْلِهِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَوْ صَارَ مَأْذُونًا
امر کرے اس کو کپڑا خریدنے کا لباس کے لیے یا اناج خریدنے کا اپنے اہل کے لیے بطور رزق، اور یہ اس لیے کہ اگر وہ ماذون ہو جائے

يَنْسَدُّ عَلَيْهِ بَابُ الِاسْتِخْدَامِ، {7} بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ: أَدِّ إِلَيَّ الْغَلَّةَ كُلَّ شَهْرٍ كَذَا، أَوْ قَالَ أَدِّ إِلَيَّ أَلْفًا وَأَنْتَ حُرٌّ ؛
تو بند ہو جائے گا اس پر خدمت لینے کا دروازہ، برخلاف اس کے جب کہے: ادا کر مجھے آمدنی اتنی ہر ماہ، یا کہے: ادا کر مجھے ہزار اور تو آزاد ہے؛

لِأَنَّهُ طَلَبَ مِنْهُ الْمَالَ وَلَا يَحْصُلُ إِلَّا بِالْكَسْبِ ، أَوْ قَالَ لَهُ اقْعُدْ صَبَّاغًا أَوْ قَصَّارًا ؛ لِأَنَّهُ
کیونکہ مولیٰ نے طلب کیا اس سے مال، اور وہ حاصل نہیں ہوتا ہے مگر کمانے سے، یا کہے اس سے: بیٹھ جا رنگریز یا دھوبی؛ کیونکہ یہ

إِذْنٌ بِشِرَاءِ مَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ وَهُوَ نَوْعٌ فَيَصِيرُ مَأْذُونًا فِي الْأَنْوَاعِ .
اجازت ہے ایسی چیزوں کی خرید کی جن سے چارہ نہیں ان دونوں کو، اور یہ نوع ہے پس وہ ماذون ہو گا انواع میں۔

تشریح:۔ {1} ماذون کو اختیار ہے کہ اپنے قرضخواہ کے پاس اپنی کوئی چیز بطور رہن رکھ دے اور اپنے مقروض سے کوئی چیز بطور رہن لے لے؛ کیونکہ رہن دینا یا رہن لینا تجارت کے توابعات میں سے ہیں اس لیے کہ رہن دینے سے دَین کی ادائیگی ہوتی ہے اور رہن لینے سے وصولی دَین ہوتی ہے۔ اور ماذون کو اختیار ہے کہ اجارہ میں زمین قبول کر لے اور مزدور مقرر کرے اور کوٹھریوں کو کرایہ پر لے؛ کیونکہ یہ سب تاجروں کے افعال میں سے ہیں۔ اور اس کو اختیار ہے کہ زمین مزارعت پر لے؛ کیونکہ یہ بھی نفع کمانے کا طریقہ ہے۔ اور اناج خرید کر اس زمین میں زراعت کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس سے نفع حاصل ہونے کا قصد کیا جاتا ہے، اور بعض یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ "کاشتکار اپنے پروردگار سے تجارت کرتا ہے" لہٰذا یہ بھی تجارت ہے۔ لیکن اس حدیث کی کچھ اصل نہیں ہے بلکہ موضوع ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کسی بزرگ کا قول ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

{2} ماذون کو اختیار ہے کہ کسی کے ساتھ شرکتِ عنان کرلے اور کسی کو مضاربت پر اپنا مال دے یا دوسرے کا مال مضاربت پر لے؛ کیونکہ یہ تاجروں کی عادات میں سے ہیں۔ اور ماذون کو اختیار ہے کہ اپنے آپ کو اجارہ پر دیدے یہ ہمارے نزدیک ہے، اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ماذون اپنی ذات پر عقد کرنے کا مالک نہیں ہے مثلاً اپنی ذات کو فروخت کرنا ہبہ کرنا وغیرہ، تو اسی طرح اپنے منافع پر بھی عقد کرنے کا مختار نہ ہوگا؛ کیونکہ منافع تو اس کی ذات کے تابع ہیں تو ذات کی طرح منافع پر بھی عقد کرنے کا مالک نہ ہوگا۔

{3} ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا نفس تو اس کا رأس المال ہے؛ کیونکہ مولیٰ نے اس کو کمائی کی اجازت دی ہے اور مال نہیں دیا ہے تو اس کی ذات اس کا رأس المال ہے اور رأس المال میں تصرف کرنے کا وہ مالک ہے لہٰذا وہ اپنے نفس میں تصرف کا مختار ہے، البتہ ایسا تصرف نہیں کر سکتا ہے جس کے ضمن میں مذکورہ اجازت باطل ہو جاتی ہو جیسے اپنے آپ کو فروخت کرنا؛ کیونکہ ایسے تصرف کی وجہ سے وہ خریدار کی طرف سے مجور ہو جائے گا، اور جیسے اپنی ذات کو بطورِ رہن رکھنا؛ کیونکہ وہ مرتہن کے پاس محبوس ہو جائے گا تو مولیٰ کا مقصود (کمائی) حاصل نہ ہوگا، اور رہا اجارہ پر دینا تو وہ اس سے مجور نہ ہوگا اور اس سے مولیٰ کا مقصود بھی حاصل ہوگا اور وہ اس کو نفع کا حاصل ہونا ہے، اس لیے وہ اپنی ذات کو اجارہ پر دینے کا مختار ہوگا۔

{4} پھر اگر مولیٰ نے اس کو کسی خاص قسم کی تجارت کی اجازت دی مثلاً گندم کی تجارت کی اجازت دی اس کے علاوہ کی اجازت نہ دی تو وہ تجارت کی تمام اقسام میں ماذون ہو جائے گا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اسی نوعِ تجارت کے علاوہ کے لیے ماذون نہیں ہوگا یعنی ماذون عام نہ ہوگا بلکہ صرف اسی قسم کے لیے ماذون ہوگا، اور ایسا ہی اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس کو ایک خاص قسم کی تجارت سے منع کردے یعنی ہمارے نزدیک ممنوع نہ ہوگا اور امام زفرؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک ممنوع ہوگا؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ ماذون کرنا مولیٰ کی طرف سے وکیل کرنا اور نائب کرنا ہوتا ہے؛ کیونکہ ماذون غلام تو مولیٰ ہی کی طرف سے ولایت حاصل کرتا ہے یعنی تصرف کا اختیار اس کو مولیٰ ہی کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، اور حکم یعنی ملکیت مولیٰ ہی کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ ماذون غلام کو، یہی وجہ ہے کہ مولیٰ کو اس کے مجور کرنے کا اختیار ہوتا ہے تو جس نوعِ تجارت کے ساتھ مولیٰ نے تخصیص کی وہ تخصیص صحیح ہوگی جیسے مضاربت کے حق میں ہے کہ اگر رب المال نے کسی خاص سامان میں تجارت کی اجازت دی تو مضارب کو اس کے علاوہ میں تجارت کی اجازت نہ ہوگی۔

{5} ہماری دلیل یہ ہے کہ ماذون کرنا مولیٰ کا اپنے حق کو ساقط کرنا اور غلام سے حجر کو دور کرنا ہے جیسا کہ ہم نے شروع میں بیان کر دیا اور جب مولیٰ نے حق ساقط کیا اور حجر دور کیا تو غلام کی مالکیت ظاہر ہو جاتی ہے تو اس کی مالکیت کسی خاص قسم کی تجارت کے

ساتھ مختص نہ ہوگی۔ باقی وکیل کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وکیل دوسرے کے مال میں تصرف کرتا ہے تو اس کو دوسرے کی جانب سے ولایت تصرف حاصل ہوتی ہے جبکہ ماذون کی صورت میں تصرف کا حکم یعنی ملکیت اسی غلام کے لیے واقع ہوتی ہے حتی کہ اس کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے قرضہ کی ادائیگی اور اپنے نفقہ میں خرچ کردے اور جو کچھ اس غلام سے بچا رہے اس میں اس غلام کا مولیٰ اس کا خلیفہ ہوتا ہے۔

{6} اگر مولیٰ نے اس کو فقط کوئی معین چیز خریدنے کے لیے اجازت دی ہو تو وہ ماذون نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ تو اس سے خدمت لینا ہے یعنی تجارت کی اجازت نہیں ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مثلاً غلام کو لباس کے لیے کپڑا خریدنے کی یا اپنے اہل وعیال کے رزق کے لیے اناج خریدنے کا حکم دیا؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا حکم دینے سے وہ ماذون ہو جائے تو خدمت لینے کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ کسی بھی شئ کی خرید سے ماذون ہو جائے گا خادم نہیں رہے گا۔

{7} اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ "مجھے ہر مہینہ اتنی آمدنی دیا کرو" یا کہا کہ "مجھے ہزار درہم ادا کردو اور تو آزاد ہے"؛ تو یہ مولیٰ کی طرف سے اس کو اجازت ہو جائے گی؛ کیونکہ مولیٰ نے اس سے مال طلب کیا ہے اور مال کمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے اس لیے یہ کمائی کی اجازت ہے۔ یا مولیٰ نے غلام کو حکم دیا کہ "رنگریز بٹھلا دو یا درزی بٹھلا دو" تو یہ بھی اذن ہو جائے گا؛ کیونکہ جو چیز ان دونوں کے لیے ضروری ہے یہ اس کے خریدنے کی اجازت ہے اور یہ ایک قسم کی چیز کی اجازت ہے تو جب ایک قسم میں اجازت ہوئی تو وہ سب قسموں میں ماذون ہو جائے گا۔

{1} قَالَ: وَإِقْرَارُ الْمَأْذُونِ بِالدُّيُونِ وَالْغُصُوبِ جَائِزٌ وَكَذَا بِالْوَدَائِعِ ؛ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ ، إِذْ لَوْ

فرمایا: اور اقرار کرنا ماذون کا دیون اور غصوب کا جائز ہے، اسی طرح ودیعتوں کا؛ کیونکہ اقرار تجارت کے توابع میں سے ہے؛ اس لیے کہ اگر

لَمْ يَصِحَّ لَاجْتَنَبَ النَّاسُ مُبَايَعَتَهُ وَمُعَامَلَتَهُ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ إِذَا كَانَ

یہ صحیح نہ ہو تو باز رہیں گے لوگ اس کے ساتھ خرید و فروخت اور معاملہ کرنے سے، اور کوئی فرق نہیں اس پر دَین ہونے یا نہ ہونے میں جبکہ ہو

الْإِقْرَارُ فِي صِحَّتِهِ ، فَإِنْ كَانَ فِي مَرَضِهِ يُقَدَّمُ دَيْنُ الصِّحَّةِ كَمَا فِي الْحُرِّ ، {2} بِخِلَافِ

اس کا اقرار اس کی صحت میں، اور اگر ہو اس کے مرض میں تو مقدم کیا جائے گا دَینِ صحت، جیسا کہ آزاد میں ہوتا ہے، برخلاف

الْإِقْرَارِ بِمَا يَجِبُ مِنَ الْمَالِ لَا بِسَبَبِ التِّجَارَةِ ؛ لِأَنَّهُ كَالْمَحْجُورِ فِي حَقِّهِ . {3} قَالَ : وَلَيْسَ لَهُ

ایسے مال کا اقرار کرنے کے جو واجب ہو سبب تجارت کے علاوہ سے؛ کیونکہ یہ محجور کی طرح ہے اس کے حق میں۔ فرمایا: اور اختیار نہیں اس کو

أَنْ يَتَزَوَّجَ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتِجَارَةٍ . قَالَ : وَلَا يُزَوِّجُ مَمَالِيكَهُ ؛ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُزَوِّجُ الْأَمَةَ ؛

نکاح کرنے کا؛ کیونکہ یہ تجارت نہیں ہے، اور نہ نکاح کر سکتا ہے اپنے مملوکوں کا، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: نکاح کر سکتا ہے اپنی باندی کا؛

لِأَنَّهُ تَحْصِيلُ الْمَالِ بِمَنَافِعِهَا فَأَشْبَهَ إِجَارَتَهَا . {4} وَلَهُمَا أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ

کیونکہ یہ مال حاصل کرنا ہے اس کے منافع سے، پس یہ مشابہ ہو گیا مزدوری پر دینے کے۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجازت متضمن ہے

التِّجَارَةَ وَهَذَا لَيْسَ بِتِجَارَةٍ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ تَزْوِيجَ الْعَبْدِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الصَّبِيُّ الْمَأْذُونُ وَالْمُضَارِبُ وَالشَّرِيكُ شَرِكَةَ عِنَانٍ

تجارت کو، اور یہ تجارت نہیں ہے، اسی لیے وہ مالک نہیں غلام کا نکاح کرنے کا، اور اسی اختلاف پر ہے ماذون بچہ، مضارب، شرکتِ عنان کا شریک،

وَالْأَبِ وَالْوَصِيِّ. {5} قَالَ: وَلَا يُكَاتِبُ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتِجَارَةٍ ، إِذْ هِيَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ ، وَالْبَدَلُ فِيهِ مُقَابَلٌ

باپ اور وصی۔ فرمایا: اور مکاتب نہیں کر سکتا؛ کیونکہ یہ تجارت نہیں؛ اس لیے کہ تجارت مبادلۃ المال بالمال ہے، اور بدل اس میں مقابل ہے

بِفَكِّ الْحَجْرِ فَلَمْ يَكُنْ تِجَارَةً ، إِلَّا أَنْ يُجِيزَهُ الْمَوْلَى وَلَا دَيْنَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى قَدْ مَلَكَهُ

حجر دور کرنے کا، پس یہ تجارت نہیں، مگر یہ کہ اجازت دے اس کی مولیٰ، حال یہ کہ اس پر دَین نہ ہو؛ کیونکہ مولیٰ مالک ہو گیا اس کا

وَيَصِيرُ الْعَبْدُ نَائِبًا عَنْهُ وَتَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَى الْمَوْلَى؛ لِأَنَّ الْوَكِيلَ فِي الْكِتَابَةِ سَفِيرٌ. {6} قَالَ : وَلَا يُعْتِقُ عَلَى مَالٍ؛

اور ہو جائے گا غلام اس کا نائب، اور لوٹیں گے حقوق مولیٰ کی جانب؛ کیونکہ وکیل کتابت میں سفیر ہے۔ فرمایا: اور آزاد نہیں کر سکتا ہے مال پر؛

لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْكِتَابَةَ فَالْإِعْتَاقُ أَوْلَى ، وَلَا يُقْرِضُ ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مَحْضٌ كَالْهِبَةِ . {7} وَلَا يَهَبُ

کیونکہ وہ مالک نہیں کتابت کا تو اعتاق کا بطریقِ اولیٰ مالک نہ ہو گا، اور قرض نہیں دے سکتا؛ کیونکہ یہ محض تبرع ہے ہبہ کی طرح۔ اور ہبہ نہیں کر سکتا ہے

بِعِوَضٍ وَلَا بِغَيْرِ عِوَضٍ، وَكَذَا لَا يَتَصَدَّقُ ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ تَبَرُّعٌ بِصَرِيحِهِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً أَوْ ابْتِدَاءً فَلَا يَدْخُلُ

نہ بعوض اور نہ بغیر عوض، اور اسی طرح صدقہ نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ سب صریحاً تبرع ہے ابتداءً اور انتہاءً، یا ابتداءً، پس داخل نہ ہو گا

تَحْتَ الْإِذْنِ بِالتِّجَارَةِ. قَالَ: إِلَّا أَنْ يُهْدِيَ الْيَسِيرَ مِنَ الطَّعَامِ أَوْ يُضَيِّفَ مَنْ يُطْعِمُهُ؛ لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ التِّجَارَةِ اسْتِجْلَابًا

اذنِ تجارت کے تحت۔ فرمایا: مگر یہ کہ ہدیہ دے تھوڑا طعام، یا ضیافت کرے اس کی جس نے کھلایا ہو اس کو؛ کیونکہ یہ تجارت کی ضروریات میں سے ہے

لِقُلُوبِ الْمُجَاهِزِينَ ، بِخِلَافِ الْمَحْجُورِ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا إِذْنَ لَهُ أَصْلًا فَكَيْفَ يَثْبُتُ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ.

مائل کرتے ہوئے سیٹھ تاجروں کے دلوں کو، برخلافِ مجور علیہ کے؛ کیونکہ اس کو اجازت نہیں بالکل، تو کیسے ثابت ہوں گے لوازمِ تجارت

{8} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَحْجُورَ عَلَيْهِ إِذَا أَعْطَاهُ الْمَوْلَى قُوتَ يَوْمِهِ فَدَعَا بَعْضَ رُفَقَائِهِ عَلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مجور علیہ کو جب دیدے مولیٰ ایک دن کا روزینہ، پس اس نے مدعو کیا اپنے بعض ساتھیوں کو اس طعام پر،

فَلَا بَأْسَ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْطَاهُ قُوتَ شَهْرٍ ؛ لِأَنَّهُمْ لَوْ أَكَلُوهُ قَبْلَ الشَّهْرِ يَتَضَرَّرُ

تو کوئی مضائقہ نہیں اس میں، برخلاف اس کے جب دے اس کو مہینے کا روزینہ؛ کیونکہ اگر انہوں نے کھا لیا اس کو مہینے سے پہلے تو ضرر اٹھائے گا

تجر دور کرنے کا، پس یہ تجارت نہیں، مگر یہ کہ اجازت دے اس کی مولیٰ، حال یہ کہ اس پر دَین نہ ہو؛ کیونکہ مولیٰ مالک ہو گیا اس کا

وَيَصِيرُ الْعَبْدُ نَائِبًا عَنْهُ وَتَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَى الْمَوْلَى؛ لِأَنَّ الْوَكِيلَ فِي الْكِتَابَةِ سَفِيرٌ. {6} قَالَ: وَلَا يُعْتِقُ عَلَى مَالٍ؛

اور ہو جائے گا غلام اس کا نائب، اور لوٹیں گے حقوق مولیٰ کی جانب؛ کیونکہ وکیل کتابت میں سفیر ہے۔ فرمایا: اور آزاد نہیں کر سکتا ہے مال پر؛

لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْكِتَابَةَ فَالْإِعْتَاقُ أَوْلَى، وَلَا يُقْرِضُ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مَحْضٌ كَالْهِبَةِ. {7} وَلَا يَهَبُ

کیونکہ وہ مالک نہیں کتابت کا تو اعتاق کا بطریقِ اولیٰ مالک نہ ہوگا، اور قرض نہیں دے سکتا؛ کیونکہ یہ محض تبرع ہے ہبہ کی طرح۔ اور ہبہ نہیں کر سکتا ہے

بِعِوَضٍ وَلَا بِغَيْرِ عِوَضٍ، وَكَذَا لَا يَتَصَدَّقُ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ تَبَرُّعٌ بِصَرِيحِهِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً أَوْ ابْتِدَاءً فَلَا يَدْخُلُ

بعوض اور نہ بغیر عوض، اور اسی طرح صدقہ نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ سب صریحاً تبرع ہے ابتداءً اور انتہاءً، یا ابتداءً، پس داخل نہ ہوگا

تَحْتَ الْإِذْنِ بِالتِّجَارَةِ. قَالَ: إلَّا أَنْ يُهْدِيَ الْيَسِيرَ مِنَ الطَّعَامِ أَوْ يُضَيِّفَ مَنْ يُطْعِمُهُ؛ لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ التِّجَارَةِ اسْتِجْلَابًا

اذن تجارت کے تحت۔ فرمایا: مگر یہ کہ ہدیہ دے تھوڑا طعام، یا ضیافت کرے اس کی جس نے کھلایا ہو اس کو؛ کیونکہ یہ تجارت کی ضروریات میں سے ہے

لِقُلُوبِ الْمُجَاهِزِينَ، بِخِلَافِ الْمَحْجُورِ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ لَا إِذْنَ لَهُ أَصْلًا فَكَيْفَ يَثْبُتُ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ.

مائل کرتے ہوئے سیٹھ تاجروں کے دلوں کو، برخلاف مجور علیہ کے؛ کیونکہ اس کو اجازت نہیں بالکل، تو کیسے ثابت ہوں گے لوازم تجارت

{8} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَحْجُورَ عَلَيْهِ إِذَا أَعْطَاهُ الْمَوْلَى قُوتَ يَوْمِهِ فَدَعَا بَعْضَ رُفَقَائِهِ عَلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مجور علیہ کو جب دیدے مولیٰ ایک دن کا روزینہ، پس اس نے مدعو کیا اپنے بعض ساتھیوں کو اس طعام پر،

فَلَا بَأْسَ بِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْطَاهُ قُوتَ شَهْرٍ؛ لِأَنَّهُمْ لَوْ أَكَلُوهُ قَبْلَ الشَّهْرِ يَتَضَرَّرُ

تو کوئی مضائقہ نہیں اس میں، برخلاف اس کے جب دے اس کو مہینے کا روزینہ؛ کیونکہ اگر انہوں نے کھالیا اس کو مہینے سے پہلے تو ضرر اٹھائے گا

بِهِ الْمَوْلَى {9} قَالُوا: وَلَا بَأْسَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَتَصَدَّقَ مِنْ مَنْزِلِ زَوْجِهَا بِالشَّيْءِ الْيَسِيرِ كَالرَّغِيفِ وَنَحْوِهِ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ

اس سے مولیٰ۔ مشائخ نے کہا ہے: کوئی حرج نہیں کہ صدقہ کردے عورت اپنے شوہر کے گھر کی تھوڑی سی چیز جیسے چپاتی وغیرہ؛ کیونکہ یہ بات

غَيْرُ مَمْنُوعٍ عَنْهُ فِي الْعَادَةِ. {10} قَالَ: وَلَهُ أَنْ يَحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ بِالْعَيْبِ مِثْلَ مَا يَحُطُّ التُّجَّارُ؛

ممنوع عنہ نہیں ہوتی ہے عادۃً۔ فرمایا: اور اس کو اختیار ہے کہ کم کردے ثمن میں سے عیب کی وجہ سے جتنا کم کرتے ہیں تاجر لوگ؛

لِأَنَّهُ مِنْ صَنِيعِهِمْ، وَرُبَّمَا يَكُونُ الْحَطُّ أَنْظَرَ لَهُ مِنْ قَبُولِ الْمَعِيبِ ابْتِدَاءً، بِخِلَافِ مَا

کیونکہ یہ ان کی عادت میں سے ہے، اور بسا اوقات کم کرنا ابتداءً مفید ہوتا ہے اس کے لیے عیب دار مبیع قبول کرنے سے، برخلاف اس کے

إِذَا حَطَّ مِنْ غَيْرِ عَيْبٍ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مَحْضٌ بَعْدَ تَمَامِ الْعَقْدِ فَلَيْسَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ، وَلَا كَذَلِكَ الْمُحَابَاةُ

جب کم کردے بغیر عیب کے؛ کیونکہ یہ محض تبرع ہے تمام عقد کے بعد، پس یہ تجار کی عادت میں سے نہیں، اور اس طرح نہیں محابات

فِي الِابْتِدَاءِ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهَا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَلَهُ أَنْ يُؤَجِّلَ فِي دَيْنٍ وَجَبَ لَهُ؛ لِأَنَّهُ مِنْ عَادَةِ التِّجَارَةِ .

ابتداء میں؛ کیونکہ کبھی ضرورت ہوتی ہے اس کی جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو۔ اور اس کو اختیار ہے کہ مہلت دے ایسے دَین میں جو واجب ہوا ہو اس کے لیے؛ کیونکہ یہ تجار کی عادت میں سے ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر ماذون غلام نے قرضوں کا اقرار کیا یا لوگوں کے اشیاء غصب کرنے کا اقرار کیا تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر لوگوں کی ودیعتوں کا اقرار کیا تو یہ بھی جائز ہے؛ اس لیے کہ کسی کے حق کا اقرار تو تجارت کے توابع اور لوازم میں سے ہے؛ کیونکہ اگر لوگوں کے حق کا اقرار صحیح نہ ہو تو لوگ اس کے ساتھ بیع اور معاملہ کرنے سے پرہیز کریں گے تو وہ تجارت کن کے ساتھ کرے گا۔ پھر اقرار بہر حال صحیح ہے خواہ مذکورہ ماذون مقروض ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو بشرطیکہ یہ اقرار اس کی حالتِ صحت میں واقع ہو، اور اگر اس نے مرض الموت میں اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کیا تو اگر اس پر حالتِ صحت کے قرضے ہوں تو وہ اس اقرار پر مقدم کیے جائیں گے جیسے آزاد آدمی کی صورت میں یہی حکم ہے کہ اس کے صحت کے قرضے اس کے اقرار پر مقدم ہوتے ہیں۔

{2} پھر یہ حکم ایسے حق کے اقرار میں ہے جو حق تجارت کی وجہ سے اس پر واجب ہوا ہو، اس کے برخلاف اگر ایسے مال کا اقرار کیا جو تجارت کی وجہ سے واجب نہ ہوا ہو مثلاً ماذون نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں شخص کا مال تلف کر دیا، یا فلاں کو زخمی کر دیا جس کی مجھ پر دیت ہے تو یہ اقرار صحیح نہ سمجھا جائے گا؛ کیونکہ وہ ایسے اقرار کے حق میں غلام مجور کی طرح ہے اس لیے اس کا یہ اقرار باطل ہے۔

{3} ماذون کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی عورت کے ساتھ اپنا نکاح کرلے؛ کیونکہ یہ کوئی تجارت نہیں ہے۔ اور ماذون مالِ تجارت میں جو غلام اور باندی ہو ان کا نکاح بھی نہیں کر سکتا ہے، یہ طرفینؒ اور دیگر ائمہ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کو باندی کا نکاح کر دینے کا اختیار ہے؛ کیونکہ اس کے منافع سے مال حاصل ہوگا اور اذن سے مقصود بھی مال کمانا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے باندی کو مزدوری پر دیدے تو ماذون کے لیے یہ جائز ہے۔

{4} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ کی طرف سے مذکورہ اجازت تو تجارت کو شامل ہے اور باندی کا نکاح کرنا کوئی تجارت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو غلام کا نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اور ایسا ہی اختلاف ماذون بچے، مضارب، شریک عنان، باپ اور وصی میں ہے کہ یہ لوگ طرفینؒ کے نزدیک باندی کا نکاح نہیں کر سکتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کر سکتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ اگر نابالغ بچے کی ملکیت میں باندی ہو تو اس کے باپ کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی باندی کا نکاح کر دے اور اگر باپ

مر گیا ہو تو اس کے وصی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے اور اگر کسی کو مضاربت پر مال دیا ہو تو مضارب کو بھی یہ اختیار نہیں کہ مال مضاربت کی باندی کا نکاح کر دے اور شریک عنان اور ماذون بچے کو بھی یہ اختیار نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهيد: والماخوذ عند اكثر أصحاب المتون هو قولهما والشروح ،و لم ينقل احد من المشائخ الترجيح الى قول ابی یوسف(هامش الهداية: 362/3)

{5} اور ماذون کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ اپنے غلام کو مکاتب کر دے؛ کیونکہ مکاتب کرنا کوئی تجارت نہیں ہے؛ کیونکہ تجارت تو مال کے مبادلہ کو کہتے ہیں حالانکہ مکاتب کرنے میں بدلِ کتابت کا مقابلہ حجر دور کرنے کے ساتھ ہوتا ہے اور حجر دور کرنا مال نہیں ہے تو یہ تجارت نہیں اس لیے ماذون غلام کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن اگر مولیٰ اس کو مکاتب کرنے کی اجازت دیدے اور غلام پر قرضہ بھی نہ ہو تو اس کا غلام کو مکاتب کرنا جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ مولیٰ نے اس کو مکاتب کرنے کا مالک بنایا ہے پس ماذون اپنے مولیٰ کی طرف سے اس کام میں نائب ہو جائے گا اور کتابت کے حقوق مولیٰ کی طرف لوٹ جائیں گے یعنی عوضِ کتابت کا مطالبہ کرنا یا عاجزی کے وقت کتابت فسخ کرنا یا آزادی کے بعد وَلاء لینا سب مولیٰ کی طرف پھریں گے؛ کیونکہ کتابت کے بارے میں حقوق کا تعلق وکیل سے نہیں ہوتا اس لیے کہ عقدِ کتابت میں تو وکیل محض سفیر ہوتا ہے تو جب غلام ماذون اس معاملہ میں وکیل ہوا تو حقوق اس کی جانب راجع نہ ہوں گے۔

{6} اور ماذون کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے مملوک کو مال پر آزاد کر دے؛ کیونکہ جب اس کو مکاتب کرنے کا اختیار نہیں تو آزاد کرنے کا بدرجہ اولیٰ اختیار نہیں ہوگا۔ اور ماذون کو قرض دینے کا بھی اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ قرض دینا محض احسان ہے جیسے ہبہ کرنا محض احسان ہے؛ کیونکہ ہبہ اگر بغیر عوض ہو تو اس کا محض احسان ہونا ظاہر ہے اور اگر بشرطِ عوض ہو تو وہ ابتداء میں احسان ہے اگرچہ آخر میں اس کا بدلہ مل جاتا ہے، بہر حال قرض دینا اور ہبہ کرنا محض احسان ہیں اور ماذون کو احسان کی اجازت نہیں۔

{7} اور ماذون غلام کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دے خواہ ہبہ بعوض ہو یا بغیر عوض کے ہو، اور ماذون غلام کو صدقہ کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ یہ ہر ایک صریحاً احسان ہے خواہ ابتداء وانتہاء دونوں میں احسان ہو جیسے ہبہ بلا عوض میں، یا فقط ابتداء میں احسان ہو جیسے ہبہ بشرطِ عوض میں، تو یہ تجارت کی اجازت میں داخل نہ ہوگا، البتہ اگر وہ تھوڑا سا اناج ہدیہ کرے یا ایسے شخص کی ضیافت کرے جس نے اس کو کھانا کھلایا ہے تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ ایسا کرنا تجارت کی ضرورت میں سے ہے تاکہ وہ غنی تاجروں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر دے۔ باقی محجور غلام کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس کو ان چیزوں کی اجازت نہیں؛ کیونکہ اس کے لیے تجارت کی اجازت ہی نہیں ہے تو ضرورتِ تجارت کی اجازت کیونکر ثابت ہوگی۔

{8} امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر غلام مجور کو اس کے مولیٰ نے اس دن کی خوراک دیدی پس اس نے کھانا تیار کر کے اس کھانے پر اپنے بعض ساتھیوں کو بلایا تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر اس کو ایک ماہ کی خوراک دی ہو تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اگر اس کے ساتھیوں نے مل کر اس طعام کو مہینہ پورا ہونے سے پہلے کھالیا تو اس سے مولیٰ کو ضرر پہنچے گا۔

{9} مشائخ نے کہا ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی معمولی چیز جیسے ایک روٹی وغیرہ صدقہ کر دی تو مضائقہ نہیں ہے؛ کیونکہ عادت میں اس سے منع نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا اس کی اجازت ہے۔ اسی طرح ایک درہم سے کم نقد، خمیر، نمک اور پیاز وغیرہ دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔

{10} ماذون غلام کو اختیار ہے کہ مبیع میں عیب کی وجہ سے مشتری کے ذمہ سے اس قدر ثمن کم کردے جیسے تاجر لوگ کم کیا کرتے ہیں؛ کیونکہ یہ بھی تاجروں کے افعال میں سے ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عیب دار مبیع واپس لے لینے سے ابتداء میں ثمن گھٹانا اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اس لیے اس کی گنجائش ہے۔ اس کے برخلاف اگر عیب کے بغیر اس نے ثمن میں سے کچھ کم کر دیا تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ عقد پورا ہو جانے کے بعد مشتری پر سے کچھ کم کرنا محض تبرع ہے پس یہ تاجروں کے افعال میں سے نہیں ہے اس لیے ماذون کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ابتداء میں محابات کا یہ حال نہیں ہے؛ کیونکہ ماذون کو کبھی اس کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ ہم اوپر بیان کر چکے کہ تاجروں کے دلوں کو مائل کرنے کے لیے محابات کی ضرورت پڑتی ہے۔

اور ماذون کو یہ اختیار ہے کہ جو ثمن مشتری پر واجب ہوا ہے اس کی ادائیگی کے لیے مشتری کو میعاد دیدے؛ کیونکہ یہ تاجروں کی عادات میں سے ہے۔

{1} قَالَ : وَدُيُونُهُ مُتَعَلِّقَةٌ بِرَقَبَتِهِ يُبَاعُ لِلْغُرَمَاءِ إِلَّا أَنْ يَفْدِيَهُ الْمَوْلَى

فرمایا: اور اس کے قرضے متعلق ہوں گے اس کی گردن کے ساتھ، فروخت کیا جائے گا قرضخواہوں کے لیے مگر یہ کہ فدیہ دے اس کا مولیٰ

{2} وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ : لَا يُبَاعُ وَيُبَاعُ كَسْبُهُ فِي دَيْنِهِ بِالْإِجْمَاعِ . لَهُمَا

اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے: فروخت نہیں کیا جائے گا، اور فروخت کی جائے گی اس کی کمائی اس کے دین میں بالاتفاق۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے

أَنَّ غَرَضَ الْمَوْلَى مِنَ الْإِذْنِ تَحْصِيلُ مَالٍ لَمْ يَكُنْ لَا تَفْوِيتُ مَالٍ قَدْ كَانَ لَهُ ، وَذَلِكَ

کہ مولیٰ کی غرض اجازت دینے سے ایسے مال کو حاصل کرنا ہے جو حاصل نہیں تھا، نہ کہ فوت کرنا ایسے مال کو جو موجود تھا، اور یہ غرض

فِي تَعْلِيقِ الدَّيْنِ بِكَسْبِهِ ، حَتَّى إِذَا فَضَلَ شَيْءٌ مِنْهُ عَنِ الدَّيْنِ يَحْصُلُ لَهُ

دَین کو معلق کرنے میں ہے اس کی کمائی کے ساتھ، حتی کہ اگر زائد ہوئی کوئی چیز کمائی میں سے دَین پر تو وہ حاصل ہوگا اس کو،

أَن بِالرَّقَبَةِ ، بِخِلَافِ دَيْنِ الِاسْتِهْلَاكِ ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ جِنَايَةٍ ، وَاسْتِهْلَاكُ الرَّقَبَةِ بِالْجِنَايَةِ

نہ کہ اس کی گردن سے متعلق کرنے میں، برخلاف دَینِ استہلاک کے؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا جرم ہے، اور گردن تلف کرنا جرم کی وجہ سے

لَا يَتَعَلَّقُ بِالْإِذْنِ .{3} وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ فِي ذِمَّةِ الْعَبْدِ ظَهَرَ وُجُوبُهُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى فَيَتَعَلَّقُ

متعلق نہیں ہوتا ہے اجازت سے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام کے ذمہ واجب کا وجوب ظاہر ہو گیا مولیٰ کے حق میں، پس متعلق ہوگی

بِرَقَبَتِهِ اسْتِيفَاءً كَدَيْنِ الِاسْتِهْلَاكِ ، وَالْجَامِعُ دَفْعُ الضَّرَرِ عَنِ النَّاسِ ،{4} وَهَذَا ؛ لِأَنَّ سَبَبَهُ التِّجَارَةُ

اس کی گردن کے ساتھ وصولی، جیسے دَینِ استہلاک، اور جامع ضرر دور کرنا ہے لوگوں سے، اور یہ اس لیے کہ اس کا سبب تجارت ہے،

وَهِيَ دَاخِلَةٌ تَحْتَ الْإِذْنِ ، وَتَعَلُّقُ الدَّيْنِ بِرَقَبَتِهِ اسْتِيفَاءً حَامِلٌ عَلَى الْمُعَامَلَةِ ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ

اور وہ داخل ہے اجازت کے تحت، اور متعلق ہونا دَین کا اس کی گردن کے ساتھ وصولی کے لیے باعث ہے معاملہ پر، پس اس وجہ سے

صَلَحَ غَرَضًا لِلْمَوْلَى ، وَيَنْعَدِمُ الضَّرَرُ فِي حَقِّهِ بِدُخُولِ الْمَبِيعِ فِي مِلْكِهِ ،{5} وَتَعَلُّقُهُ

لائق ہے مولیٰ کی غرض کے لیے، اور معدوم ہو جاتا ہے ضرر اس کے حق میں مبیع کے داخل ہونے سے اس کی ملک میں، اور دَین کا متعلق ہونا

بِالْكَسْبِ لَا يُنَافِي تَعَلُّقَهُ بِالرَّقَبَةِ فَيَتَعَلَّقُ بِهِمَا ، غَيْرَ أَنَّهُ يُبْدَأُ بِالْكَسْبِ فِي الِاسْتِيفَاءِ

کمائی کے ساتھ منافی نہیں اس کا رقبہ کے ساتھ متعلق ہونے کے، پس متعلق ہوگا دونوں کے ساتھ، البتہ ابتداء کی جائے گی کمائی سے ادائیگی میں

إِيفَاءً لِحَقِّ الْغُرَمَاءِ وَإِبْقَاءً لِمَقْصُودِ الْمَوْلَى ، وَعِنْدَ انْعِدَامِهِ يُسْتَوْفَى مِنَ الرَّقَبَةِ.

پورا کرتے ہوئے قرضخواہوں کے حق کو، اور باقی رکھتے ہوئے مقصودِ مولیٰ کو، اور کمائی نہ ہونے کی صورت پورا کیا جائے گا اس کی گردن سے۔

{6} وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ دُيُونُهُ الْمُرَادُ مِنْهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِالتِّجَارَةِ أَوْ بِمَا هُوَ فِي مَعْنَاهَا كَالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

اور ان کا قول کتاب "اس کے قرضے" اس سے مراد وہ دَین ہے جو واجب ہو تجارت کی وجہ سے یا جو تجارت کے معنی میں ہو جیسے خرید و فروخت،

وَالْإِجَارَةِ وَالِاسْتِئْجَارِ وَضَمَانِ الْغُصُوبِ وَالْوَدَائِعِ وَالْأَمَانَاتِ إِذَا جَحَدَهَا ، وَمَا يَجِبُ مِنَ الْعُقْرِ بِوَطْءِ الْمُشْتَرَاةِ بَعْدَ الِاسْتِحْقَاقِ

اجارہ اور اجارہ لینا، مغصوب کا ضمان، ودیعتیں اور امانتیں جب انکار کرے ان کا، یا وہ عقر جو واجب ہو خریدی ہوئی باندی سے استحقاق کے بعد وطی کرنے سے

لِاسْتِنَادِهِ إِلَى الشِّرَاءِ فَيَلْحَقُ بِهِ.{7} قَالَ : وَيُقَسَّمُ ثَمَنُهُ

بوجہ اس کے منسوب ہونے کے خرید کی طرف، پس لاحق ہو جائے گی اسی کے ساتھ۔ فرمایا: اور تقسیم کر دیا جائے گا اس کا ثمن

بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ ؛ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِالرَّقَبَةِ فَصَارَ كَتَعَلُّقِهَا بِالتَّرِكَةِ{8} فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ

ان کے درمیان حصوں کے مطابق؛ ان کا حق رقبہ کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے پس ہو گیا یہ متعلق ہونا ان کا ترکہ کے ساتھ، پس اگر کچھ زائد ہو گیا

مِنْ دُيُونِهِ طُولِبَ بِهِ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ ؛ لِتَقَرُّرِ الدَّيْنِ فِي ذِمَّتِهِ وَعَدَمِ وَفَاءِ الرَّقَبَةِ بِهِ

اس کے قرضوں میں سے، تو مطالبہ کیا جائے گا اس کا آزادی کے بعد؛ بوجہ متقرر ہونے دَین کے اس کے ذمہ میں، اور رقبہ کا اس کے لیے کافی نہ ہونے کی وجہ سے،

وَلَا يُبَاعُ ثَانِيًا ؛ كَيْ لَا يَمْتَنِعَ الْبَيْعُ أَوْ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْمُشْتَرِي{9} وَيَتَعَلَّقُ دَيْنُهُ بِكَسْبِهِ

اور فروخت نہیں کیا جائے گا دوبارہ؛ تاکہ ممتنع نہ ہو بیع، یا دفع کرتے ہوئے ضرر کو مشتری سے۔ اور متعلق ہوگا اس کا قرضہ اس کی کمائی کے ساتھ:

سَوَاءٌ حَصَلَ قَبْلَ لُحُوقِ الدَّيْنِ أَوْ بَعْدَهُ وَيَتَعَلَّقُ بِمَا يَقْبَلُ مِنَ الْهِبَةِ ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى إنَّمَا يَخْلُفُهُ فِي الْمِلْكِ

خواہ حاصل ہو لحوقِ دَین سے پہلے یا اس کے بعد، اور متعلق ہوگا اس ہبہ سے جو وہ قبول کرے؛ کیونکہ مولیٰ خلیفہ ہوتا ہے غلام کا ملک میں

بَعْدَ فَرَاغِهِ عَنْ حَاجَةِ الْعَبْدِ وَلَمْ يَفْرُغْ ، وَلَا يَتَعَلَّقُ بِمَا انْتَزَعَهُ الْمَوْلَى مِنْ يَدِهِ

اس کے فارغ ہونے کے بعد غلام کی حاجت سے حالانکہ وہ ابھی فارغ نہیں ہوئی، اور متعلق نہ ہوگا اس کے ساتھ جو نکال دے مولیٰ اس کے ہاتھ سے

قَبْلَ الدَّيْنِ ؛ لِوُجُودِ شَرْطِ الْخُلُوصِ لَهُ{10} وَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ غَلَّةَ مِثْلِهِ بَعْدَ الدَّيْنِ؛

قرضہ سے پہلے؛ اس کے لیے خالص ہونے کی شرط پائے جانے کی وجہ سے، اور مولیٰ کو اختیار ہے کہ لے لے اس جیسے کی پیداوار دَین کے بعد؛

لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ مِنْهُ يَحْجُرُ عَلَيْهِ فَلَا يَحْصُلُ الْكَسْبُ ، وَالزِّيَادَةُ عَلَى غَلَّةِ الْمِثْلِ

کیونکہ اگر مولیٰ کو قدرت نہ دی جائے اس پر تو وہ مجحور کر دے گا اس کو، پس حاصل نہ ہوگی کمائی، اور زائد اس جیسے کی کمائی سے

يَرُدُّهَا عَلَى الْغُرَمَاءِ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ فِيهَا وَتَقَدُّمِ حَقِّهِمْ .

رد کر دیا جائے گا قرضخواہوں پر؛ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس میں، اور ان کا حق مقدم ہونے کی وجہ سے۔

تشریح:۔ {1} ماذون غلام پر جو قرضے چڑھ جائیں وہ اس کی گردن سے متعلق ہوں گے پس قرضخواہوں کے لیے ماذون کو فروخت کیا جائے گا تاکہ اس کے ثمن سے ان کے قرضے ادا کیے جائیں۔ البتہ اگر اس کا مولیٰ اپنی طرف سے اس کا فدیہ دیدے تو پھر ماذون کو فروخت نہیں کیا جائے گا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماذون کو قرضخواہوں کے لیے فروخت نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کی کمائی بالاتفاق اس کے قرضہ میں فروخت کی جائے گی۔

{2} امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجازت دینے سے مولیٰ کی غرض یہ ہے کہ ایسا مال حاصل ہو جو اس کو حاصل نہیں تھا اور یہ غرض نہیں کہ جو مال اس کے پاس تھا وہ برباد ہو جائے، اور مولیٰ کی یہ غرض اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ قرضخواہوں کا قرضہ ماذون کی کمائی سے متعلق ہو نہ کہ اس کی گردن سے تاکہ اگر قرضہ دے کر کمائی میں سے کچھ بچ جائے تو وہ مولیٰ کو حاصل ہو۔ اس کے برخلاف اگر ماذون کے ذمہ کوئی چیز تلف کرنے کا تاوان لازم آیا تو یہ بے شک اس کی گردن سے متعلق

ہوگا؛ کیونکہ دوسرے کا مال تلف کرنا ایک جرم ہے اور جرم کی وجہ سے اس کے رقبہ کا تلف ہونا تجارتی اجازت سے متعلق نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ ماذون نہ ہو بلکہ مجحور ہو تو بھی اس کا رقبہ فروخت کیا جائے گا۔

{3} ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام کے ذمہ قرضہ واجب ہونے سے مولیٰ کے حق میں بھی وجوب ظاہر ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس قرضہ کا وجوب مولیٰ کے حق میں ظاہر ہو وہ قرضہ غلام کے رقبہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے لہٰذا اس کو غلام کی گردن سے وصول کیا جائے گا جیسے مال تلف کرنے کا تاوان بالاتفاق اس کی گردن سے متعلق ہوتا ہے اور قرضہ کو تاوان پر قیاس کرنے کی علت جامعہ یہ ہے کہ لوگوں سے ضرر دور ہو یعنی جیسے تلف کرنے کا تاوان اس وجہ سے غلام کی گردن سے متعلق ہوتا ہے تاکہ مال کے مالک کا ضرر دور ہو اسی طرح یہاں بھی قرضخواہوں کا ضرر دور ہوگا۔

{4} باقی اس قرضہ کا وجوب مولیٰ کے حق میں اس وجہ سے ظاہر ہوگا کہ اس قرضہ کا سبب تجارت ہے اور تجارت اس کی اجازت کے تحت میں داخل ہے، اور غلام کی گردن سے قرضہ متعلق ہو کر وصول ہونا ہی ان لوگوں کے حق میں ماذون کے ساتھ معاملہ کرنے کا باعث ہوا تو اس اعتبار سے مولیٰ کی غرض کے لائق ہے۔ اور مولیٰ کے حق میں جو ضرر لاحق ہوتا ہے وہ اس مبیع کے اس کی ملکیت میں آجانے سے دفع ہو جائے گا جس مبیع کی وجہ سے ماذون کے ذمہ دَین لازم آیا ہے۔

{5} اور ماذون کی کمائی کے ساتھ قرضہ کا تعلق ہونا اس امر کے منافی نہیں ہے کہ اس کی گردن کے ساتھ بھی قرضہ کا تعلق ہو پس قرضہ کا تعلق اس کی کمائی اور گردن دونوں کے ساتھ ہوگا، البتہ اتنی بات ہے کہ قرضوں کی ادائیگی پہلے اس کی کمائی سے شروع کی جائے گی تاکہ قرضخواہوں کا حق بھی ادا ہو اور مولیٰ کا مقصود بھی حاصل رہے اور جب کمائی سے پورا نہ ہو یا کمائی نہ ہو تو پھر قرضے اس کے رقبہ کے ساتھ متعلق ہوں گے۔

{6} اور کتاب میں جو لفظ "دُیُونٌ" فرمایا تو اس سے مراد ہر ایسا قرضہ ہے جو تجارت کی وجہ سے واجب ہوا ہو یا ایسے امر کی وجہ سے واجب ہوا ہو جو تجارت کے معنی میں ہے جیسے خرید و فروخت، اور اجارہ پر دینے اور اجارہ پر لینے کی وجہ سے واجب ضمان، اور مالِ غصب کا ضمان یا جو ضمان ودیعت و امانت سے انکار پر واجب ہو یعنی ماذون کے قبضہ میں موجود ودیعت یا امانت سے ماذون نے انکار کیا تو انکار کی وجہ سے یہ غصب کے حکم میں ہو جائے گی اس لیے اس کا ضمان ماذون پر واجب ہوگا، یا جو عقر کہ خریدی ہوئی باندی کے ساتھ اس وقت وطی کرنے سے واجب ہوا ہو جس وقت کہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ بائع کے علاوہ یہ باندی کسی دوسرے کی ملکیت ہے؛ کیونکہ یہ عقر شراء کی طرف منسوب ہے لہٰذا یہ شراء کے ساتھ لاحق ہوگا۔

{7} اور جب یہ ماذون فروخت کیا جائے تو اس کا ثمن قرض خواہوں کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کر دیا جائے گا؛ کیونکہ ان کا حق اس کے رقبہ سے متعلق ہوتا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے ان کے قرضے ترکہ کے ساتھ متعلق ہوں جس میں ان کے حصوں کے بقدر ترکہ کو تقسیم کر دیا جائے گا اسی طرح ماذون غلام کا ثمن بھی قرضخواہوں کے حصوں کے بقدر ان میں تقسیم کیا جائے گا۔

{8} پھر اگر اس کے قرضوں میں سے کچھ باقی رہ گیا تو ماذون کی آزادی کے بعد اس سے ان باقی قرضوں کا مطالبہ کیا جائے گا؛ کیونکہ قرضہ اس کے ذمہ جم گیا اور اس کا رقبہ اس کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں ہوا تو اس کی آزادی کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اور مذکورہ غلام دوبارہ نہیں فروخت کیا جائے گا تاکہ اول بیع ممتنع نہ ہو یعنی پھر تو کوئی مشتری اس خوف سے اس کو نہیں خریدے گا کہ اگر قرضہ ادا نہ ہوا تو میرے پاس سے لے کر دوبارہ اس کو فروخت کیا جائے گا، یا اس وجہ سے دوبارہ فروخت نہیں کیا جائے گا تاکہ مشتری کے ذمہ سے ضرر دور ہو؛ کیونکہ دوبارہ فروخت کرنے میں اس کا ضرر ہے۔

{9} اور ماذون غلام کے قرضے اس کی کمائی سے متعلق ہوں گے خواہ یہ کمائی قرضہ لاحق ہونے سے پہلے حاصل ہوا اس کے بعد حاصل ہوئی ہو، اور جو کچھ وہ ہبہ قبول کرے اس سے بھی متعلق ہوں گے؛ کیونکہ مولیٰ ملک میں غلام کا قائم مقام اس وقت ہوتا ہے کہ غلام کی حاجات سے یہ ملکیت فارغ ہو جائے جبکہ یہاں ابھی تک فارغ نہیں ہوئی ہے، تو گویا یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ غلام جو ہبہ قبول کرتا ہے اس کی ملکیت میں اس کا مولیٰ اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ اس کے ساتھ قرضوں کا تعلق نہ ہو۔ تو جواب دیا کہ مولیٰ اس وقت قائم مقام ہوتا ہے کہ یہ کمائی غلام کی حاجت سے فارغ ہو جبکہ اس کے ساتھ قرضہ متعلق ہے اس لیے غلام کی حاجت سے فارغ نہیں، لہذا مولیٰ خلیفہ نہ ہوگا اور وہ چیز اب تک مولیٰ کے قبضہ میں نہیں پہنچی ہے بلکہ غلام ہی کے قبضہ میں موجود ہے اس لیے اس کے ساتھ قرضے متعلق ہوں گے۔ غلام پر قرضہ چڑھ جانے سے پہلے اگر اس کی کمائی مولیٰ نے اس کے ہاتھ سے لے لی تو اس کمائی کے ساتھ قرضے متعلق نہ ہوں گے؛ کیونکہ اس کمائی کا خالص مولیٰ کے لیے ہونے کی شرط پائی گئی وہ یہ کہ یہ کمائی فی الحال غلام کی حاجت سے فارغ ہے اس لیے کہ اب تک غلام کے ذمہ قرضے لازم نہیں ہوئے ہیں۔

{10} اور مولیٰ کو غلام پر قرضہ چڑھ جانے کے بعد اختیار ہے کہ ایسے غلام کے محاصل کو لے لے یعنی مولیٰ نے جو غلام کے ذمہ ماہانہ کمائی رکھی ہے وہ قرضہ کے بعد بھی لے سکتا ہے؛ کیونکہ اگر اس مقررہ کمائی کے لینے کی قدرت مولیٰ کو نہ دی جائے تو وہ مذکورہ غلام کو مجبور کر دے گا پس کمائی حاصل ہی نہ ہو گی جس میں قرضخواہوں کا نقصان ہے اس لیے اس کمائی کے لینے کی مولیٰ کو قدرت دی

جائے گی۔ پھر اگر اس کے مثل کی کمائی سے کچھ زائد ہو تو وہ قرضخواہوں کو واپس دے؛ کیونکہ زائد کے حق میں کوئی ضرورت نہیں ہے اور قرضخواہوں کا حق مقدم ہے۔

{1}قَالَ : فَإِنْ حُجِرَ عَلَيْهِ لَمْ يَنْحَجِرْ حَتَّى يَظْهَرَ حَجْرُهُ بَيْنَ أَهْلِ سُوقِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَوِ انْحَجَرَ

فرمایا: اور اگر حجر کیا گیا اس پر تو حجر نہ ہوگا یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے اس کا حجر اس کے شہر والوں کے درمیان؛ کیونکہ اگر مجور ہو جائے

لَتَضَرَّرَ النَّاسُ بِهِ لِتَأَخُّرِ حَقِّهِمْ إِلَى مَا بَعْدَ الْعِتْقِ لِمَا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِرَقَبَتِهِ

تو ضرر اٹھائیں گے لوگ اس سے؛ ان کے حق کے مؤخر ہونے کی وجہ سے مابعد العتق کی طرف؛ کیونکہ متعلق نہیں رہا اس کی گردن

وَكَسْبِهِ وَقَدْ بَايَعُوهُ عَلَى رَجَاءِ ذَلِكَ ، {2}وَيُشْتَرَطُ عِلْمُ أَكْثَرِ أَهْلِ سُوقِهِ ، حَتَّى لَوْ حُجِرَ عَلَيْهِ فِي السُّوقِ

اور اس کی کمائی کے ساتھ، اور انہوں نے اس کے ساتھ معاملہ کیا تھا اسی امید پر، اور شرط ہے علم اکثر اہل شہر کا، حتی کہ اگر حجر کیا گیا اس پر شہر میں

وَلَيْسَ فِيهِ إِلَّا رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ لَمْ يَنْحَجِرْ ، وَلَوْ بَايَعُوهُ جَازَ ، وَإِنْ بَايَعَهُ الَّذِي

اور اس میں نہ ہو مگر ایک یا دو آدمی، تو وہ مجور نہ ہوگا، اور اگر لوگوں نے اس کے ساتھ معاملہ کیا تو جائز ہے، اگرچہ معاملہ کرے اس کے ساتھ وہ

عَلِمَ بِحَجْرِهِ وَلَوْ حُجِرَ عَلَيْهِ فِي بَيْتِهِ بِمَحْضَرٍ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ سُوقِهِ يَنْحَجِرُ ، وَالْمُعْتَبَرُ شُيُوعُ الْحَجْرِ

اس نے جو باخبر ہو اس کے حجر سے، اور اگر حجر کیا گیا اس پر اس کے گھر میں اکثر اہل شہر کی موجودگی میں، تو مجور ہو جائے گا، اور معتبر حجر کا شائع

وَاشْتِهَارُهُ فَيُقَامُ ذَلِكَ مَقَامَ الظُّهُورِ عِنْدَ الْكُلِّ كَمَا فِي تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ مِنَ الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ،{3} وَيَبْقَى

اور مشہور ہونا ہے، پس یہ قائم مقام ہوگا سب کے نزدیک ظہور کا جیسا کہ ادا ء رسالت میں ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام سے، اور باقی رہے گا

الْعَبْدُ مَأْذُونًا إِلَى أَنْ يَعْلَمَ بِالْحَجْرِ كَالْوَكِيلِ إِلَى أَنْ يَعْلَمَ بِالْعَزْلِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِهِ حَيْثُ يَلْزَمُهُ

غلام ماذون یہاں تک کہ وہ جان لے حجر کو جیسے وکیل کو جب علم ہو عزل کا، اور یہ اس لیے کہ وہ ضرر اٹھائے گا حجر سے؛ کہ لازم ہوگا اس پر

قَضَاءُ الدَّيْنِ مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ وَمَا رَضِيَ بِهِ، وَإِنَّمَا يُشْتَرَطُ الشُّيُوعُ فِي الْحَجْرِ إِذَا كَانَ الْإِذْنُ شَائِعًا. أَمَّا

دین ادا کرنا اپنے خالص مال سے آزادی کے بعد، حالانکہ وہ اس پر راضی نہیں ہوا، اور شرط ہے شائع ہونا حجر میں جبکہ اذن شائع ہو، رہا یہ کہ

إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِهِ إِلَّا الْعَبْدُ ثُمَّ حُجِرَ عَلَيْهِ بِعِلْمٍ مِنْهُ يَنْحَجِرُ ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ فِيهِ .{4} قَالَ

جب آگاہ نہ ہو اس سے مگر غلام، پھر مجور کر دے اس کو اس کی آگاہی میں، تو مجور ہو جائے گا؛ کیونکہ کوئی ضرر نہیں اس میں۔ فرمایا:

وَلَوْ مَاتَ الْمَوْلَى أَوْ جُنَّ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا صَارَ الْمَأْذُونُ مَحْجُورًا عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ الْإِذْنَ غَيْرُ لَازِمٍ، وَمَا لَا يَكُونُ لَازِمًا

اور اگر مر گیا مولیٰ، یا مجنون ہوا یا دار الحرب چلا گیا مرتد ہو کر، تو ماذون مجور ہو جائے گا؛ اس لیے کہ اذن لازم نہیں، اور جو تصرف لازم نہ ہو

مِنَ التَّصَرُّفِ يُعْطَى لِدَوَامِهِ حُكْمُ الِابْتِدَاءِ،هَذَاهُوَالْأَصْلُ فَلَابُدَّمِنْ قِيَامِ أَهْلِيَّةِالْإِذْنِ فِي حَالَةِالْبَقَاءِ وَهِيَ تَنْعَدِمُ
دیدیا جائے گا اس کے دوام کو ابتداء کا حکم، یہی اصل ہے، پس ضروری ہے اہلیتِ اذن کا موجود ہونا حالتِ بقاء میں، حالانکہ وہ ختم ہو جاتی ہے

بِالْمَوْتِ وَالْجُنُونِ ، وَكَذَا بِاللُّحُوقِ لِأَنَّهُ مَوْتٌ حُكْمًا حَتَّى يُقَسَّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ.
موت اور جنون سے، اور اسی طرح دارالحرب چلے جانے سے؛ کیونکہ یہ موت ہے حکماً حتی کہ تقسیم کیا جاتا ہے اس کا مال اس کے ورثہ کے درمیان

{5} قَالَ :وَإِذَاأَبَقَ الْعَبْدُصَارَمَحْجُوراًعَلَيْهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَبْقَى مَأْذُونًا ؛ لِأَنَّ الْإِبَاقَ لَا يُنَافِي ابْتِدَاءَ الْإِذْنِ،
فرمایا: اور اگر بھاگ گیا غلام، تو وہ مجور ہو جائے گا، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: وہ باقی رہے گا ماذون؛ کیونکہ بھاگنا منافی نہیں ابتداءِ اذن کے

فَكَذَا لَا يُنَافِي الْبَقَاءَ وَصَارَ كَالْغَصْبِ .{6}وَلَنَا أَنَّ الْإِبَاقَ حَجْرٌ دَلَالَةً ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَرْضَى
پس اسی طرح منافی نہ ہوگا بقاء کے، اور ہو گیا غصب کی طرح۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بھاگنا حجر ہے دلالۃً؛ کیونکہ مولیٰ راضی ہے

بِكَوْنِهِ مَأْذُونًا عَلَى وَجْهٍ يَتَمَكَّنُ مِنْ تَقْضِيَةِ دَيْنِهِ بِكَسْبِهِ ، بِخِلَافِ ابْتِدَاءِ الْإِذْنِ ؛ لِأَنَّ الدَّلَالَةَ لَا مُعْتَبَرَ بِهَا
اس کے ماذون ہونے پر اس طور پر کہ وہ قادر ہو اس کے دین کو ادا کرنے پر اس کی کمائی سے، بر خلاف ابتداءِ اذن کے؛ کیونکہ دلالت کا اعتبار نہیں

عِنْدَوُجُودِالتَّصْرِيحِ بِخِلَافِهَا،وَبِخِلَافِ الْغَصْبِ؛ لِأَنَّ الِانْتِزَاعَ مِنْ يَدِ الْغَاصِبِ مُتَيَسِّرٌ .{7}قَالَ : وَإِذَا وَلَدَتِ
اس کے خلاف تصریح موجود ہونے کے وقت، اور بر خلاف غصب کے؛ کیونکہ نکالنا غاصب کے ہاتھ سے آسان ہے۔ فرمایا: اور اگر بچہ جنے

الْمَأْذُونُ لَهَا مِنْ مَوْلَاهَا فَذَلِكَ حَجْرٌ عَلَيْهَا خِلَافًا لِزُفَرَ ، وَهُوَ يَعْتَبِرُ حَالَةَ الْبَقَاءِ بِالِابْتِدَاءِ .{8}وَلَنَا أَنَّ
ماذونہ باندی اپنے مولیٰ سے، تو یہ حجر ہے اس پر، اختلاف ہے امام زفرؒ کا، وہ قیاس کرتے ہیں بقاء کو ابتداء پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ

الظَّاهِرَ أَنَّهُ يُحَصِّنُهَا بَعْدَ الْوِلَادَةِ فَيَكُونُ دَلَالَةَ الْحَجْرِ عَادَةً ، بِخِلَافِ الِابْتِدَاءِ؛
ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کو محصنہ (لوگوں سے میل جول سے محفوظ رکھنا) بنائے گا ولادت کے بعد، پس یہ دلیلِ حجر ہے عادۃً، بر خلاف ابتداء کے؛

لِأَنَّ الصَّرِيحَ قَاضٍ عَلَى الدَّلَالَةِ . وَيَضْمَنُ الْمَوْلَى قِيمَتَهَا إنْ رَكِبَتْهَا دُيُونٌ ؛ لِإِتْلَافِهِ
کیونکہ صریح حاکم ہوتی ہے دلالت پر، اور ضامن ہوگا مولیٰ اس کی قیمت کا اگر چڑھے ہوں اس پر قرضے؛ بوجہ اس کے تلف کرنے کے

مَحَلًّا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْغُرَمَاءِ ، إذْ بِهِ يَمْتَنِعُ الْبَيْعُ وَبِهِ يُقْضَى حَقُّهُمْ.
اس محل کو جس کے ساتھ متعلق ہوا ہے قرضخواہوں کا حق؛ کیونکہ اس سے ممتنع ہو جاتی ہے بیع، حالانکہ اسی سے ادا کیا جاتا ہے ان کا حق۔

تشریح:۔{1} اگر مولیٰ نے اپنے ماذون غلام کو مجور کر دیا تو وہ مجور نہ ہوگا یہاں تک کہ اس کا مجور ہونا اس کے بازار والوں میں ظاہر ہو یعنی جن لوگوں کے ساتھ وہ تجارتی معاملات کرتا ہے ان کو اس کا مجور ہونا معلوم ہو جائے تب یہ مجور ہوگا؛ کیونکہ اگر اس

کے بغیر مجور ہو جائے تو اس میں ان لوگوں کو ضرر پہنچے گا؛ کیونکہ اس صورت میں اگر یہ لوگ اس کے ساتھ کاروبار کریں گے تو ان کا حق اس غلام کی آزادی کے بعد تک مؤخر ہو جائے گا یعنی یہ لوگ غلام کی آزادی کے بعد اپنا حق اس سے وصول کر سکتے ہیں؛ کیونکہ اس صورت میں ان کا حق اس کے رقبہ یا کمائی کے ساتھ متعلق نہیں رہے گا حالانکہ انہوں نے اس امید پر اس کے ساتھ معاملہ کیا تھا کہ اگر یہ قرضہ نہ ادا کر سکا تو ہم اس کی گردن یا کمائی سے وصول کر لیں گے اور اب جب مولیٰ نے اس کو مجور کر دیا تو اس کے آزاد ہونے کے بعد وہ اپنا حق وصول کر سکتے ہیں حالانکہ اس کی آزادی ہی موہوم ہے اس لیے اس میں ان کا ضرر ہے۔

{2} اور شرط یہ ہے کہ اس کے بازار والے لوگ اکثر آگاہ ہو جائیں حتی کہ اگر بازار میں جا کر ایسی حالت میں اس کو مجور کیا کہ ایک یا دو آدمیوں کے علاوہ وہاں اور کوئی موجود نہ ہو تو وہ مجور نہ ہوگا پس اگر بازار والوں نے اس کے ساتھ معاملہ کیا تو جائز ہے اگر چہ وہی شخص اس کے ساتھ معاملہ کرے جو اس کے مجور ہونے سے آگاہ ہوا ہے۔ اور اگر اس کو گھر میں بیٹھ کر ایسی حالت میں مجور کیا کہ اس وقت اس کے اہل بازار میں سے اکثر حاضر ہیں تو وہ مجور ہو جائے گا، پس معتبر یہ بات ہے کہ مجور ہونا شائع اور مشہور ہو جائے اور یہی مشہور ہونا اس امر کا قائم مقام ہوگا کہ گویا سب کے نزدیک اس کا مجور ہونا ظاہر ہو گیا جیسے انبیاء علیہم السلام سے احکام کی تبلیغ میں مشہور ہونا معتبر ہوتا ہے پس اگر ذمی دار الاسلام میں مسلمان ہوا اور اس کو نماز کی فرضیت کا علم نہ ہو سکا تو اس کی قضاء اس پر لازم ہے؛ کیونکہ یہاں نماز کی فرضیت مشہور ہے، اور اگر حربی دار الحرب میں مسلمان ہوا اور اس کو نماز کی فرضیت کا علم نہ ہو سکا تو ان نمازوں کی قضاء اس پر لازم نہیں؛ کیونکہ دار الحرب میں نماز کی فرضیت کی شہرت نہیں ہے۔

{3} ماذون غلام برابر ماذون رہے گا جب تک کہ وہ اپنے مجور ہونے سے آگاہ نہ ہو جیسے وکیل جب تک اپنے معزول ہونے سے آگاہ نہ ہو وکیل رہتا ہے اور یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ بلا علم غلام کے مجور ہونے سے غلام ضرر اٹھائے گا؛ کیونکہ اس دوران اس پر جو قرضہ آئے وہ اس کی آزادی کے بعد اپنے خالص مال سے ادا کرے گا حالانکہ وہ اس پر راضی نہیں ہو سکتا۔ پھر مجور ہونے کے لیے حجر شائع ہو جانے کی شرط جب ہی ہے کہ اس کا ماذون ہونا شائع ہو۔ اور اگر غلام کے ماذون ہونے پر خود غلام کے علاوہ کوئی اور شخص مطلع نہ ہو پھر اس کو مجور کیا اس حال میں کہ فقط غلام کو حجر کا علم ہے تو وہ مجور ہو جائے گا؛ کیونکہ اس میں کسی کا ضرر نہیں ہے۔

{4} اگر ماذون کا مولیٰ مر گیا یا مجنون ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو اس کا ماذون غلام مجور ہو جائے گا؛ کیونکہ اجازت مولیٰ پر لازم نہیں ہے اور ہر وہ تصرف جو لازم نہ ہو اس کے باقی رہنے کا وہی حکم ہے جو اس کی ابتداء کا ہوتا ہے یہی اصل اور قاعدہ کلیہ ہے تو باقی رہنے کی حالت میں بھی مولیٰ کے لیے اجازت دینے کی اہلیت کا ہونا ضروری ہے حالانکہ اس کے مرنے یا مجنون ہونے سے اس کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح دار الحرب میں مل جانے سے بھی اس کی اہلیت نہیں رہے گی؛ کیونکہ مرتد ہو کر دار الحرب

چلا جانا بھی حکماً موت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اس لیے ان تینوں صورت میں غلام مجور ہو جائے گا۔

{5} اگر ماذون غلام بھاگ گیا تو مجور ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماذون باقی رہے گا؛ کیونکہ بھاگنا ابتدائی اجازت کے منافی نہیں ہے یعنی اگر مولیٰ نے اپنے بھاگے ہوئے غلام کو تجارت کی اجازت دی تو وہ ماذون ہو جائے گا تو اسی طرح بقاءِ اجازت کے بھی منافی نہ ہوگا اور یہ غصب کے مانند ہو گیا چنانچہ اگر غصب کئے ہوئے غلام کو اجازت دیدی یا ماذون کو غصب کر لیا گیا تو اجازت باطل نہیں ہوتی ہے یعنی اول صورت میں اجازت جائز ہے اور دوسری صورت میں باقی رہے گی۔

{6} ہماری دلیل یہ ہے کہ بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے؛ کیونکہ مولیٰ اس کے ماذون ہونے پر جب ہی راضی ہے کہ وہ ایسے طور پر رہے کہ اپنی کمائی سے اپنا قرضہ ادا کر سکے ظاہر ہے کہ بھاگ جانے کی صورت میں اس کی کمائی سے قرضہ ادا نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے مولیٰ اس پر راضی نہ ہوگا۔ بر خلاف ابتدائی اجازت کے یعنی بھاگے ہوئے غلام کو تجارت کی اجازت دینا جائز ہے اور وہ دلالۃً مجور نہ ہوگا؛ کیونکہ جب دلالت کے بر خلاف مولیٰ کی طرف سے صراحۃً اجازت موجود ہے تو دلالۃً مجور ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور بر خلاف غصب کے یعنی غصب کئے ہوئے غلام کو اجازت دینا بھی جائز ہے اور اگر ماذون ہو پھر غصب کیا گیا تو وہ مجور نہیں ہوتا؛ کیونکہ غاصب کے قبضہ سے غلام نکال لینا آسان ہے حتی کہ اگر غاصب کے ہاتھ سے نکال لینا ممکن نہ ہو تو اجازت بھی باقی نہیں رہے گی اور ابتدائی اجازت دینا بھی صحیح نہ ہوگا۔

{7} اگر مولیٰ نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دی پھر اس ماذونہ کا اپنے مولیٰ سے بچہ پیدا ہوا تو یہ امر اس ماذونہ کے حق میں حجر ہے۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک مجورہ نہ ہوگی اور وہ حالتِ بقاء کو ابتداء پر قیاس کرتے ہیں یعنی اگر ام ولد کو ابتداء سے تجارت کی اجزت دی تو وہ ماذونہ ہو جاتی ہے اسی طرح اگر ماذونہ ہو کر ام ولد بنائی گئی تو بھی ماذونہ ہی رہے گی۔

{8} ہماری دلیل یہ ہے کہ جب وہ بچہ جن گئی تو اس کے بعد ظاہر یہ ہے کہ مولیٰ اس کو لوگوں کے میل جول سے محفوظ رکھے گا تو یہ عام عادت کی بنا پر دلالۃً مجور کرنا ہے اس لیے وہ مجورہ ہو جائے گی۔ باقی ابتداءً ام ولد کو تجارت کی اجازت دینے کا حکم اس کے بر خلاف ہے؛ کیونکہ صریح اجازت تو دلالت پر حاکم ہوتی ہے یعنی جب صریح اجازت موجود ہے تو دلالۃً مجوری کا اعتبار نہ ہوگا۔ پھر مولیٰ اس ام ولد کی قیمت کا قرضخواہوں کے لیے ضامن ہوگا بشرطیکہ اس پر قرضے چڑھ گئے ہوں؛ کیونکہ اس نے ایسے محل (باندی) کو تلف کر دیا جس سے قرضخواہوں کا حق متعلق تھا؛ کیونکہ ام ولد بنانے سے اس کی بیع ممتنع ہو جاتی ہے حالانکہ بیع ہی سے قرضخواہوں کا حق ادا کیا جاتا ہے تو ام ولد بنانا گویا اس کو تلف کرنا ہے اس لیے مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

{1} قال: وَإِذَا اسْتَدَانَتِ الْأَمَةُ الْمَأْذُونُ لَهَا أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا فَدَبَّرَهَا الْمَوْلَى فَهِيَ مَأْذُونٌ لَهَا عَلَى حَالِهَا؛ لِانْعِدَامِ دَلَالَةِ الْحَجْرِ، إِذِ

فرمایا: اور جب قرض لے ماذونہ باندی اپنی قیمت سے زیادہ، تو وہ ماذونہ رہے گی اپنے حال پر؛ دلیل حجر نہ ہونے کی وجہ سے؛ اس لیے کہ

الْعَادَةُ مَا جَرَتْ بِتَحْصِينِ الْمُدَبَّرَةِ، وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَ حُكْمَيْهِمَا أَيْضًا، وَالْمَوْلَى ضَامِنٌ لِقِيمَتِهَا

عادت جاری نہیں ہے مدبرہ کو محصنہ کرنے کی، اور منافات بھی نہیں ہے ان دونوں کے حکموں کے درمیان، اور مولی ضامن ہے اس کی قیمت کا؛

لِمَا قَرَّرْنَاهُ فِي أُمِّ الْوَلَدِ. {2} قَالَ: وَإِذَا حُجِرَ عَلَى الْمَأْذُونِ لَهُ فَإِقْرَارُهُ جَائِزٌ فِيمَا فِي يَدِهِ مِنَ الْمَالِ

اسی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ام ولد کے بیان میں۔ فرمایا: پھر اگر حجر کرے ماذون پر، تو اس کا اقرار جائز ہے اس مال میں جو اس کے قبضہ میں ہے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَعْنَاهُ أَنْ يُقِرَّ بِمَا فِي يَدِهِ أَنَّهُ أَمَانَةٌ لِغَيْرِهِ أَوْ غَصْبٌ مِنْهُ

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اقرار کرے اس کا جو اس کے قبضہ میں ہے کہ یہ امانت ہے غیر کی، یا غصب ہے اس سے،

أَوْ يُقِرَّ بِدَيْنٍ عَلَيْهِ فَيُقْضَى مِمَّا فِي يَدِهِ. {3} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ:

یا اقرار کرے اس پر قرضہ ہونے کا، پس ادا کیا جائے گا اس سے جو اس کے قبضہ میں ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے:

لَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ. لَهُمَا أَنَّ الْمُصَحِّحَ لِإِقْرَارِهِ إِنْ كَانَ الْإِذْنَ فَقَدْ زَالَ بِالْحَجْرِ، وَإِنْ كَانَ الْيَدَ

جائز نہیں ہے اس کا اقرار۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کے اقرار کو صحیح کرنے والا وہ اجازت ہے تو وہ زائل ہو گئی حجر سے، اور اگر قبضہ ہے

فَالْحَجْرُ أَبْطَلَهَا؛ لِأَنَّ يَدَ الْمَحْجُورِ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ وَصَارَ كَمَا إِذَا أَخَذَ الْمَوْلَى كَسْبَهُ مِنْ يَدِهِ قَبْلَ إِقْرَارِهِ

تو حجر نے اس کو باطل کر دیا؛ کیونکہ محجور کا قبضہ معتبر نہیں ہے، اور ہو گیا جیسا کہ جب لے لے مولی اس کی کمائی اس کے ہاتھ سے اس کے اقرار سے پہلے

أَوْ ثَبَتَ حَجْرُهُ بِالْبَيْعِ مِنْ غَيْرِهِ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ إِقْرَارُهُ فِي حَقِّ الرَّقَبَةِ بَعْدَ الْحَجْرِ.

یا جیسے ثابت ہو گیا ہو اس کا حجر دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے سے، اسی وجہ سے صحیح نہیں اس کا اقرار رقبہ کے حق میں حجر کے بعد۔

{4} وَلَهُ أَنَّ الْمُصَحِّحَ هُوَ الْيَدُ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ إِقْرَارُ الْمَأْذُونِ فِيمَا أَخَذَهُ الْمَوْلَى مِنْ يَدِهِ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اقرار کو صحیح کرنے والا قبضہ ہی ہے، اسی لیے صحیح نہیں ماذون کا اقرار اس میں جو لے لیا ہو مولی نے اس کے ہاتھ سے،

وَالْيَدُ بَاقِيَةٌ حَقِيقَةً، وَشَرْطُ بُطْلَانِهَا بِالْحَجْرِ حُكْمًا فَرَاغُهَا عَنْ حَاجَتِهِ، وَإِقْرَارُهُ دَلِيلُ تَحَقُّقِهَا،

اور قبضہ حقیقۃً باقی ہے، اور اس کے حکماً بطلان کی شرط حجر کی وجہ سے فارغ ہونا ہے اس کا اس کی حاجت سے، اور اس کا اقرار دلیل ہے تحقق حاجت کی،

بِخِلَافِ مَا إِذَا انْتَزَعَهُ الْمَوْلَى مِنْ يَدِهِ قَبْلَ الْإِقْرَارِ؛ لِأَنَّ يَدَ الْمَوْلَى ثَابِتَةٌ حَقِيقَةً وَحُكْمًا فَلَا تَبْطُلُ

برخلاف اس کے جب نکال دے اس کو مولی اس کے ہاتھ سے اقرار سے پہلے؛ کیونکہ مولی کا قبضہ ثابت ہے حقیقۃً اور حکماً، پس باطل نہ ہو گا

بِإِقْرَارِهِ، وَكَذَا مِلْكُهُ ثَابِتٌ فِي رَقَبَتِهِ فَلَا يَبْطُلُ بِإِقْرَارِهِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ،

اس کے اقرار سے، اور اسی طرح اس کی ملک ثابت ہے اس کے غلام کے رقبہ میں، پس باطل نہ ہوگی غلام کے اقرار سے اس کی رضا کے بغیر،

{5}وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَهُ ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ قَدْ تَبَدَّلَ بِتَبَدُّلِ الْمِلْكِ عَلَى مَا عُرِفَ فَلَا يَبْقَى

اور یہ برخلاف اس کے ہے جب وہ فروخت کردے اس کو؛ کیونکہ غلام بدل جاتا ہے ملک بدل جانے سے جیسا کہ معلوم ہے، پس باقی نہیں رہے گی

مَا ثَبَتَ بِحُكْمِ الْمِلْكِ ،{6} وَلِهَذَا لَمْ يَكُنْ خَصْمًا فِيمَا بَاشَرَهُ قَبْلَ الْبَيْعِ . {7}قَالَ : وَإِذَا لَزِمَتْهُ دُيُونٌ

وہ جو ثابت ہے بحکم ملک، اسی لیے غلام خصم نہ ہوگا اس میں جو اس نے کیا ہے بیع سے پہلے۔ فرمایا: اور جب لازم ہو جائیں اس پر ایسے قرضے

تُحِيطُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ لَمْ يَمْلِكِ الْمَوْلَى مَا فِي يَدِهِ .وَلَوْ أَعْتَقَ مِنْ كَسْبِهِ عَبْدًا

جو گھیر لیں اس کے مال اور رقبہ کو، تو مالک نہ ہوگا مولیٰ اس کا جو اس کے قبضہ میں ہو، اور اگر مولیٰ نے آزاد کیا اس کی کمائی سے غلام،

لَمْ يَعْتِقْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا : يَمْلِكُ مَا فِي يَدِهِ وَيَعْتِقُ وَعَلَيْهِ

تو آزاد نہ ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ مالک ہوگا اس کا جو اس کے قبضہ میں ہے، اور آزاد ہوگا، اور اس پر

قِيمَتُهُ ؛ لِأَنَّهُ وُجِدَ سَبَبُ الْمِلْكِ فِي كَسْبِهِ وَهُوَ مِلْكُ رَقَبَتِهِ وَلِهَذَا يَمْلِكُ إِعْتَاقَهَا،

اس کی قیمت ہوگی؛ کیونکہ اس نے پالیا سبب ملک اس کی کمائی میں، اور وہ ملک رقبہ ہے، اسی لیے وہ مالک ہے اس کو آزاد کرنے کا،

وَوَطْءَ الْجَارِيَةِ الْمَأْذُونِ لَهَا ، وَهَذَا آيَةُ كَمَالِهِ ،{8} بِخِلَافِ الْوَارِثِ ؛ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُ نَظَرًا لِلْمُوَرِّثِ

اور ماذونہ باندی سے وطی کرنے کا، اور یہ علامت ہے کمال ملک کی، برخلاف وارث کے؛ کیونکہ ثابت ہوتی ہے اس کے لیے ملک مورث کی رعایت کے لیے،

وَالنَّظَرُ فِي ضِدِّهِ عِنْدَ إحَاطَةِ الدَّيْنِ بِتَرِكَتِهِ .أَمَّا مِلْكُ الْمَوْلَى فَمَا ثَبَتَ نَظَرًا لِلْعَبْدِ.

اور نظر اس کے خلاف میں ہے دَین کے اس کے ترکہ کو محیط ہونے کے وقت، رہی ملک مولیٰ تو وہ ثابت نہیں ہوئی ہے غلام کی رعایت کے پیش نظر۔

{9}وَلَهُ أَنَّ مِلْكَ الْمَوْلَى إنَّمَا يَثْبُتُ خِلَافَةً عَنِ الْعَبْدِ عِنْدَ فَرَاغِهِ عَنْ حَاجَتِهِ كَمِلْكِ الْوَارِثِ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملک مولیٰ کے لیے ثابت ہوتی ہے غلام کا خلیفہ ہو کر اس کی حاجت سے فارغ ہونے کے وقت جیسے وارث کی ملک

عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ وَالْمُحِيطُ بِهِ الدَّيْنُ مَشْغُولٌ بِهَا فَلَا يَخْلُفُهُ فِيهِ،

جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو، اور جس پر دَین محیط ہے وہ مشغول ہے غلام کی حاجت کے ساتھ، پس وہ خلیفہ نہ ہوگا غلام کا اس میں،

وَإِذَا عُرِفَ ثُبُوتُ الْمِلْكِ وَعَدَمُهُ فَالْعِتْقُ فَرِيعَتُهُ ، وَإِذَا نَفَذَ عِنْدَهُمَا يَضْمَنُ قِيمَتَهُ لِلْغُرَمَاءِ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِهِ.

اور جب معلوم ہوا ثبوت ملک اور عدم ثبوت، تو عتق فرع ہے اسی کی۔ اور جب عتق نافذ ہوا صاحبینؒ کے نزدیک تو ضامن ہوگا مولیٰ اس کی قیمت کا قرضخواہوں کے لیے؛ ان کے حق کے متعلق ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ۔

تشریح:۔ {1} اگر ماذونہ باندی نے اپنی قیمت سے زیادہ مال بطور ادھار خرید اپھر مولیٰ نے اس کو مدبرہ کر دیا تو مذکورہ باندی اپنے حال پر ماذونہ رہے گی؛ کیونکہ مجورہ ہو جانے کی کوئی دلالت نہیں پائی گئی ہے اس لیے کہ ایسی عادت جاری نہیں ہے کہ لوگ اپنی مدبرہ باندیوں کو میل جول سے روک کر کے محفوظ کرتے ہوں بلکہ بدستور لوگوں میں خلط ملط کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ تجارت کر کے بدل کتابت ادا کر سکے۔ اور ماذونہ ہونے اور مدبرہ ہونے کے حکموں میں کوئی منافات بھی نہیں ہے، البتہ مدبرہ کرنے سے وہ فروخت ہونے کے قابل نہیں رہی۔ اور مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہو گا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ام ولد بنانے کی صورت میں بیان کر چکے ہیں کہ مولیٰ نے قرضخواہوں کا محل استحقاق کو ضائع کر دیا۔

{2} پھر اگر مولیٰ نے اپنے ماذون غلام کو مجور کر دیا تو جو کچھ مال اس کے قبضہ میں ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اس مال میں مذکورہ ماذون کا کسی کے لیے اقرار کرنا جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال اس کے پاس ہے اس کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ فلاں شخص کی امانت ہے یا اس سے غصب کیا ہوا ہے یا یہ اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں شخص کا اس قدر قرضہ ہے تو وہ اس کے مقبوض مال سے ادا کیا جائے گا۔

{3} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ماذون غلام کا مال مقبوض میں کسی کے لیے اقرار جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مذکورہ ماذون کا اقرار صحیح کرنے والا اگر اذنِ مذکور ہو یعنی سابقہ اجازت ہو تو وہ تو مجور ہونے کی وجہ سے باطل ہو چکی اس لیے اس کا اقرار صحیح نہیں، اور اگر اس کا اقرار صحیح کرنے والا اس کا قبضہ ہو تو حجر نے اس کو باطل کر دیا؛ کیونکہ مجور کا قبضہ معتبر نہیں ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے مولیٰ مذکورہ ماذون کے اقرار سے پہلے اس کے مقبوض مال کو اس کے قبضہ سے لے لے، یا ایسا ہے جیسے اجازت کی حالت میں مولیٰ اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ مجور ہو جائے یعنی ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق اس کا اقرار مسموع نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجور ہو جانے کے بعد اگر وہ کسی کے لیے مال کا اقرار کرے تو یہ اس کی گردن کے حق میں صحیح نہیں ہے یعنی وہ اس اقرار کے لیے بالاتفاق فروخت نہیں ہو سکتا ہے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس غلام کے اقرار کو صحیح کرنے والا امر اس کا قبضہ ہے پس اس صحیح کرنے والے امر کے زوال کی وجہ سے جو مال اس کے مولیٰ نے اس کے اقرار سے پہلے اس کے قبضہ سے لے لیا اس مال کے بارے میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہوتا ہے اور بالفعل در حقیقت اس کا قبضہ باقی ہے اور مجور ہونے کی وجہ سے حکماً یہ قبضہ باطل ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی حاجت سے فارغ ہو اور اس کا اقرار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ابھی تک اس کی حاجت موجود ہے لہٰذا اس کا قبضہ باطل نہیں ہے اس لیے اس کا اقرار صحیح ہے۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اقرار سے پہلے اس کے ہاتھ سے مال نکال لیا تو اس کا اقرار اس لیے صحیح

نہیں ہے کہ مولیٰ کا قبضہ حقیقۃً وحکماً ہر دو اعتبار سے موجود ہے تو مولیٰ کا یہ قبضہ غلام کے اقرار کی وجہ سے باطل نہ ہوگا اس لیے اس صورت میں غلام کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مولیٰ کی ملکیت اس غلام کے رقبہ میں ثابت ہے تو غلام کے اقرار سے مولیٰ کی ملکیت اس کی رضامندی کے بغیر باطل نہ ہوگی اس لیے رقبہ کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہے۔

{5} اور یہ حکم ایسی صورت کے برخلاف ہے کہ مولیٰ نے اس غلام کو فروخت کر دیا تو اس مال کے بارے میں غلام کا اقرار اس لیے صحیح نہیں ہوتا ہے کہ بیع کی وجہ سے ملکیت بدل جانے سے غلام بھی بدل گیا جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا کہ تبدلِ ملک تبدلِ عین کی طرح ہے تو جو چیز غلام کے لیے ملکیتِ حکمی کی وجہ سے ثابت تھی وہ باقی نہ رہے گی یعنی مولیٰ کی اجازت سے جو قبضہ حکمی اس کو مال پر حاصل تھا وہ اب ملکیت بدل جانے سے باقی نہیں رہے گا تو اس کا اقرار بھی صحیح نہ ہوگا۔

{6} اسی وجہ سے غلام نے فروخت ہونے سے پہلے جو خرید و فروخت کی ہو فروخت ہو جانے کے بعد اس کے بارے میں مدعا علیہ نہیں بن سکتا یعنی مثلاً کوئی چیز اس نے فروخت کی پھر مولیٰ نے خود اس غلام کو فروخت کیا تو اس غلام سے مبیع سپرد کرنے کا مطالبہ نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ فروخت سے وہ بمنزلہ دوسرے غلام کے ہو گیا۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول الامام؛ لان قوله استحسان و الاستحسان مقدم علی القیاس الخ (القول الراجح: 255/2)

{7} اگر ماذون پر اس قدر قرضے چڑھ گئے جو اس کے مال اور اس کی گردن کو محیط ہوں تو جو کچھ مال اس کے قبضہ میں ہے مولیٰ اس کا مالک نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر مولیٰ نے اس کی کمائی کا کوئی غلام آزاد کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آزاد نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ اس کے مقبوض مال کا مالک ہوگا اور اس کی کمائی کا غلام اگر مولیٰ نے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور مولیٰ پر قرضخواہوں کو اس کی قیمت دینا واجب ہے؛ اس لیے کہ ماذون کی کمائی میں مولیٰ کی ملکیت کا سبب پایا گیا اور وہ سبب یہ کہ مولیٰ اس کے رقبہ کا مالک ہے یہی وجہ ہے کہ مولیٰ کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے اس ماذون غلام کو آزاد کر دے اور اپنی ماذونہ باندی سے وطی کر لے اور یہ اس کی کامل ملکیت کی دلیل ہے۔

{8} باقی وارث کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اگر مورث کے ترکہ پر قرضہ محیط ہو تو وارث کو اختیار نہیں کہ ترکہ کا غلام آزاد کر دے؛ کیونکہ وارث کی ملکیت تو مورث کی بہتری کے لحاظ سے ہے کہ اس کا مال اس کے قریبی رشتہ دار کو دیا جائے تاکہ دنیا میں اس کی سعی باطل نہ ہو اور ترکہ پر قرضہ محیط ہونے کی صورت میں مورث کی بہتری وارث کے لیے ثبوتِ ملک کی ضد میں ہے لہٰذا مورث کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ غلام آزاد نہ ہو بلکہ اس سے مورث کا قرضہ ادا کیا جائے۔ اور رہی مولیٰ کی ملکیت تو وہ

ماذون غلام کی بہتری کی نظر سے ثابت نہیں ہوئی تا کہ یہ لازم آئے کہ غلام ماذون کی بہتری اسی میں ہے کہ اداءِ قرض تک اعتاق جائز نہ ہو بلکہ مولیٰ کو بذاتِ خود ملکیت حاصل ہے۔

{9} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے مقبوض مال میں مولیٰ کی ملکیت غلام کی نیابت میں جب ہی ثابت ہوتی ہے کہ غلام کی ضرورت سے یہ مال فارغ ہو جیسے وارث کی ملکیت میں ہوتا ہے چنانچہ ہم نے اوپر بیان کر دیا اور جس مال پر قرضہ محیط ہے وہ غلام کی ضرورت میں گھرا ہوا ہے تو مولیٰ اس مال میں اس کا نائب نہ ہوگا۔ اور جب غلام کی کمائی میں مولیٰ کی ملکیت ثابت ہونا یا نہ ہونا معلوم ہو گیا تو آزاد کرنا اسی کی فرع ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک جب ملکیت نہیں تو آزادی بھی نہ ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک جب ملکیت ثابت ہے تو ماذون کی کمائی کا غلام آزاد کرنا بھی صحیح ہوگا اور جب صاحبینؒ کے نزدیک مولیٰ کا آزاد کرنا نافذ ہوا تو قرضخواہوں کے لیے مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔

فتویٰ: امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح ھو قول الامام.........وقال العلامة ابن نجیم: ولایملک سیده مافی یده لو احاط دینه بما فی یده ورقبته وھذا عند الامام الی أن قال وبطل تحریره عبداً من کسبه وھذا عند الامام و لما کان العتق اقوی نفاذاً من غیره صرح به لیفید ان تصرف المولیٰ فی غیره باطل بطریق الاولیٰ (القول الراجح: 256/2)

{1} قَالَ : وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّيْنُ مُحِيطًا بِمَالِهِ جَازَ عِتْقُهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ؛ أَمَّا عِنْدَهُمَا فَظَاهِرٌ ، وَكَذَا عِنْدَهُ؛

فرمایا: اور اگر نہ ہو دَین محیط اس کے مال کو، تو جائز ہے ان سب کے قول میں، بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے، اور اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک؛

لِأَنَّهُ لَا يَعْرَى عَنْ قَلِيلِهِ ، فَلَوْ جُعِلَ مَانِعًا لَانْسَدَّ بَابُ الِانْتِفَاعِ بِكَسْبِهِ

کیونکہ کمائی خالی نہیں ہوتی ہے تھوڑے دَین سے، پس اگر قرار دیا جائے اس کو مانع، تو بند ہو جائے گا دروازہ انتفاع کا اس کی کمائی سے،

فَيَخْتَلُّ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ مِنَ الْإِذْنِ وَلِهَذَا لَا يَمْنَعُ مِلْكَ الْوَارِثِ وَالْمُسْتَغْرِقُ يَمْنَعُهُ . {2} قَالَ : وَإِذَا

اور مختل ہو گا وہ جو اذن سے مقصود ہے، اسی لیے قلیل قرضہ نہیں روکتا ہے ملکِ وارث کو، اور محیط قرضہ روکتا ہے اس کو۔ فرمایا: اور اگر

بَاعَ مِنَ الْمَوْلَى شَيْئًا بِمِثْلِ قِيمَتِهِ جَازَ ؛ لِأَنَّهُ كَالْأَجْنَبِيِّ عَنْ كَسْبِهِ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ

فروخت کر دی مولیٰ کے ہاتھ کوئی چیز مثلِ قیمت سے، تو جائز ہے؛ کیونکہ وہ اجنبی کی طرح ہے اس کی کمائی سے جب اس پر ایسا دَین ہو

يُحِيطُ بِكَسْبِهِ ، وَإِنْ بَاعَهُ بِنُقْصَانٍ لَمْ يَجُزْ مُطْلَقًا ؛ لِأَنَّهُ مُتَّهَمٌ فِي حَقِّهِ ، {3} بِخِلَافِ مَا

جو محیط ہو اس کی کمائی پر، اور اگر فروخت کر دی اس کے ہاتھ نقصان سے تو جائز نہیں؛ کیونکہ وہ متہم ہے مولیٰ کے حق میں، برخلاف اس کے

إِذَا حَابَى الْأَجْنَبِيَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، لِأَنَّهُ لَا تُهْمَةَ فِيهِ ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ

جب محابات کرے اجنبی کے ساتھ امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ کوئی تہمت نہیں اس میں، اور برخلاف اس کے جب فروخت کرے

الْمَرِيضُ مِنَ الْوَارِثِ بِمِثْلِ قِيمَتِهِ حَيْثُ لَا يَجُوزُ عِنْدَهُ لِأَنَّ حَقَّ بَقِيَّةِ الْوَرَثَةِ تَعَلَّقَ بِعَيْنِ

مریض وارث کے ہاتھ مثل قیمت پر کہ جائز نہیں امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ بقیہ ورثہ کا حق متعلق ہو چکا ہے اس کے عین کے ساتھ

حَتَّى كَانَ لِأَحَدِهِمْ الِاسْتِخْلَاصُ بِأَدَاءِ قِيمَتِهِ .أَمَّا حَقُّ الْغُرَمَاءِ تَعَلَّقَ بِالْمَالِيَّةِ لَا غَيْرُ

حتی کہ ہر ایک وارث کو اختیار ہے چھڑا لینے کا اس کی قیمت ادا کرنے سے، رہا قرضخواہوں کا حق تو وہ متعلق ہے مالیت کے ساتھ نہ کہ غیر کے ساتھ

فَافْتَرَقَا .{4}وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : إنْ بَاعَهُ بِنُقْصَانٍ يَجُوزُ الْبَيْعُ ، وَيُخَيَّرُ الْمَوْلَى

پس دونوں میں فرق ہو گیا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: اگر فروخت کیا اس کو نقصان سے تو جائز ہے بیع، اور اختیار دیا جائے گا مولی کو،

إنْ شَاءَ أَزَالَ الْمُحَابَاةَ، وَإِنْ شَاءَ نَقَضَ الْبَيْعَ، وَعَلَى الْمَذْهَبَيْنِ الْيَسِيرُ مِنَ الْمُحَابَاةِ وَالْفَاحِشُ سَوَاءٌ. {5}وَوَجْهُ ذَلِكَ

اگر چاہے تو زائل کر دے محابات کو اور اگر چاہے تو توڑ دے بیع کو، اور دونوں مذہبوں کے مطابق کم اور زیادہ محابات برابر ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے

أَنَّ الِامْتِنَاعَ لِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنِ الْغُرَمَاءِ وَبِهَذَا يَنْدَفِعُ الضَّرَرُ عَنْهُمْ، وَهَذَا بِخِلَافِ الْبَيْعِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ بِالْمُحَابَاةِ الْيَسِيرَةِ

کہ امتناع قرضخواہوں سے دفع ضرر کے لیے، اور اس سے دفع ہو جاتا ہے ضرر ان سے، اور یہ برخلاف اجنبی کے ہاتھ معمولی محابات کے ساتھ فروخت کرنے کے

حَيْثُ يَجُوزُ وَلَا يُؤْمَرُ بِإِزَالَةِ الْمُحَابَاةِ ، وَالْمَوْلَى يُؤْمَرُ بِهِ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ بِالْيَسِيرِ مِنْهَا مُتَرَدِّدٌ

کہ وہ جائز ہے، اور امر نہیں کیا جائے گا محابات دور کرنے کا، اور مولی کو حکم دیا جاتا ہے اس کا؛ کیونکہ معمولی محابات کے ساتھ فروخت کرنا متردد ہے

بَيْنَ التَّبَرُّعِ وَالْبَيْعِ لِدُخُولِهِ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ فَاعْتَبَرْنَاهُ تَبَرُّعًا فِي الْبَيْعِ مَعَ الْمَوْلَى

تبرع اور بیع کے درمیان؛ اندازہ لگانے والوں کے اندازہ میں داخل ہونے کی وجہ سے، پس ہم نے اعتبار کیا اس کے تبرع ہونے کا مولی کے ہاتھ فروخت کرنے میں

لِلتُّهْمَةِ غَيْرَ تَبَرُّعٍ فِي حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ لِانْعِدَامِهَا ،{6}وَبِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ

تہمت کی وجہ سے، اور غیر تبرع کا اجنبی کے حق میں؛ تہمت نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور برخلاف اس کے جب فروخت کر دے اجنبی کے ہاتھ

بِالْكَثِيرِ مِنَ الْمُحَابَاةِ حَيْثُ لَا يَجُوزُ أَصْلًا عِنْدَهُمَا ، وَمِنَ الْمَوْلَى يَجُوزُ وَيُؤْمَرُ بِإِزَالَةِ الْمُحَابَاةِ ؛ لِأَنَّ

زیادہ محابات کے ساتھ کہ یہ جائز نہیں بالکل صاحبینؒ کے نزدیک، اور مولی کے ہاتھ جائز ہے اور حکم کیا جائے گا ازالہ محابات کا؛ کیونکہ

الْمُحَابَاةَ لَا تَجُوزُ مِنَ الْعَبْدِ الْمَأْذُونِ عَلَى أَصْلِهِمَا إلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى ، وَلَا إذْنَ فِي الْبَيْعِ مَعَ الْأَجْنَبِيِّ وَقَدْ

محابات جائز نہیں عبد ماذون کی طرف سے صاحبینؒ کے اصول پر، مگر مولی کی اجازت سے، اور اجازت نہیں بیع کرنے میں اجنبی کے ساتھ اور

إذْنٌ بِمُبَاشَرَتِهِ بِنَفْسِهِ ، غَيْرَ أَنَّ إزَالَةَ الْمُحَابَاةِ لِحَقِّ الْغُرَمَاءِ ، وَهَذَانِ الْفَرْقَانِ عَلَى أَصْلِهِمَا

اجازت ہے بذاتِ خود بیع کرنے سے، البتہ محابات کا ازالہ قرضخواہوں کے حق کی وجہ سے ہے، اور یہ دونوں فرق صاحبینؒ کے اصول پر ہیں

{7}قَالَ : وَإِنْ بَاعَهُ الْمَوْلَى شَيْئًا بِمِثْلِ الْقِيمَةِ أَوْ أَقَلَّ جَازَ الْبَيْعُ ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى أَجْنَبِيٌّ عَنْ كَسْبِهِ إِذَا

فرمایا: اور اگر فروخت کی مولیٰ نے ماذون کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت یا کم سے، تو جائز ہے بیع؛ کیونکہ مولیٰ اجنبی ہے اس کی کمائی سے جبکہ

كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَلَا تُهْمَةَ فِي هَذَا الْبَيْعِ ؛ وَلِأَنَّهُ مُفِيدٌ فَإِنَّهُ يَدْخُلُ فِي كَسْبِ الْعَبْدِ

اس پر دَین ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو، اور کوئی تہمت نہیں اس بیع میں، اور اس لیے کہ یہ مفید ہے؛ پس یہ داخل ہو گی غلام کی کمائی میں

مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ وَيَتَمَكَّنُ الْمَوْلَى مِنْ أَخْذِ الثَّمَنِ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ هَذَا التَّمَكُّنُ وَصِحَّةُ التَّصَرُّفِ

وہ چیز جو نہیں تھی اس میں، اور مولیٰ کو قدرت ہو گی ثمن لینے کی بعد اس کے کہ اس کو حاصل نہیں تھی یہ قدرت، اور صحت تصرف

تَتْبَعُ الْفَائِدَةَ {8} فَإِنْ سَلَّمَ الْمَبِيعَ إِلَيْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْمَوْلَى فِي الْعَيْنِ مِنْ حَيْثُ الْحَبْسِ،

تابع ہوتی ہے فائدہ کے۔ پس اگر دیدی مبیع اس کو ثمن قبض کرنے سے پہلے، تو باطل ہوا ثمن؛ کیونکہ مولیٰ کا حق عین میں ہے روکنے کی حیثیت سے،

فَلَوْ بَقِيَ بَعْدَ سُقُوطِهِ يَبْقَى فِي الدَّيْنِ وَلَا يَسْتَوْجِبُهُ الْمَوْلَى عَلَى عَبْدِهِ،

پس اگر حق مولیٰ باقی رہے حق حبس ساقط ہونے کے بعد تو باقی رہے گا دَین میں، حالانکہ واجب نہیں کر سکتا ہے مولیٰ دَین اپنے غلام پر،

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الثَّمَنُ عَرَضًا ؛ لِأَنَّهُ يَتَعَيَّنُ وَجَازَ أَنْ يَبْقَى حَقُّهُ مُتَعَلِّقًا بِالْعَيْنِ .

برخلاف اس کے جب ہو ثمن سامان؛ کیونکہ وہ متعین ہوتا ہے، اور جائز ہے کہ باقی رہے اس کا حق متعلق عین کے ساتھ۔

تشریح:۔ {1} اگر ماذون غلام کا قرضہ اس کے تمام مال کو محیط نہ ہو تو مولیٰ کو اس کی کمائی کے غلام کو آزاد کرنا بالاتفاق جائز ہے، پس صاحبین کے نزدیک تو یہ امر ظاہر ہے؛ کیونکہ مولیٰ اس کی کمائی کا مالک ہے، اور امام صاحب کے نزدیک بھی اس لیے جائز ہے کہ قلیل قرضہ سے مال خالی نہیں ہوتا ہے پس اگر تھوڑا قرضہ بھی مانع سمجھا جائے تو ماذون غلام کی کمائی سے مولیٰ کے نفع اٹھانے کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا پس اجازت دینے سے جو مقصود (اس کی کمائی سے نفع اٹھانا) تھا وہ پورا نہ ہو گا لہٰذا وارث کے مالک ہونے کو قلیل قرضہ نہیں روکتا ہے اور جب محیط ہو تو روکتا ہے۔

{2} اگر ماذون نے اپنے مقبوض مال میں سے کوئی چیز اپنے مولیٰ کے ہاتھ اس کی مثل قیمت پر فروخت کی تو جائز ہے؛ کیونکہ جب غلام کی کمائی پر قرضہ محیط ہو تو مولیٰ اس کی کمائی سے بمنزلہ اجنبی کے ہے لہٰذا اس کے ہاتھ مقبوض مال میں سے کوئی چیز فروخت کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس نے مقبوض مال کو کم قیمت پر اپنے مولیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیا تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ماذون غلام اپنے مولیٰ کے ہاتھ کم قیمت پر مال فروخت کرنے میں متہم ہے کہ اپنے مولیٰ کی رعایت کے لیے ایسا کیا ہے۔

{3} اس کے برخلاف اگر اس نے کسی اجنبی کے ساتھ محابات (کم قیمت پر کوئی چیز اجنبی کے ہاتھ فروخت کی) کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے؛ کیونکہ اجنبی کے ہاتھ کم قیمت سے فروخت کرنے میں کوئی تہمت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر مرض الموت کے مریض نے اپنے وارث کے ہاتھ کوئی چیز اس کی مثل قیمت پر فروخت کی تو بھی امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ کیونکہ باقی وارثوں کا حق اس چیز کی ذات سے متعلق ہو چکا ہے حتی کہ اگر مریض پر قرضہ ہو تو ہر ایک وارث کو اختیار ہے کہ اس کی قیمت ادا کر کے اس کو چھڑا لے۔ اور ماذون کی صورت میں قرضخواہوں کا حق تو صرف مالیت سے متعلق ہے عین شئی کے ساتھ متعلق نہیں ہے پس مریض مدیون کا وارث کے ہاتھ فروخت کرنے میں اور ماذون مدیون کا اپنے مولیٰ کے ہاتھ فروخت کرنے میں فرق ظاہر ہو گیا۔

{4} اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر ماذون نے اپنے مولیٰ کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کی تو بھی بیع جائز ہے اور مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے محابات زائل کر دے یعنی پوری قیمت تک ثمن ادا کر دے اور چاہے تو بیع کو توڑ دے۔ پھر امام صاحبؒ اور صاحبینؒ دونوں کے مذہب کے مطابق قلیل محابات اور فحش محابات برابر ہیں یعنی جب اپنے مولیٰ کے ہاتھ کم قیمت کے عوض فروخت کر دے تو امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں بیع جائز نہ ہو گی اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہو گی۔

{5} اور وجہ جواز یہ ہے کہ کم قیمت کے عوض فروخت کرنا قرضخواہوں سے ضرر دور کرنے کی وجہ سے ممتنع ہے اور اس طریقہ (جواز اور مولیٰ کو پوری قیمت تک ثمن ادا کرنے اور بیع توڑنے کے اختیار) سے قرضخواہوں سے ضرر دور ہو گا اس لیے یہ فروخت جائز ہے۔ اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ مدیون ماذون کسی اجنبی کے ہاتھ تھوڑی سی محابات کے ساتھ فروخت کر دے تو بیع جائز ہوتی ہے اور اجنبی کو یہ حکم نہیں دیا جاتا ہے کہ محابات دور کر دے، اور مولیٰ کو محابات دور کرنے کا حکم دیا جاتا ہے؛ کیونکہ تھوڑی سی محابات کے ساتھ کئے گئے عقد میں تردد ہے کہ یہ تبرع ہے یا بیع ہے؛ کیونکہ اتنی کی اندازہ کرنے والوں کے اندازہ کے تحت ملا داخل ہے، پس ہم نے اس کا دونوں طرح اعتبار کیا چنانچہ جب مدیون ماذون اپنے مولیٰ کے ہاتھ ایسی بیع کر دے تو ہم نے تہمت کی وجہ سے اس کو تبرع قرار دیا اور مولیٰ کے خیار کے ساتھ جائز قرار دیا، اور جب وہ اجنبی کے ہاتھ ایسی بیع کر دے تو تہمت نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اس کو بیع قرار دے کر بلا خیار جائز قرار دیا۔

{6} اس کے برخلاف اگر مدیون ماذون نے اجنبی کے ہاتھ محابات فاحشہ کے ساتھ فروخت کی تو یہ صورت صاحبینؒ کے نزدیک بالکل جائز نہیں ہے، اور مولیٰ کے ہاتھ ایسی فروخت جائز ہے مگر مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ محابات دور کر کے پوری قیمت تک ثمن ادا کر دو؛ کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک اصل یہ قرار پائی ہے کہ ماذون غلام کی طرف سے محابات کرنا جائز نہیں مگر جبکہ مولیٰ کی

اجازت ہو اور اجنبی کے ساتھ اس کے محابات کرنے میں مولیٰ کی اجازت نہیں ہے اس لیے جائز نہیں ہے، اور خود مولیٰ کے ساتھ بیع کرنے میں مولیٰ مباشر ہونے کی وجہ سے اجازت دینے والا ہے اس لیے جائز ہے، صرف اتنی بات ہے کہ قرضخواہوں کے حق کی وجہ سے محابات دور کرنے کا حکم دیا جائے گا اور یہ دونوں فرق صاحبینؒ کی اصل کے موافق ہیں یعنی تھوڑی سی محابات کی صورت میں مولیٰ اور اجنبی میں یہ فرق کہ مولیٰ کو محابات دور کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اجنبی کی صورت میں نہیں دیا جائے گا اور محابات فاحشہ کی صورت میں مولیٰ کو محابات دور کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اجنبی کے ساتھ ایسی بیع جائز ہی نہیں ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک مولیٰ کے ساتھ تھوڑی سی محابات کے ساتھ بیع جائز ہے اور نہ محابات فاحشہ کے ساتھ اس لیے اس فرق کی حاجت نہیں ہے۔

{7} اگر مولیٰ نے اپنے مدیون ماذون غلام کے ہاتھ کوئی چیز اس کی مثل قیمت کے عوض یا کم پر فروخت کر دی تو بیع جائز ہے؛ کیونکہ جب غلام پر قرضہ ہے تو مولیٰ اس کی کمائی سے اجنبی ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کر دیا اور اس بیع میں کوئی تہمت نہیں ہے اس لیے یہ بیع جائز ہے۔ اور اس لیے کہ اس بیع میں فائدہ ہے؛ کیونکہ غلام کی کمائی میں ایسی چیز آجائے گی جو اب تک نہ تھی تو قرضخواہوں کا ضرر نہ ہوا اور مولیٰ پہلے اس کی کمائی سے ثمن نہیں لے سکتا تھا اور اب اس کو یہ اختیار حاصل ہو جائے گا اور کسی تصرف کا صحیح ہونا اس کے فائدہ کا تابع ہے یعنی اگر مفید ہے تو صحیح ہو گا ورنہ صحیح نہ ہو گا۔

{8} پھر اگر مولیٰ نے ثمن وصول کرنے سے پہلے مبیع اس کو سپرد کر دی تو ثمن باطل ہو گیا؛ کیونکہ مالِ عین (مبیع) میں مولیٰ کا حق مبیع روکنے کے اعتبار سے ہے یعنی بیع کے بعد مولیٰ اپنا ثمن وصول کرنے تک مبیع کو روک سکتا ہے۔ پھر مبیع سپرد کرنے اور اپنا حق ساقط کرنے کے بعد اگر مولیٰ کا حق باقی رہے تو اس مالِ عین میں نہیں رہے گا بلکہ دَین (یعنی اس کے ثمن) میں رہے گا حالانکہ مولیٰ یہ حق نہیں رکھتا ہے کہ اپنے غلام پر قرضہ واجب کر دے اس لیے ثمن باطل ہو گیا۔ برخلاف اس کے اگر ثمن بھی کوئی اسباب معین ہو تو مولیٰ اس مبیع کو سپرد کرنے کے بعد بھی اس کو وصول کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے اور مالِ عین کے ساتھ مولیٰ کا حق متعلق رہنا جائز ہے۔

{1} قَالَ : وَإِنْ أَمْسَكَهُ فِي يَدِهِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ جَازَ ، لِأَنَّ الْبَائِعَ لَهُ حَقُّ الْحَبْسِ فِي الْمَبِيعِ
فرمایا: اور اگر روک لیا اس کو اپنے قبضہ میں یہاں تک کہ ثمن وصول کرے، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ بائع کو حق حبس حاصل ہے مبیع میں،
وَلِهَذَا كَانَ أَخَصَّ بِهِ مِنَ الْغُرَمَاءِ ، وَجَازَ أَنْ يَكُونَ لِلْمَوْلَى حَقٌّ فِي الدَّيْنِ إِذَا كَانَ يَتَعَلَّقُ بِالْعَيْنِ
اسی لیے بائع زیادہ حقدار تھا اس کا دیگر قرضخواہوں سے، اور جائز ہے کہ ہو مولیٰ کے لیے حق دَین؛ جبکہ وہ متعلق ہو عین کے ساتھ۔
{2} وَلَوْ بَاعَهُ بِأَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهِ يُؤْمَرُ بِإِزَالَةِ الْمُحَابَاةِ أَوْ بِنَقْضِ الْبَيْعِ ؛ كَمَا بَيَّنَّا

اور اگر مولیٰ نے فروخت کر دی اس کے ہاتھ اس کی قیمت سے زیادہ پر، تو حکم کیا جائے گا ازالۂ محابات کا یا بیع توڑنے کا جیسا کہ ہم نے بیان کیا

فِي جَانِبِ الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ تَعَلَّقَ بِهَا حَقُّ الْغُرَمَاءِ .{3}قَالَ : وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى الْمَأْذُونَ وَعَلَيْهِ دُيُونٌ

جانبِ عبد میں؛ اس لیے کہ متعلق ہوا اس زیادتی کے ساتھ قرضخواہوں کا حق۔ فرمایا: اور اگر آزاد کیا مولیٰ نے ماذون کو حالانکہ اس کے ذمہ قرضے ہیں

فَعِتْقُهُ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ مِلْكَهُ فِيهِ بَاقٍ وَالْمَوْلَى ضَامِنٌ لِقِيمَتِهِ لِلْغُرَمَاءِ ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مَا

تو آزاد کرنا اس کو جائز ہے؛ کیونکہ مولیٰ کی ملک اس میں باقی ہے، اور مولیٰ ضامن ہے اس کی قیمت کا قرضخواہوں کے لیے؛ کیونکہ اس نے تلف کیا

تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّهُمْ بَيْعًا وَاسْتِيفَاءً مِنْ ثَمَنِهِ{4} وَمَا بَقِيَ مِنَ الدُّيُونِ يُطَالَبُ بِهِ

وہ جس کے ساتھ متعلق تھا ان کا حق یوں کہ فروخت کر کے وصول کر لیتے اس کے ثمن سے، اور جو باقی رہے قرضے مطالبہ کیا جائے گا ان کا

بَعْدَ الْعِتْقِ ؛ لِأَنَّ الدَّيْنَ فِي ذِمَّتِهِ وَمَا لَزِمَ الْمَوْلَى إلَّا بِقَدْرِ مَا أَتْلَفَ ضَمَانًا فَبَقِيَ الْبَاقِي

آزادی کے بعد؛ کیونکہ دَین اس کے ذمہ میں ہے، اور لازم نہ ہو گا مولیٰ پر بطورِ ضمان مگر اتنا جو اس نے تلف کیا ہے پس باقی رہے گا باقی ماندہ

عَلَيْهِ كَمَا كَانَ{5} فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ ضَمِنَ الدَّيْنَ لَا غَيْرَ ؛ لِأَنَّ حَقَّهُمْ بِقَدْرِهِ

ماذون پر جیسے تھا۔ اور اگر دَین کم ہو اس کی قیمت سے، تو مولیٰ ضامن ہو گا دَین کا نہ کہ غیر کا؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق اسی قدر ہے،

بِخِلَافِ مَا إذَا أَعْتَقَ الْمُدَبَّرَ وَأُمَّ الْوَلَدِ الْمَأْذُونَ لَهُمَا، وَقَدْ رَكِبَتْهُمَا دُيُونٌ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْغُرَمَاءِ

بر خلاف اس کے جب آزاد کر دے مدبر ماذون یا ام ولد ماذونہ کو حالانکہ چڑھ آئے ہوں ان دونوں پر قرضے؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق

لَمْ يَتَعَلَّقْ بِرَقَبَتِهِمَا اسْتِيفَاءً بِالْبَيْعِ فَلَمْ يَكُنِ الْمَوْلَى مُتْلِفًا حَقَّهُمْ فَلَمْ يَتَضَمَّنْ

اس طرح متعلق نہیں ہوا ہے ان کے رقبوں کے ساتھ کہ وصول کریں فروخت کر کے، پس مولیٰ تلف کرنے والا نہیں ان کے حق کو، پس ضامن نہ ہو گا

شَيْئًا{6}قَالَ : وَإِنْ بَاعَهُ الْمَوْلَى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِرَقَبَتِهِ وَقَبَضَهُ الْمُشْتَرِي

کسی چیز کا۔ فرمایا: اور اگر مولیٰ نے ماذون کو فروخت کر دیا حالانکہ اس پر ایسا قرضہ ہے جو محیط ہے اس کی گردن کو، اور قبض کر دیا اس کو مشتری نے

وَغَيَّبَهُ ، فَإِنْ شَاءَ الْغُرَمَاءُ ضَمَّنُوا الْبَائِعَ قِيمَتَهُ ، وَإِنْ شَاءُوا ضَمَّنُوا الْمُشْتَرِيَ ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّهُمْ

اور غائب کر دیا، پس اگر چاہیں قرضخواہ تو ضمان لیں بائع سے اس کی قیمت کا، اور اگر چاہیں تو ضمان لیں مشتری سے؛ کیونکہ غلام کے ساتھ ان کا حق متعلق ہوا تھا

حَتَّى كَانَ لَهُمْ أَنْ يَبِيعُوهُ ، إلَّا أَنْ يَقْضِيَ الْمَوْلَى دَيْنَهُمْ وَالْبَائِعُ مُتْلِفٌ حَقَّهُمْ بِالْبَيْعِ

حتی کہ ان کو حق تھا کہ فروخت کر دیں اس کو، مگر یہ کہ ادا کر دے مولیٰ ان کا دَین، اور بائع تلف کرنے والا ہے ان کے حق کو فروخت کرنے

وَالتَّسْلِيمِ وَالْمُشْتَرِي بِالْقَبْضِ وَالتَّغْيِيبِ فَيُخَيَّرُونَ فِي التَّضْمِينِ{7} وَإِنْ شَاءُوا أَجَازُوا

اور سپرد کرنے سے، اور مشتری نے قبضہ اور غائب کرنے سے، پس ان کو اختیار دیا جائے گا ضمان لینے میں، اور اگر وہ چاہیں تو وہ جائز رکھیں

الْبَيْعَ وَأَخَذُوا الثَّمَنَ ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ وَالْإِجَازَةُ اللَّاحِقَةُ كَالْإِذْنِ السَّابِقِ كَمَا فِي الْمَرْهُونِ

بیع کو اور لے لیں ثمن؛ کیونکہ حق تو انہی کا ہے اور اجازتِ لاحقہ اجازتِ سابقہ کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ مرہون میں ہوتا ہے،

{8} فَإِنْ ضَمَّنُوا الْبَائِعَ قِيمَتَهُ ثُمَّ رُدَّ عَلَى الْمَوْلَى بِعَيْبٍ لِلْمَوْلَى أَنْ يَرْجِعَ بِالْقِيمَةِ وَيَكُونَ

اور اگر انہوں نے ضمان لیا اس کی قیمت کا پھر رد کیا گیا مولیٰ پر عیب کی وجہ سے، تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ وہ واپس لے لے قیمت، اور ہو جائے گا

حَقُّ الْغُرَمَاءِ فِي الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّ سَبَبَ الضَّمَانِ قَدْ زَالَ وَهُوَ الْبَيْعُ وَالتَّسْلِيمُ ، وَصَارَ كَالْغَاصِبِ

قرضخواہوں کا حق غلام میں؛ کیونکہ سببِ ضمان زائل ہو گیا اور وہ فروخت کرنا اور سپرد کرنا ہے، اور ہو گیا غاصب کی طرح

إِذَا بَاعَ وَسَلَّمَ وَضَمِنَ الْقِيمَةَ ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ كَانَ لَهُ أَنْ يَرُدَّ عَلَى الْمَالِكِ وَيَسْتَرِدَّ الْقِيمَةَ كَذَا هَذَا .

جب وہ فروخت کر دے اور سپرد کرے اور ضامن ہو جائے قیمت کا، پھر رد کیا جائے اس پر عیب کی وجہ سے تو اس کو اختیار ہے کہ رد کر دے مالک پر اور لے لے قیمت، اسی طرح یہ ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر مولیٰ نے مبیع کو ثمن وصول کرنے تک اپنے پاس روک رکھا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ بائع کو مبیع روکنے کا حق حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مقروض خریدار حالتِ افلاس میں مر گیا اور اس نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو اس کا بائع اس کے قرضخواہوں سے اس مبیع کا زیادہ حقدار ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غلام کے ذمہ اس کے مولیٰ کا قرضہ آیا اسی لیے اس کے عوض مبیع روک سکتا ہے حالانکہ غلام کے ذمہ مولیٰ کا قرضہ لازم نہیں آتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ جائز ہے کہ مولیٰ کے لیے غلام کے ذمہ ایسے دَین میں حق حاصل رہے جبکہ اس دَین کا تعلق کسی مالِ عین (مبیع) سے ہو جیسے مکاتب پر مولیٰ کا ایسا دَین لازم آتا ہے جو دَین اس کے رقبہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اس کا رقبہ عین ہے اس لیے یہ جائز ہے۔

{2} اگر مولیٰ نے اپنی چیز اپنے ماذون و مدیون غلام کے ہاتھ اس کی قیمت سے زیادہ ثمن کے عوض فروخت کر دی تو مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ محابات (زائد مقدار) دور کر دے یا بیع کو توڑ دے جیسے ہم نے غلام کی طرف سے بیع کرنے میں بیان کیا؛ کیونکہ اس زیادتی کے ساتھ قرضخواہوں کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لیے اسے مولیٰ کو ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

{3} اگر مولیٰ نے اپنے ماذون غلام کو آزاد کر دیا حالانکہ ماذونِ مذکور پر قرضے چڑھے ہوئے ہیں تو مولیٰ کا اسے آزاد کرنا جائز ہے؛ کیونکہ مولیٰ کی ملکیت اس غلام میں باقی ہے۔ البتہ مولیٰ اس کے قرضخواہوں کے لیے اس غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے ایسی چیز کو ضائع کیا جس کے ساتھ قرضخواہوں کا حق اس طرح متعلق تھا کہ جس کو وہ فروخت کر کے اس

کے ثمن سے اپنا قرضہ وصول کر سکتے تھے لہٰذا وہ اس غلام کی قیمت اس کے قرضخواہوں کو دیدے خواہ اس قیمت سے ان کا قرضہ پورا ہو یا نہ ہو۔

{4} پھر اگر قرضوں میں سے کچھ باقی رہے تو قرضخواہ ان کا مطالبہ اس غلام سے اس کے آزاد ہو جانے کے بعد کریں یعنی اگر کسی وقت آزاد ہوا تو قرضخواہ لوگ باقی قرضے کا اس سے مطالبہ کریں گے؛ کیونکہ قرضہ اس کے ذمہ باقی ہے اور مولیٰ کے ذمہ صرف اسی قدر بطور ضمان کے لازم ہوا جو اس نے تلف کیا ہے تو ماذون پر باقی قرضہ جیسا تھا ویسا ہی باقی رہے گا۔

{5} پھر اگر قرضہ کی مقدار اس غلام کی قیمت سے کم ہو تو مولیٰ صرف قرضہ کا ضامن ہو گا اس سے زیادہ کا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق صرف قرضہ کے بقدر ہے۔ پھر مولیٰ کے ضامن ہونے کا یہ حکم ایسے ماذون کے آزاد کرنے میں ہے جو محض غلام ہو، اس کے بر خلاف اگر اس نے اپنے مدبر یا ام ولد کو تجارت کی اجازت دی پھر ان پر قرضہ چڑھ جانے کے بعد مولیٰ نے ان کو آزاد کر دیا تو مولیٰ پر ضمان نہیں آئے گا؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق ان دونوں کی گردن کے ساتھ اس طرح متعلق نہیں ہوا کہ ان دونوں کو فروخت کر کے قرضخواہ ان کے ثمن سے اپنا حق حاصل کریں؛ کیونکہ ان دونوں کی بیع جائز نہیں ہے تو مولیٰ ان کے حق کا تلف کرنے والا نہیں ہوا اس لیے وہ کسی شیٔ کا ضامن نہ ہو گا۔

{6} اگر مولیٰ نے ماذون غلام کو فروخت کیا حالانکہ اس غلام پر اس قدر قرضے ہیں جو اس کی گردن کو محیط ہیں اور مشتری نے اس پر قبضہ کر کے اس کو غائب کر دیا، تو قرضخواہوں کو اختیار ہو گا کہ چاہیں تو بائع (مولیٰ) سے اس کی قیمت بطورِ تاوان لیں اور چاہیں تو مشتری سے تاوان لیں؛ کیونکہ ان کا حق اس غلام کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے حتی کہ ان کو یہ اختیار تھا کہ اس غلام کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کریں، اور بائع سے تاوان لینے کا اختیار اس وجہ سے ہے کہ اس نے فروخت کرنے اور مبیع سپرد کرنے سے ان کا حق تلف کر دیا اس لیے بائع ضامن ہو گا، اور مشتری سے تاوان کا اختیار اس وجہ سے ہے کہ مشتری نے ان کے حق پر قبضہ کر کے اس کو غائب کر دیا تو تاوان لینے میں ان کو اختیار حاصل ہوا کہ چاہیں بائع سے تاوان لیں یا مشتری سے۔

{7} اور قرضخواہوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہیں بیع کی اجازت دے کر بائع سے اس کا ثمن وصول کر لیں؛ کیونکہ غلام کے رقبہ کا حق تو انہیں کے لیے خاص ہے تو اس میں ان کو ہر طرح کا اختیار ہے اور بیع کی انہوں نے جو بعد میں اجازت دی ہے یہ اجازت ایسا ہے جیسے انہوں نے بیع سے پہلے دی ہو جیسے مالِ مرہون میں ہوتا ہے یعنی اگر راہن نے مالِ مرہون کو مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت کیا تو مرتہن کو اختیار ہے کہ بیع کی اجازت دیدے اسی طرح یہاں بھی قرضخواہوں کی بیع کے بعد اجازت معتبر ہے۔

{8} پھر اگر قرضخواہوں نے بائع (مولیٰ) سے اس کی قیمت بطورِ تاوان لی پھر کسی عیب کی وجہ سے یہ غلام اپنے مولیٰ کو واپس کر دیا گیا تو مولیٰ کو اختیار ہے کہ یہ غلام دے کر قرضخواہوں کو دی گئی اپنی قیمت واپس لے، اور قرضخواہوں کا حق اس غلام میں ہو جائے گا؛ کیونکہ مولیٰ پر وجوبِ تاوان کا سبب (فروخت کرنا اور سپرد کرنا) زائل ہو گیا اس لیے وہ قرضخواہوں کو دی گئی قیمت ان سے واپس لے سکتا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے غاصب مغصوب غلام فروخت کرکے سپرد کر دے پھر مالک کو اس کی قیمت بطورِ تاوان دیدے پھر مغصوب غلام عیب کی وجہ سے غاصب کو واپس کیا گیا تو غاصب کو اختیار ہوتا ہے کہ مالک کو مغصوب غلام واپس دے کر اپنی قیمت اس سے لے لے پس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ہے۔

{1} قَالَ : وَلَوْ كَانَ الْمَوْلَى بَاعَهُ مِنْ رَجُلٍ وَأَعْلَمَهُ بِالدَّيْنِ فَلِلْغُرَمَاءِ أَنْ يَرُدُّوا الْبَيْعَ؛
فرمایا: اور اگر مولیٰ نے فروخت کیا اس کو کسی شخص کے ہاتھ، اور بتا دیا اس کو دَین، تو قرضخواہوں کا اختیار ہے کہ ردّ کر دے بیع کو؛

لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ وَهُوَ حَقُّ الِاسْتِسْعَاءِ وَالِاسْتِيفَاءِ مِنْ رَقَبَتِهِ ، وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَائِدَةٌ،
ان کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے، اور وہ کمائی کرانا اور وصول کرنا ہے اس کے رقبہ سے، اور ہر ایک میں ان دونوں میں سے فائدہ ہے،

فَالْأَوَّلُ تَامٌّ مُؤَخَّرٌ وَالثَّانِي نَاقِصٌ مُعَجَّلٌ ، وَبِالْبَيْعِ تَفُوتُ هَذِهِ الْخِيَرَةُ فَلِهَذَا كَانَ لَهُمْ
پس اول تام ہے مگر مؤخر ہے، اور ثانی ناقص ہے مگر جلدی ہے، اور فروخت کرنے سے فوت ہو جاتا ہے یہ اختیار، اسی لیے ان کو اختیار ہے

أَنْ يَرُدُّوهُ .{2} قَالُوا : تَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمُ الثَّمَنُ ، فَإِنْ وَصَلَ وَلَا مُحَابَاةَ فِي الْبَيْعِ
کہ ردّ کر دے اس کو۔ مشائخ نے کہا ہے: اس کی تاویل یہ ہے کہ نہ پہنچے قرضخواہوں کو ثمن، اور اگر پہنچ گیا اور محابات نہیں ہے بیع میں

لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوهُ لِوُصُولِ حَقِّهِمْ إِلَيْهِمْ .{3} قَالَ : فَإِنْ كَانَ الْبَائِعُ غَائِبًا فَلَا خُصُومَةَ
تو اختیار نہ ہوگا ان کو کہ ردّ کر دے اس کو: ان کو ان کا حق پہنچ جانے کی وجہ سے۔ فرمایا: اور اگر بائع غائب ہو، تو کوئی خصومت نہ ہوگی

بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُشْتَرِي مَعْنَاهُ إِذَا أَنْكَرَ الدَّيْنَ ،وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ
قرضخواہوں اور مشتری کے درمیان، اس کا معنی یہ ہے کہ مشتری انکار کرے دَین کا، اور یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : الْمُشْتَرِي خَصْمُهُمْ وَيُقْضَى لَهُمْ بِدَيْنِهِمْ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا اشْتَرَى
اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: مشتری خصم ہے اور حکم دیا جائے گا قرضخواہوں کے لیے ان کے دَین کا، اور اسی اختلاف پر ہے جب خرید لے

دَارًا وَوَهَبَهَا وَسَلَّمَهَا وَغَابَ ثُمَّ حَضَرَ الشَّفِيعُ فَالْمَوْهُوبُ لَهُ لَيْسَ بِخَصْمٍ عِنْدَهُمَا
مکان اور ہبہ کر دے اس کو اور سپرد کر دے اور غائب ہو جائے پھر حاضر ہو جائے شفیع، تو موہوب لہ خصم نہیں ہے طرفینؒ کے نزدیک

خِلَافًا لَهُ .وَعَنْهُمَا مِثْلُ قَوْلِهِ فِي مَسْأَلَةِ الشُّفْعَةِ . {4}لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ

اختلاف ہے امام ابویوسف کا؛اور طرفین سے مروی ہے امام ابویوسف کے قول کی طرح شفعہ کے مسئلہ میں؛امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے

يَدَّعِي الْمِلْكَ لِنَفْسِهِ فَيَكُونُ خَصْمًا لِكُلِّ مَنْ يُنَازِعُهُ .وَلَهُمَا أَنَّ

کہ مشتری دعویٰ کر رہا ہے ملک کا اپنے لیے تو وہ خصم ہو گا ہر اس شخص کا جو جھگڑا کرے اس سے۔اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ

الدَّعْوَى تَتَضَمَّنُ فَسْخَ الْعَقْدِ وَقَدْ قَامَ بِهِمَا فَيَكُونُ الْفَسْخُ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ .{5}قَالَ : وَمَنْ قَدِمَ مِصْرًا

یہ دعویٰ متضمن ہے فسخ عقد کو، حالانکہ عقد قائم ہوا ہے بائع اور مشتری دونوں سے، پس ہو گا فسخ قضاء علی الغائب۔ فرمایا:اور جو شخص شہر میں آئے

وَقَالَ أَنَا عَبْدٌ لِفُلَانٍ فَاشْتَرَى وَبَاعَ لَزِمَهُ كُلُّ شَيْءٍ مِنَ التِّجَارَةِ ؛ لِأَنَّهُ إِنْ أَخْبَرَ

اور کہے کہ میں غلام ہوں فلاں کا، پھر اس نے خرید و فروخت کی، تو اس کو لازم ہو گی ہر وہ چیز جو تجارت سے ہو؛کیونکہ اگر اس نے خبر دی ہے

بِالْإِذْنِ فَالْإِخْبَارُ دَلِيلٌ عَلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يُخْبِرْ فَتَصَرُّفُهُ دَلِيلٌ عَلَيْهِ ، إِذِ الظَّاهِرُ أَنَّ الْمَحْجُورَ يَجْرِي

اجازت کی تو خبر دینا دلیل ہے اس پر، اور اگر اس نے خبر نہیں دی ہے تو اس کا تصرف جائز ہے؛اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ محجور عمل کرے گا

عَلَى مُوجَبِ حَجْرِهِ وَالْعَمَلُ بِالظَّاهِرِ هُوَ الْأَصْلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ كَيْ لَا يَضِيقَ الْأَمْرُ عَلَى النَّاسِ{6}إلَّا أَنَّهُ لَا يُبَاعُ

اپنے حجر کے موجب پر، اور ظاہر پر عمل کرنا ہی اصل ہے معاملات میں؛تاکہ معاملہ تنگ نہ ہو جائے لوگوں پر، مگر یہ کہ اسے فروخت نہیں کیا جائے گا

حَتَّى يَحْضُرَ مَوْلَاهُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِي الرَّقَبَةِ ؛ لِأَنَّهَا خَالِصُ حَقِّ الْمَوْلَى

یہاں تک کہ حاضر ہو جائے اس کا مولیٰ؛کیونکہ قبول نہیں کیا جائے گا اس کا قول رقبہ کے بارے میں؛کیونکہ رقبہ تو خالص مولیٰ کا حق ہے

بِخِلَافِ الْكَسْبِ ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ عَلَى مَا بَيَّنَّا{7} فَإِنْ حَضَرَ فَقَالَ هُوَ مَأْذُونٌ بِيعَ

بر خلافِ کسب کے؛کیونکہ وہ غلام کا حق ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو۔ پھر اگر وہ حاضر ہوا اور کہا کہ وہ ماذون ہے تو فروخت کیا جائے گا

فِي الدَّيْنِ؛ لِأَنَّهُ ظَهَرَ الدَّيْنُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى وَإِنْ قَالَ هُوَ مَحْجُورٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَمَسِّكٌ بِالْأَصْلِ.

دَین میں؛کیونکہ ظاہر ہوا دَین مولیٰ کے حق میں، اور اگر کہا کہ وہ محجور ہے تو قول اسی کا معتبر ہو گا؛کیونکہ وہ حجت پکڑ رہا ہے اصل سے۔

تشریح:۔{1} اگر مولیٰ نے اس ماذون مدیون کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور اس کو قرضہ کے بارے میں بتا دیا یعنی مشتری کو بتلا دیا کہ یہ غلام مقروض ہے تو قرضخواہوں کو اختیار ہے کہ بیع کو رد کرا دیں؛کیونکہ اس مبیع کے ساتھ ان کا حق متعلق ہے اور ان کا حق یہ ہے کہ غلام سے کمائی کرا دیں یا اس کے رقبہ سے اپنا قرضہ وصول کریں اور صحتِ تصرف کا مدار فائدہ پر ہے اور ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک میں فائدہ ہے اس لیے ان میں قرضخواہوں کا حق ہے، پس کمائی کرانے میں یہ فائدہ ہے کہ پورا قرضہ اس سے وصول

ہوتا ہے البتہ تاخیر (کمائی تک کی تاخیر) کے ساتھ وصول ہوتا ہے، اور رقبہ سے وصول کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ فی الحال وصول ہوتا ہے لیکن شاید کم وصول ہو یعنی ہو سکتا ہے کہ اس کا ثمن ان کے قرضہ کے بقدر نہ ہو، اور مولیٰ کے فروخت کرنے میں ان کا یہ اختیار فوت ہو جائے گا یعنی کمائی کرانا باقی نہیں رہے گا لہٰذا ان کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں تو اس بیع کو رد کرادیں۔

{2} مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ قرضخواہوں کو ثمن وصول نہ ہو یعنی ثمن سے ان کے قرضے ادا نہ ہوں تو وہ اس بیع کو رد کرا سکتے ہیں، اور اگر ثمن ان کو وصول ہو گیا اور بیع میں کوئی محابات بھی نہیں ہے تو وہ اس بیع کو رد نہیں کرا سکتے ہیں کیونکہ ان کو ان کا حق پہنچ گیا۔

{3} پھر اگر بائع (مولیٰ) غائب ہو حاضر نہ ہو تو قرضخواہوں اور مشتری کے درمیان خصومت نہیں ہو سکتی یعنی قرضخواہوں کو اختیار نہیں ہے کہ عدالت میں مشتری پر دعویٰ کر کے اس کو مدعاعلیہ بنادیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مشتری ان کے قرضہ سے انکار کرے تو وہ مدعاعلیہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ طرفین کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مشتری ان کا مدعاعلیہ ہوگا اور قرضخواہوں کے لیے ان کے قرضے کا حکم دے دیا جائے گا۔ اور شفعہ کے مسئلہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے یعنی اگر کسی نے ایک مکان خرید لیا اور دوسرے کو ہبہ اور سپرد کر دیا اور خود غائب ہو گیا، پھر جس شخص کو اس مکان کا شفعہ ملنا چاہیے وہ حاضر ہوا، تو طرفین کے نزدیک موہوب لہ اس کا مدعاعلیہ نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک مدعاعلیہ ہوگا اور شفعہ کے اس مسئلہ میں طرفین سے ایک روایت امام ابو یوسف کے قول کی طرح مروی ہے۔

{4} امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مشتری اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس کا مالک ہوں تو جو شخص اس کے اس مقبوض میں اس کے ساتھ جھگڑا کرے اس کے لیے یہ مدعاعلیہ ہو سکتا ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ دعویٰ غائب بائع اور مشتری کے درمیان واقع ہونے والے عقد کے فسخ کو متضمن ہے حالانکہ یہ عقد مشتری اور بائع کے درمیان قائم ہوا ہے تو فسخ کرنا بائع غائب پر حکم ہوگا حالانکہ غائب پر حکم قضاء جائز نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: الراجح عند الاکثر ھو قولھما یظھر ذالک التزاماً و اشارةً من المتون و الشروح، واللہ أعلم بالصواب (ھامش الھدایۃ: 368/3)

{5} کسی شہر میں ایک شخص آیا اور کہا کہ میں فلاں (مثلاً زید) کا غلام ہوں پھر اس نے خرید و فروخت کی تو جو چیز تجارت کے قبیل سے ہو وہ اس پر استحساناً لازم ہوگی؛ وجہ استحسان یہ ہے کہ اگر اس نے اجازت پانے کی خبر دی یعنی اپنا ماذون ہونا بیان کیا تو اس کا خبر دینا خود اس پر دلیل ہے اس لیے وہ چیز اس پر لازم ہوگی۔ اور اگر اس نے یہ خبر نہ دی کہ میرے مولیٰ نے مجھ کو ماذون کیا ہے تو بھی

اس کا تصرف جائز ہے؛ کیونکہ ظاہر حال یہ ہے کہ جو غلام مجور ہو وہ اپنی مجوری کے موافق عمل کرے گا اور اس نے جو خرید و فروخت کی تو یہ اس کے ماذون ہونے کی ظاہر دلیل ہے، اور ظاہر حال پر عمل کرنا یہی معاملات میں اصل ہے تاکہ لوگوں پر کام میں تنگی نہ ہو پس حاصل یہ ہوا کہ وہ ماذون سمجھا جائے گا اور معاملات تجارت میں جو کچھ قرضہ اس پر آئے وہ اس پر لازم ہو گا۔

{6} البتہ جو قرضہ اس غلام پر آیا تو اس میں اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کا مولیٰ حاضر نہ ہو؛ کیونکہ اپنی گردن کے فروخت کرنے کے بارے میں اس کا قول قبول نہ ہو گا؛ کیونکہ وہ خالص اس کے مولیٰ کا حق ہے، برخلاف اس کی کمائی کے؛ کیونکہ وہ خود غلام کا حق ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کر دیا کہ غلام کی حاجت سے فارغ ہونے کے بعد باقی کمائی کی ملکیت میں مولیٰ غلام کا خلیفہ ہوتا ہے۔

{7} پھر اگر مولیٰ حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یہ ماذون ہے تو اسے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ قرضہ اس کے مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہو گیا، اور اگر مولیٰ نے کہا کہ یہ غلام مجور ہے تو اسی کا قول قبول ہو گا؛ کیونکہ مجور ہونا اصل ہے اور وہ اصل ہی کے ساتھ تمسک کرتا ہے تو اسی کا قول قبول ہو گا۔

## فَصْلٌ

یہ فصل بچے اور معتوہ کی اجازت کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ ماذون غلام کے بیان سے فارغ ہو گئے تو ماذون بچے اور معتوہ کے بیان کو شروع فرمایا، چونکہ غلام کے اذن کا وقوع کثیر ہے اس لیے اس کے بیان کو مقدم کر دیا۔

{1} وَإِذَا أَذِنَ وَلِيُّ الصَّبِيِّ لِلصَّبِيِّ فِي التِّجَارَةِ فَهُوَ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ كَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ إذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ

اور اگر اجازت دی بچہ کے ولی نے تجارت کی تو وہ خرید و فروخت میں عبد ماذون کی طرح ہے جبکہ وہ سمجھتا ہو خرید و فروخت کو

حَتَّى يَنْفُذَ تَصَرُّفُهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَنْفُذُ؛ لِأَنَّ حَجْرَهُ لِصِبَاهُ فَيَبْقَى بِبَقَائِهِ

حتی کہ نافذ ہو گا اس کا تصرف، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: نافذ نہ ہو گا؛ کیونکہ اس کا مجور ہونا اس کے بچپن کی وجہ سے ہے پس حجر باقی رہے گا بچپن کی بقاء سے

وَلِأَنَّهُ مُوَلًّى عَلَيْهِ حَتَّى يَمْلِكَ الْوَلِيُّ التَّصَرُّفَ عَلَيْهِ وَيَمْلِكَ حَجْرَهُ فَلَا يَكُونُ وَالِيًا

اور اس لیے کہ دوسرا شخص ولی مقرر کیا گیا ہے اس پر، حتی کہ مالک ہوتا ہے ولی تصرف کا اس پر اور مالک ہوتا ہے اس پر حجر کا، پس وہ خود ولی نہ ہو گا

لِلْمُنَافَاةِ وَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ ، {2} بِخِلَافِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُقَامُ بِالْوَلِيِّ ، وَكَذَا الْوَصِيَّةُ

منافات کی وجہ سے، پس ہو گیا طلاق اور عتاق کی طرح، بر خلاف صوم اور صلوۃ کے؛ کیونکہ یہ قائم نہیں ہو سکتے ولی سے، اور اسی طرح وصیت ہے

عَلَى أَصْلِهِ فَتَحَقَّقَتِ الضَّرُورَةُ إلَى تَنْفِيذِهِ مِنْهُ . أَمَّا بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ فَيَتَوَلَّاهُ الْوَلِيُّ فَلَا ضَرُورَةَ هَاهُنَا .

امام شافعیؒ کی اصل پر پس متحقق ہو گئی ضرورت وصیت نافذ کرنے کی بچہ کی طرف سے، رہی بیع اور شراء تو اس کا متولی ہوتا ہے ولی، پس یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

{3} وَلَنَا أَنَّ التَّصَرُّفَ الْمَشْرُوعَ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ عَنْ وِلَايَةٍ شَرْعِيَّةٍ فَوَجَبَ تَنْفِيذُهُ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مشروع تصرف صادر ہوا ہے اس کے اہل سے اپنے محل میں شرعی ولایت سے، پس واجب ہے اس کو نافذ کرنا

عَلَى مَا عُرِفَ تَقْرِيرُهُ فِي الْخِلَافِيَّاتِ . وَالصِّبَا سَبَبُ الْحَجْرِ لِعَدَمِ الْهِدَايَةِ لَا لِذَاتِهِ ، وَقَدْ ثَبَتَتْ

جیسا کہ معلوم ہے اس کی تقریر خلافیات میں، اور بچپن سبب ہے حجر کا ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ اس کی ذات کی وجہ سے، اور ہدایت ثابت ہو گئی

نَظَرًا إلَى إذْنِ الْوَلِيِّ ، {4} وَبَقَاءُ وِلَايَتِهِ لِنَظَرِ الصَّبِيِّ لِاسْتِيفَاءِ الْمَصْلَحَةِ بِطَرِيقَيْنِ وَاحْتِمَالِ تَبَدُّلِ الْحَالِ ،

دیکھتے ہوئے اذن ولی کی طرف، اور ولی کی ولایت کی بقاء بچے کی رعایت کے لیے ہے؛ دو طریق سے مصلحت حاصل ہونے اور حال بدل جانے کے احتمال کی وجہ سے،

بِخِلَافِ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ ؛ لِأَنَّهُ ضَارٌّ مَحْضٌ فَلَمْ يُؤَهَّلْ لَهُ . وَالنَّافِعُ الْمَحْضُ كَقَبُولِ الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ

بر خلاف طلاق اور عتاق کے؛ کیونکہ یہ محض مضر ہے، پس اہل نہیں قرار دیا گیا اس کے لیے، اور محض نافع جیسے ہبہ اور صدقہ کے لیے

يُؤَهَّلُ لَهُ قَبْلَ الْإِذْنِ ، {5} وَالْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ دَائِرٌ بَيْنَ النَّفْعِ وَالضَّرَرِ فَيُجْعَلُ أَهْلًا لَهُ بَعْدَ الْإِذْنِ لَا قَبْلَهُ ،

اہل قرار دیا جائے گا اجازت سے پہلے، اور بیع اور شراء دائر ہیں نفع اور ضرر میں، پس قرار دیا جائے گا اس کا اہل اجازت کے بعد نہ کہ اجازت سے پہلے،

لَكِنْ قَبْلَ الْإِذْنِ يَكُونُ مَوْقُوفًا مِنْهُ عَلَى إجَازَةِ الْوَلِيِّ لِاحْتِمَالِ وُقُوعِهِ نَظَرًا ، وَصِحَّةُ التَّصَرُّفِ فِي نَفْسِهِ ،

لیکن اجازت سے پہلے موقوف ہو گی اس کی طرف سے ولی کی اجازت پر؛ اس کے نفع واقع ہونے کے احتمال کی وجہ سے اور فی نفسہ تصرف صحیح ہونے کی وجہ سے۔

{6} وَذِكْرُ الْوَلِيِّ فِي الْكِتَابِ يَنْتَظِمُ الْأَبَ وَالْجَدَّ عِنْدَ عَدَمِهِ وَالْوَصِيَّ وَالْقَاضِيَ وَالْوَالِيَ ، بِخِلَافِ صَاحِبِ الشُّرَطِ ؛

اور ولی کا ذکر کتاب میں شامل ہے باپ کو اور دادا کو باپ نہ ہونے کے وقت، اور وصی، قاضی اور والی کو، بر خلاف صاحب شرط کے؛

لِأَنَّهُ لَيْسَ إلَيْهِ تَقْلِيدُ الْقُضَاةِ ، وَالشَّرْطُ أَنْ يَعْقِلَ كَوْنَ الْبَيْعِ سَالِبًا لِلْمِلْكِ جَالِبًا لِلرِّبْحِ {7} وَالتَّشْبِيهُ بِالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ لَهُ

کیونکہ اس کو اختیار نہیں قاضی مقرر کرنے کا۔ اور شرط یہ ہے کہ وہ جانتا ہو کہ بیع سالب ملک اور جالب نفع ہوتی ہے، اور تشبیہ دینا ماذون غلام کے ساتھ

يُفِيدُ أَنَّ مَا يَثْبُتُ فِي الْعَبْدِ مِنَ الْأَحْكَامِ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ ؛ لِأَنَّ الْإِذْنَ فَكُّ الْحَجْرِ وَالْمَأْذُونُ

فائدہ دیتا ہے کہ جو احکام ثابت ہوتے ہیں غلام کے حق میں وہ ثابت ہوں گے بچے کے حق میں؛ اس لیے کہ اجازت حجر دور کرتا ہے، اور ماذون

يَتَصَرَّفُ بِأَهْلِيَّةِ نَفْسِهِ عَبْدًا كَانَ أَوْ صَبِيًّا ، فَلَا يَتَقَيَّدُ تَصَرُّفُهُ بِنَوْعٍ دُونَ نَوْعٍ .

تصرف کرتا ہے اپنی ذاتی اہلیت سے خواہ غلام ہو یا بچہ ہو، پس مقید نہ ہو گا اس کا تصرف ایک نوع کے ساتھ نہ کہ دوسری نوع کے ساتھ،

وَيَصِيرُ مَأذُونًا بِالسُّكُوتِ كَمَا فِي الْعَبْدِ، وَيَصِحُّ إقْرَارُهُ بِمَا فِي يَدِهِ مِنْ كَسْبِهِ

اور ہو جائے گا ماذون سکوت سے جیسا کہ غلام میں ہے، اور صحیح ہے اس کا اقرار اس کے بارے میں جو اس کے قبضہ میں ہے اس کی کمائی سے،

وَكَذَا بِمَوْرُوثِهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، كَمَا يَصِحُّ إقْرَارُ الْعَبْدِ وَلَا يَمْلِكُ تَزْوِيجَ عَبْدِهِ

اور اسی طرح اپنے موروث مال کی بابت ظاہر الروایت میں جیسا کہ صحیح ہے غلام کا اقرار، اور وہ مالک نہیں اپنے غلام کا نکاح کرنا

وَلَا كِتَابَتَهُ كَمَا فِي الْعَبْدِ{8} وَالْمَعْتُوهُ الَّذِي يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ بِمَنْزِلَةِ الصَّبِيِّ يَصِيرُ مَأذُونًا بِإِذْنِ الْأَبِ

اور نہ اپنے غلام کو مکاتب کرنا جیسا کہ غلام کی صورت میں ہے، اور وہ معتوہ جو جانتا ہو خرید و فروخت کو بمنزلہ بچے کے ہے، اور ہو جاتا ہے ماذون باپ،

وَالْجَدِّ وَالْوَصِيِّ دُونَ غَيْرِهِمْ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَحُكْمُهُ حُكْمُ الصَّبِيِّ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ

دادا اور وصی کی اجازت سے نہ کہ ان کے علاوہ کی اجازت سے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو، اور اس کا حکم بچے کے حکم کی طرح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{1} اگر بچے کے ولی نے بچے کو تجارت کی اجازت دیدی تو وہ صرف خرید و فروخت میں ماذون ہو گا جیسے ماذون غلام میں ہوتا ہے، پس بچہ ماذون ہو جائے گا بشرطیکہ وہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو حتیٰ کہ اذن کے بعد اس بچے کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تصرف نافذ نہیں ہو گا؛ کیونکہ اس کا محجور ہونا اس کے بچہ ہونے کی وجہ سے ہے تو جب تک بچپن باقی ہے حجر باقی رہے گا اس کا حجر اذن سے زائل نہ ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ تو خود ایسا ہے کہ اس پر دوسرا ولی مقرر کیا گیا ہے حتیٰ کہ ولی جو کچھ اس پر تصرف کرے وہ نافذ ہوتا ہے اور ولی اس کو محجور کر سکتا ہے تو بچہ خود ولی نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس میں منافات ہے؛ اس لیے کہ مولّٰی علیہ ہونا اس کے عاجز ہونے کی علامت ہے اور والی ہونا اس کی قدرت کی علامت ہے اور عجز و قدرت میں منافات ہے اس لیے دونوں جمع نہیں ہو سکتے ہیں، تو اس کا تصرف طلاق اور عتاق کی طرح ہو گا یعنی بچے کی طلاق اور عتاق صحیح نہیں ہے اگرچہ ولی اس کی اجازت دیدے اسی طرح ولی کی اجازت سے خرید و فروخت کا تصرف بھی صحیح نہ ہو گا۔

{2} البتہ بچے کا روزہ اور اس کی نماز صحیح ہے؛ کیونکہ ان کی اقامت ولی کے ذریعہ سے نہیں ہوتی ہے۔ پس امام شافعیؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جو تصرف ولی کے ذریعہ سے متحقق ہوتا ہے وہ بچے کے ذریعہ سے صحیح نہ ہو گا ورنہ صحیح ہو گا، لہٰذا نیکی کے کاموں کی وصیت میں بھی ان کے نزدیک یہی حکم ہے کہ وصیت بچے کے ولی کی جانب سے متحقق نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا خود بچے کی جانب سے وصیت نافذ کرنے کی ضرورت متحقق ہوئی اس لیے بچے کی وصیت صحیح ہے، باقی رہی خرید و فروخت تو ولی اس کا متولی ہوتا ہے اس لیے بچے کی طرف سے اسے نافذ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے بچے کا یہ تصرف نافذ نہ ہو گا۔

{3} ہماری دلیل یہ ہے کہ ماذون بچے کی طرف سے خرید و فروخت ایسا مشروع تصرف ہے جو شرعی ولایت کے ساتھ ایسے شخص سے صادر ہوا جس کو اس کام کی اہلیت حاصل ہے اور ایسے محل (مال) میں صادر ہوا جو اس تصرف کے لیے صالح اور قابل ہے تو اس کا نافذ کرنا واجب ہے جیسا کہ خلافیات میں بیان ہوا ہے، خلافیات سے مراد وہ کتابیں ہیں جو مختلف فیہ فقہی مسائل کو جمع کر کے ترتیب دی گئیں ہیں۔ اور بچپن اس وجہ سے مجور ہونے کا سبب ہے کہ اس وقت تصرف کا طریقہ اور ڈھنگ حاصل نہیں ہوتا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے مجور ہونے کا سبب نہیں ہے اور یہاں ولی کی اجازت دینے سے معلوم ہوا کہ اس کو ڈھنگ حاصل ہو گیا اس لیے اس کا تصرف صحیح ہے۔

{4} مگر اس کے باوجود بچے پر ولی کی ولایت خود بچے کی رعایت کی وجہ سے باقی رہے گی تا کہ بچے کی مصلحتیں دو طرح سے پوری ہوں یعنی اس کے ولی کی مباشرت سے اور خود اس کی ذاتی مباشرت سے اس لیے اس پر ولی کی ولایت بھی باقی رہے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ شاید بچے کا حال صلاح سے فساد کی طرف بدل جائے اس لیے ہم نے اس پر ولی کی ولایت کو باقی رکھا، پس تجارتی اجازت میں اس کا تصرف جائز ہے البتہ طلاق اور عتاق کا تصرف جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وہ محض ضرر ہے لہذا بچے کو اس کا اہل نہیں قرار دیا گیا اگرچہ ولی کی اجازت ہو، اور جو چیزیں محض نفع ہیں جیسے ہبہ یا صدقہ قبول کرنا تو اس کے لیے بچے کو اہل سمجھا گیا ہے اگرچہ ولی کی اجازت نہ ہو۔

{5} اور رہی خرید و فروخت تو وہ نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہے ہو سکتا ہے کہ مفید ہو اور ہو سکتا ہے کہ مضر ہو پس ولی کی اجازت کے بعد بچہ اس کے لیے اہل قرار دیا جائے گا، اور ولی کی اجازت سے پہلے اہل نہیں سمجھا جائے گا، البتہ اجازت سے پہلے اس کی خرید و فروخت موقوف رہے گی حتی کہ اگر ولی اجازت دیدے تو جائز ہو جائے گی؛ کیونکہ ایک تو اس وجہ سے کہ شاید وہ اس کے حق میں بہتری کے ساتھ واقع ہوئی ہو، اور دوم اس وجہ سے کہ فی نفسہ بچے کا تصرف صحیح ہے؛ کیونکہ وہ اس کا اہل ہے۔

{6} پھر کتاب (قدوری) میں جو ولی کا لفظ ذکر فرمایا وہ باپ کو شامل ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو دادا، وصی، قاضی اور والی ملک سب کو شامل ہے۔ مگر علاقائی امیر کو شامل نہیں ہے؛ کیونکہ علاقائی امیر کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ قاضی مقرر کر دے لہذا اس کو یہ اختیار بھی نہ ہو گا کہ بچے کو تصرف کی اجازت دے۔ پھر بچے کے ماذون ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس قدر سمجھتا ہو کہ کوئی چیز فروخت کر دینے سے اس چیز کی ملکیت جاتی رہتی ہے اور نفع لاتی ہے۔

{7} پھر ماذون بچے کو ماذون غلام کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ فائدہ ہے کہ جو احکام ماذون غلام کے حق میں ثابت ہوئے وہ ماذون بچے کے حق میں بھی ثابت ہوں گے؛ کیونکہ اجازت دینا ہمارے نزدیک حجر دور کرنا ہوتا ہے اور ماذون اپنی ذاتی اہلیت سے تصرف

کرتا ہے خواہ وہ غلام ہو یا بچہ ہو لہذا ماذون بچے کا تصرف بھی کسی قسم کی تجارت کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ اور اگر ولی نے اس کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر سکوت اختیار کیا تو بھی وہ ماذون ہو جائے گا جیسے غلام کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور ماذون بچے کے قبضہ میں جو کچھ کمائی ہے اس کے بارے اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے مورث کے ترکہ میں سے میراث میں کوئی چیز پائی ہو اور کسی کے لیے اس کا اقرار کیا تو بھی ظاہر الروایت میں یہ اقرار صحیح ہے جیسے غلام کا اقرار اپنی کمائی میں صحیح ہوتا ہے۔ اور ماذون بچے کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی کمائی کے غلام کا نکاح کردے یا اس کو مکاتب کردے جیسے ماذون غلام کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے۔

{8} ایسا معتوہ (ناقص العقل) جس کو خرید و فروخت کی سمجھ ہو بمنزلۂ بچے کے ہے کہ اپنے باپ یا دادا یا وصی کی اجازت دینے سے ماذون ہو جائے گا، البتہ دوسرے رشتہ داروں (بھائی، چچا وغیرہ) کی اجازت دینے سے ماذون نہ ہوگا جیسا کہ اوپر "وَذِكْرُ الْوَلِيِّ فِي الْكِتَابِ يَنْتَظِمُ" سے ہم بیان کر چکے اور اس کا حکم وہی ہے جو بچے کا حکم ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## كِتَابُ الْغَصْبِ

یہ کتاب غصب کرنے کے بیان میں ہے۔

"غصب" لغۃً کسی چیز کو زبردستی لے لینے کو کہتے ہیں خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال ہو، اور شرعاً "اَخْذُ مَالٍ مُتَقَوَّمٍ مُحْتَرَمٍ بِلَا اِذْنِ مَالِكِهٖ بِلَاخِفْيَةٍ" (یعنی غیر خفی طور پر کسی کا قیمتی و محترم مال بغیر مالک کی اجازت کے لے لینے کو شرعاً غصب کہتے ہیں)۔ مذکورہ مال کو مغصوب اور مال لینے والے کو غاصب اور صاحبِ مال کو مغصوب منہ کہتے ہیں۔

"كِتَابُ الْغَصْبِ" کی "كِتَابُ الْمَاذُوْنِ" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں تصرف اِذن سے نافذ ہوتا ہے یعنی جس طرح عبدِ ماذون کا تصرف مولیٰ کی اجازت سے نافذ ہوتا ہے اسی طرح غاصب کا تصرف بھی مالک کی اجازت سے نافذ ہوتا ہے، ہاں اتنا فرق ہے کہ ماذون کا تصرف اذنِ سابق سے نافذ ہوتا ہے اور غاصب کا تصرف اذنِ لاحق سے نافذ ہوتا ہے اس لئے ترتیب میں بھی "كِتَابُ الْغَصْبِ" کو "كِتَابُ الْمَاذُوْنِ" سے مؤخر کر دیا۔ نیز ماذون شرعی اجازت سے کسی کی

میں تصرف کرتا ہے اور غاصب شرعی اجازت کے بغیر تصرف کرتا ہے پس ان دونوں میں مناسبتِ تضاد ہے، اور چونکہ ماذون ہونا مشروع ہے اور غصب غیر مشروع ہے اس لیے "كِتَابُ المَأذُونِ" کو مقدم کیا۔

غصب کی حرمت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں سے ثابت ہے قالَ اللّٰهُ تعالیٰ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[1]﴾وقال تعالیٰ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا[2]﴾ وقال علیه الصلوۃ السلام "حرمة مال المسلم كحرمةِ دَمِهِ ومَن غَصبَ شِبراً مِن ارضٍ طَوَّقه اللّٰهُ بِه من سَبعِ أرضِينَ"۔

{1}الْغَصْبُ فِي اللُّغَةِ : أَخْذُ الشَّيْءِ مِنَ الْغَيْرِ عَلَى سَبِيلِ التَّغَلُّبِ لِلِاسْتِعْمَالِ فِيهِ .وَفِي الشَّرِيعَةِ : أَخْذُ
غصب لغت میں عبارت ہے غیر سے کوئی چیز لینے سے بطریق غلبہ؛ اہل لغت کے درمیان اسی معنی میں استعمال کی وجہ سے، اور شریعت میں لینا ہے

مَالٍ مُتَقَوِّمٍ مُحْتَرَمٍ بِغَيْرِ إذْنِ الْمَالِكِ عَلَى وَجْهٍ يُزِيلُ يَدَهُ .حَتَّى كَانَ اسْتِخْدَامُ الْعَبْدِ وَحَمْلُ الدَّابَّةِ غَصْبًا
ذی قیمت محترم مال کو مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح کہ زائل کر دے اس کا قبضہ، حتیٰ کہ غلام سے خدمت لینا اور جانور پر لادنا غصب ہوگا،

دُونَ الْجُلُوسِ عَلَى الْبِسَاطِ{2}ثُمَّ إنْ كَانَ مَعَ الْعِلْمِ فَحُكْمُهُ الْمَأْثَمُ وَالْمَغْرَمُ،وَإِنْ كَانَ بِدُونِهِ فَالضَّمَانُ؛لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ
نہ کہ بچھونے پر بیٹھنا، پھر اگر ہو جان بوجھ کر تو اس کا حکم گناہ اور تاوان ہے، اور اگر ہو بغیر علم کے تو ضمان ہے؛ کیونکہ ضمان بندہ کا حق ہے،

فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَصْدِهِ وَلَا إثْمَ ؛ لِأَنَّ الْخَطَأَ مَوْضُوعٌ .{3}قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا لَهُ مِثْلٌ كَالْمَكِيلِ
پس یہ موقوف نہ ہوگا اس کے قصد پر، اور گناہ نہیں؛ کیونکہ خطاء موضوع ہے۔ فرمایا: جو شخص غصب کرلے ایسی چیز جس کا مثل ہو جیسے کیلی

وَالْمَوْزُونِ فَهَلَكَ فِي يَدِهِ فَعَلَيْهِ مِثْلُهُ وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ : فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهِ،
اور موزونی چیز، پھر وہ ہلاک ہوگئی اس کے قبضہ میں، تو اس پر لازم ہے اس کا مثل، اور بعض نسخوں میں ہے کہ اس پر ضمانِ مثل ہے،

وَلَا تَفَاوُتَ بَيْنَهُمَا ، وَهَذَا لِأَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْمِثْلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
اور کوئی فرق نہیں دونوں میں، اور یہ اس لیے کہ واجب مثل ہی ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو

بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ } وَلِأَنَّ الْمِثْلَ أَعْدَلُ لِمَا فِيهِ مِنْ مُرَاعَاةِ الْجِنْسِ وَالْمَالِيَّةِ فَكَانَ أَدْفَعَ لِلضَّرَرِ.

(1) البقرة:188-
(2) النساء:10-

جیسی اس نے زیادتی کی تم پر" اور اس لیے کہ مثل زیادہ انصاف ہے؛ کیونکہ اس میں رعایت ہے جنس اور مالیت کی، پس وہ زیادہ دور کرنے کا ضرر۔

{4}قَالَ : فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى مِثْلِهِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ يَوْمَ يَخْتَصِمُونَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

فرمایا: اور اگر قادر نہ ہو اس کے مثل پر تو اس پر اس کی قیمت ہے اس دن کی جس دن وہ خصومت کریں گے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَوْمَ الْغَصْبِ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَوْمَ الِانْقِطَاعِ ؛ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَمَّا انْقَطَعَ

اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے: غصب کے دن کی، اور فرمایا امام محمدؒ نے: انقطاع کے دن کی۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ منقطع ہوئی

الْتَحَقَ بِمَا لَا مِثْلَ لَهُ فَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ انْعِقَادِ السَّبَبِ إذْ هُوَ الْمُوجِبُ .وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ

تو ملحق ہو گئی اس کے ساتھ جس کا مثل نہیں، پس معتبر ہو گی اس کی قیمت انعقادِ سبب کے دن کی؛ اس لیے کہ وہی موجب ہے، اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے

الْوَاجِبَ الْمِثْلُ فِي الذِّمَّةِ .وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُ إلَى الْقِيمَةِ بِالِانْقِطَاعِ فَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الِانْقِطَاعِ

کہ واجب تو مثل ہے اس کے ذمہ میں، اور قیمت کی طرف انتقال تو انقطاع کی وجہ سے ہوتا ہے، پس معتبر ہو گی اس کی قیمت انقطاع کے دن کی۔

{5}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ النَّقْلَ لَا يَثْبُتُ بِمُجَرَّدِ الِانْقِطَاعِ ، وَلِهَذَا لَوْ صَبَرَ إلَى أَنْ يُوجَدَ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کی طرف انتقال ثابت نہیں ہوتا ہے فقط انقطاع سے، اسی لیے اگر وہ صبر کرے یہاں تک پائی جائے

جِنْسُهُ لَهُ ذَلِكَ ، وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُ بِقَضَاءِ الْقَاضِي فَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْخُصُومَةِ

اس کی جنس تو اس کو اس کا اختیار ہے، اور قیمت کی طرف انتقال تو قضاءِ قاضی سے ہوتا ہے، پس معتبر ہو گی اس کی قیمت خصومت

وَالْقَضَاءِ بِخِلَافِ مَا لَا مِثْلَ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ مُطَالَبٌ بِالْقِيمَةِ بِأَصْلِ السَّبَبِ كَمَا وُجِدَ فَتُعْتَبَرُ

اور قضاء کے دن کی، برخلاف اس کے جس کا مثل نہ ہو؛ کیونکہ اس میں مطالبہ ہوتا ہے اصل سبب سے جیسا ہی پایا جائے، پس معتبر ہو گی

قِيمَتُهُ عِنْدَ ذَلِكَ .{6}قَالَ : وَمَا لَا مِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ يَوْمَ غَصْبِهِ مَعْنَاهُ الْعَدَدِيَّاتُ الْمُتَفَاوِتَةُ

اس کی قیمت اسی وقت کی۔ فرمایا: اور جس چیز کا مثل نہ ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے غصب کے دن کی، اس کا معنی ہے عددیات متفاوتہ؛

لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ مُرَاعَاةُ الْحَقِّ فِي الْجِنْسِ فَيُرَاعَى فِي الْمَالِيَّةِ وَحْدَهَا دَفْعًا لِلضَّرَرِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ .أَمَّا الْعَدَدِيُّ الْمُتَقَارِبُ

کیونکہ جب متعذر ہوئی حقوق کی رعایت جنس میں تو ملحوظ رکھی جائے گی فقط مالیت میں؛ تاکہ دفع ہو ضرر بقدرِ امکان، بہر حال عددی متقارب

فَهُوَ كَالْمَكِيلِ حَتَّى يَجِبَ مِثْلُهُ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ .وَفِي الْبُرِّ الْمَخْلُوطِ بِالشَّعِيرِ الْقِيمَةُ ؛ لِأَنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ.

تو وہ کیلی کی طرح ہے حتی کہ واجب ہو گا اس کا مثل تفاوت کم ہونے کی وجہ سے، اور جَو کے ساتھ مخلوط گندم میں قیمت ہے؛ کیونکہ مثل نہیں اس کا۔

{7}قَالَ: وَعَلَى الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ، مَعْنَاهُ مَا دَامَ قَائِمًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { عَلَى الْيَدِ مَا

فرمایا: اور غاصب پر واجب ہے عینِ مغصوب رد کرنا، اس کا معنی ہے کہ جب تک وہ موجود ہو؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ہاتھ پر وہ ہے

أَخَذَتْ حَتَّى تَرُدَّ } وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا ، فَإِنْ

جو اس نے لیا یہاں تک کہ واپس کر دے" اور آپ نے فرمایا: "حلال نہیں یہ کہ لے لے اپنے بھائی کا سامان بطورِ لعب اور نہ قصداً، پس اگر

أَخَذَهُ فَلْيَرُدَّهُ عَلَيْهِ } " وَلِأَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ وَقَدْ فَوَّتَهَا عَلَيْهِ فَيَجِبُ إعَادَتُهَا

لے لیا اس کو، تو واپس کر دے اسے مالک پر"۔ اور اس لیے کہ قبضہ مقصود ہے، اور اس نے فوت کیا قبضہ اس پر، پس واجب ہے اس کا اعادہ

بِالرَّدِّ إلَيْهِ ،{8}وَهُوَ الْمُوجَبُ الْأَصْلِيُّ عَلَى مَا قَالُوا ، وَرَدُّ الْقِيمَةِ مُخَلِّصٌ خَلَفًا ؛ لِأَنَّهُ قَاصِرٌ

واپس کر کے اس کی طرف، اور یہی موجبِ اصلی ہے جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے اور قیمت رد کرنا تو چھٹکارا ہے خلیفہ بن کر؛ کیونکہ قیمت واپس کرنا قاصر ہے؛

إذِ الْكَمَالُ فِي رَدِّ الْعَيْنِ وَالْمَالِيَّةِ.وَقِيلَ الْمُوجَبُ الْأَصْلِيُّ الْقِيمَةُ وَرَدُّ الْعَيْنِ مُخَلِّصٌ،وَيَظْهَرُ ذَلِكَ فِي بَعْضِ الْأَحْكَامِ،

اس لیے کہ کمال تو عین مع المالیۃ رد کرنے میں ہے، اور کہا گیا کہ موجب اصلی قیمت واپس کرنا ہے، اور عین واپس کرنا چھٹکارا ہے، اور ظاہر ہوتا ہے یہ بعض احکام میں۔

تشریح:۔{1} لغت میں غصب کا معنی غیر کی کوئی چیز بطورِ زبردستی لے لینا ہے؛ کیونکہ اہلِ لغت کے ہاں غصب اسی معنی میں مستعمل ہے، اور شریعت میں کسی کا قیمتی اور محترم مال مالک کی اجازت کے بغیر ایسے طور پر لینا کہ مالک کا قبضہ زائل کر دے، حتیٰ کہ بلا اجازت کسی کے غلام کو اپنی خدمت میں لگانا، یا کسی کے جانور پر اپنا بوجھ لادنا غصب ہے؛ کیونکہ اس سے مالک کا قبضہ زائل ہو جاتا ہے، اور کسی کے بچھونے پر بیٹھنا غصب نہیں ہے؛ کیونکہ اسے منتقل کر کے مالک کا قبضہ زائل نہیں کیا ہے فقط بچھا دینا تو مالک کا فعل ہے لہٰذا جب تک کہ اس کے فعل کا اثر باقی ہو اس کی مِلک زائل نہ ہوگی اس لیے یہ غصب بھی نہیں ہے۔

{2} پھر اگر غاصب نے جان بوجھ کر کسی کا مال غصب کیا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ غاصب گنہگار ہوگا اور اس مال کا ضامن ہوگا، اور اگر غاصب کو خبر نہ ہو مثلاً اس نے اپنا مال سمجھ کر لے لیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ غاصب ضامن ہوگا؛ کیونکہ یہ بندہ کا حق ہے تو اس کا غصب کرنا اس کے قصدِ غصب پر موقوف نہیں ہوگا، اور خبر نہ ہونے کی صورت میں گنہگار نہ ہوگا؛ کیونکہ خطاءً بندہ سے جو فعل سرزد ہو اس کا گناہ شرعاً دور کر دیا گیا ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الخَطَأُ وَالنِّسيَانُ[1]" (رفع کر دی گئی ہے میری امت سے خطاء اور نسیان) جس میں رفع سے مراد گناہ کا دور کرنا ہے۔

[1] المستدرک، جزء:2.

{3} اگر کسی نے ایسی چیز غصب کی جس کا مثل موجود ہو جیسے کیلی اور وزنی چیزیں، پھر وہ اس کے قبضہ میں تلف ہو گئی تو اس پر واجب ہے کہ اس کا مثل ادا کر دے، قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ اس پر ضمان ہے یعنی تلف شدہ چیز کا مثل واجب ہے دونوں میں کوئی تفاوت نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں مثل ہی واجب ہوتا ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ[1]﴾ (پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے) یعنی برابر عوض لو زیادتی نہ کرو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مثل لینے میں زیادہ انصاف ہے؛ کیونکہ اس میں تلف شدہ شیٔ کی جنس اور مالیت دونوں کی رعایت موجود ہے تو اس سے اس کے مالک کا ضرر اچھی طرح سے دور ہو گا۔

{4} پھر اگر غاصب تلف شدہ شیٔ کا مثل ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو غاصب پر اس کی قیمت واجب ہو گی، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس دن کی قیمت واجب ہو گی جس دن شیٔ کا مالک اور غاصب قاضی کی عدالت میں خصومت کریں گے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شیٔ کی غصب کے دن کی قیمت ہو گی، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس دن کی قیمت واجب ہو گی جس دن وہ شیٔ بازار میں ناپید ہو گی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مثلی چیز جس وقت دستیاب نہ رہی تو وہ ایسی چیزوں میں شامل ہو گئی جن کا مثل نہیں ہوتا ہے تو اس کی اس دن کی قیمت معتبر ہو گی جس دن اس کا سبب (غصب) منعقد ہوا؛ کیونکہ یہی سبب شیٔ کا تاوان واجب کرنے والا ہے۔ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ واجب تو اس کے ذمہ مغصوب شیٔ کا مثل ہے اور قیمت کی جانب وجوب کا منتقل ہونا شیٔ کے بازار میں نہ رہنے کی وجہ سے ہے پس جس دن وہ بازار سے منقطع ہوا اسی دن جو قیمت ہو وہی لازم ہو گی۔

{5} اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فقط منقطع ہونے سے قیمت کی طرف اس کا حق منتقل نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مالک صبر کرے یہاں تک کہ اس کا مثل پایا جائے پھر اس کا مثل لے لے تو مالک کو یہ اختیار ہوتا ہے، البتہ قیمت کی جانب نقل ہونا جب ہی ہوتا ہے کہ قاضی حکم دے تو تلف شدہ شیٔ کی قیمت وہ معتبر ہو گی جو خصومت کے دن اور قاضی کی قضاء کے دن ہو۔ البتہ جس چیز کا مثل نہ ہو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں ضمان کا اصل سبب (غصب) پائے جاتے ہی قیمت کا مطالبہ ثابت ہوتا ہے تو اس میں وہ قیمت معتبر ہو گی جو غصب کرنے کے دن تھی۔

فتوی:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: ( قَوْلُه وَرَجَّحَا ) أَيْ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ وَقَوْلَ مُحَمَّدٍ وَكَانَ الْأَوْلَى أَنْ يَقُولَ أَيْضًا أَيْ كَمَا رَجَّحَ قَوْلَ الْإِمَامِ ضِمْنًا لِمَشْيِ الْمُتُونِ عَلَيْهِ وَصَرِيحًا .قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ : وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْخِزَانَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي التُّحْفَةِ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَوْمَ الْغَصْبِ ، وَهُوَ أَعْدَلُ الْأَقْوَالِ كَمَا قَالَ الْمُصَنِّفُ

---

[1] البقرة:194.

وَهُوَ الْمُخْتَارُ عَلَى مَا قَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَوْمَ الِانْقِطَاعِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي ذَخِيرَةِ الْفَتَاوَى ، وَبِهِ أَفْتَى كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَايِخِ (ردّ المحتار:128/5)

{6} اگر مغصوب ایسی چیز ہو جس کا مثل نہیں ہے تو غاصب پر اس کی وہ قیمت واجب ہوگی جو غصب کرنے کے دن تھی اور مثل نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ گنتی کی ایسی چیزیں جن میں تفاوت ہوتا ہے وہ غیر مثلی ہوتی ہیں مثلاً کوئی بکری غصب کر کے تلف کردی تو اس کا مثل ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ دوسری بکری میں اسی قدر گوشت وغیرہ ہے یا نہیں ہے، پس جب مالک کے حق کی رعایت جنسِ معلوم (دوسری بکری) میں ممکن نہ ہوئی تو فقط مالیت (قیمت) میں اس کے حق کی رعایت کی جائے گی تاکہ جہاں تک ممکن ہو اس سے ضرر دفع ہو۔ رہی وہ چیزیں جو گنتی سے فروخت ہوتی ہیں البتہ باہم قریب قریب ہیں جیسے اخروٹ اور انڈے وغیرہ تو وہ کیلی چیزوں کی طرح ہیں یعنی کیلی ہیں حتی کہ اسے تلف کرنے کی صورت میں اس کا مثل واجب ہوگا؛ کیونکہ ان چیزوں میں تفاوت کم ہوتا ہے۔ اور جو گندم جو میں ملے ہوئے ہوں وہ مثلی نہیں قیمتی ہیں یعنی اسے تلف کرنے کی صورت میں قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ اس کا مثل نہیں ہے۔

{7} اور غاصب نے جو چیز غصب کی اس پر وہی چیز واپس کرنا واجب ہے مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ چیز قائم ہو تب تک وہی چیز واپس کرنا واجب ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جس ہاتھ نے جو لیا وہ اس پر لازم ہے یہاں تک کہ اس کو واپس کردے[1]"۔ اور فرمایا "کسی کو یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کی چیز لے نہ بطورِ لعب کے اور نہ قصداً، پھر اگر لے لی تو اس کو وہی چیز واپس کردے[2]"۔ اور اس دلیل سے کہ آدمی کا قبضہ بھی ایک مقصودی حق ہوتا ہے یعنی اس سے آدمی ہر طرح کا انتفاع حاصل کرتا ہے حالانکہ غاصب نے اس کا قبضہ فوت کر دیا تو اس پر واجب ہے کہ اس کا قبضہ لوٹا دے اور وہی چیز اس کو واپس کردے جو غاصب نے غصب کی ہے۔

{8} پھر بعض مشائخ کے قول کے مطابق غصب کا اصلی حکم یہی ہے کہ بعینہ مغصوب چیز واپس کردے، اور اس چیز کی قیمت واپس کرنا تو ذمہ داری سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اور تلف شدہ چیز کا خلیفہ ہے؛ کیونکہ قیمت واپس کرنا اداءِ ناقص ہے اس لیے کہ کمال

---

([1]) أخرجه أصحاب السنن الأربعة عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن الحسن عن سمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "على اليد ما أخذت، حتى تؤديه"، ثم نسي الحسن، فقال: هو أمينك لا ضمان عليه، انتهى. قال الترمذي: حديث حسن.(نصب الراية:406/4)

([2]) أخرجه أبو داود في كتاب الأدب في باب المزاح، والترمذي في أول الفتن عن ابن أبي ذئب عن عبد الله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده يزيد بن السائب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يأخذن أحدكم متاع أخيه جادا، ولا لاعبا، وإذا أخذ أحدكم عصا أخيه، فليردها عليه" ، انتهى. قال الترمذي: حديث حسن غريب، لا نعرفه إلا من حديث ابن أبي ذئب، والسائب بن يزيد له صحبة، سمع من النبي صلى الله عليه وسلم، وهو غلام، وقبض عليه السلام، والسائب ابن سبع سنين، وأبوه يزيد بن السائب هو من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، وروى عنه أحاديث، انتهى. (نصب الراية:407/4)

تو یہ ہے کہ عین شئ مع مالیت واپس کر دے۔ اور بعض دیگر مشائخ نے کہا ہے کہ غصب کا اصل حکم یہ ہے کہ قیمت واپس کر دے اور بعینہ مغصوب چیز واپس دینا چھٹکارے کے لیے ہے اور اس اختلاف کا ثمرہ بعض احکام میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً قیام عین کی صورت میں اگر اس کو ضمان سے بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح ہے حتی کہ اگر اس کے بعد مغصوب چیز ہلاک ہو گئی تو ضمان واجب نہ ہو گا تو اگر موجب اصلی قیمت نہ ہوتی تو ابراء صحیح نہ ہوتا؛ کیونکہ عین سے ابراء صحیح نہیں ہے۔ لیکن قول اول اصح ہے کہ بعینہ وہ چیز واپس کرنا اصلی حکم ہے لالی

ردّ المحتار: ( قَوْلُهُ وَيَجِبُ رَدُّ عَيْنِ الْمَغْصُوبِ ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تَرُدَّ } وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا ، وَإِنْ أَخَذَهُ فَلْيَرُدَّهُ عَلَيْهِ } زَيْلَعِيٌّ، وَظَاهِرُهُ أَنَّ رَدَّ الْعَيْنِ هُوَ الْوَاجِبُ الْأَصْلِيُّ ، وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا سَيَذْكُرُهُ الشَّارِحُ وَسَنُوَضِّحُهُ (ردّ المحتار:128/5)

{1} وَالْوَاجِبُ الرَّدُّ فِي الْمَكَانِ الَّذِي غَصَبَهُ ؛ لِتَفَاوُتِ الْقِيَمِ بِتَفَاوُتِ الْأَمَاكِنِ ، فَإِنْ ادَّعَى

اور واجب ردّ کرنا ہے اس مکان میں جہاں غصب کیا ہے؛ قیمتوں کے متفاوت ہونے کی وجہ سے جگہوں کے تفاوت سے۔ پھر اگر اس نے دعویٰ کیا ہے

هَلَاكَهَا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يُعْلَمَ أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَأَظْهَرَهَا، أَوْتَقُومُ بَيِّنَةٌ

مغصوب کے ہلاک ہو جانے کا، تو قید کر دے اس کو حاکم یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ اگر وہ چیز باقی ہوتی تو وہ ظاہر کرتا اس کو، یا قائم ہو جائے بیّنہ

ثُمَّ قَضَى عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ رَدُّ الْعَيْنِ وَالْهَلَاكُ بِعَارِضٍ، فَهُوَ يَدَّعِي أَمْرًا عَارِضًا خِلَافَ الظَّاهِرِ

پھر حکم کر دے اس پر اس کے بدل کا؛ کیونکہ واجب عین کو واپس کرنا تھا، اور تلف ہونا عارض سے ہے پس وہ مدعی ہے امر عارض کا جو خلاف ظاہر ہے

فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ كَمَا إِذَا ادَّعَى الْإِفْلَاسَ وَعَلَيْهِ ثَمَنُ مَتَاعٍ فَيُحْبَسُ إِلَى أَنْ يُعْلَمَ مَا يَدَّعِيهِ،

پس قبول نہ ہو گا اس کا قول جیسا کہ جب دعویٰ کرے افلاس کا اور اس پر سامان کا ثمن ہو، تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ معلوم ہو وہ جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے

فَإِذَا عُلِمَ الْهَلَاكُ سَقَطَ عَنْهُ رَدُّهُ فَيَلْزَمُهُ رَدُّ بَدَلِهِ وَهُوَ الْقِيمَةُ. {2} قَالَ

پس اگر معلوم ہوا ہلاک ہونا تو ساقط ہوا اس سے اس کو ردّ کرنا، پس لازم ہو گا اس پر واپس کرنا اس کا بدل، اور وہ قیمت ہے۔ فرمایا:

وَالْغَصْبُ فِيمَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ ؛ لِأَنَّ الْغَصْبَ بِحَقِيقَتِهِ يَتَحَقَّقُ فِيهِ دُونَ غَيْرِهِ؛

اور غصب اس شئ میں ہوتا ہے جو منتقل اور محوّل ہوتا ہے؛ کیونکہ غصب اپنی حقیقت کے اعتبار سے متحقق ہوتا ہے منقول میں نہ غیر میں؛

لِأَنَّ إِزَالَةَ الْيَدِ بِالنَّقْلِ. {3} وَإِذَا غَصَبَ عَقَارًا فَهَلَكَ فِي يَدِهِ لَمْ يَضْمَنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اس لیے قبضہ زائل کرنا نقل سے ہوتا ہے۔ اور اگر غصب کیا عقار، پھر ہلاک ہو گیا وہ اس کے قبضہ میں، تو ضامن نہ ہو گا اس کا، اور یہ امام صاحب

وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَضْمَنُهُ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلُ ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے: ضامن ہو گا اس کا، اور یہی امام ابو یوسفؒ کا اول قول ہے، اور اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں

لِتَحَقُّقِ إثْبَاتِ الْيَدِ ، وَمِنْ ضَرُورَتِهِ زَوَالُ يَدِ الْمَالِكِ لِاسْتِحَالَةِ اجْتِمَاعِ الْيَدَيْنِ عَلَى مَحَلٍّ وَاحِدٍ
اثباتِ قبضہ متحقق ہونے کی وجہ سے، اور اس کے لوازم میں سے زائل ہونا ہے مالک کا قبضہ؛ اجتماعِ یدین کے محال ہونے کی وجہ سے محل واحد پر

فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ فَيَتَحَقَّقُ الْوَصْفَانِ وَهُوَ الْغَصْبُ. عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالْمَنْقُولِ وَجُحُودِ الْوَدِيعَةِ.
حالتِ واحدہ میں، پس متحقق ہو گئے دونوں وصف، اور وہ غصب ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو، پس ہو گیا جیسے منقول اور انکارِ ودیعت۔

{4} وَلَهُمَا أَنَّ الْغَصْبَ إثْبَاتُ الْيَدِ بِإِزَالَةِ يَدِ الْمَالِكِ بِفِعْلٍ فِي الْعَيْنِ ، وَهَذَا لَا يُتَصَوَّرُ فِي الْعَقَارِ؛
اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ غصب اثباتِ قبضہ ہے مالک کا قبضہ زائل کرنے سے عینِ شئی میں کسی فعل کے ساتھ، اور یہ متصور نہیں عقار میں

لِأَنَّ يَدَ الْمَالِكِ لَا تَزُولُ إلَّا بِإِخْرَاجِهِ عَنْهَا ، وَهُوَ فِعْلٌ فِيهِ لَا فِي الْعَقَارِ فَصَارَ كَمَا إذَا
کیونکہ مالک کا قبضہ زائل نہیں ہوتا ہے مگر اس کو عقار سے نکالنے کے ساتھ اور اخراج فعل ہے مالک میں نہ کہ عقار میں پس ہو گیا جیسا کہ جب

بَعُدَ الْمَالِكُ عَنِ الْمَوَاشِي .وَفِي الْمَنْقُولِ : النَّقْلُ فِعْلٌ فِيهِ وَهُوَ الْغَصْبُ .{5} وَمَسْأَلَةُ الْجُحُودِ مَمْنُوعَةٌ،
دور کر دیا جائے مالک کو مویشی سے، اور منقول میں نقل کرنا فعل ہے اسی میں، اور یہی غصب ہے، اور انکارِ ودیعت کا مسئلہ ممنوع ہے،

وَلَوْ سُلِّمَ فَالضَّمَانُ هُنَاكَ بِتَرْكِ الْحِفْظِ الْمُلْتَزَمِ وَبِالْجُحُودِ تَارِكٌ لِذَلِكَ.
اور اگر تسلیم کیا جائے تو ضمان وہاں اس حفاظت کو ترک کرنے سے ہے جس کا التزام کیا تھا، اور انکار سے ترک کرنے والا ہوا اسی کا۔

{6} قَالَ : وَمَا نَقَصَهُ مِنْهُ بِفِعْلِهِ أَوْ سُكْنَاهُ ضَمِنَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ؛ لِأَنَّهُ إتْلَافٌ
فرمایا: اور جو نقص ہو جائے عقار سے اس کے فعل یا اس کی سکونت سے، تو وہ ضامن ہو گا اس کا سب کے قول میں؛ کیونکہ یہ تلف کرنا ہے،

وَالْعَقَارُ يُضْمَنُ بِهِ كَمَا إذَا نَقَلَ تُرَابَهُ ؛ لِأَنَّهُ فِعْلٌ فِي الْعَيْنِ وَيَدْخُلُ فِيمَا
اور عقار کا ضمان ہوتا ہے اتلاف کی وجہ سے جیسا کہ جب نقل کی جائے اس کی مٹی؛ کیونکہ یہ فعل ہے عینِ عقار میں، اور داخل ہے اس میں

قَالَهُ إذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ بِسُكْنَاهُ وَعَمَلِهِ ،{7} فَلَوْ غَصَبَ دَارًا وَبَاعَهَا وَسَلَّمَهَا
جو ماتنؒ نے کہا ہے جب مکان منہدم ہو جائے اس کی سکونت اور اس کے عمل سے، اور اگر غصب کیا مکان، اور فروخت کیا اس کو، اور سپرد کر دیا،

وَأَقَرَّ بِذَلِكَ وَالْمُشْتَرِي يُنْكِرُ غَصْبَ الْبَائِعِ وَلَا بَيِّنَةَ لِصَاحِبِ الدَّارِ فَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي الْغَصْبِ هُوَ الصَّحِيحُ
اور اقرار کیا اس کا، اور مشتری منکر ہے غصبِ بائع کا، اور گواہ نہیں صاحبِ مکان کے پاس، تو یہ اسی اختلاف پر ہے جو غصب میں ہے، یہی صحیح ہے۔

تشریح:۔ {1} غاصب پر واجب یہ ہے کہ مغصوب چیز اسی جگہ واپس کر دے جہاں سے اسے غصب کیا تھا؛ کیونکہ جگہوں کے مختلف ہونے سے قیمتوں میں اختلاف ہو جاتا ہے اس لیے غصب کی جگہ میں ہی واپس کرنا واجب ہے۔ پھر اگر غاصب نے دعویٰ کیا کہ مال

مغصوب تلف ہو گیا تو حاکم اس کو قید خانہ میں رکھے گا یہاں تک کہ یہ بات ظاہر ہو کہ اگر وہ چیز باقی ہوتی تو غاصب اس کو ظاہر کر دیتا یعنی اس قید کی مشقت سے چھوٹنے کے لیے ضرور ظاہر کرتا، پس اپنی رائے سے اتنی مدت تک قید رکھے، یا غاصب اس کے تلف ہو جانے پر گواہ قائم کرے پھر قاضی اس غاصب پر مالِ مغصوب کے عوض کا حکم کرے؛ قید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ غاصب پر بعینہ مالِ مغصوب واپس کرنا واجب تھا اور تلف ہونا ایک امر عارضی ہے پس وہ ایک ایسے امر عارضی کا دعوی کرتا ہے جو ظاہر کے خلاف ہے تو فقط اس کا قول قبول نہ ہو گا اس لیے اسے قید کیا جائے گا جیسے کسی خریدار نے جس پر مبیع کا ثمن واجب ہے اپنے مفلس ہونے کا دعوی کیا تو فقط اس کا دعوی قبول نہیں ہوتا بلکہ وہ قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ جو دعوی کرتا ہے وہ معلوم ہو جائے، اسی طرح غاصب کا دعوی قبول نہ ہو گا بلکہ قید کیا جائے گا، پھر جب معلوم ہو گیا کہ مالِ مغصوب تلف ہو گیا ہے تو عینِ مغصوب واپس کرنا اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا اس لیے اب اس کا عوض واپس کرنا لازم ہو گا اور وہ مغصوب چیز کی قیمت ہے۔

{2} واضح رہے کہ غصب فقط ایسی چیزوں میں متحقق ہوتا ہے جن کو منتقل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنا ممکن ہو؛ کیونکہ در حقیقت غصب ایسی ہی منقولی چیزوں میں متحقق ہوتا ہے اور غیر منقولی چیزوں میں متحقق نہیں ہوتا؛ کیونکہ مغصوب چیز سے مالک کا قبضہ زائل کرنا اسے منتقل کرنے کے ذریعہ سے ہوتا ہے، لہٰذا زمین، درخت اور عمارت وغیرہ کا غصب متحقق نہ ہو گا؛ کیونکہ ان کا انتقال ممکن نہیں لہٰذا ان سے مالک کی ملکیت بھی زائل نہ ہو گی۔

{3} اگر کسی نے عقار (غیر منقولی جائیداد) غصب کیا اور وہ اس کے قبضہ میں تلف ہوا مثلاً کوئی زمین غصب کی جو دریا میں ڈوب گئی یا عمارت غصب کی جو منہدم ہو گئی تو شیخینؒ کے نزدیک غاصب اس کا ضامن نہ ہو گا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضامن ہو گا اور یہی امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول تھا اور اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں؛ کیونکہ غاصب کی طرف سے اپنا قبضہ ثابت کرنا پایا گیا اور یہ لازمی طور پر مستلزم ہے کہ اس سے مالک کا قبضہ زائل ہو؛ کیونکہ یہ امر محال ہے کہ ایک چیز پر ایک ہی حالت میں دو مختلف قبضے جمع ہوں پس یہاں دونوں وصف پائے گئے یعنی غاصب کا قبضہ قائم ہونا اور مالک کا قبضہ زائل ہونا دونوں پائے گئے اور یہی غصب ہے چنانچہ ہم نے "کتاب الغصب" کے شروع میں بیان کر دیا تو دونوں وصف متحقق ہونے میں عقار کا حکم ایسا ہو گیا جیسے مال منقول کو غصب کرنا یا ودیعت رکھے ہوئے عقار سے انکار کرنا کہ ان دونوں صورتوں میں غاصب ضامن ہو گا تو اسی طرح عقار کو غصب کرنے کی صورت میں بھی ضامن ہو گا۔

{4} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مالِ عین میں کوئی ایسا فعل کرے کہ جس سے مالک کا قبضہ زائل ہو کر غاصب کا قبضہ قائم ہو تو وہ غصب ہے اور یہ بات عقار میں متصور نہیں؛ کیونکہ عقار کے مالک کا قبضہ زائل نہیں ہوتا مگر یہ کہ مالک کو عقار سے خارج

کر دیا جائے، مگر ظاہر ہے کہ یہ فعل عقار کے اندر نہیں بلکہ مالک کے اندر ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے مویشیوں کے گلہ سے اس کے مالک کو دور ہٹا دیا جائے تو اگر اس صورت میں گلہ تلف ہوا تو یہ غصب نہیں ہے اسی طرح عقار سے مالک کو دور کرنا بھی غصب نہ ہو گا۔ باقی مالِ منقول کا حکم اس کے بر خلاف ہے؛ کیونکہ مالِ منقول کو منتقل کرنا اس مال کے اندر ہی ایک فعل ہے اور یہی غصب ہوتا ہے۔

{5} رہا ودیعت رکھے عقار سے انکار کا مسئلہ تو وہ ممنوع ہے یعنی اگر کسی کے پاس عقار ودیعت رکھا گیا پھر وہ ودیعت سے منکر ہوا تو اصح قول پر بالاتفاق ضامن نہ ہو گا، لہٰذا اس کے ضامن ہونے کا حکم ممنوع ہے، اور اگر ہم اس کے ضامن ہونے کو مان لیں تو بھی ودیعت کی صورت میں تاوان اس وجہ سے لازم آتا ہے کہ جس حفاظت کا اس نے التزام کیا تھا وہ اس نے چھوڑ دی اور ودیعت سے انکار کرنے میں یہی ترکِ حفاظت لازم آتا ہے جس کا اس نے التزام کیا تھا اس لیے ضامن ہو گا۔

فتوی:۔وقف عقار میں امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: ( وَالْغَصْبُ ) إنَّمَا يَتَحَقَّقُ ( فِيمَا يُنْقَلُ فَلَوْ أَخَذَ عَقَارًا وَهَلَكَ فِي يَدِهِ ) بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ كَغَلَبَةِ سَيْلٍ ( لَمْ يَضْمَنْ ) خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَبِقَوْلِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ وَبِهِ يُفْتَى فِي الْوَقْفِ ذَكَرَهُ الْعَيْنِيُّ .وَذَكَرَ ظَهِيرُ الدِّينِ فِي فَتَاوِيهِ الْفَتْوَى فِي غَصْبِ الْعَقَارِ وَالدُّورِ الْمَوْقُوفَةِ بِالضَّمَانِ ، وَأَنَّ الْفَتْوَى فِي غَصْبِ مَنَافِعِ الْوَقْفِ بِالضَّمَانِ . (الدّر المختار علی هامش ردّ المحتار:131/5)اور غیر وقف میں شیخین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المنتقی:خلافاً لمحمدٍ و بقوله قالت الائمة الثلاثة وبه يفتى فى الوقت وبقولهما فى غيرالوقف(الدّر المنتقى تحت مجمع الانهر:81/4)

{6} مغصوب عقار میں سے جو کچھ غاصب کے فعل یا اس کی سکونت سے نقصان آیا تو ائمہ ثلاثہ اور امام شافعیؒ سب کے نزدیک غاصب ضامن ہو گا؛ کیونکہ یہ تلف کرنا ہوا اور تلف کرنے کی وجہ سے عقار کا ضمان واجب ہوتا ہے جیسے عقار کی مٹی منتقل کر دے تو ضامن ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ اس عینِ عقار کے اندر اپنا فعل ہے جو اس نے کر دیا اس لیے ضامن ہو گا۔ اور نقصان دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ پہلے کتنے میں فروخت ہوتا اور نقصان کے بعد کتنے میں فروخت ہوتا ہے اور جو کچھ فرق ہو یہی نقصان ہے۔

اور امام قدوریؒ کے مذکورہ قول میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ غاصب کی سکونت سے یا اس کے فعل سے مغصوبہ دار منہدم ہو گیا تو غاصب ضامن ہو گا۔

{7} اور اگر غاصب نے دار غصب کر کے فروخت کیا اور مشتری کے سپرد کر دیا پھر اس کے غصب کا اقرار کیا حالانکہ مشتری اس امر سے منکر ہے کہ بائع نے غصب کیا ہے اور مالک مکان کے پاس گواہ نہیں ہیں کہ یہ دار میری ملک ہے تو اس میں وہی

اختلاف ہے جو غصب میں مذکور ہوا یعنی شیخین کے نزدیک عقار میں غصب نہیں تو بائع ضامن نہ ہو گا اور امام محمدؒ، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ضامن ہو گا، اور یہی صحیح ہے کہ ائمہ کے درمیان اس صورت میں اختلاف ہے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا انْتَقَصَ بِالزِّرَاعَةِ يَغْرَمُ النُّقْصَانَ ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ الْبَعْضَ فَيَأْخُذُ رَأْسَ مَالِهِ
فرمایا: اور اگر ناقص ہو گئی زمین زراعت سے، تو وہ تاوان ادا کرے گا نقصان کا؛ کیونکہ اس نے تلف کیا بعض کو، تو وہ لے لے اپنا راس المال

وَيَتَصَدَّقُ بِالْفَضْلِ .قَالَ : وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يَتَصَدَّقُ بِالْفَضْلِ،
اور صدقہ کر دے زائد۔ مصنفؒ فرماتے ہیں: یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے صدقہ نہ کرے زائد،

وَسَنَذْكُرُ الْوَجْهَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ .{2} قَالَ : وَإِذَا هَلَكَ النَّقْلِيُّ فِي يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِهِ أَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهِ
اور ہم عنقریب بیان کریں گے وجہ جانبین کی۔ فرمایا: اور اگر ہلاک ہو گئی منقولی چیز غاصب کے قبضہ میں اس کے عمل سے یا بغیر اس کے عمل کے

ضَمِنَهُ وَفِي أَكْثَرِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ : وَإِذَا هَلَكَ الْغَصْبُ وَالْمَنْقُولُ هُوَ الْمُرَادُ لِمَا سَبَقَ أَنَّ الْغَصْبَ
تو وہ اس کا ضامن ہو گا، اور مختصر کے اکثر نسخوں میں "وَإِذَا هَلَكَ الْغَصْبُ" ہے، اور منقول ہی مراد ہے؛ کیونکہ گذر چکا کہ غصب

فِيمَا يُنْقَلُ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ دَخَلَ فِي ضَمَانِهِ بِالْغَصْبِ السَّابِقِ إِذْ هُوَ السَّبَبُ،
منقول میں ہوتا ہے، اور یہ اس لیے کہ عین داخل ہو گیا اس کے ضمان میں سابق غصب کی وجہ سے؛ اس لیے کہ غصب ہی سبب ہے،

وَعِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ رَدِّهِ يَجِبُ الْقِيمَةُ أَوْ يَتَقَرَّرُ بِذَلِكَ السَّبَبُ وَلِهَذَا تُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ
اور بوقتِ عجز اس کے واپس کرنے سے واجب ہوتا ہے قیمت واپس کرنا، یا متقرر ہو جاتا ہے اس سے سبب، اسی لیے معتبر ہو گی اس کی قیمت

يَوْمَ الْغَصْبِ .{3} وَإِنْ نَقَصَ فِي يَدِهِ ضَمِنَ النُّقْصَانَ ؛ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ جَمِيعُ أَجْزَائِهِ فِي ضَمَانِهِ
غصب کے دن کی۔ اور اگر ناقص ہوا اس کے قبضہ میں تو ضامن ہو گا نقصان کا؛ کیونکہ داخل ہو گئے اس کے تمام اجزاء اس کے ضمان میں

بِالْغَصْبِ ، فَمَا تَعَذَّرَ رَدُّ عَيْنِهِ يَجِبُ رَدُّ قِيمَتِهِ ، بِخِلَافِ تَرَاجُعِ السِّعْرِ إِذَا رُدَّ
غصب کی وجہ سے، تو جس کا عین رد کرنا متعذر ہو واجب ہو گا اس کی قیمت رد کرنا، برخلاف بھاؤ گھٹ جانے کے جب رد کیا جائے مغصوب

فِي مَكَانِ الْغَصْبِ؛ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ فُتُورِ الرَّغَبَاتِ دُونَ فَوْتِ الْجُزْءِ ،{4} وَبِخِلَافِ الْمَبِيعِ ؛ لِأَنَّهُ ضَمَانُ عَقْدٍ،
غصب کی جگہ میں؛ کیونکہ بھاؤ گھٹ جانا عبارت ہے فتورِ رغبات سے نہ کہ فوتِ جزء سے، اور برخلاف مبیع کے؛ کیونکہ یہ ضمانِ عقد ہے؛

أَمَّا الْغَصْبُ فَقَبْضٌ وَالْأَوْصَافُ تُضْمَنُ بِالْفِعْلِ لَا بِالْعَقْدِ عَلَى مَا عُرِفَ .{5} قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:
رہا غصب تو وہ ضمانِ قبض ہے، اور اوصاف کی ضمانت فعل کی وجہ سے ہوتی ہے نہ عقد کی وجہ سے جیسا کہ معلوم ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں:

وَمُرَادُهُ غَيْرُ الرِّبَوِيِّ ، أَمَّا فِي الرِّبَوِيَّاتِ لَا يُمْكِنُهُ تَضْمِينُ النُّقْصَانِ مَعَ اسْتِرْدَادِ الْأَصْلِ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى الرِّبَا.

کہ مراد غیر سودی مال ہے، رہے سودی اموال تو ممکن نہیں نقصان کا ضامن بنانا اصل واپس کرنے کے ساتھ؛ کیونکہ یہ مفضی ہوگا سود کو۔

{6}قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَاسْتَغَلَّهُ فَنَقَصَتْهُ الْغَلَّةُ فَعَلَيْهِ النُّقْصَانُ؛

فرمایا: اور جس نے غصب کیا غلام، پس اس کو مزدوری پر دیا، پھر اس کو ناقص کر دیا مزدوری کے کام نے، تو اس پر واجب ہوگا نقصان؛

لِمَا بَيَّنَّا ، وَيَتَصَدَّقُ بِالْغَلَّةِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهَذَا عِنْدَهُمَا أَيْضًا .وَعِنْدَهُ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور صدقہ کر دے اجرت کو۔ مصنف فرماتے ہیں یہ بھی طرفینؒ کے نزدیک ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

لَا يَتَصَدَّقُ بِالْغَلَّةِ ،{7}وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أَجَّرَ الْمُسْتَعِيرُ الْمُسْتَعَارَ .لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ حَصَلَ

صدقہ نہیں کرے گا پیداوار کو، اور اسی اختلاف پر ہے جب اجارہ پر دے مستعیر مستعار کو؛ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت حاصل ہوگئی

فِي ضَمَانِهِ وَمِلْكِهِ .أَمَّا الضَّمَانُ فَظَاهِرٌ ، وَكَذَا الْمِلْكُ ؛ لِأَنَّ الْمَضْمُونَاتِ تُمْلَكُ

اس کے ضمان اور ملک میں، بہر حال ضمان تو ظاہر ہے، اور اسی طرح ملک مضمون میں؛ اس لیے کہ مضمون چیزیں مملوک ہو جاتی ہیں

بِأَدَاءِ الضَّمَانِ مُسْتَنِدًا عِنْدَنَا .{8}وَلَهُمَا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبٍ خَبِيثٍ

ضمان ادا کرنے سے منسوب ہو کر وقتِ غصب کی طرف ہمارے نزدیک۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اجرت حاصل ہوگئی ہے خبیث سبب سے،

وَهُوَ التَّصَرُّفُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ ، وَمَا هَذَا حَالُهُ فَسَبِيلُهُ التَّصَدُّقُ ، إِذِ الْفَرْعُ يَحْصُلُ عَلَى وَصْفِ الْأَصْلِ

اور وہ تصرف ہے غیر کی ملک میں، اور جس کا یہ حال ہو اس کی راہ تصدق ہے؛ اس لیے کہ فرع حاصل ہوتی ہے وصفِ اصل پر،

وَالْمِلْكُ الْمُسْتَنِدُ نَاقِصٌ فَلَا يَنْعَدِمُ بِهِ الْخُبْثُ .

اور منسوب ملک ناقص ہوتی ہے، پس معدوم نہ ہوگا اس سے خبث۔

تشریح:۔{1} اگر غاصب کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو غاصب مالک کے لیے اس نقصان کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ غاصب نے بعض (بقدر نقصان) کو تلف کر دیا پس غاصب اپنا رأس المال (بیج اور ادا کردہ تاوان) لے لے اور اس سے زائد پیداوار کو صدقہ کر دے ۔صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ طرفینؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زیادتی کو صدقہ نہیں کرے گا اور دونوں جانب کی دلیل کو ہم آگے "وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَاسْتَغَلَّهُ" کے تحت ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

فتویٰ:۔ مولانا مفتی غلام قادر نعمانی دامت برکاتہم نے طرفین رحمہما اللہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: القول الراجح هو قول الطرفين؛لانه اذا كان مع الامام احد من صاحبيه فقولهما راجح الخ (القول الراجح:2/260)

{2} اور اگر غاصب کے قبضہ میں مال منقول تلف ہوا خواہ اس کے فعل سے تلف ہو یا اس کے فعل کے بغیر تلف ہو بہر حال وہ اس کا ضامن ہو گا۔ اور قدوری کے اکثر نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ "مالِ مغصوب تلف ہوا" اور مراد یہی ہے کہ مال منقول میں سے جو غصب کیا تھا وہ تلف ہوا؛ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا کہ غصب ایسے ہی مال میں متحقق ہوتا ہے جو منقول ہو، اور ضامن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہلاک ہونے سے سابق غصب کی وجہ سے یہ مال اس کی ضمانت میں داخل ہو گیا؛ کیونکہ غصب ہی اس کا سبب ہے اور جب اس کی واپسی سے عاجز ہوا تو اس کی قیمت واپس کرنا واجب ہوا، یا جو لوگ کہتے ہیں کہ قیمت ہی واپس کرنا اصل ہے تو تلف ہونے سے یہ سبب متقرر ہو گیا اور چونکہ غصبِ سابق ہی اسکا سبب ہوتا ہے اس لیے وہ قیمت معتبر ہوتی ہے جو غصب کے دن تھی۔

{3} اور اگر یہ مال مغصوب تلف نہ ہوا بلکہ اس کے قبضہ میں ناقص اور عیب دار ہو گیا تو نقصان کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ غصب کی وجہ سے اس چیز کے تمام اجزاء اس کی ضمانت میں داخل ہو چکے ہیں تو جس جزء کو بعینہ واپس کرنا متعذر ہو اس کی قیمت واپس کرنا واجب ہو گا۔ اس کے بر خلاف اگر مغصوب چیز کا بھاؤ گھٹ گیا حالانکہ مال جہاں غصب کیا تھا وہیں واپس کیا تو بالاتفاق نقصان کا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ بھاؤ گھٹنے کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کی رغبتیں اس چیز کے بارے میں سست ہو گئیں یہ معنی نہیں کہ اس چیز میں سے کوئی جزء تلف ہو گیا اس لیے اس صورت میں غاصب ضامن نہ ہو گا۔

{4} اور مبیع کا حکم اس کے بر خلاف ہے یعنی اگر بائع کے پاس مبیع کا کوئی وصف ناقص ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ ثمن دینا عقد کا ضمان ہے اور غصب کرنے میں ضمان قبضہ کا ہے اور اوصاف کا ضمان فعل (قبضہ) کی وجہ سے لازم آتا ہے عقد کی وجہ سے لازم نہیں آتا ہے جیسا کہ "کِتَابُ البَیعِ" میں معلوم ہو چکا ہے کہ اوصاف کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتا ہے اور "کِتَابُ الغَصب" میں معلوم ہوا کہ عین مغصوب میں غاصب کے فعل سے تاوان واجب ہوتا ہے۔

{5} صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ یہاں ضمانِ نقصان سے امام قدوری کی مراد ایسے اموال کا نقصان ہے جن میں سود جاری نہیں ہوتا ہے اور اگر سود والے اموال ہوں تو اصل واپس کرنے کے ساتھ نقصان کا تاوان لینا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے سود لازم آئے گا؛ کیونکہ سودی اموال میں کھرا اور کھوٹا برابر ہوتا ہے لہذا ناقص واپس کر کے اس کے ساتھ نقصان کا ضمان بھی واپس کرنے سے سود لازم آتا ہے۔

{6} اگر کسی نے دوسرے کا غلام غصب کر کے اس کو اجرت پر کام میں لگا دیا پھر اجارہ کے کام سے غلام میں کوئی نقصان آیا تو غاصب پر اس نقصان کا ضمان واجب ہو گا؛ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ غصب کی وجہ سے اس کے تمام اجزاء غاصب کی ضمانت میں داخل ہو جاتے ہیں تو جو اجزاء کم ہو گئے ان کا ضامن ہو گا۔ اور غاصب اس کی جو اجرت حاصل کرے اس کو صدقہ کر دے۔ صاحبِ

ہدایہ "فرماتے ہیں کہ یہ طرفین کا قول ہے، اور امام ابو یوسف" کے نزدیک اجرت کو صدقہ نہیں کرے گا، طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے وجہ ترجیح گذر چکی۔

{7} اسی طرح اگر مستعیر نے مستعار چیز کو اجارہ پر دے کر اجرت حاصل کی تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف" کے نزدیک مستعیر کو یہ اجرت حلال ہے اور طرفین" کے نزدیک حلال نہیں ہے اس لیے اسے صدقہ کر دے۔ امام ابو یوسف" کی دلیل یہ ہے کہ مال مغصوب غاصب کی ضمانت وملکیت میں آگیا، ضمانت میں آنا تو ظاہر ہے کہ مغصوب چیز غاصب کی ضمانت میں ہوتی ہے، اور اسی طرح مضمون چیز کی ملکیت بھی ظاہر ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ اصول ہے کہ مضمون چیزیں اداءِ ضمانت سے اس وقت سے غاصب کی ملکیت میں آجاتی ہیں جس وقت کہ غصب واقع ہوا تھا، تو جب وہ ضمان ادا کرنے سے مضمون چیز کا مالک ٹھہرا تو اس نے جو کچھ کرایہ کمایا وہ اس کے لیے حلال ہے۔

{8} طرفین" کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ اجرت ایک خبیث ذریعہ سے حاصل ہوئی اور خبیث ذریعہ اس لیے ہے کہ دوسرے کی ملکیت میں اس نے تصرف کیا اور جو مال ایسے ذریعہ سے حاصل ہو اس کا حکم یہی ہے کہ اسے صدقہ کر دے؛ کیونکہ اصل کی جو صفت ہے فرع اسی صفت پر حاصل ہوگی یعنی جیسے مغصوب غلام حرام ہے جو کہ اصل ہے ویسے ہی اس کا کمایا ہوا کرایہ بھی حرام ہے جو اس کی فرع ہے، اور غاصب کی مِلک جو وقتِ غصب کی طرف منسوب ہے یہ مِلک ناقص ہے؛ کیونکہ من وجہ ثابت اور من وجہ ثابت نہیں ہے لہٰذا اس سے خبث دور نہ ہوگا، طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے وجہ ترجیح گذر چکی کہ امام صاحب" کے ساتھ جب صاحبین میں سے کوئی ایک ہو تو وہی قول راجح ہوتا ہے۔

{1} فَلَوْ هَلَكَ الْعَبْدُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ حَتَّى ضَمِنَهُ لَهُ أَنْ يَسْتَعِينَ بِالْغَلَّةِ فِي أَدَاءِ الضَّمَانِ؛ لِأَنَّ الْخَبَثَ لِأَجْلِ الْمَالِكِ،
پس اگر ہلاک ہوا غلام غاصب کے ہاتھ میں حتیٰ کہ وہ ضامن ٹھہرا اس کا، تو وہ مدد لے سکتا ہے اجرت سے اداءِ ضمان میں؛ کیونکہ خبث تو مالک کی وجہ سے تھا

وَلِهَذَا لَوْ أَدَّى إِلَيْهِ يُبَاحُ لَهُ التَّنَاوُلُ فَيَزُولُ الْخَبَثُ بِالْأَدَاءِ إِلَيْهِ ، بِخِلَافِ مَا
یہی وجہ ہے کہ اگر وہ ادا کر دے مالک کو تو مباح ہوگا اس کے لیے لینا، پس زائل ہو جائے گا خبث اس کو ادا کرنے سے، برخلاف اس کے

إِذَا بَاعَهُ فَهَلَكَ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي ثُمَّ اُسْتُحِقَّ وَغَرِمَهُ لَيْسَ لَهُ
جب فروخت کر دے اس کو، پس وہ ہلاک ہو جائے مشتری کے ہاتھ میں، پھر اس کا مستحق نکل آئے اور تاوان دے مشتری، تو بائع کے لیے جائز نہیں

أَنْ يَسْتَعِينَ بِالْغَلَّةِ فِي أَدَاءِ الثَّمَنِ إِلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْخَبَثَ مَا كَانَ لِحَقِّ الْمُشْتَرِي {2} إِلَّا إِذَا كَانَ لَا يَجِدُ غَيْرَهُ ؛
کہ مدد لے اجرت سے اس کو ثمن ادا کرنے میں؛ کیونکہ خبث مشتری کے حق کی وجہ سے نہیں تھا، مگر جب بائع نہ پائے اس کے علاوہ؛

لِأَنَّهُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ ، وَلَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ ، فَلَوْ أَصَابَ مَالًا تَصَدَّقَ بِمِثْلِهِ إِنْ كَانَ غَنِيًّا
کیونکہ وہ محتاج ہے اس کی طرف، تو وہ صرف کر سکتا ہے اس کو اپنی حاجت میں، پھر جب مال ملے تو صدقہ کرے اس کا مثل اگر وہ غنی ہو
وَقْتَ الِاسْتِعْمَالِ ، وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا ذَكَرْنَا .{3}قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ أَلْفًا
استعمال کے وقت، اور اگر فقیر ہو تو کچھ نہیں اس پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔ فرمایا: اور جس نے غصب کیے ہزار درہم،
فَاشْتَرَى بِهَا جَارِيَةً فَبَاعَهَا بِأَلْفَيْنِ ثُمَّ اشْتَرَى بِالْأَلْفَيْنِ جَارِيَةً فَبَاعَهَا بِثَلَاثَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ
پھر خرید لی اس سے باندی، اور فروخت کر دیا اس کو دو ہزار میں، پھر خرید لی دو ہزار کے عوض ایک باندی، اور فروخت کر دیا اس کو تین ہزار درہم میں،
فَإِنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِجَمِيعِ الرِّبْحِ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا؛ وَأَصْلُهُ أَنَّ الْغَاصِبَ أَوِ الْمُودَعَ إِذَا تَصَرَّفَ فِي الْمَغْصُوبِ أَوِ الْوَدِيعَةِ
تو وہ صدقہ کر دے پورا نفع، اور یہ طرفین ؒ کے نزدیک ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ غاصب اور مودَع جب تصرف کرے مغصوب یا ودیعت میں،
وَرَبِحَ لَا يَطِيبُ لَهُ الرِّبْحُ عِنْدَهُمَا ، خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ ، وَقَدْ مَرَّتِ الدَّلَائِلُ
اور نفع حاصل کرے، تو حلال نہیں اس کے لیے نفع طرفین ؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام ابو یوسف ؒ کا، اور گذر چکے ہیں دلائل،
{4}وَجَوَابُهُمَا فِي الْوَدِيعَةِ أَظْهَرُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَسْتَنِدُ الْمِلْكُ إِلَى مَا قَبْلَ التَّصَرُّفِ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الضَّمَانِ
اور طرفین ؒ کا جواب ودیعت میں زیادہ ظاہر ہے؛ کیونکہ منسوب نہیں ہوتی ہے ملک تصرف سے ماقبل کی طرف؛ سببِ ضمان نہ ہونے کی وجہ سے،
فَلَمْ يَكُنِ التَّصَرُّفُ فِي مِلْكِهِ{5}ثُمَّ هَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا يَتَعَيَّنُ بِالْإِشَارَةِ ، أَمَّا فِيمَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالثَّمَنَيْنِ
پس یہ تصرف نہیں ہے اس کی ملک میں۔ پھر یہ ظاہر ہے ایسے مال میں جو متعین ہوتا ہے اشارہ سے، رہا وہ جو متعین نہیں ہوتا ہے جیسے ثمنین،
فَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ اشْتَرَى بِهَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ التَّصَدُّقَ إِنَّمَا يَجِبُ إِذَا اشْتَرَى بِهَا
تو ماتن ؒ کا قول کتاب میں "اشْتَرَى بِهَا" اشارہ ہے اس طرف کہ صدقہ کرنا اس وقت واجب ہو گا کہ خرید لے ان درہموں کے عوض
وَنَقَدَ مِنْهَا الثَّمَنَ . أَمَّا إِذَا أَشَارَ إِلَيْهَا وَنَقَدَ مِنْ غَيْرِهَا أَوْ نَقَدَ مِنْهَا وَأَشَارَ إِلَى غَيْرِهَا
اور ادا کر دے ان سے ثمن، رہا یہ کہ اشارہ کرے اُن کی طرف اور ادا کر دے ان کے غیر سے، یا ادا کر دے ان سے اور اشارہ کرے ان کے غیر کی طرف،
أَوْ أَطْلَقَ إِطْلَاقًا وَنَقَدَ مِنْهَا يَطِيبُ لَهُ ، وَهَكَذَا قَالَ الْكَرْخِيُّ ؛ لِأَنَّ الْإِشَارَةَ إِذَا كَانَتْ لَا تُفِيدُ التَّعْيِينَ
یا عقد کو مطلق رکھا اور ثمن ادا کیا ان سے، تو نفع حلال ہو گا اس کے لیے، اسی طرح کہا ہے امام کرخی ؒ نے؛ کیونکہ اشارہ جب مفید تعیین نہیں
لَا بُدَّ أَنْ يَتَأَكَّدَ بِالنَّقْدِ لِيَتَحَقَّقَ الْخُبْثُ .{6}وَقَالَ مَشَايِخُنَا : لَا يَطِيبُ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَضْمَنَ،
تو ضروری ہے کہ مؤکد ہو نقد سے تاکہ خبث متحقق ہو، اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے: حلال نہیں اس کے لیے ضمان دینے سے پہلے،

وَكَذَا بَعْدَ الضَّمَانِ بِكُلِّ حَالٍ ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِإِطْلَاقِ الْجَوَابِ فِي الْجَامِعَيْنِ وَالْمَبْسُوطِ. {7} قَالَ

اور اسی طرح ضمان دینے کے بعد ہر حال میں، اور یہی مختار ہے؛ جواب مطلق ہونے کی وجہ سے جامع صغیر و کبیر اور مبسوط میں۔ فرمایا:

وَإِنِ اشْتَرَى بِالْأَلْفِ جَارِيَةً تُسَاوِي أَلْفَيْنِ فَوَهَبَهَا أَوْ طَعَامًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَتَصَدَّقْ بِشَيْءٍ،

فرمایا: اور اگر خرید لی ہزار کے عوض ایسی باندی جو دو ہزار کے برابر ہے، پھر ہبہ کر دیا اس کو، یا اناج خریدا پھر کھا لیا، تو کچھ صدقہ نہ کرے،

وَهَذَا قَوْلُهُمْ جَمِيعًا ؛ لِأَنَّ الرِّبْحَ إِنَّمَا يَتَبَيَّنُ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ .

اور یہ ان سب کا قول ہے؛ کیونکہ نفع ظاہر ہوتا ہے اتحادِ جنس کے وقت۔

تشریح:۔ {1} پھر اگر غاصب کے پاس یہ غلام تلف ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس کا ضامن ٹھہرا یعنی اس کی قیمت کا تاوان دینا لازم ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ تاوان کی ادائیگی میں اس کرایہ سے مدد لے؛ کیونکہ کرایہ میں خبث تو مالک کی ملک کی وجہ سے تھا یہی وجہ ہے کہ اگر غاصب غلام کے ساتھ یہ کرایہ بھی مالک کو دیدے تو اس کرایہ سے مالک کو تناول کرنا مباح ہو جاتا ہے اگرچہ وہ غنی ہو پس اس کو ادا کرنے کی وجہ سے خبث دور ہو جاتا ہے اس لیے غاصب کے لیے اس کرایہ سے تاوان کی ادائیگی میں مدد لینا درست ہے۔ اس کے برخلاف اگر غاصب نے اس غلام کو فروخت کر دیا اور وہ مشتری کے قبضہ میں تلف ہو گیا پھر مالک نے اپنا استحقاق ثابت کیا اور مشتری سے اپنا تاوان لے لیا تو غاصب بائع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مشتری کا ثمن ادا کرنے میں اس کرایہ سے مدد لے؛ کیونکہ کرایہ میں جو خبث ہے وہ مشتری کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے مالک کی وجہ سے ہے لہٰذا مشتری کو ادا کرنے سے خبث دور نہ ہو گا۔

{2} البتہ اگر غاصب بائع کے پاس سوائے اس کرایہ کے اور کچھ نہ ہو تو بالفعل اس سے مشتری کا ثمن ادا کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں وہ اس کا محتاج ہے لہٰذا وہ اسے اپنی ذاتی ضرورت میں صرف کرے پھر جب کبھی اس کو مال ملے تو اس کا مثل صدقہ کر دے بشرطیکہ اپنی حاجت میں استعمال کرنے کے وقت وہ غنی ہو اور اگر اس وقت وہ فقیر تھا تو اس پر کچھ واجب نہیں؛ کیونکہ ہم ذکر کر چکے کہ وہ اس کا محتاج ہے۔

{3} اگر غاصب نے ہزار درہم غصب کر کے ان کے عوض ایک باندی خریدی پھر وہ دو ہزار درہم کے عوض فروخت کر دی پھر ان دو ہزار درہم کے عوض ایک باندی خرید کر تین ہزار درہم کے عوض فروخت کر دی تو وہ طرفینؒ کے نزدیک یہ سارا نفع صدقہ کر دے اور اس کی اصل یہ ہے کہ غاصب یا مستودع (کسی کی ودیعت اپنے پاس رکھنے والا) نے اگر مال مغصوب یا ودیعت میں تصرف

کیا اور نفع اٹھایا تو طرفین ؒ کے نزدیک یہ نفع اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ امام ابو یوسف ؒ کا اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک حلال ہے اور ہر ایک فریق کے دلائل سابق میں "وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَاسْتَغَلَّهُ" کے تحت ہم ذکر کر چکے۔

{4} اور ودیعت کی صورت میں طرفین ؒ کی دلیل واضح ہے؛ کیونکہ اس کی ملکیت کی نسبت تصرف سے پہلے کی طرف نہیں ہے جس طرح کہ غصب کی صورت میں اداءِ ضمان کے وقت ملکیت کی نسب تصرف سے پہلے کی طرف ہوتی ہے؛ کیونکہ ودیعت کی صورت میں ضمان نہیں لہٰذا اس کا اپنی ملک میں تصرف نہ ہو گا اس لیے یہ نفع خبیث ہو گا۔

{5} پھر نفع کا حلال نہ ہونا ایسے مال مغصوب میں ظاہر ہے جو اشارہ سے متعین ہو جاتا ہے، رہا ایسا مالِ مغصوب جو متعین نہیں ہوتا ہے جیسے دراہم اور دنانیر تو اس میں اختلاف ہے، پس کتاب (جامع صغیر) میں جو فرمایا کہ "انہیں درہموں کے عوض ایک باندی خریدی" تو یہ اشارہ ہے کہ نفع صدقہ کرنا جب ہی واجب ہو گا کہ جب انہیں درہموں کے عوض خریدے یعنی ان درہموں کی طرف اشارہ کرے اور ان سے ثمن ادا کر دے، ورنہ اگر ان درہموں کی جانب اشارہ کرے مگر ان درہموں کے علاوہ سے ادا کر دے، یا انہیں درہموں سے ادائیگی کر دے اور اشارہ ان کے غیر کی طرف کرے، یا بیع مطلق رکھے مثلاً کہے کہ "میں نے ہزار درہم کے عوض خریدی" مگر ثمن انہیں درہموں سے ادا کر دے تو ان تینوں صورتوں میں نفع اس کے لیے حلال ہو گا ایسا ہی امام کرخی ؒ نے ذکر کیا ہے یعنی یہ مشائخ عراق کا قول ہے؛ کیونکہ اشارہ سے جب تعین کا فائدہ نہیں ہوتا ہے تو اس کا وجود و عدم برابر ہیں، لہٰذا نجاست متحقق ہونے کے لیے ضروری ہوا کہ انہیں درہموں سے ادا کر کے اشارہ کو مؤکد کر دے۔ اور اسی قول کرخی ؒ پر فتویٰ ہے لما فی الدّر المنتقی: (و المختار انه لایطیب مطلقاً) لاطلاق المبسوط و الجامعین کما فی الهدایة والکافی وغیرهما، واختاره فخر الاسلام ،و لی البرجندی عن الفتاوی المنصوریة و هذا هو المختار للفتوی،و فی الذخیرة الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس وبه کان یفتی الامام ابو اللیث واعتمده فی التنویر و هذا کله علی قولهما،وعند ابی یوسف لایتصدق بشیٔ منه کما لو اختلف الجنس(الدّر المنتقی تحت مجمع الانهر:4/83)

{6} اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ خواہ ضمان دینے سے پہلے ہو یا ضمان دینے کے بعد ہو بہر حال کسی صورت میں اس کے لیے نفع حلال نہیں ہے اور یہی قول حکم مختار ہے؛ کیونکہ جامع صغیر، جامع کبیر اور مبسوط میں نفع نجس ہونے کا حکم مطلق ہے یعنی کسی صورت کا استثناء نہیں ہے۔

{7} اگر ان ہزار کے عوض ایک باندی خریدی جو دو ہزار قیمت کے برابر ہے پھر اسے کسی کو ہبہ کر دیا، یا کوئی اناج خریدا اور اس کو کھا لیا تو کچھ صدقہ نہ کرے اور یہ بالاتفاق سب کا قول ہے؛ کیونکہ نفع ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ جب جنس

شدہ ہو یعنی اگر یہ باندی یا یہ اناج درہموں سے فروخت کیا جاتا تو ہزار سے زیادتی کی صورت میں نفع ظاہر ہوتا اور وہ زیادتی حرام ہوتی حالانکہ یہاں فروخت نہیں ہوئی ہے اس لیے کچھ صدقہ نہ کرے۔

## فَصْلٌ فِي مَايَتَغَيَّرُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جو غاصب کے فعل سے متغیر ہو جائیں۔

مصنف "حقیقتِ غصب اور اس کے حکم (عینِ مغصوب، یا اس کا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنا) سے فارغ ہو گئے تو اس کے بعد ان چیزوں کو ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے مالک کی ملک زائل ہو جاتی ہے تو چونکہ یہ ایک عارض کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے اس کو مؤخر کر کے مستقل فصل کے تحت ذکر کیا ہے۔

{1}قَالَ : وَإِذَا تَغَيَّرَتِ الْعَيْنُ الْمَغْصُوبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتَّى زَالَ اسْمُهَا وَعِظَمُ مَنَافِعِهَا زَالَ

فرمایا: اور جب متغیر ہو جائے عینِ مغصوب غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ زائل ہوا اس کا نام اور اس کی بڑی منفعت، تو زائل ہو جائے گی

مِلْكُ الْمَغْصُوبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَضَمِنَهَا ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ الِانْتِفَاعُ بِهَا

مغصوب منہ کی ملک اس سے، اور مالک ہو جائے گا اس کا غاصب اور ضامن ہوگا اس کا، اور حلال نہ ہوگا اس کے لیے فائدہ حاصل کرنا اس سے

حَتَّى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا ، كَمَنْ غَصَبَ شَاةً وَذَبَحَهَا وَشَوَاهَا أَوْ طَبَخَهَا أَوْ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا

یہاں تک کہ ادا کر دے اس کا بدل، جیسے کوئی غصب کر دے بکری اور ذبح کر دے اس کو اور بھون لے اس کو یا پکالے، یا گندم، پس پیس دے اس کو،

أَوْ حَدِيدًا فَاتَّخَذَهُ سَيْفًا أَوْ صُفْرًا فَعَمِلَهُ آنِيَةً ، وَهَذَا كُلُّهُ عِنْدَنَا . {2}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَنْقَطِعُ

یا لوہا، پس بنادے اس سے تلوار، یا پیتل، پھر بنالے اس سے برتن، اور یہ سب ہمارے نزدیک ہے۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے: منقطع نہ ہوگا

حَقُّ الْمَالِكِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا اخْتَارَ أَخْذَ الدَّقِيقِ لَا يُضَمِّنُهُ النُّقْصَانَ عِنْدَهُ ؛

حقِ مالک، اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسفؒ سے، البتہ اگر وہ اختیار کر دے آٹا لینا تو نہیں لے سکتا ہے اس سے نقصان ان کے نزدیک؛

لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى الرِّبَا ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُضَمِّنُهُ ،{3}وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَزُولُ

کیونکہ یہ مفضی ہوگا ربا کو، اور امام شافعیؒ کے نزدیک ضمان لے سکتا ہے نقصان کا، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ زائل ہو جائے گی

مِلْكُهُ عَنْهُ لَكِنَّهُ يُبَاعُ فِي دَيْنِهِ وَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنَ الْغُرَمَاءِ بَعْدَ مَوْتِهِ.

اس کی ملک اس سے، لیکن یہ چیز فروخت کی جائے گی اس کے دَین میں، اور وہ زیادہ حقدار ہے اس کا قرضخواہوں سے غاصب کی موت کے بعد۔

{4}لِلشَّافِعِيِّ أَنَّ الْعَيْنَ بَاقٍ فَيَبْقَى عَلَى مِلْكِهِ وَتَتْبَعُهُ الصَّنْعَةُ كَمَا إذَا هَبَّتِ الرِّيحُ

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ عینِ مغصوب باقی ہے، پس باقی رہے گا اس کی مِلک پر، اور صنعت اس کے تابع ہو گی، جیسا کہ جب چلے ہوا

فِي الْحِنْطَةِ وَأَلْقَتْهَا فِي طَاحُونَةٍ فَطُحِنَتْ .وَلَا مُعْتَبَرَ بِفِعْلِهِ ؛ لِأَنَّهُ مَحْظُورٌ فَلَا يَصْلُحُ سَبَبًا

گندم میں اور ڈال دے اس کو دوسرے کی چکی میں، پس چکی اس کو پیس دے، اور اعتبار نہیں اس کے فعل کا؛ کیونکہ وہ ممنوع ہے، پس وہ سبب نہیں بن سکتا ہے

لِلْمِلْكِ عَلَى مَا عُرِفَ ، فَصَارَ كَمَا إذَا انْعَدَمَ الْفِعْلُ أَصْلًا وَصَارَ كَمَا إذَا ذَبَحَ الشَّاةَ الْمَغْصُوبَةَ وَسَلَخَهَا

مِلک کا جیسا کہ معلوم ہے، پس ہو گیا جیسا کہ معدوم ہو جائے فعل بالکل، اور ہو گیا جیسا کہ جب ذبح کر دے مغصوبہ بکری اور کھال اتار دے اس کی

وَأَرَّبَهَا .{5}وَلَنَا أَنَّهُ أَحْدَثَ صَنْعَةً مُتَقَوِّمَةً صَيَّرَ حَقَّ الْمَالِكِ هَالِكًا مِنْ وَجْهٍ

اور ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس کو۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے پیدا کر دی ایک قیمتی صنعت، پس اس نے کر دیا حقِ مالک کو میست و نابود من وجہ

أَلَا تَرَى أَنَّهُ تَبَدَّلَ الِاسْمُ وَفَاتَ مُعْظَمُ الْمَقَاصِدِ وَحَقُّهُ فِي الصَّنْعَةِ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَيَتَرَجَّحُ

کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بدل گیا اس کا نام، اور فوت ہو گئے بڑے مقاصد، اور اس کا حق قائم ہے صنعت میں ہر طرح سے، پس اس کو ترجیح ہو گی

عَلَى الْأَصْلِ الَّذِي هُوَ فَائِتٌ مِنْ وَجْهٍ ، وَلَا نَجْعَلُهُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ مِنْ حَيْثُ إنَّهُ مَحْظُورٌ ، بَلْ مِنْ حَيْثُ

اس اصل پر جو من وجہ فوت ہو چکی، اور ہم نہیں قرار دیتے ہیں اس کو مِلک کا سبب اس حیثیت سے کہ یہ ممنوع ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ

إنَّهُ إحْدَاثُ الصَّنْعَةِ ،بِخِلَافِ الشَّاةِ ؛لِأَنَّ اسْمَهَا بَاقٍ بَعْدَ الذَّبْحِ وَالسَّلْخِ ،{6} وَهَذَا الْوَجْهُ يَشْمَلُ الْفُصُولَ الْمَذْكُورَةَ

یہ پیدا کرنا ہے جدید صنعت، برخلاف بکری کے؛ کیونکہ اس کا نام باقی ہے ذبح اور کھال اتارنے کے بعد، اور یہ وجہ شامل ہے مسائلِ مذکورہ کو،

وَيَتَفَرَّعُ عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَاحْفَظْهُ .{7}وَقَوْلُهُ وَلَا يَحِلُّ لَهُ الِانْتِفَاعُ بِهَا حَتَّى

اور متفرع ہوتے ہیں اس پر دیگر مسائل، پس اس کو یاد رکھ۔ اور ماتن کا قول: "اور حلال نہیں غاصب کے لیے فائدہ اٹھانا اس سے یہاں تک کہ

يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ لَهُ ذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَزُفَرَ ، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

ادا کر دے اس کا بدل" استحسان ہے، اور قیاس یہ ہے کہ حلال ہو اس کے لیے، اور یہی حسنؒ اور زفرؒ کا قول ہے، اور اسی طرح مروی ہے امام صاحبؒ سے،

رَوَاهُ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ .وَوَجْهُهُ ثُبُوتُ الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ لِلتَّصَرُّفِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ وَهَبَهُ

روایت کیا ہے اس کو فقیہ ابو اللیثؒ نے، اور اس کی وجہ ثبوت ہے مِلکِ مطلق کا تصرف کے لیے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اگر وہ ہبہ کر دے اس چیز کو

أَوْ بَاعَهُ جَازَ .{8}وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {فِي الشَّاةِ الْمَذْبُوحَةِ الْمَصْلِيَّةِ بِغَيْرِ رِضَاءِ صَاحِبِهَا

یا فروخت کر دے تو جائز ہے۔ وجہ استحسان حضور ﷺ کا ارشاد ہے مذبوحہ اور بھونی گئی بکری کے بارے میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر

أَطْعِمُوهَا الْأُسَارَى } " أَفَادَ الْأَمْرُ بِالتَّصَدُّقِ زَوَالَ مِلْكِ الْمَالِكِ وَحُرْمَةَ الِانْتِفَاعِ لِلْغَاصِبِ قَبْلَ الْإِرْضَاءِ ، وَلِأَنَّ

تبدیلیوں کو "فائدہ دیا تصدق کے امر نے ملکِ مالک کے زوال اور رضا سے پہلے غاصب کے لیے حرمتِ انتفاع کا، اور اس لیے کہ

«کلاودبیہ فِي إِبَاحَةِ الِانْتِفَاعِ فَتْحُ بَابِ الْغَصْبِ فَيَحْرُمُ قَبْلَ الْإِرْضَاءِ حَسْمًا لِمَادَّةِ الْفَسَادِ وَنَفَاذِ بَيْعِهِ وَهِبَتِهِ مَعَ الْحُرْمَةِ

اباحتِ انتفاع میں کھولنا ہے بابِ غصب کا، پس حرام ہوگا رضا سے پہلے قطع کرتے ہوئے مادۂ فساد کو، اور نافذ ہونا اس کی بیع اور ہبہ کا حرمت کے باجود

لِقِيَامِ الْمِلْكِ كَمَا فِي الْمِلْكِ الْفَاسِدِ. {9}وَإِذَا أَدَّى الْبَدَلَ يُبَاحُ لَهُ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْمَالِكِ صَارَ مُوَفًّى بِالْبَدَلِ

قیامِ ملک کی وجہ سے ہے جیسا کہ ملکِ فاسد میں۔ اور جب ادا کر دے بدل تو مباح ہوگی اس کے لیے؛ کیونکہ مالک کا حق پورا ہو گیا بدل ادا کرنے سے؛

فَحَصَلَتْ مُبَادَلَةً بِالتَّرَاضِي، وَكَذَلِكَ إِذَا أَبْرَأَهُ لِسُقُوطِ حَقِّهِ بِهِ، وَكَذَا

پس حاصل ہوا مبادلہ رضامندی سے، اور اسی طرح اگر مالک نے بری کر دیا اس کو؛ ابراء سے اس کا حق ساقط ہونے کی وجہ سے، اور اسی طرح

إِذَا أَدَّى بِالْقَضَاءِ أَوْ ضَمَّنَهُ الْحَاكِمُ أَوْ ضَمَّنَهُ الْمَالِكُ لِوُجُودِ الرِّضَا مِنْهُ؛

جب وہ ادا کر دے بحکمِ قضاء، یا ضامن بنائے اس کو حاکم، یا ضامن بنائے اس کو مالک؛ مالک کی طرف سے رضا پائے جانے کی وجہ سے؛

لِأَنَّهُ لَا يَقْضِي إِلَّا بِطَلَبِهِ، {10}وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا غَصَبَ حِنْطَةً فَزَرَعَهَا أَوْ نَوَاةً

کیونکہ قاضی حکم نہیں کرے گا مگر اس کے مطالبہ پر۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب غصب کر دے گندم اور کاشت کرے اس کو، یا گٹھلی پھر بو دے اس کو،

فَغَرَسَهَا غَيْرَ أَنَّهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُبَاحُ الِانْتِفَاعُ فِيهِمَا قَبْلَ أَدَاءِ الضَّمَانِ لِوُجُودِ الِاسْتِهْلَاكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، بِخِلَافِ

البتہ امام ابو یوسف" کے نزدیک مباح ہے فائدہ حاصل کرنا ان دونوں میں ضمان ادا کرنے سے پہلے؛ ہر طرح سے استہلاک پائے جانے کی وجہ سے، برخلاف

مَا تَقَدَّمَ لِقِيَامِ الْعَيْنِ فِيهِ مِنْ وَجْهٍ. {11}وَفِي الْحِنْطَةِ يَزْرَعُهَا لَا يَتَصَدَّقُ بِالْفَضْلِ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا، وَأَصْلُهُ مَا تَقَدَّمَ.

سابقہ مسئلہ کے؛ من وجہ عین کے قائم ہونے کی وجہ سے اس میں، اور مغصوبہ گندم میں جس کو وہ کاشت کرلے صدقہ نہیں کرے گا زیادتی کو امام ابو یوسف" کے نزدیک، اختلاف ہے طرفین کا، اور اس کی اصل وہی ہے جو گذر چکی۔

تشریح:۔ {1} اگر مغصوب چیز غاصب کے فعل سے اس طرح متغیر ہوگئی کہ اس کا نام بدل گیا اور اس کے منافع میں سے بڑی منفعت زائل ہو گئی تو مغصوب منہ (مالک) کی مالکیت اس چیز سے زائل ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور غاصب پر اس کا تاوان واجب ہوگا۔ البتہ غاصب کے لیے اس سے نفع اٹھانا اس وقت تک حلال نہ ہوگا جب تک کہ اس کا عوض ادا نہ کرے مثلاً کسی شخص نے ایک بکری غصب کرکے ذبح کی اور اس کو بھون لیا یا پکالیا، یا کسی نے گندم غصب کرکے ان کو پیس دیا، یا لوہا غصب کرکے اس کی تلوار بنائی، یا پیتل غصب کرکے اس کے برتن بنائے تو یہی حکم ہے کہ مالک کی ملکیت اس سے منقطع ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور اس پر تاوان واجب ہو جائے گا اور یہ سب ہمارے نزدیک ہے۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالک کا حق منقطع نہیں ہوگا، اور یہی امام ابویوسفؒ سے ایک روایت ہے صرف اتنا فرق ہے کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک گندم غصب کرنے کی صورت میں اگر مالک نے آٹا لینا اختیار کیا تو اس سے نقصان نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ اس سے سود لازم آئے گا اس لیے کہ آٹا من وجہ عین گندم ہے اس لیے مزید تاوان لینا سود ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نقصان لے سکتا ہے؛ کیونکہ ان کے اصول میں اموال ربویہ میں عین لینے کے ساتھ اس کا ضمان لینا بھی جائز ہے۔

{3} اور امام ابویوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ مالک کی ملکیت اس چیز سے زائل ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا مگر مالک کا حق اس سے ساقط نہ ہوگا، اس لیے اگر غاصب مر جائے تو اس کی موت کے بعد اصل مالک کے قرضہ میں یہ چیز فروخت کی جائے گی اور دیگر قرضخواہوں کی بنسبت مالک اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔

{4} امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ عین مغصوب ابھی باقی ہے تو اصل مالک کی ملکیت پر باقی رہے گا اور غاصب کا فعل اور صنعت اس کے تابع ہے جیسے کسی کے گندم میں ہوا کا جھونکا لگا جس نے گندم کو اڑا کر دوسرے کی چکی میں ڈال دیا پس وہ اس چکی میں پس گیا تو یہاں آٹا مالک کی مِلک ہوگا تو غصب کی صورت میں بھی مالک کی مِلک زائل نہ ہوگی، اور غاصب کے فعل کا کچھ اعتبار نہیں ؛ کیونکہ وہ فعل شرعاً حرام ہے پس وہ مِلک کا سبب نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کے اصول سے معلوم ہو چکا ہے کہ نعمتِ ملکیت حاصل ہونے کا سبب فعلِ حرام نہیں ہو سکتا ہے تو یہ فعل ایسا ہے کہ جیسے بالکل فعل ہوا ہی نہیں ہے یعنی اس فعل کا ہونا اور نہ ہونا یکساں ہے اور ایسا ہو گیا جیسے کسی نے دوسرے کی بکری غصب کر کے ذبح کی اور اس کی کھال کھینچ کر اس کے اعضاء الگ کر دیئے تو اس فعل سے غاصب اس کا مالک نہیں ہو جاتا ہے۔

{5} ہماری دلیل یہ ہے کہ غاصب نے اس میں ایک قیمتی کاریگری کی ہے تو اس نے من وجہ مالک کے حق کو ختم کر دیا کیونکہ وجہ ہے کہ اس کا نام بدل گیا اور اس کے اکثر مقاصد فوت ہو گئے، جبکہ غاصب کا حق اپنی اس کاریگری میں ہر طرح سے قائم ہے تو اس حق کو اصل حق (مالک کے حق) پر ترجیح حاصل ہوگی؛ کیونکہ اصل حق من وجہ ہلاک ہو چکا ہے اور من وجہ قائم ہے۔ اور ہم غاصب کے فعل کو ملکیت کا سبب اس اعتبار سے نہیں ٹھہراتے ہیں کہ وہ حرام ہے یعنی حرام ہونے کے اعتبار سے وہ ملکیت کا سبب نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے وہ ملکیت کا سبب ہے کہ اس نے ایک جدید ذی قیمت صنعت پیدا کی ہے جس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ باقی بکری کی مذکورہ صورت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اسے ذبح کرنے اور اس کی کھال اتارنے کے بعد بھی اس کا نام بکری باقی ہے؛ کیونکہ اس کو مذبوحہ بکری کہتے ہیں اور اس میں کوئی ذی قیمت صنعت بھی پیدا نہیں ہوئی ہے اس لیے یہ مالک کی مِلک پر رہے گی۔

{6} پس اصل وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اگر مغصوب شئ کا نام اور اس کی معظم منفعت زائل ہو جائے تو مالک کا حق منقطع ہو جائے گا ورنہ نہیں، اور یہ وجہ ان تمام مسائل کو شامل ہے جو اس ذیل میں مذکور ہوئے اور اسی پر دوسرے مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں اور اس اصل کو یاد رکھنا چاہیے۔

{7} اور یہ جو فرمایا کہ "غاصب کے لیے اس متغیر مغصوب سے نفع لینا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کا عوض ادا کردے" تو یہ حکم استحسانا ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے انتفاع حلال ہو اور یہی حسن بن زیادؒ اور امام زفرؒ کا قول ہے اور یہی فقیہ ابو اللیثؒ نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ غاصب کے تصرف کے لیے ایسی ملک مطلق حاصل ہو گئی جو غیر کی رضامندی پر موقوف نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر غاصب اس چیز کو ہبہ کردے یا فروخت کردے تو یہ جائز ہے پس یہ اس کی ملک کی دلیل ہے لہذا انتفاع اس کے لیے حلال ہونا چاہیے۔

{8} وجہ استحسان یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی بکری کے حق میں جو مالک کی رضامندی کے بغیر ذبح کی گئی اور بھونی گئی تھی فرمایا "اسے قیدیوں کو کھلا دو[1]" یعنی صدقہ کردو، تو اسے صدقہ کرنے کا حکم اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ مالک کی ملکیت زائل ہو گئی ہے اور مالک کو راضی کرنے سے پہلے غاصب کے لیے اس سے نفع اٹھانا حرام ہے ورنہ تو قیدیوں پر صدقہ کرنے کا حکم نہ دیتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مغصوب میں صنعت سے انتفاع کے مباح ہونے کا حکم دینے میں غصب کا دروازہ کھولنا لازم آتا ہے لہذا مالک کو راضی کرنے سے پہلے انتفاع حرام کیا گیا تاکہ مادۂ فساد بالکل منقطع ہو، باقی اس کی بیع یا ہبہ حرمت کے باوجود اس وجہ سے نافذ ہو جاتا ہے کہ غاصب کی ملکیت موجود ہے جیسے ملک فاسد میں ہوتا ہے کہ مملوک بملکِ فاسد چیز کو اگر فروخت کیا یا ہبہ کیا تو حرمت کے باوجود یہ بیع اور ہبہ نافذ ہو جائیں گے۔

{9} اگر غاصب نے مغصوب چیز کا عوض اس کے مالک کو ادا کر دیا تو مغصوب چیز اس کے لیے مباح ہو جائے گی؛ کیونکہ عوض دینے سے مالک کا حق پورا پورا حاصل ہو گیا لہذا باہمی رضامندی سے مغصوب چیز اور اس کے عوض میں مبادلہ ہو گیا اس لیے مغصوب چیز غاصب کے لیے مباح ہو گی۔ اسی طرح اگر مالک نے غاصب کو بری کر دیا تو بھی مغصوب چیز اس کے لیے مباح ہو گی؛ کیونکہ بری کرنے سے مالک کا حق ساقط ہو گیا۔ اسی طرح اگر غاصب نے مغصوب چیز کا بدل قاضی کے حکم سے ادا کیا، یا حاکم نے غاصب کو ضامن

---

[1] رواه أبو داود في سننه في أول البيوع حدثنا محمد بن العلاء ثنا ابن إدريس أنا عاصم بن كليب عن أبيه عن رجل من الأنصار، قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة، فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو على القبر يوصي الحافر: "أوسع من قبل رجليه، أوسع من قبل رأسه"، فلما رجع استقبله داعي امرأة، فجاء وجيء بالطعام، فوضع يده، ثم وضع القوم، فأكلوا، فنظر آباؤنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يلوك لقمة في فيه، ثم قال: "إني أجد لحم شاة أخذت بغير إذن أهلها"، فأرسلت المرأة، يا رسول الله، إني أرسلت إلى البقيع يشترى لي شاة، فلم أجد، فأرسلت إلى جار لي قد اشترى شاة أن أرسل إلي بثمنها، فلم يوجد، فأرسلت إلى امرأته، فأرسلت بها إلي، فقال عليه السلام: "أطعميه الأسارى"، انتهى. (نصب الراية: 411/4)

کر دیا، یا مالک نے غاصب کی رضامندی کے بغیر اس سے مغصوب چیز کا ضمان لے لیا تو بھی مغصوب چیز غاصب کے لیے مباح ہوگی؛ کیونکہ مالک کی طرف سے رضامندی پائی گئی اس لیے کہ جب تک کہ مالک کی طرف سے ادائیگی کا مطالبہ نہ ہو قاضی غاصب کو ادائیگی کا حکم نہیں کرے گا اور مالک کا مطالبہ نہ کرنا رضامندی ہے اس لیے مغصوب چیز غاصب کے لیے مباح ہوگی۔

{10} اسی طرح کا اختلاف اس وقت بھی ہے کہ کسی نے گندم غصب کر کے ان کی زراعت کی یا گٹھلیاں غصب کر کے ان کو بو دیا تو ہمارے نزدیک غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک غاصب مالک نہ ہوگا، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دو صورتوں میں اداءِ ضمان سے پہلے مغصوب سے نفع اٹھانا مباح ہے؛ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں ہر طرح سے مالک کا مال مستہلک ہو گیا بخلاف سابقہ مسئلہ (بکری ذبح کر ڈالنے یا گندم پیس ڈالنے) کے کہ ان میں مالِ عین من وجہ باقی ہے پس اس فرق کی وجہ سے دونوں مسئلوں کا حکم مختلف ہوا۔

{11} اور گندم غصب کر کے زراعت کرنے کی صورت میں جو زیادتی حاصل ہوئی وہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غاصب صدقہ نہیں کرے گا اور طرفینؒ کے نزدیک صدقہ کرے گا اور اس کی اصل وہی ہے جو اس فصل سے پہلے گذر چکی کہ طرفینؒ کے نزدیک غاصب کے لیے مغصوب کے منافع حلال نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہیں۔

{1} قَالَ: وَإِنْ غَصَبَ فِضَّةً أَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ أَوْ آنِيَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

فرمایا: اور اگر غصب کیا چاندی یا سونے کو پھر بنا دئے اس کے دراہم یا دنانیر یا برتن، تو زائل نہ ہوگی ان کے مالک کی ملک ان سے امام صاحبؒ کے نزدیک

فَيَأْخُذُهَا وَلَا شَيْءَ لِلْغَاصِبِ، وَقَالَا: يَمْلِكُهَا الْغَاصِبُ وَعَلَيْهِ مِثْلُهَا؛ لِأَنَّهُ أَحْدَثَ

پس لے لے گا ان کو، اور کچھ نہ ہوگا غاصب کے لیے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں: مالک ہوگا ان کا غاصب، اور اس پر ان کا مثل ہے؛ کیونکہ اس نے پیدا کی

صَنْعَةً مُعْتَبَرَةً صَيَّرَ حَقَّ الْمَالِكِ هَالِكًا مِنْ وَجْهٍ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ كَسَرَهُ وَفَاتَ بَعْضُ الْمَقَاصِدِ

صنعتِ معتبرہ جس نے مالک کے حق کو ہلاک کر دیا من وجہ، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس نے توڑ دیا اس کو اور فوت ہو گئے بعض مقاصد

وَالتِّبْرُ لَا يَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِي الْمُضَارَبَاتِ وَالشَّرِكَاتِ وَالْمَضْرُوبُ يَصْلُحُ لِذَلِكَ. {2} وَلَهُ أَنَّ

اور بے ڈھلا ہوا ٹکڑا راس المال نہیں ہو سکتا ہے مضاربات اور شرکات میں، اور ڈھلا ہوا قابل ہے اس کے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ

الْعَيْنَ بَاقٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الِاسْمَ بَاقٍ وَمَعْنَاهُ الْأَصْلِيُّ الثَّمَنِيَّةُ وَكَوْنُهُ مَوْزُونًا وَأَنَّهُ بَاقٍ حَتَّى يَجْرِيَ

عین باقی ہے ہر طرح سے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ نام باقی ہے، اور اس کا اصل معنی ثمن ہونا اور موزون ہونا ہے، اور وہ باقی ہے حتی کہ جاری ہوتا ہے

فِيهِ الرِّبَا بِاعْتِبَارِهِ وَصَلَاحِيَّتِهِ لِرَأْسِ الْمَالِ مِنْ أَحْكَامِ الصَّنْعَةِ دُونَ الْعَيْنِ ، وَكَذَا الصَّنْعَةُ فِيهَا

اس میں ربا اسی اعتبار سے، اور اس کا قابل ہونا راس المال ہونے کے لیے احکام صنعت میں سے ہے نہ کہ عین سے، اور اسی طرح صنعت ان میں

غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ مُطْلَقًا ؛ لِأَنَّهُ لَا قِيمَةَ لَهَا عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِجِنْسِهَا . {3} قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنَى عَلَيْهَا

متقوم نہیں ہے مطلقاً؛ کیونکہ کوئی قیمت نہیں صنعت کی ان کی جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت۔ فرمایا: اور جس نے غصب کیا ساکھو پھر عمارت بنائی اس پر،

زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيمَتُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لِلْمَالِكِ أَخْذُهَا ،

تو زائل ہو گئی مالک کی مِلک اس سے، اور لازم ہو گی غاصب پر اس کی قیمت، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: کہ اختیار ہے مالک کو اسے لینے کا،

وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ قَدَّمْنَاهُ . وَوَجْهٌ آخَرُ لَنَا فِيهِ أَنَّ فِيمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ إِضْرَارًا

اور وجہ دونوں جانب کی ہم پہلے بیان کر چکے، اور دوسری وجہ ہماری اس میں یہ ہے کہ جس طرف گئے ہیں امام شافعیؒ اس میں ضرر پہنچانا ہے

بِالْغَاصِبِ بِنَقْضِ بِنَائِهِ الْحَاصِلِ مِنْ غَيْرِ خَلَفٍ ، وَضَرَرُ الْمَالِكِ فِيمَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَجْبُورٌ بِالْقِيمَةِ

غاصب کو اس کی بنائی ہوئی عمارت توڑنے کے ذریعہ بغیر کسی عوض کے، اور مالک کا ضرر اس میں ہے جس طرف ہم گئے ہیں پورا کر دیا گیا ہے قیمت سے

فَصَارَ كَمَا إِذَا خَاطَ بِالْخَيْطِ الْمَغْصُوبِ بَطْنَ جَارِيَتِهِ أَوْ عَبْدِهِ أَوْ أَدْخَلَ اللَّوْحَ الْمَغْصُوبَ فِي سَفِينَتِهِ {4} ثُمَّ قَالَ الْكَرْخِيُّ

پس ہو گیا جیسا کہ جب سی لے مغصوب سوئی سے اپنی باندی یا غلام کا پیٹ، یا داخل کر دے مغصوب تختہ اپنی کشتی میں، پھر فرمایا امام کرخیؒ

وَالْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرَ : إِنَّمَا لَا يُنْقَضُ إِذَا بَنَى فِي حَوَالِي السَّاجَةِ ، أَمَّا إِذَا بَنَى عَلَى نَفْسِ السَّاجَةِ

اور فقیہ ابو جعفر ہندوانیؒ نے: کہ عمارت نہیں توڑی جائے گی جب تعمیر کی ہو ساکھو کے ارد گرد میں، رہا یہ کہ تعمیر کی ہو نفس ساکھو پر

يُنْقَضُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِيهِ . وَجَوَابُ الْكِتَابِ يَرُدُّ ذَلِكَ وَهُوَ الْأَصَحُّ . {5} قَالَ : وَمَنْ ذَبَحَ

تو توڑی جائے گی؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس میں، اور کتاب کا جواب رد کرتا ہے اس کو، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ فرمایا: اور جو شخص ذبح کر دے

شَاةَ غَيْرِهِ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ ، إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا وَسَلَّمَهَا إِلَيْهِ ، وَإِنْ شَاءَ

دوسرے کی بکری، تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو ضامن بنائے غاصب کو اس کی قیمت کا اور دیدے بکری اس کو، اور اگر چاہے

ضَمَّنَهُ نُقْصَانَهَا ، وَكَذَا الْجَزُورُ ، وَكَذَا إِذَا قَطَعَ يَدَهُمَا ، هَذَا هُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ .

تو ضامن کر دے اس کو اس کے نقصان کا، اور اسی طرح اونٹ ہے، اور اسی طرح اگر کاٹ ڈالے اس کے پاؤں، یہی ظاہر الروایۃ ہے،

وَجْهُهُ أَنَّهُ إِتْلَافٌ مِنْ وَجْهٍ بِاعْتِبَارِ فَوْتِ بَعْضِ الْأَغْرَاضِ مِنَ الْحَمْلِ وَالدَّرِّ وَالنَّسْلِ وَبَقَاءِ بَعْضِهَا

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تلف کرنا ہے من وجہ؛ بوجہ فوت ہونے بعض اغراض کے یعنی بار برداری، دودھ اور نسل، اور باقی رہنے بعض اغراض کے

وَهُوَ اللَّحْمُ فَصَارَ كَالْخَرْقِ الْفَاحِشِ فِي الثَّوْبِ{6} وَلَوْ كَانَتِ الدَّابَّةُ غَيْرَ مَأْكُولِ اللَّحْمِ فَقَطَعَ الْغَاصِبُ طَرَفَهَا

اور وہ گوشت ہے، پس ہو گیا جیسے زیادہ پھاڑنا کپڑے کو، اور اگر جانور غیر ماکول اللحم ہو، پس قطع کر دیا غاصب نے اس کا کوئی عضو،

لِلْمَالِكِ أَنْ يُضَمِّنَهُ جَمِيعَ قِيمَتِهَا لِوُجُودِ الِاسْتِهْلَاكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ، بِخِلَافِ قَطْعِ طَرَفِ الْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ

تو مالک کو اختیار ہے کہ اس سے ضمان لے اس کی کل قیمت کا؛ استہلاک پائے جانے کی وجہ سے ہر طرح سے، برخلاف غلام کا کوئی عضو کاٹنے کے

حَيْثُ يَأْخُذُهُ مَعَ أَرْشِ الْمَقْطُوعِ ؛ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ يَبْقَى مُنْتَفَعًا بِهِ بَعْدَ قَطْعِ الطَّرَفِ .

کہ وہ لے سکتا ہے اس کو مقطوع کے جرمانہ کے ساتھ؛ کیونکہ آدمی قابل انتفاع ہوتا ہے ہاتھ پاؤں کٹنے کے بعد۔

تشریح:۔ {1} اگر غاصب نے چاندی یا سونا غصب کر کے اس کے دراہم یا دنانیر یا برتن بنائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان سے مالک کی ملک زائل نہیں ہو گی پس مالک ان کو لے لے گا اور غاصب کے لیے کچھ نہ ہو گا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غاصب ان کا مالک ہو جائے گا اور غاصب پر مغصوب کے مثل تاوان واجب ہو گا؛ کیونکہ غاصب نے ایک معتبر کاریگری پیدا کی جس نے من وجہ مالک کا حق مٹا دیا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ غاصب نے ان کو توڑ کر ان کی صورت کو بدل دیا ہے، اور ان کے بعض مقاصد فوت ہو گئے مثلاً سکہ بنائے بغیر سونا چاندی کے ٹکڑے متعین ہو سکتے تھے اور اب نہیں ہو سکتے ہیں اور سکہ بنائے بغیر وہ مضاربت اور شرکت کا رأس المال نہیں ہو سکتے تھے اور اب ہو سکتے ہیں پس جب غاصب کی کاریگری سے مالک کا حق من وجہ مٹ گیا تو غاصب ان کا مالک ہو جائے گا۔

{2} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان صورتوں میں مال عین ہر طرح سے باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سونے چاندی کا نام باقی ہے اور اس کا اصل معنی اس کا ثمن ہونا اور وزنی ہونا یہ بھی باقی ہیں حتی کہ اسی لحاظ (ثمن اور موزون ہونے کے لحاظ) سے ان میں سود جاری ہوتا ہے لہٰذا ان سے مالک کی ملک زائل نہیں ہوتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان میں مضاربت اور شرکت میں رأس المال ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ صنعت کے احکام میں سے ہے نہ مال عین کے یعنی یہ مال عین سے زائد ایک چیز ہے تو مال عین میں تبدل نہیں آیا ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں، اسی طرح سونے اور چاندی میں صنعت کسی حال میں قیمتی نہیں ہوتی؛ کیونکہ جب سونے کو سونے کے مقابلہ میں چاندی کو چاندی کے مقابلہ میں کیا جائے تو اس صنعت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے بلکہ سونے کے مقابلہ میں سونا برابر ہونا چاہیے اور زیادتی سود ہے تو معلوم ہوا کہ صنعت کی کوئی قیمت نہیں ہے اس لیے یہ صنعت معتبر نہیں ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهيد: وظاهر الخانية ترجيح قوله كذا نقله في الشامية (هامش الهداية: 376/3)

{3} اگر کسی نے ساکھو (عمارت میں استعمال ہونے والی بڑی لکڑی) غصب کر کے اس پر عمارت بنائی تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اور غاصب پر اس کی قیمت لازم آئے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالک کو اس کے لے لینے کا اختیار ہے اور دونوں طرف کے دلائل ہم نے اس فصل کے شروع میں بیان کر دیئے ہیں کہ فعل غاصب سے مغصوب چیز میں تغیر آنے سے غاصب مالک ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور اس مسئلہ کی تعلیل میں ہماری ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ جو کچھ امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے اس میں غاصب کا ضرر ہے کہ اس کی عمارت توڑدی جائے گی اور یہ ضرر ایسا ہے کہ غاصب کو اس کے بدلے کچھ نہیں ملے گا اور جو مذہب ہم نے اختیار کیا اس میں مالک کا ضرر اس لیے نہیں ہے کہ قیمت سے اس کا جبیرہ کیا گیا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے دھاگا غصب کر کے اس سے اپنی باندی یا غلام کا پیٹ سی لیا یعنی پیٹ پھٹ گیا تھا اس نے ٹانکے دیئے یا ایک تختہ غصب کر کے اپنی کشتی میں جوڑ دیا تو بالاتفاق کشتی توڑ کر تختہ نکالنے یا زخم توڑ کر دھاگا لینے کا حکم نہیں ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی عمارت کو توڑ کر مالک کو ساکھو لے لینے کا اختیار نہ ہو گا۔

{4} پھر امام کرخیؒ اور ابو جعفر ہندوانیؒ نے کہا ہے کہ غاصب کی عمارت اس وقت نہیں توڑی جائے گی کہ جب اس نے ساکھو کے اردگرد عمارت بنائی ہو جیسے بڑی عمارتوں میں مضبوطی کے لیے وسطِ دیوار میں لکڑی رکھتے ہیں، خود ساکھو پر عمارت نہ بنائی ہو، اور اگر خود اس نے ساکھو پر عمارت بنائی ہو تو عمارت توڑدی جائے گی؛ کیونکہ غاصب اس میں تجاوز کرنے والا ہے۔ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ کتاب میں جو حکم مذکور ہوا کہ مطلقاً عمارت نہیں توڑی جائے گی وہ امام کرخیؒ اور ابو جعفرؒ کے قول کو رد کرتا ہے اور یہی اصح ہے یعنی کتاب میں صاف مذکور ہے کہ ساکھو غصب کر کے اس پر عمارت بنائی پس خواہ ساکھو پر عمارت بنادے خواہ ساکھو کے گرد و پیش عمارت بنادے کسی صورت میں عمارت نہیں توڑی جائے گی تو اس سے ان کے قول کی تردید ہوتی ہے اور یہی اصح ہے۔

{5} اگر کسی نے دوسرے کی بکری ذبح کر ڈالی تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے اس سے بکری کی قیمت لے کر مذبوحہ بکری غاصب کو دیدے اور چاہے تو مذبوحہ بکری رکھ کر اس سے نقصان لے لے یعنی مذبوحہ اور زندہ کی قیمت میں جو فرق ہوتا ہے وہ مقدار غاصب سے لے لے اور یہی حکم اونٹ وغیرہ میں ہے۔ اسی طرح اگر بکری یا اونٹ وغیرہ کے ہاتھ کاٹ ڈالے تو بھی یہی حکم ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ من وجہ مال تلف کرنا ہوا اس لحاظ سے کہ سواری، دودھ اور نسل وغیرہ کے بعض مقاصد فوت ہو گئے، اور گوشت کا مقصد البتہ باقی رہا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کپڑا بہت زیادہ پھاڑ دیا ہو تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو غاصب سے کپڑے کی پوری قیمت ضمان لے اور کپڑا غاصب لے لے اور اگر چاہے تو غاصب سے نقصان کے بقدر ضمان لے۔

{6} اور اگر یہ ایسا جانور ہو جو کھایا نہیں جاتا ہو اور غاصب نے اس کا کوئی ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا تو مالک کو اختیار ہے کہ غاصب سے پوری قیمت تاوان لے؛ کیونکہ ہر طرح سے تلف کرنا پایا گیا؛ اس لیے کہ اس کے گوشت کا مقصد بھی باقی نہیں رہا۔ اس کے برخلاف اگر مملوک غلام کا کوئی ہاتھ یا پاؤں کاٹا تو جو عضو کاٹا اس کے جرمانہ کے ساتھ وہ مملوک کو لے سکتا ہے؛ کیونکہ کوئی ہاتھ یا پاؤں کٹ جانے کے بعد بھی آدمی اس قابل رہتا ہے کہ اس سے نفع اٹھایا جائے۔

{1} قَالَ : وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهِ خَرْقًا يَسِيرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهُ وَالثَّوْبُ لِمَالِكِهِ ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ قَائِمٌ

فرمایا: اور جس نے پھاڑ دیا دوسرے کا کپڑا تھوڑا سا، تو ضامن ہوگا اس کے نقصان کا، اور کپڑا مالک کا ہوگا؛ کیونکہ عین قائم ہے

مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ، وَإِنَّمَا دَخَلَهُ عَيْبٌ فَيَضْمَنُهُ ، وَإِنْ خَرَقَ خَرْقًا كَبِيرًا يَبْطُلُ عَامَّةُ مَنَافِعِهِ

ہر طرح سے، البتہ اس میں داخل ہو گیا ہے عیب تو اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر پھاڑ دیا اتنا زیادہ کہ باطل ہو گئے اس کے عام منافع،

فَلِمَالِكِهِ أَنْ يُضَمِّنَهُ جَمِيعَ قِيمَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِهْلَاكٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ فَكَأَنَّهُ أَحْرَقَهُ.

تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ ضمان لے اس سے کل قیمت کا؛ کیونکہ یہ استہلاک ہے اس اعتبار سے، پس گویا اس نے جلا دیا اس کو۔

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : مَعْنَاهُ يَتْرُكُ الثَّوْبَ عَلَيْهِ : وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الثَّوْبَ وَضَمَّنَهُ النُّقْصَانَ ؛ لِأَنَّهُ تَعْيِيبٌ

مصنف" فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ چھوڑ دے کپڑا اس کے پاس اور اگر چاہے تو لے لے کپڑا اور اس کو ضامن بنائے نقصان کا؛ کیونکہ یہ عیب دار کرنا ہے

مِنْ وَجْهٍ مِنْ حَيْثُ إنَّ الْعَيْنَ بَاقٍ، وَكَذَا بَعْضُ الْمَنَافِعِ قَائِمٌ، {2} ثُمَّ إشَارَةُ الْكِتَابِ إلَى أَنَّ الْفَاحِشَ مَا يَبْطُلُ بِهِ

من وجہ کہ عین کپڑا باقی ہے، اسی طرح بعض منافع موجود ہیں۔ پھر کتاب کا اشارہ یہ ہے کہ زیادہ پھاڑنا وہ ہے جس سے باطل ہو جائیں

عَامَّةُ الْمَنَافِعِ، وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْفَاحِشَ مَا يَفُوتُ بِهِ بَعْضُ الْعَيْنِ وَجِنْسُ الْمَنْفَعَةِ وَيَبْقَى بَعْضُ الْعَيْنِ وَبَعْضُ الْمَنْفَعَةِ،

اکثر منافع، اور صحیح یہ ہے کہ زیادہ پھاڑنا یہ ہے کہ جس سے فوت ہو بعض عین اور جنس منفعت، اور باقی رہے بعض عین اور بعض منفعت،

وَالْيَسِيرُ مَا لَا يَفُوتُ بِهِ شَيْءٌ مِنَ الْمَنْفَعَةِ ، وَإِنَّمَا يَدْخُلُ فِيهِ النُّقْصَانُ ؛ لِأَنَّ مُحَمَّدًا جَعَلَ فِي الْأَصْلِ

اور کم پھاڑنا یہ ہے کہ فوت نہ ہو اس سے منفعت میں سے کچھ بھی، البتہ اس میں نقصان آئے؛ کیونکہ امام محمد" نے قرار دیا ہے مبسوط میں

قَطْعَ الثَّوْبِ نُقْصَانًا فَاحِشًا وَالْفَائِتُ بِهِ بَعْضُ الْمَنَافِعِ . {3} قَالَ: وَمَنْ غَصَبَ أَرْضًا فَغَرَسَ فِيهَا

کپڑا کاٹنے کو زیادہ نقصان، حالانکہ فوت ہوتے ہیں اس سے بعض منافع۔ فرمایا: اور جو شخص غصب کر دے زمین کو اور پودے لگائے اس میں

أَوْ بَنَى قِيلَ لَهُ اقْلَعِ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَرُدَّهَا ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ

یا عمارت بنائے، تو کہا جائے گا اس سے کہ اکھاڑ دو عمارت اور پودے اور سپرد کر دو زمین؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "رگِ ظالم کے لیے

وَلِأَنَّ مِلْكَ صَاحِبِ الْأَرْضِ بَاقٍ ، فَإِنَّ الْأَرْضَ لَمْ تَصِرْ مُسْتَهْلَكَةً وَالْغَصْبُ لَا يَتَحَقَّقُ فِيهَا،

نہیں" اور اس لیے کہ صاحبِ زمین کی ملک باقی ہے؛ اس لیے کہ زمین مستہلک نہیں ہوئی ہے، اور غصب متحقق نہیں ہوتا ہے زمین میں،

بُدَّ لِلْمِلْكِ مِنْ سَبَبٍ فَيُؤْمَرُ الشَّاغِلُ بِتَفْرِيغِهَا ، كَمَا إِذَا شَغَلَ

ضروری ہے ملک کے سبب کا ہونا پس حکم کیا جائے گا مشغول کرنے والے کو اسے فارغ کرنے کا، جیسا کہ جب مشغول کر دے

ظَرْفَ غَيْرِهِ بِطَعَامِهِ{4} فَإِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ تَنْقُصُ بِقَلْعِ ذَلِكَ فَلِلْمَالِكِ أَنْ يَضْمَنَ لَهُ

غیر کے برتن کو اپنے کھانے کے ساتھ۔ پس اگر نقصان آتا ہو زمین میں ان کو اکھاڑنے سے، تو مالک کو اختیار ہے کہ ضمان دے

قِيمَةَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوعًا وَيَكُونَانِ لَهُ ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لَهُمَا وَدَفْعَ الضَّرَرِ

اس کو اکھڑی ہوئی عمارت اور پودوں کی قیمت کا، اور وہ دونوں اس کے ہوں گے؛ کیونکہ اس میں رعایت ہے ان دونوں کی، اور دفع ضرر ہے

عَنْهُمَا .وَقَوْلُهُ قِيمَتُهُ مَقْلُوعًا مَعْنَاهُ قِيمَةُ بِنَاءٍ أَوْ شَجَرٍ يُؤْمَرُ بِقَلْعِهِ؛

ان دونوں سے۔ اور ماتنؒ کے قول "اکھڑی ہوئی کی قیمت" کا معنی یہ ہے کہ قیمت ایسی عمارت یا درخت کی جن کے اکھاڑنے کا حکم دیا گیا ہو؛

لِأَنَّ حَقَّهُ فِيهِ ، إِذْ لَا قَرَارَ لَهُ فِيهِ فَتُقَوَّمُ الْأَرْضُ بِدُونِ الشَّجَرِ وَالْبِنَاءِ

کیونکہ غاصب کا حق اسی میں ہے؛ اس لیے کہ قرار نہیں اس کے لیے زمین میں، پس زمین کی قیمت لگائی جائے گی درخت اور عمارت کے بغیر

وَتُقَوَّمُ وَبِهَا شَجَرٌ أَوْ بِنَاءٌ ، لِصَاحِبِ الْأَرْضِ أَنْ يَأْمُرَهُ بِقَلْعِهِ فَيَضْمَنُ فَضْلَ مَا بَيْنَهُمَا .

پھر ایسی زمین کی قیمت لگائے جس میں عمارت یا درخت ہو صاحبِ زمین کو اختیار ہو کہ امر کرے اس کو اسے اکھاڑ دینے کا، پس ضامن ہوگا دونوں کے درمیان کے فرق کا۔

تشریح:۔{1} اگر ایک شخص نے دوسرے کے کپڑے کو تھوڑا سا پھاڑ دیا تو وہ نقصان کا ضامن ہوگا اور کپڑا اپنے مالک کی ملک ہے کیونکہ اس صورت میں مالِ عین ہر طرح قائم ہے فقط اس میں ایک عیب آگیا ہے پس وہ نقصان کا ضامن ہوگا۔ اور اگر اس نے کپڑا بہت زیادہ پھاڑ دیا جس سے کپڑے کے اکثر منافع باطل ہو گئے تو مالک کو اختیار ہے کہ اس سے کپڑے کی پوری قیمت تاوان لے؛ کیونکہ اس کے عام منافع فوت ہونے کے اعتبار سے یہ فعل اس کپڑے کا تلف کرنا ہوا تو گویا اس نے کپڑا جلا دیا اس لیے اس سے کپڑے کی پوری قیمت تاوان لینے کا اختیار ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ چاہے یہ کپڑا اس غاصب کے پاس چھوڑ کر قیمت لے لے اور چاہے کپڑا لے کر اس سے نقصان کا تاوان لے لے؛ کیونکہ یہ ایک اعتبار سے کپڑے کو عیب دار کرنا ہے؛ اس لیے کہ عین کپڑا اپنے بعض منافع کے ساتھ باقی ہے۔

{2} پھر کتاب (مختصر القدوری) کا اشارہ یہ ہے کہ زیادہ پھاڑ ناوہ کہلاتا ہے جس سے کپڑے کے اکثر منافع باطل ہو جائیں، مگر صحیح قول یہ ہے کہ زیادہ پھاڑ ناوہ ہے جس سے بعض عین اور جنس منفعت زائل ہو اور بعض عین اور بعض منفعت باقی رہے مثلاً پہلے چوغہ کا قابل تھا اور اب فقط قمیص کا قابل ہے۔ اور تھوڑا پھاڑ ناوہ ہوتا ہے جس سے منفعت کچھ بھی زائل نہ ہو البتہ مالیت کے اعتبار سے کپڑے میں نقصان آجائے، خرقِ کثیر و یسیر کی یہ تفسیر اس لیے ہے کہ امام محمدؒ نے مبسوط میں کپڑا قطع کرنے کو نقصان فاحش قرار دیا حالانکہ اس سے بعض منافع زائل ہوتے ہیں تمام منافع زائل نہیں ہوتے ہیں پس امام قدوری کا یہ کہنا کہ خرقِ کثیر وہ ہے جس سے کپڑے کے عام منافع زائل ہو جائیں امام محمدؒ کے قول کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا ہے۔

{3} اگر کسی نے دوسرے کی زمین غصب کر کے اس میں پودے لگائے یا کوئی عمارت بنائی تو اس سے کہا جائے گا کہ اپنی عمارت اور پودے اُکھاڑ دو اور خالی زمین واپس کر دو؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "رگِ ظالم کے لیے کوئی حق نہیں ہے"[1] "رگِ ظالم" سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوسرے کی زمین میں بلا استحقاق پودے لگا دے اور چاہے کہ اس کے ذریعہ سے اس کا مستحق ہو جائے، پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے کوئی حق نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ صاحبِ زمین کی ملکیت باقی ہے؛ کیونکہ زمین ہلاک نہیں ہوئی ہے اور زمین میں شرعاً غصب متحقق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا غاصب اس کا مالک نہیں؛ کیونکہ ملکیت کے لیے کوئی سبب ضرور ہوتا ہے جو یہاں موجود نہیں ہے پس جس نے زمین کو عمارت یا پودوں کے ساتھ مشغول کر دیا اس کو حکم دیا جائے گا کہ زمین کو خالی کر دو جیسے اگر کسی نے دوسرے کے برتن کو اپنے طعام کے ساتھ مشغول کر دیا تو اس کو خالی کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

{4} پھر اگر عمارت یا پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہوتا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا کہ غاصب کو عمارت یا پودوں کی قیمت اکھڑے ہوئے کے حساب سے دے دے اور یہ دونوں چیزیں زمین کے مالک کی مِلک ہو جائیں گی؛ کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں کی رعایت ہے اور دونوں سے دفعِ ضرر ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ "اکھڑے ہوئے کے حساب سے قیمت دے دے" تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی عمارت یا درختوں کی قیمت دے جن کے اکھاڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا ہو؛ کیونکہ غاصب کا حق ایسے ہی پودوں اور عمارت میں ہے جن کے اکھاڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا ہو؛ کیونکہ اس کے لیے زمین میں برقرار رکھنے کا حکم نہیں ہے، پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ عمارت اور پودوں کے بغیر زمین کی قیمت کا اندازہ کیا جائے اور دوبارہ ایسے پودوں اور عمارت کے ساتھ زمین کی قیمت کا اندازہ کیا جائے جن کے

---

([1]) رَوَاهُ أَبو دَاوُد الطَّيَالِسِيُّ فِي مُسْنَدِهِ حَدَّثَنَا زَمْعَةُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عائشة، قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْبِلَادُ بِلَادُ اللَّهِ، وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللَّهِ، ومن احيى مِنْ مَوَاتِ الْأَرْضِ شَيْئًا فَهُوَ لَهُ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ"، انتهى. وَمِنْ طريق الطيالسي الدارقطني فِي سُنَنِهِ، وَالْبَزَّارِ فِي مُسْنَدِهِ، وَأَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي معجمه الوسط عَنْ زِيَادِ بْنِ الْجَرَّاحِ ثنا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ. (نصب الراية:4/415)

حق میں مالک زمین کو اکھڑوانے کا اختیار ہے پس ان دونوں قیمتوں میں جتنی مقدار کا فرق ہوگا یہی زائد مقدار زمین کا مالک غاصب کو دیدے، اور یہ درخت اور عمارت زمین کے مالک کی مِلک ہو جائے گی۔

{1}قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهُ أَحْمَرَ أَوْ سَوِيقًا فَلَتَّهُ بِسَمْنٍ فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَةَ ثَوْبٍ أَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيقِ وَسَلَّمَهُ لِلْغَاصِبِ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَهُمَا وَغَرِمَ مَا زَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ فِيهِمَا {2}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الثَّوْبِ : لِصَاحِبِهِ أَنْ يُمْسِكَهُ وَيَأْمُرَ الْغَاصِبَ بِقَلْعِ الصَّبْغِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ اعْتِبَارًا بِفَصْلِ السَّاحَةِ بَنَى فِيهَا ؛ لِأَنَّ التَّمْيِيزَ مُمْكِنٌ ، بِخِلَافِ السَّمْنِ فِي السَّوِيقِ ؛ لِأَنَّ التَّمْيِيزَ مُتَعَذِّرٌ {3}وَلَنَا مَا بَيَّنَّا أَنَّ فِيهِ رِعَايَةَ الْجَانِبَيْنِ وَالْخِيَرَةُ لِصَاحِبِ الثَّوْبِ لِكَوْنِهِ صَاحِبَ الْأَصْلِ ، بِخِلَافِ السَّاحَةِ بَنَى فِيهَا ؛ لِأَنَّ النَّقْضَ لَهُ بَعْدَ النَّقْضِ ؛ أَمَّا الصَّبْغُ فَيَتَلَاشَى ، وَبِخِلَافِ مَا إذَا انْصَبَغَ بِهُبُوبِ الرِّيحِ ؛ لِأَنَّهُ لَا جِنَايَةَ مِنْ صَاحِبِ الصَّبْغِ لِيَضْمَنَ الثَّوْبَ فَيَتَمَلَّكُ صَاحِبُ الْأَصْلِ الصَّبْغَ . {4}قَالَ أَبُو عِصْمَةَ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ : وَإِنْ شَاءَ رَبُّ الثَّوْبِ بَاعَهُ وَيَضْرِبُ بِقِيمَتِهِ أَبْيَضَ وَصَاحِبُ الصَّبْغِ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ ؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ لَا يَتَمَلَّكَ الصَّبْغَ بِالْقِيمَةِ ، وَعِنْدَ امْتِنَاعِهِ تَعَيَّنَ رِعَايَةُ الْجَانِبَيْنِ فِي الْبَيْعِ{5}وَيَتَأَتَّى ، هَذَا فِيمَا إذَا الصَّبْغَ

فرمایا: اور جو شخص غصب کر دے کپڑا، پھر سرخ رنگ دے، یا ستو پھر ملا دے گھی میں، تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو ضمان لے اس سے سفید کپڑے کی قیمت کا، اور مثلِ ستو کا اور وہ سپرد کر دے غاصب کو، اور اگر چاہے تو ان دونوں کو لے لے، اور تاوان دے اس کا جو اضافہ کیا ہے رنگ اور گھی نے ان دونوں میں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کپڑے کے بارے میں: اس کے مالک کو اختیار ہے کہ روک لے اس کو اور امر کرے غاصب کو رنگ اتارنے کا بقدرِ امکان؛ قیاس کرتے ہوئے اس زمین پر جس میں عمارت بنائی ہو؛ کیونکہ تمیز ممکن ہے، برخلاف گھی کے ستو میں؛ کیونکہ تمیز متعذر ہے۔ اور ہماری دلیل وہ ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اس میں جانبین کی رعایت ہے، اور اختیار صاحبِ ثوب کو اس لیے کہ وہ صاحبِ اصل ہے، برخلاف اس زمین کے جس پر عمارت بنائے؛ کیونکہ ملبہ اس کے لیے ہے توڑنے کے بعد، رہا رنگ تو وہ ختم ہو جاتا ہے، اور برخلاف اس کے جب کپڑا رنگ جائے ہوا کے جھونکے سے؛ کیونکہ کوئی جنایت نہیں رنگ والے کی کہ اس کو ضامن قرار دیا جائے کپڑے کا، پس مالک ہو جائے گا صاحبِ اصل رنگ کا۔ فرمایا ابو عصمہؒ نے اصل مسئلہ میں: اور اگر چاہے کپڑے کا مالک تو فروخت کر دے کپڑے کو اور لے لے سفید کپڑے کی قیمت، اور صاحبِ رنگ جو اضافہ کیا ہے رنگ نے اس میں؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے کہ مالک نہ ہو رنگ کا قیمت کے عوض، اور اس کے باز رہنے کے وقت متعین ہے جانبین کی رعایت بیع میں، اور جاری ہو سکتا ہے یہ قول اس صورت میں جب رنگ جائے

الثَّوْبُ بِنَفْسِهِ ، وَقَدْ ظَهَرَ بِمَا ذَكَرْنَا الوَجْهُ فِي السَّوِيقِ ، غَيْرَ أَنَّ السَّوِيقَ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ فَيَضْمَنُ مِثْلَهُ

کپڑا بذاتِ خود، اور ظاہر ہو گئی اس سے جو ہم ذکر کر چکے ستو کی وجہ، البتہ ستو ذوات الامثال میں سے ہے، پس ضامن ہو گا اس کے مثل کا،

وَالثَّوْبُ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَيَضْمَنُ قِيمَتَهُ .{6}وَقَالَ فِي الْأَصْلِ : يَضْمَنُ قِيمَةَ السَّوِيقِ ؛ لِأَنَّ السَّوِيقَ

اور کپڑا ذوات القیم میں سے ہے پس ضامن ہو گا اس کی قیمت کا، اور امام محمدؒ نے فرمایا مبسوط میں: ضامن ہو گا ستو کی قیمت کا؛ کیونکہ ستو

يَتَفَاوَتُ بِالْقَلْيِ فَلَمْ يَبْقَ مِثْلِيًّا .وَقِيلَ الْمُرَادُ مِنْهُ الْمِثْلُ سَمَّاهُ بِهِ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ

متفاوت ہو جاتا ہے بھوننے سے، پس وہ مثلی نہیں رہا، اور کہا گیا ہے کہ مراد قیمت سے مثل ہے اور اس کا نام قیمت رکھا؛ اس لیے کہ وہ اس کا قائم مقام ہے۔

{7}وَالصُّفْرَةُ كَالْحُمْرَةِ .وَلَوْ صَبَغَهُ أَسْوَدَ فَهُوَ نُقْصَانٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَعِنْدَهُمَا زِيَادَةٌ

اور زرد رنگ سرخ کی طرح ہے، اور اگر سیاہ رنگ دیا، تو یہ نقصان ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے نزدیک زیادتی ہے،

وَقِيلَ هَذَا اخْتِلَافُ عَصْرٍ وَزَمَانٍ . وَقِيلَ إنْ كَانَ ثَوْبًا يُنْقِصُهُ السَّوَادُ فَهُوَ نُقْصَانٌ ، وَإِنْ كَانَ ثَوْبًا يَزِيدُ

اور کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ہے عصر اور زمانے کا، اور کہا گیا ہے کہ اگر کپڑا ایسا ہو جس کو نقصان پہنچاتا ہو سیاہ رنگ، تو یہ نقصان ہے، اور اگر زیادتی آتی ہو

فِيهِ السَّوَادُ فَهُوَ كَالْحُمْرَةِ وَقَدْ عُرِفَ فِي غَيْرِ هَذَا الْمَوْضِعِ . {8}وَلَوْ كَانَ ثَوْبًا تُنْقِصُهُ

اس میں سیاہ رنگ سے تو یہ سرخ رنگ کی طرح ہے، اور یہ معلوم ہوا ہے اس موقع کے علاوہ میں، اور اگر کپڑا ایسا ہو کہ اس کو نقصان پہنچاتا ہو

الْحُمْرَةُ بِأَنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ ثَلَاثِينَ دِرْهَمًا فَتَرَاجَعَتْ بِالصَّبْغِ إلَى عِشْرِينَ ، فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُنْظَرُ إلَى ثَوْبٍ

سرخ رنگ بایں طور کہ اس کی قیمت تیس درہم ہو پھر گھٹ گیا رنگنے سے بیس درہم کی طرف، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ دیکھا جائے ایسا کپڑا

تَزِيدُ فِيهِ الْحُمْرَةُ، فَإِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ خَمْسَةً يَأْخُذُ ثَوْبَهُ وَخَمْسَةَ دَرَاهِمَ؛ لِأَنَّ إحْدَى الْخَمْسَتَيْنِ جُبِرَتْ بِالصَّبْغِ

جس میں اضافہ کرے سرخی، اور اگر زیادتی پانچ درہم ہو تو لے لے اپنا کپڑا اور پانچ درہم؛ کیونکہ ہر دو پانچ میں سے ایک کا نقصان پورا ہو گیا رنگ سے۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے ایک کپڑا غصب کر کے اس کو سرخ رنگ دیا یا ستو غصب کر کے اس کو گھی میں ملا دیا، تو مالک کو اختیار ہے چاہے سفید کپڑے کی قیمت تاوان لے اور اپنے ستو کے مثل ستو لے لے اور یہ کپڑا اور ستو غاصب کے سپرد کر دے اور اگر چاہے تو ان دونوں کو لے کر رنگ یا گھی سے جو زیادتی اس میں آئی ہے وہ غاصب کو دیدے۔

{2} اور امام شافعیؒ نے کپڑے کے مسئلہ میں فرمایا کہ کپڑے کے مالک کو اختیار ہے کہ اپنا کپڑا اپنے پاس روک لے اور غاصب کو حکم کر دے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنا رنگ چھڑا لے؛ وہ قیاس کرتے ہیں اس زمین کے مسئلہ پر جس میں پودے لگائے ہوں یا عمارت

بنائی ہو کہ اس میں غاصب کو پودے اور عمارت اکھاڑنے کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے؛ کیونکہ یہاں رنگ کو جدا کرنا ممکن ہے، باقی ستو میں گھی ملانے کا حکم اس سے مختلف ہے؛ کیونکہ ستو میں سے گھی نکالنا ممکن نہیں ہے۔

{3} ہماری دلیل وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ ہمارے مذہب کے مطابق جانبین کی رعایت ہے۔ اور کپڑے کے مالک کو اختیار اس وجہ سے دیا گیا کہ وہ اصل کا مالک ہے؛ کیونکہ رنگ تو وصف ہے جو کپڑے کا تابع ہے اس لیے رنگ کے مالک کو اختیار نہیں دیا جائے گا۔ باقی زمین میں درخت یا عمارت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ ان چیزوں کو توڑ دینے کے بعد غاصب کو ملبہ ملتا ہے جبکہ رنگ الگ کرنے کے بعد ختم ہو کر برباد ہو جاتا ہے اس لیے غاصب کو رنگ الگ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا تاکہ اس کا حق کلی طور پر فوت نہ ہو جائے۔ اور اس کے برخلاف اگر ہوا کے جھونکے سے کپڑا اڑ کر کسی کے رنگ میں گر کر رنگین ہو گیا؛ کیونکہ اس صورت میں رنگ والے کا کچھ قصور نہیں ہے تاکہ وہ کپڑے کا ضامن قرار پائے پس کپڑے والا قیمت دے کر اس رنگ کا مالک ہو جائے گا۔

{4} امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ابو عصمہ سعد بن معاذ مروزیؒ نے اصل مسئلہ (کپڑا غصب کر کے سرخ رنگ دینے) میں کہا کہ کپڑے کے مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کپڑا فروخت کر دے اور اس کے ثمن میں سے کپڑے کا مالک اپنے سفید کپڑے کے حساب سے لے اور رنگ کا مالک ثمن کی وہ زائد مقدار لے جس کا اضافہ رنگ نے کیا؛ کیونکہ کپڑے کے مالک کو اختیار ہے کہ رنگ کی قیمت دے کر رنگ کی ملکیت منظور نہ کرے اور اس کا رنگ کی ملکیت منظور نہ کرنے کی صورت میں بیع کے طریقہ سے جانبین کی رعایت متعین ہے؛ کیونکہ یہ ہر ایک کو اس کا حق پہنچانے کا طریقہ ہے۔

{5} ابو عصمہؒ کا یہ قول اس صورت میں بھی جاری ہوتا ہے کہ کپڑا خود بخود رنگ گیا ہو یعنی اس رنگین کپڑے کو فروخت کر دے اور اس کے ثمن میں سے کپڑے کا مالک اپنے سفید کپڑے کے حساب سے لے اور رنگ کا مالک رنگ کی وجہ سے آئے ہوئے اضافے کے بقدر لے۔ اور ہمارے مذکورہ بیان سے ستو کے مسئلہ میں بھی وجہ ظاہر ہوئی یعنی گھی میں خلط کرنے یا خود خلط ہو جانے میں بھی یہی دلیل جاری ہو گی جو کپڑے میں مذکور ہوئی صرف اتنا فرق ہے کہ ستو مثلی چیزوں میں سے ہے تو اس کے مثل تاوان کا ضامن ہو گا اور کپڑا ذوات القیم میں سے ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہو گا۔

{6} مگر مبسوط میں مذکور ہے کہ ستو کی قیمت کا ضمان دے گا؛ کیونکہ بھوننے سے ستوؤں میں تفاوت ہو جاتا ہے تو وہ مثلی نہیں رہتا ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ مبسوط میں قیمت سے مراد مثل ہے اور اس کو قیمت اس لیے کہا کہ مثل اس مغصوب چیز کی قیمت کا قائم مقام ہوتا ہے۔

{7} اور زرد رنگ بھی سرخ رنگ کی طرح ہے۔ اور اگر اس نے سیاہ رنگ دیدیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نقصان ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نقصان نہیں بلکہ زیادتی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ یہ اختلاف صرف عصر اور زمانے کا اختلاف ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں بنوامیہ حاکم تھے جو سیاہ رنگ سے نفرت کرتے تھے تو اس رنگ کی بے قدری تھی اور صاحبینؒ کے وقت میں عباسیہ حاکم تھے جو سیاہ رنگ پسند کرتے تھے جس سے اس رنگ کی قدر ہو گئی لہذا لازمی طور پر ہر ایک نے اپنے وقت میں سیاہ رنگ کے بارے میں جو کچھ دیکھا ویسا ہی حکم دیا لہذا اب بھی جہاں اس رنگ کی قدر یا بے قدری ہو تو اسی کے موافق حکم ہو گا۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر ایسا کپڑا ہو جس کو سیاہ رنگ سے نقصان پہنچتا ہو تو اس میں سیاہ رنگ نقصان سمجھا جائے گا اور اگر ایسا کپڑا ہو جس میں سیاہ رنگ سے قیمت بڑھتی ہو تو وہ سرخ رنگ کی طرح زیادتی سمجھا جائے گا اور یہ امر اس موقع کے علاوہ دوسرے موقع (شرح مختصر الکرخیؒ) میں بھی بیان ہوا ہے۔

{8} اور اگر کوئی کپڑا ایسا ہو جس میں سرخ رنگ سے نقصان پہنچتا ہو یعنی سرخ رنگ سے اس کی قیمت گھٹتی ہو مثلاً ایک کپڑے کی قیمت تیس درہم تھی اور سرخ رنگ کی وجہ سے اس کی قیمت گھٹ کر بیس درہم رہ گئی تو امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایسے کپڑے کو دیکھا جائے جس میں سرخ رنگ سے قیمت بڑھتی ہو پس اگر زیادتی مثلاً پانچ درہم ہو تو مالک اپنا کپڑا اور پانچ درہم غاصب سے لے لے؛ کیونکہ ہر دو پانچ میں سے ایک کا نقصان بوجہ رنگ کے پورا ہو گیا یعنی کپڑے کے مالک کے دس درہم واجب ہوئے تھے اور رنگ کے مالک کے پانچ درہم واجب ہوئے تو پانچ کا پانچ کے ساتھ ادلا بدلا ہوا اور باقی پانچ کے بارے میں کپڑے کا مالک رنگ کے مالک سے رجوع کرے گا۔

## فَصْلٌ

یہ فصل غصب سے متعلق متفرق مسائل کے بیان میں ہے۔

{1} وَمَنْ غَصَبَ عَيْنًا فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيمَتَهَا مَلَكَهَا وَهَذَا

اور جو شخص غصب کر دے کوئی عین، پھر غائب کر دے اس کو، پھر ضمان لیا اس سے مالک نے اس کی قیمت کا، تو وہ مالک ہو گا اس کا، اور یہ

عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَمْلِكُهَا لِأَنَّ الْغَصْبَ عُدْوَانٌ مَحْضٌ فَلَا يَصْلُحُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ

ہمارے نزدیک ہے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: غاصب مالک نہ ہو گا اس کا؛ کیونکہ غصب محض ظلم ہے پس وہ لائق نہیں سبب ملک ہونے کا

كَمَا فِي الْمُدَبَّرِ .{2} وَلَنَا أَنَّهُ مَلَكَ الْبَدَلَ بِكَمَالِهِ ، وَالْمُبْدَلُ قَابِلٌ لِلنَّقْلِ مِنْ مِلْكٍ إلَى مِلْكٍ

جیسا کہ مدبر میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صاحب عین مالک ہو گیا پورے بدل کا، اور مبدل قابل ہے نقل کا ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف،

فَيَمْلِكُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ لِأَنَّهُ غَيْرُ قَابِلٍ لِلنَّقْلِ لِحَقِّ الْمُدَبَّرِ ،
پس وہ مالک ہو گا اس کا؛ دفع کرتے ہوئے ضرر کو اس سے، برخلاف مدبر کے؛ کیونکہ وہ قابل نہیں نقل کا مدبر کے حق کی وجہ سے،

نَعَمْ قَدْ يُفْسَخُ التَّدْبِيرُ بِالْقَضَاءِ لَكِنَّ الْبَيْعَ بَعْدَهُ يُصَادِفُ الْقِنَّ . {3} قَالَ : وَالْقَوْلُ فِي الْقِيمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ
ہاں کبھی فسخ کی جاتی ہے تدبیر حکم قاضی سے، لیکن بیع اس کے بعد واقع ہو گی محض مملوک پر۔ فرمایا: اور قول قیمت کے بارے غاصب کا معتبر ہو گا

مَعَ يَمِينِهِ ؛ لِأَنَّ الْمَالِكَ يَدَّعِي الزِّيَادَةَ وَهُوَ يُنْكِرُ ، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ
اس کی قسم کے ساتھ؛ کیونکہ مالک دعوی کرتا ہے زیادتی کا، اور غاصب انکار کر رہا ہے، اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے اس کی قسم کے ساتھ،

إلَّا أَنْ يُقِيمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ أَثْبَتَهُ بِالْحُجَّةِ الْمُلْزِمَةِ . {4} قَالَ : فَإِنْ ظَهَرَتِ الْعَيْنُ
مگر یہ کہ قائم کر دے مالک بیّنہ اس سے زیادہ پر؛ کیونکہ اس نے ثابت کر دیا لازم کرنے والی حجت سے۔ فرمایا: پھر اگر ظاہر ہو گیا عین

وَقِيمَتُهَا أَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بِبَيِّنَةٍ أَقَامَهَا أَوْ بِنُكُولِ الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِينِ
حالانکہ اس کی قیمت زیادہ ہو اس سے جو غاصب نے تاوان دیا، اور وہ ضامن ہوا اس کا مالک کے کہنے یا اس کے بیّنہ قائم کرنے یا غاصب کا قسم سے انکار کی وجہ سے،

فَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَهُوَ لِلْغَاصِبِ ؛ لِأَنَّهُ تَمَّ لَهُ الْمِلْكُ بِسَبَبٍ اتَّصَلَ بِهِ رِضَا الْمَالِكِ
اور اختیار نہ ہو گا مالک کو اور وہ غاصب کے لیے ہو گا؛ کیونکہ تام ہو گئی اس کے لیے ملک ایسے سبب سے جس کے ساتھ متصل ہے مالک کی رضامندی

حَيْثُ ادَّعَى هَذَا الْمِقْدَارَ . {5} قَالَ : فَإِنْ كَانَ ضَمِنَهُ بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِينِهِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ
بایں کہ اس نے دعوی کیا اسی مقدار کا۔ فرمایا: اور اگر مالک نے ضمان لیا غاصب کے قول مع الیمین پر، تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے

أَمْضَى الضَّمَانَ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ رِضَاهُ بِهَذَا الْمِقْدَارِ
تو برقرار رکھے ضمان کو اور اگر چاہے تو عین لے لے اور واپس کر دے عوض؛ کیونکہ تام نہیں ہوئی ہے اس کی رضامندی اس مقدار سے

حَيْثُ يَدَّعِي الزِّيَادَةَ وَأَخْذُهُ دُونَهَا لِعَدَمِ الْحُجَّةِ . {6} وَلَوْ ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَقِيمَتُهَا مِثْلُ
بایں وجہ کہ وہ مدعی ہے زیادتی کا، اور اس کا لینا اس سے کم عدم حجت کی وجہ سے ہے۔ اور اگر ظاہر ہوا عین اور اس کی قیمت برابر ہے

مَا ضَمِنَهُ أَوْ دُونَهُ فِي هَذَا الْفَصْلِ الْأَخِيرِ فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ خِلَافًا لِمَا
اس کے جو غاصب نے ادا کیا یا کم ہو اس سے اس آخری صورت میں، تو یہی جواب ہے ظاہر الروایت میں، اور یہی اصح ہے، برخلاف اس کے

قَالَهُ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا خِيَارَ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ رِضَاهُ حَيْثُ لَمْ يُعْطَ لَهُ مَا يَدَّعِيهِ
جو امام کرخیؒ نے کہا: کہ خیار نہیں اس کو؛ کیونکہ تام نہیں ہوئی اس کی رضامندی بایں وجہ کہ نہیں دیا گیا اس کو وہ جس کا وہ مدعی ہے،

وَالْخِيَارُ لِفَوَاتِ الرِّضَا . {7} قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَبَاعَهُ فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ

اور خیار رضا فوت ہونے کی وجہ سے ہے۔ فرمایا: اور جو شخص غصب کر دے غلام کو، پھر فروخت کر دے اس کو، پھر تاوان لے غاصب سے مالک

قِيمَتَهُ فَقَدْ جَازَ بَيْعُهُ ، وَإِنْ أَعْتَقَهُ ثُمَّ ضَمِنَ الْقِيمَةَ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ ؛ لِأَنَّ مِلْكَهُ الثَّابِتَ

اس کی قیمت کا، تو جائز ہو گی اس کی بیع، اور اگر اس نے آزاد کیا اس کو، پھر ضامن ہو گیا قیمت کا، تو جائز نہ ہو گا اس کا آزاد کرنا؛ کیونکہ اس کی ثابت ملک

فِيهِ نَاقِصٌ لِثُبُوتِهِ مُسْتَنِدًا أَوْ ضَرُورَةً ، وَلِهَذَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْأَكْسَابِ دُونَ الْأَوْلَادِ ،

اس میں ناقص ہے؛ منسوب ہو کر ثابت ہونے کی وجہ سے یا ضرورۃً، اسی لیے ظاہر ہو گی کمائیوں کے حق میں نہ کہ اولاد کے حق میں،

وَالنَّاقِصُ يَكْفِي لِنُفُوذِ الْبَيْعِ دُونَ الْعِتْقِ كَمِلْكِ الْمُكَاتَبِ .

اور ناقص کافی ہے نفاذِ بیع کے لیے نہ کہ عتق کے لیے جیسے مِلکِ مکاتب۔

تشریح:۔ {1} اگر غاصب نے کوئی مالِ عین غصب کر کے اس کو غائب کر دیا پس مالک نے اس سے اس مالِ عین کی قیمت تاوان لے لی تو ہمارے نزدیک غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غاصب مالک نہ ہو گا؛ کیونکہ غصب محض ظلم ہے تو وہ نعمتِ ملکیت کا سبب نہیں ہو سکتا جیسے اگر کسی نے مدبر کو غصب کر کے غائب کر دیا اور اس کی قیمت کا تاوان ادا کر دیا تو وہ بالاتفاق اس کا مالک نہ ہو گا اسی طرح غاصب مالِ عین کا بھی مالک نہ ہو گا۔

{2} ہماری دلیل یہ ہے کہ مالک نے پورا عوض پایا اور معوض ایسی چیز ہے جو ایک مِلک سے دوسری مِلک کی طرف منتقل ہو سکتی ہے تو غاصب اس کا مالک ہو جائے گا تاکہ اس کی ذات سے ضرر دور ہو۔ باقی مدبر کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ ایک مِلک سے دوسری مِلک کی طرف قابلِ نقل نہیں ہے اس لیے کہ مدبر کو مدبر ہونے کا حق حاصل ہے اور مدبر کا حق یہ ہے کہ دوسری مِلک کی طرف منتقل نہ ہو۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قاضی کے حکم سے مدبر ہونا فسخ کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ دوسری مِلک کی طرف منتقل ہو سکتا ہے؛ کیونکہ مدبر ہونے کو فسخ کرنے کے بعد وہ مدبر نہیں رہتا ہے لہٰذا اس پر جو بیع واقع ہوتی ہے وہ محض مملوک پر واقع ہوتی ہے اس لیے وہ دوسری مِلک کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔

{3} اور مغصوب مال کی قیمت کے بارے میں قسم کے ساتھ غاصب کا قول قبول ہو گا؛ کیونکہ مالک زیادہ قیمت کا دعویٰ کرتا ہے اور غاصب اس سے انکار کرتا ہے اور قسم سے اسی کا قول قبول ہوتا ہے جو منکر ہو، البتہ اگر مالک اس سے زیادہ قیمت ہونے پر گواہ قائم کر دے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو گا؛ کیونکہ اس نے زیادتی کو لازم کرنے والی حجت سے ثابت کر دیا۔

{4} پھر اگر غائب کیا ہوا مالِ عین ظاہر ہوا حالانکہ اس کی قیمت اس مقدار سے زیادہ ہے جس کا غاصب نے تاوان دیا ہے مگر اس نے جو مقدار ادا کی وہ مالک کے کہنے پر ادا کی یا مالک کے قائم کردہ بیّنہ پر ادا کی، یا اس مقدار پر غاصب سے قسم لی گئی تھی اور اس

نے قسم کھانے سے انکار کر کے یہ قیمت دیدی تھی تو مالک کے لیے کوئی اختیار نہ ہو گا اور یہ چیز اب غاصب کے لیے ہو گی؛ کیونکہ غاصب کی ملکیت ایسے سبب سے پوری ہو چکی جس کے ساتھ مالک کی رضامندی موجود ہے؛ کیونکہ مالک نے اسی مقدار کا دعویٰ کیا تھا اس لیے اب مالک کو اختیار نہ ہو گا۔

{5} اور اگر مالک نے غاصب کے قول مع قسم پر تاوان لیا ہو تو زیادہ قیمت ظاہر نے کی صورت میں مالک کو اختیار ہو گا چاہے تو مذکورہ تاوان لے لے اور چاہے مال عین لے کر جو عوض لیا ہے وہ واپس کر دے؛ کیونکہ اس مقدار کے ساتھ اس کی رضامندی پوری نہیں ہوئی تھی؛ کیونکہ وہ زیادہ کا دعویٰ کرتا تھا اور بغیر زیادتی کے لے لینا صرف اس وجہ سے تھا کہ اس کے پاس گواہ نہ تھے پس رضامندی ثابت نہ ہوئی۔

{6} اور اگر قسم کے ساتھ غاصب کے کہنے پر تاوان لینے کی صورت میں جب مالِ عین ظاہر ہوا اور اس کی قیمت اس مقدار کے برابر ہے جو غاصب نے ادا کی ہے یا اس سے کم ہے تو ظاہر الروایت میں مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو ضمان برقرار رکھے اور چاہے تو مالِ عین لے کر تاوان واپس دیدے اور یہی اصح ہے۔

اور امام کرخیؒ کے نزدیک مالک کو مالِ عین واپس لینے کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ اس کو اپنی ملک کا بدل پورا پورا مل گیا ہے۔ ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے مالک کی رضامندی پوری نہیں ہوئی اس لیے کہ وہ جو دعویٰ کرتا تھا وہ اس کو نہیں دیا گیا اور اختیار اسی وجہ سے حاصل ہوا کہ ا[illegible] کی رضامندی پوری نہیں ہوئی نہ اس وجہ سے کہ اس کی قیمت پوری نہیں ہے۔

{7} اگر کسی نے ایک غلام غصب کر کے اس کو فروخت کیا پھر مالک نے اس سے اس کی قیمت کا تاوان لے لیا تو غاصب کی بیع جائز ہو گی، اور اگر غاصب نے اس کو آزاد کیا پھر اس کی قیمت کا تاوان دیدیا تو اس کا عتق جائز نہ ہو گا؛ کیونکہ غلام میں جو غاصب کی ملکیت ثابت ہوئی وہ ناقص ہے؛ کیونکہ وہ ملک غصب کے وقت کی طرف منسوب ہے یعنی ضمان ادا کرنے سے وہ غصب کے وقت سے مالک شمار ہو گا اور بطریق استناد ثابت من وجہ ثابت ہوتی ہے اس لیے ناقص ہے، اور یا غاصب کی ملک بنا بر ضرورت ثابت ہے؛ کیونکہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ غصب سے ملک حاصل نہ ہو؛ کیونکہ غصب ظلم ہے نعمتِ ملک کا سبب نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا یہ ملک کمائی کے حق میں معتبر ہوتی ہے کہ غاصب اس کی کمائی کا مالک ہوتا ہے مگر مغصوب کی اولاد کے حق میں معتبر نہیں بلکہ اس کی اولاد مالک ہی کے لیے ہو گی، بہر حال غاصب کی ملک ناقص ہے اور جو ملک ناقص ہو وہ نفاذِ بیع کے لیے تو کافی ہے مگر عتق کے لیے کافی نہیں ہے جیسے مکاتب کی ملک ہے چنانچہ مکاتب اپنی کمائی میں خرید و فروخت کر سکتا ہے مگر اپنی کمائی کا غلام آزاد نہیں کر سکتا ہے۔

{1} قَالَ: وَوَلَدُ الْمَغْصُوبَةِ وَنَمَاؤُهَا، وَثَمَرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوبِ أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْغَاصِبِ إِنْ هَلَكَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ

فرمایا: مغصوبہ باندی کا بچہ، اور اس کی بڑھوتری، اور مغصوبہ باغ کا پھل امانت ہے غاصب کے ہاتھ میں، اگر ہلاک ہوا تو ضمان نہیں اس پر،

إِلَّا أَنْ يَتَعَدَّى فِيهَا أَوْ يَطْلُبَهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعُهَا إِيَّاهُ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : زَوَائِدُ الْمَغْصُوبِ مَضْمُونَةٌ

مگر یہ کہ تعدی کرے اس میں یا مطالبہ کرے اس کا مالک اور وہ روک دے اس کو اس سے۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے: مغصوب کے زوائد مضمون ہیں،

مُتَّصِلَةً كَانَتْ أَوْ مُنْفَصِلَةً لِوُجُودِ الْغَصْبِ، وَهُوَ إِثْبَاتُ الْيَدِ عَلَى مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ رِضَاهُ، كَمَا فِي الظَّبْيَةِ الْمُخْرَجَةِ

خواہ وہ متصل ہوں یا منفصل؛ غصب کی وجہ سے، اور وہ قبضہ کرنا ہے غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر جیسا کہ نکالی گئی ہرنی میں

مِنَ الْحَرَمِ إِذَا وَلَدَتْ فِي يَدِهِ يَكُونُ مَضْمُونًا عَلَيْهِ .{2} وَلَنَا أَنَّ الْغَصْبَ إِثْبَاتُ الْيَدِ عَلَى مَالِ الْغَيْرِ عَلَى وَجْهٍ

حرم سے جب وہ بچہ دے اس کے قبضہ میں تو وہ مضمون ہوگا اس پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غصب اثباتِ قبضہ ہے غیر کے مال پر اس طرح کہ

يُزِيلُ يَدَ الْمَالِكِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، وَيَدُ الْمَالِكِ مَا كَانَتْ ثَابِتَةً عَلَى هَذِهِ الزِّيَادَةِ حَتَّى يُزِيلَهَا الْغَاصِبُ،

زائل کر دے مالک کا قبضہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو، اور مالک کا قبضہ ثابت نہیں تھا اس زیادتی پر یہاں تک کہ زائل کر دے اس کو غاصب،

وَلَوْ اُعْتُبِرَتْ ثَابِتَةً عَلَى الْوَلَدِ لَا يُزِيلُهَا ، إِذِ الظَّاهِرُ عَدَمُ الْمَنْعِ ، حَتَّى لَوْ مَنَعَ الْوَلَدَ بَعْدَ طَلَبِهِ

اور اگر مانا جائے اس کا قبضہ بچے پر تو غاصب نے زائل نہیں کیا ہے اس کو؛ اس لیے کہ ظاہر عدم منع ہے حتی کہ اگر منع کر دیا بچے کو اس کی طلب کے بعد

يَضْمَنُهُ ،{3} وَكَذَا إِذَا تَعَدَّى فِيهِ كَمَا قَالَ فِي الْكِتَابِ : وَذَلِكَ بِأَنْ أَتْلَفَهُ أَوْ ذَبَحَهُ

تو ضامن ہوگا اس کا، اسی طرح جب تعدی کرے اس میں جیسا کہ کہا ہے کتاب میں، اور تعدی اس طرح کہ تلف کر دے اس کو یا ذبح کر دے اس کو

وَأَكَلَهُ أَوْ بَاعَهُ وَسَلَّمَهُ ،{4} وَفِي الظَّبْيَةِ الْمُخْرَجَةِ لَا يَضْمَنُ وَلَدَهَا إِذَا هَلَكَ

اور کھا لے، یا فروخت کر دے اس کو اور سپرد کرے، اور حرم سے نکالی گئی ہرنی میں ضامن نہ ہوگا اس کے بچے کا جب وہ ہلاک ہو جائے

قَبْلَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِرْسَالِ لِعَدَمِ الْمَنْعِ ، وَإِنَّمَا يَضْمَنُهُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَهُ لِوُجُودِ الْمَنْعِ

چھوڑنے پر قابو پانے سے پہلے؛ عدم منع کی وجہ سے، اور ضامن ہوگا اس کا جب وہ ہلاک ہو جائے اس کے بعد؛ وجودِ منع کی وجہ سے

بَعْدَ طَلَبِ صَاحِبِ الْحَقِّ وَهُوَ الشَّرْعُ، عَلَى هَذَا أَكْثَرُ مَشَايِخِنَا .{5} وَلَوْ أَطْلَقَ الْجَوَابَ فَهُوَ ضَمَانُ جِنَايَةٍ،

صاحبِ حق کی طلب کے بعد، اور صاحبِ حق شرع ہے، اسی پر ہمارے اکثر مشائخ ہیں، اور اگر مطلق ہو جواب تو یہ ضمان ہے جنایت کا،

وَلِهَذَا يَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِهَا ، وَيَجِبُ بِالْإِعَانَةِ وَالْإِشَارَةِ ، فَلَأَنْ يَجِبَ بِمَا هُوَ فَوْقَهَا

اسی لیے متکرر ہوتا ہے جرم مکرر ہونے سے، اور واجب ہوتا ہے اعانت اور اشارہ سے بھی، پس اگر واجب ہو اس سے جو اس سے بڑھ کر ہے

وَهُوَ إِثْبَاتُ الْيَدِ عَلَى مُسْتَحِقِّ الْأَمْنِ أَوْلَى وَأَحْرَى{6} قَالَ : وَمَا نَقَصَتِ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ فِي ضَمَانِ الْغَاصِبِ

اور وہ مستحقِ امن پر قبضہ جمانا ہے تو بطریقہ اولیٰ اور زیادہ لائق ہے۔ فرمایا: اور جو نقصان آئے باندی میں ولادت کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہوگا،

إن كان في قيمة الولد وفاء به انجبر النقصان بالولد وسقط ضمانه عن الغاصب. وقال زفر والشافعي:
میں ولد کی قیمت سے پورا ہو سکا تو پورا ہو گا نقصان بچے سے، اور ساقط ہو جائے گا اس کا ضمان غاصب سے۔ فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے:
لا ينجبر النقصان بالولد؛ لأن الولد ملكه فلا يصلح جابرا لملكه كما في ولد الظبية، وكما
پورا نہ ہو گا نقصان بچے سے؛ کیونکہ بچہ اس کی ملک ہے پس وہ قابل نہ ہو گا اس کی ملک کا جابر ہونے کا جیسا کہ ہرنی کے بچے میں اور جیسا کہ
إذا هلك الولد قبل الرد أو ماتت الأم وبالولد وفاء، وصار كما إذا جز صوف شاة غيره
جب ہلاک ہو جائے بچہ واپس کرنے سے پہلے، یا مر جائے ماں حالانکہ بچے سے پوری ہو سکتی ہے، اور ہو گیا جیسا کہ تراش دے دوسرے کی بکری کی اون،
أو قطع قوائم شجر غيره أو خصى عبد غيره أو علمه الحرفة فأضناه التعليم.
یا قطع کر دے غیر کے درخت کی جڑ، یا خصی کر دے دوسرے کے غلام کو، یا سکھلائے اس کو کوئی پیشہ، پس کمزور کر دے اس کو تعلیم۔

{7}ولنا أن سبب الزيادة والنقصان واحد، وهو الولادة أو العلوق على ما عرف، وعند ذلك لا يعد
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زیادتی اور نقصان کا سبب ایک ہے اور وہ ولادت ہے یا علوق ہے جیسا کہ معلوم ہے اور اس وقت شمار نہیں کیا جاتا ہے ولادت کو
نقصانا فلا يوجب ضمانا، وصار كما إذا غصب جارية سمينة فهزلت ثم سمنت أو سقطت ثنيتها
نقصان، پس وہ واجب نہیں کرے گی نقصان کو اور ہو گیا جیسا کہ غصب کر لے موٹی باندی پھر وہ دبلی ہو گئی پھر موٹی ہو گئی، یا گر گئے اس کے اگلے دانت
ثم نبتت أو قطعت يد المغصوب في يده وأخذ أرشها وأداه مع العبد يحتسب عن نقصان القطع.
پھر نکل آئے، یا مغصوب کا ہاتھ کاٹا گیا غاصب کے قبضہ میں، اور اس نے لے لیا اس کا جرمانہ، اور وہ ادا کر دیا غلام کے ساتھ، تو شمار ہو گا قطع کے نقصان سے۔

{8}وولد الظبية ممنوع، وكذا إذا ماتت الأم. وتخريج الثانية أن الولادة ليست بسبب لموت الأم،
اور ہرنی کے بچہ کا مسئلہ ممنوع ہے، اور اسی طرح جب مر جائے ماں۔ اور دوسری روایت کی تخریج یہ ہے کہ ولادت نہیں ہے سبب ماں کی موت کا؛
إذ الولادة لا تفضي إليه غالبا، {9}وبخلاف ما إذا مات الولد قبل الرد؛ لأنه لا بد
کیونکہ ولادت مفضی نہیں ہوتی ہے موت کو غالبا، اور برخلاف اس کے جب مر جائے بچہ واپس کرنے سے پہلے؛ کیونکہ ضروری ہے
من رد أصله للبراءة، فكذا لا بد من رد خلفه، {10}والخصاء لا يعد زيادة؛ لأنه
اس کی اصل واپس کرنا بری ہونے کے لیے، پس اسی طرح ضروری ہے واپس کرنا اس کا خلیفہ، اور خصی کرنا زیادتی شمار نہیں کیا جاتا؛ کیونکہ یہ
غرض بعض الفسقة، ولا اتحاد في السبب فيما وراء ذلك من المسائل؛ لأن سبب النقصان القطع والجز، وسبب الزيادة
غرض ہے بعض فاسقوں کی، اور اتحاد نہیں سبب میں اس کے علاوہ مسائل میں؛ کیونکہ نقصان کا سبب کاٹنا اور تراشنا ہے، اور زیادتی کا سبب
النمو، وسبب النقصان التعليم، والزيادة سببها الفهم.

اُگتا ہے، اور نقصان کا سبب تعلیم ہے، اور زیادتی کا سبب فہم ہے۔

تشریح:۔ {1} مغصوبہ باندی کا بچہ اور اس کی نماء (موٹی ہونا، حسین ہونا وغیرہ)، اور مغصوبہ باغ کے پھل غاصب کے پاس امانت ہوں گے اگر تلف ہو جائیں تو اس پر ضمان نہیں ہے، البتہ اگر غاصب اس میں تعدی کرے یا مالک اس کا مطالبہ کرے اور غاصب اسے مالک کو دینے سے روک دے پھر یہ چیزیں ہلاک ہو گئیں تو غاصب ضامن ہو گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مغصوب سے جس قسم کی زیادتی حاصل ہو غاصب اس کا ضامن ہو گا خواہ زیادتی اس کے ساتھ متصل ہو جیسے حسن وجمال وغیرہ، یا زیادتی اس سے منفصل ہو جیسے بچہ وغیرہ؛ کیونکہ غصب پایا گیا ہے اور غصب کا معنی یہ ہے کہ غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر قبضہ کر دے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ حرم سے ہرنی نکالی اور اس نے اس کے قبضہ میں بچہ جن لیا تو وہ ہرنی اور اس کے بچہ دونوں کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح مغصوب سے حاصل ہونے والی زیادتی کا بھی غاصب ضامن ہو گا۔

{2} ہماری دلیل یہ ہے کہ غصب کا معنی غیر کے مال پر اپنا قبضہ اس طرح قائم کرنا کہ اس سے مالک کا قبضہ دور کرائے جیسا کہ ہم نے "کتاب الغصب" کے شروع میں ذکر کیا ہے، جبکہ مالک کا قبضہ اس زیادتی پر ثابت ہی نہیں تھا تاکہ غاصب اس کو زائل کر دے لہٰذا اس زیادتی پر غصب کی تعریف صادق نہیں اس لیے غاصب اس کا ضامن نہیں ہو گا۔ اور اگر اولاد پر مالک کا قبضہ ثابت بھی مانا جائے تو غاصب نے اس کو زائل نہیں کیا؛ کیونکہ ظاہر حال یہ ہے کہ مطالبہ کرنے پر غاصب اس کو مالک سے نہ روکتا لہٰذا غاصب نے اس کا قبضہ زائل نہیں کیا ہے اس لیے اس پر غصب کی تعریف صادق نہیں ہے۔

{3} حتیٰ کہ اگر مالک کے طلب کرنے کے بعد غاصب نے اس کو روک دیا تو پھر غاصب ضامن ہو گا۔ اسی طرح اگر غاصب اولاد میں کوئی تعدی کرے تو بھی غاصب ضامن ہو گا جیسا کہ کتاب (مختصر القدوری) میں یہی مذکور ہے، اور تعدی کی صورت یہ ہے کہ غاصب اس کو تلف کر دے یا بکری کا بچہ ذبح کر کے کھا لے، یا باندی کا بچہ فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دے۔

{4} امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حرم سے جو ہرنی نکال لی نکالنے والا اس کے بچہ کا ضامن نہ ہو گا اگر حرم میں چھوڑنے پر قابو پانے سے پہلے وہ تلف ہو جائے؛ کیونکہ اس نے اسے حرم سے نہیں روکا ہے، اور اگر حرم میں چھوڑنے پر قابو پانے کے بعد وہ تلف ہو جائے تو ضامن ہو جائے گا؛ کیونکہ صاحبِ حق کے مطالبہ کے بعد اس نے اس بچے کو حرم میں چھوڑنے سے روک دیا ہے اور صاحبِ حق شریعت ہے؛ کیونکہ شریعت مطالبہ کرتی ہے کہ اصل کو اپنے بچے کے ساتھ حرم میں چھوڑ دیا جائے، ہمارے اکثر مشائخ اسی قول پر ہیں۔

{5} اور اگر اس صورت میں جواب مطلق ہو یعنی خواہ ہرنی کا بچہ قابو سے پہلے ہلاک ہو یا قابو کے بعد ہلاک ہو بہر دو صورت اس کے ضامن ہونے کا حکم مان لیا جائے تو بھی اعتراض نہیں؛ کیونکہ یہ حرم سے نکال کر اس کے امن کو فوت کرنے کے جرم کا تاوان ہے جو ہرنی اور اس کے بچے دونوں کے حق میں پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر جرم مکرر ہو تو جرمانہ بھی مکرر ہوتا ہے مثلاً ایک مرتبہ ہرنی کو نکال دیا تو مجرم ہوا پھر اگر دوبارہ اس کو نکال دیا تو پھر جرمانہ لازم ہوگا اور یہ جرمانہ بوجہ اعانت کے بھی واجب ہوتا ہے یعنی اگر اس شخص کی کسی نے نکالنے میں اعانت کی تو وہ بھی مجرم وضامن ہوتا ہے اور اشارہ سے بھی جرمانہ واجب ہوتا ہے یعنی کسی نے ہرنی کی طرف اشارہ کیا جس کی وجہ سے دوسرے نے ہرنی کو مارا یا حرم سے نکالا تو اشارہ کرنے والا بھی ضامن ہوگا حالانکہ یہ غصب نہیں ہے بلکہ یہ جرم ہے پس جب یہ ضمان ایسے امور سے واجب ہوتا ہے تو اگر اس سے بڑھ کر ایک فعل سے واجب ہو تو یہ اولیٰ اور زیادہ لائق ہے اور وہ فعل یہ کہ جس ہرنی کے لیے امن کا استحقاق ثابت تھا اس پر اپنا قبضہ قائم کیا، بہر حال ہرنی کے بچے کا تاوان غصب کا تاوان نہیں ہے بلکہ حرم سے نکال کر اس کے امن کو فوت کرنے کا تاوان ہے جبکہ ہمارا مسئلہ غصب کے تاوان کے بارے میں ہے تو غصب کے تاوان کو جرمانہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{6} مغصوبہ باندی کو ولادت سے جو نقصان پہنچا وہ غاصب کی ضمانت میں داخل ہے پھر اگر بچہ کی قیمت سے یہ نقصان پورا ہوتا ہو تو بچہ کے ذریعہ سے اس نقصان کو پورا کیا جائے گا اور غاصب سے نقصان کی ضمانت ساقط ہو جائے گی۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بچہ کے ذریعہ سے نقصان کو پورا نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ بچہ بھی مالک کی ملکیت ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی ملکیت کے نقصان کو خود اس کی ملکیت سے پورا کیا جائے جیسے حرم سے نکالی گئی ہرن کی قیمت اگر ولادت کی وجہ سے کم ہو گئی تو اس نقصان کو اس کے بچے سے پورا نہیں کیا جاتا ہے، اور جیسے اس صورت میں کہ واپس کرنے سے پہلے بچہ مر گیا تو بچے سے نقصان کا جبیرہ نہ ہوگا، یا ولادت کی وجہ سے اس کی ماں مری حالانکہ بچہ کی قیمت بہت بڑھی ہوئی ہے جس سے تاوان کو پورا کیا جا سکتا ہے مگر بالاتفاق اس سے ماں کا نقصان پورا نہیں کیا جائے گا، اور یہ حکم ایسا ہو گیا جیسے کسی نے غیر کی بکری کے بال کاٹ لیے یا دوسرے کے درخت کی جڑ کاٹ ڈالی یا غیر کا غلام خصی کر دیا، یا غیر کے غلام کو کوئی صنعت سکھلا دی حالانکہ وہ سیکھنے میں لاغر و کمزور ہو گیا تو ان سب صورتوں میں نقصان کا ضامن ہوتا ہے اگر چہ اس کے فعل سے ان چیزوں کی قیمتیں بڑھ جائیں مگر ان سے اس نقصان کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

{7} ہماری دلیل یہ ہے کہ زیادتی اور نقصان دونوں کا سبب ایک ہی ہے اور وہ ولادت یا نطفہ کا قرار پانا ہے جیسا کہ اپنے موقع پر معلوم ہوا ہے اور جب زیادتی اور نقصان کا سبب ایک ہے تو ایسی حالت میں ولادت کو نقصان شمار نہیں کیا جائے گا اس لیے ضمان بھی واجب نہ ہوگا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے موٹی تازی باندی غصب کی پھر وہ دبلی ہو گئی پھر موٹی تازی ہو گئی تو نقصان پورا ہو گیا، یا اس کے اگلے

دانت گر گئے پھر نکل آئے تو نقصان پورا ہو گیا، یا غاصب کے قبضہ میں مغصوب مملوک کا ہاتھ کاٹا گیا اور غاصب نے اس کا جرمانہ لے کر ہاتھ کٹا غلام جرمانہ کے ساتھ واپس کر دیا تو اس جرمانہ کو نقصانِ قطع کا بدل قرار دیا جائے گا اور جو چیز خلیفہ کی طرف فوت ہو وہ فوت شمار نہیں ہوتی ہے اس لیے اب نقصان کا ضمان واجب نہ ہو گا۔

{8} اور ہرنی کے بچہ کا مسئلہ ممنوع ہے یعنی ہمیں تسلیم نہیں کہ ولادت کی وجہ سے ہرنی میں جو نقصان پیدا ہوا اس کا جبیرہ اس کے بچے کی قیمت سے نہیں ہو گا بلکہ بچے کی قیمت سے اس کا جبیرہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس کو نقض میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ولادت سے ماں مر جائے اور بچہ کی قیمت سے نقصان پورا ہو تا ہو تو بھی اس سے نقصان کا جبیرہ ہو جائے گا اس لیے اس کو نقض میں پیش کرنا صحیح نہیں، البتہ ظاہر الروایت میں نقصان کا جبیرہ نہیں ہوتا تو اس دوسری روایت (ظاہر الروایۃ) کی تخریج یہ ہے کہ باندی کے مرنے کا سبب ولادت نہیں ہے؛ کیونکہ غالباً ولادت سے موت نہیں واقع ہوتی ہے جبکہ ہمارا کلام ایسی صورت میں ہے جہاں زیادتی و نقصان کا سبب ایک ہو حالانکہ یہاں ولادت زیادتی کا سبب ہے موت کا سبب نہیں بلکہ موت کسی دوسرے سبب سے واقع ہوئی، اس لیے بچے سے نقصان کا جبیرہ نہیں کیا جائے گا۔

{9} اسی طرح اگر واپسی سے پہلے بچہ مر گیا تو بچے سے نقصان کا جبیرہ نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ یہاں اصل یعنی اس کی ماں کا واپس کرنا ضروری ہے تاکہ غاصب بری ہو تو اس کے خلیفہ کا واپس کرنا بھی ضروری ہوا، ورنہ ضامن ہو گا یعنی اس نے اصل باندی کو جس صفت پر غصب کیا تھا اسی صفت پر واپس کرنا واجب تھا مگر وہ ولادت کی وجہ سے ناقص ہو گئی تو اس نقصان کا خلیفہ (یعنی بچہ) واپس کرنا واجب تھا اور جب بچہ مر گیا اور اس نے واپس نہیں کیا تو اس سے نقصان کا جبیرہ نہ ہو گا۔

{10} رہا غلام خصی کرنا جس کو تم نے زیادتی شمار کیا ہے تو یہ زیادتی نہیں ہے؛ کیونکہ یہ تو لواطت اور عورتوں سے مختلف کرنے کے لیے بعض فاسقوں کی خواہش ہوتی ہے اور شریعت نے ایسے حرام فعل کو زیادتی شمار نہیں کیا ہے اس لیے اس سے نقصان کا جبیرہ نہ ہو گا۔ اور اس کے علاوہ باقی تین مسائل میں اگرچہ زیادتی ہے لیکن زیادتی اور نقصان کا سبب متحد نہیں ہے؛ کیونکہ نقصان کا سبب جڑ کاٹنا، اور بال نوچنا ہے اور زیادتی کا سبب اس کا اگنا ہے، اور صنعت سکھلانے میں نقصان کا سبب تعلیم ہے اور زیادتی کا سبب اس کی سمجھ ہے اس لیے ان مسائل سے نقض وارد کرنا درست نہیں۔

{1} قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ جَارِيَةً فَزَنَى بِهَا فَحَبِلَتْ ثُمَّ رَدَّهَا وَمَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا

فرمایا: اور جو شخص غصب کر دے باندی، پھر زنا کرے اس سے، اور وہ حاملہ ہو جائے، پھر واپس کر دے اس کو، اور وہ مر جائے اپنے نفاس میں،

يَضْمَنُ قِيمَتَهَا يَوْمَ عَلِقَتْ ، وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي الْحُرَّةِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ،

ضامن ہوگا اس کی قیمت کا نطفہ قرار پانے کے دن کی، اور ضمان نہیں ہے اس پر حرہ کی صورت میں، یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے،

وَقَالَا : لَا يَضْمَنُ فِي الْأَمَةِ أَيْضًا ؛ لَهُمَا أَنَّ الرَّدَّ قَدْ صَحَّ ، وَالْهَلَاكُ بَعْدَهُ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضامن نہ ہوگا باندی کی صورت میں بھی۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ واپس کرنا صحیح ہوا، اور ہلاک ہونا اس کے بعد

بِسَبَبٍ حَدَثَ فِي يَدِ الْمَالِكِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ فَلَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ .كَمَا إذَا حُمَّتْ فِي يَدِ الْغَاصِبِ

ایسے سبب سے ہوا جو پیدا ہوا مالک کے قبضہ میں اور وہ ولادت ہے، پس ضامن نہ ہوگا غاصب جیسا کہ بخار آجائے اس کو غاصب کے قبضہ میں

ثُمَّ رَدَّهَا فَهَلَكَتْ .أَوْ زَنَتْ فِي يَدِهِ ثُمَّ رَدَّهَا فَجُلِدَتْ

پھر وہ واپس کر دے اس کو، اور وہ ہلاک ہو جائے، یا زنا کر دے اس کے قبضہ میں پھر وہ واپس کر دے اس کو، پس کوڑے مارے گئے اس کو،

فَهَلَكَتْ مِنْهُ ، وَكَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً قَدْ حَبِلَتْ عِنْدَ الْبَائِعِ فَوَلَدَتْ عِنْدَ الْمُشْتَرِي

اور وہ ہلاک ہوگئی اس سے، اور جیسے کوئی خرید لے ایسی باندی جو حاملہ ہوگئی تھی بائع کے قبضہ میں، پھر اس نے بچہ جن لیا مشتری کے ہاں

وَمَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا لَا يَرْجِعُ عَلَى الْبَائِعِ بِالثَّمَنِ .{2}وَلَهُ أَنَّهُ غَصَبَهَا

اور مر گئی اپنے نفاس میں، تو رجوع نہیں کر سکتا بائع پر بالاتفاق ثمن کے بارے میں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے غصب کیا باندی کو

وَمَا انْعَقَدَ فِيهَا سَبَبُ التَّلَفِ وَرُدَّتْ وَفِيهَا ذَلِكَ فَلَمْ يُوجَدِ الرَّدُّ عَلَى الْوَجْهِ

حالانکہ منعقد نہیں ہوا تھا اس میں تلف کا سبب، اور واپس کی گئی حالانکہ اس میں سببِ تلف موجود ہے، تو نہیں پایا گیا واپس کرنا اس طور پر

الَّذِي أَخَذَ فَلَمْ يَصِحَّ الرَّدُّ ، وَصَارَ كَمَا إذَا جَنَتْ فِي يَدِ الْغَاصِبِ جِنَايَةً فَقُتِلَتْ

جس پر اس نے لے لی تھی، پس صحیح نہ ہوا واپس کرنا، اور ہوگئی جیسا کہ جب وہ کوئی جرم کرلے غاصب کے قبضہ میں، پھر قتل کر دی گئی

بِهَا فِي يَدِ الْمَالِكِ ، أَوْ دُفِعَتْ بِهَا بِأَنْ كَانَتِ الْجِنَايَةُ خَطَأً يُرْجَعُ

اس جرم کے بدلے میں مالک کے قبضہ میں، یا دیدی گئی ولی جنایت کو جنایت کے بدلے میں بایں طور کہ جنایت خطاء ہو، تو واپس لی جائے گی

عَلَى الْغَاصِبِ بِكُلِّ الْقِيمَةِ .كَذَا هَذَا .{3}بِخِلَافِ الْحُرَّةِ ؛ لِأَنَّهَا لَا تُضْمَنُ بِالْغَصْبِ لِيَبْقَى ضَمَانُ الْغَصْبِ

غاصب سے کل قیمت، اسی طرح یہ ہے، بر خلاف حرہ کے؛ کیونکہ وہ مضمون نہیں ہوتی ہے غصب سے یہاں تک کہ باقی رہے ضمان غصب

بَعْدَ فَسَادِ الرَّدِّ .وَفِي فَصْلِ الشِّرَاءِ الْوَاجِبُ ابْتِدَاءُ التَّسْلِيمِ .وَ مَا ذَكَرْنَا شَرْطُ صِحَّةِ الرَّدِّ

واپسی فاسد ہونے کے بعد بھی، اور خرید کی صورت میں واجب ہے ابتداءً سپرد کرنا، اور جو ہم نے ذکر کیا وہ شرط ہے واپسی کی صحت کی،

وَالزِّنَا سَبَبٌ لِجَلْدٍ مُؤْلِمٍ لَا جَارِحٍ وَلَا مُتْلِفٍ فَلَمْ يُوجَدْ السَّبَبُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ.

اور زنا سبب ہے ایسی ضرب کا جو دکھ پہنچانے والی ہو نہ کہ زخمی کرنے والی اور نہ تلف کرنے والی کا، پس نہیں پایا گیا سبب غاصب کے قبضہ میں۔

{4}قَالَ : وَلَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَهُ إلَّا أَنْ يَنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهِ فَيَغْرَمُ

فرمایا: اور ضامن نہ ہوگا غاصب اُس چیز کے منافع کا جس کو اس نے غصب کیا ہے مگر یہ کہ ناقص ہو جائے اس کے استعمال سے، پس وہ تاوان دے گا

النُّقْصَانَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَضْمَنُهَا ، فَيَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ ،{5}وَلَا فَرْقَ فِي الْمَذْهَبَيْنِ بَيْنَ مَا

نقصان کا، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: ضامن ہوگا منافع کا، پس واجب ہوگی اجرتِ مثل، اور کوئی فرق نہیں دونوں مذہبوں میں اس میں کہ

إذَا عَطَّلَهَا أَوْ سَكَنَهَا .وَقَالَ مَالِكٌ : إنْ سَكَنَهَا يَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ

بے کار چھوڑ دے منافع کو یا اس کو رہائش میں استعمال کرے، اور فرمایا امام مالکؒ نے: اگر رہا ہو اس میں تو واجب ہوگی اجرتِ مثل،

وَإِنْ عَطَّلَهَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ .لَهُ أَنَّ الْمَنَافِعَ أَمْوَالٌ مُتَقَوِّمَةٌ حَتَّى تُضْمَنَ بِالْعُقُودِ

اور اگر بے کار چھوڑا اس کو تو کچھ نہیں اس پر۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافع ذی قیمت اموال ہیں، حتی کہ مضمون ہو جاتے ہیں عقود سے،

فَكَذَا بِالْغُصُوبِ .{6}وَلَنَا أَنَّهَا حَصَلَتْ عَلَى مِلْكِ الْغَاصِبِ لِحُدُوثِهَا فِي إمْكَانِهِ

پس اسی طرح غصوب سے بھی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ منافع حاصل ہوئے ہیں ملکِ غاصب پر؛ ان کے پیدا ہونے کی وجہ سے اس کے تصرف میں

إذْ هِيَ لَمْ تَكُنْ حَادِثَةً فِي يَدِ الْمَالِكِ ؛ لِأَنَّهَا أَعْرَاضٌ لَا تَبْقَى فَيَمْلِكُهَا دَفْعًا

اس لیے کہ وہ پیدا نہیں ہوئے تھے مالک کے قبضہ میں؛ اس لیے کہ منافع اعراض ہیں باقی نہیں رہتے ہیں پس وہ مالک ہوگا ان کا دفع کرتے ہوئے

لِحَاجَتِهِ ، وَالْإِنْسَانُ لَا يَضْمَنُ مِلْكَهُ ، كَيْفَ وَأَنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ غَصْبُهَا وَإِتْلَافُهَا؛

اپنی حاجت کو، اور انسان ضامن نہیں ہوتا ہے اپنی ملک کا، کیسے ضامن ہوگا حالانکہ متحقق نہیں ہوتا ہے منافع کو غصب کرنا اور تلف کرنا؛

لِأَنَّهُ لَا بَقَاءَ لَهَا ، وَلِأَنَّهَا لَا تُمَاثِلُ الْأَعْيَانَ لِسُرْعَةِ فَنَائِهَا وَبَقَاءِ الْأَعْيَانِ،

اس لیے کہ ان کے لیے بقاء نہیں ہے، اور اس لیے کہ منافع کو مماثلت نہیں ہے اعیان کے ساتھ؛ ان کی سرعتِ فناء اور اعیان کی بقاء کی وجہ سے،

وَقَدْ عَرَفْتَ هَذِهِ الْمَآخِذَ فِي الْمُخْتَلِفِ ،{7}وَلَا نُسَلِّمُ أَنَّهَا مُتَقَوِّمَةٌ فِي ذَاتِهَا ، بَلْ تُقَوَّمُ ضَرُورَةً

اور آپ جان چکے ہیں یہ ماخذ مختلف میں، اور ہمیں تسلیم نہیں کہ منافع ذی قیمت ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے بلکہ متقوّم ہو جاتے ہیں ضرورۃً

عِنْدَ وُرُودِ الْعَقْدِ وَلَمْ يُوجَدِ الْعَقْدُ ، إلَّا أَنَّ مَا انْتَقَصَ بِاسْتِعْمَالِهِ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ لِاسْتِهْلَاكِهِ

ورودِ عقد کے وقت، حالانکہ نہیں پایا گیا ہے عقد، مگر یہ کہ جو ناقص ہوا اس کے استعمال سے وہ مضمون ہے اس پر؛ اس کے تلف کرنے کی وجہ سے

بَعْضَ أَجْزَاءِ الْعَيْنِ .

عین کے بعض اجزاء کو۔

تشریح:۔{1} اگر کسی نے ایک باندی غصب کرکے اس سے زنا کیا پھر وہ حاملہ ہوگئی پھر اس کو واپس کردیا پھر وہ نفاس میں مرگئی تو غاصب اس کی اس دن کی قیمت کا ضامن ہوگا جو قیمت حاملہ کرنے کے دن تھی۔اور اگر آزاد عورت کے ساتھ ایسا کیا تو ضامن نہ ہوگا اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ باندی کی صورت میں بھی ضامن نہ ہوگا؛صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ واپسی صحیح ہوگئی؛کیونکہ اس نے حق مستحق کو پہنچادیا اور واپسی کا صحیح ہونا ضمان سے بری کردیتا ہے اس لیے غاصب ضامن نہ ہوگا۔اور مرنا اس کے بعد ایک ایسے سبب سے ہوا جو سبب مالک کے قبضہ میں پیدا ہوا ہے اور وہ سبب ولادت ہے یعنی وہ مالک کے قبضہ میں بچہ جن چکی ہے تو غاصب ضامن نہ ہوگا جیسے اگر غاصب کے پاس اس کو بخار آیا پھر غاصب نے اس کو واپس کیا اور مالک کے قبضہ میں وہ مرگئی تو غاصب ضامن نہیں ہوتا ہے،یا جیسے مغصوبہ باندی نے غاصب کے قبضہ میں زنا کیا پھر غاصب نے واپس کی پھر مالک کے قبضہ میں اس کو زنا کی وجہ سے درّے مارے گئے پس وہ مرگئی تو غاصب ضامن نہیں ہوتا ہے،اور جیسے کسی نے ایسی باندی خریدی جو بائع کے قبضہ میں حاملہ ہوگئی تھی پھر وہ مشتری کے پاس بچہ جن گئی اور نفاس میں مرگئی تو بالاتفاق وہ بائع سے ثمن واپس نہیں لے سکتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی غاصب سے باندی کا ضمان نہیں لے سکتا ہے۔

{2} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے باندی کو ایسی حالت میں غصب کیا کہ باندی میں یہ سببِ تلف موجود نہ تھا اور واپس ایسی حالت میں کی کہ اس میں سببِ تلف موجود ہے تو جس طرح پر اس نے اس کو لے لیا تھا اسی طرح پر واپسی نہیں پائی گئی تو واپس کرنا صحیح نہ ہوا اور یہ ایسا ہوگیا جیسے غاصب کے قبضہ میں اس نے کوئی جرم کیا مثلاً کسی کو قتل کیا پھر اس قتل کی وجہ سے وہ مالک کے قبضہ میں قتل کی گئی،یا اگر جرم خطاء کیا تھا اور اس کے عوض میں وہ ولی جنایت کو دیدی گئی تو مالک غاصب سے پوری قیمت واپس لیتا ہے تو ایسا ہی یہاں پر بھی اس سے قیمت کا تاوان لیا جائے گا۔

{3} باقی آزاد عورت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛کیونکہ آزاد عورت مال نہ ہونے کی وجہ سے اسے غصب کرنے سے اس کا ضمان واجب نہیں ہوتا ہے تاکہ واپسی فاسد ہونے کے بعد غصب کا تاوان باقی رہے۔اور خرید کے مسئلہ سے بھی استشہاد صحیح نہیں ہے؛کیونکہ خرید کی صورت میں ابتداءً بائع پر مبیع سپرد کرنا واجب ہے کہ عقد کی وجہ سے جیسی سپردگی واجب ہوئی ویسی ہی بعینہ سپرد کردے اور اس طرح کی سپردگی پائی گئی؛کیونکہ عقد عین پر واقع ہوتا ہے اوصاف پر واقع نہیں ہوتا ہے اسی لیے تو اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں آتا ہے اس لیے یہ سپردگی صحیح ہے،جبکہ نفاس میں موت کی صورت میں سپردگی معدوم نہیں ہوتی ہے اور غاصب پر اپنے فعل کو فسخ کرنا واجب ہے اور یہ تب ہوگا کہ جیسا اس نے غصب کی ہے اسی طرح اسے واپس کردے؛کیونکہ اوصاف

غصب میں شامل ہیں پس غصب کی صورت میں اوصاف کے ساتھ واپس کرنا شرط ہے اور یہ شرط نہیں پائی گئی اس لیے یہ واپسی کچھ نہیں ہے۔ اور رہا زنا کا مسئلہ تو اس میں زنا ایسی ضرب کو واجب کرتا ہے جو دکھ اور درد پہنچائے نہ یہ کہ زخمی کردے یا تلف کردے تو غاصب کے قبضہ میں موت کا سبب نہیں پایا گیا بلکہ یہ مالک کے قبضہ میں پیدا ہوا لہذا غاصب ضامن نہ ہوگا۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول ابی حنیفة، قال العلامة فخر الدین قاضیخان: رجل غصب جارية فزنت عنده ثم ردّها على المالك فولدت عند المالك وماتت في نفاسها ومات الولد ايضاً كان على الغاصب قيمتها في قول ابي حنيفة الخ (القول الراجح: 263/2)

{4} غاصب جو چیز غصب کردے اس کے منافع کا ضامن نہیں ہوگا یعنی واپسی سے پہلے مغصوب کے جو منافع غاصب نے حاصل کئے غاصب مالک کے لیے ان کا ضامن نہیں ہوگا، البتہ اگر غاصب کے استعمال سے مغصوب میں نقصان آیا تو نقصان کا ضامن ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ منافع کا بھی ضامن ہوگا پس جتنی مدت تک اس نے مغصوب چیز کے منافع حاصل کئے اتنی مدت تک جو کچھ اس چیز کی اجرتِ مثل بنتی ہو وہ غاصب کے ذمہ واجب ہوگی۔

{5} اور ان دونوں مذہبوں میں اس امر کا فرق نہیں کہ غاصب نے مغصوبہ مکان کو بے کار چھوڑا ہو یا اس میں سکونت اختیار کی ہو یعنی دونوں صورتوں میں امام شافعیؒ کے نزدیک غاصب اس مکان کے منافع کا ضامن ہوگا، اور ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں ضامن نہ ہوگا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر غاصب اس مکان میں رہا ہو تو اجرتِ مثل واجب ہوگی اور اگر اس کو معطل چھوڑا ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافع بھی قیمتی مال ہیں حتی کہ عقود (اجارہ) سے ان کا ضمان واجب ہوتا ہے پس اسی طرح غصب سے بھی ان کا تاوان واجب ہوگا۔

{6} ہماری دلیل یہ ہے کہ غصب کے دوران کے منافع غاصب کی ملکیت پر پیدا ہوئے ہیں؛ کیونکہ یہ منافع اس کے امکان (تصرف اور قدرت) میں حاصل ہوئے ہیں اس لیے کہ یہ منافع مالک کے قبضہ میں موجود نہیں تھے؛ کیونکہ منافع اعراض ہیں جو باقی نہیں رہ سکتے ہیں اس لیے یہ منافع مالک کے قبضہ میں موجود نہیں تھے تو غاصب اپنی حاجت کو دفع کرنے کے لیے ان کا مالک ہو جائے گا اور انسان اپنی ملکیت کا ضامن نہیں ہوتا ہے اس لیے غاصب ضامن نہ ہوگا۔ اور کیونکر ضامن ہوگا حالانکہ منافع کو غصب کرنا یا ان کو تلف کرنا متصور نہیں ہے اس لیے کہ ان کا باقی رہنا ممکن نہیں ہے اور جو چیز باقی نہیں رہ سکتی ہے اس کو غصب بھی نہیں

کیا جاسکتا ہے۔ اور اس لیے کہ ان کو اعیان کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے؛ کیونکہ منافع جلدی فنا ہو جاتے ہیں اور اعیان باقی رہتے ہیں اس لیے اعیان پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ دلائل ابو اللیثؒ کی کتاب "مختلف الروایۃ" میں مفصل معلوم ہوئے ہیں۔

{7} اور منافع کا قیمتی ہونا جیسا امام شافعیؒ فرماتے ہیں تو ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ وہ اپنی ذات سے قیمتی ہیں بلکہ جب ان پر عقد اجارہ وارد ہوتا ہے تو اس ضرورت سے خلافِ قیاس ان کو قیمتی ٹھہرایا جاتا ہے حالانکہ غاصب کے ساتھ یہاں کوئی عقد نہیں پایا گیا ہے اس لیے منافع قیمتی نہیں ہیں۔ البتہ عینِ مغصوب میں سے جو کچھ غاصب کے استعمال کی وجہ سے ناقص ہو جائے تو غاصب اس کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں اس نے مالِ عین کے بعض اجزاء کو تلف کر دیا اور مغصوب اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مضمون ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں غاصب ضامن ہوگا۔ اور منافع چونکہ مغصوب شئی کے اجزاء نہیں ہیں اس لیے غاصب ان کا ضامن نہ ہوگا۔

## فَصْلٌ فِي غَصْبِ مَا لَا يَتَقَوَّمُ

یہ فصل ایسی چیز کے غصب کے بیان میں ہے جو ذی قیمت مال نہیں ہے۔

مصنفؒ ذی قیمت مال کے غصب کے بیان سے فارغ ہوگئے تو غیر ذی قیمت مال کے غصب کے بیان کو شروع فرمایا چونکہ ذی قیمت مال اصل ہے اس لیے اسے غصب کرنے کے بیان کو مقدم کیا۔

{1} قَالَ : وَإِذَا أَتْلَفَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِّ أَوْ خِنْزِيرَهُ ضَمِنَ قِيمَتَهُمَا ، فَإِنْ أَتْلَفَهُمَا لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَضْمَنُهَا لِلذِّمِّيِّ أَيْضًا وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا أَتْلَفَهُمَا ذِمِّيٌّ عَلَى ذِمِّيٍّ أَوْ بَاعَهُمَا الذِّمِّيُّ مِنْ الذِّمِّيِّ . {2} لَهُ أَنَّهُ سَقَطَ تَقَوُّمُهُمَا فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَكَذَا فِي حَقِّ الذِّمِّيِّ ، لِأَنَّهُمْ أَتْبَاعٌ لَنَا فِي الْأَحْكَامِ فَلَا يَجِبُ بِإِتْلَافِهِمَا

فرمایا: اور اگر تلف کر دے مسلمان ذمی کی شراب یا اس کا خنزیر تو ضامن ہوگا ان دونوں کی قیمت کا، اور اگر یہ دونوں مسلمان کے تلف کر دے تو ضامن نہ ہوگا، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: ضامن نہ ہوگا ان دونوں کا ذمی کے لیے بھی، اور اسی اختلاف پر ہے جب تلف کر دے ان دونوں کو ایک ذمی دوسرے ذمی پر یا فروخت کر دے ان کو ایک ذمی دوسرے ذمی کے ہاتھ۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ساقط ہے ان دونوں کا قیمتی ہونا

مسلمان کے حق میں، پس اسی طرح ذمی کے حق میں ہے؛ کیونکہ ذمی لوگ ہمارے تابع ہیں احکام میں پس واجب نہ ہو گا ان کو تلف کرنے سے

مَالٌ مُتَقَوِّمٌ وَهُوَ الضَّمَانُ .{3}وَلَنَا أَنَّ التَّقَوُّمَ بَاقٍ فِي حَقِّهِمْ ، إذِ الْخَمْرُ لَهُمْ كَالْخَلِّ لَنَا

متقوم مال اور وہ ضمان ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قیمتی ہونا باقی ہے ان کے حق میں؛ کیونکہ شراب ان کے لیے ایسی ہے جیسے سرکہ ہمارے لیے

وَالْخِنْزِيرُ لَهُمْ كَالشَّاةِ لَنَا .وَنَحْنُ أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِينُونَ وَالسَّيْفُ مَوْضُوعٌ

اور خنزیر ان کے لیے ایسا ہے جیسے بکری ہمارے لیے اور ہمیں حکم کیا گیا ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں، اور تلوار اٹھادی گئی ہے

فَيَتَعَذَّرُ الْإِلْزَامُ ، وَإِذَا بَقِيَ التَّقَوُّمُ فَقَدْ وُجِدَ إتْلَافُ مَالٍ مَمْلُوكٍ مُتَقَوِّمٍ فَيَضْمَنُهُ .{4}بِخِلَافِ الْمَيْتَةِ

تو متعذر ہے لازم کرنا، اور جب باقی ہے ذی قیمت ہونا تو پایا گیا تلف کرنا مملوک ذی قیمت مال کا، پس وہ ضامن ہو گا اس کا، بر خلاف مردار

وَالدَّمِ ؛ لِأَنَّ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْأَدْيَانِ لَا يَدِينُ تَمَوُّلَهُمَا ، إلَّا أَنَّهُ تَجِبُ قِيمَةُ الْخَمْرِ وَإِنْ كَانَ

اور خون کے؛ کیونکہ کوئی اہل ادیان میں سے اعتقاد نہیں رکھتا ان دونوں کے مال ہونے کا، مگر یہ کہ واجب ہے شراب کی قیمت اگرچہ وہ

مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ ؛ لِأَنَّ الْمُسْلِمَ مَمْنُوعٌ عَنْ تَمْلِيكِهِ لِكَوْنِهِ إعْزَازًا لَهُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا جَرَتِ

ذوات الامثال میں سے ہے؛ کیونکہ مسلمان ممنوع ہے شراب کی تملیک سے؛ کیونکہ یہ اعزاز ہے شراب کا، بر خلاف اس کے جب جاری ہوئی ہو

الْمُبَايَعَةُ بَيْنَ الذِّمِّيَّيْنِ ؛ لِأَنَّ الذِّمِّيَّ غَيْرُ مَمْنُوعٍ عَنْ تَمْلِيكِ الْخَمْرِ وَتَمَلُّكِهَا .{5}وَهَذَا بِخِلَافِ الرِّبَا ؛ لِأَنَّهُ

خرید و فروخت دو ذمیوں کے درمیان؛ کیونکہ ذمی ممنوع نہیں ہے شراب کی تملیک اور تملک سے، اور یہ بر خلافِ سود کے ہے؛ کیونکہ وہ

مُسْتَثْنًى عَنْ عُقُودِهِمْ ، وَبِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمُرْتَدِّ يَكُونُ لِلذِّمِّيِّ ؛ لِأَنَّا مَا ضَمِنَّا لَهُمْ تَرْكَ التَّعَرُّضِ لَهُ

مستثنیٰ ہے ان کے عقود سے، اور بر خلاف مرتد غلام کے جو ذمی کا مملوک ہو؛ کیونکہ ہم نے معاہدہ نہیں کیا ہے ان سے ترکِ تعرض کا مرتد غلام سے؛

لِمَا فِيهِ مِنَ الِاسْتِخْفَافِ بِالدِّينِ ، وَبِخِلَافِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا إذَا كَانَ لِمَنْ يُبِيحُهُ ؛ لِأَنَّ

اس لیے کہ اس میں دین کی بے عزتی ہے، اور بر خلافِ عمداً متروک التسمیہ کے جبکہ وہ ایسے شخص کا ہو جو مباح سمجھتا ہو اس کو؛ کیونکہ

وِلَايَةَ الْمُحَاجَّةِ ثَابِتَةٌ .{6}قَالَ : فَإِنْ غَصَبَ مِنْ مُسْلِمٍ خَمْرًا فَخَلَّلَهَا أَوْ جِلْدَ مَيْتَةٍ

حجت سے قائل کرنے کی ولایت ثابت ہے۔ فرمایا: پس اگر غصب کی شراب مسلمان سے، اور سرکہ بنادیا اس کو، یا مردار کی کھال غصب کی

فَدَبَغَهُ فَلِصَاحِبِ الْخَمْرِ أَنْ يَأْخُذَ الْخَلَّ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَيَأْخُذَ جِلْدَ الْمَيْتَةِ وَيَرُدَّ عَلَيْهِ

پھر پکا دیا اس کو، تو صاحبِ شراب کو اختیار ہے کہ وہ لے لے سرکہ بغیر کسی شئ کے، اور لے لے مردار کی کھال اور واپس کر دے اس پر

مَا زَادَ الدِّبَاغُ فِيهِ ، وَالْمُرَادُ بِالْفَصْلِ الْأَوَّلِ إذَا خَلَّلَهَا بِالنَّقْلِ مِنَ الشَّمْسِ إلَى الظِّلِّ

وہ جو اضافہ کیا پکانے نے اس میں، اور مراد پہلی صورت سے یہ ہے کہ سرکہ کردے اس کو دھوپ سے نقل کرنے سے سایہ کی طرف،

وَمِنْهُ إِلَى الشَّمْسِ ، وَبِالْفَصْلِ الثَّانِي إِذَا دَبَغَهُ بِمَا لَهُ قِيمَةٌ كَالْقَرْظِ وَالْعَفْصِ وَنَحْوِ ذَلِكَ.

اور سایہ سے دھوپ کی طرف، اور دوسری صورت سے مراد یہ ہے کہ پکالے اس کو ایسی چیز سے جس کے لیے قیمت ہو جیسے قرظ اور عفص وغیرہ۔

{7} وَالْفَرْقُ أَنَّ هَذَا التَّخْلِيلَ تَطْهِيرٌ لَهُ بِمَنْزِلَةِ غَسْلِ الثَّوْبِ النَّجِسِ فَيَبْقَى عَلَى مِلْكِهِ إِذْ لَا تَثْبُتُ

اور فرق یہ ہے کہ سرکہ بنانا پاک کرنا ہے شراب کو ناپاک کپڑے کو دھونے کی طرح، پس وہ باقی رہے گی مالک کی ملک پر؛ کیونکہ ثابت نہیں ہوتی ہے

الْمَالِيَّةُ بِهِ وَبِهَذَا الدِّبَاغِ اتَّصَلَ بِالْجِلْدِ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ لِلْغَاصِبِ كَالصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ

مالیت تخلیل سے، اور پکانے سے متصل ہو جاتا ہے کھال کے ساتھ ذی قیمت مال غاصب کا جیسے رنگ کپڑے میں، تو وہ رنگ کے درجہ میں ہو گیا،

فَلِهَذَا يَأْخُذُ الْخَلَّ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَيَأْخُذُ الْجِلْدَ وَيُعْطِي مَا زَادَ الدِّبَاغُ فِيهِ .وَبَيَانُهُ أَنَّهُ يُنْظَرُ

اسی لیے لے لے گا سرکہ مفت، اور لے لے گا کھال اور دیدے گا وہ جو اضافہ کیا پکانے نے اس میں، اور اس کا بیان یہ ہے کہ دیکھا جائے

إِلَى قِيمَتِهِ ذَكِيًّا غَيْرَ مَدْبُوغٍ ، وَإِلَى قِيمَتِهِ مَدْبُوغًا فَيَضْمَنُ فَضْلَ مَا بَيْنَهُمَا ، وَلِلْغَاصِبِ أَنْ

مذبوح غیر مدبوغ کھال کی قیمت اور مدبوغ کھال کی قیمت کو، پس ضمان دے ان دونوں کے درمیان زیادتی کا، اور غاصب کو اختیار ہے کہ

يَحْبِسَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ حَقَّهُ كَحَقِّ الْحَبْسِ فِي الْبَيْعِ .

روک دے کھال کو یہاں تک کہ وصول کرلے اپنا حق جیسے روکنے کا حق مبیع میں۔

تشریح:۔ {1} اگر مسلمان نے کسی ذمی کی شراب یا خنزیر کو تلف کیا تو ضامن ہوگا، اور اگر کسی نے مسلمان کی شراب یا خنزیر کو تلف کیا تو ضامن نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذمی کی شراب و خنزیر کا بھی ضامن نہ ہوگا، احنافؒ اور شوافع کا یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ ایک ذمی دوسرے ذمی کی شراب یا خنزیر کو تلف کردے یا ایک ذمی دوسرے ذمی کے ہاتھ شراب یا خنزیر کو فروخت کردے کہ ہمارے نزدیک یہ بیع جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

{2} امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کے حق میں شراب یا خنزیر کا قیمتی ہونا ساقط ہے اسی طرح ذمی کے حق میں بھی ساقط ہے؛ کیونکہ یہ لوگ احکام میں ہمارے تابع ہیں تو شراب یا خنزیر کو تلف کرنے کے بدلے میں قیمتی مال واجب نہ ہوگا یعنی تلف کرنے والے پر ان کا ضمان لازم نہ ہوگا۔

{3} ہماری دلیل یہ ہے کہ ذمیوں کے حق میں شراب یا خنزیر کا قیمتی مال ہونا باقی ہے؛ کیونکہ شراب ان کے حق میں ایسی ہے جیسے ہمارے حق میں سرکہ ہے اور ان کے حق میں خنزیر ایسا ہے جیسے ہمارے حق میں بکری ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کو اس

عقیدہ پر چھوڑدیں جو عقیدہ وہ رکھتے ہیں اور تلوار ان کے اوپر سے اٹھالی گئی ہے تو کسی حکم کو ان پر لازم کرنا متعذر ہے، پس جب ان کے حق میں شراب اور خنزیر کا ذی قیمت ہونا باقی رہا تو مالِ مملوک ذی قیمت کا تلف کرنا لازم آیا اس لیے تلف کرنے والا ضامن ہوگا۔

{4} باقی مردار اور خون کا حکم اس کے بر خلاف ہے یعنی ان کو تلف کرنے میں تلف کرنے والے پر تاوان واجب نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ کسی ملت والے ان کے مال ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں یعنی ان کو بطورِ مال کے نہیں رکھتے ہیں۔ پس شراب اور خنزیر کا تاوان واجب ہوگا البتہ اتنی بات ہے کہ شراب اگرچہ مثلی چیز ہے لیکن اس کی قیمت دینا لازم ہوگا؛ کیونکہ مسلمان اس سے روک دیا گیا ہے کہ وہ شراب کسی کی مِلک میں دیدے؛ کیونکہ شراب کسی کی مِلک میں دینے میں شراب کا اعزاز ہے حالانکہ شراب کا اعزاز حرام ہے اس لیے اس کی قیمت دینا لازم ہوگا۔ اس کے بر خلاف اگر دو ذمیوں میں باہم شراب کی خرید و فروخت جاری ہوئی تو اس میں مضائقہ نہیں؛ کیونکہ ذمی کو شراب یا خنزیر کے مالک کرنے یا مالک ہونے سے ممانعت نہیں ہے۔

{5} اور مذکورہ بالا حکم شراب اور خنزیر کا ہے، باقی سود کا حکم اس کے بر خلاف ہے کہ سود کے بارے میں یہ حکم نہیں کہ ذمی لوگ اس کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے ہوں ہم ان کو ان کے عقیدہ پر چھوڑدیں، بلکہ سود ان کے عہدِ ذمہ سے مستثنیٰ ہے یعنی سود کی اجازت ذمیوں کو بھی نہیں ہے۔ اور بر خلاف مرتد غلام کے کہ اگر وہ کسی ذمی کی ملکیت ہو تو وہ معاف نہ ہوگا بلکہ اسے قتل کیا جائے گا؛ کیونکہ ہم نے ذمیوں سے معاہدہ نہیں کیا ہے کہ ہم مرتد غلام سے تعرض نہیں کریں گے؛ کیونکہ ایسا کرنے میں دین کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لیے ذمی کے مملوک مرتد کو قتل کردیا جائے گا۔ اور اس کے بر خلاف اگر کسی حنفی نے کسی شافعی المسلک شخص کا ایسا ذبیحہ تلف کردیا جس پر عمداً بسم اللہ کہنا چھوڑدیا گیا ہو اور ایسا ذبیحہ ان کے نزدیک حلال ہے تو ان کے وجوبِ ضمان کا اعتقاد معتبر نہ ہوگا لہٰذا حنفی سے اس کا مواخذہ نہ کیا جائے گا؛ کیونکہ حجت سے قائل کرنے کی ولایت ہمیں حاصل ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ[1]﴾ (اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اسے مت کھاؤ کیونکہ یہ گناہ کی بات ہے) جو صریح ہے کہ عمداً متروک التسمیہ حرام ہے لہٰذا ان کے اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔

{6} اگر کسی نے ایک مسلمان سے شراب غصب کرکے سرکہ کرڈالی، یا مردار کی کھال غصب کرکے اس کی دباغت کرلی تو شراب کے مالک کو اختیار ہے کہ سرکہ مفت لے لے، اور مردار کی کھال کا مالک کو کھال لینے کا اختیار ہے مگر دباغت سے جو کچھ زیادتی ہوئی ہے وہ دیدے گا، اور پہلے مسئلہ (سرکہ کے مسئلہ) میں مراد یہ ہے کہ غاصب نے اس طرح سرکہ بنایا کہ سایہ سے دھوپ میں اور دھوپ سے سایہ میں لایا یعنی مال خرچ کئے بغیر فقط اس فعل سے شراب سرکہ بن گئی، اور دوسرے مسئلہ (کھال کی دباغت

---

([1]) الانعام: 121.

کے مسئلہ) میں مراد یہ ہے کہ غاصب نے ایسی چیز سے کھال کو دباغت دی جس کی کچھ قیمت ہے جیسے قرظ (کیکر کے مشابہ درخت، جس کے پتوں سے چمڑے کی دباغت کی جاتی ہے) اور عفص (ایک قسم کی دوائی ہے جو کسی سیال شی کو خشک اور گاڑھا کر دیتی ہے) وغیرہ۔

{7} اور فرق یہ ہے کہ مال خرچ کئے بغیر سرکہ کر ڈالنا شراب کو پاک کرنا ہوتا ہے جیسے نجس کپڑا دھوڈالنا پس وہ اپنے مالک کی ملک پر باقی رہے گا؛ کیونکہ اس سے مالیت ثابت نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس میں غاصب کی کوئی ملکیت نہ ہوگی۔ اور قیمتی چیزوں سے دباغت کرنے میں غاصب کا قیمتی مال اس کی کھال سے مل جاتا ہے جیسے کپڑے میں غاصب کا رنگ مل جاتا ہے تو کھال کا بھی وہی حکم ہوگا جو کپڑا رنگنے میں ہے، پس اس فرق کی وجہ سے مالک سرکہ کو مفت لے گا اور کھال کو لے کر جو کچھ اس میں دباغت سے زیادتی ہوئی ہے وہ غاصب کو دیدے گا، اور زیادتی معلوم کرنے کی صورت یہ ہے کہ کھال کو ذبح کی ہوئی بلا دباغت کھال کی قیمت اور ذبح کی ہوئی اور دباغت دی ہوئی کھال کی قیمت دیکھی جائے پس ان دونوں قیمتوں میں جو کچھ فرق ہو اس قدر کا مالک غاصب کے لیے ضامن ہوگا۔ اور غاصب کو اختیار ہے کہ کھال کو اپنا حق وصول کرنے تک روکے رکھے جیسے بیع میں بائع کو ثمن حاصل کرنے تک مبیع روکنا جائز ہے۔

{1} قَالَ : وَإِنِ اسْتَهْلَكَهُمَا ضَمِنَ الْخَلَّ وَلَمْ يَضْمَنِ الْجِلْدَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا:

فرمایا: اور اگر تلف کر دیا ان دونوں کو تو ضامن ہوگا سرکہ کا، اور ضامن نہ ہوگا کھال کا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں

يَضْمَنُ الْجِلْدَ مَدْبُوغًا وَيُعْطِي مَا زَادَ الدِّبَاغُ فِيهِ ، وَلَوْ هَلَكَ فِي يَدِهِ لَا يَضْمَنُهُ

کہ ضامن ہوگا پکی ہوئی کھال کا، اور دیدے وہ جو اضافہ کیا ہے دباغت نے اس میں، اور اگر ہلاک ہو گئی غاصب کے قبضہ میں تو ضامن نہ ہوگا وہ اس کا

بِالْإِجْمَاعِ . أَمَّا الْخَلُّ ؛ فَلِأَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ عَلَى مِلْكِ مَالِكِهِ وَهُوَ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ ضَمِنَهُ بِالْإِتْلَافِ ، يَجِبُ

بالاتفاق، بہر حال سرکہ تو وہ اس لیے کہ جب باقی رہا مالک کی ملک پر اور وہ مال متقوّم ہے تو وہ ضامن ہوگا اس کا تلف کرنے سے، اور واجب ہوگا

مِثْلُهُ ؛ لِأَنَّ الْخَلَّ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ . {2} وَأَمَّا الْجِلْدُ فَلَهُمَا أَنَّهُ بَاقٍ عَلَى مِلْكِ الْمَالِكِ حَتَّى كَانَ لَهُ

اس کا مثل؛ کیونکہ سرکہ ذوات الامثال میں سے ہے، رہی کھال تو صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ باقی ہے مالک کی ملک پر حتی کہ اس کو حق ہے

أَنْ يَأْخُذَهُ وَهُوَ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فَيَضْمَنُهُ مَدْبُوغًا بِالِاسْتِهْلَاكِ وَيُعْطِيهِ الْمَالِكُ مَا زَادَ

کہ لے لے اس کو، اور وہ مال متقوّم ہے پس وہ ضامن ہوگا پکی ہوئی کھال کا تلف کرنے کی وجہ سے، اور دیدے گا مالک اس کو وہ جو اضافہ کرے

الدِّبَاغُ فِيهِ كَمَا إِذَا غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهُ ثُمَّ اسْتَهْلَكَهُ وَيَضْمَنُهُ وَيُعْطِيهِ

دباغت اس میں جیسا کہ جب غصب کرلے کپڑے کو، پس رنگ دے اس کو، پھر تلف کر دے اس کو تو وہ ضامن ہوگا اس کا اور دیدے گا اس کو

الْمَالِكُ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ ، وَلِأَنَّهُ وَاجِبُ الرَّدِّ ، فَإِذَا فَوَّتَهُ عَلَيْهِ خَلَفَهُ

مالک وہ جو اضافہ کیا ہے رنگ نے اس میں، اور اس لیے کہ واجب تھا واپس کرنا پس جب اس نے فوت کر دی واپسی اس پر تو اس کی جگہ ہوگی

قِيمَتُهُ كَمَا فِي الْمُسْتَعَارِ .وَبِهَذَا فَارَقَ الْهَلَاكَ بِنَفْسِهِ . {3}وَقَوْلُهُمَا يُعْطِي مَا زَادَ الدِّبَاغُ فِيهِ

اس کی قیمت جیسا کہ مستعار میں، اور اس سے یہ الگ ہوا خود تلف ہونے سے۔ اور صاحبین کا قول "دیدے وہ جو اضافہ کیا ہے پکانے نے اس میں"

مَحْمُولٌ عَلَى اخْتِلَافِ الْجِنْسِ .أَمَّا عِنْدَ اتِّحَادِهِ فَيَطْرَحُ عَنْهُ ذَلِكَ الْقَدْرَ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ الْبَاقِي لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ

محمول ہے اختلافِ جنس پر، رہا اتحادِ جنس کے وقت تو کم کر دیا جائے گا اس سے اسی قدر، اور لے لیا جائے گا اس سے باقی؛ عدم فائدہ کی وجہ سے

فِي الْأَخْذِ مِنْهُ ثُمَّ فِي الرَّدِّ عَلَيْهِ . {4}وَلَهُ أَنَّ التَّقَوُّمَ حَصَلَ بِصُنْعِ الْغَاصِبِ وَصَنْعَتُهُ

اس سے لینے پھر واپس کرنے میں اس پر۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقوّم حاصل ہوا ہے غاصب کے فعل سے اور غاصب کا فعل

مُتَقَوِّمَةٌ لِاسْتِعْمَالِهِ مَالًا مُتَقَوِّمًا فِيهِ ، وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَهُ حَتَّى

قیمتی کرنے والا ہے؛ بوجہ اس کے استعمال کرنے کے مالِ متقوّم کو اس میں، اسی لیے اس کو اختیار ہے کہ روک دے اس کو یہاں تک کہ

يَسْتَوْفِيَ مَا زَادَ الدِّبَاغُ فِيهِ فَكَانَ حَقًّا لَهُ وَالْجِلْدُ تَبَعٌ لَهُ فِي حَقِّ التَّقَوُّمِ ، ثُمَّ الْأَصْلُ وَهُوَ الصَّنْعَةُ

وصول کرلے وہ جو اضافہ کیا ہے پکانے نے اس میں، پس یہ حق ہے غاصب کا، اور کھال تابع ہے اس کا قیمتی ہونے کے حق میں، پھر اصل جو کہ صنعت ہے

غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَيْهِ فَكَذَا التَّابِعُ ، كَمَا إذَا هَلَكَ مِنْ غَيْرِ صَنْعَةٍ ،{5}بِخِلَافِ وُجُوبِ الرَّدِّ حَالَ قِيَامِهِ؛

مضمون نہیں ہے اس پر، پس اسی طرح تابع ہے جیسا کہ جب ہلاک ہو جائے اس کے فعل کے بغیر۔ بر خلاف حالتِ قیام میں وجوبِ واپسی کے؛

لِأَنَّهُ يَتْبَعُ الْمِلْكَ ، وَالْجِلْدُ غَيْرُ تَابِعٍ لِلصَّنْعَةِ فِي حَقِّ الْمِلْكِ لِثُبُوتِهِ قَبْلَهَا .وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُتَقَوِّمًا،

کیونکہ یہ ملک کا تابع ہے، اور کھال تابع نہیں ہے صنعت کا ملک کے حق میں؛ بوجہ اس کے ثبوت کے اس سے پہلے اگرچہ متقوّم نہیں تھی،

بِخِلَافِ الذَّكِيِّ وَالثَّوْبِ؛لِأَنَّ التَّقَوُّمَ فِيهِمَا كَانَ ثَابِتًا قَبْلَ الدَّبْغِ وَالصَّبْغِ فَلَمْ يَكُنْ تَابِعًا لِلصَّنْعَةِ{6}وَلَوْ كَانَ قَائِمًا

بر خلافِ مذبوح اور کپڑے کے؛ کیونکہ تقوّم ان دونوں میں ثابت ہے ذبح اور رنگ سے پہلے، پس وہ تابع نہیں ہے صنعت کا۔ اور اگر وہ موجود ہو

فَأَرَادَ الْمَالِكُ أَنْ يَتْرُكَهُ عَلَى الْغَاصِبِ فِي هَذَا الْوَجْهِ وَيُضَمِّنَهُ قِيمَتَهُ قِيلَ : لَيْسَ لَهُ

پس ارادہ کیا مالک نے کہ چھوڑ دے اس کو غاصب کے پاس اس صورت میں اور ضمان لے اس سے اس کی قیمت کا، تو کہا گیا ہے کہ اس کو اختیار نہیں

ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْجِلْدَ لَا قِيمَةَ لَهُ ، بِخِلَافِ صَبْغِ الثَّوْبِ ؛ لِأَنَّ لَهُ قِيمَةً .{7}وَقِيلَ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ

اس کا؛ کیونکہ کچی کھال کی کوئی قیمت نہیں۔ بر خلافِ رنگین کپڑے کے؛ کیونکہ اس کی قیمت تھی، اور کہا گیا ہے کہ اس کو یہ اختیار نہیں اس کا

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَعِنْدَهُمَا لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا تَرَكَهُ عَلَيْهِ وَضَمَّنَهُ
امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کو یہ اختیار ہے؛ کیونکہ جب کھال چھوڑ دی اس کے پاس اور اس سے ضمان لیا

عَجَزَ الْغَاصِبُ عَنْ رَدِّهِ فَصَارَ كَالِاسْتِهْلَاكِ ، وَهُوَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ.
تو عاجز ہوا غاصب اس کو واپس کرنے سے، پس ہو گیا استہلاک کی طرح، اور استہلاک اسی اختلاف پر ہے جیسا ہم بیان کر چکے اس کو۔

{8}ثُمَّ قِيلَ : يُضَمِّنُهُ قِيمَةَ جِلْدٍ مَدْبُوغٍ وَيُعْطِيهِ مَا زَادَ الدِّبَاغُ فِيهِ كَمَا فِي الِاسْتِهْلَاكِ.
پھر کہا گیا ہے کہ ضمان لے اس سے پکی ہوئی کھال کی قیمت کا اور دیدے اس کو وہ جو اضافہ کیا ہے پکانے نے اس میں جیسا کہ استہلاک میں،

وَقِيلَ يُضَمِّنُهُ قِيمَةَ جِلْدٍ ذَكِيٍّ غَيْرِ مَدْبُوغٍ ،{9}وَلَوْ دَبَغَهُ بِمَا لَا قِيمَةَ لَهُ كَالتُّرَابِ وَالشَّمْسِ فَهُوَ
اور کہا گیا ہے کہ ضمان لے مذبوح غیر مدبوغ کی قیمت کا، اور اگر کھال کو پکا یا ایسی چیز سے جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے مٹی اور دھوپ، تو وہ

لِمَالِكِهِ بِلَا شَيْءٍ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ غَسْلِ الثَّوْبِ .وَلَوِ اسْتَهْلَكَهُ الْغَاصِبُ يَضْمَنُ قِيمَتَهُ مَدْبُوغًا.
اس کے مالک کے لیے ہو گی مفت؛ کیونکہ یہ بمنزلۂ کپڑا دھونے کے ہے، اور اگر تلف کر دیا غاصب نے اس کو تو ضامن ہو گا مدبوغ کھال کی قیمت کا،

وَقِيلَ طَاهِرًا غَيْرَ مَدْبُوغٍ ؛ لِأَنَّ وَصْفَ الدِّبَاغَةِ هُوَ الَّذِي حَصَّلَهُ فَلَا يَضْمَنُهُ.
اور کہا گیا ہے کہ مذبوح غیر مدبوغ کی قیمت کا؛ کیونکہ وصفِ دباغت ہی وہ ہے جس کو غاصب نے پیدا کیا ہے، پس ضامن نہ ہو گا اس کا،

وَجْهُ الْأَوَّلِ وَعَلَيْهِ الْأَكْثَرُونَ أَنَّ صِفَةَ الدِّبَاغَةِ تَابِعَةٌ لِلْجِلْدِ فَلَا تُفْرَدُ عَنْهُ ، وَإِذَا صَارَ الْأَصْلُ مَضْمُونًا عَلَيْهِ
اور اول کی وجہ یہ ہے اور اسی پر اکثر ہیں؛ کیونکہ وصف دباغت تابع ہے کھال کا، پس الگ نہ ہو گا اس سے، اور جب اصل مضمون ہو گئی اس پر

فَكَذَا صِفَتُهُ ،{10}وَلَوْ خَلَّلَ الْخَمْرَ بِإِلْقَاءِ الْمِلْحِ فِيهِ قَالُوا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ:
تو اسی طرح اس کی صفت بھی ہے۔ اور اگر سرکہ بنا دیا شراب کو نمک ڈالنے سے اس میں، تو مشائخ نے کہا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک

صَارَ مِلْكًا لِلْغَاصِبِ وَلَا شَيْءَ لَهُ عَلَيْهِ .وَعِنْدَهُمَا أَخَذَهُ الْمَالِكُ وَأَعْطَى مَا زَادَ الْمِلْحُ
وہ ملک ہو گئی غاصب کی، اور کچھ واجب نہیں مالک کا اس پر، اور صاحبینؒ کے نزدیک لے لے گا اس کو مالک اور دیدے وہ جو اضافہ کیا ہے نمک نے

فِيهِ بِمَنْزِلَةِ دَبْغِ الْجِلْدِ، وَمَعْنَاهُ هَاهُنَا أَنْ يُعْطِيَ مِثْلَ وَزْنِ الْمِلْحِ مِنَ الْخَلِّ ،{11}وَإِنْ أَرَادَ الْمَالِكُ تَرْكَهُ عَلَيْهِ
اس میں بمنزلۂ کھال کی دباغت کے، اور یہاں اس کا معنی یہ ہے کہ دیدے وزنِ نمک کا مثل سرکہ، اور اگر ارادہ کیا مالک نے کہ چھوڑ دے اس پر

وَتَضْمِينَهُ فَهُوَ عَلَى مَا قِيلَ .وَقِيلَ فِي دَبْغِ الْجِلْدِ وَلَوِ اسْتَهْلَكَهَا
اور اس کو ضامن بنانا، تو وہ مشائخ کے انہی دو اقوال پر ہے جو کہے گئے ہیں دباغتِ جلد کے بارے میں، اور اگر تلف کر دیا اس کو

لَا يَضْمَنُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا كَمَا فِي دَبْغِ الْجِلْدِ ،{12}وَلَوْ خَلَّلَهَا بِإِلْقَاءِ الْخَلِّ فِيهَا،
توضامن نہ ہوگا اس کا امام صاحبؒ کے نزدیک، اختلاف ہے صاحبینؒ کا جیسا کہ دباغتِ جلد میں۔ اور اگر سرکہ بنا دیا شراب کو سرکہ ڈالنے سے اس میں
فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ إنْ صَارَ خَلًّا مِنْ سَاعَتِهِ يَصِيرُ مِلْكًا لِلْغَاصِبِ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِهْلَاكٌ لَهُ
تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر وہ سرکہ ہوئی اسی وقت تو وہ غاصب کی ملک ہو جائے گی، اور کچھ واجب نہ ہوگا اس پر؛ کیونکہ یہ تلف کرنا ہے اس کو،
وَهُوَ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ ، وَإِنْ لَمْ تَصِرْ خَلًّا إلَّا بَعْدَ زَمَانٍ بِأَنْ كَانَ الْمُلْقَى فِيهِ خَلًّا قَلِيلًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا
حالانکہ وہ متقوّم نہیں ہے، اور اگر سرکہ نہ ہوئی مگر کچھ مدت کے بعد بایں وجہ کہ اس میں سرکہ کم ڈالا گیا ہو، تو وہ ان دونوں میں مشترک ہوگا
عَلَى قَدْرِ كَيْلِهِمَا ؛ لِأَنَّهُ خَلَطَ الْخَلَّ بِالْخَلِّ فِي التَّقْدِيرِ وَهُوَ عَلَى أَصْلِهِ لَيْسَ بِاسْتِهْلَاكٍ
ان کے پیمانے کے بقدر؛ کیونکہ اس نے ملا دیا تقدیر میں سرکہ کو سرکہ کے ساتھ، اور یہ اس کی اصل کے مطابق استہلاک نہیں ہے۔
وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ هُوَ لِلْغَاصِبِ فِي الْوَجْهَيْنِ ، وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ نَفْسَ الْخَلْطِ اسْتِهْلَاكٌ عِنْدَهُ،
اور امام صاحبؒ کے نزدیک وہ غاصب کے لیے ہے دونوں صورتوں میں اور کچھ نہیں غاصب پر؛ کیونکہ نفسِ خلط کرنا استہلاک ہے امام صاحبؒ کے نزدیک،
وَلَا ضَمَانَ فِي الِاسْتِهْلَاكِ؛لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مِلْكَ نَفْسِهِ .{13}وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَضْمَنُ بِالِاسْتِهْلَاكِ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ
اور ضمان نہیں ہے استہلاک میں؛ کیونکہ اس نے تلف کر دی اپنی ملک، اور امام محمدؒ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا استہلاک کی وجہ سے پہلی صورت میں؛
لِمَا بَيَّنَّا .وَيَضْمَنُ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مِلْكَ غَيْرِهِ .{14}وَبَعْضُ الْمَشَايِخِ
اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور ضامن ہوگا دوسری صورت میں؛ کیونکہ اس نے تلف کر دی غیر کی ملک، اور بعض مشائخ نے
أَجْرَوْا جَوَابَ الْكِتَابِ عَلَى إطْلَاقِهِ أَنَّ لِلْمَالِكِ أَنْ يَأْخُذَ الْخَلَّ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ؛لِأَنَّ الْمُلْقَى فِيهِ يَصِيرُ مُسْتَهْلَكًا
جاری رکھا ہے کتاب کا جواب اپنے اطلاق پر، کہ مالک کو اختیار ہے کہ لے لے سرکہ تمام صورتوں میں مفت؛ کیونکہ ڈالی گئی چیز مستہلک ہو جاتی ہے
فِي الْخَمْرِ فَلَمْ يَبْقَ مُتَقَوِّمًا .وَقَدْ كَثُرَتْ فِيهِ أَقْوَالُ الْمَشَايِخِ وَقَدْ أَثْبَتْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي.
خمر میں، پس وہ باقی نہیں رہتی ذی قیمت، اور کثیر ہیں اس میں مشائخ کے اقوال، اور ہم نے بیان کئے ہیں ان کو "کفایۃ المنتہی" میں۔

تشریح:۔{1} اگر غاصب نے سرکہ یا دباغت دی ہوئی کھال تلف کر دی تو وہ سرکہ کا ضامن ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھال کا ضامن نہ ہوگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دباغت دی ہوئی کھال کا ضامن ہوگا اور دباغت سے جو کچھ اس میں زیادتی ہوئی تھی وہ اسے دے دیا جائے گا اور اگر یہ کھال غاصب کے پاس خود تلف ہو گئی تو بالاجماع ضامن نہ ہوگا، پس سرکہ کے ضامن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہا حالانکہ وہ قیمتی مال ہے تو تلف کرنے سے غاصب اس کا ضامن ہوگا اور اس کا مثل سرکہ اس پر واجب ہوگا؛ کیونکہ سرکہ مثلی چیزوں میں سے ہے۔

{2} رہی کھال تو اس میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی ملکیت پر باقی ہے یہی وجہ ہے کہ مالک کو اسے لے لینے کا اختیار ہے اور حال یہ کہ وہ مال متقوم ہے تو تلف کرنے کی وجہ سے غاصب دباغت کی ہوئی کے حساب سے اس کا ضامن ہوگا اور دباغت سے جو کچھ اس میں زیادتی ہوگئی وہ مالک اس کو واپس دے گا جیسے کوئی کپڑا غصب کرکے اس کو رنگ دے پھر اسے تلف کردے تو غاصب اس رنگے ہوئے کپڑے کا ضامن ہوتا ہے اور رنگ سے جو کچھ زیادتی ہوئی وہ مالک اس کو واپس دے دیتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ کھال اگر موجود ہوتی تو اس کا واپس کرنا واجب تھا پھر جب غاصب نے اس کو تلف کر دیا تو اس کے بجائے اب اس کی قیمت واپس کردے جیسے مال مستعار میں ہوتا ہے کہ ہلاک کرنے سے مستعیر ضامن ہوتا ہے مگر ہلاک ہونے سے ضامن نہیں ہوتا ہے اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ تلف کرنے اور خود تلف ہوجانے میں فرق ہے یعنی تلف کرنے کی صورت میں غاصب کی طرف سے کوتاہی پائی جاتی ہے جبکہ تلف ہوجانے کی صورت میں غاصب کی طرف سے کوتاہی نہیں پائی جاتی ہے اس لیے تلف کرنے کی صورت میں ضامن ہوگا اور خود تلف ہونے کی صورت میں ضامن نہ ہوگا۔

{3} اور یہ جو صاحبینؒ نے فرمایا کہ "دباغت سے جو زیادتی ہوئی وہ غاصب کو واپس دے دی جائے" تو یہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ جو غاصب سے تاوان لیا جائے وہ دوسری جنس ہو اور جو رنگ کی زیادتی کی وجہ سے اسے دیا جائے وہ دوسری جنس ہو؛ کیونکہ اگر جنس متحد ہو تو اس کی حاجت نہیں بلکہ غاصب کے ذمہ سے جو اس کو دینا چاہیے کم کرکے باقی تاوان لے لے؛ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے کہ غاصب سے لے لے اور پھر اس کو واپس کردے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیمتی ہونا غاصب کے فعل سے حاصل ہوا ہے اور اس کی کاریگری شئی کو قیمتی کرنے والی ہے؛ کیونکہ اس نے قیمتی مال اس میں استعمال کیا اسی لیے غاصب کو یہ اختیار ہوا کہ کھال کو اس وقت تک روکے رکھے کہ جو کچھ اس کی دباغت سے زیادتی ہوئی ہے وہ حاصل کرلے پس یہ اس کا حق ہے اور کھال قیمتی ہوجانے میں اس کی کاریگری کا تابع ہے، پھر اصل یعنی کاریگری کا تو غاصب کے ذمہ ضمان نہیں ہے تو تابع یعنی کھال بھی مضمون نہ ہوگی تاکہ تبع کی اصل سے مخالفت لازم نہ آئے جیسے اگر غاصب کے فعل کے بغیر خود تلف ہوجائے تو بالاتفاق غاصب ضامن نہیں ہوتا ہے۔

{5} باقی کھال موجود ہونے کی صورت میں حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اس صورت میں کھال ملک کا تابع ہے اور ملکیت کے حق میں یہ کھال اس غاصب کی دباغت کا تابع نہیں ہے؛ کیونکہ مالک کی ملک غاصب کی صنعت سے پہلے ثابت تھی اگرچہ قیمتی نہ تھی۔ باقی ایسی کھال کا حکم اس کے برخلاف ہے جو ذبح کی ہوئی ہو؛ کیونکہ وہ پاک اور قیمتی ہے اور اس کا قیمتی ہونا ذبح اور دباغت دینے سے پہلے ثابت تھا لہٰذا اس کا قیمتی ہونا غاصب کی صنعت کا تابع نہیں ہے اس لیے اسے واپس کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح کپڑے

کا حکم بھی غیر مدبوغ کھال کے برخلاف ہے کہ اسے واپس کیا جائے گا؛ کیونکہ کپڑے کا قیمتی ہونا غاصب کے رنگ دینے سے پہلے ثابت تھا لہذا اس کا قیمتی ہونا غاصب کی صنعت کا تابع نہیں ہے۔

{6} اگر یہ کھال جس کو کسی قیمتی چیز سے دباغت دی گئی ہے غاصب کے پاس موجود ہو اور مالک نے چاہا کہ اس کو غاصب کے ذمہ چھوڑ کر غاصب سے اس کی قیمت کا تاوان لے تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ بالاتفاق مالک کو یہ اختیار نہیں؛ کیونکہ دباغت سے پہلے مردار کھال کی کچھ قیمت نہ تھی اس لیے غاصب سے اس کی قیمت کا تاوان نہیں لے سکتا ہے۔ باقی کپڑے کو رنگ دینے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ رنگ دینے سے پہلے کپڑے کی قیمت ثابت تھی اس لیے مالک کو اختیار ہے کہ غاصب کے ذمہ چھوڑ کر اس کی قیمت کا تاوان لے لے۔

{7} اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک کو مذکورہ اختیار نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک کو یہ اختیار حاصل ہے پس یہ مسئلہ اختلافی ہے؛ اور اس اختلاف کی دلیل یہ ہے کہ جب مالک نے غاصب کے ذمہ کھال چھوڑ دی اور اس سے تاوان لیا یعنی اس کو دباغت کی قیمت نہ دی تو غاصب اس کی واپسی سے عاجز ہو گیا اور یہ عجز اس کے اپنے فعل کی وجہ سے ہے کہ اس نے اس کو دباغت دی تو یہ ایسا ہو گیا جیسے غاصب نے تلف کر ڈالی ہو اور تلف کر ڈالنے کی صورت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ ہم نے سابق میں بیان کر دیا تو اس صورت میں بھی ان ائمہ میں اختلاف ہو گا۔

{8} پھر جب صاحبینؒ کے نزدیک مالک کو تاوان لینے کا اختیار ہے تو بعض مشائخ کے نزدیک دباغت کی ہوئی کھال کی قیمت کا تاوان لے اور دباغت میں جو کچھ اس نے زیادتی کر دی وہ غاصب کو دیدے جیسے غاصب کے تلف کر ڈالنے کی صورت میں ہوتا ہے، اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ذبح کی ہوئی غیر مدبوغ کھال کی قیمت کا تاوان لے یعنی دباغت کا حق نہیں دے گا۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ غاصب نے ایسی چیز سے دباغت دی ہو جس کی کچھ قیمت ہو۔

{9} اور اگر غاصب نے کھال کو ایسی چیز کے ساتھ دباغت دی جس کی کچھ قیمت نہیں ہے جیسے مٹی لگا کر یا دھوپ میں رکھ کر دباغت دی تو یہ اپنے مالک کے لیے مفت ہو گی؛ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے غاصب کپڑا غصب کر کے دھو لے، اور اگر اس صورت میں غاصب نے اس کو تلف کر دیا تو جمہور مشائخ کے نزدیک مدبوغ کھال کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ اور بعض کے نزدیک ذبح کی ہوئی غیر مدبوغ کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ غاصب ہی نے وصف دباغت پیدا کیا ہے لہذا وہ اس کا ضامن نہ ہو گا۔ اور قولِ اول جس پر اکثر مشائخ ہیں کی دلیل یہ ہے کہ دباغت کا وصف تو کھال کا تابع ہے؛ کیونکہ وہ کسی قیمتی مال کے بغیر حاصل ہوا ہے پس اس سے علیحدہ نہیں ہو گا اور جب اصل کھال کی ضمانت اس پر واجب ہوئی تو اس کے ساتھ اس صفت کی بھی واجب ہو گی۔

{10} اگر شراب کو غاصب نے اس میں نمک ڈال کر سرکہ کر دیا تو مشائخ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ غاصب کی ملک ہو گیا اور مالک کے لیے غاصب پر کچھ تاوان لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب قیمتی چیز نہیں ہے تو غاصب نے ایسی چیز جس کی کچھ قیمت نہیں ہے لے کر اپنے مال سے قیمتی بنائی اس لیے غاصب اس کا مالک ہو گیا لہٰذا ضامن نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک اس کو لے لے اور نمک نے جو کچھ اس میں زیادتی کر دی وہ غاصب کو واپس دیدے جیسے کھال کو دباغت دینے کی صورت میں حکم ہے۔ اور یہاں نمک کی وجہ سے آئی ہوئی زیادتی واپس کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ نمک کے وزن کے برابر سرکہ میں سے غاصب کو دیدے۔

{11} اور اگر مالک نے چاہا کہ یہ سرکہ غاصب کے ذمہ چھوڑ کر اس سے تاوان لے تو اس میں مشائخ کے وہی دو قول ہیں جو کھال کی دباغت میں گذرے یعنی بعض نے کہا ہے کہ بالاتفاق مالک کو یہ اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ سرکہ کر ڈالنے سے پہلے شراب کی کوئی قیمت نہ تھی اور بعض نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک اس سے تاوان لے سکتا ہے، اور اگر غاصب نے یہ سرکہ تلف کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ضامن ہوگا جیسے مردار کی کھال کو دباغت کے بعد تلف کرنے میں حکم ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول ابی حنیفة: قال العلامة ابراهیم الحلبی: وان اتلفه لایضمن وعندهما یضمنه مدبوغاً الخ (القول الراجح: 263/2)

{12} اور اگر غاصب نے مذکورہ شراب میں سرکہ ڈال کر سرکہ بنائی، تو امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر وہ سرکہ ڈالتے ہی اسی گھڑی میں سرکہ ہو گئی تو وہ غاصب کی ملکیت ہو جائے گی اور اس پر کچھ ضمان بھی واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ شراب کو اس نے ایسی حالت میں تلف کر دیا کہ وہ قیمتی مال نہ تھی اس لیے اس پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

اور اگر وہ اسی وقت سرکہ نہ ہوئی بلکہ تھوڑی دیر بعد سرکہ ہوئی مثلاً جو سرکہ اس میں ڈالا تھا وہ قلیل تھا تو یہ کل سرکہ ان دونوں میں بقدر ہر ایک کے پیمانہ کے مشترک ہوگا؛ کیونکہ یہاں گویا اس نے تقدیر میں جو سرکہ بننے والی تھی اس میں سرکہ ملا دیا ہے اگرچہ وہ ملانے کے وقت شراب تھی اور یہ امام محمدؒ کی اصل (کہ شئی کا اپنی جنس کے ساتھ مل جانا استہلاک نہیں) کے مطابق تلف کرنا نہیں ہے اس لیے اس میں ہر ایک اپنے پیمانہ کے بقدر شریک ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ دونوں صورتوں میں غاصب کے لیے ہے یعنی خواہ اسی ساعت سرکہ ہو جائے یا کچھ زمانہ کے بعد سرکہ ہو جائے بہر حال غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور اس پر کچھ تاوان

واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نفس ملاناہی استہلاک ہے اور یہاں استہلاک میں اس پر کچھ تاوان واجب نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے اپناہی قیمتی مال یعنی سرکہ ایسی چیز (شراب) میں ڈال دیا جو متقوم نہیں ہے۔

{13} اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی صورت (بلا تاخیر سرکہ ہوجانے کی صورت) میں استہلاک کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ اس نے شراب بے قیمت ہونے کی حالت میں تلف کردی، اور دوسری صورت میں ضامن ہوگا یعنی جبکہ شراب کچھ زمانہ کے بعد سرکہ ہوئی تو اس صورت میں تلف کرنے کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے غیر کی ملکیت تلف کی یعنی وہ شراب نہیں بلکہ گویا سرکہ تھی تو ضامن قرار پایا؛ کیونکہ سرکہ مال متقوم ہے۔

{14} اور بعض مشائخ نے کتاب کا حکم اپنے اطلاق پر رکھا ہے یعنی جامع صغیر میں جو مذکور ہے کہ شراب کا مالک سرکہ کو مفت لے سکتا ہے تو بعض نے اس کا یہ معنی لیا تھا کہ جب بغیر کسی قیمتی چیز کے سرکہ کرڈالے تو مفت لے سکتا ہے اور بعض نے اس کو مطلق رکھا ہے یعنی مالک کو اختیار ہے کہ سب صورتوں میں سرکہ مفت لے لے یعنی خواہ سرکہ کرنا بغیر کسی چیز کے صرف دھوپ میں رکھنے سے ہو یا نمک ڈالنے سے ہو یا سرکہ ملانے سے ہو سب صورتوں میں مفت لے سکتا ہے؛ کیونکہ جو چیز ڈالی گئی وہ شراب میں ہلاک ہو گئی تو وہ قیمتی مال نہیں رہی، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم میں مشائخ کے اقوال بہت ہیں جن کو ہم نے "کفایۃ المنتہی" میں بیان کیا ہے۔

{1} قَالَ: وَمَنْ كَسَرَ لِمُسْلِمٍ بَرْبَطًا أَوْ طَبْلًا أَوْ مِزْمَارًا أَوْ دُفًّا أَوْ أَرَاقَ لَهُ سَكَرًا أَوْ مُنَصَّفًا فَهُوَ ضَامِنٌ، وَبَيْعُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ جَائِزٌ
فرمایا: اور جو شخص توڑدے مسلمان کا بربط، یا ڈھول، یا بانسری یا دف یا گرادے اس کا سکر یا منصّف، تو وہ ضامن ہوگا، اور بیع ان اشیاء کی جائز ہے،

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: لَا يَضْمَنُ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهَا. وَقِيلَ
اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے: ضامن نہ ہوگا اور جائز نہیں ان کی بیع، اور کہا گیا ہے کہ

الِاخْتِلَافُ فِي الدُّفِّ وَالطَّبْلِ الَّذِي يُضْرَبُ لِلَّهْوِ. فَأَمَّا طَبْلُ الْغُزَاةِ وَالدُّفُّ الَّذِي يُبَاحُ ضَرْبُهُ فِي الْعُرْسِ يَضْمَنُ
اختلاف اس دف اور ڈھول میں ہے جو بجایا جاتا ہو لہو کے لیے، رہا غازیوں کا ڈھول، اور وہ دف جس کا بجانا مباح ہے شادیوں میں، ضامن ہوگا

بِالْإِتْلَافِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ. وَقِيلَ الْفَتْوَى فِي الضَّمَانِ عَلَى قَوْلِهِمَا. {2} وَالسَّكَرُ اسْمٌ لِلنِّيءِ مِنْ مَاءِ الرُّطَبِ
ان کو تلف کرنے سے بلا خلاف، اور کہا گیا ہے کہ فتویٰ ضمان کے بارے میں صاحبینؒ کے قول پر ہے، اور سکر کھجور کی کچی تازی کا نام ہے

إِذَا اشْتَدَّ. وَالْمُنَصَّفُ مَا ذَهَبَ نِصْفُهُ بِالطَّبْخِ. وَفِي الْمَطْبُوخِ أَدْنَى طَبْخَةٍ وَهُوَ الْبَاذَقُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رِوَايَتَانِ
جب وہ گاڑھی ہوجائے، اور منصّف وہ ہے جس کا نصف جاتا رہے پکانے سے، اور خفیف سی پکائی ہوئی میں اور وہ باذق ہے، امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں

فِي التَّضْمِينِ وَالْبَيْعِ .{3}لَهُمَا أَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ أُعِدَّتْ لِلْمَعْصِيَةِ فَبَطَلَ تَقَوُّمُهَا كَالْخَمْرِ،
تضمین اور بیع میں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ اشیاء تیار کی گئی ہیں معصیت کے لیے، پس باطل ہے ان کا تقوم شراب کی طرح،

وَلِأَنَّهُ فَعَلَ مَا فَعَلَ آمِرًا بِالْمَعْرُوفِ وَهُوَ بِأَمْرِ الشَّرْعِ فَلَا يَضْمَنُهُ كَمَا إذَا فَعَلَ
اور اس لیے کہ اس نے جو کچھ کیا امر بالمعروف کے طور پر کیا، اور یہ شرع کے حکم سے ہے، پس ضامن نہ ہوگا اس کا جیسا کہ جب وہ کرلے

بِإِذْنِ الْإِمَامِ .{4}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا أَمْوَالٌ لِصَلَاحِيَتِهَا لِمَا يَحِلُّ مِنْ وُجُوهِ الِانْتِفَاعِ
امام کی اجازت سے۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ اموال ہیں؛ کیونکہ یہ قابل ہیں طرق انتفاع میں سے ان کے جو حلال ہیں،

وَإِنْ صَلَحَتْ لِمَا لَا يَحِلُّ فَصَارَ كَالْأَمَةِ الْمُغَنِّيَةِ .وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْفَسَادَ بِفِعْلِ فَاعِلٍ مُخْتَارٍ
اگرچہ قابل ہیں ایسے طرق کے جو حلال نہیں پس ہو گئے گانے والی باندی کی طرح، اور یہ اس لیے کہ فساد فاعل مختار کے فعل سے ہے،

فَلَا يُوجِبُ سُقُوطَ التَّقَوُّمِ،وَجَوَازُ الْبَيْعِ وَالتَّضْمِينِ مُرَتَّبَانِ عَلَى الْمَالِيَّةِ وَالتَّقَوُّمِ{5}وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ بِالْيَدِ إلَى الْأُمَرَاءِ
پس یہ واجب نہیں کرتا ہے سقوطِ تقوم کو، اور جوازِ بیع اور تضمین دونوں مرتب ہیں مالیت اور تقوم پر، اور امر بالمعروف ہاتھ سے امراء کے سپرد ہے

لِقُدْرَتِهِمْ وَبِاللِّسَانِ إلَى غَيْرِهِمْ ، وَتَجِبُ قِيمَتُهَا غَيْرُ صَالِحَةٍ لِلَّهْوِ كَمَا فِي الْجَارِيَةِ الْمُغَنِّيَةِ
ان کی قدرت کی وجہ سے، اور زبان سے ان کے غیر کو، اور واجب ہوگی ان کی قیمت لہو کے لائق نہ ہونے کے حساب سے جیسا کہ گانے والی باندی،

وَالْكَبْشِ النَّطُوحِ وَالْحَمَامَةِ الطَّيَّارَةِ وَالدِّيكِ الْمُقَاتِلِ وَالْعَبْدِ الْخَصِيِّ تَجِبُ الْقِيمَةُ غَيْرَ صَالِحَةٍ لِهَذِهِ الْأُمُورِ، كَذَا هَذَا
لڑاکا مینڈھے، اڑان والے کبوتر، لڑاکا مرغ اور خصی غلام میں واجب ہوگی قیمت ان امور کے لائق نہ ہونے کے حساب سے، اسی طرح یہ ہے۔

{6}وَفِي السَّكَرِ وَالْمُنَصَّفِ تَجِبُ قِيمَتُهُمَا ، وَلَا يَجِبُ الْمِثْلُ ؛ لِأَنَّ الْمُسْلِمَ مَمْنُوعٌ عَنْ تَمَلُّكِ عَيْنِهِ
اور سکر اور منصف میں واجب ہوگی ان دونوں کی قیمت، اور واجب نہ ہوگا مثل؛ کیونکہ مسلمان ممنوع ہے اس کے عین کے مالک ہونے سے

وَإِنْ كَانَ لَوْ فَعَلَ جَازَ ،{7}وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا أَتْلَفَ عَلَى نَصْرَانِيٍّ صَلِيبًا حَيْثُ يَضْمَنُ قِيمَتَهُ صَلِيبًا؛
اگرچہ جائز ہوگا اگر اس نے کر لیا، اور یہ برخلاف اس کے ہے کہ تلف کردے نصرانی کی صلیب کہ وہ ضامن ہوگا اس کے صلیب ہونے کی قیمت کا؛

لِأَنَّهُ مُقَرٌّ عَلَى ذَلِكَ .{8}قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ أُمَّ وَلَدٍ أَوْ مُدَبَّرَةً فَمَاتَتْ فِي يَدِهِ ضَمِنَ قِيمَةَ الْمُدَبَّرَةِ
کیونکہ وہ برقرار رکھا گیا ہے اس پر۔ فرمایا: اور جو شخص غصب کرلے ام ولد یا مدبرہ کو، پھر وہ مر گئی اس کے قبضہ میں تو ضامن ہوگا مدبرہ کی قیمت کا،

وَلَا يَضْمَنُ قِيمَةَ أُمِّ الْوَلَدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يَضْمَنُ قِيمَتَهُمَا ؛ لِأَنَّ مَالِيَّةَ الْمُدَبَّرَةِ
اور ضامن نہ ہوگا ام ولد کی قیمت کا امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین فرماتے ہیں: ضامن ہوگا دونوں کی قیمت کا؛ کیونکہ مدبرہ کی مالیت

مُتَقَوِّمَةٌ بِالِاتِّفَاقِ ، وَمَالِيَّةَ أُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ ، وَعِنْدَهُمَا مُتَقَوِّمَةٌ ، وَالدَّلَائِلُ ذَكَرْنَاهَا

متقوّم ہے بالاتفاق، اور ام ولد کی مالیت متقوّم نہیں ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے نزدیک متقوّم ہے، اور دلائل کو ہم نے ذکر کیا ہے

فِي كِتَابِ الْعَتَاقِ مِنْ هَذَا الْكِتَابِ .

اسی کتاب کی کتاب العتاق میں۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی نے دوسرے مسلمان کا بربط (ایک قسم کا ساز ہے) یا طبل (بڑا ڈھول) یا مزمار (بانسری، باجہ) یا دف (ڈھولکی) توڑ ڈالا یا اس کی سکر یا منصف بہادی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک توڑنے والا ضامن ہو گا، اور ان چیزوں کی بیع جائز ہے۔ اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ ضامن نہیں ہو گا اور ان چیزوں کی بیع جائز نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ اختلاف اس دف اور طبل میں ہے جو لہو کے لیے بجایا جاتا ہے، باقی غازیوں کا طبل اور مجلس نکاح میں جو دف بجانا مباح ہے اس دف کے توڑنے میں بلا اختلاف ضامن ہو گا۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ضمان نہ ہونے کے بارے میں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے یعنی توڑنے والا ضامن نہ ہو گا۔

{2} سکر اور منصف بہانے سے ضامن نہ ہو گا، اور سکر کھجور کے کچا شیرہ کا نام ہے جب گاڑھا ہو جائے، اور منصف وہ ہے جو پکانے سے نصف جل جائے، اور جو ہلکا پکایا جائے جس کو باذق کہتے ہیں اس کے بارے میں ضامن ہونے میں اور اس کی بیع جائز ہونے میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں مروی ہیں، ایک روایت میں اس کی بیع جائز ہے اور بہانے والا ضامن ہو گا اور دوسری روایت میں بیع جائز نہیں اور بہانے والا ضامن نہیں۔

{3} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں معصیت کے لیے تیار کی گئی ہیں تو ان کا قیمتی ہونا باطل ہو گیا جیسے شراب غیر قیمتی ہے اور غیر قیمتی چیز کو تلف کرنے پر ضمان واجب نہیں ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ توڑنے اور بہانے والے نے جو کچھ کیا وہ اس نے امر بالمعروف کے طور پر کیا اور نیک باتوں کا حکم کرنا شریعت کے حکم سے ہے خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان سے ہو اور شریعت کے حکم سے کئے گئے کام کا بندہ ضامن نہیں ہوتا ہے جیسے اگر کسی نے امام المسلمین کے حکم سے ان چیزوں کو توڑا تو وہ ضامن نہیں ہوتا ہے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی اموال ہیں؛ کیونکہ حلال طریقوں پر ان سے فائدہ اٹھانے کی یہ چیزیں صلاحیت رکھتی ہیں اگرچہ ایسے طور پر بھی ان سے کام لیا جاتا ہے جو حلال نہیں ہے تو ان کا حال گانے والی باندی کی طرح ہو گیا یعنی اگر اس سے گانے کا کام لیا جائے تو حرام ہے اور اگر خدمت وغیرہ کا کام لیا جائے تو حلال ہے؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرام کام لینا تو کام

لینے والے کے اختیاری فعل سے ہے تو یہ ان کا قیمتی ہونا ساقط نہیں کر سکتا اور ان کی بیع کا جواز اور ان کا ضمان لینا ان کی مالیت اور ان کے قیمتی ہونے پر مرتب ہے تو جب یہ ثابت ہوا کہ یہ اموال ہیں تو ان کی بیع جائز ہے اور توڑنے والے پر ضمان واجب ہوگا۔

{5} باقی ان چیزوں کے توڑنے کو امر بالمعروف قرار دینا اس لیے صحیح نہیں کہ امر بالمعروف ہاتھ سے کرنا امراء کے حوالہ ہے؛ کیونکہ اس کی قدرت حاکم اور سلطان کو حاصل ہے، حاکم کے علاوہ دوسروں کو چاہیئے کہ صرف زبان سے منع کردے پس جب حاکم کے علاوہ نے ہاتھ سے امر بالمعروف کرکے کوئی چیز توڑدی تو قیمت کا ضامن ہوگا۔ پھر ان چیزوں کی قیمت اس حساب سے واجب ہوگی کہ جب یہ لہو ولعب کے لائق نہ ہوں جیسے گانے والی باندی میں صرف باندی کی قیمت واجب ہوتی ہے گانے کا لحاظ نہیں ہوتا، اور جیسے لڑائی کے مینڈھے اور اڑانے کے کبوتر، اور لڑائی کے مرغ میں صرف جانور کی قیمت واجب ہوتی ہے ان امور کے قابل ہونے کے لحاظ سے قیمت واجب نہیں ہوتی ہے اور جیسے خصی غلام میں خصی ہونے کے لحاظ سے قیمت واجب نہیں ہوتی ہے اسی طرح ان چیزوں کی قیمت بھی اس لحاظ سے لگائی جائے گی کہ یہ چیزیں ان کاموں کے لائق نہ ہوں۔

{6} سکر اور منصف کی صورت میں ان کی قیمت واجب ہوگی اور ان کا مثل واجب نہ ہوگا اگرچہ یہ چیزیں مثلی ہیں؛ کیونکہ مسلمان کو اس سے روک دیا گیا ہے کہ وہ ان چیزوں کی ذات کا مالک ہو اور ان چیزوں کا مثل لینا ایسا ہے جیسا کہ ان کی ذات کو لینا اس لیے ان کا مثل لینا جائز نہیں، البتہ ان کی قیمت لینا ایسا نہیں ہے جیسا کہ ان کی ذات کو لینا اس لیے قیمت لینا جائز ہے، لیکن اگر اس نے ان چیزوں کی ذات کی ملکیت حاصل کرلی تو جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ اصل مالیت اور تقوم موجود ہے۔

{7} اور یہ حکم ایسی صورت کے برخلاف ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی نصرانی کی صلیب تلف کردے تو اس کی قیمت کا صلیب ہونے کے لحاظ سے ضامن ہوگا؛ کیونکہ نصرانی اس کام (اپنے دین اور صلیب کی عبادت) پر چھوڑدیا گیا ہے لہٰذا صلیب ہونے کے لحاظ سے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

فتویٰ:۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما فی الدر المختار: ( وَضَمِنَ بِكَسْرِ مِعْزَفٍ ) بِكَسْرِ الْمِيمِ آلَةُ اللَّهْوِ وَلَوْ لِكَافِرٍ ابْنُ كَمَالٍ ( قِيمَتَهُ ) خَشَبًا مَنْحُوتًا ( صَالِحًا لِغَيْرِ اللَّهْوِ وَ ) ضَمِنَ الْقِيمَةَ لَا الْمِثْلَ ( بِإِرَاقَةِ سُكْرٍ وَمُنَصَّفٍ ) يَجِيءُ بَيَانُهُ فِي الْأَشْرِبَةِ ( وَصَحَّ بَيْعُهَا ) كُلِّهَا وَقَالَا لَا يَضْمَنُ وَلَا يَصِحُّ بَيْعُهَا ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُلْتَقًى وَدُرَرٌ وَزَيْلَعِيٌّ

وَغَيْرُهَا ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ .وَأَمَّا طَبْلُ الْغُزَاةِ زَادَ فِي حَظْرِ الْخُلَاصَةِ وَالصَّيَّادِينَ وَالدُّفُّ الَّذِي يُبَاحُ ضَرْبُهُ فِي الْعُرْسِ فَمَضْمُونٌ اتِّفَاقًا (الدّر المختار علی هامش ردّ المحتار:148/5)

{8} اگر کسی نے دوسرے کی ام ولد یا مدبرہ باندی غصب کرلی پھر وہ غاصب کے ہاتھ میں مرگئی، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدبرہ کی قیمت کا ضامن ہوگا اور ام ولد کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ مدبرہ کی مالیت بالاتفاق قیمتی ہے اور ام ولد کی مالیت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالِ متقوّم نہیں ہے اس لیے غاصب ضامن نہ ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک مالِ متقوّم ہے اس لیے غاصب ضامن ہوگا اور ہم نے جانبین کے دلائل کو ہدایہ کی "کتاب العتاق" میں ذکر کیا ہے۔

فتوی:۔ مولانا مفتی غلام قادر نعمانی دامت برکاتہم نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: القول الراجح هو قول الامام ،قال العلامة الحلبی :ومن غصب مدبرة فماتت فی یده ضمن قیمتها و لو ام ولد فلاضمان خلافاً لهما الخ (القول الراجح:265/2)

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عُيُوْبَنَا وَ اغْفِرْ ذُنُوْبَنَا ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِتَرْكِ الْمَعَاصِي، اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا،وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ابتداء: بروزِ بدھ، 18 شعبان 1440ھ بمطابق 24 اپریل، 2019ء

انتہاء: بروزِ جمعرات، 31 دسمبر، 2020ء۔ بمطابق 15 جمادی الاولیٰ 1442ھ